وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ

آیاتِ بیّنات

نواب محسن الملک سید محمد مہدی علی خان

تردید مذہب شیعہ میں وہ مشہور اور عظیم کتاب جس کا صحیح جواب آج تک علماء شیعہ نہ دے سکے جس میں خود شیعہ مذہب کی کتب اور اُن کے علماء کے اقوال سے صحابہؓ کے فضائل اور خلافتِ راشدہ کو ثابت کیا ہے اور مسئلہ نکاح ام کلثومؓ و مسئلہ فدک پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ١

ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ٢ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ٣

مَٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ٤ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ٥

ٱهْدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلْمُسْتَقِيمَ ٦ صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ ٧

تم إعداد هذا الكتاب بالتعاون مع:

موقع البرهان : www.alburhan.com

موقع العقيدة : www.aqeedeh.com

محفوظة جميع الحقوق

لا يسمح بالنشر الالكتروني أو المطبوع إلا بعد الرجوع والإستئذان من أحد الموقعين

فہرست مضامین

حصہ اوّل

❀ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں مولانا علی میاں ندویؒ کی رائے عالی -- 10
❀ گفتنی -- 12
❀ حالاتِ مصنف -- 19
❀ تمہید از مصنف -- 29
❀ تمہید -- 31

دلائل عقلی صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں

❀ پہلی دلیل -- 32
❀ دوسری دلیل -- 33
❀ تیسری دلیل -- 37
❀ چوتھی دلیل -- 39
❀ پانچویں دلیل -- 41

شواہد نقلی صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں

❀ توریت وانجیل کی شہادت صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں ---------------- 43
❀ پہلی شہادت توریت کی -- 44
❀ پہلی روایت کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے قتل کا ارادہ کیا --------- 44
❀ دوسری روایت کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں کے قتل کا مشورہ دیا - 46
❀ دوسری شہادت انجیل کی -- 46

قرآن مجید کی شہادتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں

❀ پہلی آیت ---------- 48

❀ دوسری آیت ---------- 53

❀ تیسری آیت ---------- 55

❀ چوتھی آیت ---------- 60

❀ پانچویں آیت ---------- 75

❀ چھٹی آیت ---------- 79

❀ ساتویں آیت ---------- 86

❀ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل ---------- 88

شیعیان عبداللہ بن سبا کے اعتراضات کا بیان

❀ پہلا اعتراض پہلی فضیلت پر ---------- 92

❀ دوسرا اعتراض دوسری فضیلت پر ---------- 106

❀ تیسرا اعتراض تیسری فضیلت پر ---------- 108

❀ امر چہارم کے ثبوت میں ---------- 110

❀ امر پنجم کے ثبوت میں ---------- 111

❀ امر ششم کے ثبوت میں ---------- 111

❀ ساتواں اعتراض ساتویں فضیلت پر ---------- 113

❀ آٹھواں اعتراض آٹھویں فضیلت پر ---------- 119

❀ نواں اعتراض نویں فضیلت پر ---------- 138

ائمہ کرام کی شہادتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں

❀ پہلی حدیث ---------- 138
❀ دلیل اوّل ---------- 138
❀ دوسری دلیل ---------- 152
❀ تیسری دلیل ---------- 153
❀ پہلی دلیل ---------- 152
❀ دوسری دلیل ---------- 164
❀ تیسری دلیل ---------- 165
❀ چوتھی دلیل ---------- 165
❀ دوسری شہادت ---------- 170
❀ امر اوّل: امام کا اصحاب رضی اللہ عنہم کے حق میں دعائے خیر کرنا ---------- 173
❀ امر دوم: پیغمبرؐ خدا کے یاروں کے ایمان کے سبب مصیبت پانا ---------- 175
❀ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا حال ---------- 184
❀ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا بیان ---------- 197
❀ اشعار حملہ حیدریہ۔ در کیفیت ایمان آوردن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ---------- 205

صحابہ رضی اللہ عنہم کے تابعین کی فضیلتیں اور ان کی نشانیاں

❀ تیسری شہادت ---------- 232
❀ چوتھی شہادت ---------- 233
❀ پانچویں شہادت ---------- 239
❀ چھٹی شہادت ---------- 247
❀ ساتویں شہادت ---------- 256

❀ آٹھویں شہادت -- 274
❀ نویں شہادت: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا بیان -- 300
❀ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کا اثبات دلائل سے - 306
❀ مومنہ کا نکاح، ناصبی کے ساتھ جائز نہ ہونا ---------------------------- 329
❀ ضمیمہ: نکاح اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا ------------------------------ 379

حصہ دوم

❀ تمہید -- 393
❀ آیاتِ فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں شیعوں کا جواب ---------- 403
❀ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منافق نہ ہونے کا ثبوت -------------------- 463
❀ دلیل اوّل و دوم -- 463
❀ دلیل سوم --- 473
❀ دلیل چہارم -- 476
❀ صحابہ رضی اللہ عنہم کے منافق نہ ہونے کی پانچویں دلیل -------------- 511
❀ پہلی آیت -- 511
❀ دوسری آیت --- 513
❀ تیسری آیت --- 513
❀ چوتھی آیت --- 513
❀ آیاتِ فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم سے شیعوں کا دوسرا جواب ------------- 516
❀ شیعوں کا تیسرا جواب ---------------------------------- 536
❀ خاتمۃُ الکتاب --------------------------------------- 568

حصہ سوم

❀ تمہید فدک ---------------------------- 572
❀ پہلا مقدمہ ---------------------------- 573
❀ دوسرا مقدمہ ---------------------------- 576
فضیلت صحابہؓ بہ شہادت سر ولیم میور مؤرخ نصرانی ------------ 583
فضیلت صحابہؓ بہ شہادت گاؤفری ہینگس مؤرخ نصرانی ----------- 585
مؤرخ گبن کا بیان ---------------------------- 585
بیان تحریری سر ولیم میور ---------------------------- 587
❀ تیسرا مقدمہ ---------------------------- 601
❀ چوتھا مقدمہ ---------------------------- 680
❀ پانچواں مقدمہ ---------------------------- 738
❀ ضمیمہ ---------------------------- 779

حصہ چہارم

❀ فدک کی حقیقت، اس کے حدود اور اس کی آمدنی ---------------- 812
❀ فدک کیوں کر آنحضرت ﷺ کے قبضے میں آیا؟ ---------------- 816
❀ فے کے معنی اور اس کا مصرف ---------------------------- 821
❀ بحث متعلق ہبۂ فدک ---------------------------- 837
❀ فدک آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا تھا یا نہیں؟ ------ 846
❀ تناقض اور اختلاف شیعوں کی ان احادیث و اخبار میں جو اس باب میں بیان کی گئی ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا ---- 895

❀ آیت ﴿وَاٰتِ ذَالۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ﴾ کے موقع نزول اور طرزِ بیان پر غور کرنے سے
ہبہ فدک کا ثابت نہ ہونا ---------------------------- 907
❀ کیا یہ بات قیاس میں آسکتی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فدک جس کی آمدنی
چوبیس ہزار کہی جاتی ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ دے دیا ہو؟ -------- 925
❀ کیا فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضہ میں تھا؟ ---------------- 944
❀ آیا فدک کے ہبہ کا دعویٰ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے
سامنے کیا یا نہیں؟ -------------------------------- 948
❀ اب ہم ان روایتوں اور اقوال سے بحث کرتے ہیں جو اوپر بیان کیے گئے ہیں - 978
❀ تناقض اور اختلاف جو شیعوں کی ان روایتوں میں ہے جس میں ہبہ فدک کے
دعوے کا ذکر کیا گیا ہے ---------------------------- 998
❀ یادداشت ------------------------------------ 1052

❀❀❀❀

فہرست مشاہیر جن کے مختصر حالات حواشی میں درج ہیں

❀ علامہ حلی -- 44
❀ سیّد محمد قلی کنتوری ------------------------------------ 65
❀ قاضی نور اللہ شوستری ------------------------------------ 65
❀ مولوی حیدر علی فیض آبادی ------------------------------------ 99
❀ مولوی سیّد دلدار علی نصیر آبادی ------------------------------------ 115
❀ شیخ صدوق ------------------------------------ 146
❀ ملا باقر مجلسی ------------------------------------ 162
❀ شیخ مفید ------------------------------------ 201
❀ میرن صاحب ------------------------------------ 243
❀ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ------------------------------------ 257
❀ ابن میثم بحرانی ------------------------------------ 262
❀ علی بن عیسیٰ اردبیلی ------------------------------------ 274
❀ سلطان العلماء سیّد محمد لکھنوی ------------------------------------ 278
❀ میر حامد حسین ------------------------------------ 280
❀ ابو علی الفضل بن الحسن طبرسی ------------------------------------ 299
❀ احمد بن علی طبرسی ------------------------------------ 321

حصہ دوم

❀ ابن ابی الحدید معتزلی ------------------------------------ 396
❀ علی بن ابراہیم قمی ------------------------------------ 508
❀ محمد بن یعقوب کلینی ------------------------------------ 508

حصہ چہارم

❀ شریف مرتضیٰ ------------------------------------ 837

❀❀❀❀

کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسینی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے گرامی

نواب محسن الدولہ محسن الملک منیر نواز جنگ سیّد مہدی علی ابن سیّد ضامن علی حسینی (۱۲۵۳ھ تا ۱۳۲۵ھ) اس دور کے ممتاز ترین فضلاء، عالی دماغ اور ہندوستان کی جدید تعلیم یافتہ نسل کے محسنوں اور معماروں میں سے تھے۔ اپنے مطالعہ اور فطری سلامت طبع اور غور وفکر کی صلاحیت کی بنا پر سنی مذہب اختیار کیا۔ نواب مختار الملک کی دعوت پر ۱۲۹۱ھ میں حیدر آباد گئے اور اعلیٰ عہدے پر سرفراز ہوئے، ریاست میں بڑی دُور رَس اصلاحات کیں اور اپنی ذہنی و انتظامی صلاحیت کا ثبوت دیا۔ ۱۳۰۵ھ میں انگلستان کا سفر کیا، وہاں کے تعلیمی مرکزوں کو دیکھا، سر سیّد کی زندگی میں ان کے دست راست رہے۔ ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ (M.A.O College) اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ جس پر حین حیات فائز رہے، ان کے زمانے میں کالج نے ہر حیثیت سے ترقی کی۔

نواب محسن الملک بڑی طاقت ور شخصیت کے مالک تھے۔ سحر بیان مقرر اور پر زور لکھنے والے تھے۔ ان کی کتاب ''آیات بینات'' اپنے موضوع پر ایک معرکۃ الآراء کتاب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں شیعہ فرقہ کے عقیدے اور رویے کو دیکھ کر نواب محسن الملک (مولوی سیّد محمد مہدی علی صاحب) نے ''آیات بینات'' میں جو کچھ لکھا ہے اس پر اضافہ اور اس سے بہتر طریقے پر اس نفسیاتی و ذہنی ردّ عمل کا اظہار آسان نہیں، جو ایک سلیم الطبع انسان پر اس سے واقف ہونے کے بعد ہوتا ہے۔

(ماخوذ از ''دین اسلام اور اوّلین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں''، ص: ۶۰، ۶۱)

❀❀❀❀

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ

آیاتِ بیّنات

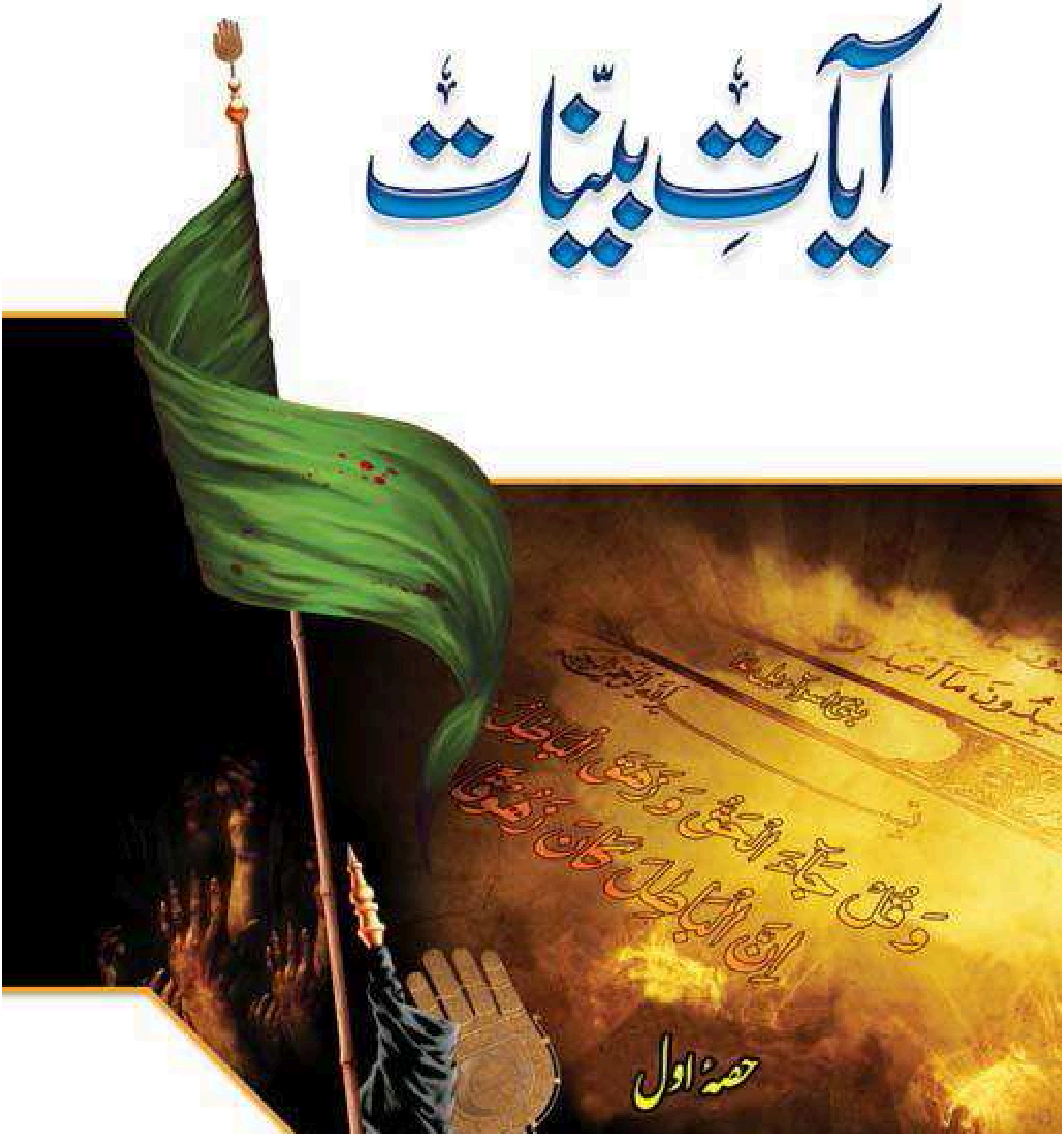

نواب محسن الملک سیّد محمّد مہدی علی خان

گفتنی

’’آیات بینات‘‘ کی اشاعت میری ایک دیرینہ تمنا کی تکمیل ہے، کیونکہ یہی وہ میری محسن کتاب ہے جس نے مجھے گمراہی کے اندھیرے، غار میں گرنے سے بچا لیا۔ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے اوائل میں میرے دل و دماغ پر شیعی افکار و نظریات چھائے ہوئے تھے۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ ان دنوں میں بظاہر تو اہل سنت مگر بہ باطن شیعہ تھا۔ شیعیت کی طرف مائل ہونے کے میرے لیے یوں تو کئی سبب تھے مگر ان میں دو سبب بہت اہم تھے، ایک تو میرا گھریلو ماحول، اور دوسرا میرے شیعہ دوست۔

میرے خاندانی بزرگ کچھ عابد و زاہد مگر کم علم صوفیوں کی محبت میں اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے جانے انجانے میں تفضیلیت زدہ تسنن کے شکار تھے۔ اودھ کے اکثر گھرانوں کی طرح میرے گھر میں بھی شہادت نامہ پڑھنے اور تعزیہ داری کا رواج تھا، اسی ماحول میں میری بھی پرورش ہوئی اور میں بذات خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت سے جو کہ مسلمانوں ہی کے ایک گروہ کے ہاتھوں ہوئی تھی، بے حد متاثر تھا اور آج بھی ہوں۔

اللہ مجھے معاف کرے، ان دنوں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں میرے خیالات بہت جارحانہ تھے، اور ان کے بارے میں اکثر میری زبان سے نازیبا کلمات نکل جاتے تھے۔ میری اسی روش سے شیعہ دوستوں کو حوصلہ ملا اور انہوں نے زمین ہموار دیکھی تو دانہ ڈال کر آب پاشی شروع کر دی۔ ان دنوں لکھنو میں قصبہ جرول ضلع بہرائچ کے ایک وکیل صاحب جو کہ ’’خطیب الایمان‘‘ کے لقب سے مشہور تھے، ردِّ اہل سنت کرنے اور اپنی شعلہ بیانی کی وجہ سے شیعوں کے ایک خاص طبقہ میں کافی مقبول تھے، میرے شیعہ دوست ایک طرف تو مجھے ان کی مجالس میں لے جانے لگے اور دوسری طرف خورشید خاور، شب ہائے پشاور اور جیسی بیسیوں

مناظرانہ طرز کی کتابیں مطالعہ کے لیے دینے لگے۔ چونکہ مجھے شیعہ سنی بنیادی اختلافی مسائل جیسے امامت، تحریف قرآن اور سبّ صحابہؓ جیسے اصول مسائل کا صحیح علم نہیں تھا، اس لیے شیعہ خطیبوں کی لفظی بھول بھلیوں اور واقعہ کربلا کے حوالے سے ان کی فلسفیانہ موشگافیوں، نیز منطقی دلائل سے متاثر ہو کر ''حبّ اہل بیت'' کے جذباتی نظریہ کی رو میں بہتا چلا گیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں نے اپنی ''شیعیت'' کے اعلان کے لیے راہ ہموار کرنا شروع کر دی، مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا اور ایک صوفی بزرگ کے ذریعے میری اصلاح مقدر تھی۔

قصہ یوں ہوا کہ ان دنوں میرے گھر والوں پر قصبہ سندیلہ ضلع ہر دوئی کے ایک صوفی بزرگ جن کا نام سید محمد نور الحسن شاہ عرف اچھو میاں تھا، کا کافی اثر تھا جنہیں ہم لوگ دادا میاں کہتے تھے اور میرے گھر والے اپنے اہم معالات میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن جب وہ میرے گھر تشریف لائے تو میں نے ڈرتے ڈرتے تنہائی میں اپنے اس ارادے کا اظہار کر دیا۔ کافی دیر تک تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ انہوں نے بڑے غور سے میری باتوں کو سننے کے بعد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے اب تک شیعہ حضرات کی مجلسوں اور ان کی مناظرانہ طرز کی کتابوں کا ہی مطالعہ کیا ہے جن کا تمہارے دل و دماغ پر گہرا اثر ہے، مذہب بدلنا کوئی معمولی بات نہیں، اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے اہل سنت کی مناظرانہ طرز کی کتابوں کا بھی مطالعہ کرو اور پھر دونوں مذاہب پر غور وفکر کرنے کے بعد جس نتیجے پر پہنچو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ شاید اہل سنت میں مناظرانہ طرز کی کتابیں کمیاب ہیں، کیونکہ اب تک میری نظر سے جو کتابیں گزریں وہ سیرت رسول ﷺ، اولیائے کرامؒ کے تذکروں یا پھر مسئلہ و مسائل پر مشتمل تھیں۔ میری اس بات پر انہوں نے میری طرف بہت حیرت سے دیکھا اور فرمایا کہ تمہیں دستیاب نہیں ہوئیں یا تم نے کوشش ہی نہیں کی۔ لکھنؤ میں رہنے کے باوجود تمہارا یہ کہنا بڑا تعجب خیز ہے، لکھنؤ تو شیعہ سنی مباحث کا گڑھ ہے، یہاں پر مولوی عبدالشکور کاکوروی نے شیعہ سنی مباحث پر قابل قدر کام کیا ہے، خصوصاً شیعوں کے ''عقیدہ تحریف قرآن'' پر تو بڑی معرکۃ الآراء کتابیں تحریر کی ہیں۔ اگر تم کوشش کرتے تو ان کی

کتابیں تمہیں ضرور دستیاب ہو جاتیں...... میں نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو ایک وہابی دیوبندی نظریات کے عالم ہیں، ہم ان کی کتابیں کیوں کر پڑھیں۔ اس پر فرمایا کہ شیعہ سنی اختلافات میں دیوبندی بریلوی کا کیا سوال اٹھتا ہے، دونوں خلفائے راشدین کو خلیفۂ برحق مانتے ہیں، دونوں اصحاب رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں...... اس لیے اس معاملہ میں شیعوں کی طرف سے اٹھنے والے سوالوں کے دونوں جواب دہ ہیں۔ میں نے خود مولوی عبدالشکور کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ سندیلہ میں میرے والد کے ایک مرید شبو میاں ہیں جنہیں شیعہ سنی مباحث سے بڑا گہرا شغف ہے، ان کے پاس اس طرح کی کتابوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہے۔ میں آٹھ دس دن میں سندیلہ پہنچ کر ان سے تمہارا ذکر کروں گا اور کوئی آتا ہوگا تو اس کے ہاتھ تمہیں کچھ کتابیں بھجوا دوں گا، جب ان کتابوں کا مطالعہ کرلو تو سندیلہ آنا، میں ان سے تمہاری گفتگو بھی کرا دوں گا۔

اس گفتگو کے پندرہ بیس دنوں کے بعد میرے ایک عزیز کتابوں کا ایک بنڈل اور ایک خط لے کر آئے جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

> ''میں تمہیں آیات بینات، نصیحۃ الشیعہ، تنبیہ الحائرین، ابو الائمہ کی تعلیم، قصہ قرطاس کا کفر شکن فیصلہ، قاتلان حسینؓ کا خانہ تلاشی اور مناظرۂ امروہہ، کل سات کتابیں بھیج رہا ہوں۔ میں نے جس ترتیب سے نام لکھے ہیں اسی ترتیب سے کتابیں پڑھنا۔ آیات بینات کو خصوصاً بڑی توجہ اور غور سے پڑھنا کیونکہ یہ ایک ایسے عالم کی لکھی ہوئی ہے جو خود پہلے شیعہ تھے، پھر دونوں مذاہب کے اصول و فروع پر غور و فکر کے بعد اہل سنت ہو گئے تھے...... اگر ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد بھی ذہن مطمئن نہ ہو تو دل چاہے تو لکھنؤ میں مولوی عبدالشکور صاحب سے رجوع کرنا یا پھر میرے پاس آنا، میں شبو میاں سے تمہاری ملاقات و گفتگو کرا دوں گا۔''

میں نے آیاتِ بینات کا مطالعہ شروع کیا، جوں جوں کتاب پڑھتا گیا ذہن کے دریچے

روشن ہوتے گئے، ایسا محسوس ہوا گویا کہ میں اب تک سخت ترین تاریکی میں تھا...... اس کے بعد نصیحۃ الشیعہ اور دیگر کتابوں کا بھی مطالعہ کیا...... میری بڑی بدقسمتی رہی، جن دنوں میں ان کتابوں کا مطالعہ کر رہا تھا اسی درمیان حضرت مولانا عبدالشکور صاحب نور اللہ مرقدہ کا وصال ہوگیا اور ان سے ملاقات کی تمنا دل ہی میں رہ گئی، مگر اس کے بعد جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالسلام صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالاوّل صاحب فاروقیؒ کی صحبت نصیب ہوئی اور ان حضرات سے رہنمائی حاصل کرتا رہا۔

انہی دنوں مجھے خیال آیا کہ جس طرح میں ''شیعیت'' کا شکار ہوا جا رہا تھا اسی طرح بہت سے اللہ کے بندے جو شیعہ حضرات کی صحبت میں رہتے ہوں گے اس مذہب سے ناواقفیت کے سبب شیعہ یا نیم شیعہ ضرور بن جاتے ہوں گے، اس لیے آیات بینات اور نصیحۃ الشیعہ جیسی کتابوں کی اشاعت برابر ہوتی رہنا چاہیے۔ پھر جب میں نے حضرت مولانا عبدالاوّل صاحبؒ سے اس بات کا ذکر کیا کہ آیات بینات ہندوستان میں ۱۹۳۴ء کے بعد سے (جس کو ایک بڑا عرصہ ہوگیا) اب تک نہیں چھپی ہے اور میں اس کی اشاعت کرانا چاہتا ہوں تو بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ہی مجھے اس کی فارسی عبارتوں کے ترجمہ کی طرف متوجہ کیا۔ ساتھ ہی خود ترجمہ کر دینے کی خواہش کا بھی اظہار فرمایا...... مگر بدقسمتی سے میں ان دنوں کاروباری الجھنوں میں ایسا پھنسا کہ مولانا کی طرف سے بار بار اصرار کے باوجود اس کام کو انجام نہ دے سکا۔ وقت گزرتا گیا اس درمیان دونوں مولانا حضرات بھی مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور میں قطعی ناامید ہو چکا تھا کہ شاید اب کبھی اس کام کو انجام نہ دے سکوں گا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام مجھ گنہگار سے لینا منظور تھا، ابھی دو سال قبل میرے دوستوں میں ڈاکٹر حبیب فکری صاحب سابق لیکچرر عرب کلچر لکھنؤ یونیورسٹی و محمد یعقوب منٹو نے کچھ اس انداز سے ہمت بندھائی کہ میں بالکل بے سروسامانی کے عالم میں بھی اس کام کے لیے کھڑا ہوگیا، تب مجھے ترجمہ کا دھیان آیا، اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت مولانا عبدالسمیع قاسمی صاحب استاذ دارالمبلّغین لکھنؤ کے نصیب میں لکھی تھی، اللہ انہیں جزائے خیر دے، انہوں نے اس کام کو

بہ حسن وخوبی بلا معاوضہ انجام دیا۔

کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب دام ظلہ العالی سے برابر مشاورت رہی، حضرت مولانا پورے خلوص کے ساتھ اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرماتے رہے اور میرے بازوئے ہمت کو سہارا دیتے رہے، اس سلسلہ میں دامے، درمے، سخنے جس طرح بھی مدد درکار ہوئی مولانا دامت برکاتہم نے اس میں کوئی دریغ نہیں فرمایا۔

بات مختصر کرتے کرتے بھی کافی طویل ہوگئی مگر اس کتاب کے قارئین کی معلومات کے لیے چند باتوں کا بیان بہت ضروری ہے...... حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے شیعہ مذہب کے تعارف اور امام خمینی کے عقائد ونظریات کے متعلق ایک کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' لکھی تھی جس کے صفحہ ۱۹۸ پر ''فاروقِ اعظمؓ کا یوم شہادت، سب سے بڑی عید، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کی بدترین مثال'' کا عنوان قائم کرکے مجلسی کی زادالمعاد سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ۹ ربیع الاوّل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کا دن قرار دیتے ہوئے اس تاریخ کی حیرت انگیز فضیلتیں بیان کی گئی ہیں، اور روزِ قتل عمر رضی اللہ عنہ کو شیعوں کی سب سے بڑی عید قرار دیا ہے...... کشمیر کے ایک شیعہ مجتہد سید محمد ہمدانی نے ''آئینۂ ہدایت'' کے نام سے نعمانی صاحبؒ کی کتاب کا جواب لکھا ہے۔ یہ جواب کس پائے کا ہے اس پر تبصرے کا تو یہ موقع نہیں، البتہ ان کی ایک غلط بیانی کی نشاندہی بہت ضروری ہے۔

موصوف نے کتاب کے صفحہ ۳۹۶ پر اس روایت کا جواب لکھنے میں بڑے مکروفریب سے کام لیا ہے اور مجلسی کی کتاب میں اس روایت کے موجود ہونے نہ ہونے پر تو کوئی بحث نہیں کی ہاں ایک ایسا سفید جھوٹ ضرور بولا ہے جو شیعوں کے تقیہ باز بزرگوں کو ہی زیب دیتا ہے...... ہمدانی صاحب مولانا نعمانی کو مخاطب کرکے لکھتے ہیں:

''موصوف یہ جان لیں کہ شیعہ اس روز (۹ ربیع الاوّل کو) جشن ولادت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مناتے ہیں......''

شیعہ حضرات اب خود فیصلہ کریں کہ وہ ۹ ربیع الاوّل کو جشن ولادت حضرت محمد ﷺ مناتے ہیں یا عید زہرا؟ ہمدانی صاحب کو اس ضعیف العمری میں بھی اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہوئے بالکل شرم نہیں آئی......

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

قارئین کی آگاہی کے لیے عرض کردوں کہ شیعہ حضرات آج بھی اپنی پرانی عادت کے مطابق کتابوں میں خیانت کر رہے ہیں۔ ابھی پاکستان میں قاضی نور اللہ شوستری کی مجالس المومنین کا ترجمہ محمد حسن جعفری نے کیا ہے جسے ''اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ'' نے چھاپا ہے۔ اس میں ان تمام عبارتوں کا ترجمہ غائب کر دیا ہے جن میں قاضی صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کے نکاح کا اقرار کیا ہے......اسی طرح کتاب سلیم بن قیس ہلالی کے اردو ترجمہ میں وہ عبارت اڑا دی گئی ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا اقرار ہے۔

یہ دو تین مثالیں مجھ جیسے کم علم آدمی کو شیعوں کی کتابوں پر سرسری نظر میں مل گئیں، اگر علماء کرام اس طرف توجہ فرمائیں تو بیسیوں مثالیں اسی قسم کی مل سکتی ہیں۔

پہلی بار یہ کتاب ۱۸۷۰ء مطابق ۱۲۸۶ ہجری میں مرزا پور سے اس وقت شائع ہوئی جب مصنف علام کا سن ۳۳ سال تھا۔

دوسری بار فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کا پہلا جز ۱۸۸۴ء مطابق ۱۳۰۱ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا جس کا قطعہ تاریخ مولوی مجیب اللہ مرحوم نے یہ لکھا تھا۔ قطعہ

از فیض طبع مہدی دین الہمی عصر
مطبوع شد رسالہ بے مثل و لا جواب
نامِ کتاب و نیز سن طبع اے مجیب
آیات بینات رقم ساز با کتاب

۸۷۵،۴۲۶۔۱۳۰۱ھ

اس کے بعد فضائل صحابہؓ کا دوسرا جز ۱۸۸۷ء مطابق ۱۳۰۴ھ میں اور دوسرا حصہ بحث فدک والا بھی ۱۸۹۸ء ۱۳۱۵ھ میں مطبع مصطفائی سے شائع ہوا۔

تیسری بار فضائل صحابہؓ کا پہلا جز جنوری ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳۵۳ھ میں حسب فرمائش حافظ معصوم علی صاحب مرحوم یونائیٹڈ پریس لکھنؤ سے بقائے نام مصنف کے خیال سے طبع کر کے شائع کیا گیا۔

پاکستان بننے کے بعد وہاں سے بھی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے مگر ہندوستان میں عرصہ دراز سے اس کتاب کی اشاعت نہیں ہوئی تھی۔ اب ۷۲ سال بعد ''ادارہ اشاعت حق'' اس کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

میں کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں ان تمام حضرات کا ممنون ہوں جنہوں نے کسی طرح اور کسی بھی سطح پر تعاون فرمایا ہے خصوصاً مولانا انوار الحق قاسمی صاحب استاذ دار المبلّغین لکھنؤ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے شیعہ کتابوں کے حوالہ جات کی تلاش و تحقیق میں بھر پور راہنمائی فرمائی...... اللہ تعالیٰ ان تمام مخلصین و محبین کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس کتاب کو بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

خاک پائے اہل بیت وصحابہ رضی اللہ عنہم

شیخ محمد فراست

۷۔ دسمبر ۲۰۰۶ء

❀❀❀❀

دیباچہ وحالات مصنف

نواب محسن الملک کو سرسید کے رفقاء کار میں ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔سرسید کے انتقال کے بعد وہی ان کے جانشین ہوئے اورانہوں نے ہی اس تحریک کو پروان چڑھایا جس کی ابتدا سرسید کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

ان کا اصلی نام مہدی علی تھا،سلسلۂ نسب سادات بارہہ کے مشہور خاندان سے ملتا ہے، اس خانوادے کی ایک شاخ اٹاوہ میں جاکر مقیم ہوگئی تھی۔مہدی علی کے والد میر ضامن علی سیدوں کے اسی خاندان کے ایک فرد تھے،اگرچہ وہ دولت دنیا سے محروم تھے،تاہم ان کا شمار شہر کے ذی عزت لوگوں میں ہوتا تھا۔مہدی علی کی والدہ کا تعلق بھی سادات کے ایک ایسے خاندان سے تھا جس میں علم کی دولت کئی پشتوں سے بطور میراث چلی آتی تھی۔ چنانچہ محسن الملک کے نانا،مولوی محمود علی ایک متبحر عالم تھے، پہلے وہ صدر الصدوری کے عہدے پر فائز رہے، پھر ریاست ٹونک میں منصب وزارت عطا ہوا۔

اسی غریب مگر علمی خاندان میں نواب محسن الملک سید مہدی علی پیدا ہوئے۔ان کی ولادت ۱۸۳۷ء ۱۲۵۳ھ کو بمقام اٹاوہ ہوئی۔ جب کچھ بڑے ہوئے تو پڑھنے کے لیے مکتب میں بٹھا دیے گئے،شروع میں دینی تعلیم حاصل کی لیکن اپنی غیر معمولی ذہانت،محنت اور توجہ سے بہت جلد اس قدر استعداد بہم پہنچالی کہ بڑے بڑے علماء وفضلاء کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے، اور سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم متداولہ کی تکمیل کر لی۔ ایک طرف فارسی زبان اور ادب میں درجۂ امتیاز حاصل کیا دوسری جانب عربی ،ادب، حدیث اور تفسیر میں سند فراغ حاصل کر لی۔انگریزی کی تعلیم باقاعدہ نہیں ہوئی لیکن اپنی توجہ اور مشق ومزاولت سے اتنی سیکھ لی کہ پانیر اخبار خود سمجھنے لگے۔

ابھی ان کی عمر بمشکل اٹھارہ سال کی ہوگی کہ حصول معاش میں باپ کا ہاتھ بٹانے کے لیے سرکاری ملازمت اختیار کرلی، دس روپے ماہوار پر ایک دفتر میں کلرک ہوگئے۔لیکن اپنی محنت، قابلیت اور سوجھ بوجھ کی بنا پر تھوڑے ہی عرصے میں اہلمدی، سررشتہ داری اور تحصیل داری کے مدارج طے کرتے ہوئے ڈپٹی کلکٹری کے معزز عہدے پر فائز ہوگئے اور اپنے فرائض کو اس خوبی وخوش اسلوبی سے انجام دیا کہ حکومت کے اعلیٰ عہدیداران اورافسران بھی عزت کی نظر سے دیکھنے لگے۔یہی نہیں بلکہ حکومت کی جانب سے خلعت عطا ہوا اور کلکٹر نے ان کی تعریف میں یہ الفاظ لکھے:

’’میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ مہدی علی سے زیادہ ذہین، مستعد اور ایمان دار صوبہ ممالک مغربی وشمالی (یوپی) میں کوئی نہیں ہے۔‘‘

ان کی اعلیٰ کارکردگی اور قابلیت کی شہرت اس قدر ہوئی کہ سرسالار جنگ نے ان کو اپنے یہاں ایک اعلیٰ عہدہ پیش کیا، چنانچہ وہ ۱۸۷۴ء میں بارہ سو روپے ماہانہ کے مشاہرہ پر حیدرآباد دکن چلے گئے، وہاں انہوں نے مال اور محاسبی میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ بندوبست مال گزاری کے متعلق مشہور ہے:

’’مہدی علی نے دکن میں وہ کام کیا جو شہنشاہِ اکبر کے عہد میں ہندوستان کے اندر ٹوڈرمل نے اور ممالک مغربی وشمالی میں لیفٹیننٹ گورنر مسٹر ٹامسن نے کیا تھا، ان کے حسن انتظام سے ایک طرف حکومت مالا مال ہوگئی دوسری طرف رعایا خوشحال اور مطمئن دکھائی دینے لگی۔‘‘

ان کی خدمات کا اعتراف اس طرح کیا گیا کہ ۱۸۷۶ء میں وہ ریونیو سیکرٹری اور ۱۸۸۴ء میں فنانشل و پولیٹیکل سیکرٹری بنا دیے گئے اور سرکار نظام سے انہیں محسن الدولہ، محسن الملک، منیر نواز جنگ کے خطابات عطا ہوئے۔تین ہزار روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی۔اسی زمانہ میں انگلستان کا سفر کیا اور وزیراعظم گلیڈسٹن سے ملاقات کی۔۱۸۹۳ء میں ان کے خلاف سازشیں ہوئیں جس کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہوکر وہ اپنے عہدے سے علیحدہ ہوگئے اور آٹھ سو روپیہ

ماہوار پنشن لے کر علی گڑھ چلے آئے، وہاں سر سید مرحوم سے مل کر قومی خدمت اور کالج کے انتظام میں لگ گئے، ۱۸۹۸ء میں سر سید کا انتقال ہو گیا اور کالج کے سیکرٹری بنا دیے گئے۔ اس منصب پر رہ کر انہوں نے نہایت تندہی اور جان فشانی سے کام کیا اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے برابر کوشاں رہے۔ ان کے دور میں اردو، ہندی کے جھگڑے نے بھی شدت اختیار کر لی، انہوں نے کھل کر اردو کی حمایت کی۔ ان ہی کے زمانہ میں ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ ۱۹۰۶ء میں ہندوستان آئے، علی گڑھ کالج میں ان کا شاندار استقبال ہوا، امیر یہاں کے انتظامات سے بے حد متاثر ہوئے، بیس ہزار روپے کا عطیہ کالج کو مرحمت فرمایا اور کچھ سالانہ امداد بھی مقرر کر دی۔

غرض محسن الملک مرحوم کے زمانہ میں ایم، اے، او کالج کو مالی استحکام نصیب ہوا اور اس کی مرکزیت اور وقعت و عظمت قائم ہو گئی، مسلمانوں کو سیاسی حقوق ملے اور ان کی پولیٹیکل حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا۔

لیکن قوم کو اس منزل تک پہنچانے میں محسن الملک کو جو محنت اور جدوجہد کرنا پڑی اس نے ان کی صحت کو بری طرح متاثر اور کھوکھلا کر دیا۔ وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو گئے، ذیابیطس کی شکایت بہت بڑھ گئی، اسی حالت میں شملہ گئے اور وہاں مسلمانوں کے حقوق کی توسیع کے لیے کوششیں کرنے لگے۔ وائسرائے اور دیگر حکام سے ملاقاتیں کیں، ستمبر ۱۹۰۷ء میں شملہ گئے تھے کہ اکتوبر میں مرض کا شدید حملہ ہوا اور وائسرائے نے اپنے خاص معالج کو علاج کے لیے مامور کیا لیکن مرض الموت کا علاج کس سے ہوا، آخر ساعت موعود آ پہنچی اور ۸ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو مالک حقیقی سے جا ملے۔ کئی لوگوں نے تاریخ وفات کے مادے نکالے، یہ قطعۂ تاریخ بہت پسند کیا گیا:

محسن الملک آہ ز دنیا برفت
خلق شد از رحلتش اندوہ گیں

سال وفاتش شدہ ملہم زغیب
انجمن آرائے بہشت بریں

۱۳۲۵ھ

محسن الملک مرحوم نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی تھی، اسی لیے نہایت کم عمری میں ملازمت کرنے پر مجبور ہو گئے، لیکن قدرت نے ان کو جو ذہانت اور فطانت کی دولت عطا فرمائی تھی اس کی بدولت انہوں نے بہت جلد ایک مقام حاصل کر لیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں توقع سے زیادہ دولت دی، مسند عزت پر بٹھایا، خطابات سے نوازا اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت جاگزیں کی۔ وہ نیکی، محبت اور انسانی ہمدردی کا ایک پیکر تھے، قومی خدمت کو انہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا تھا، ان میں غرور اور بڑائی نام کی کوئی چیز عمر بھر پیدا نہیں ہوئی۔ ویسے تو ہر شخص سے ہی ان کا سلوک ہمدردانہ اور مخلصانہ تھا لیکن اپنے ہم وطنوں کے ساتھ وہ خصوصیت سے نہایت بے تکلفی، اخلاص اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کی مدد کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان کی آمدنی کا بیشتر حصہ غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد میں صرف ہوتا تھا۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے لیکن یہ وظیفے اس طرح دیے جاتے تھے کہ دینے اور لینے والے کے سوا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی، چنانچہ جب تک ان کا قیام حیدر آباد میں رہا اس وقت تک کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے یہاں مستحقین کی امداد کی بھی کوئی مد ہے لیکن جب ملازمت سے سبکدوش ہو کر وہاں سے رخصت ہونے لگے اور امداد پانے والوں میں شور و ماتم برپا ہوا تو پتہ چلا کہ ان کے خوان کرم سے کتنے لوگ فیض یاب ہو رہے تھے۔

جب انہوں نے مستقلاً علی گڑھ میں سکونت اختیار کر لی تو ان کی آمدنی بہت تھوڑی رہ گئی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے ہاتھ کو سکیڑا نہیں بلکہ داد و دہش کا سلسلہ اس وقت بھی جاری رہا اور ان کے انتقال کے بعد ہی منقطع ہوا۔

جن لوگوں سے ان کا واسطہ رہا وہ سب ہی ان کے اوصافِ حمیدہ اور خصائل پسندیدہ

کے مداح ومعترف تھے، جو ان سے جتنا زیادہ قریب تھا اتنا ہی زیادہ اس کو ان کی خوبیوں کا اعتراف تھا، ان کے شمائل وخصائل کا آئینہ اس قدر شفاف تھا کہ اس پر ان کے مخالفین تک کو بھی کوئی داغ دھبہ نظر نہ آتا تھا، چنانچہ حیدر آباد کے قیام کے دوران نواب سرور جنگ نے ان کی کھل کر مخالفت کی لیکن انہوں نے بھی اپنی تصنیف ’’مائی لائف‘‘ میں ان کے لیے یہ الفاظ تحریر کیے ہیں:

’’وہ مہربان تھے، ان میں خود اعتمادی تھی، ان کی زبان شیریں اور بااثر تھی، وہ ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنے کو آمادہ تھے، ان کے ماتحت ان کی وفات تک ان کے وفادار رہے۔‘‘

اردو شاعروں کے متعلق مشہور ہے اور اس بات میں بڑی حد تک صداقت ہے کہ وہ انعام واکرام کی لالچ میں امراء اور فرمانرواؤں کی تعریف کرتے ہیں لیکن اس میں کہیں کہیں استثناء بھی ہے۔ داغ دہلوی کو حیدر آباد میں ہر طرح کا اعزاز نصیب تھا اور نواب محسن الملک مرحوم سے ان کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی لیکن ان کے اوصاف حمیدہ نے ان کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا:

مہدی کو اگر خیر زماں کہتے ہیں
یا محسن ملک ان کو یہاں کہتے ہیں
زیبا ہے کہیں محسن عالم اے داغ
جو چاہیے کہنا وہ کہاں کہتے ہیں

ایک اور قطعہ کا مضمون ہے:

اس خیر کا انساں کوئی ہو تو سہی
ذی مرتبہ ذی شاں کوئی ہو تو سہی
ہر شخص کی ملحوظ ہے خاطر داری
یوں دل کا نگہباں کوئی ہو تو سہی

اس تعریف کو بے لوث ہی کہا جائے گا اور ان الفاظ کو شاعر کے دلی جذبات کا اظہار ہی خیال فرمائیں گے۔

محسن الملک کی قومی خدمات بھی بے غرض و بے ریا تھیں، وہ قومی ترقی کے لیے بے چین رہتے تھے اور انہوں نے اپنی حیات مستعار کا بیشتر حصہ قوم کو ترقی دینے میں صرف کیا، چنانچہ شملہ میں جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اس وقت بھی وہ قوم کو صلاح و فلاح ہی کے کام میں لگے ہوئے تھے، وہ مسلمانوں کے حقوق کی توسیع کی کوششیں کر رہے تھے، اس سلسلہ میں وائسرائے اور دیگر اعلیٰ احکام سے ملاقاتیں کیں، ان کے دل میں قوم کے سوز و بہبود کی جو لگن تھی وہ دوسروں کو بھی متاثر کیے بغیر نہ رہی۔

تعلیم ملی کا بھی انہیں پورا خیال تھا، خود انہوں نے بنیادی طور پر قدیم تعلیم حاصل کی تھی، دینی اور مذہبی تعلیم سے ان کی تعلیمی زندگی کا آغاز ہوا تھا، لہٰذا وہ قوم کے تمام نونہالوں کے لیے بھی ضروری سمجھتے تھے کہ ان کو دینی تعلیم بچپن ہی میں دینی چاہیے کیونکہ اس وقت دل و دماغ پر جو اثرات مرتب ہو جاتے ہیں وہ پوری زندگی قائم رہتے ہیں، وہ آج کل کے روشن خیالوں کی طرح اس کو تضیع اوقات نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ زندگی کو صحیح خطوط پر چلانے اور اس میں توازن قائم رکھنے کے لیے یہی بہترین طریقہ کار ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ جدید علوم کو بے کار اور غیر ضروری سمجھتے تھے، ان کی زندگی کا بیشتر حصہ ایم، اے، او کالج کے انتظامات میں صرف ہوا جہاں بنیادی طور پر جدید علوم ہی کی تعلیم ہوتی تھی اور جس سے فارغ ہونے کے بعد مسلمان نوجوان کارزارِ حیات میں داخل ہوتے تھے۔

اگرچہ نواب محسن الملک نے علوم متداولہ کی تکمیل کے فوراً بعد ہی ایک دفتر میں ملازمت کر لی اور نوعمری میں ہی فکر معاش میں لگ گئے لیکن علم سے انہوں نے خود کو اس وقت بھی وابستہ رکھا۔ کتب بینی کا جو چسکا انہیں اوائل عمر میں پڑ گیا تھا، وہ مرتے دم تک قائم رہا، انہوں نے اس قدر مطالعہ کیا کہ اپنے معاصرین میں ان کا علمی تفوق تسلیم کر لیا گیا، ان کی تحریریں ان کی وسیع معلومات پر دلالت کرتی ہیں۔ انہوں نے ''تہذیب الاخلاق'' کے لیے جو مضامین

لکھے ان کے مواد اور طرز استدلال سے ان کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہیں دینی علوم سے خاص شغف رہا اور اس دائرہ میں بھی انہوں نے اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کا بھی نہایت گہرا مطالعہ کیا، چنانچہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ صفت مولوی مہدی علی میں تھی کہ وہ حقیقت میں مذہبی عالم تھا، وہ فقط مسلمانوں کے شیعہ اور سنی وغیرہ فرقوں کے مذہب ہی سے خوب واقف نہ تھا بلکہ وہ دنیا کے تمام مذاہب کے حقائق سے آگاہ تھا، اس نے دنیا کے مذاہب کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنا بہت سا وقت انگریزی کتابوں کے مطالعہ میں خرچ کیا تھا اور بعض کتابوں کے ترجمے کرانے میں اپنا روپیہ بھی صرف کیا تھا، دنیا کے تمام مذاہب کی تاریخ اس کے ذہن میں ایسی موجود تھی جیسی کہ اپنے مذہب کی، وہ اور مذاہب کو جان کر اسلام کی برتری ان پر ثابت کرتا تھا، وہ مسلمانوں کے تمام تعصّبات اور توہمات کو قرآن اور حدیث اور علماء کے اقوال سے استدلال کر کے دور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔''

مختلف مذاہب کے اسی گہرے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بائیس سال کی عمر میں شیعہ مذہب ترک کر دیا اور ایک راسخ العقیدہ سنی مسلمان ہو گئے، آیات بینات کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

''......میں اپنے خدائے بزرگ و برتر کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ میں ان چند آدمیوں میں سے ہوں جنہوں نے اپنی نجات کی امید پر دونوں مذاہب کے اصول پر انصاف سے غور کیا اور مذہب اہل سنت کو مطابق کلام الٰہی کے پا کر اور مذہب امامیہ کو اس کے مخالف دیکھ کر اپنے آبائی دین کو چھوڑنے اور تمام کنبے قبیلے سے جدا ہونے میں کچھ کسی کا لحاظ و خیال نہیں کیا اور امامیہ مذہب کو جو مصرع ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' کے مخالف عقائد ائمہ کرام کے ہے چھوڑ کر سچا

مذہب اہل سنت و جماعت اختیار کیا۔‘‘

نواب محسن الملک نے تصنیفی کام کی ابتدا بھی شروع ملازمت کے وقت کر دی تھی، آپ کی پہلی تصنیف رسالہ ’’میلا د شریف‘‘ ہے جو ۱۸۶۰ء میں چھپا تھا۔ تحصیل داری کے زمانہ میں قانون سے متعلق دو کتابیں لکھیں ایک ’’قانونِ مال‘‘ اور دوسری ’’قانونِ فوج داری‘‘۔

حیدر آباد کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد انہوں نے سر سید کے رسالہ ’’تہذیب الاخلاق‘‘ میں مستقل مضمون نگار کی حیثیت سے لکھنا شروع کیا، اس رسالہ میں ان کے جو مضامین شائع ہوئے، وہ مذہبی اور تاریخی حیثیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی وسیع النظری اور تبحر علمی پر دلالت کرتے ہیں۔ رام بابو سکسینہ ان مضامین کے بارے میں رقم طراز ہیں:

’’تہذیب الاخلاق میں اکثر بیش بہا مضامین انہی کے قلم سے ہیں جو ایک مذہبی اور تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کی غرض اصلی صرف یہ ہے کہ زمانۂ حال کے مسلمان جو نکبت و ہلاکت کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں اپنے بزرگانِ سلف کے قدم بہ قدم اور اپنے آپ کو ہر حیثیت میں، یعنی تعلیم و اخلاق و سیاست کے اعتبار سے کامیاب بنائیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام مضامین ان کے تبحر علمی، وسیع النظری اور انصاف پسندی کے شاہد عدل ہیں۔‘‘

ان مضامین کے علاوہ ان کی مستقل تصانیف آیات بینات، کتاب المحیط والسوق، تقلید اور عمل بالحدیث اور مجموعۂ تقاریر شائع ہوئیں۔ ان سب میں آیاتِ بینات کو فوقیت حاصل ہے، بلکہ سچ پوچھیے تو مصنف کی حیثیت سے وہ اسی کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوئے، آیات بینات کی تصنیف کی ضرورت کیوں پیش آئی! اس کی داستان خود مصنف کی زبانِ قلم سے سنیے وہ لکھتے ہیں:

’’چونکہ میرے عزیز و قریب اور بھائی بھتیجے اکثر اپنے قدیم مذہب (شیعہ) پر ہیں اور مجھے گمراہ جانتے ہیں، اس لیے میں ان پر ان دلائل عقلیہ کو ظاہر کرتا

ہوں جنہوں نے میرے دل کو ان کے مذہب سے متنفر کیا، اور ان شواہد نقلی کو بیان کرتا ہوں جن کے سبب سے میں نے مذہب اہل سنت و جماعت کو اچھا جان کر اختیار کیا۔ اسی واسطے میں یہ رسالہ اہل سنت و جماعت کی خوبیوں میں لکھتا ہوں، خدا کرے کہ میرے اور بھائی اس کو نظر انصاف سے دیکھیں اور اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑیں، اللّٰھم آمین۔''

سنا ہے کہ نواب محسن الملک مرحوم نے جب اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر مذہب اہل سنت و الجماعت اختیار کر لیا تو لوگوں میں بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں۔ بعض حضرات نے ان کے اعزاء سے تبدیلی عقائد کا سبب دریافت کیا جس کے جواب میں ان کو بتایا گیا:

''خود مہدی علی کی مذہبی معلومات محدود اور ناقص تھیں، اس لیے ان کے بعض ملنے والوں نے بہکا سکھا کر انہیں اپنی راہ پر لگا لیا۔''

یہ بات محسن الملک مرحوم کو بھی معلوم ہوئی، انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے یہ کتاب لکھنی پڑی، اس میں انہوں نے پوری طرح بتا دیا کہ ''میں نے ناقص معلومات کی بنا پر مذہب تبدیل نہیں کیا بلکہ مذاہب کے گہرے مطالعہ نے مجھے اس اقدام پر مجبور کیا ہے۔''

آیات بینات کا منظر عام پر آنا تھا کہ ایک شورش برپا ہوگئی، چونکہ اس میں انہوں نے بہت سے شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا اور شیعہ مذہب پر بہت سے اعتراضات کیے تھے، اس لیے فریق مخالف کی جانب سے جواب دیا جانا ضروری سمجھا گیا، ان کے ایک عزیز نے جواب میں ایک کتاب لکھی جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی، آیات بینات کے وزن پر اس کا نام آیات محکمات رکھا گیا۔ لیکن سچ پوچھیے تو اس کتاب کی ضخامت کو غیر ضروری تفصیلات اور ضرورت سے زیادہ جلی خط سے بڑھایا گیا تھا، ایک صفحہ پر قال کے عنوان سے اعتراض ہے اور دوسرے صفحہ پر اس کا جواب، پھر جواب کے طور پر وہی گھسی پٹی روایات دہرا دی گئی ہیں جن کو رد کیا جا چکا تھا، دونوں کتابوں کے طرز بیان اور طریقہ استدلال کو ملا کر دیکھ لیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ ''آیات محکمات'' کو لکھ کر اس کے مصنف نے گویا منہ چڑایا ہے۔

جہاں تک آیات بینات کا تعلق ہے تحفہ اثنا عشریہ کے بعد اپنی نوعیت اور شان کی یہ ایک منفرد تصنیف ہے، تحفہ میں فرقۂ اثنا عشریہ اور دیگر شیعہ فرقوں کے بارے میں کثیر معلومات یکجا کر دی گئی ہیں جو یقیناً قیمتی ہیں، لیکن اس کتاب کا انداز بیانیہ ہے، اس کے مقابلہ میں ''آیات بینات'' کا انداز مناظرانہ ہے۔ یہ نقش ایک ایسی ہستی کے موقلم نے تیار کیا ہے جو تمام جزئیات وتفصیلات اور باریکیوں سے واقف تھی اور جس نے دونوں مذاہب کا عمیق مطالعہ کر کے شیعہ مذہب کی خامیوں اور کوتاہیوں کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اس کتاب میں بعض وہ معلومات فراہم کی گئی ہیں جن سے عام طور پر لوگوں کو واقفیت نہیں تھی، مثلاً: ''طینت'' کا مسئلہ۔ کافی پڑھے لکھے لوگ بھی اس عقیدہ کا تصور نہیں کر سکتے تھے جو اس مسئلہ سے وابستہ ہے۔ محسن الملک نے عام آدمیوں کو نہ صرف اس سے روشناس کرایا بلکہ اس کے علاوہ اور بھی متعدد عجائبات وطلسمات ہیں جن کو اس کتاب نے بے نقاب کیا ہے۔

کتاب کا اندازِ بیان نہایت دل کش ہے، اس میں سنجیدگی، وقار اور اثر وتاثیر ہر جگہ دکھائی دیتی ہے۔ ہر بات کی تائید یا تردید میں کئی کئی دلیلیں پیش کی گئی ہیں اور وہ سب ہی قوی ہیں۔ کتاب کا موضوع اگرچہ مذہبی مسائل ہے لیکن لہجہ یا عبارت میں کہیں بھی یبوست کی جھلک دکھائی نہیں دیتی بلکہ بعض جگہ مصنف نے مزاحیہ اور ظریفانہ انداز اختیار کر کے زبان کے حسن کو اور بھی نکھار دیا ہے۔

یہ کتاب مناظرہ کرنے والوں کے لیے تو ایک قیمتی تحفہ ہے ہی، ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی ایک قابل مطالعہ کتاب ہے۔ ہر شخص کے واسطے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان کو تازہ اور عقائد کو مضبوط کرنے کے لیے یہ کتاب نہایت توجہ سے پڑھے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یقین ہے کہ راہ راست سے بھٹکنے کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے۔

بشکریہ

جناب ثناء اللہ صدیقی۔ کراچی

❀❀❀❀

دیباچہ از مصنف

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهٖ وَحَبِيْبِهٖ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ .

بعد حمد وصلوٰۃ کے جاننا چاہیے کہ خدائے عزوجل نے ہماری ہدایت کے واسطے اپنا محبوب پیغمبرؐ بھیجا اور اپنا خاص کلام اس پر نازل کیا اور رہنمائی کا چراغ اس کے ہاتھ میں دیا اور اپنی کمال مہربانی سے شرک اور کفر کی تاریکی سے نکال کر ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے روشن کیا۔ پس ایمان اور اسلام اس کی ایک ایسی نعمت ہیں کہ ہم اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے، لیکن شیطان نے ایمان کے بعد اکثر مسلمانوں کو بہکایا اور ان کے دلوں کو باطل عقیدوں سے پھر تاریک کر دیا اور مسلمانوں میں ایسا تفرقہ ڈال دیا کہ بہتر فرقے گمراہ ہو گئے جن کی نسبت ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے خبر دی تھی۔ پس ہم لوگوں کو فقط اسلام کے نام پر خوش ہونا اور صرف توحید و نبوت کے اقرار پر اپنے آپ کو ناجی سمجھنا نہ چاہیے بلکہ ہر عقیدے کی تحقیق کرنا اور ہر اعتقادی مسئلے کو کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے تطبیق دینا ضروری ہے، اور یہ ممکن نہیں ہے کہ جو شخص اپنے سچے اور صاف دل سے صرف اپنی نجات کی امید پر خدا کی کتاب کو دیکھے اور تعصب اور عناد کو دخل نہ دے وہ حق اور باطل میں تمیز نہ کر سکے اور ایسے حق کے طالب کو خدا گمراہی میں پڑا رکھے، ہاں جو کوئی پہلے ہی سے سچائی کا طالب نہ ہو اور مذہبی تعصب میں گرفتار ہو اور سوائے مجادلے اور مکابرے کے اسے اور کچھ منظور نہ ہو اور اپنے آبائی دین و مذہب کو تقلیداً سچ جانتا اور ﴿اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ﴾ کہتا ہو بے شک اپنی گمراہی میں پڑا رہے گا اور اپنے دل کو باطل عقیدوں سے کبھی پاک و صاف نہ کر سکے گا۔

بعد اس تمہید کے بندۂ گنہگار مہدی علی بن سید ضامن علی غفراللہ ذنوبہ اپنے بھائیوں کی خدمت میں التماس کرتا ہے کہ منجملہ مذاہب مختلفہ مسلمانوں کے دو مذاہب زیادہ جاری ہیں، ایک اہل سنت والجماعت دوسرا امامیہ۔ دونوں اپنے مذہب کو حق اور دوسرے مذہب کو باطل کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے کو ناری سمجھتے ہیں۔ ہزاروں کتابیں تالیف ہوگئیں اور صدہا رسالے تحریر ہوئے مگر یہ جھگڑا اب تک طے نہ ہوا، جس کا جو عقیدہ تھا وہ اس پر قائم رہا۔ بہت کم ایسے ہیں جنھوں نے حق پر نظر کر کے اپنے آبائی دین کو چھوڑا ہو، دوسرے مذہب کو صرف اپنی نجات کے لیے اختیار کیا ہو لیکن میں اپنے خدائے عزوجل کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ میں ان چند آدمیوں میں سے ہوں جنھوں نے اپنی نجات کی امید پر دونوں مذہب کے اصول پر انصاف سے غور کیا اور مذہب اہل سنت کو کلام الٰہی کے مطابق پا کر اور مذہب امامیہ کو اس کے مخالف دیکھ کر اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں تمام کنبے قبیلے سے جدا ہونے میں کچھ کسی کا خیال ولحاظ نہیں کیا اور امامیہ مذہب کو جو بفحوائے مصرع:

برعکس نام نہند زنگی کافور

کے مخالف عقائد ائمہ کرام کے ہے چھوڑ کر سچا مذہب اہل سنت و جماعت کا اختیار کیا، چونکہ میرے عزیز واقارب اور بھائی بھتیجے اکثر اپنے قدیم مذہب پر ہیں اور مجھے گمراہ جانتے ہیں اس لیے میں ان پر ان دلائل عقلیہ کو ظاہر کرتا ہوں جنھوں نے میرے دل کو ان کے مذہب سے متنفر کیا اور ان شواہد نقلیہ کو بیان کرتا ہوں جن کے سبب سے میں نے مذہب اہل سنت و جماعت کو اچھا جان کر اختیار کیا، اسی واسطے میں یہ رسالہ اہل سنت والجماعت کے مذہب کی خوبیوں میں لکھتا ہوں، خدا کرے کہ میرے اور بھائی اس کو نظر انصاف سے دیکھیں اور اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑ دیں۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن .

❀❀❀❀

تمہید

یہ سب پر ظاہر ہے کہ دونوں مذاہب کا اصل اختلافی مسئلہ معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے۔ اہل سنت ان کو اچھا جانتے ہیں اور شیعہ ان کو برا سمجھتے ہیں، بلکہ جس طرح پر اہل سنت ان کو تمام امت سے مرتبہ میں اعلیٰ و افضل اور ایمان اور اسلام میں سب سے بہتر اور کامل جانتے ہیں اسی طرح پر شیعہ ان کو سب سے زیادہ تر برا اور خراب حتی کہ مرتد اور کافر کہتے ہیں۔ پس درحقیقت یہی ایک مسئلہ ایسا ہے جس پر ان دونوں مذاہب کی حقیقت اور بطلان کا مدار ہے۔ یعنی اگر موافق اصول مذہب اہل سنت کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان اور اسلام میں کامل ہونا اور مرتے دم تک ان کا اس پر ثابت قدم رہنا ثابت ہو گیا تو بلاشبہ سنیوں کا مذہب حق اور شیعوں کا مذہب باطل، اور اگر برخلاف اس کے ان کا کافر اور مرتد ہونا (نعوذ باللہ من ذالک) معلوم ہوا تو شیعوں کا مذہب سچا اور سنیوں کا مذہب جھوٹا ہے......اس واسطے ہم اوّل صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کرتے ہیں، پھر خلافت راشدہ کو ثابت کریں گے، پھر مطاعن کا جواب جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت امامیہ کرتے ہیں، دیں گے۔

❀❀❀❀

دلائل عقلی صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں

پہلی دلیل:

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے عرب میں مبعوث کیا اور مکہ معظّمہ میں اوّل اوّل حضرتؐ کو اظہارِ نبوت کا حکم دیا تو اس وقت میں سب لوگ کافر اور مشرک تھے، اور آپؐ کے عزیز وقارب، رشتہ دار اور بھائی بند اس خبر کو سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے تھے اور آپؐ کی تکذیب کرتے تھے۔کوئی مجنون کہتا تھا تو کوئی دیوانہ بتلاتا تھا۔(نعوذ باللہ من ذالک) اور چھ برس تک باوجود دعوت اور اظہار معجزات کے صرف چند آدمی جو چالیس سے کم تھے مسلمان ہوئے،مگر چھ برس کے بعد کسی قدر مسلمانوں کی جماعت ہوگئی اور اسلام کی دعوت عام اعلانیہ ہونے لگی اور ارکانِ دین کو حضرت نے علی رؤس الاشھاد ظاہر کرنا شروع کیا، تب اہل مکہ نے یہاں تک تکلیف اور ایذا دینی شروع کی کہ آخر مکہ چھوڑنا اور مدینہ کو ہجرت کرنا پڑا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ دین اسلام کی ترقی شروع ہوئی اور پھر اس قدر جلد اسلام پھیلا کہ چند سال کے عرصہ میں سیکڑوں سے ہزاروں کی اور ہزاروں سے لاکھوں کی نوبت آگئی، اور جماعت کی جماعت اور فوج کی فوج خدا کے دین میں داخل ہوگئے۔

پس غور کرنے کا مقام ہے کہ جن لوگوں نے ابتدائے دعوت میں اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کو سچ جانا اور اوّل ہی اوّل آپؐ کی نبوت کی تصدیق اور بلا توقف، بلا تامل کلمہ شہادت پڑھا اور بغیر صلاح اور مشورے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے اپنے قدیمی دین کو چھوڑ دیا اور اپنے بھائی بندوں سے علیحدہ ہو کر اوّل ہی اوّل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن رحمت پکڑا اور اپنے دوست آشناؤں سے مخالفت کر کے اطاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ اپنی گردن پر رکھا تو ایسے لوگوں کے اسلام کا جو ایسے نازک وقت میں اپنے باپ دادا کے دین

کو چھوڑ کر نئے دین میں آئے کوئی نہایت قوی سبب ہوگا۔ ورنہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ اپنے قدیمی دین کو چھوڑنا اور نیا دین اختیار کرنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے اور اپنے عیش و آرام کا ترک کرنا اور مصیبت و ایذا میں پڑنا اور تکلیفیں اٹھانا بلا کسی خاص سبب کے کسی کو گوارہ نہیں ہوتا۔ پس اگر ہم ان اسباب کو سوچیں جن سے اوّل اوّل صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا تو صرف دو سبب معلوم ہوتے ہیں، یا دین کی خواہش اور نجات کی امید، یا دنیا کی طمع اور مال و دولت کی لالچ۔ اگر پہلے سبب کو ہم تسلیم کریں اور اس امر کو مانیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی نجات کی امید پر دین اسلام قبول کیا تھا اور صرف خدا کی رضا مندی کے لیے اپنے گھر بار کو چھوڑا تھا تو ہمارے وہم میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ پھر ایسے لوگ کسی وقت میں اس دین سے پھر گئے ہوں گے اور کبھی انہوں نے اس محبت کو جو ان کو ایمان اور اسلام کے ساتھ تھی دل سے نکال دیا ہو بلکہ ہم یقین کر سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے صرف خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے اسلام کو مصیبت اور تکلیف کے وقت میں اختیار کیا ہوگا اور برسوں اس کے پیچھے رنج اور دکھ اٹھائے ہوں گے وہ کبھی اس دین سے نہ پھرے ہوں گے۔ اور اگر ہم دوسرے سبب پر نظر کریں کہ وہ لوگ دنیا کی طمع اور مال و دولت کے لالچ سے مسلمان ہوئے ہوں، تو یہ ایسی بات ہے کہ جس کی نسبت ہم فرضی خیال بھی نہیں کر سکتے اور نہ کوئی شخص جس کو ذرا ایمان اور عقل اور شرم کا پاس ہوگا اس امر کو خیال کر سکتا ہے......اس لیے کہ ابتدائے اسلام میں جو کچھ دنیا کی طمع تھی وہ ظاہر، جو کچھ مال اور دولت کی حرص تھی وہ معلوم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان لانا اور مسلمان ہونا صرف نجاتِ آخرت کی امید پر تھا، اور جب اس امید پر ان کا ایمان لانا ثابت ہوا تو پھر اس سے ان کا پھرنا غیر ممکن تھا۔

دوسری دلیل:

جب ہم خلفائے راشدین اور مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کی حالت پر نظر کرتے ہیں اور ان کے چال چلن پر خیال کرتے ہیں تو اس سے ہم کو یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ قدم بہ قدم اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چلتے تھے اور حرص و ہوا کو کسی کام میں دخل نہ دیتے تھے اور شب و روز

خدا اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے طالب رہا کرتے تھے۔ان کے دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ انہوں نے حضرت ﷺ کی رفاقت کا حق نہایت خوبی سے ادا کیا اور اپنی جانوں اور مالوں کو نہایت خوشی سے حضرت ﷺ پر فدا کیا، کون سی مصیبت رہ گئی کہ جو کفار نے ان کو نہیں دی، کون سی تکلیف باقی رہ گئی کہ مشرکین نے ان کو نہیں پہنچائی! جب کفار نے پیغمبر خدا ﷺ کو ستانا اور ایذا دینا شروع کیا اس وقت اصحاب نبی نے کیسی حمایت اور رفاقت کی اور دعوت اسلام میں کیسی سعی بلیغ فرمائی۔ جب عرب عامۃً اور قریش خاصۃً حضرت ﷺ کی ایذا دہی پر مستعد ہوئے تو اس وقت ''یارانِ وے خودرا سپر دے ساختہ از مشرب عشق چہ بادہا کہ نہ خوردند وچہ مستیہا کہ نکردند، وہر گاہ کہ آنجناب بہ ہجرت و جہاد مامور شد اصحاب وے در مقابلہ کفار چہ رنجہا کہ نہ کشیدند وچہ غمہا کہ نہ چشیدند'' [1] پس اگر خدا اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ان لوگوں کو نہ تھی تو کیوں اپنی جانوں اور مالوں کو تلف کرتے تھے اور کیوں سختیاں اور مصیبتیں اپنے اوپر اٹھاتے تھے۔سوچنا چاہیے کہ مہاجرین کو کس کے عشق نے گھروں سے نکالا اور انصار کو کس کی محبت نے دیوانہ کیا، آخر۔شعر......

رنگیں کہ کرد مژگا نم ایں چنیں
لعل و گہر کہ ریخت بدا مانم ایں چنیں

''میری آنکھوں کو اس طرح کون رنگین کر گیا اور میرے دامن میں لعل و گہر کس نے بکھیر دیے۔''

میں حضرات شیعہ سے پوچھتا ہوں کہ صحابہ کبار اور مہاجرین و انصارؓ رنج و مصیبت کے وقت میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے کہ نہیں اور مال و جان و عزت و آبرو کو آپ ﷺ پر نثار کیا یا نہیں، حضرت ﷺ کے پیچھے انہوں نے اپنے عزیزوں اور قریبوں کو چھوڑا یا نہیں، اسلام کے پھیلانے میں انہوں نے تکلیف اور ایذا پائی یا نہیں؟ پس یا ایسی بدیہیات سے

---

[1] ان کے دوستوں نے اپنے آپ کو ان کے لیے ڈھال بنایا اور میخانہ عشق و مستی کے کتنے جام لنڈھائے اور آنحضرت ﷺ کو جہاد اور ہجرت کا حکم ہوا تو آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے کفار کے مقابلہ میں کیا کیا رنج نہ جھیلے۔

انکار کیجیے یا اقرار، چونکہ انکار کر ہی نہیں سکتے، اس لیے لازم آیا کہ اقرار کریں۔ اور اگر ان کی محنتوں اور کوششوں کا انکار کریں تو پھر ذرا انصاف بھی کریں کہ جس کے پیچھے انہوں نے یہ تکلیفیں گوارا کی ہوں گی ان کی نگاہ میں کیا کچھ بھی ان کی قدر و منزلت نہ ہوگی۔

اے یارو! تم کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کی قسم ہے اگر مصیبت کے وقت میں تمہارا کوئی شریک ہو اور دکھ درد کی حالت میں کوئی تمہارا ساتھ دے اور اپنے بھائی بندوں کو چھوڑ کر تمہارے ہمراہ ہووے اور اپنی جان و مال کو تمہارے پیچھے ضائع کر دے تو تمہاری نگاہ میں اس کی کچھ بھی عزت اور تمہارے دل میں اس کی کچھ محبت ہو گی یا نہیں؟ اگر ہووے تو وہی مہاجرین و انصار کی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سمجھو اور انصاف کرو کہ جس وقت لوگ چاروں طرف سے یا ساحر یا مجنون کہہ کر آپؐ کا دل دکھاتے ہوں گے اس وقت جو لوگ یارسول اللہ اور حبیب اللہ! کہہ کر آپؐ کو پکارتے ہوں گے اور جب کہ خویش و اقارب آپ کے آپ کو ستاتے اور تکلیفیں دیتے ہوں گے اس وقت جو لوگ اپنا سینہ سپر کر دیتے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے ہوں گے، ان کی اس اعانت کی کیا کیا کچھ قدر و منزلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہوتی ہوگی!...... اے یارو! اگر انصاف کی آنکھ بند نہ کرو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ کون شخص اس دنیا میں ایسا ہے کہ ان کے مرتبے پر پہنچے اور ان کا سا درجہ پا سکے۔ کہاں ہیں اب وہ رسولؐ خدا کہ وہ دعوت کریں اور ان کے قبیلے کے لوگ ان کو جھٹلا دیں اور ہم میں سے کوئی سامنے آ کر صدقت یارسول اللہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو خوش کرے، کہاں ہے وہ وقت کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کریں اور غار میں جا کر چھپیں اور کوئی ہم میں سے اس وقت ساتھ ہووے ''اور یارِ غار'' کہلائے، کہاں ہے وہ زمانہ کہ فقراء مہاجرین کو لے کر حضرت مدینے میں پہنچیں اور مدینے والے اپنے اوپر مصیبت گوارا کر کے ان کو اپنے گھروں میں ٹھہرائیں اور ''انصار'' کہلائیں، کیا اب وہ دن پھر مل سکتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی لڑائی پر جائیں اور ہم لوگ حضرت کے ساتھ ہوں اور ہماری مدد کے لیے خدا ملائکہ کو بھیجے اور لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ کہہ کر اپنی رضامندی ظاہر فرمائے۔

اے بھائیو! وہ زمانہ گزر گیا، وہ وقت باقی نہیں رہا، جن کو وہ نعمت ملنے والی تھی مل گئی، جن کو یہ دولت حاصل ہونے والی تھی ان کو حاصل ہوچکی، جو لوگ مہاجرین میں داخل ہونے والے تھے وہ مہاجرین میں شامل ہو گئے اور جو انصار میں داخل ہونے والے تھے وہ انصار میں داخل ہو چکے، اب ہزار جان و مال کو کوئی نثار کرے مگر ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ o﴾ کی فضیلت پا نہیں سکتا، تمام جہان کی کوئی دولت لٹا دے مگر اصحاب بدر یا یارانِ بیعت رضوان میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ان دولتوں کو لینے والے لے گئے، ان نعمتوں کو لوٹنے والے لوٹ لے گئے۔ شعر

حریفاں بادھا خوردندو رفتند

تہی خمخانہا کردندو رفتند

''مقابل لوگ باجود خوری کر کے میکدہ خالی چھوڑ کر جا چکے۔''

اے یارو! جن لوگوں نے بلا واسطہ پیغمبر خداؐ سے تعلیم پائی اور جن شخصوں نے خود صاحب شریعتؐ سے ہدایت حاصل کی کیوں کر تمہارے دل میں ان کی محبت اور تمہاری نظروں میں ان کی قدر و منزلت نہیں ہے۔ کیا تمہاری عقل اس کو قبول کرتی ہے کہ ان ہزاروں، لاکھوں آدمیوں میں جو برسوں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت میں رہے کسی کے دل پر ایمان کامل کا اثر نہ ہوا اور ان بے شمار آدمیوں میں جو نمازوں اور جہادوں میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک رہے کوئی اسلام پر ثابت قدم نہ رہا، باوجودیکہ سفر اور حضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے، شب و روز اپنے کانوں سے وعظ و نصیحت سنتے رہے، اپنی آنکھوں سے جبرئیل علیہ السلام کا آنا، وحی کا لانا دیکھتے رہے لیکن اپنے نفاق اور کفر سے (والعیاذ باللّٰہ منہ) باز نہ آئے، گو کہ حضرتؐ نے طرح طرح کے معجزات ان کو دکھلائے، انواع انواع کی دعائیں ان کے حق میں فرمائیں، لیکن نہ کسی معجزے کا ان پر اثر ہوا، نہ کوئی دعا ان کے حق میں مقبول ہوئی...... بھلا انصاف کرو کہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھے گا اور اپنے پیغمبرؐ کی شان کو داغ لگائے گا اور اس کے تمام شاگردوں اور کل مریدوں کو کافر اور مرتد کہے گا...... ذرا سوچو تو سہی کہ اگر کسی عالم

کے تمام شاگرد جاہل رہیں اور کسی امیر کے مصاحب سب کے سب بدچلن ہوں اور کسی ولی کے مرید کلہم اجمعین فاسق و فاجر ہوں تو کیا اس سے کچھ بدظنی اس عالم اور اس امیر اور اس ولی کی نسبت لوگوں کو نہ ہوگی، بے شک ضرور ہوگی...... پس اسی طرح پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے کفر وارتداد پر اعتقاد رکھنا در پردہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں داغ لگانا ہے۔(ونعوذ بالله من ذالك).

تیسری دلیل:

اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے کہ لوگ توحید سے منکر ہوگئے تھے، دین ابراہیمیؑ میں تحریفیں کرنے لگے تھے، جانوروں کی طرح آپس میں لڑتے اور وحشیوں کی مانند باہم جھگڑتے تھے، علم اور حکمت سے بے بہرہ ہوگئے تھے، اخلاق حسنہ کو چھوڑ کر جاہلانہ رسموں کے پابند ہوگئے تھے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ، نے توحید کے بتلانے، شرک کے چھڑانے، عبادت کے طریقے سکھانے، دین ابراہیمیؑ کے جاری کرنے، اخلاق حسنہ کی تعلیم دینے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور رسالت کا مرتبہ دیا اور تمام بنی آدم کی ہدایت کا بار آپؐ کے اوپر رکھا اور چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا کو دوسرا نبی بھیجنا منظور نہ تھا اور سلسلۂ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم کرنا منظور تھا، اس لیے جو فضائل اور کمالات اور معجزات جدا جدا اور انبیاء علیہم السلام کو دیے گئے اور جو طریقے ہدایت اور تعلیم کے علیحدہ علیحدہ اور پیغمبروں کو سکھلائے گئے تھے وہ سب حضرت کو سکھائے گئے بلکہ اس نظر سے کہ کوئی فرقہ، کوئی گروہ آپؐ کے فیضان نبوت سے محروم نہ رہے اور آپؐ کی ہدایت اور تعلیم سے مثل اور بعض نبیوں کے بے اثر نہ ہو جائے اور کسی کو کوئی عذر ایمان اور اسلام لانے پر باقی نہ رہے اور کسی کو آپؐ کی نبوت کے انکار کرنے کا موقع نہ ملے وہ معجزات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے گئے جو کسی نبی کو نہیں دیے گئے اور ان ان باتوں کی اجازت آپؐ کو دی گئی کہ اور کسی پیغمبر کو نہیں دی گئی۔ اس واسطے آپؐ کی ہدایت کا اثر جلد اور کامل ہوا اور کچھ ایک ہی ذریعہ سے نہیں بلکہ مختلف ذریعوں سے لوگوں نے ایمان کو قبول کیا۔ جو فصحاء اور بلغاء مشہور تھے وہ

قرآن مجید کی فصاحت دیکھ کر قائل ہو گئے اور جو لوگ علم وحکمت کا دعویٰ کرتے تھے وہ آپؐ کی حکیمانہ تعلیم دیکھ کر معتقد ہو گئے، جو اشخاص معجزے کے طالب تھے وہ معجزات دیکھ کر ایمان لائے، جو لوگ شجاعت اور مردانگی میں مشہور تھے وہ میدان جنگ میں تابِ مقابلہ نہ لا سکے آخر مغلوب ہو کر مطیع بن گئے اور جو غرض اللہ جل شانہ کی آپؐ کی نبوت سے تھی کہ دین اسلام تمام دنیا میں پھیل جائے اور باطل دینوں پر غالب ہو جائے، وہ حاصل ہو گئی۔ لیکن یہ فائدہ جو بعثت نبوی ﷺ سے ہوا صرف اہل سنت کے اصول کے مطابق ثابت ہوتا ہے اور موافق اصول مذہب شیعہ کے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جو لوگ حضرت کے سامنے ایمان لائے جب ان کی نسبت یہ اعتقاد کیا جائے کہ ایمان اور اسلام میں کامل تھے اور دل سے حضرت ﷺ کی نبوت کے معتقد تھے اور مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہے تو یہ امر البتہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ﷺ کی ہدایت سے جو غرض تھی حاصل ہو گئی، مگر جب ان کی نسبت یہ خیال کیا جائے کہ وہ ظاہر میں مسلمان تھے اور باطن میں (عیاذاً باللّٰہ) کافر یا حضرت کی وفات کے بعد ہی مرتد ہو گئے تو کس کے منہ سے یہ بات نکل سکتی ہے کہ حضرتؐ کی ہدایت سے کچھ فائدہ ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو اعتقاد شیعوں کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت ہے اس سے آپ ﷺ کی نبوت پر الزام آتا ہے اور سننے والے کو مذہب اسلام پر شبہ ہوتا ہے، اس لیے کہ جب کوئی اس امر پر یقین کرے کہ جو لوگ حضرت پر ایمان لائے ان کے دلوں پر کچھ اثر ایمان اور اسلام کا نہ تھا اور وہ صرف ظاہر میں مسلمان اور (عیاذ باللّٰہ) باطن میں کافر تھے یا حضرت کے انتقال کرتے ہی وہ اس سے پھر گئے، وہ حضرتؐ کی نبوت کی تصدیق کر نہیں سکتا اور کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرتؐ سچے نبی ہوتے تو کچھ نہ کچھ ان کی ہدایت میں تاثیر ہوتی اور کوئی نہ کوئی دل سے ان پر ایمان لایا ہوتا اور منجملہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے جو ان پر ایمان لائے سو دو سو آدمی تو ایمان پر ثابت قدم رہتے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمہارے عقائد باطلہ کے موافق اسلام اور ایمان میں کامل نہ تھے تو پھر وہ لوگ کون سے ہیں جن پر حضرت ﷺ

کی ہدایت کا اثر ہوا، اور وہ کتنے ہیں جن کو حضرت ﷺ کی نبوت سے فائدہ ہوا۔ اگر اصحاب رسول ﷺ معدودے چند کے سوا بقول تمہارے سب کے سب (عیاذاً باللّٰہ) منافق اور مرتد تھے تو دین اسلام کو کس نے قبول کیا اور پیغمبر ﷺ کی تعلیم وتلقین سے کس کو نفع پہنچا، کن لوگوں نے حضرت ﷺ کے کہنے سے شرک چھوڑ کر توحید پر اعتقاد کیا، کن شخصوں نے عبادت کے طریقوں کو سیکھا، کس گروہ نے دین محمدی ﷺ کو جاری کیا، کس فرقے نے ایمان کو پھیلایا؟

اے یارو! تم کو تو اس کا نام لینا اور پیغمبر صاحب ﷺ کی نبوت کا اقرار ظاہری بھی نہ کرنا چاہیے۔ اگر پیغمبر ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سو دوسو، ہزار دو ہزار کو تم کافر کہتے یا ان لوگوں کو جو بعد غلبہ اسلام کے مسلمان ہوئے، تم منافق جانتے تو صبر آتا مگر افسوس تو اسی بات پر آتا ہے کہ تم انہی لوگوں پر اعتراض کرتے ہو جو سب سے پہلے اسلام لائے اور انہی کو منافق بتلاتے ہو جنہوں نے خدا کے دین کو جاری کیا اور ان ہزاروں لاکھوں آدمیوں میں سے جو حضرت ﷺ پر ایمان لائے تھے سوائے چار چھ شخصوں کے کسی کو اچھا نہیں کہتے ہو، بھلا کیوں کر ایسے عقیدے پر تعجب نہ آئے اور کیوں کر تمہاری اس گمراہی پر افسوس نہ ہو۔

چوتھی دلیل:

ہم لوگ کیا شیعہ اور کیا سنی پیغمبر ﷺ کی زیارت کو افضل ترین سعادت اور بہترین قربات سے سمجھتے ہیں اور چونکہ اب زمانہ آپ ﷺ کی حیات کا نہیں ہے، اس لیے آپ ﷺ کی قبر مبارک دیکھ لینے کو اور آپ ﷺ کے روضۂ انور کی خاک آنکھوں میں لگانے کو غنیمت جانتے ہیں اور اسی کو بہترین سعادت سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص خواب میں آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے تو وہ بڑے بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور حقیقت میں جب تک کوئی شخص نہایت ہی نیک اور مخلص اور پرہیز گار نہیں ہوتا وہ خواب میں بھی سعادتِ زیارت سے مشرف نہیں ہوسکتا، پس نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہم ان لوگوں کی بزرگی اور فضیلت کا کچھ بھی اعتقاد نہ کریں جو برسوں حضرت ﷺ کی زیارت کرتے

رہے اور رات دن آپ ﷺ کی صحبت میں حاضر رہے اور ہر لحظہ اور ہر ساعت آپ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور ہمیشہ آپؐ سے ہم کلام رہے اور نہ صرف زیارت اور صحبت کی سعادت پائی بلکہ حضرت ﷺ کے غم اور خوشی میں شریک رہے اور آپ ﷺ کی یاری اور مددگاری اعلاء کلمۃ اللہ میں کرتے رہے۔ابیات:

از وطنہا مہاجرت کردند
برالم ہا مصابرت کردند
در سفر ہمرکاب او بودند
در حضر ہم خطاب او بودند
ہمہ آثارِ وحی دیدہ ازو
ہمہ اسرارِ دیں شنیدہ ازو
با نبی در شدائدو اہوال
بذل ارواح کردہ و اموال
پایہ دیں بلند ازیں شاں شد
کارِ شرع ارجمند ازیشاں شد
رضی اللہ عنہم از سوئی حق
بہر ایشاں بشارتِ مطلق (1)

غرض کہ صرف زیارت اور صحبت ہی حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی ایسی فضیلت

---

(1) اپنے وطنوں سے ہجرت کی اور مصیبتوں پر صبر کیا۔
سفر میں آپؐ کے ہمرکاب رہے اور حضر میں بھی آپؐ کے مخاطب رہے۔
ان (حضور ﷺ) سے وحی کی تمام علامتیں اور نشانیاں دیکھیں اور دین کے تمام رموز آپ ﷺ سے سنے۔
مصائب اور پریشانیوں میں اپنے جان و مال کو نبی ﷺ پر قربان کیا۔
دین کا پایہ ان حضرات سے بلند ہوا اور شریعت (محمدی ﷺ) کو ان سے عزت ملی۔
اور بلا قید و شرط ان کو اللہ کی طرف سے رضی اللہ عنہم (اللہ ان سے راضی ہو گیا) کی خوشخبری ملی۔

ہے کہ کوئی بزرگی اس کو نہیں پاتی نہ کہ جب اس کے ساتھ اور بھی فضائل ذاتی صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہوں تو پھر ان کے مدارج اور مراتب کی کیا انتہا ہے۔

پانچویں دلیل:

اس امر کو سب مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ اسلام کی ابتدا اور ترقی کے مقام ہیں اور انہیں دو جگہوں کی سب دنیا سے بڑھ کر عزت ہے۔

ایک خدا کا گھر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے دوسرا حضرتؐ کا شہر اور مدفن ہے۔ مکہ معظّمہ میں اسلام کی بنیاد قائم ہوئی اور مدینہ منورہ میں اس کی ترقی ہوئی اور ان دونوں جگہوں کی ایسی بزرگی ہے کہ کبھی کوئی باطل مذہب ان میں پھر جاری نہ ہوگا اور دجال ملعون کا بھی گزر اِن میں نہ ہوگا۔ پس ہم کو غور کرنا چاہیے کہ ان دونوں شہروں کے رہنے والے اب تک صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کیسا اعتقاد رکھتے ہیں، جو کچھ ان کا اعتقاد ہو اسی کو اصل ایمان سمجھنا چاہیے...... پس خدا کے فضل سے ان دونوں شہروں کے رہنے والے بلکہ تمام عرب کے باشندوں کا جو اعتقاد صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر ہم شیعوں کے موافق یہ کہیں کہ وہ سب کے سب گمراہ ہیں اور باطل اعتقاد پر اب تک قائم ہیں تو اس سے اصل مذہب اسلام پر بڑا الزام آتا ہے کیونکہ خداوندِ عالم نے جہاں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور جہاں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بنایا اور جن جگہوں کو عرش و کرسی کے برابر رتبہ دیا اور جہاں سے اسلام اور ایمان جاری کیا انہیں جگہوں کے رہنے والوں کو خدا نے اب تک باطل اعتقاد پر قائم رکھا اور ان لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو جو تیرہ سو برس کے عرصہ میں وہاں پیدا ہوئے اور وہاں رہے گمراہ رکھا، اور گمراہی پر ان کا خاتمہ کیا اور ایک مومن کا گزر بھی وہاں نہ ہونے دیا اور اب تک خدائے عز و جل کو وہی اصرار ہے کہ انہی بداعتقادوں سے مکہ اور مدینہ بھرا ہوا ہے اور وہی گمراہی اور ضلالت اب تک تمام عرب میں پھیلی ہوئی ہے اور باوجود گزر جانے اس قدر عرصۂ دراز کے اب بھی کوئی مومن پاک بغیر تقیہ کے وہاں جانے نہیں پاتا اور اپنے ایمان و اعتقاد کو بخوف اپنی عزت اور جان کے ظاہر نہیں کرسکتا۔ قیامت تو قریب آگئی، اس دنیا کے دن ختم

ہونے کے نزدیک ہو گئے لیکن خدا ان ظالموں اور بدا عتقادوں سے اپنے گھر، اپنے رسول ﷺ کے گھر کو پاک نہیں کرتا اور مومنین سے ان شہروں کو آباد نہیں فرماتا اور گمراہوں کو ایسی پاک جگہ سے نہیں نکالتا، اگرچہ جس قدر زمانہ نبوت کا دور ہوتا گیا اور اسلام میں ضعف آتا گیا شیعوں کا مذہب ترقی پاتا گیا اور ان کے عقائد باطلہ کو رواج ہوتا گیا اور اکثر شہروں، اور ملکوں میں ان کی حکومت ہوگئی اور بادشاہت اور سلطنت بھی نصیب ہوئی لیکن بایں ہمہ مکہ مدینہ اور عرب میں جو دین پیغمبر خدا ﷺ کے وقت میں تھا وہی جاری ہے اور جو مذہب رسول مقبول ﷺ کے سامنے تھا وہی اب بھی ہے: شعر......

ہست محفل براں قرار کہ بود

ہست مطرب براں ترانہ کہ بود [1]

ہم حیران ہیں کہ جب مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں ایک مسلمان پاک اعتقاد نہ ہوا اور ایسی پاک جگہ میں کسی مومن پاک کا گزر نہ ہوا تو پھر وہ کون سا مقام ہوگا جہاں کے رہنے والے مومن اور مسلمان ہوں گے اور خدا کے گھر اور رسول ﷺ کے گھر کو چھوڑ کر کس کے گھر میں ایمان والے رہتے ہوں گے......؟ اے بھائیو! بغیر اس کے کہ یہ امر قبول کیا جائے کہ اصل دین و مذہب وہی ہے جو مکے اور مدینے کے رہنے والوں کا ہے، کوئی دوسرا علاج نہیں ہے۔

❀❀❀❀

[1] محفل اسی طرز پر قائم ہے جیسی تھی اور مطرب (گانے والا) ابھی تک وہی ترانہ گنگنا رہا ہے۔

شواہد نقلی صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں

ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل کے ثبوت میں تین قسم کی نقلی شہادتیں بیان کرتے ہیں:

۱۔ وہ شہادتیں جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں۔

۲۔ وہ شہادتیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

۳۔ وہ شہادتیں جو ائمہ کرام علیہم السلام سے کتب امامیہ میں مذکور ہیں۔

توریت و انجیل کی شہادتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں:

اتنی بات تو امامیہ مذہب والے بھی جانتے ہیں کہ جس طرح اللہ جل شانہ، نے کتب سماویہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بطور پیش گوئی کے کیا ہے اور اس سے انکار اس لیے نہیں کرتے کہ خدا نے خود فرمایا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ تَرٰٮهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰ لِكَ مَثَلُهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ ۛ ۖ ۚ وَمَثَلُهُمۡ فِى الۡاِنۡجِيۡلِ ۛ ۚ كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطْئَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَـغِيۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ ؕ﴾ (سورۃ الفتح: ۲۹)

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں سخت ہیں اوپر کفار کے، رحم دل ہیں آپس میں، دیکھتا ہے تو ان کو رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، چاہتے ہیں فضل خدا کا اور رضا مندی اس کی، نشانی ان کی ان کے چہرے پر ہے اثر سے سجدے کے۔ یہ ہے صفت ان کی بیچ انجیل کے اور بیچ توریت کے، جیسے کھیتی اپنا اکھوا نکالے پس قوی کرے اس کو، پس موٹے ہو

جائیں پس کھڑے ہو جائیں اپنی چھڑی کے اوپر، اچھی لگتی ہے کھیتی کرنے والے کوتا کہ غصہ میں لاوے اللہ بہ سبب ان مسلمانوں کے کافروں کو۔“

اب ہم ان مثالوں کو جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں اور جن کی خبر خدائے جل شانہ نے اس آیت میں دی ہے بیان کرتے ہیں۔

پہلی شہادت توریت کی:

توریت کی کتاب استثناء کے تیرہویں باب کے چھٹے درس میں لکھا ہے کہ ”اگر تیرا بھائی یا بیٹا یا بیوی یا دوست کوئی تجھے پھسلا دے اور کہے کہ آؤ غیر معبودوں کی بندگی کرو، تو اس کے موافق نہ ہونا اور اس کی بات نہ سننا اور اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا اور اس کی رعایت نہ کرنا اور اسے پوشیدہ نہ رکھنا بلکہ اس کو ضرور قتل کر ڈالنا، اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے۔“

پس غور کرنا چاہیے کہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس کو کر دکھایا اور جیسی کچھ شدت اور سختی کافروں پر چاہیے اس کا ظہور صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کے ہاتھ سے ہوا۔ اسی واسطے خدا نے ان کی شان میں ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ فرمایا۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شدت اور صلابت کا جو دین میں تھی امامیہ انکار نہیں کر سکتے، مگر ہم ان کے اطمینان کے لیے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے حالات کو جو شیعوں کے بڑے دشمن ہیں اور صنمی قریش کر کے ان میں مشہور ہیں، بیان کرتے ہیں اور زیادہ تو نہیں کہہ سکتے ہیں اتنا عرض کرتے ہیں کہ اپنی ہی کتابوں کی روایتوں کو سنیں اور پھر اس کو توریت کے مضمون سے اور قرآن شریف کی آیت سے ملائیں پھر خود ہی انصاف کریں اور اگر حیا و شرم مانع نہ ہو تو تعصب اور عناد کو چھوڑ کر ان کی فضیلت کا اقرار کریں اور اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑ کر جماعت میں داخل ہو جائیں۔“

پہلی روایت کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے قتل کا ارادہ کیا:

شیعوں کے امام اعظم حضرت شیخ حلی [1] ”تذکرۃ الفقہاء“ کی چھٹی فصل میں لکھتے ہیں کہ

[1] جمال الدین حسن یوسف بن علی بن مطہر حلی المعروف بہ علامہ حلی، انتیس ماہ رمضان المبارک ۶۴۸ ہجری ⇦ ⇦ ⇦

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُحد کے دن اپنے باپ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر حضرت ﷺ نے منع کر دیا اور فرمایا کہ تو جانے دے اور کوئی یہ کام کر لے گا۔ 1 پس اے بھائیو خدا کے واسطے ذرا اپنے امام اعظمؒ کی تصدیق کو دیکھو کہ وہ صدیقیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کیسی تصدیق کرتے ہیں اور جو کچھ توریت میں کفار پر شدت کرنے کا ذکر ہے اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں کیسا تسلیم کرتے ہیں...... کیوں یارو، اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مصداق کیا، سوائے اس کے کوئی دوسرا ہوگا جو اپنے باپ کے قتل پر آمادہ ہو اور توریت کے اس مضمون کا کہ (غیر معبودوں کے بندگی پر پھسلانے والے کو اگرچہ بھائی یا بیٹا یا بیوی یا دوست ہو تو قتل کر ڈالنا اور پہلے اپنا ہاتھ اس کے قتل پر اٹھانا) اطلاق کسی اور پر ہوگا۔ تعجب ہے شیعوں سے اور ان کے امام اعظم سے کہ ایسی روایت کو تصدیق بھی کریں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مستعدی کو باپ کے قتل پر قبول بھی کریں اور پھر ان کی صدیقیت سے انکار بھی فرما دیں۔

⇦⇦⇦ کوحلہ نامی شہر میں پیدا ہوئے۔ اصول وادب، فقہ، علم کلام کی تعلیم شیخ نجم الدین ابوالقاسم جعفر بن سعید حلی اور اپنے والد یوسف بن علی بن مطہر حلی سے اور فلسفہ وحکمت کی تعلیم خواجہ نصیر الدین طوسی سے حاصل کی، ان کے علاوہ علی بن عمر کاتبی قزوینی شافعی اور ملا قطب الدین علامہ شیرازی کے بھانجے محمد بن احمد کیشی اور دیگر علماء شیعہ وسنی سے اکتساب فیض کیا۔ یافعی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابن مطہر حلی اسی (۸۰) سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ ابن مطہر حلی نے اثبات شیعیت واہل سنت کی رد میں "منهاج الكرامة فی معرفة الامامة" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی تھی جس میں ائمہ اثنا عشر کے فضائل اور ان کی امامت وعصمت کو آیات ونصوص قرآنی اور احادیث و روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اسی طرح خلفائے ثلاثہ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مطاعن کو آیات و احادیث اور تاریخ وسیر سے ثابت کیا گیا تھا۔ شیخ الاسلام احمد تقی الدین حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں "منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعة والقدرية" کے نام سے ایک بہت مدلل اور لاجواب کتاب لکھی جس میں "منهاج الكرامة" کے ایک ایک تارو پود کو بکھیر کر اس کے مصنف کی کارستانیوں کی قلعی کھولی ہے۔ بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ کے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ کتاب لکھ کر مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم کے باب میں امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ ۲۱ محرم ۷۲۶ھ کو حلہ میں ابن المطہر حلی کی وفات ہوئی۔ (شیخ محمد فراست)

1 ولان ابا بكر اراد قتل ابيه يوم احد فنهاه النبی ﷺ من ذالك و قال دع ليلى قتله غيرك۔

دوسری روایت کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رشتہ داروں کے قتل کا مشورہ دیا:

تفسیر مجمع البیان اور منہج الصادقین اور خلاصہ تفسیر جرجانی میں امامیہ مذہب کے مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بدر کی لڑائی فتح ہوئی اور بہت سے لوگ مکے کے قید ہوئے جن میں اکثر مہاجرین کے عزیز اور قریب تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے معاملہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو کوئی جس کا رشتہ دار ہے وہ اس کے حوالہ کیا جائے تا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے کافر رشتہ دار کو قتل کرے اور خدا کی محبت کے سامنے رشتے اور قرابت کا خیال نہ کرے، پس عقیل رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کو اور نوفل مجھے اور فلاں فلاں کے حوالے کیا جائے واسطے قتل کے۔''

اے شیعیانِ پاک ذرا اس روایت کو اپنی تفسیروں میں دیکھو اور انصاف کرو کہ ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ﴾ کا مضمون حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر صادق آتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اس پر بھی نہ سمجھو تو خدا تم سے سمجھے۔

دوسری شہادت انجیل کی:

متّی کی انجیل کے باب ۱۳ کے درس ۳۱ و ۳۲ میں لکھا ہے کہ ''آسمان کی بادشاہت رائی کے دانے کے مانند ہے جسے ایک شخص نے لے کر اپنے کھیت میں بویا اور وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہے، پر جب اگتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہوتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔'' اس پیشین گوئی کو اس آیت سے ملانا چاہیے جو ابھی مذکور ہوئی ہے کہ ﴿مَثَلُهُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِهٖ﴾ (الفتح: ۲۹) یعنی خداوند تعالیٰ فرماتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کی مثال انجیل میں اس طرح ہے جس طرح ایک چھوٹا سا دانہ کہ اس میں اوّل پتی نکلتی ہے، پھر وہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ بڑا درخت ہوتا ہے اور دیکھنے والے کو تعجب آتا ہے...... پس اس آیت کے مضمون کی اس عبارت سے انجیل کی جو ہم نے اوپر بیان کی کیسی تصدیق ہوتی ہے اور اس سے بہ شہادت انجیل صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ اور در حقیقت

یہ مثال بالکل صحابہ رضی اللہ عنہم کے حال کے مطابق ہے۔ اس لیے کہ وہ اوّل تھوڑے تھے، پھر آہستہ آہستہ بڑھتے گئے اور ایک بڑا لشکر ان کا ہو گیا جس کی جماعت اور کثرت کو دیکھ کر کفار تعجب کرتے تھے اور ان کی قوت کو دیکھ کر جلتے مرتے تھے، پس جو کوئی ان کی بزرگی کا قائل اور ان کی فضیلت کا معتقد نہ ہو، درحقیقت قرآن اور انجیل اور تمام کتب سماوی کا منکر ہے۔

اے صاحبو! اگر تم صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان اور اسلام کے قائل نہیں ہو تو مہربانی کر کے ذرا ارشاد فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ سے کیا مراد ہے، یعنی وہ کون لوگ ہیں جو حضرت کے ساتھ تھے جن کی صفت اللہ جل شانہ، اس آیت میں فرماتا ہے اور اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مصداق بتلاؤ کہ وہ کون حضرات تھے جو کفار پر سختیاں کرتے تھے، اگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سوائے چار چھ کے سب کے سب منافق اور کافر تھے۔ (نعوذ باللّٰہ من ذالك .) تو وہ کون لوگ تھے جن کے سبب سے اسلام ایک دانے سے بڑا درخت ہو گیا، اور وہ کتنے شخص تھے جن کو دیکھ کر کفار غیظ میں آتے تھے کیا کسی کے قیاس میں آسکتا ہے کہ چار چھ شخصوں کو دیکھ کر کافر جلتے ہوں۔ اور معدودے چند کے ایمان لانے پر تعجب کرتے ہوں۔ اگر ہزاروں آدمی مسلمان نہیں ہو گئے تھے اور وہ سب کے سب ایمان میں کامل نہ تھے تو اللہ جل شانہ ﴿فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ (الفتح : ۲۹) کیوں فرماتا اور اگر ہزاروں شخص اسلام نہیں لائے تھے تو کن کو دیکھ کر کفار کو غصہ آتا تھا۔ پس جب تک کوئی صحابہؓ کی فضیلت اور ان کی کثرت کو نہ مانے وہ ان آیتوں کی بھی تصدیق نہیں کر سکتا۔

اے یارو! خدا کی قسم سچ جاننا اور یقین کر کے ماننا کہ ہم کو نہایت ہی تعجب آتا ہے کہ جو لوگ ایسی آیتوں کی تصدیق کرتے ہوں اور جو مثال انجیل میں مذکور ہے اس کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشین گوئی پر محمول کرتے ہیں اور پھر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور کثرت سے انکار کرتے ہیں اور ایسی آیتوں اور پیشین گوئیوں کو صرف چار چھ شخصوں پر ختم کرتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے عداوت رکھ کر لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ کی تہدید سے ذرا بھی نہیں ڈرتے۔

❁❁❁❁

قرآن مجید کی شہادتیں
صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں

پہلی آیت:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾(سورۂ آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو چن لیے گئے ہو آدمیوں کے لیے، حکم کرتے ہو نیک باتوں کا اور روکتے ہو بری باتوں سے اور ایمان رکھتے ہو خدا پر، اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو بہتر ہوتا ان کے حق میں، بعض ان میں سے مومن ہیں اور اکثر فاسق۔''

اس آیت میں اللہ جل شانہ، صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلتوں کو اور ان کی بزرگیوں کو خود ان سے بیان فرماتا ہے اور ان سے مخاطب ہو کر ارشاد کرتا ہے کہ تم بہترین امت سے ہو اور تم کو میں نے اور مخلوق سے منتخب کر لیا ہے تاکہ لوگوں کو ہدایت کرو، چنانچہ تم جس کام کے لیے مقرر ہوئے وہ کرتے رہو اور جو خدمت تمہارے سپرد ہوئی اس کو ادا کرتے رہو ﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ کہ لوگوں کو نیک کام سکھلاتے ہو اور بری باتوں سے بچاتے ہو۔ جو شخص ذرا غور اور انصاف سے دیکھے تو یہی ایک آیت عقائد شیعیان عبداللہ بن سبا کے بطلان پر کافی ہے کہ خداوند کریم جبکہ اصحاب رضی اللہ عنہم کی نسبت فرما دے کہ وہ بہترین امت سے ہیں اور بنی آدم کی ہدایت کے واسطے پیدا کیے گئے ہیں اور ان کے افعال حسنہ کی تصدیق کرے کہ

وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور باوجود اس کے حضرات شیعہ ان کو بدترین امت سے جانیں اور ان کی بزرگی اور فضیلت سے انکار کریں۔ ہم نہایت تعجب کرتے ہیں کہ ایسی صریح آیتوں اور ایسی صاف شہادتوں پر بھی وہ اپنے عقیدوں کے فساد پر خیال نہیں کرتے اور ذرا بھی قرآن مجید کے لفظوں کو نہیں دیکھتے...... اگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم بہترین امت سے نہیں تھے تو خدا کا یہ خطاب کہ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ یعنی تم بہترین امت سے ہو، کس سے ہے؟ اور اگر ان کے اعمال نیک نہ تھے تو اللہ جل شانہ، کا یہ ارشاد کہ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ تم نیک کام اوروں کو بتلاتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو، کس کی طرف ہے...... اگر وہ سچے دل سے ایمان نہیں لائے تھے تو خدا کی اس تصدیق کہ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ تم خدا پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہو کے کیا معنی ہیں؟...... آیتیں تو ایسی صاف ہیں کہ ان میں کوئی تاویل اور کوئی بناوٹ ہو ہی نہیں سکتی، سیدھے سیدھے لفظوں میں اللہ جل شانہ، صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان اور اعمال کو بیان کر رہا ہے اور کمالِ عنایت سے انہی سے مخاطب ہو کر خود ان کی تعریفیں کر رہا ہے، لیکن ہم کو سخت حیرت ہے کہ شیعیان پاک کے نزدیک اس آیت کے الفاظ کیا مہمل ہیں جن کے کچھ معنی نہ ہوں، یا یہ کوئی لغز (معمہ) اور پہیلی ہو جو اس کا مطلب ان کو سمجھ میں نہ آئے، یا کوئی دقیق معمہ ہے کہ وہ ان سے حل نہ ہو سکے، یا ان کے عقیدے میں یہ الفاظ قرآن کے نہیں ہیں اور جامع قرآن نے اپنی اور اپنے بھائیوں کی بزرگی ظاہر کرنے کے لیے بڑھا دیے ہیں کہ اس پر ایمان نہ ہو...... آخر ان باتوں میں سے کوئی بات اگر نہیں ہے تو یہ کیا بات ہے کہ اس کا اقرار کرتے جاتے ہیں، یہ آیتیں خدا کی کتاب کی ہیں اس کو تصدیق کرتے جاتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر اعتقاد رکھنے کا کیا ذکر ان کے ایمان اور اسلام کی بھی تصدیق نہیں کرتے اور جن کو خداوند کریم خَیۡرَ اُمَّۃٍ فرمائے شَرَّ اُمَّۃٍ سمجھتے ہیں اور جن کی نسبت خدا تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ کہے ان کے حق میں تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡکَرِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اگرچہ آیات بینات قرآن مجید کی ایسی صریح

اور صاف ہیں کہ تفسیر دیکھنے کی حاجت نہیں ہے لیکن ہم حضرات شیعہ کے اطمینان خاطر کے لیے انہیں کی معتبر تفسیروں کی سند لاتے ہیں۔

اے بھائیو! سنو، تفسیر مجمع البیان طبرسی میں (جو کہ تفسیروں میں سے تمہاری بہترین تفسیر ہے اور ۱۲۷۵ء میں بمقام تہران دارالسلطنت ایران میں چھپی ہے) اس کے صفحہ ۳۰۰ میں لکھا ہے کہ ''پہلے ❶ خداوند تعالیٰ نے امر و نہی کا ذکر کیا پیچھے اس کے ان لوگوں کا ذکر کیا جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور ان کے واسطے ان لوگوں کی تعریف کی تا کہ اور لوگ ان کی پیروی کریں اور اس واسطے انہیں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہترین امت سے ہو۔'' اور اس واسطے کہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ یہ خطاب ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ کا کس سے ہے۔ اسی تفسیر میں بعضوں ❷ نے لکھا ہے کہ مراد اس سے خاص مہاجرین ہیں اور بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ خطاب صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے لیکن اور امت بھی شامل ہے۔

اے یارو! اس تفسیر کو دیکھو اور اپنے مفسر کی تصدیق پر غور کرو کہ وہ خود اقرار کرتا ہے، خدا نے ان آیتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر اس لیے کیا کہ اور لوگ ان کی پیروی کریں۔ تو کیا پیروی اسی کا نام ہے جو تم کرتے ہو، اگر بیزاری تمہاری اصطلاح میں بمعنی پیروی ہے تو بے شک تم کلام کی تصدیق کرتے ہو ورنہ صریح تکذیب...... اس مقام پر جاہلوں کو كُنْتُمْ کی لفظ پر ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا ہے کہ ''تم بہترین امت سے تھے'' اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اخیر تک ویسے ہی رہے ہوں، شاید بعدہ بدترین امت سے ہو گئے ہوں، لیکن انہی کے علامہ طبرسی نے اس کا جواب دے دیا۔ چنانچہ اپنی تفسیر میں علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ❸ اللہ جل شانہ نے تاکید کے واسطے فرمایا کہ ضرور ایسا ہی ہوگا

---

❶ لما تقدم ذكر الامر والنهى عقبه تعالىٰ بذكر من تصدىٰ للقيام بذالك مدحهم ترغيباً فى الاقتداء بهم فقال كنتم خير امة اخرجت للناس، قيل فيه اقوال احدها ان معناه انتم خير امة۔ ۱۲ مجمع البيان۔

❷ واختلف فى المعنى بالخطاب فقيل هم المهاجرون خاصة وقيل هو خطاب للصحابة ولكنه يعم سائر الامة ۱۲ مجمع البيان۔

❸ ورابعها ان كان مزيدة دخولها كخروجها الا انها تاكيداً لوقوع الامر لا محالة لانه بمنزلة ما قد كان فى الحقيقة فهى بمنزلة قوله تعالىٰ واذكروا اذا نتم قليل وفى موضع آخر اذ كنتم قليلا فكثر كم ونظيره قوله تعالىٰ وكان الله غفورا رحيما لان مغفرة المستانفة كا لماضيه تحقيق الوقوع ۱۲ مجمع البيان۔

اوراس کے وقوع میں کچھ شک نہ ہوگا اور صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے بہترین ہیں ویسے ہی رہیں گے اور اس کی مثال یہ ہے کہ خدا نے اپنی نسبت فرمایا ہے کہ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا بخشنے والا مہربان تھا اور اب نہیں ہے یا آئندہ نہ رہے گا...... غرض کہ جب ان آیتوں اور تفسیروں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ثابت ہوگئی اور کوئی موقع ان کی بزرگی کے انکار کا نہ رہا تب بعض حضرات نے اپنا قدم دوسری راہ پر اٹھایا اور قرآن مجید کی تحریف کا اقرار کیا، چنانچہ بعض نے فرمایا ہے کہ بجائے خَيْرَ اُمَّةٍ کے خَيْرَ اَئِمَّةٍ تھا اور یہ خطاب خدا نے اماموں سے کیا تھا کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اَئِمَّةٍ یعنی تم سب اماموں سے بہتر ہو۔مگر جامعانِ قرآن نے بجائے اَئِمَّةٍ کے لفظ اُمَّةٍ بنا دیا......اگرچہ اور علمائے شیعہ کو حیا نے کسی قدر منع کیا ہے اور انہوں نے اس جواب کو پسند نہیں کیا، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کا اثر اب تک باقی ہے۔ چنانچہ جناب میرن صاحب قبلہ بھی اپنے حدیقۂ سلطانیہ کے باب سوم میں اس کا ذکر کرتے ہیں:

((تغیر و نقصان در قرآن منحصر در چهار چیز است یکے تبدیل لفظی بلفظ آخر مثلاً اینکه گفته شود بجائے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ خَيْرَ اَئِمَّةٍ بوده لیکن بعضے از اعدائے اهل بیت آں را تبدیل نموده اند.))

”قرآن میں کمی وتغیر کا انحصار چار چیزوں پر ہے ایک لفظی تبدیلی دوسرے لفظ کے ساتھ جیسے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (تم بہترین امت ہو) کے بجائے خَيْرَ اَئِمَّةٍ (بہترین ائمہ) تھا لیکن بعض دشمنان اہل بیت نے اسے بدل دیا۔“

اور پھر اخیر میں خود ہی فرما دیا ہے کہ ”وجہ اوّل بعید است“۔ ہمارے نزدیک بجائے اس کے کہ خَيْرَ اُمَّةٍ کی تصدیق کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر امت ہونے سے انکار کریں شیعیانِ پاک کے حق میں یہی بہتر ہے کہ بجائے خَيْرَ اُمَّةٍ کے خَيْرَ اَئِمَّةٍ کا اقرار کریں اور تحریف قرآنی کے عذر سے اپنے آپ کو صریح منکر آیات بینات کا نہ بنا دیں۔ افسوس کہ جناب میرن

صاحب قبلہ اور ان کے والد ماجد انتقال فرما گئے ورنہ میں اس حدیقۂ سلطانیہ اور صوارم کو لیے ہوئے ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوتا اور پوچھتا کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ جامعین قرآن کی تحریف ہے تو بندہ عرض کرتا کہ اس وقت اور ائمہ کرام سوائے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کون تھا اور کس نے اَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَهِی عَنِ الْمُنْكَرِ کیا تھا جن سے خدا یہ خطاب کرتا اور جن کی یہ فضیلتیں بیان کرتا ہے......اور اگر فرماتے کہ نہیں خَیْرَ اُمَّةٍ صحیح ہے تو کمترین التماس کرتا کہ پھر اس گروہ سے جس کو خدا خَیْرَ اُمَّةٍ فرماتا ہے اور جس کی آپ بھی تصدیق فرماتے ہیں، بیزاری کفر ہے یا نہیں، اور ان کے آگے انہی کی کتاب کھول کر اس کے صفحہ ۱۸۶ کی یہ عبارت نکال کر پوچھتا کہ حضرت اس کا کیا مطلب ہے وھو ھذہ:

((ازاں جملہ است آنچه از حضرت صادق علیہ السلام ماثور است که فرمود آں هذالقرآن فيه منار الهدى و مصابيح الدجى يعنی دریں قرآن انوار هدایت و چراغهائے دور کننده تاریکی ضلالت و غوایت روشن است .))

”منجملہ اس کے حضرت صادق علیہ السلام کی زبانی یہ منقول ہے کہ اس قرآن میں انوار ہدایت اور گمراہی و تاریکی کو دور کرنے والے چراغ موجود ہیں۔“

اور قسم دے کر پوچھتا کہ تم کو اپنے اجتہاد ہی کی قسم ہے کہ جس قرآن کو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں انوار ہدایت اور روشن چراغ ہیں اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کیا لکھا ہوا ہے اگر كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ لکھا ہے تو پھر آپ کیوں انکار کرتے ہیں اور کیوں روشنی چھوڑ کر تاریکی میں پڑتے ہیں، اور پھر اسی کتاب کی یہ عبارت نکالتا:

((از حضرت امام باقر علیہ السلام منقول است که در هنگامے که فتنها برشما ملتبس شود و مانند پاره شب تار پس رجوع آرید بقرآن کی شفاعت کننده و مقبول الشفاعت ست هر کسی که آں را پیش نهد الله اورا براهِ جنت می برد .))

''امام باقر سے منقول ہے کہ جس وقت تم پر فتنہ وفساد روشن نہ ہوں اور رات کی تاریکیاں محیط ہوں تو قرآن کی طرف رجوع کرو کیونکہ یہ شفاعت کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت مقبول ومنظور ہے۔''

اور یہ کہتا کہ قبلہ وکعبہ سنیے آج کل کوئی فتنہ اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کو بہترین امت جانتے ہیں اور آپ بدترین امت سے۔ اور نہ آپ ہماری مانتے ہیں نہ ہم آپ کی۔ اب آپ آیئے امام علیہ السلام کے قول پر عمل کیجیے اور قرآن سے رجوع کیجیے، اگر اس میں کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت لکھا ہوتو بس جنت کی راہ اختیار کیجیے اور اپنا مذہب چھوڑیے اور اگر اس میں کُنْتُمْ شَرَّ اُمَّةٍ ان کی نسبت ہوتو ہم کو اپنے مذہب میں لیجیے اور تاریکی سے نکالیے۔ معلوم نہیں کہ اگر یہ حضرات موصوف زندہ ہوتے تو کیا جواب دیتے اور خبر نہیں کہ اب ان کے جانشین کیا جواب دیں گے۔

دوسری آیت:

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۝﴾

(سورۂ آل عمران: ۱۹۵)

اس آیت میں اللہ جل شانہ، مہاجرین کی تعریف کرتا ہے اور ان کے جنتی ہونے کی بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے میرے پیچھے اپنے وطن، گھر اور کنبے قبیلے کو چھوڑا اور جن کے اوپر ایمان لانے سے تکلیفیں پہنچیں اور جن کو میری راہ میں ایذائیں دی گئیں تو میں بھی اپنے ایسے سچے ایمان لانے والوں اور پکے مسلمانوں سے بڑی مہربانی سے پیش آؤں گا اور ان کی محنتوں، مصیبتوں اور جاں فشانیوں کا ان کو اچھا بدلہ دوں گا، ان کے گناہوں سے درگزر کروں گا، ان کی بھول چوک کو نہ دیکھوں گا بلکہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دوں گا اور بن پوچھے بتلائے ان کو ایسی جنتوں میں جگہ دوں گا جن کے نیچے نہریں

بہتی ہیں، جہاں نہ ان کو کچھ غم رہے گا نہ رنج نہ کوئی فکر ان کو رہے گی نہ کھٹکا۔ اور یہ ثواب ان کو اپنی طرف سے دوں گا اور اپنے فضل و مہربانی سے ان کے اعمال سے بہت بڑھ کر ان کو درجہ عطا کروں گا۔

اب ان آیتوں کو دیکھ کر مہاجرین کی فضیلت اور بزرگی پر خیال کرنا چاہیے کہ کس محبت اور پیار سے خدائے عزوجل ان کا ذکر کرتا ہے اور ان کے مدارج اور مراتب کا کس خوبی سے اظہار فرماتا ہے اور ان کے قطعی جنتی ہونے کا اقرار کرتا ہے اور ان کے گناہوں اور سیئات سے درگزر کرنے کا اور نیکیوں سے بدل دینے کا وعدہ کرتا ہے اور ان کے اعمال کی جزا میں جو کچھ دے گا وہ تو ایک طرف، اپنی طرف سے براہِ تفضلات ثواب دینے کا بیان کس مہربانی سے فرماتا ہے...... پس اب ان آیتوں کے دیکھنے والوں سے ہم عرض کرتے ہیں کہ جن مہاجرین کی نسبت خدا نے یہ وعدے کیے ہیں اور جن کے بہشتی ہونے کا ذکر فرمایا ہے وہ کون تھے، کیا وہ لوگ مہاجرین نہ تھے جن کا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ ہے، اور کیا گھر بار چھوڑنے والوں میں وہ اشخاص نہ تھے جن کو شیعہ بُرا جانتے ہیں اور کیا یہ لوگ اس آیت سے مستثنیٰ کر دیے گئے ہیں اور کیا یہ اشخاص لَاُ كَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّـَٔا تِهِمۡ کے وعدے سے خارج کر دیے گئے ہیں۔

اے بھائیو! اس آیت کو پڑھ کر اب تم مہاجرین کے گناہوں کے ڈھونڈنے میں اوقات ضائع نہ کرو اور ان کی برائیوں کی تلاش میں اپنی عمر نہ گنواؤ...... اگر دو چار عیب تم نے ان کے ڈھونڈھ بھی لیے تو بھی جب تک تم مہاجرین میں ہونے سے انکار نہ کرو گے اور جب تک تم ان کی ہجرت کا اقرار کرتے رہو گے تمہاری عیب جوئی اور نکتہ چینی کچھ کام نہ آئے گی اور اس سے ان کے یقینی جنتی اور قطعی بہشتی ہونے میں کچھ ضرر نہ ہوگا، اس لیے کہ وہ خود فرما چکا ہے کہ لَاُ كَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّـَٔا تِهِمۡ (کہ میں ان کے گناہوں سے درگزر کروں گا اور ضرور ضرور ان کو جنت میں داخل کروں گا، اس لیے کہ وہ میرے پیچھے گھروں سے نکالے گئے، میری بدولت رنجوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوئے، اپنے دوستوں کو چھوڑ کر میرے دوست کے

ساتھ ہوئے ، اپنے محبوں سے جدا ہو کر میرے محبوب کے شریک ہوئے ، پس ان کا ہجرت ہی کرنا ایک ایسا عمل ہے کہ ہزار اعمال اور لاکھ عبادات اور کروڑ نیکیوں سے بہتر ہے۔

تیسری آیت:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا﴾ (سورۃ توبہ : ۱۰۰)

اس آیت میں اللہ جل شانہ، مہاجرین اور انصار کی نسبت اپنی رضا مندی ظاہر فرماتا ہے اور ان کو اور ان کی پیروی کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری پہنچاتا ہے...... ہمارے نزدیک اگر کوئی شخص اس آیت پر ذرا بھی غور کرے اور اس کے مطلب کو سوچے تو وہ ہرگز صحابہ کبارؓ اور مہاجرین وانصار کی نسبت سوائے فضیلت اور بزرگی کے دوسرا اعتقاد نہ رکھے، اس لیے کہ جب ان کی شان میں خدائے جل شانہ، فرمادے کہ "رضی اللّٰہ عنهم ورضوا عنه" کہ میں ان سے راضی اور وہ مجھ سے راضی اور ان کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد کرے کہ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ کہ تیار کررکھی گئی ہیں ان کے لیے جنتیں اور آراستہ کردی گئی ہیں ان کے واسطے بہشتیں...... تو پھر کون ہے کہ ان کی فضیلت کا قائل نہ ہو...... پس شیعیانِ پاک کو صرف اس قدر غور کرنا چاہیے کہ مہاجرین وانصار میں صحابہ کبار رضی اللہ عنہم جن سے وہ عداوت رکھتے ہیں داخل ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو پھر ان کے جنتی ہونے میں کیا شک ہے اور اگر نہیں ہیں تو خدا کا یہ خطاب کس سے ہے۔

اے بھائیو! ذرا سوچو کہ قرآن مجید پر ایمان اسی کا نام ہے کہ جن کے حق میں اللہ اپنی رضا مندی ظاہر کرے ان سے تم ناراض ہو اور جن کے جنتی ہونے کی خبر خدا دے ان کو تم مسلمان بھی نہ سمجھو...... اور اگر اس آیت پر بھی کوئی ایمان نہ لاوے اور یہ شبہ کرے کہ اس میں خلفائے ثلاثہ کے نام تو مذکور نہیں ہیں اس لیے ان کی فضیلت کا انکار مستلزمِ انکارِ آیت نہیں ہے تو اس کے شبہ کو دور کرنے کے لیے ہم امام باقر علیہ السلام کی شہادت پیش کرتے ہیں اور جس طرح پر انہوں نے خلفائے ثلاثہ کو اس آیت کے حکم میں داخل بیان کیا ہے اس کو ہم بیان

کرتے ہیں، اس کو ذرا دل سے سنو اور اپنے ہی مذہب کی کتاب سے اس کی سند لو، وھو ھذا۔ (1) صاحب الفصول نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ”ایک روز حضرت امام باقر علیہ السلام کا گزر ایک جماعت پر ہوا جو کہ خلفائے ثلاثہ کی عیب جوئی کر رہے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ مجھے بتلاؤ کہ تم ان مہاجرین میں سے ہو جو خدا کے گھر سے نکالے گئے اور خدا کے لیے ان کا مال لوٹا گیا اور جنہوں نے خدا اور رسولؐ کی مدد کی، انہوں نے کہا کہ نہیں ہم ان میں سے نہیں، تب آپ نے پوچھا کہ پھر کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے دارِ ہجرت میں اور دارِ ایمان میں گھر بنایا تھا اور مہاجرین کو آرام دیا تھا، انہوں نے کہا کہ نہیں، تب آپ علیہ السلام نے کہا کہ خود تم بیزار ہوئے اور نہیں چاہتے کہ دونوں فریقوں میں سے ہو اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم ان میں سے بھی نہیں ہو جن کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان مہاجرین و انصار کے بعد آئیں گے وہ ایسے مومن ہوں گے کہ یہ دعا کیا کریں گے کہ الٰہی ہماری اور ہمارے اگلے بھائیوں کی جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں مغفرت کر اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ مت رکھ، بے شک تو نرمی کرنے والا مہربان ہے۔

اے بھائیو! تم اپنے آپ کو امامیہ کہتے ہو اور ائمہ کرام کے اقوال کو کم از آیات نہیں سمجھتے، مگر معلوم نہیں کہ ان اقوال کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل میں ہیں کیوں نہیں مانتے اور کیوں اپنے اماموں کی پیروی نہیں کرتے اور کیوں ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کرنے میں جھوٹا جانتے ہو......!

---

(1) انہ قال لجماعة خاضو فی ابی بکر و عمر و عثمان الاتخبرونی انتم من المهاجرین الذین اخرجوا من دیا رهم واموالهم یبتغون فضلا من الله ورضوانا و ینصرون الله ورسوله قالو لا، قال فانتم من الذین تبوؤالدارو الایمان من قبلهم یحبون من هاجرالیهم قالو الا، قال امانتم فقدبرئتم ان تکونوا احد هذین الفریقین وانا شهدانکم لستم من الذین قال الله تعالی: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۲۔

غرض کہ امام باقر علیہ السلام کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک خلفائے ثلاثہ اس آیت کے حکم میں داخل ہیں اور جو وعدے جنت وغیرہ کے خدا نے مہاجرین اور انصار سے کیے ہیں، ان میں وہ شریک ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ جو لوگ ان کی عیب جوئی کرتے تھے ان سے حضرت امام موصوف بیزار تھے اور ان کو اسلام اور ایمان سے خارج سمجھتے تھے...... پس سوائے تقیہ کے اور تو دوسرا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن معلوم نہیں کہ کہاں تک تقیہ کا عذر کیا کریں گے اور کب تک تقیہ کو ڈھال بنائے رہیں گے...... افسوس ہے کہ جب خدا صاف صاف مہاجرین اور انصار کی تعریف کرے اور ائمہ علیہم السلام خلفائے ثلاثہ کی صاف فضیلت بیان کریں اور پھر بھی حضرات شیعہ قائل نہ ہوں، اب معلوم نہیں کہ مہاجرین اور انصار کی فضیلت کے لیے کیسی دلیل چاہتے ہیں۔

حضراتِ شیعہ بعض دفعہ یہ شبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے ان مہاجرین اور انصار کی تعریف بیان کی ہے جنہوں نے خاص خدا کے لیے ہجرت اور نصرت کی تھی نہ کہ ان کی جنہوں نے دنیا کی طمع سے ہجرت اور نصرت کی تھی...... اس شبہ کو ہم تین طرح سے رد کرتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ جب مہاجرین نے ہجرت کی اور انصار نے نصرت، اس وقت دنیا اور دولت کہاں تھی جس کی طمع ہوئی ہو...... جب مہاجرین نے مکہ سے ہجرت کی تب کیا مدینے میں کسی خزانے کے نکلنے کی خبر ان کو ملی تھی جس کے لوٹنے کے لیے گئے ہوں، یا جب انصار نے مہاجرین کی خاطر کی اور ان کو اپنے گھر ٹھہرایا تو کیا مہاجرین کچھ بہت سا مال اپنے ہمراہ لے گئے تھے جس کے چھین لینے اور لوٹ لینے کی نیت سے انہوں نے ان کی مدد کی ہو۔ اگر مہاجرین نے خدا کے لیے ہجرت اور انصار نے اللہ کے واسطے نصرت نہیں کی تو پھر ان کی ہجرت اور نصرت کا کیا سبب تھا۔

۲۔ اگر تمام مہاجرین اور انصار نے ہجرت اور نصرت دنیا کی طمع پر کی تھی تو خدا کا مہاجرین اور انصار کی تعریف کرنا (معاذ اللہ) فضول اور مہمل ہوا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جب کسی

نے خدا کے لیے ہجرت اور نصرت نہیں کی تو خدا کس کی شان میں ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ﴾ فرماتا ہے اور جب سب کے سب منافق تھے تو کن کی نسبت لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ارشاد کرتا ہے۔ اور اگر بعضوں کی ہجرت اور نصرت خدا کے لیے اور بعضوں کی دنیا کے لیے تھی تو ان کا نشان دیجیے کہ وہ کتنے صاحب تھے جنھوں نے خدا کے لیے ہجرت اور نصرت کی، جب نام لینا اور نشان دینا شروع کرو گے تو سوائے تین چار کے اور کوئی نہ نکلے گا اور تین چار کی ہجرت اور نصرت کے ثبوت سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

۳۔ اللہ جل شانہ نے خود اپنی کتاب پاک میں اس شبہے کو دور کر دیا اور اپنے مہاجرین و انصار کی طرف سے جواب دے دیا۔ چنانچہ اور دو آیتوں میں اللہ جل شانہ نے اس امر کو تصدیق کر دیا کہ مہاجرین اور انصار نے جو کچھ کیا وہ میرے ہی واسطے کیا ہے۔ چنانچہ ہم دو آیتوں کو ایک مہاجرین کی نسبت اور دوسری انصار کی نسبت بیان کرتے ہیں۔

ایک اور آیت......

اللہ جل شانہ مہاجرین کی نسبت فرماتا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾

(سورۃ الحج: ۴۰)

’’جو لوگ نکالے گئے اپنے گھروں سے ان سے کوئی قصور نہیں ہوا تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے اور گھر کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے۔‘‘

پس اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین کی ہجرت کا باعث سوائے اس کے دوسرا نہ تھا کہ کفاران کے اسلام لانے سے خفا ہو گئے تھے اور ان کے خدا کو ربّ کہنے سے ناراض ہو گئے تھے کہ اسی قصور میں انہوں نے ایذا دینی شروع کی اور بہ مجبوری ان کو گھر بار چھوڑنا پڑا۔

اب اگر اس آیت کو بھی سن کر حضرات شیعہ یہ کہیں کہ مہاجرین نے بہ طمع دنیا کے ہجرت کی تھی تو ان کو زیبا ہے، ہمارے تو منہ سے ایسی بات نکل بھی نہیں سکتی......!

ایک مزید آیت:

اللہ جل شانہ، انصار کی شان میں فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورة الحشر: ۹)

”جو لوگ مہاجرین سے پہلے مدینہ میں رہتے تھے وہ چاہتے ہیں ان لوگوں کو جو ہجرت کر کے آئیں ان کے پاس، اور جو کچھ مہاجرین کو دیا جاتا ہے اس کا کچھ خیال نہیں کرتے اور اس سے رنجیدہ نہیں ہوتے اگر چہ وہ خود بھی محتاج ہیں اور اپنی جانوں سے زیادہ مہاجرین کو چاہتے ہیں اور کچھ بھی حرص و طمع نہیں رکھتے اور جو ایسے ہیں وہ فلاح پائیں گے۔“

پس دیکھنا چاہیے کہ خدا انصار کی نصرت کی ایسی تعریف کرتا ہے اور اس امر کی کہ ان کی نصرت صرف خدا کے واسطے ہے کیسی تصدیق فرماتا ہے، پس اب ہم حیران ہیں کہ جب اللہ جل شانہ، مہاجرین کی ہجرت کو صرف اپنے واسطے فرمادے اور انصار کی نصرت کو فقط اپنے لیے تصدیق کرے اور پھر شیعوں کے منہ سے یہ بات نکلے کہ ان کی ہجرت اور نصرت دنیا کے واسطے تھی۔

اے یارو: ذرا سوچو کہ تم خدا کے کلام کی تصدیق کرتے ہو یا تکذیب، اللہ کے حکم کو مانتے ہو یا اس سے مقابلہ کرتے ہو...... خدا تو فرمائے کہ مہاجرین اور انصار اچھے؛ تم کہو کہ نہیں وہ برے سے برے، وہ کہے کہ میں ان سے راضی وہ مجھ سے راضی، تم کہو کہ نہیں بالکل غلط، نہ خدا ان سے راضی نہ وہ خدا سے راضی، اللہ فرماوے کہ انہوں نے ہجرت میرے لیے کی اور نصرت میرے واسطے کی اور تم کہو کہ نہیں وہ دنیا کی طمع سے نکلے، حرص و دولت کے پیچھے

پیغمبر ﷺ کی نصرت میں شریک ہوئے...... آخر ذرا تو غور کرو کہ کیا کہتے ہو اور کیا کرتے ہو...... اے بھائیو! ایک آیت ہو، دو آیت ہوں، اس کی تاویل ہو سکتی ہے اس کے معنی بن سکتے ہیں، جب سارا قرآن مجید مہاجرین اور انصار کے ذکر سے بھرا ہوا ہے تو کہاں کہاں تاویل کرو گے، کس کس آیت کی تحریف معنوی فرماؤ گے (تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہی) حقیقت تو یہی ہے کہ مذہب تو عبداللہ بن سبا کا اختیار کرلیا مگر اب کوئی بات بن نہیں پڑتی، نہ قرآن مجید سے انکار ہو سکتا ہے نہ اس کی تصدیق کی جاتی ہے، شعر......

عشق چہ آساں نمود آہ چہ دشوار بود
ہجر چہ دشوار بود یار چہ آساں گرفت [1]

چوتھی آیت:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾

(سورۃ الفتح: ۱۸ تا ۲۱)

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت ﷺ نے ارادہ کیا کہ عمرہ ادا کریں، پس اعراب اور بادیہ نشینوں کو اس سفر میں ہمراہی کے لیے دعوت دی۔ اس لیے کہ اندیشہ تھا کہ کفار مکے میں لڑائی کریں اور مکے کے اندر نہ جانے دیں، لیکن اکثر اعراب نے حضرت ﷺ کی دعوت کو نہ سنا اور اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ نہ ہوئے مگر وہی خالص مخلص کہ جو سراپا ایمان سے بھرے ہوئے تھے حضوری میں چلے، جب مکے کے قریب

[1] عشق کتنا آسان دکھائی دیا مگر کتنا سخت تھا اور ہجر (دوری) کتنی دشوار تھی مگر یار نے کتنا آسان سمجھا۔

پہنچے قریش مانع ہوئے تب حضرت نے حراش کو اہل مکہ کے پاس بھیجا مگر لوگ اس کے قتل کے درپے ہوئے، وہ لوٹ آیا، تب حضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اہل مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا اور ان کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تب حضرت ﷺ نے اپنے یاروں کو جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے جمع کیا جن کی تعداد باختلاف روایات چار سو سے لے کر دو ہزار تین سو تک تھی اور حضرت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سب سے بیعت لی کہ قریش سے لڑیں اور کسی طرح پر منہ نہ پھیریں، چنانچہ ان سب نے خوشی سے بیعت کی اور سوائے قید بن قیس منافق کے کسی نے اس بیعت سے تخلّف نہ کیا۔ چونکہ اس سفر [1] میں منافقوں کا نفاق اور مخلصوں کا اخلاص ظاہر ہوا اور بیعت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مضبوطی اور ایمان کا حال کھل گیا اس لیے اس بیعت کا نام ''بیعت الرضوان'' ہوا۔ اور انہی بیعت کرنے والوں کی شان میں خدا نے فرمایا ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ کہ خدا راضی ہوا ان ایمان والوں سے کہ جنہوں نے درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کی، فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں کا اخلاص اس سے ظاہر ہو گیا، اگر وہ منافق ہوتے تو اس سفر میں ساتھ نہ آتے اور کبھی ایسے وقت پر بیعت نہ کرتے، فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ اور ان کے دلوں کو طمانیت اور تسکین دے دی حتی کہ بلا خوف وخطر لڑائی پر مستعد ہوئے اور مرنے مارنے پر تیرے ہاتھ پر بیعت کی، وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا اور ان کی شکستگی دور کرنے کے لیے ان کو بہت ہی جلد بہت سی غنیمتیں دیں اور بڑی بڑی فتوحات اور غنائم کا مثل روم اور فارس کے وعدہ کیا۔

پس ان آیتوں سے ان سب اصحاب رضی اللہ عنہم کی جنہوں نے حضرت ﷺ کے ساتھ درخت کے نیچے بیعت کی، بزرگی ثابت ہوتی ہے اور ان کا اخلاص اور ایمان میں کامل ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی لفظ کوئی حرف بھی خدا نے ان آیتوں میں ایسا ذکر نہ کیا جس سے کوئی

---

[1] یہ روایت موافق روایت شیعوں کے ہے جس کا ثبوت ہم نے آئندہ کیا ہے اور ترجمہ کشف الغمہ سے اسی روایت کو نقل کیا ہے۔

موقع کوئی محل انکار کا ہو بلکہ اپنی رضا مندی کا اظہار اس طور سے کیا کہ جس کا کبھی زوال نہ ہو اور ان فتوحات کا وعدہ کیا جن کا ظہور انہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر ہوا۔

اب ہم شیعیانِ علیؓ سے پوچھتے ہیں کہ وہ اوّل یہ فرمائیں کہ یہ آیت قرآن مجید کی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ انہی لوگوں کی شان میں ہے جنہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت درخت کے نیچے کی تھی یا نہیں، اگر انہی کی شان میں ہے تو ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین داخل تھے یا نہیں، اگر تھے تو جو کچھ خدا ان بیعت کرنے والوں کے حق میں فرماتا ہے کہ ﴿لَقَدۡ رَضِيَ اللّٰهُ﴾ کہ میں ان سے راضی ہوا تو اس رضا میں وہ لوگ بھی آ گئے یا نہیں؟ اگر نہیں آئے تو ان کے مستثنیٰ ہونے پر کیا دلیل ہے اور اگر وہ بھی آ گئے تو جن سے خدا راضی ہو اور جن کی شان میں خود لَقَدۡ رَضِيَ اللّٰهُ فرما دے ان سے ناراض ہونا اور ان کو برا جاننا آیت قرآنی سے انکار ہے یا نہیں؟ اگر یہ کہو کہ وہ منافق تھے تو اس کا رد بھی خدا نے خود فرما دیا کہ ﴿فَعَلِمَ مَافِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ عَلَيۡهِمۡ﴾ کہ میں نے ان کے دلوں کا امتحان کر لیا اور سمجھ لیا کہ یہ بڑے پکے مسلمان اور سچے ایمان والے ہیں، اسی لیے میں نے نازل کی ان پر تسلی اور دی ان کو فتح، اور اگر وہ لوگ منافق ہوتے تو کیوں خدا ان کے ایمان پر شہادت دیتا اور کیوں ان کو فتح اور غلبہ عنایت کرتا۔

ان آیتوں کو دیکھ کر اگر کسی شیعہ کو خطرہ پیدا ہو کہ جب ایسی صریح آیت صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں خدا کی کتاب میں موجود ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ ہمارے مذہب کے علماء نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت سے انکار کیا ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہو گا ورنہ کیا سب عالم سب مولوی، سب فاضل، سب مجتہد ہمارے مذہب کے نادان تھے کہ ایسی آیت سے ایسا صریح انکار کیا اور اس کے باوجود بھی صحابہ کو برا جانا...... اس لیے ہم انہی کے مذہب کی معتبر تفسیروں سے اپنے دعوے کو ثابت کرتے ہیں اور یہ امر کہ ان کے مولوی اور عالم نادان تھے یا دانا، ایمان والے تھے یا بے ایمان، منصف تھے یا متعصب، انہی کی عقل پر چھوڑتے ہیں، ان کی تفسیروں کو دیکھ کر جو کچھ وہ انصاف سے مناسب جانیں ویسا سمجھیں۔

اے بھائیو! سنو کہ تمہارے یہاں کے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کیا لکھا ہے۔
کاشانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((آنحضرت فرمودند بدوزخ نه‌رودیك کس از مومنان که درزیر شجره بیعت کردندوایں رابیعت الرضوان نام نهاده اندبجهت آں که حق تعالیٰ در حق ایشاں فرمود که لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْيُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ.))

”آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جن مسلمانوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا اور اس بیعت کو ”بیعت الرضوان“ کہتے ہیں کیونکہ اللہ نے ان بیعت والوں کی شان میں فرمایا ہے کہ اللہ ان مسلمانوں سے راضی ہوا جنہوں نے آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔“

اگراس روایت پر اطمینان نہ ہو اور حضرات شیعہ کو اپنے متکلمین اور متعصبین کے جواب سننے کا اشتیاق ہو تو اس کو بھی سنیں کہ ان کے علماء نے اس آیت کو دو طرح پر رد کیا ہے...... بعضوں ❶ نے یہ فرمایا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اس فعل خاص سے، یعنی بیعت سے راضی ہوا ہو اور آئندہ بھی راضی رہے...... اور بعض ❷ کا یہ قول ہے کہ اس

---

❶ قاضی نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ مدلول آیت عندالتحقیق رضائے حق تعالیٰ است از فعل خاص که بیعت است و کسے منکرایں نیست که بعضے از افعال حسنه مرضیه ازیشاں واقعت سخن دریں ست که بعضے افعال قبیحه از ایشاں بوجود آمده که مخالف آں عهد و بیعت است چنانکه در امر خلافت۔۱۲

❷ صاحب ”تقلیب الکائد“ نے بجواب ”کید نودویکم تحفه اثنا عشریه“ کے لکھا ہے کہ ”اما بودن ابو بکر و عمر در اهل بیعت رضوان پس فائده بحال شان نمیر ساندزیرا که حق سبحانه و تعالیٰ میفرماید اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ الخ ایں کلام معجز نظام دلالت میکند براینکه بعضے اهل بیعت رضوان نکث بیعت خواهند کرد چنانچه از ابو بکر و عمر و دیگراں بظهور رسید بیانش آنکه بیعت بایں شرط بوده است که فرار هزیمت نه کنند درحرب ثابت بمانند یا کشته شوند بعد ازیں بیعت درهماں سال جنگ خیبر پیش آمد ابو بکر و عمر فرار کردندوهزیمت خوردند۱۲ .

بیعت کے بعد صحابہ کبارؓ نے وہ کام کیے جو اس بیعت کے مخالف تھے یعنی لڑائیوں میں بھاگ گئے، خلیفہ برحق کی خلافت غصب کر لی...... پس وہ اس آیت کے وعدے سے خارج ہو گئے۔

پس بہ نسبت اوّل امر کے ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ صحابہ کے اور کاموں سے راضی نہ تھا صرف ایک فعل خاص بیعت سے راضی ہوا، اس لیے ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الفتح : ۱۸) فرمایا، یہ ایسی تہمت ہے کہ کوئی مسلمان اپنے دل میں اس کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اگر خدائے عزوجل ان بیعت کرنے والوں سے ہر طرح سے راضی نہ ہوتا تو وہ ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الفتح : ۱۸) صرف ان کے دل خوش کرنے کو براہِ تدلیس فرماتا اور ان کی جن باتوں سے ناراض تھا ان کو تقیۃً ظاہر نہ کرتا...... اور یہ امر بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ حضرات شیعہ کو کس طرح سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور کاموں سے خدا ناراض تھا، آخر کیوں کر ان کو اس کی نا رضا مندی کا حال معلوم ہوا۔

نہایت تعجب کا مقام ہے کہ خدا ان کے اس فعل کو جس سے راضی ہوا لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ کہہ کر ظاہر کرے اور ان کے ان کاموں کو جن سے ناراض ہوا سوائے شیعیانِ عبداللہ بن سبا کے کسی پر اظہار نہ فرمائے...... شاید شیعیانِ پاک یہ جواب دیں کہ اس قرآن میں جو امام مہدی کے پاس ہے اصحاب کی برائیاں لکھی ہوئی ہیں، مگر ہم جب تک اس کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لیں اور امام صاحب سے اس کی تصدیق نہ کر لیں اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ لیکن افسوس تو یہی ہے کہ نہ امام صاحب کا کچھ نشان ملتا ہے نہ اس قرآن کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ ہزار برس تو گزر گئے اور ہنوز معلوم نہیں کہ ابھی اور کتنے دن امام کے ظہور میں باقی ہیں۔ شعر:

صد شب ہجر گزشت و مہ من پیدا نیست
طرفہ عمرے کہ بصد سال ندیدم یک ماہ

’’فراق کی سیکڑوں راتیں گزر گئیں اور میرا چاند (محبوب) نہ نکلا اور عمر کا تماشا یہ ہے کہ سو سال سے میں نے ایک چاند نہ دیکھا۔‘‘

اور بہ نسبت امر دوم کے کہ صحابہ کبارؓ اس آیت کے وعدے سے بہ سبب نکث بیعت کے خارج ہیں، اس کا جواب ہم اس طرح دیتے ہیں کہ اس اعتراض سے بھی اتنا ثابت ہوتا ہے کہ بیعت رضوان کے وقت تک صحابہ کبار اور مہاجرین و انصارؓ سچے مسلمان اور پکے مومن تھے، نہ منافق تھے نہ کافر اور ان کی بیعت صادق تھی نہ کہ منافقانہ...... چنانچہ یہ فقرہ صاحب "تقلیب المکائد" ❶ کا کہ "ایں کلام معجز نظام دلالت می کند بر ینکہ بعضے از اہل بیعت رضوان نکث بیعت خواہند کرد" (یہ معجزانہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ کچھ بیعت رضوان والے بیعت کو توڑ دیں گے) اس پر دلیل ہے کہ جب بیعت کی تھی اس وقت تک نہ منافق تھے نہ کافر بلکہ ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں داخل تھے......اور شہید ثالث نور اللہ شوستری ❷ کا یہ کلمہ کہ

❶ صاحب تَقْلِيْبُ الْمَكَائِدَ کا نام سید محمد قلی بن سید محمد حسین ہے۔ ان کے ایک خاندانی بزرگ سید شرف الدین ہلاکو خاں کے حملے کے وقت خراسان سے ہندوستان آکر ضلع بارہ بنکی کے کنتور نامی قصبے میں مقیم ہوگئے تھے۔ سید محمد قلی اسی قصبہ میں بروز دوشنبہ بتاریخ ۵ ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء کو پیدا ہوئے، اسی سال اور مہینے میں نواب شجاع الدولہ نے رحلت کی، تذکرۃ العلماء کے مؤلف نے مولوی دلدار علی نصیر آبادی ملقب بہ غفران مآب کے اکابر تلامذہ کے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ موصوف مدتوں میرٹھ میں منصب عدالت پر متمکن اور وہاں مفتی رہے پھر ملازمت ترک کر کے لکھنؤ آکر مقیم ہوگئے اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ ان دنوں تحفہ اثنا عشریہ کا بڑا چرچا تھا اس کے اثرات کو ختم کرنے کی غرض سے یہ بھی اپنے استاد اور دوسرے شیعہ علماء کی طرح اس کی تردید پر کمربستہ ہوئے اور انہوں نے تحفہ کے باب ہشتم کا جواب تشئید المطاعن و کشف الضغائن میں، باب اوّل کا سیف ناصری میں باب دوم کا تَقْلِيْبُ الْمَكَائِدِ باب ہفتم کا، برہان سعادت میں باب یازدہم کا مصارع الافہام میں دیا۔ ۹ محرم ۱۲۶۰ء مطابق ۱۸۴۴ء کو لکھنؤ میں انتقال ہوا اور امام باڑہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔ (شیخ محمد فراست)

❷ نام نور اللہ بن سید شریف بن نور اللہ، شیعوں میں شہید ثالث کے لقب سے مشہور ہیں۔ "شوستر" میں جو کہ ایران کے خوزستان صوبے کا ایک شہر ہے ۱۵۴۹ء بمطابق ۹۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد کا تعلق تبرستان کے دارالحکومت آمل یا مازندران سے تھا۔ قاضی نور اللہ شوستری نے علوم دین اور معقولات کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، دوسرے علوم کی تعلیم میر سیف الدین محمد اور میر جلال الدین سے حاصل کی۔ ۱۵۷۱ء میں قاضی صاحب مشہد کی سیاسی ہلچل کے سبب ہندوستان ہجرت کر آئے اور فتح پور سیکری میں حکیم ابو الفتح گیلانی کے مہمان ہوئے۔ حکیم ابو الفتح گیلانی نے اکبر (۱۵۵۶ء۔۱۶۰۵ء) سے متعارف کرایا، چونکہ قاضی صاحب میں علمیت، منصف مزاجی اور مستعدی اعلیٰ درجہ کی تھی، اس لیے اکبر نے ۱۵۸۶ء میں لاہور کا قاضی مقرر کیا۔ یہ ہندوستان کی تاریخ میں پہلا موقع تھا جب کسی شیعہ کو قاضی کا عہدہ دیا گیا اور ۱۵۹۱ء میں قاضی نور اللہ اور قاضی علی کو اکبر نے کشمیر کی بدانتظامیوں ⇦⇦

’’مدلولِ آیۃ عندالتحقیق رضائے حق تعالیٰ است ازاں فعل خاص کہ بیعت است وکسی منکر ایں نیست کہ بعضے از افعال حسنہ مرضیہ ازیں شاں واقع است‘‘ (آیت کا مفہوم اس فعل خاص یعنی بیعت سے رضا مندی ہے اور اس کا تو کوئی منکر نہیں ہے کہ کچھ اچھے پسندیدہ کام ان سے ہوئے ہیں) اس پر شاہد ہے کہ ان کا بیعت کرنا فعل حسنہ تھا، بس اسی سے یہ اعتقاد کہ ’’صحابہ کبارؓ اوّل سے منافق تھے‘‘ باطل ہوا۔ اور جب تک یہ آیت جس میں خدا نے اپنی رضا مندی ظاہر کی نازل ہوئی ان کا مسلمان اور با ایمان ہونا ثابت ہوا۔

خیر اب آگے چلیے اور اس بیعت کے بعد ان کے حال پر نظر کیجیے کہ کیا کام ان سے ایسے ہوئے جن سے ان کی نکث بیعت کرنا ثابت ہوا اور وہ کام کس وقت ہوئے، پیغمبر ﷺ کے جیتے جی یا ان کی وفات کے بعد۔ چنانچہ اس کی نسبت شہید ثالث اور صاحب تَقْلِیْبُ الْمَکَائِد نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بیعت کے بعد پیغمبر ﷺ کے سامنے ان سے نکث بیعت ہوا، یعنی وہ جنگ خیبر میں ثابت قدم نہ رہے بلکہ بھاگ گئے......

⇦ ⇦ ⇦ اور مالی خرد برد کی تحقیقات کے لیے کشمیر بھیجا۔ ۱۵۹۹ء میں قاضی صاحب کو آگرہ کی فوج کا قاضی مقرر کیا گیا۔ ۱۶۰۳ء میں انہوں نے ایران واپس ہونے کا فیصلہ کر لیا مگر اکبر نے انہیں اجازت نہیں دی۔

ہندوستان آنے سے قبل بھی انہوں نے کچھ کتابیں لکھی تھیں یہاں آ کر انہوں نے متعدد علوم پر بہت کچھ لکھا۔ تفسیر، حدیث، ریاضی، منطق، فلسفہ، تاریخ، صرف ونحو اور دیگر مضامین پر وہ برابر لکھتے رہے۔ قاضی صاحب نے کم وبیش ۱۰۴ کتابیں تصنیف کیں، مجالس المومنین، احقاق الحق اور مصائب النواصب، ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ احقاق الحق علامہ روز بہا کی ابطال الباطل کے جواب میں لکھی جسے علامہ روز بہا نے علامہ حلی کی کشف حق کے جواب میں لکھا تھا۔

جہانگیر کے عہد حکومت (۲۷-۱۶۰۵) میں بروز جمعہ ۱۸ جمادی الثانی ۱۰۱۹ء مطابق ۷/ستمبر ۱۶۱۰ء کو انہیں بمقام آگرہ قتل کر دیا گیا۔ اسباب قتل کے بارے میں مصنف صحیفہ نور سید صغیر حسین زیدی نے لکھا ہے کہ جہانگیر کو سب سے زیادہ طیش اس بات پر آیا کہ قاضی صاحب نے حضرت خواجہ اجمیریؒ کی نسبت (جن کے اکبر اور جہانگیر بڑے معتقد تھے) درشت الفاظ کہے اور ان سے ایک رسالہ بھی منسوب کیا گیا ہے جس میں شیخ سلیم کی نسبت (جن کے نام پر بادشاہ کا نام سلیم رکھا گیا تھا) قرم ساحق پدر نا تحقیق لکھا تھا۔ غرض بزرگوں کی شان میں گستاخی کے سبب قتل کر دیے گئے۔ قبر آگرہ میں دیال باغ کے علاقہ میں ہے، جس پر ۱۷۷۴ء میں قاضی صاحب کے قتل کے ایک سو چونسٹھ سال بعد سید محمد منصور حسینی نیشاپوری نے ایک مقبرہ بنوا دیا۔

اس کی نسبت ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ قلعۂ خیبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے فتح نہیں ہوا لیکن فتح نہ ہونا مستلزم فرار نہیں ہے۔ جنگ خیبر سے بھاگنا حضرات شیعہ نے کہاں سے ثابت کیا اور بالفرض اگر وہ جنگ خیبر سے بھاگے اور انہوں نے نکث بیعت کیا تو جس طرح پر ہم نے ان کی بیعت کو خدا کے کلام سے ثابت کیا اور خدا کی رضا مندی کا لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ کی آیت پیش کر کے ثبوت دیا، اسی طرح پر حضرات شیعہ کے ذمہ ہے کہ بمقابلہ اس آیت کے جنگ خیبر سے ان کا بھاگنا اور نکث بیعت کرنا اور خدا کا ان سے ناراض ہونا کسی آیت سے ثابت کر دیں (وَاِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ) ......اور ہم خوب یقین کرتے ہیں کہ اگر صحابہ کبارؓ سے کوئی فعل بد اس بیعت کے بعد خدا کی نارضا مندی کا ہوتا تو ضرور وہ اس کی بھی خبر دیتا اور جس طرح پر ان کی بیعت سے راضی ہو کر لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ فرما دیا، اسی طرح پر ان کے فرار اور نکث بیعت سے ناراض ہو کر لَقَدْ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِم ارشاد فرماتا۔ اس لیے کہ لڑائی سے بھاگنا اور بیعت کا توڑنا آخر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سامنے ہوا، اس وقت تک وحی کا سلسلہ جاری تھا، جبرئیل علیہ السلام کا آنا بند نہ ہوا تھا۔ پھر کیا سبب ہے کہ خدا ان کے اچھے کاموں کو ظاہر کرے اور بُرے کاموں کی خبر تک نہ دے، ان کے اعمالِ حسنہ کی تو شہرت دے دے اور ان کے افعالِ بد کی پردہ پوشی کرے...... پس یا تو خدا ان سے ڈرتا تھا کہ ان کی برائی بیان نہ کر سکتا تھا یا درحقیقت ان سے کوئی برائی نہ ہوتی تھی جس کو ظاہر کرتا۔ اگر کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو معاف کر دیتا تھا اور ان کے نیک کاموں کو خیال کر کے اس کو براہِ ستاری چھپا دیتا تھا......اور اگر یہ کہا جائے کہ بعد وفات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبارؓ نے ایسے فعل کیے کہ جن سے خدا ناراض ہوا مثل خلافت غصب کرنے کے......ان کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اگر ان سے پیغمبر خدا کی وفات کے بعد کوئی کام ایسا ہونے والا تھا کہ جس سے خدا ناراض ہوتا تو ضرور اس کی خبر دیتا اور کبھی ان کے حق میں ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ﴾ نہ فرماتا اور جب کہ خدا نے اس آیت میں یہ فرما دیا ﴿فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ کہ میں ان کے دلوں کی بات جانتا ہوں اور فرمایا کہ ﴿فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ﴾ کہ میں نے نازل کی

ان پر تسلی تو کیوں کر قیاس میں آسکتا ہے کہ ایسے لوگ کبھی جادۂ حق سے منحرف ہوئے ہوں...... لیکن ہم حضرات شیعہ سے عرض کرتے ہیں کہ وہ کیوں سوال و جواب میں اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں اور کیوں علامہ کاشانی ؒ کی تفسیر کے ان لفظوں کو نہیں دیکھتے ہیں کہ ''آنحضرت فرمود بدوزخ نہ رود یک کس از مومناں کہ درزیرِ شجرہ بیعت کردند'' اس مفسر نے تو کچھ قصہ جھگڑا باقی ہی نہیں رکھا، عام بشارت جنت کی ان لوگوں کے حق میں جو اس بیعت میں شریک تھے پیغمبر ﷺ کی زبان سے تصدیق کر دی...... لیکن اگر اس ایک روایت پر اطمینان نہیں ہوتا تو اس کی تائید میں دوسری روایت سنیں کہ ترجمہ ''کشف الغمہ'' میں لکھا ہے:

((از جابر بن عبدالله انصاری رضؓ روایت است که مادراں روز هزار و چهار صد کس بودیم، دراں روز من از حضرت پیغمبر خدا ﷺ شنیدم که آنحضرت خطاب به حاضراں نمودو فرمود که شما بهترین اهل رُوئے زمیں اید، و ماهمه دراں روز بیعت کردیم وکسے از اهل نکث نمود مگر قید بن قیس که آں منافق بیعت خودرا شکست.))

''جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم لوگ اس (بیعت رضوان) کے دن چودہ سو افراد تھے، اس دن میں نے پیغمبر خدا ﷺ سے سنا کہ حاضرین کو آپؐ خطاب کر رہے تھے کہ تم لوگ روئے زمین میں سب سے بہتر ہو اور ہم لوگوں نے اسی دن بیعت کی تھی، بیعت کرنے والوں میں سے کسی نے سوائے قید بن قیس کے بیعت نہیں توڑی، وہ منافق تھا اس نے بیعت توڑ دی۔''

اس روایت سے چند فائدے حاصل ہوئے:

۱۔ یہ ثابت ہوا کہ بیعت کے وقت چودہ سو صحابی موجود تھے جن کے ایمان اور اسلام کی خبر خدا دیتا ہے کہ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ اور ان کی شان میں فرماتا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ.

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ نے ان کی نسبت فرمایا کہ تم بہترین امت سے ہو۔

۳۔ ثابت ہوا کہ سوائے ایک منافق کے اور کسی نے بیعت کو نہیں توڑا، پس اے شیعیانِ پاک! اب تم انصاف سے ان روایتوں کو دیکھو اور اپنے شہید ثالث اور صاحب ”تقلیب المکائد“ کے ایمان اور انصاف پر خیال کرو کہ وہ محبت اہل بیت کے پردے میں کیسی خدا کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور کس طرح ایسے صریح نصوص سے انکار فرماتے ہیں۔لیکن اگر ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی برائیوں کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی شہید ثالث کی تقریر کا کچھ فائدہ نظر نہیں آتا، اس لیے کہ جو علامہ کاشانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”آنحضرت فرمود بدوزخ نہ رود یک کس ازاں مومناں کہ در زیر شجرہ بیعت کردند“ اس کا کیا جواب ہے بغیر اس کے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت نے تقیہ سے کہہ دیا ہوگا۔

اس مقام پر یہ امر بھی لکھنے کے قابل ہے کہ اگر کوئی شبہ کرے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس بیعت میں شریک نہ تھے، اس لیے وہ بیعت رضوان سے خارج ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایسی محبت تھی کہ بیعت میں ان کے موجود نہ ہونے کے باوجود ان کو شریک کر لیا اور کیسا شریک کیا کہ اپنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ بنا دیا۔ [1] چنانچہ اس مقام پر مولانا و بالفضل مولانا مولوی علی بخش خان صاحب نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے: اسی کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں، وھو ھذہ۔(اور واسطے حصول شرف بیعت الرضوان کے رسول ﷺ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی اپنے دونوں ہاتھوں سے وہ معاملہ فرمایا کہ دست حق پرست اپنے کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا۔روضۂ کلینی میں حدیث وارد ہے کہ بیعت لی

---

[1] فلما انطلق عثمان لقى ابان بن سعيد فتأخر عن السرج فحمل عثمان بين يديه ودخل عثمان فاعلمهم وكانت الناوشته فجلس سهل بن عمر و عند رسول الله ﷺ و جلس عثمان فى عسكر المشركين وبايع رسول الله المسلمين وضرب صلعم باحدى يديه على الاخرى لعثمان، قيل طوبىٰ لعثمان قدطاف بالبيت وسعى بين الصفا و المروة واحل، فقال رسول الله ماكان يفعل فلما جاء عثمان قال رسول الله اطفت بالبيت فقال ماكنت لاطوف بالبيت و رسول الله لم يطيف به، ثم ذكر القصه وما كان فيها الحديث ۱۲ ۔(كتاب الروضة)

پیغمبر خدا ﷺ نے مسلمانوں سے اور ایک ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا واسطے عثمان رضی اللہ عنہ کے کہ وہ لشکر میں مشرکوں کے تھے) اس حدیث سے علاوہ قطعیت مغفرت ورضوان الٰہی کے ایک عمدہ لطیفہ ہاتھ آیا کہ دست نبی ﷺ دست عثمان رضی اللہ عنہ قرار پایا، اور دست نبی وہ ہے کہ مجازاً دست خدا ہے یَدُ اللّٰهِ فَوقَ اَیْدِیْهِمْ.

اب دیکھئے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو "یَدُاللّٰهِ" یا "یَدُالنّبِیّ" (اللہ کا ہاتھ یا نبی کا ہاتھ) کا خطاب منصف مزاج عطا کرتے ہیں یا اس لقب کو پھر بھی مخصوص علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے کہے جاتے ہیں، انتہی بلفظہ ۔ (واللّٰه درہٗ وعلی اللّٰه اجرہٗ) اوراس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کو اپنے یاروں کی یاری پر نہایت بھروسا تھا اور ان کے استقلال پر یقین کامل تھا۔ اس لیے کہ جب لوگوں نے کہا کہ خوشا حال عثمان رضی اللہ عنہ کا کہ ان کو خانۂ کعبہ کا طواف نصیب ہو گیا تو حضرتؐ نے فرمایا یہ ممکن نہیں ہے کہ عثمانؓ بغیر ہمارے طواف کرے، آخر ویسا ہی ہوا کہ بغیر حضرتؐ کے عثمانؓ نے طواف نہ کیا۔ چنانچہ اسی حدیث کے مضمون کو ''حملۂ حیدری'' کے مؤلف نے بھی نظم کیا ہے، کما قال: نظم

طلب[1] کرد پس اشرف انبیاءؑ
ز اصحاب عثمانؓ صاحب حیا

اشرف الانبیاء (محمد ﷺ) نے اپنے اصحاب میں سے حیا دار عثمانؓ سے کہا (کہ تم مکہ جاؤ اور حالات کا جائزہ لو)

با وہم ہماں گفت خیر البشرؐ
کزاں پیشتر گفتہ بد با عمر رضی اللہ عنہ

ان (عثمان) سے بھی خیر البشر ﷺ نے وہی کہا جو کہ اس سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ سے آپ کہہ چکے تھے:

---

[1] حملۂ حیدری جلد اوّل صفحہ ۲۰۷ سطر ۲ مطبع سلطانی مطبوعہ ۱۲۶۷ ہجری

بوسید عثمانؓ زمیں در زمان
بمقصد رواں شد چوں تیر از کماں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی وقت زمین خدمت کو بوسہ دیا اور جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے مقصد کے لیے چل پڑے۔

چو اورفت از اصحاب روز دگر
بگفتند چندی بہ خیرا البشر
خوشا حال عثمان با احترام
کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسولِ خدا چوں شنیدایں سخن
بپا سخ چنیں گفت با انجمن
بہ عثمان نداریم ما ایں گماں
کہ تنہا کند طوف آں آستاں

”جب وہ چلے گئے تو صحابہؓ نے دوسرے دن خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حال کتنا اچھا ہے کہ بیت الحرام کا حج ان کو نصیب ہوگیا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات سنی فوراً پورے مجمع سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں ہم یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ تنہا اس آستانہ (بیت اللہ) کا طواف کرلیں گے۔“

اس کے بعد یہی مؤلف لکھتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکے میں پہنچے اور ابوسفیان سے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم طواف کے لیے آنا چاہتے ہیں اس نے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے مگر تمہارا دل چاہے تو طواف کرلو تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور اس پر ابوسفیان نے ان کو قید کر لیا۔ کما قال:

نجوشیدش آنگہ بدل مہر خون

بہ عثمانؓ چنیں گفت آں سرنگون
کہ گر میل داری تو طوف حرم
بکن مانعت نیست کس زیں حشم
و لیکن محال ست آں بے گزاف
کہ آید محمدؐ برائے طواف
چوبشنید عثمانؓ ازو ایں سخن
چنیں داد پاسخ بآں اہر من
کہ طوف حرم بے رسول خدا
نباشد بر پیروانش روا
ازیں گفتہ سفیان برآشفت بیش
بگرد انداز سوی او روی خویش
بہ فرمود پس باد گر مشرکاں
کہ عثمانؓ وآں دہ کس از پیرواں
نیا بند رفتن بہ نزد رسولؐ
اگر شاد باشند ازیں گر ملول
چوں عثمانؓ ازو ایں حکایت شنید
علاجے بہ جز صبر کردن ندید
مقید نمودندش اعدائے دیں
بیان نجاتش کنم بعد ازیں [1]

''محبت کے خون نے اس وقت جوش مارا تو ابوسفیان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے

[1] حملہ حیدری جلد اوّل صفحہ ۲۰۷ سطر ۲۲ مطبع سلطانی مطبوعہ ۱۲۶۷ء ہجری ۱۲ منہ

کہا کہ اگر آپؓ طوافِ حرم کرنا چاہیں تو کر لیں، اس شرف سے تمہارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں لیکن یہ بات تو بالکل محال ہے کہ محمد ﷺ طواف کے لیے آئیں۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سنی تو اس کو برجستہ یہ جواب دیا کہ بغیر رسول ﷺ کے حرم کا طواف آپؐ کے پیروکاروں کے لیے جائز نہیں۔ اس بات سے ابوسفیان آگ بگولہ ہو گیا اور ان کی طرف سے اپنا چہرہ پھیر لیا، دوبارہ مشرکوں سے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے دسوں ساتھی اب رسول کے پاس جانے نہ پائیں، چاہے اس سے خوش ہوں یا نا خوش۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ بات سنی سوائے صبر کے کوئی چارہ نہ دیکھا (چنانچہ) دشمنانِ دین نے ان کو قید کر لیا اس کے بعد ان کے چھوٹنے کا قصہ ہم بیان کرتے ہیں۔‘‘

غرض کہ ہم شیعہ حضرات سے التماس کرتے ہیں کہ وہ ذرا انصاف فرمائیں کہ ان کے مفسرین اور محدثین اور مؤرخین صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کیا لکھتے ہیں اور ان کے استقلال اور صبر اور ایمان اور اسلام کو کیسا تسلیم کرتے ہیں اور پھر بایں ہمہ ان سے عداوت رکھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو جن کے ایمان اور اسلام پر پیغمبر ﷺ کو اطمینان ہو اور جن کی لغزش کرنے کا شبہ تک حضرت کے دل پر نہ گزرے اور جو باوجود مصیبتوں اور محنتوں کے سر مو اطاعتِ نبویؐ سے باہر نہ ہوں اور جن کے استقلال اور صبر کی خدا تعریفیں کرے منافق اور مرتد کہتے ہیں (نعوذ باللّٰہ من ذالك) ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرات شیعہ کس طرح ایسے سچے مسلمانوں اور پکے ایمان والوں کو منافق کہتے ہیں اور کیوں کر ایسی صریح آیات اور سچی روایات سے انکار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ جب کوئی شخص ان آیتوں اور حدیثوں اور روایتوں کو دیکھے تو بھلا ممکن ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے فضائل میں شبہ کر سکے، یا ان کی نسبت نفاق اور ارتداد کا خطرہ بھی اس کے دل میں گزر سکے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ خدا نے ان کے حالات بیان کرنے میں فقط کنائے اور اشارے پر قناعت نہ فرمائی بلکہ صاف صاف تصریح کر دی اور ٹھیک ٹھیک پتہ اور نشان ان کا بتلا دیا اور

ایسی صریح آیتوں کو نازل کر کے منکرین کے شبہات کو دور کر دیا۔ اگر پیغمبر صاحب ﷺ کے اوپر ایمان لانے والوں کی فقط خدا تعریف اجمالی کرتا تو منکرین کو تاویل اور شبہے کا موقع تھا مگر جب صاف کہہ دیا کہ میں ان مسلمانوں سے راضی ہوں جنہوں نے پیغمبر ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جگہ بھی بیعت کرنے کی بتلا دی کہ درخت کے نیچے اور یہ بھی کہہ دیا کہ یہ لوگ پیغمبرؐ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے ہیں بلکہ میرے ہاتھ پر، تو اب کون شخص ہے جو ایسی بیعت کرنے والوں کے ایمان اور اخلاق پر شبہ کر سکے، ہاں یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید بیعت کرنے والے وہی معدودے چند ہوں جو موافق اعتقاد شیعوں کے مرتد نہیں ہوئے، لیکن جب کہ علمائے شیعہ نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ صحابہ کبارؓ چودہ (۱۴) سو اس بیعت میں شریک تھے اور یہ بھی قبول فرما لیا کہ انہی کی شان میں خدا نے اس آیت کو نازل کیا اور اس کا بھی اقرار کیا کہ سوائے ایک منافق کے اور کسی نے بیعت کو نہیں توڑا تو ہم کو نہایت ہی تعجب آتا ہے کہ کیوں کر ایسی بیعت کرنے والوں کے حق میں ایسا فاسد اعتقاد رکھتے ہیں! لیکن یہ خیال کر کے کہ حضرات شیعہ کو نہ خدا کے کلام پر یقین ہے نہ پیغمبر ﷺ کی حدیثوں پر نہ اماموں کے قول پر تو کچھ تعجب نہیں ہوتا اگر ان میں سے کسی پر عمل ہوتا تو کبھی ایسا عقیدہ نہ رکھتے۔

اے بھائیو! تمہارے حق میں ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ، تم کو ایک ذرہ بھر ایمان عطا کر دے تا کہ تم لوگ اپنے عقیدوں کی برائیوں پر خود ہی اقرار کرنے لگو اور جو ہم تم کو سمجھاتے ہیں وہ تم خود ہی سمجھنے لگو۔ اے یارو! ذرا ایسے عقیدوں پر غور کرو اور سوچو کہ ان میں کچھ بھی اثر ایمان اور اسلام کا ہے، اگر ہے تو دکھاؤ......شعر

نالہ حزنیت کو آہ آتشنیت کو

لاف عشق بازی چند عشق رانشا نیہاست

”تیرے حزن و ملال اور آہ آتش کون سنتا ہے، عشق کی نشانی عشق بازی کی چند ڈینگیں ہیں۔“

پانچویں آیت:

﴿لَوۡلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ۝﴾

(الانفال: ٦٨)

''اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا، اس لینے میں بڑا عذاب۔''

شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ جب لڑائی بدر کی فتح ہوئی اور مشرکین قید میں آئے تب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کو کیا کرنا چاہیے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی گردنیں مار دینا چاہیے بلکہ جو جس کا رشتہ دار ہو وہی اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کرے اور خدا کی محبت کے سامنے دوسرے کی محبت کا خیال نہ کرے۔ لیکن حضرت ؐ نے موافق مشورے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس روایت کو علماء اور مفسرین امامیہ بھی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر خلاصۃ المنہج کا شانی [1] میں لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں ستّر (۷۰) آدمی قید ہوئے منجملہ ان کے عباسؓ اور عقیلؓ بھی تھے حضرت ؐ نے ان کے باب میں اپنے یاروں سے مشورہ کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہ وہ بھی مہاجرین میں سے تھے کہا کہ یارسول اللہ! یہ سب چھوٹے بڑے آپ ؐ کی قوم اور قبیلے کے ہیں، اگر ہر ایک بقدر طاقت و استطاعت اپنی کے کچھ فدیہ دے تو امید ہے کہ ایک دن دولت اسلام پر پہنچیں۔

مجمع البیان طبرسی میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن قیدیوں کے باب میں اپنے یاروں سے کہا کہ اگر تم چاہو ان کو مار ڈالو اور چاہو جانے دو۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا

---

[1] روز بدر هفتاد تن اسیر شدند واز جمله ایشان عباس و عقیل بودند حضرت درباب ایشان با اصحاب مشاوره کرد ابو بکر که از مهاجرین بود گفت یارسول الله اکابر و اصاغر ایں قوم اقارب و عشائر تو اند اگر هر یك بقدر طاق و استطاعت فدائے بدهد باشد که روزے بدولت اسلام برسد...... الخ۔ ۱۲.

یارسول اللہ! انہوں نے آپؐ کو جھلایا اور آپؐ کو نکالا، اس لیے ان کی گردنیں مارنا چاہیے، عقیل کو علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائیے کہ وہ ان کو ماریں اور فلاں شخص میرے سپرد کیجیے کہ میں اس کو قتل کروں اور یہ سب سردارانِ کفار سے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! یہ آپؐ کی قوم اور رشتے کے لوگ ہیں، فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے۔ چنانچہ اسی طرح پر حضرت نے کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا آسمان سے تو سوائے عمرؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی نجات نہ پاتا۔

ان روایتوں سے باقرار علمائے امامیہ چند فائدے حاصل ہوئے:

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مہاجرین اور اہل بدر سے ہونا۔

۲۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے مشورہ کرنا۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کافروں پر سخت ہونا اور خدا کی راہ میں قرابت اور برادری کا کچھ خیال نہ کرنا...... اور جو کچھ ان فائدوں سے فائدے حاصل ہوتے ہیں ان کو ہم بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مہاجرین میں سے ہونا ثابت ہوا تو جو فضیلتیں اللہ جل شانہ نے مہاجرین کی بیان کی ہیں اور جن کو اوپر ہم نقل کر چکے ہیں وہ سب ان کے حق میں ثابت ہوئیں...... دوسرے جو بعض علمائے امامیہ نے انکار کیا ہے کہ اصحاب ثلاثہ مہاجرین میں سے نہ تھے، وہ قول باطل ہوا، چنانچہ "تقلیب المکائد" کے مؤلف نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ کے تحفہ کے باب مکائد شیعیان کے کید نودوئم کے جواب میں کہ...... "اصحاب ثلاثہ از مہاجرین اولین نبودند" (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ) مہاجرین اولین میں سے نہیں تھے) تیسرے امامیہ کا یہ گمان کہ معاذ اللہ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتدا ہی سے منافق تھے اور کبھی دل سے ایمان نہ لائے تھے اور ان کی نیت نیک نہ تھی، فاسد ٹھہرا، جیسا کہ جناب میرن صاحب قبلہ حَدِیْقَۂ سُلْطَانِیَہ کے باب سوم میں لکھتے ہیں:

((سیرت شیخین دلالت بر خبث سریرت آنهادارد که در وقت کتمان از حضرت نبوی در خواست اظهار دعوت نموده ودر فکر اضرار آنحضرتؐ برمی آمدند ودر وقت اعلان از نصرت دست می کشیدند فاعتبر وایا اولی الابصار……)) انتهی بلفظه .

''شیخین کی سیرت ان کی بد باطنی پر دلالت کرتی ہے کہ چھپانے کے وقت میں آنحضرت ﷺ سے تبلیغ اسلام کی خواہش کی اور رسول اللہ ﷺ کی تکلیف کے درپے رہتے تھے اور اعلانِ دعوت کے وقت آپؐ کی حمایت واعانت سے باز رہے۔''

اگر میرن صاحب قبلہ زندہ ہوتے تو میں پوچھتا کہ حضرت اگر شیخین رضی اللہ عنہما کی نیت نیک نہ ہوتی اور وہ اعلان کے وقت نصرت سے ہاتھ کھینچتے ہوتے تو بدر کی لڑائی میں کیوں شریک ہوتے اور کیوں خدا ان کے ہاتھ پر فتح دیتا اور کیوں پیغمبر خدا ﷺ ان سے مشورہ کرتے اور کیوں آپ کے جدامجد کا شانی اور طبرسی مہاجرین اور اہل شوریٰ میں ان کا ہونا قبول کرتے…… اے مسلمانو! شیعوں کے ایمان اور عقل وحیا پر غور کرو کہ وہ شیخین رضی اللہ عنہما کی نسبت جو کہ اپنی تمام جان سے پیغمبر ﷺ کے عاشق تھے اور اپنا تمام مال حضرت پر فدا کر چکے تھے اور جو شب وروز اظہار دعوت کے لیے اصرار کیا کرتے تھے، یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی نیت اس اصرار سے یہ تھی کہ پیغمبر خدا ﷺ اظہار دعوت کریں اور لوگ ان کو ستاویں اور ہلاک کر ڈالیں…… افسوس ایسے عقیدے پر…… خیر میرن صاحب قبلہ جو چاہیں فرمائیں اور ان کے پدر بزرگوار جو دل میں آئے ارشاد کریں لیکن اس امر کو کہ شیخین رضی اللہ عنہما مہاجرین اور اصحاب بدر میں سے تھے جھٹلا نہیں سکتے اور ہمارا مطلب اتنی ہی بات سے حاصل ہوا جاتا ہے اس لیے کہ جب وہ مہاجرین میں سے تھے تو ان فضیلتوں کے مستحق ہیں جو خدا نے جابجا قرآن مجید میں ہجرت کرنے والوں کی بیان کی ہیں اور جب کہ وہ اہل بدر سے تھے تو وہ اس مغفرت کے

وعدے میں شریک ہیں جو اللہ جل شانہ نے اہل بدر سے کیا ہے کہ میں نے ان کو مرفوع القلم کر دیا ہے، چنانچہ اس امر کو علمائے امامیہ بھی قبول کرتے ہیں۔ علامہ کاشانی خُلَاصَۃُ الْمَنْہَجْ میں تفسیر کریمہ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى﴾ کی بایں الفاظ کرتے ہیں:

((اگر نہ حکمی و فرمانے می بود از خدا تعالیٰ کہ پیشی گرفتہ شدہ اثبات آن درلوح محفوظ کہ بے نہی صریح عقوبت نہ فرماید، یا اصحاب بدر را عذاب نکند .))

”اگر خدا تعالیٰ کا حکم و فرمان پہلے ہی سے لوح محفوظ میں ثابت نہ ہوتا کہ صریح ممانعت کے بغیر سزا نہ دے گا یا اصحاب بدر کو سزا نہ دے گا۔“

اور اسی طرح پر تفسیر مجمع البیان طبرسی میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَعَلَّ اللّٰهُ اِطَّلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ نَغْفِرَ لَهُمْ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ .))

”ہ خدا نے اہل بدر کی شان میں فرما دیا ہے کہ جو چاہو سو کرو میں تم کو بخش چکا ہوں۔“

اور تفسیر خُلَاصَۃُ الْمَنْہَجْ میں لکھا ہے:

((خدائے تعالیٰ بدریان را وعدہ مغفرت دادہ وایشان رابخطاب مستطاب اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم نوازش فرمودہ .))

”پس جب پیغمبر خدا ﷺ کی زبان مبارک سے تمام اہل بدر کا قطعی جنتی ہونا اور خدا کا ان کی نسبت اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ کہنا ثابت ہوا تو پھر اب صحابہ کبار علی الخصوص اصحاب ثلاثہ کے قطعی جنتی ہونے میں کون سا شبہ رہا۔“

اے یارو! ہم اب تک نہیں سمجھے کہ حضرات شیعہ کے مذہب کا مدار کس پر ہے، اگر خدا کے کلام پر ہے تو وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلتوں سے بھرا ہوا ہے، اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں پر ہے تو ان میں بھی انہیں کی صفات کا تذکرہ ہے، اگر ائمہ علیہم السلام کی روایتوں پر ہے تو ان میں بھی ان کی خوبیوں کا بیان ہے، اگر اپنی ہی تفسیروں اور کتابوں پر ہے تو ان سے بھی ان کے فضائل کا ثبوت ہوتا ہے...... پس اب اور کیسی سند یہ حضرات چاہتے ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل پر ہم پیش کریں اور کیسی دلیل چاہتے ہیں جو ان کی بزرگی کے ثبوت میں بیان کریں۔

اصل یہ ہے کہ اگر ایمان اور انصاف ہو تو خدا کے کلام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور ائمہ کے اقوال کو مانیں۔ جب ایمان اور انصاف ہی نہیں ہے اور عبداللہ بن سبا کی پیروی کرنی منظور ہے تو پھر کیوں کر اپنے پیرومرشد کے سکھائے ہوئے عقیدوں کو چھوڑیں...... افسوس ہزار افسوس کہ بارہ سو برس گزر گئے اور اس ملعون یہودی کی ہڈیاں خاکستر تک ہوگئیں مگر جو کچھ وہ اپنے شیعوں کو سکھلا گیا اس کو وہ نہیں بھولتے اور جس راہ پر وہ اپنے یاروں کو چلا گیا اس سے نہیں ہٹتے۔ ہزار ہزار کوئی سمجھائے، لاکھ آیتیں اور حدیثیں دکھلائے مگر اپنے پیرومرشد کے قول کے روبرو ایک پر بھی نظر نہیں کرتے۔ کلام اللہ کی تاویل کر دیں، حدیثوں کو بنا ڈالیں، اماموں کے قولوں کو رد کر دیں مگر اپنے جدامجد کی بات کو نہیں بھولتے۔ جس عقیدے کو خیال کیجیے اس میں اسی ملعون کی تعلیم کا اب تک اثر ہے، جس مسئلہ پر غور کیجیے اب تک اسی کمبخت کے قول پر عمل ہے، ولنعم ما قیل: شعر ......

بلب زدود دل آہی کہ داشتم دارم
نشستنی بر راہی کہ داشتم دارم

چھٹی آیت:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

(سورۃ الانفال: ۷۴)

''جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور رزق باکرامت ہے۔''

اس آیت پر ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار کے ایمان اور اسلام پر کچھ شبہ نہیں کر سکتے اور ان کی مغفرت اور جنتی ہونے میں کچھ شک نہیں لا سکتے ہیں، اس لیے کہ جب اللہ جل شانہ خود تصدیق فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھر بار کو چھوڑا اور جنہوں نے پیغمبر ﷺ کو اور ہجرت کرنے والوں کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سچے مسلمان اور پکے ایمان لانے والے ہیں، مغفرت اور رزق کریم ان کے حصہ میں ہے...... پس خدا کی ایسی شہادت کو سن کر کون شخص ہوگا کہ مہاجرین اور انصار کے ایمان میں شبہ کرے اور ان کی مغفرت میں کلام کرے۔ شیعیان عبداللہ بن سبا کو ذرا سوچنا چاہیے کہ جب اللہ جل شانہ مہاجرین اور انصار کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور ان کے حق میں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ کی شہادت دیتا ہے اور ان کی شان میں ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ فرماتا ہے پھر کیوں کر ان کے دل میں ایسے پاک لوگوں کی طرف سے شبہ ہوتا ہے اور کس طرح ان کی زبان سے ایسے شخصوں کی نسبت کفر و نفاق کا کلمہ نکلتا ہے، ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ (بڑی بات ان کے منہ سے نکل رہی ہے) اگر کسی کو شک ہو کہ یہ آیت ان مہاجرین و انصار کی شان میں نہیں ہے جن کی نسبت حضرات شیعہ نیک اعتقاد نہیں رکھتے، اس لیے ہم تفسیر مجمع البیان سے جو امامیہ کی معتبر تفاسیر میں سے ہے، اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں جس کو شک ہو وہ صفحہ ۴۵۲ تفسیر مذکورہ مطبوعہ طہران ۱۲۷۵ھ کو دیکھ لے، مفسر موصوف لکھتا ہے کہ ''خدا نے پھر ان آیتوں میں مہاجرین اور انصار کا ذکر کیا اور ان کی ثنا وصفت بیان کی، پس خدا کے اس قول کا کہ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ تصدیق کی انہوں نے خدا کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور ہجرت کی اپنے گھروں اور وطن سے، یعنی مکے سے مدینے کو اور جہاد کیا انہوں نے خدا کے

دین کی ترقی کے لیے اور ﴿وَالَّذِیۡنَ آوَوۡا وَّنَصَرُوۡا﴾ کے یہ معنی ہیں کہ جگہ دی مہاجرین کو اپنے گھروں میں اور مدد کی پیغمبر ﷺ کی، اور ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا﴾ کا یہ مطلب ہے کہ وہی لوگ سچے مسلمان ہیں، اس لیے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو ہجرت کر کے اور مدد دے کر ثابت کر دیا۔“ [1]

اس تفسیر کو دیکھ کر اگر حضرات شیعہ مہاجرین و انصار کی فضیلت کا اقرار نہ کریں تو سوائے تعصب اور ضلالت کے کیا تصور کیا جائے۔ کاش! حضرات شیعہ بمقابلے ایسی صریح آیتوں اور ایسی صاف بشارتوں، کے ایک دو آیت بھی قرآن سے نکال کر ہم کو دکھلا دیتے اور جس طرح پر ہم نے ان کے فضائل اور درجات کو کلام اللہ سے ثابت کیا، وہ قرآن ہی کی سند سے ان کی ایک ہی برائی کا ثبوت پہنچاتے تو ہم ان کو کسی قدر معذور بھی جانتے......لیکن افسوس تو ہم کو اسی بات کا ہے کہ ہم تو مہاجرین اور انصار کے فضائل میں قرآن کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں، رسول ﷺ کی حدیثوں کو بیان کرتے ہیں، اماموں کے قولوں کو انہیں کی کتابوں سے نکال کر دکھلاتے ہیں اور وہ ان سب کو چھوڑ کر چند مفتری، کذابوں کی جھوٹی باتوں کو پیش کرتے ہیں، اوران لوگوں کے قولوں پر عمل کرتے ہیں جن کو اماموں نے نکال دیا، جن پر اپنی زبان سے لعنت کی اور جن کو جھوٹا اور فریبی کا خطاب دیا جس کا ثبوت ہم آئندہ پیش کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس انصاف کرنے والے انصاف کر سکتے ہیں کہ خدا کے کلام پر ہم ایمان رکھتے ہیں یا حضراتِ شیعہ، اور قرآن کی آیات کی ہم تصدیق کرتے ہیں یا شیعیان عبداللہ بن سبا۔

اے یارو! اگر فرض کیا جائے کہ جو ہمارا اعتقاد صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت ہے وہ معاذ اللہ! باطل ہو اور جو اعتقاد شیعوں کا بہ نسبت ان کے ہے وہی صحیح ہو اور قیامت کے دن اللہ جل شانہ

---

[1] ثم عاد سبحانه الیٰ ذکر المهاجرین و الانصار و مدحهم و الثناء علیهم فقال و الذین آمنوا و ها جروا و جاهدوا فی سبیل الله ای صدقوا الله و رسوله و هاجرو امن دیارهم و او طانهم یعنی من مکة الیٰ المدینة و جاهدوا مع ذالك فی اعلاء دین الله و الذین آو و او نصروا ای ضموهم الیهم و نصرو النبی او لئك هم المومنون حقا ای او لئك الذین حققوا ایمانهم بالهجرة و النصرة۔ ۱۲ (مجمع البیان۔.)

عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر ہمارے اعتقاد باطل پر ہم سے جواب چاہے تو ہم اسی کی کتاب کو اس کے سامنے کر دیں گے اور نہایت ادب سے عرض کریں گے کہ الٰہ العالمین تو عادل ہے اور شیعوں کے مذہب کے موافق تیرا عدل اصول ایمان سے ہے تو اب تو ہی انصاف کر کہ یہ کتاب تیری ہے جس کو ہماری ہدایت کے واسطے تو نے اپنے پیغمبر ﷺ کی معرفت نازل کیا اور اس کا نام کتابِ مبین رکھا اور اس کی عبارت اور مضمون میں اغلاق اور تصنع کو دخل نہ دیا، ہر چیز کو صاف صاف بیان کر دیا اور خود اس کا حافظ رہ کر اس کو تحریف سے محفوظ رکھا...... پس خداوندا ہم نے تیری ہی کتاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ لیا اور جو کچھ اس میں تو نے کہہ دیا اور فرما دیا اسی پر ہم نے یقین کر لیا، مہاجرین اور انصار کی اس قدر بزرگیاں اور فضیلتیں تو نے بیان کیں کہ ہم ان کی نسبت نیک اعتقاد رکھنے پر مجبور ہو گئے اور تیری ہی شہادت سے ان کے ایمان اور اسلام پر بلکہ ان کے فضائل اور درجات پر معتقد ہو گئے، کہیں تو نے ان کے حق میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾

(سورة التوبة: ٢٠)

”یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا، وہ اللہ کے یہاں بڑے درجہ والے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔“

کسی مقام پر تو نے ان کی نسبت ارشاد کیا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ (سورة الانفال: ٧٤)

”یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی لوگ سچے مومن ہیں۔“

کسی جگہ ان کی شان میں تو نے فرمایا:

﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (سورۂ انفال: ۷۴)

''کہ ان کے لیے مغفرت اور رزق با کرامت ہے۔''

کسی مقام پر ان کی صفت میں تو نے کہا:

﴿لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ (سورة الحج: ۵۸)

''یعنی اللہ ان کو یقیناً عمدہ رزق دے گا۔''

غرض کہ خدایا جب ہم نے تیری کتاب کو کھولا تو کوئی ورق اور کوئی صفحہ اس کا مہاجرین اور انصار کا ذکر سے خالی نہ پایا۔ کسی آیت سے ان کی برائی کا ثبوت کیسا ان کی فضیلت پر شبہ تک نہ ہوا۔ جب تیری کتاب سے ان کی نسبت شہادت چاہی تو یہی معلوم ہوا: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ﴾ جب قرآن سے ان کے واسطے فال کھولی تو یہی نکلا کہ: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ پس جب تو نے بایں بے نیازی ان کی صفات اور فضائل سے اپنی کتاب کو بھر دیا اور ان کی شان میں بار بار ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ فرمایا اور ہم کو ان کی اقتدا اور پیروی کی تاکید کی اور ان سے محبت رکھنے کی تحریص اور عداوت و کینہ رکھنے پر تہدید فرمائی تو ہم ان سے اگر محبت نہ رکھتے اور ان کو اچھا نہ جانتے اور ان کی اقتدا نہ کرتے تو کیا کرتے...... الہ العالمین تو نے ہم کو ان لوگوں میں تو پیدا نہیں کیا جن کی نسبت تو نے فرمایا:

﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ (سورة الحشر: ۸)

'یعنی جو لوگ اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے وہ صرف اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں۔''

اس گروہ میں تو نے ہم کو شامل ہی نہ کیا تھا جس کی صفت میں تو نے ارشاد کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ (الحشر: ۹)

(یعنی جو لوگ دار اور ایمان (مدینہ) کو ٹھکانہ بنائے ہوئے تھے، ان سے پہلے اور جو ان کی

طرف ہجرت کر کے آئے ان سے محبت کرتے ہیں)...... ہم کو تو ان سب کے پیچھے مخلوق کیا اور ہم لوگوں کی نسبت پہلے ہی سے تو نے یہ لکھ دیا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحشر: ١٠) (یعنی جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کا جو ہم سے پہلے ایمان لائے بخش دے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کے لیے کھوٹ نہ رکھ) تو کیوں کر ہم ان پیشواؤں سے محبت نہ رکھتے اور کس طرح ان سے کینہ اور عداوت رکھتے...... یہ کتاب تیری موجود ہے جس کی نسبت تو نے فرما دیا تھا: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر: ٩) (کہ ہم نے ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) اور اسی وعدے پر ہم اس کو برابر غیر محرف سمجھتے رہے اور اس پر ایمان رکھتے آئے۔ اگر یہ آیتیں جو مہاجرین اور انصار کی نسبت ہم نے بیان کیں تیری کتاب میں موجود ہیں تو پھر خدایا ہمارا کیا قصور اور کیا گناہ ہے، جن کو تو نے اچھا کہا ہم نے اچھا جانا، جن کی تو نے تعریفیں کیں ان سے ہم نے محبت رکھی...... ہاں، ان لفظوں کے تو نے اگر اور کچھ معنی رکھے ہوں اور اس عبارت کا مطلب اور کچھ ہو تو ہم نہیں جانتے، تیرے ارشاد کے موافق تیری کتاب کو کھلی اور روشن کتاب سمجھتے تھے اور اس کو معمہ اور پہیلیوں کا مجموعہ نہ جانتے تھے...... غرض کہ ہم نہیں جانتے کہ جب ہم یہ جواب دیں گے تو خداوند عادل کس جرم میں ہم کو سزا دے گا اور کس طرح ہم کو اپنی کتاب کا تصدیق کرنے والا نہ سمجھے گا۔ ہم کو تو یقین ہے کہ ضرور ایسے عقیدے سے خدا ہماری نجات کرے گا اور ہم کو اپنے رزق کریم میں سے حصہ عطا کرے گا۔

اے یارو! ہمارا جواب تو سن لیا اب کچھ اپنی جواب دہی کی فکر کرو کہ اگر تمہارا عقیدہ جو صحابہؓ کی نسبت ہے باطل ٹھہرا اور قیامت کے دن خدا نے تم سے مواخذہ کیا تو تم کیا جواب دو گے، ہمارے نزدیک تو سوائے اس کے دوسرا جواب نہیں ہوسکتا کہ خداوند ہم نے تیری کتاب کو اس لیے پس پشت ڈال دیا تھا کہ اس میں اصحابِ رسولؐ نے تحریف کر دی تھی اور اس کو کم و

بیش کر دیا تھا۔ جیسا تو نے نازل کیا ویسا نہ رکھا تھا اور اصلی مصحف امام صاحب کے پاس تھا، وہاں ہمارا گزر بھی نہ ہوسکتا تھا، کچھ نشان اور پتہ بھی امام صاحب کا ملتا نہ تھا...... پس ہم کیوں کر مصحف عثمانی پر عمل کرتے اور کیوں کر محرف قرآن کی تصدیق کرتے، ہم تو کبھی اس کو دیکھتے بھی نہ تھے، حفظ یاد کرنے کا ذکر کیا ہے کبھی اس کو پڑھتے بھی نہ تھے، بلکہ ہمیشہ امام صاحب کے خروج کی دعا کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ جو اصلی قرآن تھا اس کے دیکھنے پر جان دیتے تھے مگر خداوند ہمارا کیا قصور ہے، اس لیے کہ تو نے ایسا ان کو چھپایا کہ کہیں ان کا سایہ بھی دکھلائی نہ دیا، ہزاروں عرضیاں بھیجیں ایک کا بھی امام نے جواب نہ دیا، صدہا درخواستیں خضر و الیاس کے ذریعے سے براہ دریا ارسال کیں کسی پر کچھ حکم نہ آیا، بڑے بڑے مجتہدوں سے پوچھا انہوں نے یہی فرمایا کہ ابھی انتظار میں رہو اور خروج وظہور کی دعا کیا کرو، ہنوز وقت نہیں آیا لیکن ہم نے بہت انتظار کیا مگر ہمارے جیتے جی ظہور کس کا خروج کیسا، کچھ خبر تک امام کی نہ آئی: شعر

شام تک تو آمد جاناں کا کھینچا انتظار

وہ نہ آیا وعدہ اپنا یاں برابر ہو گیا

ہند سے امام کی غیبت سری تک ہم نے ہجرت کی لیکن دیکھنا کس کا ملنا کیسا، صورت تو امام کی نظر ہی نہ پڑی، بس بغیر امام کے ہم کیا کرتے اور کیوں کر راہِ حق پر چلتے، ہاں امام کے دیکھنے والوں نے جو کچھ ہم سے کہہ دیا اس پر ہم ایمان لے آئے اور اسی کو حق جانتے رہے اور کبھی اس سے نہیں پھرے۔ پس اگر خدا یہ جواب سن کر فرما دے اے کم بختو! جب کہ میں اپنے کلام کا حافظ تھا اور خود کہہ چکا تھا کہ ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ تو کس کی مجال تھی کہ وہ تحریف کرتا اور کون تھا کہ اس کو بدل دیتا۔ کس نے تم سے کہا کہ میری کتاب میں تحریف ہوئی تھی؟ تب تم شاید یہی جواب دو گے کہ ہم نے زرارہ سے سنا تھا، ہم سے شیطان الطاق نے کہہ دیا تھا...... تب اگر خدا یہ فرما دے کہ اے بدبختو میں سچا تھا یا زرارہ، میرا رسول صادق تھا یا شیطان الطاق، تو معلوم نہیں کیا جواب دو گے۔ ہمارے نزدیک تو تم سوائے اقرار جرم کے اور کچھ جواب نہ دے سکو گے اور اس وقت سوائے اس کے کہ

﴿فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ﴾ یعنی وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے......، پس جنہوں کے لیے ہلاکت ہے) اور کچھ حکم نہ ہوگا۔

ساتویں آیت:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انْفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ‌ؕ اَرَضِيۡتُمۡ بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا مِنَ الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيۡلٌ‏ ۝ اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـئًا‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ‏ ۝ اِلَّا تَـنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا‌ ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى‌ ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا‌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ﴾ (سورة التوبة : ٣٨تا ٤٠)

جو آیتیں اب تک ہم نے لکھیں ان سے عام مہاجرین اور انصار کی فضیلتیں ثابت ہوئیں اب ہم اس آیت کو لکھ کر خاص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف اور حنین سے مراجعت فرمائی اور تھوڑے دن مدینے میں قیام فرما کر قصد جہادِ روم کا کیا تو بعض لوگوں پر نہایت گراں گزرا، اس لیے کہ گرمی کے دن تھے، سفر دور دراز تھا، خرموں کے پکنے کی فصل تھی اور روم کا خوف بھی غالب تھا، تب اللہ جل شانہ نے واسطے ترغیب جہاد کے ان آیتوں کو نازل کیا اور کئی طرح سے لوگوں کو سمجھایا، چنانچہ اوّل آیت میں فرماتا ہے کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انْفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ﴾ اے [1] مومنو! تمہیں کیا ہوگیا ہے

---

[1] یہ خطاب انہیں بعض سے ہے جو کہ جہاد پر جانے سے تساہل کرتے تھے نہ کہ کل مہاجرین وانصار سے اور خطاب کل سے کرنا اور بعض مراد ہونا کلام عرب میں جاری ہے ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بنی ہاشم بھی اس خطاب میں شامل ہوجائیں گے۔۱۲منہ

کہ جب تم سے جہاد کے لیے کہا جائے تب تم اپنے گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے، کیا تم دنیا کی زندگی کو بمقابلے آخرت کے اچھا سمجھ کر اس پر راضی ہو حالانکہ دنیا کا فائدہ آخرت میں بہت ہی تھوڑا ہے...... اس آیت میں اللہ جل شانہ نے دنیا کی حقارت بیان کر کے جہاد پر ترغیب دی، بعدہ دوسری آیت: ﴿اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡکُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا وَّ یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وَ لَا تَضُرُّوۡهُ شَیۡـًٔا وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ میں فرمایا کہ اگر تم سستی کرو گے اور جہاد پر مستعد نہ ہو گے تو خدا تم کو دنیا و آخرت میں عذاب دے گا اور تمہارے بدلے اور قوم کو پیدا کرے گا اور تمہارے مدد نہ کرنے سے خدا یا رسول ؐ کا کچھ نقصان نہیں ہے، اس لیے کہ خدا کو کچھ پروا نہیں ہے اور رسول ؐ کا وہ خود حافظ ہے، چنانچہ اپنی بے نیازی اور اپنے رسول ؐ کی بے پروائی کو ان لفظوں سے بیان کیا ﴿اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾ اگر تم لوگ پیغمبر ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اس کو تمہاری مدد کی حاجت نہیں ہے، اس لیے کہ خدا اس کا مددگار ہے اور اپنی مددگاری کو اللہ جل شانہ اس طرح سے ثابت کرتا ہے کہ ﴿اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ هُمَا فِی الۡغَارِ﴾ کہ جب کفار نے پیغمبر ﷺ کو مکے سے نکالا اس وقت کس نے اس کی مدد کی اور اس وقت کون سا لشکر اور گروہ اس کا مددگار ہوا اور سوائے ایک یار کے دوسرا کون اس کے ساتھ غار میں گیا اور جب کفار درِ غار پر آ پہنچے اور پیغمبر ﷺ اور ان کے درمیان کچھ فاصلہ نہ رہا اس وقت اس کا یار غار بھی گھبرا گیا اور یہ خیال کر کے کہ ایسا نہ ہو کہ کفار غار میں چھپے ہونے سے آگاہ ہو جائیں اور مبادا پیغمبر ﷺ کو کچھ صدمہ پہنچائیں، وہ غم کرنے لگا۔ اس اضطراب اور اضطرار کے حال میں بھی کہ بڑے بڑے شجاع اور جوانمرد گھبرا جاتے ہیں، میرے پیغمبر ﷺ کو کچھ اضطراب نہ ہوا اور اپنے یار کو ﴿لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کہہ کر مطمئن کیا اور میں نے اپنے پیغمبر ﷺ کے کہنے سے اس یار پر تسلی نازل کی کہ اس کا خوف جو پیغمبر ﷺ پر صدمہ پہنچنے کے خیال سے تھا جاتا رہا ﴿فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَکِیۡنَتَهٗ عَلَیۡهِ﴾ اور بعد گزر جانے اس مصیبت کے وقت کے جب بدر کی لڑائی ہوئی تب میں نے ایسے لشکر سے مدد کی کہ جس کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے ﴿وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ

لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ تمام مفسرین کیا شیعہ اور کیا سنی اس پر متفق ہیں کہ ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ میں جس زمانہ کا ذکر ہے اس سے ہجرت کا وقت مراد ہے اور ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ میں جو ''صاحب'' کا لفظ مذکور ہے اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں، اور اس کے بھی سب قائل ہیں کہ ہجرت کا وقت بڑا نازک اور نہایت مصیبت، تنہائی اور رنج کا تھا، جو اس وقت صدق دل سے شریک ہوا اس کا رتبہ بھی سب سے بڑا ہے اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت سے کہ جب سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے برآمد ہوئے اور جب تک غار میں رہے اور جب تک مدینے میں پہنچے برابر ہمراہ رہے، لیکن تاہم ہمارے اور شیعوں کے مابین یہ اختلاف ہے کہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت کو ان کے اخلاص اور نیک نیتی پر محمول کر کے ان کو افضل مہاجرین جانتے ہیں اور حضرات شیعہ ان کی ہمراہی کو بدنیتی پر (نعوذ باللہ من ذالك) محمول کر کے ان کو منافقین میں سے سمجھتے ہیں، اس لیے ہم اسی آیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل ثابت کرتے ہیں اور حضرات شیعہ کے شبہات بیان کر کے ان کا رد کرتے ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل کا بیان جو اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں:

اس آیت سے بہت سی فضیلتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ یہ کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر کفار مکہ نے اتفاق کیا اور اللہ جل شانہ، نے ان کے ارادے سے حضرت کو آگاہ فرمایا اور ہجرت کی اجازت دی تب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لیا...... پس اگر خدائے جل شانہ کے نزدیک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان میں سچے اور اسلام میں پکے نہ ہوتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جان و دل سے عاشق نہ ہوتے تو ہرگز وہ ایسے وقت میں ان کو ساتھ لینے کی اجازت نہ دیتا اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ان کی محبت اور عشق پر یقین کامل نہ ہوتا تو کبھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس سفر میں اپنے ہمراہ نہ لیتے۔

۲۔ اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے جان و مال کو حضرت ﷺ پر نثار کرنے سے راضی نہ ہوتے تو وہ ایسی مصیبت کے وقت میں خود شریک نہ ہوتے اور اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں نہ ڈالتے بلکہ حیلہ حوالہ کر کے اپنے آپ کو ایسی مصیبت کے وقت میں شریک ہونے سے بچا لیتے۔

۳۔ گھر سے نکلنے کے وقت سے مدینہ منورہ میں پہنچنے تک جو باتیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیں اور جس طرح پر پیغمبر خدا ﷺ کی حفاظت اور جس طور پر رفاقت کا حق ادا کیا ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ عشق کا مرتبہ تھا اور پیغمبر صاحب ﷺ کے بچانے کے لیے اپنی جان اور آبرو کا کچھ خیال نہ تھا۔

۴۔ جتنے اور اصحاب پیغمبر خدا ﷺ کے تھے ان میں سے کوئی اس رتبہ کا نہ تھا کہ جس کو پیغمبر خدا ﷺ اپنے ہمراہ لیتے اور جس کو اپنا یارِ غار بناتے، سوائے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کہ انہیں کو ایسے وقت میں اپنا رفیق بنایا، اس سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت دیگر اصحاب پر ثابت ہوتی ہے۔

۵۔ اللہ جل شانہ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ خدمت ایسی پسند آئی کہ ان کی صدیقت اور رفاقت کو اور لوگوں کی تحریص اور ترغیب کے واسطے اس آیت میں بیان کیا تا کہ اس کو سن کر لوگوں کو غیرت آئے اور پیغمبر ﷺ کی رفاقت پر مستعد ہو جائیں...... پس اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صدیقیت خدا کے نزدیک مقبول نہ ہوتی اور ان کی خدمت اور رفاقت اعلیٰ درجے کی نہ ہوتی تو ان کی مثال کیوں دی جاتی اور ان کی یاری اور مددگاری اوروں کے دل بڑھانے کے لیے کس لیے بیان کی جاتی۔

۶۔ اللہ جل شانہ نے ثَانِیَ اثْنَیْنِ کا لفظ فرما کر ظاہر کیا کہ بعد پیغمبر خدا ﷺ کے دوسرا شخص ادائے مناصب دینی کے واسطے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے۔

۷۔ اللہ جل شانہ نے صَاحِبِہٖ کا لفظ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت فرما کر ان کی صحابیت کو

ثابت کیا کہ یہ رتبہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ اس لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار در حقیقت نص قرآنی کا انکار ہے۔

۸۔ اس آیت میں الفاظ ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی اور خدا کی حفاظت و نصرت کا حافظ و ناصر تھا اسی طرح اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار کا حامی اور مددگار تھا اور جب کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا تو اسی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا متقی اور محسن ہونا ثابت ہوا، اس لیے کہ دوسری آیت میں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ کہ خدا ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو کہ متقی اور نیک ہوتے ہیں۔

۹۔ اللہ جل شانہ نے اپنی تسلی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نازل کی اور خدا اپنی تسلی نازل نہیں فرماتا ہے مگر انہی لوگوں پر جو کہ ایمان میں پکے اور اسلام میں مضبوط ہوتے ہیں اور جن پر خدا اپنا فضل کرتا ہے اور تسلی نازل کرنے کا ثبوت ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ﴾ سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۰۔ ان آیتوں پر غور کرنے سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ آیتیں صرف ان لوگوں کی ترغیب و تہدید کے واسطے نازل ہوئی ہیں جو کہ جہاد پر جانے سے سستی کرتے تھے اور ان آیتوں میں خدا نے ان سستی کرنے والوں کو سمجھایا اور ڈرایا اور اپنی بے نیازی کو ظاہر کیا، چنانچہ پہلے دنیا کی حقارت بیان کر کے ان کو سمجھایا، پھر ان کو عذاب نازل کرنے سے اور ان کے بدلے دوسری قوم کو پیدا کرنے سے ڈرایا، آخر کار اپنی بے نیازی اور اپنے رسول ﷺ کی بے پروائی کو بیان فرمایا اور پھر اس بے نیازی اور بے پروائی کے بیان میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمثیل دی اور ان کی رفاقت و محبت کا تذکرہ کیا...... پس اسی سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صدیقیت اور ان کی صاحبیت کے مرتبے کو قیاس کرنا چاہیے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان

کی نصرت و یاری کی کیسی کچھ وقعت تھی کہ منجملہ اور امور ترغیب و تہدید کے ان کی نصرت ورفاقت کو بھی بیان کیا......غرض کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل جو ان آیتوں سے ثابت ہوتے ہیں، اجمالاً ہم بیان کر چکے، اب ان شبہات کو جو حضراتِ شیعہ کرتے ہیں، بیان کر کے ان کا رد کرتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے شبہات ایسے پوچ اور رکیک ہیں کہ ان کی تردید کرنا ایسا ہے جیسا کہ روز روشن میں آفتاب کے طلوع سے انکار کرنے والے کے مقابلے میں دلائل اور براہین بیان کرنا، لیکن بہ مجبوری موافق قول خاتم المحدثین کے:

((چون بنائے کلام بر اصول گروهے نهاده است نا چارزمام اختیار بدست آنها داده هر جاکه کشیده برند میر ودو بهر رنگ که رنگیں کنندمی شود.))

''چونکہ کلام کی بنیاد ایک گروہ کے اصول پر رکھی گئی ہے، اسی لیے اختیار کی لگام ان کے ہاتھ میں ہے کہ جدھر چاہیں کھینچ کر لے جائیں اور جس رنگ میں چاہیں رنگ دیں۔''

مگر منصف مزاجوں سے امید ہے کہ ان اعتراضوں کو ذرا انصاف سے دیکھیں اور علماء و مجتہدین امامیہ کے تعصب اور عناد پر خیال کریں کہ عداوت نے ان کے دلوں پر کیسا پردہ اور دشمنی نے ان کی عقلوں پر کیسا حجاب ڈال دیا ہے کہ ایسی صریح نص سے انکار کرتے ہیں اور افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت کے انکار کے لیے کیسی پوچ تاویلیں کرتے ہیں۔ (دَھَا اَنَا اَشْرَعُ فِی بَیَانِ ھَفَوَاتِھِمْ)

❀❀❀❀

شیعیان عبداللہ بن سبا کے اعتراضات کا بیان

ہم اعتراضوں کو اسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جس ترتیب سے ہم نے فضیلتیں بیان کی ہیں تاکہ دیکھنے والوں کو ہر فضیلت کے مقابلے میں اعتراضات اور شیعوں کے شبہات معلوم ہو جائیں۔

پہلا اعتراض پہلی فضیلت پر:

چونکہ ہم نے پہلی فضیلت میں بیان کیا ہے کہ اللہ جل شانہ کے حکم سے پیغمبر خدا ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لیا۔ اس کو امامیہ اس طرح پر رد کرتے ہیں کہ نہ خدا نے پیغمبر خدا ﷺ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ لینے کی اجازت دی، نہ پیغمبر ﷺ نے اپنی خوشی سے ان کو اپنے ساتھ لیا بلکہ بلا مرضی اور بغیر اجازت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت ﷺ کے ہمراہ ہو گئے...... چنانچہ اس باب میں جو کچھ علمائے شیعہ نے لکھا ہے، اس کو ہم بیان کرتے ہیں......

بڑے مجتہد صاحب، یعنی شیعوں کے قبلہ وکعبہ ذوالفقار میں لکھتے ہیں:

((احتجاج بایں آیت موقوف است که به ثبوت رسد که هجرت ابوبکر با جازت حضرت نبویؐ واقع شده وشیعه ایں را قبول نکنند.))

(ذوالفقار مطبوعہ لدھیانہ ۱۲۷۱ء صفحہ ۵۷ سطر ۹)

’’اس آیت کو دلیل بنانا اس پر موقوف ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت حضور ﷺ کی اجازت سے ہوئی ہو اور شیعہ اس کو قبول نہیں کرتے۔‘‘

اور قاضی نور اللہ شوستری نے ’’مجالس المومنین‘‘ میں اور اپنے دیگر رسالوں میں بھی یہی لکھا ہے، کَمَاذَ کَرَہُ فِی مُنْتَھَی الْکَلَام:

((قاضی نور اللّٰہ شوستری در مجالس المومنین و بعضے از رسائل دیگر ذکر می کنند که ابوبکر از منافقین بود وبر خلاف امر اقدس نبوی ﷺ دراثناء راہ ایستا دو حضرت محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم بعد زجر شدید اُورَا همراه گرفت تاکفار را دلالت نکند۔“

قاضی نور اللہ شوستری ”مجالس المومنین“ میں اور دوسرے رسائل میں ذکر کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ منافقین میں سے تھے اور حکم نبوی ﷺ کے بغیر بیچ راہ میں کھڑے ہوئے گئے تھے۔حضور ﷺ نے کافی پھٹکار کے بعد ان کو اپنے ساتھ لے لیا تا کہ یہ کفار کو نہ بتا دیں۔“

ایک دوسرے رسالہ میں جو منسوب بہ حسینیہ ہے ایک بڑے میر صاحب اس طرح پر لکھتے ہیں:

((چون پارۂ راہ برفت دید که شخصے برابر آنحضرت می آید حضرت توقف نموده چون نزدیك رسید بشناخت که ابوبکر است، فرمود که اے ابوبکر که نه من امر خدا بشمار ساندم و گفتم که از خانه خود ها بیرون میائید تو چرا مخالفت امر الٰهی کر دی؟ گفت یارسول اللّٰه که دل از بهر تو خائف بود وهرا ساں بودم نخواستم که درخانه قرار گیرم، پیغمبر ﷺ متحیّر ماند بواسطه آنکه امر الٰهی نبود که کسی درهمرا هی خود برد، در ساعت حضرت جبرئیل باز رسید و گفت یارسول اللّٰہؐ بخدا سوگند که اگر ایں را می گزاری و همراه نه گیری کفار را .))

”جب کچھ راستہ آپ ﷺ طے کر چکے تو آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ کوئی

برابر آپؐ کے آرہا ہے تو آپ ﷺ ٹھہر گئے، جب وہ قریب پہنچا تو آپ ﷺ پہچان گئے کہ ابوبکر ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! کیا میں نے تم کو حکم الٰہی سے آگاہ نہیں کردیا تھا اور کہا تھا کہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلنا، تم نے حکم الٰہی کی مخالفت کیوں کی؟ ابوبکرؓ نے کہا کہ دل آپؐ کی طرف سے پریشان تھا، میں نے گھر میں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پیغمبر ﷺ پریشان ہو گئے، اس لیے کہ امر الٰہی نہ تھا کہ وہ اپنے ساتھ کسی کو لے جائیں، اسی وقت جبرئیل نے آکر کہا کہ اے رسول اللہ! بخدا، اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے اور ساتھ نہ لے جائیں گے تو یہ پیچھے سے کفار کے ساتھ آکر آپ ﷺ کو قتل کردیں گے، اس وقت رسول اللہ ﷺ بہ ضرورت آپ کو لے کر غار میں چلے گئے۔''

غرض کہ اس عتراض سے ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیغمبر ﷺ کے گرفتار کرانے کے ارادے سے گھر نکلے اور راہ روک کر کھڑے ہو گئے اور باوجود کہ حضرت ﷺ نے گھر سے نکلنے کو منع کردیا تھا وہ عدول حکمی کر کے بہ ارادۂ ایذا رسانی پیغمبر ﷺ کے سدراہ ہوئے، آخر کار پیغمبر ﷺ مجبور ہوئے اور بہ صلاح جبرئیل علیہ السلام ان کو اپنے ساتھ لے لیا، اگر ہمراہ نہ لیتے تو ضرور ابوبکر رضی اللہ عنہ کفار کو لے آتے اور پیغمبر ﷺ کو گرفتار کراتے...... اگرچہ اہل انصاف غور کرسکتے ہیں، توبہ توبہ۔ ایسے بدیہی امر میں غور کی کیا حاجت ہے ویسے ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اعتراض بالکل پوچ اور واہی ہے اور اس کی رکاکت اس کے الفاظ و معانی سے ظاہر ہے، لیکن ہم اس اعتراض کے بطلان پر چند باتیں لکھتے ہیں اور اس دعویٰ کی سفاہت کہ الوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بقصد گرفتاری وایذا پیغمبر ﷺ کے نکلے تھے، ثابت کرتے ہیں۔

۱۔ سوچنا چاہیے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت پیغمبر ﷺ کے دوست تھے یا دشمن......! اگر دوست تھے تو قصد گرفتاری اور نیت ایذا دہی کے کیا معنی؟ اگر دشمن تھے تو جس طرح پر ابوجہل وغیرہ اور حضرت ﷺ کے دوسرے دشمن حضرت ﷺ کے قتل کی نیت سے آپ ﷺ کے گھر پر گئے تھے اسی طرح پر ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ کیوں نہ گئے،

ان سے علیحدہ کیوں ہوئے؟

۲۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حال ہجرت کا اور وقت دولت سرا سے برآمد ہونے کا اور غار میں تشریف لے جانے کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا یا نہیں، اگر نہیں بتلایا تو ٹھیک وقت پر عین اسی راہ پر جس طرف سے حضرت جاتے تھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کس طرح راہ روک کر کھڑے ہو گئے؟ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے بتلا دیا تھا تو حضرت کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہمراہ لے جانا منظور تھا یا نہیں، اگر منظور نہ تھا تو راز فاش کرنے سے کیا حاصل تھا اور ایسی پوشیدہ بات کو دشمن پر ظاہر کرنے سے سوائے اندیشۂ ضرر کے کیا فائدہ تھا اور اگر ساتھ لے جانا منظور تھا تو پھر اعتراض بھی باطل ہوا۔

۳۔ اگر فرض بھی کیا جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہ نیت قتل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے راہ روک کر کھڑے ہو گئے اور اپنی بدنیتی میں ایسے مضبوط تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کی نیت سے خوف کر کے فوراً ہی سدرہ سے اترے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ اگر ((این رامی گزاری وھمراہ نگیری کفار را از عقب تو گرفته بیا یدوترا بقتل رساند)) (یعنی اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے اور اپنے ساتھ نہ لیں گے تو کفار کو پیچھے سے لا کر آپ کو قتل کر دیں گے) لیکن یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ تنہا تھے یا اور کوئی کافر بھی ان کے ساتھ تھا اور ہتھیار بند تھے یا خالی ہاتھ، اگر یہ کہا جائے کہ اور کافر بھی موجود تھے تو کوئی شیعہ اس کا قائل نہیں، اور اگر کوئی اور کافر ہمراہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نہ تھا تو تعجب آتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ باوجود جاننے شجاعت اور قوت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تنہا حضرت کی گرفتاری اور قتل کو بغیر ہتھیار کے چل دیے اور دو چار رفیقوں کو بھی اپنے ہمراہ نہ لیا، اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ فقط خبر لینے کے لیے کھڑے ہو گئے تھے، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ (کفار را از عقب تو گرفته بیاید) ''یعنی کفار کو پیچھے سے لے آئیں گے'' ثابت ہوتا ہے تو یہ امر معلوم نہیں ہوتا کہ کفار اس جگہ سے جہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملے ایسے نزدیک

تھے کہ آواز پہنچ سکتی تھی یا اتنے دور تھے کہ ان کے بلانے کے لیے جانا پڑتا، اگر نزدیک تھے تو تعجب ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو آواز دے کر کیوں نہ بلا لیا اور چپ چاپ کیوں کھڑے رہے، اور اگر دور تھے تو معلوم نہیں کہ کیوں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی ابوجہل وغیرہ سے خبر کرنے کو نہ دوڑے، کس چیز کے انتظار میں کھڑے رہے اور تعجب تو اس امر پر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے یہ صلاح تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دی کہ اس دشمن کو اپنے ساتھ لے لو اور یہ مشورہ نہ دیا کہ ذرا ٹھہرو جب یہ تمہارے دشمن کو خبر کرنے یا بلانے جائے تب چل دینا اور جب تک وہ لوٹے تب تک جائے مقصود پر پہنچ جانا۔ خدا جانے جبرئیل علیہ السلام کو معاذ اللہ کیا ہو گیا تھا کہ ایسے اضطرار کے وقت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے دشمن کے ہمراہ لینے کی صلاح تو دی اور جو حکمت اس سے بچنے کی تھی وہ نہ بتلائی۔

۴۔ تعجب ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا گرفتار کرانا ہی منظور تھا تو وہ پیغمبر صاحب کے ساتھ کیوں چل دیے اور کیوں غار میں جا کر حضرت کے ساتھ چپ چاپ بیٹھے رہے اور کس لیے کوئی تدبیر گرفتار کرانے کی نہ کی...... اہل انصاف غور کریں کہ جس طرح پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ میں پایا تھا اور ان کا قصد قتل کا تھا اگر اس طرح پر ابوجہل یا اور کوئی کافر قریشی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تو وہ کیا کرتا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کیا کرتے...... اگر کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ وہ حضرت ؐ کو چھوڑ دیتا یا حضرت ؐ اس کو اپنے ہمراہ لے لیتے تو ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت بھی شیعوں کے خیال کو درست مان سکتے ہیں۔ ہم نہایت تعجب کرتے ہیں کہ شیعوں کی عقل پر کیسا پردہ پڑ گیا ہے کہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہجرت کا وقت وہ تھا کہ مکے کے تمام کفار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے تھے اور درِ دولت پر مجمع کر کے اپنے ارادے کے پورا کرنے کے لیے پہنچ گئے تھے اور کسی کو خبر تک نہ تھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر سے نکل گئے ہیں، بلکہ سب جانتے تھے کہ اپنی جگہ پر آرام کر رہے ہیں...... اس وقت میں جو حضرت کا رفیق ہوا اس کی نسبت دشمنی کا گمان کرتے ہیں۔ اگر وہ رفیق بحکم اور بہ مرضی

پیغمبر ﷺ کی رفاقت کے لیے آمادہ نہ ہوتا تو وہ اس گروہ میں شامل ہوتا جو درِ دولت پر قتل کے واسطے گیا تھا یا بلا اطلاع بلا خبر راہ روک کر کھڑا ہو جاتا۔

جو کچھ ہم نے اب تک لکھا یہ بہ تسلیم روایات شیعہ کے لکھا اور اس سے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صدیقیت کو ثابت کیا لیکن اب ہم اپنے دعوے کو عقلی دلائل سے قطع نظر کر کے نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور حضرات امامیہ کی معتبر کتابوں سے ان کے اعتراض کو رد کرتے ہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ساتھ ہونا بوحی الٰہی و بہ مرضی رسالت پناہی ثابت کرتے ہیں۔

مفسر کاشانی جو علمائے اعلام شیعہ سے ہیں تفسیر "خُلاصَةُ الْمَنْهَجْ "میں تحریر فرماتے ہیں:

((امیر المومنین رابر جائے خود خوابانید و خود از خانہ ابوبکر برفاقت اودر هماں شب بیرون آمدہ بایں غار متوجہ شد.))

"یعنی امیر المومنینؓ کو تو اپنی جگہ بستر پر سلا دیا اور ابوبکرؓ کی رفاقت میں ان کے گھر سے نکل کر اسی رات غار کی طرف متوجہ ہوئے۔"

پس حضرات امامیہ اس مفسر کی تفسیر کے لفظوں کو کہ ((خود از خانہ ابوبکر برفاقت اودر هماں شب بیرون آمدہ)) ملا شوستری کے اس مضمون سے کہ ((ابوبکر از منافقین بود وبرخلاف امر مقدس نبوی ﷺ دراثنائے راہ ایستاد و حضرت ﷺ بعد زجر شدید اور اهمراہ گرفت))(یعنی ابوبکر منافق تھے جو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف درمیان راہ کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے سخت تہدید کے بعد ان کو ہمراہ لے لیا) ملائیں اور خود ہی تصفیہ کریں کہ ان میں کون سچا ہے اگر ایک روایت پر حضرات امامیہ کی خاطر جمع نہ ہو اور اس کو قبول نہ کریں تو دوسری روایت سنیں اور کسی عالم اور مجتہد کی نہ سنیں بلکہ خاص امام کی، وھو ھذا.

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں سورۂ بقرہ میں لکھا ہے کہ [1] جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ اللہ جل شانہ، آپؐ کو سلام کہتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ قریش خصوصاً ابوجہل نے آپؐ کے قتل کی تدبیر مصمم کی ہے اس لیے آپ کو چاہیے کہ علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ پر چھوڑ دیجیے کہ وہ مثل اسمٰعیلؑ کے جاں نثار کرے گا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا رفیق کیجیے کہ اگر وہ موانست کرے اور اپنے عہد پر قائم رہے تو جنت میں بلکہ اعلیٰ علیین میں آپ کا رفیق ہوگا۔ تب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حال کہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مارے جانے پر راضی ہوئے، بعدہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تو راضی ہے کہ اس سفر میں میرے ہمراہ ہو اور کفار قریش جس طرح پر مجھے قتل کے لیے تلاش کریں اسی طرح تیرے قتل کے درپے ہوں اور یہ بھی مشہور ہو کہ تو نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا اور میری رفاقت کے سبب سے تجھ پر طرح طرح کے عذاب پہنچیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر تیری محبت میں سخت ترین بلاؤں میں گرفتار ہوں اور قیامت تک ان میں پڑا رہوں تو بھی میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ تجھ کو چھوڑ کر دنیا

---

[1] اگر ہم اصل عبارت اس تفسیر کی نہ لکھیں تو کبھی کسی کو یقین نہ ہووے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر میں جو موافق روایات شیعہ کے ہے ایسی روایات لکھی ہوگی، اس لیے بجنسہٖ اس کی عبارت کو منتہی الکلام سے نقل کرتے ہیں:
ان اللّٰہ تعالیٰ اوحی الیہ یا محمد ان العلی الا علیٰ یقرء علیك السلام یقول لك ان ابا جھل والملام من قریش قد بروا علیك قتلك الیٰ ان قال وامرك ان تصتحب ابا بكر فانہ ان انسك و ساعدك وارزرك وثبت علی تعا ھدك وتعافدك كان فی الجنۃ من رفقائك و فی غرفا تھا من خلصائك الیٰ ان قال قال رسول اللہ صلی اللہ ابی بكر ارضیت ان تكون معی یا ابابكر تطلب كما اطلب و تعرف بانك انت الذی تحلمنی علی ما ادعیہ فتحمل علی انواع العذاب قال ابوبكر یارسول اللہؐ اما انا لوعشت عمر الدنیا او عذب جمیعاً اشد عذاب لاینزل علی موت مریح ولا فرح و كان ذالك فی مجبتك لكان ذالك اشنعم فیھا وانا مالك لجمیع ممالیك ملوكھا فی مخالفتك وھل انا ومالی وولدی الا فدائك فقال رسول اللہ صلی اللہ لاجرم ان اطلع اللہ علی قلبك ووجد ما فیہ موافقا لماجری علی لسانك، جعلك بمنزلۃ السمع والبصر والرأس من الجسد وبمنزلۃ الروح من البدن كعلی الذی ھومنی كذالك وعلی فوق ذلك لزیادۃ فضائلہ وشرف خصالہ، یا ابابكر ان من عاھد اللہ ثم لم ینكث ولم بغیر ولم یحسد من فد ابانہ اللہ علی التفصیل وھو معنافی الرفیق الاعلیٰ ۱۲۔

کی سلطنت قبول کروں، میری جان، میرا مال، میرے اہل و عیال لڑکے بالے سب آپؐ پر قربان ہیں، آپؐ کو چھوڑ کر کہاں رہوں گا۔شعر

کف پا بہر زمینے کہ رسد تو نازنیں را

بلب خیال بوسم ہمہ عمرآں زمیں را

''یعنی تجھ جیسے محبوب کے قدم جس زمین پر پڑ جائیں تو ساری عمر اس زمین کو ہونٹ سمجھ کر چومتا رہوں۔''

یہ سن کر پیغمبر خداﷺ نے فرمایا کہ اگر تیری زبان تیرے دل کے موافق ہے تو بالیقین خدائے تعالیٰ تجھ کو میرے سمع و بصر (کان، آنکھ) کے درجے میں کرے گا اور تجھ کو میرے ساتھ وہ نسبت ہوگی جو کہ سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے۔

اس روایت کو دیکھ کر ہم نہیں جانتے کہ پھر کیوں کر شیعوں کی زبان سے یہ بات نکلے گی کہ بلا اجازت پیغمبر خداؐ کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے، اس لیے کہ خود امام حسن عسکری علیہ السلام تصدیق کرتے ہیں کہ پیغمبر خداؐ نے بحکم اور بوحی الٰہی ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ لیا تھا اور جو کچھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغمبر خداﷺ سے کہا اور جو کچھ حضرت نے ان کی نسبت فرمایا اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغمبر خداﷺ سے کیسی محبت تھی اور پیغمبر خداؐ کو بھی ان پر کیسی شفقت تھی کہ ان کو اپنی سمع و بصر (کان، آنکھ) جان اور دل سے تشبیہ دیتے تھے...... جاننا چاہیے کہ اس حدیث کو جب تفسیر امام حسن عسکری سے نکال کر مولوی حیدر علی صاحب [1] نے جواب میں سبحان علی خان صاحب کے لکھا تھا تو

[1] مولوی حافظ حیدر علی فیض آبادی بن محمد حسن فیض آباد (یوپی) میں پیدا ہوئے اور وہیں کے بعض علماء شیعہ، مثلاً مولوی نجف علی، مرزا فتح علی، اور حکیم میر نواب سے تحصیل علم کی، بعدہ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ، شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ، اور مولانا رشید الدین خان صاحب دہلویؒ سے فیض حاصل کیا۔علم مناظرہ اور علم کلام میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام رکھتے تھے، کتب شیعہ پر گہری نظر تھی۔آپ کے زمانے میں علامہ حکیم سبحان علی خان (م ۱۲۶۸ھ) شیعہ رکن سلطنت نے ایک نہایت سخت تبرائی کتاب فارسی میں لکھی تھی جس کے جواب میں مولانا نے ایک نہایت مدلل اور معرکۃ آلاراء کتاب ''منتہی الکلام'' کے نام ⇦⇦⇦

خان صاحب کے ہوش وحواس جاتے رہے اور مضطر ہو گئے۔ اور حقیقت میں ہوش وحواس جانے کا مقام تھا، اس لیے کہ جب امام کے قول سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بوحی الٰہی حضرت کے ساتھ ہجرت کرنا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سمع و بصر سے تشبیہ دینا ثابت ہوا تو پھر بطلانِ عقائد امامیہ میں کون سا شبہ باقی رہا اور منشی سبحان علی خان صاحب نے اس روایت کو دیکھ کر جو خط مولوی نور الدین صاحب شہید ثالث کے نور العین کے نام لکھا ہے اور ''رسالۃ المکاتیب'' نے ''روایۃ الثعالیب والغرابیت'' مطبوعہ ۱۲۶۸ء کے صفحہ ۱۸۹، سطر ۹/ میں بلفظہٖ نقل کیا ہے، ملاحظہ کے قابل ہے، ہم بھی شائقین کے دیکھنے کے لیے اس عبارت کو بلفظہٖ نقل کرتے ہیں، وھو ھذہ۔

((لکن اشکال همیں ست که ناصب احادیث طریقۂ امامیه را التقاط کرده بالفعل پنج جزوبغلط از کتاب ابرام بصارت العین باچه نام دارد فرستاده دراں حدثیے مبسوط از تفسیر منسوب به حضرت امام حسن عسکری علیه السلام بقصّه هجرت درمدح ابوبکرؓ نقل کرده، پس اگر تالیفش و تالیف بنده بدست کسی از متمذهبین بمذ هبے غیر اسلام افتد واحسزتا وواسفاه، یعنی معاذ الله حکم یتعارضا وتسا قطاکند، مدبر عالم جلت قدرته، زمان ظهور صاحب

⇦⇦⇦ سے لکھی جس نے مخالفین علماء کے جسم میں لرزہ ڈال دیا اور ہندوستان سے ایران تک تمام مجتہدین اس کتاب کے جواب سے عاجز رہے۔ آخر میں مولوی حامد حسین لکھنوی مجتہد شیعہ (م ۱۳۰۶ء) نے بزعم خود مُنتھی الکَلَام کے جواب میں ایک ضخیم کتاب لکھ ڈالی جس کا نام ''اِستِقصَاءُ الاَفحام'' رکھا مگر حقیقت یہ ہے کہ مُنتھی الکَلَام کے درمیانی چونتیس صفحات ہی کا یہ جواب ہے بقیہ شروع کے پانچ سو صفحات اور آخر کے کسی سو صفحات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مولانا حیدر علی فیض آبادیؒ نے ردِ شیعہ میں اور بھی کئی معرکۃ الآراء کتابیں لکھیں جن میں ازالة الغین عن بصارة العین (سہ جلد) نکاح ام کلثوم...... عمن اخراج اهل بيت الفاطمة وغیرہ زیادہ مشہور ہوئیں ۱۸۸۱ء میں آپ کی حیدر آباد میں وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (شیخ محمد فراست)

الامر والزمانؑ زود برساندتا ایں اختلاف از میاں برخیزد۔))

"لیکن ایک مشکل یہ ہے کہ ایک ناصبی نے طریق امامیہ سے حدیث حاصل کر کے پانچ جز کی ایک کتاب موسوم "ابرام بصارت العین" مرتب کر کے ہمیں روانہ کی ہے اوراس میں ایک لمبی حدیث امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر سے منسوب کر کے نقل کی ہے جو ہجرت کے واقعہ میں ابوبکرؓ کی مدح وتعریف کی بابت ہے۔ پس اگر ان کی کتاب اور بندہ کی تالیف کسی غیر مسلم کے ہاتھ لگ جائے تو ہائے حسرت اور ہائے افسوس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس پر تعارضاً تساقطاً کا حکم لگا دے گا (دو باتوں میں جب تعارض ہو جائے تو دونوں ساقط الاعتبار ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ امام کو جلد ظاہر کر دے تا کہ یہ باہمی اختلاف دور ہو سکے)۔"

غرض کہ منشی صاحب ہزار واحسرتاہ اور واویلاہ مچائیں اور ہر چند امام صاحب الامر کے ظہور کی دعا کریں مگر امام حسن عسکری علیہ السلام کی تکذیب نہیں کر سکتے اور جو فضائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے امام کے قول سے ثابت ہوئے ان کو باطل نہیں کر سکتے۔

اے بھائیو! ذرا سوچو کہ جب امام صاحبؒ یہ فرمائیں کہ بوحی الٰہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراہ لیا اور پھر ملا نور اللہ شوستری وغیرہ معاندین یہ کہیں کہ ابوبکرؓ راہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے تو اب ہم امام کے قول کی تصدیق کریں یا مُلّا نور اللہ شوستری کی بات سنیں...... حقیقت تو یہ ہے ملا شوستری نے ظاہر میں دعویٰ تو محبت ائمہ کا کیا لیکن باطن میں ان کو جھوٹا بنایا اور تشیع کے پردے میں ایمان اور اسلام کو داغ لگایا۔ شعر

دامن فشاں گزشت و او را بہانہ ساخت
خاکم بباد داد و صبا را بہانہ ساخت

"دامن جھاڑ کر نکل گئے اور اس کو بہانہ بنا دیا، خاک خود اڑائی اور صبا (ہوا) پر الزام رکھ دیا۔"

اس تفسیر کی روایت سے اگر سیری نہ ہو اور فارسی اردو پڑھنے والے کو اس تفسیر کا ملنا دشوار ہو تو ایسی کتاب کی روایت سنیں جو ہر جگہ مل سکتی ہے اور جس کا مؤلف بڑا غالی مشہور شیعہ ہے اسی کو دیکھ کر ذرا غیرت پکڑیں اور تعجب کریں کہ پیغمبر ﷺ کے یارِ غارؓ کی صدیقیت باوجود ایسے تعصب وعناد کے انہیں کے مجتہدین وعلماء کے اقرار سے ثابت ہوتی ہے اور ان کے بغض کی بیماری کی دوا انہیں کے نسخوں سے نکل آتی ہے اس پر بھی اگر دوا نہ کریں اور خود ہلاک ہونا چاہیں تو اختیار ہے......اب اس روایت کو سننا چاہیے جو حملہ حیدریہ میں مذکور ہے۔ نظم

چنیں [1] گفت راوی کہ سالار دیں
چو سالم بحفظ جہاں آفریں
زنزدیك آں قوم پُر مکر رفت
بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پے ھجرت او نیز آمادہ بود
کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بردرخانہ اش چوں رسید
بگوشش ندائے سفر در کشید
چوں بوبکرزاں حال آگاہ شد
زخانہ بروں رفت و ھمراہ شد
گرفتند پس راہِ یثرب بہ پیش
نبیؐ کند نعلین از پائے خویش
بسر پنجہ آں راہ رفتن گرفت
پئے خودز دشمن نہفتن گرفت

---

[1] حملہ حیدری جلد اوّل مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ء ہجری صفحہ ۴۷ از سطر ۱۶ تا بسطر ۲ صفحہ ۴۸۔ ۱۲ منہ۔

برفتند چندی زدامانِ دشت
قدوم فلک سای مجروح گشت
ابوبکرؓ آنگہ بدوشش گرفت
ولے زیں حدیث ست جائے شگفت
کہ در کس چناں قوت آید پدید
کہ بارِ نبوت تو اندکشید
برفتند القصہ چندے دگر
چوں گردید پیدا نشانِ سحر
بجستند جائیکہ باشد پناہ
زچشم کساں دور یکسوز راہ
بدیدند غارے دراں تیرہ شب
کہ خواندی عرب غار ثورش لقب
گرفتند در جوف آں غار جائے
ولے پیش بنہاد بوبکر پائے
بھر جا کہ سوراخ یار خنہ دید
قبارا بدیدوآں رابچید
بدیں گونہ تاشد تمام آں قبا
یکے رخنہ نگرفتہ ماند از قضا
براں رخنہ گویندآں یار غار
کف پائے خودرا نمود استوار
نیا مدجز او ایں شگرف از کسے
کہ دور از خردمی نماید بسے

بــغــار انــدرون درشب تیره فـام
چــنــان دید سـورا خـھـارا تـمـام
دران تیـره شب یك بیك چون شمرد
یـکـے کـامـدافـزون بـروپا فشـرد
نیــامـدچـنـیں کــارے از غیر او
بـدینسان چون پر داخت از رفت ورو
در آمـد رسـول خـدا هـم بـغـار
نشستـنـد یـکـجـا بهم هـر دو یـار

”راوی اس طرح کہتا ہے کہ سرورِ دین ﷺ خدا کی حفاظت میں جب صحیح و سالم اس مکار اور فریبی قوم کے پاس سے ہو کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف گئے تو ہجرت کے لیے وہ بھی تیار ہی تھے، کیونکہ رسول ﷺ نے ان کو پہلے ہی اطلاع کر دی تھی۔ نبی ﷺ جب ان کے گھر پہنچے تو ان کو سفر کے لیے چپکے سے بتایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس (حالت) سفر کا علم ہوا، گھر سے نکل کر آپ ﷺ کے ہمراہ ہو گئے اور مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ نبی ﷺ نے اپنے نعلین از پائے مبارک بھی اتار دیے دشمن سے چھپنے کی خاطر پنجوں کے بل چلنا شروع کیا۔ صحرا میں اس طرح (ننگے پیر) چلنے سے آپ ﷺ کے قدم مبارک زخمی ہو گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت آپ ﷺ کو اپنے کاندھے پر اٹھا لیا لیکن یہ بات محل اعتراض ہے کہ کسی شخص میں ایسی قوت کیسے آ گئی کہ وہ نبوت کا بوجھ اٹھا سکے۔ بہرحال تھوڑی دیر اور چلے جب صبح کے آثار ظاہر ہونے لگے تو ایک ایسی جگہ تلاش کی جو لوگوں کی نظروں سے دور اور راستے سے ہٹ کر جائے پناہ بن سکے۔ اس اندھیری رات میں ایک غار دکھائی دیا جس کو عرب غارِ ثور کہتے ہیں۔ اس غار کو اپنی پناہ گاہ بنا لیا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے اس میں قدم رکھے جہاں

کوئی سوراخ دکھائی پڑا اپنی چادر کو پھاڑ کر اس کو بند کر دیا۔ اس طرح وہ پوری چادر ختم ہو گئی، البتہ ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ کہتے ہیں کہ اس سوراخ پر یارِ غار نے اپنا پیر رکھ لیا لیکن یہ ایک عجوبہ ہے جو عقل وخرد سے بہت دور معلوم ہوتا ہے کہ غار کے اندر اندھیری رات میں سارے سوراخ کیسے دیکھ لیے اس تاریک رات میں ایک ایک (سوراخ) جب گن لیے ایک رہ گیا جس پر اپنا پیر لگا دیا یہ کام ان کے سوا کسی اور سے نہیں ہوسکتا۔ رسول خدا ﷺ بھی غار میں آ گئے اور دونوں ساتھی اس میں اقامت پذیر ہوئے۔''

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور ان کو ہمراہ لیا اور جو کچھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمتیں کیں، یعنی پیغمبر خدا ﷺ کو دوش پر چڑھانا اور غار میں اوّل جانا اور اس کو صاف کرنا اور قبا کو چاک کر کے سوراخوں کو بند کرنا اور باقی ماندہ سوراخ کو اپنے کف پا سے مسدود کرنا وہ عشق ومحبت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ نفاق وعداوت پر...... اگر یہ خدمتیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شب ہجرت میں کیں نفاق کی نشانیاں ہیں تو معلوم نہیں کہ محبت اور عشق کی علامتیں کیا ہیں۔

یہ بات بھی لکھنے کے لائق ہے کہ بعض شیعوں نے جو یہ دعویٰ کیا ہے پیغمبر خدا ﷺ نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو منع کیا تھا کہ اپنے گھروں سے نہ نکلنا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر ﷺ کے حکم کے خلاف کیا، وہ بالکل غلط ہے، اس لیے کہ خود ان کے مؤرخین اقرار کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہلے سے روانہ کر دیا تھا اور صرف دو شخصوں کو روک لیا، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہ ان کو اپنی جگہ پر سلایا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہ ان کو اپنے ساتھ لیا...... پس کون سا اصحاب میں سے باقی رہ گیا تھا جس کو پیغمبر خدا ﷺ نے شب ہجرت میں باہر نکلنے سے منع کر دیا تھا اور جن کی نسبت یہ ارشاد کیا ہو:

((نه من امر خدا به شما رساندم که از خانه خودها بیرون میائید تو چیرا مخالفت امر الٰهی کر دی.))

"یعنی میں نے تم کو حکم الٰہی پہنچا دیا تھا کہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلنا۔تو نے حکم الٰہی کی مخالفت کیوں کی؟"

اور یہ امر کہ سب اصحاب پہلے سے ہجرت کر گئے تھے اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رہ گئے تھے باقرار مؤرخین شیعہ ثابت ہے۔ چنانچہ "حملۂ حیدریہ" میں لکھا ہے:

حبیب خدا چون بدبد آں ستم
چنیں داد فرمان زلطف و کرم
که اصحاب هجرت به یثرب کنند
نهاں یکیك از چشم اعدا روند
نهادند یاراں بفرمان قدم
برفتند پنهاں بدنبال هم
بدینگو نه رفتند یاراں تمام
علیؓ ماندو ابوبکرؓ وخیر الانامؐ

"اللہ کے حبیب نے جب یہ ظلم وستم دیکھا تو ازراہِ لطف وکرم یہ حکم دے دیا کہ سارے صحابہؓ دشمنوں کی نظروں سے چھپ کر مدینہ ہجرت کر جائیں۔ یارانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم کے مطابق چھپ چھپا کر چلے گئے اس طرح اصحاب رسول سب چلے گئے علی،ابوبکر رضی اللہ عنہما اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رہ گئے۔"

ثابت ہوا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے باجازت وبحکم الٰہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حق رفاقت اچھی طرح پر ادا کیا۔

دوسرا اعتراض دوسری فضیلت پر:

دوسری فضیلت میں ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق نہ ہوتے اور اپنی جان و مال کو حضرتؐ پر نثار کرنے کو راضی نہ ہوتے تو ایسی مصیبت کے سفر میں کبھی شریک نہ ہوتے۔

اس پر علمائے شیعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیت سفر میں اچھی نہ تھی۔
چنانچہ مجتہد صاحب ذوالفقار میں لکھتے ہیں:

((ہم چنیں باتفاق فریقین شرط ترتب ثواب بر ھجرت صحت نیت ست الیٰ قولہ پس مادا میکہ مارا علم بہ صحت نیت ابوبکرؓ بہ ثبوت نہ رسددخول اور ادر مدلول ایں آیۃ متیقن نمی شود و تامتیقن نہ شود احتجاج بایں آیۃ بر علو مرتبت اونمی تواندشد۔))

''یعنی بالاتفاق فریقین ہجرت پر ثواب مرتب ہونے کی شرط نیت صحیح ہونا ہے ......پس جب تک ہم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیت کی صحت کا حال نہ معلوم ہوجائے ان کا اس آیت کی فضیلت میں داخل ہونا یقینی نہیں اور جب یہ یقین نہیں تو اس آیت سے ان کی فضیلت پر دلیل نہیں دی جاسکتی۔''

اور قاضی صاحب ''اِحْقَاقُ الْحَقْ''میں فرماتے ہیں:

((وَقَدْ ظَهَرَ مِنْ جَزْعِهٖ وَ بُكَائِهٖ مَا يَكُوْنُ مِنْ مِثْلِهٖ فَسَادُ الْحَالِ فِيْ الْاِخْتِفَا اِلیٰ قولہ فَاَفْضَلِيَّتُهٗ فِی الْغَارِ يُفْتَخَرُ بِهَا لِاَ بِیْ بَكْرٍ لَوْلَا الْمُكَابِرَةُ وَاللَّدَادُ۔))

''یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جزع و بکاء سے ثابت ہوا کہ ان کا (اندرونی) حال اچھا نہ تھا اور نیت ان کی درست نہ تھی۔''

اس اعتراض کا جواب خود امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر سے اوپر مذکور ہو چکا کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

((اَرَضِيْتَ اَنْ تَكُوْنَ مَعِيَ يَا اَبَابَكْرٍ تُطْلَبُ كَمَا اُطْلَبُ الی قولہ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَّا اَنَا لَوْ عِشْتُ عُمْرَ الدُّنْيَا اُعَذَّبُ جَمِيْعًا اَشَدَّ الْعَذَابِ...... الخ۔))

''اے ابوبکر! تم میرے ساتھ اس شرط پر چلنے کو راضی ہو کہ جیسے مجھے تلاش کیا جائے اسی طرح تم کو بھی ڈھونڈا جائے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپؐ کی رفاقت میں اگر مجھے قیامت تک سخت سے سخت عذاب ہو تو بھی منظور ہے۔''

پس اس جواب سے کیا ثابت ہوتا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نیک نیت ہونا یا بدنیت ہونا؟ اور چونکہ نیت کا حال افعال اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہے اور حرکات وجوارح سے دل کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، پس جو کام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شب ہجرت کو کیے وہ ان کی نیک نیتی پر شاہد ہیں یا ان کی بدنیتی پر۔

تیسرا اعتراض تیسری فضیلت پر:

تیسری فضیلت میں ہم نے بیان کیا ہے کہ گھر سے نکلنے کے وقت سے مدینے میں پہنچنے تک جو باتیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیں وہ ان کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت پر دلالت کرتی ہیں...... حضراتِ شیعہ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حرکتیں ان کے نفاق اور عداوت پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے ہم ان کی ان خدمتوں کو جو شب ہجرت میں انہوں نے کیں بیان کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ جو کام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیے وہ سوائے عاشق صادق کے کسی دوسرے سے ہو نہیں سکتے۔''

اول: ...... جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چلے تب راہ میں ادھر ادھر نظر کرتے جاتے تھے، حضرتؐ نے پوچھا اے ابوبکر! کیا تیرا حال ہے؟ تب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! میرا مطلب صرف آپؐ کی حفاظت ہے...... چنانچہ صاحب مُنْتَهٰی الْکَلام رِیَاضُ النَّظْرَۃْ سے اس کا خلاصہ ان لفظوں میں لکھتے ہیں:

((چون صدیق همراه آنحضرتؐ بارشاد شریف متوجه غار شد گاهے پیش می رفت و گاهے در عقب و زمانے به جانب راست توجه می کرد و ساعتے به طرف چپ قطع راه می نمود، حضرت پُرسید که اے ابوبکرؓ گاهے تراچنیں ندیده

بـودم چه افتاد که در رفتن راه اختلاف می کنی ، عرض کرد
کـه مقصود من نگاهبانی حضرتؐ ازشرِ دشمنان است مبادا که
ازیں جهات درر سند و حضرتؐ را ازراه تا غار بردوش برد .))

''جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے غار (ثور) کی طرف چلے تو کبھی آگے چلتے اور کبھی پیچھے، کسی وقت داہنی جانب چلتے تو کبھی بائیں جانب مڑ جاتے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابوبکر! تم کو ایسا کرتے کبھی نہ دیکھا تھا، کیا ہوا کہ راستہ چلنے میں ادھر ادھر کر رہے ہو، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا مقصد حضرتؐ کی حفاظت ہے کہ کہیں دشمن ان جہتوں سے آکر حضرتؐ کو تکلیف پہنچائیں۔ (چنانچہ) حضرت کو غار تک اپنے کندھے پر لے گئے۔''

دوسری:...... جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک کے تھکنے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو بغیر اس کے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کہا ہو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرتؐ کو اپنے دوش پر چڑھایا اور غار تک پہنچایا۔ پس زہے نصیب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جن کے دوش پر شاہؐ نبوت نے قدم رکھا، چنانچہ اس امر کو ہم اوپر ''حملہ حیدریہ'' سے ثابت کر آئے ہیں۔

تیسری:...... جب غار کے کنارے پر پہنچے تب پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں گئے اور اسے صاف کیا اور سوراخوں کو بند کیا تب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور اپنے زانو پر سلایا۔ اس کو بھی ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں اور قاضی نور اللہ شوستری [1] بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلے غار میں جانے کو تصدیق کرتے ہیں۔

چوتھی:...... ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس پاؤں میں جو بند کرنے کے لیے سوراخ پر رکھا تھا سانپ نے کاٹا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی۔

پانچویں:...... جب تک غار میں رہے تب تک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر سے ان کا لڑکا

---

[1] کما قال ان قوله تعالیٰ ثانی اثنین بیان حال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم باعتبار دخوله فی الغار ثانیاً و دخول ابی بکر اولاً کما نقل فی السیر ۱۲۔احقاق الحق۔

کھانا پہنچاتا رہا اور پیغمبر ﷺ کو کھلاتا رہا۔

چھٹی:...... دو اونٹنیاں پیغمبر خدا ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے منگائیں اور اس نے حاضر کر دیں، ایک پر آپ ﷺ سوار ہوئے اور اپنے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور دوسرے پر عامر جو کہ شبان بیت الحرام تھا اور شتر بان، سوار ہوا، چنانچہ سب باتوں کو جس طرح پر صاحب ''حملۂ حیدریہ'' نے بیان کیا ہے، اس کو ہم لکھتے ہیں۔

امر چہارم کے ثبوت میں:

چوں [1] شد کار پرداختہ آں چناں
رسیدند کفار باپے بران
دراندم کف پائے آں یار غار
کہ برروی سوراخ بوداستوار
رسیدش زدندان مارے گزند
وزاں درد افغان وشد بلند
پیمبر باو گفت آہستہ باش
رسیدند اعدا مکن راز فاش
مخور غم مگرداں صدارا بلند
کہ از زخم افعی نیابے گزند

''جب سب کام اس طرح ہو چکا تو کفار نقوشِ قدم تلاش کرتے ہوئے پہنچے اس وقت یار غار (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کا جو پیر سوراخ پر تھا ایک سانپ نے اس میں ڈس لیا، اس کی درد سے آپ کی آواز بلند ہو گئی، پیغمبر ﷺ نے ان سے کہا کہ چپ رہو دشمن پہنچ چکے ہیں راز فاش نہ کرو غم نہ کرو اور آواز بلند نہ کرو کہ سانپ کے زخم سے تم کو تکلیف نہیں ہوگی۔''

[1] حملہ حیدری، اوّل صفحہ ۴۸ سطر ۵......۱۲ منہ۔

امر پنجم کے ثبوت میں:

بغار [1] اندروں تا سہ روز و سہ شب
بسر برد آں شہ بفرفانِ رب
شدی پور بوبکر ہنگام شام
بہ بردی دراں دراں غار آب و طعام
نمودی ہم از حال اصحاب شر
حبیب خدای جہان راخبر

''اس غار میں تین دن اور تین رات آپ ﷺ بحکم الٰہی اقامت گزیں رہے، ابوبکرؓ کے بیٹے شام کے وقت اس غار میں کھانا پانی پہنچا دیتے، نیز شر پسندوں (کافروں) کا حال حبیب خدا ﷺ کو بتلا دیا کرتے۔''

امر ششم کے ثبوت میں [2]:

نبی [3] گفت پس پور بوبکر را
کہ [4] اے چوں پدر اہل صدق و صفا
دو جمازہ با یدکنوں راہ وار
کہ مارا رساند بہ یثرب دیار
برفت از برش پور بوبکر زود
بدنبال کاری کہ فرمودہ بود

---

[1] حملہ حیدری صفحہ ۴۰ سطر ۲۰۔ ۱۲ منہ۔
[2] چوتھی، پانچویں اور چھٹی فضیلت کے اعتراضوں کو ہم اور فضیلتوں کے اعتراضات کے ضمن میں بیان کریں گے۔ ۱۲۔منہ
[3] ایضاً صفحہ ۴۸ سطر ۲۴۔
[4] حضرات شیعہ کو اس مصرعہ پر غور کرنا چاہیے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت اور صفائی کو کس صفائی سے بیان فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

هم از اهل دین بدیکی جمله دار
بروکرد رازے نبی آشکار
بگفتش فلان روز وقت سحر
دو جمازه بهر پیمبر ببر
ازو جمله دار این سخن چون شنود
دو جمازه دردم مهیا نمود
تهی شد ازاں قوم آں کوه دشت
رسولِ خدا عازمِ راه گشت
بصبح چهارم برآمد زغار
دو جمازه آور ده بُد جمله دار
نشست از بر یك شتر شاه دین
ابوبکر راکرد با خود قرین
برآمد برآن دیگرے جمله دار
بهمراه اوگشت عامر سوار

”نبی ﷺ نے فرزند ابوبکرؓ سے کہا کہ اے باپ کی طرح سچے اور وفا شعار! اب دو اونٹوں کی سواری کے لیے ضرورت ہے، جو ہم کو مدینے تک پہنچا دیں۔ ابوبکرؓ کے فرزند اپنے کام کو پورا کرنے کی خاطر جلدی سے گئے، ایمان والوں میں ایک شتربان تھے، ان سے نبی ﷺ کا راز بتایا اور ان سے کہا کہ فلاں صبح کے وقت حضور ﷺ کے لیے دو اونٹ لے جاؤ۔ شتربان نے جب ان کی یہ بات سنی تو فوراً دو اونٹ تیار کر دیے۔ جب وہ علاقہ (صحرا) اس قوم سے خالی ہوگیا (راستہ صاف ہوگیا) تو رسول خدا ﷺ عازمِ راہ ہوئے، چوتھے دن صبح غار سے نکلے شتربان دو اونٹ لا چکا تھا، ایک اونٹ پر شاہِ دین (حضور ﷺ)

بیٹھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ہی بٹھایا، دوسرے اونٹ پر شتربان عامر سوار ہو کر ان کے ساتھ چل پڑے۔“

ساتواں اعتراض ساتویں فضیلت پر:

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ لصاحبہ کے لفظ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبیت ثابت ہوتی ہے اور یہ رتبہ کسی کو ان کے سوا نصیب نہیں ہوا کہ خدا نے کسی کی صحابیت کو تخصیص کر کے بیان فرمایا ہو......اس پر علماء شیعہ چند طرح سے اعتراض کرتے ہیں:

ا۔ اس طرح پر کہ لفظ صاحب سے مراد ہمراہ کی ہے، اس سے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ اللہ جل شانہ نے اپنے کلام میں کافر کو مومن کا صاحب بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتا ہے ﴿فَقَالَ لِصَاحِبِه وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ﴾ اور دوسری جگہ فرماتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رفیقوں سے جو قید میں تھے اور کافر تھے فرمایا ﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ﴾ پس اس صاحب کے لفظ سے فضیلت بہ یک طرف اسلام کا بھی ثبوت نہیں ہوسکتا اور صحابیت اصطلاحی کے لیے ایمان کا ہونا ضروری ہے اور وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہی نہ تھا۔ پس وہ فضیلت جو اس لفظ سے ظاہر ہوتی ہے ان کی نسبت ثابت نہیں ہوسکتی...... چنانچہ آیت اوّل کا جواب یہ ہے کہ بے شک آیت ﴿فَقَالَ لِصَاحِبِه وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ﴾ میں اللہ جل شانہ نے کافر کو مومن کا صاحب فرمایا ہے مگر اسی وقت اس کی اہانت بھی بیان کر دی اور اس کا کفر ظاہر کر دیا اور کہہ دیا کہ ﴿اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ﴾ اور یہاں اور یہاں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو صاحب بیان کیا تو اس کے ساتھ وہ کلمہ ہے جو محبت اور تسلی پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کہ غمگین نہ ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پس دونوں میں کیا مناسبت ہے...... اور دوسری آیت کا یہ جواب ہے کہ ﴿صَاحِبَيِ السِّجْنِ﴾ میں صاحب کا لفظ مضاف سجن کی طرف ہے نہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف اور اس آیت میں صاحب کا لفظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف ہے...... رہا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا وہ بہ روایاتِ معتبرہ امامیہ کے ثابت ہے۔ چنانچہ مجالس المؤمنین [1] میں قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے:

((خالد بن سعیدؓ از سابقین اولین بوده اسلام او مقدم بر اسلام ابوبکرؓ، بلکه ابوبکرؓ به برکت خوابے که اودیده بود مسلمان شده بود، بالجمله سبب اسلام خالد آں بود که در خواب دیده بود که برکنار آتشے افروخته ایستاده است و پدر اُومی خواهد که اورا در آتش اندازد که ناگاه رسالت پناه گریبان او گرفته بجانب خود کشید و باوگفت که بجانب من بیاتا بآتش نیفتی، خالدؓ ازیں خواب خوفناك بیدار شدو قسم یاد کرد که ایں خواب میں صحیح ست و آنگاه متوجه خدمت حضرت رسالتؐ گردید، درراه ابوبکرؓ باو ملاقات نمود واز حال اُوپُرسید، خالدؓ صورت واقعه رابا وبیان نمود، ابوبکر نیز باو موافقت کرد و بخدمت آنحضرتؐ آمد ندو بشرفِ اسلام فائز گردیدند.))

"یعنی خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ کے خواب دیکھنے کی برکت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی اسلام آوری کا قصہ یہ ہے کہ انہوں نے خود کو خواب میں جلتی ہوئی آگ کے کنارے کھڑا دیکھا اور ان کے والد انہیں آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک ان کا گریبان پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور فرمایا کہ میری طرف آجاؤ تا کہ آگ میں نہ گر پڑو، خالدؓ اس خوف ناک خواب سے بیدار ہوئے اور قسم کھا کر کہا کہ میرا

---

[1] ترجمہ اردو مجالس المؤمنین، از قاضی نور اللہ شوستری صفحہ ۳۸۴ طبع کراچی ۱۲۔

خواب سچا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے لگے، بر سر راہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مل کر حالات پوچھے، خالدؓ نے خواب کا ماجرا بیان کیا، اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ ہو لیے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر دونوں اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے۔''

اس روایت کے دیکھنے والے انصاف کر سکتے ہیں کہ جو شخص اسلام کی سچائی پر بالہام غیبی ایمان لایا ہو اور جس کو خدا نے رویائے صادقہ کے ذریعہ سے ایمان پر راغب کیا ہو اس کی نسبت کس کی زبان سے نکل سکتا ہے کہ وہ ایمان سے بے بہرہ تھا...... برائے خدا کوئی قاضی نور اللہ شوستری کے اس فقرہ کو کہ ''ابوبکرؓ بہ برکت خوابے کہ او دیدہ بود مسلمان شدہ بود'' (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خواب کی برکت سے مسلمان ہوئے جو انہوں نے دیکھا تھا) مجتہد صاحب [1]

---

[1] مجتہد سے مراد مولوی سید دلدار علی نصیر آبادی ہیں، والد کا نام سید محمد معین ہے، رائے بریلی کے قریب نصیر آباد (جائس) میں ۱۱۶۶ء مطابق ۱۷۵۳ء کو پیدا ہوئے، وطن میں گھریلو تعلیم حاصل کرنے کے بعد متوسطات پڑھنے رائے بریلی والہ آباد گئے۔ رائے بریلی میں مولوی باب اللہ سے، الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے اور لکھنؤ کے قریب سندیلہ میں مولانا حیدر علی سندیلوی ابن ملا حمد اللہ سے منقولات و معقولات کا درس لیا۔ ہندوستان میں تکمیل و تحصیل کے بعد حکومت وقت کے خرچ پر عراق و ایران گئے اور وہاں ملا سید محمد باقر بہبہانی (متوفی ۱۲۰۸ھ) سید مہدی طباطبائی (متوفی ۱۲۱۲ھ) کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا۔ مولانا دل دار علی نجف و کربلا و سامرا کے ان اساتذہ سے اجازات لے کر ایران پہنچے اور یہاں سید مہدی ابن ہدایت اللہ اصفہانی کے درس میں حاضری دی، قم و مشہد بھی ہو گئے اور وہاں کے علما سے فیض حاصل کیا۔ (مطلع انوار صفحہ ۲۲۰۔ ۲۲۱)

۱۱۹۴ء میں لکھنؤ واپس آکر خود فرنگی محل کے علماء کی تصدیق و تقریب سے مجتہد اور شیعہ فرماں روایانِ وقت کے مقتدا قرار پائے۔ کتاب تذکرۃ العلماء شیعی کے مؤلف سید مہدی بن سید نجف رضوی نے سید دلدار علی کو پہلا ''ہندوستانی'' مجتہد بتایا ہے۔

مولوی سید دلدار علی کا آبائی مذہب اہل سنت و جماعت تھا (مقدمہ وقائع دل پذیر صفحہ ۱۰۲) مولوی سید محمد مخدوم حسینی مؤلف توضیح السعادت نے بھی مولوی سید دلدار علی کا قدیم الایام آبائی مذہب اہل سنت و جماعت اور انہیں جعفر کذاب کی نسل سے بتایا ہے۔

چونکہ جعفر بن علیؒ نے اپنے بھائی حسن عسکریؒ کے لاولد فوت ہونے کی گواہی دی تھی اور اثناء عشری حضرات بارہویں امام (فرضی) کی پیدائش کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس لیے وہ انہیں کذاب کہتے ہیں، حالانکہ جعفرؒ بڑے متقی و پرہیزگار انسان تھے۔ ⇦⇦⇦

کے اس فقرے سے کہ ''خلیفہ از اوّل امراز ایمان بہرہ نداشت باتفاق من علمائے الامامیۃ'' (یعنی علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ ابوبکر شروع ہی سے ایمان نہیں لائے تھے) مطابق کرے اور انصاف سے نہ گزرے کہ ان لوگوں کو دشمنی اور عداوت نے کیسا اندھا کر دیا ہے کہ ایسے صدیق کے ایمان سے انکار کرتے ہیں جس کو خدا نے بذریعہ رویائے صادقہ کے حقیقت اسلام کا اقرار کیا ہے اور مجتہد صاحب نے ایمان سے انکار فرمایا ہے، اس کا جواب ہم چند طریقوں سے دیتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ ہم کو یہ امر ثابت کرنا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو دل سے سچ جانا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو دل سے قبول کیا، اس کا نام مجتہد صاحب ایمان

⇦⇦ مولانا محمد علی فیض آبادی اور شاہ علی اکبر مودودی الہ آبادی متوفی ۱۲۱۰ھ کی تحریک پر نائب سلطنت سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں نے ۱۳/رجب ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۳/مئی ۱۷۸۶ء بروز جمعہ اپنے گھر پر نماز ظہر کی جماعت کا اہتمام کیا اور مولوی دلدار علی کی اقتدا میں نماز ظہر وعصر ادا کی گئی۔ دو ہفتہ بعد اسی مہینہ کی ۲۷/تاریخ کو مولوی دلدار علی کی اقتدا میں نماز جمعہ کی جماعت ہوئی...... شیعوں کی پہلی نماز جمعہ و جماعت کے متعلق ''نزہتہ الخواطر'' کے مؤلف، سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ مولانا حکیم عبدالحی مرحوم نے لکھا ہے کہ...... شاہ علی اکبر چشتی مودودی اور ملا محمد علی فیض آبادی کی تحریک سے نواب حسن رضا خان نے جمعہ و جماعت قائم کر کے سب سے پہلے مولوی سید دلدار علی کی اقتداء میں ۱۳/رجب ۱۲۰۰ھ کو نماز ادا کی، یہ پہلا دن ہے کہ وسط ہند میں شیعوں نے اپنا جمعہ و جماعت علیحدہ کر لیا۔ (گل رعنا صفحہ ۱۵۳۔۱۵۴)

مولوی دلدار علی نے متعدد کتابیں تالیف و تصنیف کیں، صاحب مطلع انوار نے ان کی ستائیس (۲۷) کتابوں کے نام تحریر کیے ہیں جن میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی معرکۃ آلاراء تصنیف ''تحفہ اثنا عشریہ'' کی تردید میں چھ (۶) کتابیں اور رسالے تحریر کیے۔ صوارم الالٰہیات، حسام الاسلام، احیاء السنۃ میں تحفہ کے ان ابواب کا جواب ہے جو بالترتیب الٰہیات، نبوت اور معاد و حجت کے متعلق ہیں۔ رسالہ ذوالفقار تحفہ کے باب دوازدہم کے جواب میں ہے، خاتمۂ کتاب صوارم میں اثباتِ امامت کا ذکر ہے اور رسالہ غیبت میں شاہ صاحبؒ کے اقوال دربارہ غیبت کا رد ہے۔ ان کے علاوہ اساس الاصول، عماد الاسلام ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ شمالی ہند میں مذہب شیعہ کی اشاعت و شیعوں کی مذہبی تنظیم کے لیے مولوی سید دلدار علی نے بہت خدمات انجام دیں اور آج اودھ میں شیعہ مذہب کی جو رونق نظر آتی ہے یہ انہیں کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ ۱۹/رجب کی شب ۱۳۳۵ھ مطابق ۳/مئی ۱۸۲۰ء کو بعہد غازی الدین حیدر لکھنؤ میں رحلت کی۔ بڑے صاحبزادہ سلطان العلماء سید محمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں کے عزاخانے میں سپرد لحد کیا۔ اس وقت سے مولوی دلدار علی کو ''غفران مآب'' کہا جاتا ہے۔'' (شیخ محمد فراست)

رکھیں یا اسلام۔سو بحمد اللہ قاضی نوراللہ شوستری کے اقرار سے ثابت ہو گیا، اور اگر مجتہد صاحب نے ایمان اور اسلام کے لفظوں میں اس نظر سے فرق کیا ہو کہ ایمان سے مراد تصدیق بالجنان ہے اور اسلام سے فقط اقرار باللسان۔اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان سے اس لیے انکار کیا کہ ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر تصدیق قلبی کا مرتبہ نہ تھا تو ان کی تکذیب کے لیے انہیں کے شہید ثالث کا اقرار کافی ہے، یعنی ”ابوبکر به برکت خوابے که او دیده بود مسلمان شده بود۔“

۲۔ ہم نے مانا کہ ایمان اور اسلام میں فرق ہے اور شہید ثالت کی اس روایت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اسلام ثابت ہوتا ہے نہ کہ ایمان......لیکن ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان بھی امیر المومنین علی مرتضٰی کے اقرار سے ثابت کرتے ہیں اور مجتہد صاحب کے تارو پود کو درہم برہم کیے دیتے ہیں، مومنین کو چاہیے کہ اس کو ذرا دل سے سنیں اور اپنے بزرگوں کی بے خبری پر افسوس کریں کہ علامہ حلی نے شرح تجرید میں لکھا ہے:

((قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَوْمًا عَلَى الْمِنبَرِ اَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ اَنَا الْفَارُوْقُ الْاَعْظَمُ اَسْلَمْتُ قَبْلَ اَنْ اَسْلَمَ اَبُوبَكْرَ وَ اٰمَنْتُ قَبْلَ اَنْ اٰمَنَ .))

”کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک دن منبر پر یہ فرمایا کہ میں صدیق اکبر ہوں میں فاروق اعظم ہوں، اسلام لایا قبل اسلام ابوبکر کے اور ایمان لایا قبل ایمان لانے ابوبکر کے۔“

پس علامہ حلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے اسلام بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اور ایمان بھی ان کا ثابت کر دیا...... اگر نوراللہ شوستری کے قول سے مجتہد صاحب کا قول باطل نہ ہوا تھا تو اب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے قول سے ان کا یہ قول کہ ”خلیفہ ازاوّل امراز ایمان بہرہ نداشت“ باطل ہو گیا۔(والحمد للّٰه على ذالك) بلکہ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام اور ایمان کو ایسی وقعت اور عزت وشہرت تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فخریہ بیان کیا کہ

میں ان سے بھی پہلے ایمان اور اسلام لایا...... اگر شیعوں کے قول کے موافق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان اور اسلام میں کامل نہ ہوتے یا معاذ اللہ! منافق ہوتے، یا طمع دنیا سے ایمان لائے ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے پیشتر ایمان لانے پر افتخار کیوں کرتے۔

۳۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان اور اسلام کی نسبت جو علماء امامیہ کا قول ہے کہ وہ صرف ظاہر میں اسلام لائے تھے اور کاہنوں کے کہنے سے بہ طمع خلافت مسلمان ہو گئے تھے، وہ بالکل غلط ہے لیکن قاضی صاحب کی شہادت سے، جس میں انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سابقین اولین میں بیان کیا ہے، ان کے اگلے پچھلے جھوٹے ہو گئے اور یہ کوئی خیال نہ کرے کہ قاضی صاحب کے اس فقرے نے فقط اپنے علماء اور مجتہدین کے قولوں کو باطل کیا بلکہ اپنے حضرت صاحب الامر کے قول کو بھی رد کر دیا، یعنی شیعوں کے امام مہدی صاحب کا بھی یہی قول ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دنیا کی طمع سے ایمان لائے تھے اور یہودیوں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت اور غلبے کا حال سنا کرتے تھے، پس ان کے کہنے کے موافق ظاہر میں کلمہ گو ہو گئے تھے...... چنانچہ اس کو ملا باقر مجلسی نے ''بحار الانوار'' سے ''رسالہ رجعیہ'' [1] میں بروایت شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی کے لکھا ہے:

((اسلام ابوبکرؓ طوعاً نبود اما برائے طمع دنیا زیرا که ایشان باکفرۂ یهود مخلوط بودند (الی قوله) چون حضرت دعویٔ رسالت فرمود ایشان از گفتۂ یهود به ظاهر کلمتین گفتند ودر باطن کافربودند.))

''یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ مجبوراً اسلام لائے تھے جس میں دنیاوی لالچ شامل تھی کیونکہ وہ کافر یہودیوں سے ملے ہوئے تھے...... جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ رسالت فرمایا تو انہوں نے یہودیوں کے کہنے کے موافق ظاہری طور پر دو کلمے کہہ دیے اور باطنی طور پر کافر تھے۔''

الغرض! ان روایتوں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسلام اور ایمان بخوبی ثابت ہوا اور جب ان کا اسلام اور ایمان بخوبی ثابت ہوا تو "لصاحبه" کے لفظ سے یہ بھی بہ نص قرآن ثابت ہوا کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے جو فضائل اور درجات ہیں اور جن کو علماء امامیہ بھی تسلیم کرتے ہیں، ان کے مصداق بھی ٹھہرے...... پس باوجود اس کے جو کوئی اُن کی صحابیت سے انکار کرے اور ان کے فضائل کو نہ مانے وہ منکر نص قرآنی ہے۔"

آٹھواں اعتراض آٹھویں فضیلت پر:

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبه: ٤٠) سے ثابت ہوتا ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار کو درِ غار پر آ پہنچا ہوا دیکھا تو وہ بخیال اس کے کہ حضرت کو صدمہ نہ پہنچے اندوہ گیں ہوئے تب حضرت نے فرمایا کہ ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبه: ٤٠) کہ کچھ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے اور مَعَنَا جس میں ضمیر جمع متکلم کی ہے اس لیے فرمایا کہ اس معیت میں خدا کی ابوبکر بھی شریک ہوویں، پس پیغمبرؐ نے ابوبکرؓ کو بھی اس معیت میں اپنے شامل کرلیا۔ اس پر چند طرح سے امامیہ اعتراض کرتے ہیں:

۱۔ اس طرح پر، کہ ابوبکر کا حزن طاعت تھا یا معصیت اگر طاعت تھا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا طاعت سے منع کرنا ثابت ہوتا ہے اور اگر معصیت تھا تو عصیانِ ابوبکر ثابت ہوا۔

۲۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر یقین نہ تھا اور باآنکہ غار میں اپنی آنکھ سے حفاظت کی بہت سی نشانیاں دیکھیں مثل کبوتروں اور عنکبوت وغیرہ کے مگر تب بھی اُن کو حفاظت پر یقین نہ ہوا اور خوف کے مارے زور زور سے رونا شروع کیا اور ہر چند پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جھچکارا (کذا) اور زجر و توبیخ باز رکھنا چاہا مگر وہ رونے اور چلانے سے باز نہ رہے۔

---

1 یہ روایت بھی منجملہ ان روایتوں کے ہے جن سے اکثر کتابیں شیعوں کی بھری ہوئی ہیں اور جن کی بیہودگی اور رکاکت پر ہنسی آتی ہے، ہم آئندہ جہاں حضرات شیخین کے ایمان لانے کا تفصیلی حال لکھیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اس روایت کو پوری نقل کر کے مومنین کو خوش کریں گے۔ ۱۲ منه عفا عنه،

۳۔ ابوبکر کا رونے اور چلاّنے سے یہ مقصد تھا کہ کفار آواز سن لیں اور پیغمبر ﷺ کو گرفتار کرلیں اور اسی واسطے حضرت ان کو سمجھاتے اور رونے سے باز رکھتے تھے لیکن وہ باز نہ رہتے تھے اور اپنی بدنیتی اور فسادِ باطنی کو رونے کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہتے تھے بلکہ بعض دانشمندوں نے اس قدر اور بڑھا دیا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رونے سے کام نہ نکلا اور کافروں نے ان کی آواز نہ سنی تب انہوں نے اپنا پاؤں غار سے باہر کر دیا کہ کفار دیکھ لیں اور غار کے اندر گھس آئیں کہ اسی وقت خدا کے حکم سے سانپ نے ان کے پاؤں میں کاٹا اور بہ مجبوری انہوں نے اپنا پاؤں اندر کھینچ لیا۔

۴۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مطلب پاؤں کے باہر کرنے سے بھی حاصل نہ ہوا، یعنی کافروں نے آکر حضرتؐ کو غار میں سے نہ پکڑا تب اور طرح سے پیغمبر خدا ﷺ کو تکلیف دینا شروع کی یعنی حضرت علیؓ کی یاد کرنے لگے اور ان کی تنہائی پر اپنا رنج ظاہر کرنے لگے تب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کہ اے ابوبکر! اپنا رنج علیؓ کی تنہائی پر ظاہر نہ کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ خدا ہمارے اور علیؓ کے ساتھ ہے۔

۵۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ سے دو معنی مراد لیتے ہیں ایک یہ کہ خدا ہمارے اور علیؓ کے ساتھ ہے...... دوسرے یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پیغمبر خدا ﷺ نے کہا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے یعنی ہماری نیکی پر اور تمہاری بدی پر مطلع ہے، ہم کو ہماری نیکی کا صلہ اور تم کو بدی کا بدلہ دے گا۔''

ان تقریروں کو سن کر ہر شخص محو حیرت ہوگا اور زانوے تحیر سے سر نہ اٹھائے گا اور تعجب کرے گا کہ یہ اعتراض ہے یا مجنونوں کی بڑ ہے، جواب ہے یا دیوانوں کی جھک ہے بلکہ جو لوگ عقل و دانش رکھتے ہیں ان کو تو یقین ہی اس پر نہ ہوگا کہ یہ تقریریں کسی عالم یا مجتہد کی زبان سے نکلی ہوں گی مگر جس کسی کو شک ہو وہ ''احقاق الحق'' اور ''مجالس المومنین'' وغیرہ کو کھول کر دیکھے کہ انہیں تقریروں کو شہید ثالث نے کس آب و تاب کے ساتھ لکھا ہے اور حضرت ملاّ مشہدی نے ان تقریروں پر کیسا فخر کیا ہے اور صاحب تَقْلِيْبُ الْمَكَائِدْ نے

بجواب تقریرِ خاتم المحدثین کے اسی پر کیسا ناز کیا ہے بلکہ مولانا صاحب پر بڑا طعنہ کیا ہے کہ انہوں نے قاضی نوراللہ شوستری کی تقریروں کو بعینہٖ نقل نہیں کیا ہے اوران لفظوں سے اپنا غصہ ظاہر کیا ہے:

((نـاصبـی رامـی بایست که ایں عبارت جناب قاضی رانقل می کرد تراشیدن تقریرے از طرف خود، نسبت دادن بطرف شیـعیـان و بعد ازاں بجواب آں مشغول شدن از اعظم مکائد ایں ناصبی ست .))

''ناصبی (سنی) کو چاہیے تھا کہ قاضی کی پوری عبارت نقل کرتے اور پھراس پر اعتراض کرسکتے تھے، اپنی طرف سے ایک عبارت گھڑ لینا اوراس کوشیعوں کی جانب منسوب کرنا اور پھرخود ہی اس کا جواب دینا اس سنی کا سب سے بڑا فریب ہے۔''

اب ہم ان تقریروں کا خلاصہ تو لکھ چکے اصل عبارت کو بھی لکھتے ہیں اورنہایت ادب سے خدمت میں حضراتِ شیعہ کے عرض کرتے ہیں کہ وہ ذرا انصاف فرمائیں کہ یہ تقریریں ایسی ہیں کہ ان پر کوئی ناز کرے یا ایسی ہیں کہ ان پر شرمائے۔ ❶ ہمارے نزدیک اگرکسی دانشمند یا صاحب حیا وشرم کی طرف ایسی تقریروں کوکوئی منسوب کرے تو ضرور وہ اس نسبت کو اپنا عار ونگ سمجھے گا اور ایسی پوچ و بیہودہ باتوں کے انتساب سے شرمائے گا۔ معلوم نہیں کہ قاضی صاحب اور ملاّ صاحب نے ان تقریروں میں کون سے مضامین حکیمانہ درج کیے ہیں اور کیسے جواہر بیش بہا ان میں رکھے ہیں جن پر ان کو اوران کے مقلدین کو اس قدر ناز وافتخار ہے، ہم تو ان میں ایک بات بھی ایسی نہیں پاتے جو بیہودگی سے خالی ہو اور ایک لفظ بھی ایسا نہیں دیکھتے جو سفاہت اور رکاکت سے محفوظ ہو:

---

❶ وهوهذه و كيف يتوهم حصول منقبتهٖ فى حضور الغار وقد ظهر فى الغار خطاءً ذالك لا نه لمادخل فى حرزا الحريز و المكان المصون بجبت يا من الله تعالىٰ على نبيهٖ مع ما يظهر له من الآيات من تعشيش الطائر و نسبح العنكبوت على انه لم يظن السلامة ولا صدق بالآية واظر الحزن ⇦⇦⇦

زپائے تابسرش ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

ہمارے نزدیک تو شاہ صاحب قدس اللہ سرہ نے بڑا احسان قاضی صاحب اور مُلّا صاحب پر کیا تھا کہ ان کی تقریروں کو بلفظہٖ نقل نہ کیا اور فضیحت و رسوائی سے ان کو بچایا لیکن چونکہ حضرات امامیہ کو ان کی تشہیر ہی منظور ہے، اس لیے اب ہم نے بہ مجبوری ان کو نقل کر دیا اگرچہ ہم کو ایسی بیہودہ تقریروں کے جواب میں لکھنا اوقات کو ضائع کرنا ہے مگر تنبیھاً للسفھاء کچھ لکھتے ہیں:

بہ نسبت پہلے اعتراض کے کہ حزن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طاعت تھا یا معصیت، اگر طاعت تھا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں منع کیا اور معصیت تھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گناہ گار ہونا خدا کی کتاب سے ثابت ہوا۔

جواب الزامی یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے جو خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا ہے کہ ﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ (طٰہ: ۶۸) اور حضرت لوط علیہ السلام سے فرمایا کہ: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ﴾ (العنکبوت: ۳۲) اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ ﴿لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ﴾ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کو خوف تھا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی باتوں سے رنج ہوتا تھا، خدا نے ان کے اطمینان و تسلی کے لیے لَا تَخَفْ اور لَا تَحْزَنْ فرمایا ہے۔

پس ہم شیعیانِ پاک سے پوچھتے ہیں کہ ان پیغمبروں کا خوف طاعت تھا یا معصیت؟

⇦⇦⇦ والمخافة حتیٰ غلبه بكاه وتزايد قلقه دانز عاجه ويلی النبی فی تلك الحال الیٰ مقاساته ورفع الیٰ مداراته ونهی عن الحزن وزجره ونهی النبی لا يتوجه فی الحقيقةالاعلی الزجر عن القبح ولا سبيل الیٰ صرفه الی المجاز بغير دليل لا سيماوقد ظهر من جزعه وبكائه مايكون من مثله فساد الحال فی الاخفاء فهوانما نهی عن استد نام دفع منه ولو سكن نفسه الیٰ ماوعد الله تعالیٰ نبيه وصدقه فيما اجر به من نجاته لم بحزن حيث ان يكون امنه ولا انز حج قلبه فی الموضع الذی يقضی سكونه فافضليته فی الغار يفخر بها لابی بكر لولا المكابرة واللداد فی هذا...... انتهی.

اگر طاعت تھا تو خدا کا طاعت سے منع کرنا ثابت ہوتا ہے، اگر معصیت تھا تو انبیاء معصومین کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے۔بس جو کچھ وہ اس کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے سمجھیں۔

اس کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری نے مَجَالِسُ الْمُومِنِیْن میں بہ ضمن حکایات مفیدہ شیخ مفید کے بجواب تقریر ابوالحسن خیاط رئیس معتزلہ کے لکھا ہے کہ انبیاء کی عصمت بدلیل عقلی ثابت ہے، اس لیے جو بھی ان کی نسبت ہے اس سے ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتے اور ابوبکرؓ کی عصمت ثابت نہیں اس لیے جو اُن کی شان میں ہے اس کے ظاہری معنی مراد ہیں۔وھذہٖ عبارتہ:

((مضمون آں آیات نہی ست لیکن انبیاء رازار تکاب قبیحی کہ فاعل آں مستحق ذم میشود بواسطۂ دلیل عقلی کہ برعصمت انبیاء اجتناب ایشاں از گناھان قائم گشت موجب عدول از ظاھر شدہ از ظواھر آں آیات عدول می کنم وھرگاہ اتفاق حاصل باشد در آنکہ ابوبکر معصوم نہ بود، واجب است کہ اجرای نہی کہ درشانِ آں واقع شدہ بہ ظاھر آنکہ فتح حال ابوبکر ست بماند .))

”آیات متذکرہ کے مضمون کا مقصد ممانعت ہے اور انبیاء کا برا فعل کرنا موجب عدول ظاہر ہے کیونکہ امرِ قبیح کا فاعل مستحق ملامت ہوتا ہے، انبیاء کے معصوم ہونے اور گناہوں سے اجتناب کرنے کے لیے دلیل عقلی موجود ہے کہ وہ معصوم تھے، اس لیے میں بھی ان آیات کے ظاہر سے عدول وانحراف کرتا ہوں اور متفق علیہ ہے کہ ابوبکرؓ معصوم نہ تھے اور ممانعت کے جو احکام جاری ہوئے وہ ابوبکرؓ کے حالات کی وضاحت کے لیے ہیں وہ اپنی جگہ باقی رہے۔“

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ خوف کو معصیت میں شمار کرنا ہی غلط ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو خوف کیا اور خدا نے ان کو اس سے مطمئن کیا اس نہی کو بلا ضرورت ظاہر

سے عدول کرنا ہی لغو ہے۔ بلکہ خوف کو معصیت قرار دے کر عمداً انبیاء علیہم السلام پر تہمت کرنا ہے اور جو فرقہ انبیاء کی عصمت کا قائل نہیں ہے اس کو تقویت دینا ہے، حالانکہ خوف منجملہ ان امورِ بشریت کے ہے جن سے کسی بشر کو خواہ وہ نبی ہو، خواہ امام ہو، خواہ ولی ہو چارہ نہیں اور اس پر خدا کی طرف سے بھی مواخذہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون کو جا کر سمجھاؤ اور اس کو ایمان کی دعوت کرو تو انہوں نے خوف کیا اور کہا کہ ﴿رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی﴾ (طٰہ : ٤٥) کہ خداوندا ہم کو خوف ہوتا ہے کہ وہ کہیں ہم پر زیادتی نہ کرے، تب اللہ نے مطمئن کیا اور فرمایا کہ ﴿لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ﴾ (طٰـہ : ٤٦) کہ کچھ خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں...... پس ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام باوجود نبوت کے خوف کریں اور خدا کی طرف سے اس خوف پر ان کو عتاب نہ ہو اور ان کی نبوت پر فرق نہ آئے تو اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو بالاتفاق نبی نہ تھے، نہ معصوم، خوف کیا تو کیا گناہ کیا۔ بلکہ جس طرح پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ فرما کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مطمئن کر دیا، ہم کو شہید ثالث کی سمجھ پر نہایت تعجب آتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے محزون ومغموم اور خائف ہونے سے خوف کو بھی گناہوں میں داخل کر دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذمہ گناہ ثابت کرنے کے لیے تمام پیغمبروں کی نسبت معاصی کا الزام لگایا اور بلا ضرورت الفاظِ خوف کو ان کے حقیقی ظاہری معنی سے عدول کیا لیکن جب کہ جابجا قرآن میں خوف کے الفاظ انبیاء کی نسبت وارد ہیں اور مفسرین نے اس کے ظاہری معنی مراد لیے ہیں اور کسی نے خوف کو معصیت اور گناہ اور نقص میں شمار نہیں کیا ہے تو ایک شہید ثالث کے کہنے سے کچھ نہیں ہوسکتا چنانچہ آیت ﴿فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً﴾ (طٰہ : ٤٧) کی تفسیر میں علامہ طبرسی نے جو محققین شیعہ سے ہیں، لکھا ہے کہ ((فَلَمَّا امْتَنَعُوْا عَنِ الْاَكْلِ خَافَ مِنْهُمْ وَظَنَّ اَنَّهُمْ يُرِيْدُوْنَ سُوْءً ا فَقَالُوْا اَیْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لَا تَخَفْ يَا اِبْرَاهِيْمُ)) (کہ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کھانا نہ کھایا تو وہ ڈرے اور گمان کیا کہ کہیں یہ لوگ بدی سے پیش نہ آئیں تب ملائکہ نے کہا کہ اے

ابراہیم علیہ السلام کچھ خوف نہ کرو اور ہم سے نہ ڈرو، ہم آدمی نہیں ہیں...... پس خوف دور کرنے کے لیے جو تسلی اور تشفی کے کلمات بہ لفظ لَا تَخَفْ یا لَا تَحْزَنْ کلام الٰہی یا احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہیں ان کو از قبیل نہی تصور کرنا جو ارتکاب معاصی کے منع کے لیے مستعمل ہیں، بڑی غلطی ہے۔ ورنہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جہاں لفظ ''لا'' کا جو حرف نہی کا ہے استعمال کیا جائے وہاں مراد نہی عن المعصیت ہو یا جہاں کسی شے کی نہی بیان ہو اس سے اس کا وقوع ہونا بھی ضروری سمجھا جائے تو ہزاروں اعتراض ائمہ کرام پر ایسے وارد ہوں گے کہ سوائے ان کی عصمت کے دوسرا جواب حضرات امامیہ سے بن نہ پڑے گا...... مثلاً ''علل الشرائع'' میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

((یَا عَلِیُّ لَا تَتَکَلَّمْ عِنْدَ الْجِمَاعِ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی فَرْجِ اِمْرَأَتِكَ وَلَا تُجَامِعْ اِمْرَأَتَكَ بِشَهْوَةِ اِمْرَأَةِ غَيْرِكَ .))

''اے علی! نہ کلام کرو جماع کے وقت اور نہ دیکھو اپنی عورت کی شرمگاہ کو اور نہ صحبت کرو اپنی بی بی سے اور کسی عورت کی شہوت پر۔''

پس اگر کوئی پوچھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کام کرتے تھے یا نہ کرتے تھے، اگر نہ کرتے تھے تو وہ قاعدہ باطل ہوا جاتا ہے کہ نہی شے وقوع شے پر دال ہے اور اگر کرتے تھے تو وہ فعل طاعت تھا یا معصیت، اگر طاعت تھا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں منع کیا، اگر معصیت تھا تو امام معصوم کا گنہگار ہونا ثابت ہوا...... اگر کوئی یہ جواب دے کہ امام معصوم ہوتے ہیں، اس لیے اس نہی کو اگرچہ نہی عن المعصیت ہے (از ظاہر آں عدول می کنم) تو ہم بھی بہ مجبوری یہ کہیں گے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی محفوظ تھے، اس لیے ہم بھی نہی ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کو ''از ظاہر آں عدول می کنیم'' (اس کے ظاہر سے پھیرتے ہیں)۔

اے یارو! ایسی صریح اور صاف بات کو عناد اور عداوت سے کیوں معمہ اور پہیلی بنائے دیتے ہو، اور سیدھی سچی بات کو کس لیے مشکل کیے دیتے ہو، ذرا انصاف کرو کہ اگر کوئی دوست کسی دوست پر صدمہ پہنچنے سے رنج کرے اور وہ دوست اس کو مطمئن کرے اور کہے کہ

کچھ خوف نہ کر، اللہ ہمارا مددگار ہے تو یہ کہنا از روئے تشفی اور تسلی کے ہے یا از قسم زجر و توبیخ کے ہے......اور از قسم تشفی اور تسلی کے ہو تو ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کو بھی اس قسم سے سمجھو، خدا کی آیتوں کی تحریف لفظی نہ کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ نہی کے حرف کا استعمال منع اور زجر و توبیخ کے واسطے ہوتا ہے بلکہ ترحم اور شفقت کے واسطے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر قرآن مجید کی لفظوں پر کوئی غور کرے تو اس کو خود معلوم ہو جائے گا کہ اکثر جگہ خدا نے پیار اور محبت میں بھی حرف نہی کا استعمال کیا ہے، چنانچہ پیغمبر ﷺ سے فرماتا ہے کہ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾ (القیامہ: ۱۶) کہ بہت جلدی زبان نہ کھول دیا کرو اور میرے کلام کو پورا سن لیا کرو اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ (فاطر: ۸) یعنی لوگوں کے پیچھے تمہاری جان نہ جاتی رہے، تو ان کے لیے اپنی جان نہ دے۔ تو کیا ان کلمات کو بھی قاضی صاحب زجر و توبیخ کے کلمات سمجھیں گے اور تحریک لسان اور ذہاب نفس کو معصیت اور ذم تصور کر کے بلحاظ عصمت حضرت کے ظاہر سے عدول کریں گے اور اگر ان کلمات کو رحمت اور شفقت پر محمول کریں گے تو اپنے دعویٰ کی سفاہت کے قائل ہوں گے۔

دوسرا اعتراض کہ ابوبکرؓ کو خدا اور رسول پر کچھ یقین نہ تھا، اس لیے باوجود دیکھنے بہت سی نشانیوں حفاظت کے وہ رونے اور ہائے ہائے مچانے لگے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہائے ہائے کرنا اور زور زور سے چلاّنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کسی طرح پر ثابت نہیں ہے، اس لیے قرآن مجید سے تو حُزن کرنا ثابت ہوتا ہے اور حزن کے معنی نوحہ اور فریاد کے نہیں ہیں اگر کوئی خاص لغت کی کتاب حضرات امامیہ کی ایسی ہو کہ جو الفاظ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی شان میں ہوں ان کے کچھ معنی ہی علیحدہ اس میں لکھتے ہوں تو ہم نہیں جانتے ورنہ حزن کے معنی غم کے ہیں نہ ہائے ہائے مچانے اور زور زور سے چلاّنے کے، جس کو نور اللہ شوستری نے ’’احقاق الحق‘‘ میں لکھا ہے کہ ((حَتّٰى غَلَبَتْه بُكَائُه وَتَرَايَدَ قَلَقُه وَانْزِ عَاجُه)) (یعنی رونے لگے اور ان کا قلق اور گھبراہٹ بڑھ گئی) علاوہ اس کے خود مفسرین امامیہ کی تفسیر پر خیال کرنا چاہیے کہ

انہوں نے حزن کے کیا معنی لکھے ہیں، پس مفسر کاشانی نے خُلاصَۃُ الْمَنْهَجْ میں اس کا ترجمہ کیا ہے کہ "چوں گفت پیغمبر یار خودرا اندوہ مخور" (یعنی جب پیغمبر ﷺ نے اپنے یار غار سے کہا کہ غم نہ کرو) اور علامہ طبرسی نے فرمایا ہے: لَاتَحۡزَنۡ ای لَاتَخَفۡ (غم نہ کرو یعنی ڈرو نہیں) پس ہم کو سراسر حیرت ہے کہ قاضی صاحب نے حزن کے معنی نوحہ و فریاد کے کہاں سے نکالے اور یہ امر کہ خوف بہ مقتضائے بشریت ہے اور انبیاء علیہم السلام اور ائمہ کو بھی ہوا ہے اور معصیت نہیں ہے ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں اور اب پھر ثابت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اللہ جل شانہ سے کہا کہ ﴿اَخَافُ اَنۡ يَّقۡتُلُوۡنِ﴾ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں فرعون اور اس کے لشکری مجھے قتل نہ کر دیں، تب خدا نے فرمایا کہ ﴿لَا تَخَفۡ اِنَّكَ مِنَ الۡاٰمِنِيۡنَ﴾ کہ ہرگز اس کا خوف نہ کرو تو امن وامان میں رہے گا۔ [1] بلکہ علمائے امامیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خائف ہونے کا ایسے موقع پر اقرار کیا ہے کہ اس سے انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جو دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے افضل ہونے پر بیان کی ہے اس میں یہی تقریر کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مدین کو جاتے تھے تب وہ خائف اور ہراساں تھے ﴿فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ﴾ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہجرت

---

[1] واضح ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ہی مرتبہ خوف نہیں کیا بلکہ چند مرتبہ چنانچہ اوّل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غیب سے آواز انا اللّٰہ کی سنی تب خوفزدہ ہو گئے کہ خدا نے فرمایا ﴿لَاتَخَفۡ اِنِّیۡ لَا يَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ﴾ جب ساحرانِ فرعون سے مقابلہ ہوا اور جادوگروں نے اپنی رسیوں کو سانپ کی شکل پر دکھلایا تب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے، کہ خدا اس کی خبر دیتا ہے ﴿فَاَوۡجَسَ فِیۡ نَفۡسِهٖ خِيۡفَةً﴾ آخر خدا نے خوف دور کرنے کے لیے کہا کہ ﴿لَا تَخَفۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى﴾ حالانکہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کر لیا تھا کہ ﴿اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ﴾ کہ تم اور تمہارے متابعین غالب ہوں گے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے لشکر سے خوف قتل کا کر کے خدا سے کہا تھا کہ ﴿اَخَافُ اَنۡ يَّقۡتُلُوۡنَ﴾ کہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ قتل نہ کریں تب بھی خدا نے لَاتَخَفۡ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا تو باوجود ایسے وعدہائے الٰہی کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف اور اندیشے کا کوئی محل نہ تھا، پس اگر فقط خوف عدم رضا وعدہ الٰہی پر ہووے تو ہزار درجہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہو سکتا ہے اور جس قدر شیعیان علیؓ، صدیق اکبرؓ پر طعنہ کرتے ہیں اس سے زیادہ منکرین نبوت پیغمبروں پر طعنہ کر سکتے ہیں۔ (ونعوذ باللہ من ذالك) ۱۲ منہ

کی رات کو بے خوف پیغمبر ﷺ کے بستر پر بفراغِ خاطر سوتے رہے اگر کچھ بھی خوف ہوتا تو ہرگز ان کو نیند نہ آتی۔"

اور اگر اس پر حضرات شیعہ کی خاطر جمع نہ ہو اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر خوف و ترس کے الزام لگانے سے باز نہ آئیں تو ہم ان کے اقرار سے خود پیغمبر خدا ﷺ کا خائف ہونا ثابت کرتے ہیں۔

چنانچہ صاحب تَقْلِیْبُ الْمُکَائِدْ کید ہشتاد و ہفتم کے جواب میں فرماتے ہیں:

((اگر خوف قتل و قتال نه بود پیغمبر خدا ﷺ چرا مخفی بیرون رفت و حال آنکه سبب هجرت فرمودن رسولِ خدا ﷺ محض خوفِ قتل بود.))

"یعنی اگر خون ریزی کا خوف نہ ہوتا تو پیغمبر خدا ﷺ ہرگز خفیہ طور پر باہر نہ جاتے اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہجرت کرنا صرف خوفِ قتل کے باعث ہوا۔"

بار خدایا! سمجھ میں نہیں آتا کہ حضراتِ شیعہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حزن و خوف کو کس طرح ان کے عدم یقین پر محمول کرتے ہیں جبکہ انبیاء و مرسلین کے حزن و خوف کا خود اقرار کرتے ہیں اور خاص سید الانبیاء علیہم السلام کی ہجرت کا سبب محض خوفِ قتل کہتے ہیں...... ہمارے عقیدے کے موافق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہ تھے کہ خائف نہ ہوتے...... پیغمبر خدا ﷺ سے زیادہ اطمینان ان کو نہ تھا کہ قتل و قتال سے نہ ڈرتے۔ یہ عقیدہ تو حضراتِ شیعہ کا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خائف بتلاویں، پیغمبر خدا ﷺ کی نسبت قتل و قتال کے خوف سے نسبت دینے کو عیب نہ جانیں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت خوف کا خیال بھی نہ کریں اور ان کے تقیے کو ہتک آبرو کے خوف کا سبب سمجھیں، جیسا کہ تَقْلِیْبُ الْمَکَائِدْ کا مؤلف لکھتا ہے:

((تقیه بجهت خوف هلاکت جانِ خود نبود بلکه بجهت

خوفِ هتك عرض و ناموسش بوده الیٰ قوله که دانستی که
خوف حضرت امیر المومنین نه از هلاکت جان بود بلکه
خوف هتك و ناموس .))

’’یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ہلاکت جان کے خوف سے تقیہ نہیں کیا، بلکہ اس لیے تقیہ کیا تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس محفوظ رہے...... جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ امیر المومنین کو اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خوف نہ تھا بلکہ عزت و ناموس کا ڈر تھا۔‘‘

غرض کہ ان سب روایتوں کے دیکھنے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ خوف کا الزام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کسی طرح عائد نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو قتل وقتال کا خوف تھا تو ایسا خوف باقرار علماء شیعہ انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو قتل وقتال کا خوف نہ تھا بلکہ ہتک آبرو کا تھا تو اس کا خوف حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی ہوا ہے جو باعتقاد شیعہ سب نبیوں سے افضل اور سب پیغمبروں سے بہتر تھے۔‘‘

الحاصل! قرآن مجید کی آیتیں اور ائمہ کی حدیثیں اور علمائے امامیہ کے اقوال اس پر شاہد ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پیغمبر جو خدا کے خلیل تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نبی جو خدا سے باتیں کیا کرتے تھے اور حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء سے رسول جو خدا کے خاص محبوب تھے اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے امام جو پیغمبر کے وصی اور خدا کے شیر تھے اور سب پیغمبروں سے افضل اور بہتر تھے قتل وقتال کے خوف اور عزت وآبرو کے خوف سے ڈر سے محفوظ نہ رہے تو اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خوف اور ترس سے نہ بچے ہوں تو کیا عجب ہے، لیکن ہم کو نہایت تعجب آتا ہے علمائے شیعہ سے کہ انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک شب کے خوف پر اس قدر زبان درازی کی اور ان کے خوف کو ان کے کفر ونفاق کا نتیجہ سمجھا باوجودیکہ ان کا عقیدہ ہے کہ تمام ائمہ کرام اوّل سے آخر تک پیدائش کے زمانے سے موت کے وقت تک ہر ساعت اور ہر لحظہ خوف میں رہے اور امام اوّل سے لے کر امام آخر الزمان

تک سب کے سب تقیہ کرتے رہے ایک بھی ائمہ اثنا عشر سے ایسا نہیں ہوا جس کی عمر خوف و ترس میں نہ گزری ہو، ایک لحظہ بھی خوف سے مہلت پائی ہو، آخر تقیہ جس کی بنا سراسر خوف پر ہے ایمان کا جزِ اعظم قرار دیا گیا اور اَلتَّقِیَّۃُ دِیْنِیْ وَ دِیْنُ آبَائِیْ امامت کا کلمہ مقرر کیا گیا۔ پس جبکہ ائمہ کرام باوجود یکہ موت و حیات ان کے ہاتھ میں ہے کہ جب تک چاہیں زندہ رہیں، ملائکہ ان کے حکم میں ہیں کہ جو چاہیں وہ کریں نگاہ میں ان کی وہ تاثیر کہ اگر پہاڑ کی طرف دیکھیں تو وہ بھی پھٹ جائے، بازو میں ان کے وہ قوت کہ اگر ایک ہاتھ اٹھاویں اسی (۸۰) ہزار جن قتل ہو جائیں، علم کا وہ حال کہ جو کچھ ہوا اور ہو گا سب سے آگاہ، اور جو کچھ گزرا اور گزرے گا سب سے واقف، اعجاز کی یہ کیفیت کہ عصا ہاتھ سے گرا دیں اژدہا ہو جائے، کفار اور منافقین کی طرف اشارہ کریں ایک دم میں سب کو نگل جائے، اور پھر باوجود ایسی قدرت اور طاقت اور اعجاز کے تمام عمر خوف اور ترس میں رہیں اور اپنی امامت کا دعویٰ تک نہ کریں، جان و آبرو کے ڈر سے کسی سے سچ بات نہ کہیں، اگر کسی اخص خواص سے کوئی راز کی بات کہنے کو ہوں تو دروازے بند کر لیں، ڈرتے ڈرتے اپنے شاگردوں کو علوم دینی کی تعلیم دیں اور اگر ایک ناصبی سامنے آجائے تو انکار کر جائیں، اپنے مخلص احباب پر لعنت اور تبرا کرنے لگیں اور حضرات شیعہ ان کے خوف و ترس پر کچھ بھی طعنہ نہ کریں اور ان کی امامت و فضیلت پر اس سے کوئی شبہ نہ لائیں بلکہ اس خوف کو بہترین عبادت سمجھیں اور تقیے کو ائمہ کرام کا دین کہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک شب کے خوف پر اس قدر زبان دارزی کریں اور ان کے خوف و ترس کو ان کے کفر و نفاق کی دلیل سمجھیں...... باوجود یکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اختیار میں موت تھی نہ زندگی، نہ ملائکہ ان کے تابع فرمان تھے نہ علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ ان کو حاصل تھا، نہ اسی (۸۰) ہزار جن کے قتل کر دینے کی ان کو طاقت تھی...... معلوم نہیں حضرات شیعہ نے ائمہ کرام کے خواف میں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خوف میں مَابِہِ الْاِمْتِیَازِ کیا قرار دیا ہے کہ وہی خوف ائمہ کے حق میں فضیلت ہو اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نقص و عیب۔ مصرعہ ......

به بیں تفاوت راه از کجاست تا به کجا

لیکن اگر ہم شیعوں کے عقیدے کے مطابق خوف کو انبیاء علیہم السلام اور ائمہ کی نسبت بہ سبب معصوم ہونے ان کے ظاہر سے عدول کریں اور ان آیات کی نسبت جن سے ان کا خوف ظاہر ہوتا ہے "از ظواھر آں عدول می کنیم" کہیں تو بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا، اس لیے کہ علاوہ انبیاء علیہم السلام کے خدا کے کلام سے مومنین کا بھی خائف ہونا ثابت ہوتا ہے......

چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ﴾

(حم السجده: ۴۱)

"جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا پروردگار ہے اور پھر مضبوط رہتے ہیں، ان پر ملائکہ یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں کہ کچھ خوف نہ کرو اور کچھ حزن نہ کرو اور اس جنت کی خوشخبری لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

پس اس سے ان مومنین کا جو اپنے ایمان پر نہایت مضبوط ہوتے ہیں خائف اور محزون ہونا ثابت ہوا۔

اور پھر ایک دوسری جگہ پر اللہ جل شانہ، مومنین سے فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ﴾ "کہ کچھ غم نہ کرو تمہیں کو غلبہ ہوگا۔" پس معلوم نہیں کہ ان آیتوں میں جو مومنین کی نسبت لفظ لَا تَحۡزَنُوۡا کا ہے یہ بھی ڈانٹ ڈپٹ کے لیے ہے بلکہ یہی فرمائیں گے کہ تسلی اور تشفی کے لیے......تو پھر ہم نہیں سمجھتے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں جو لفظ لَا تَحۡزَنُوۡا کا ہے اس کو کس طرح ڈانٹ ڈپٹ کے لیے بیان کرتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی کلمہ لَا تَحۡزَنُوۡا ہزار جگہ تسلی اور تشفی کے لیے استعمال کیا جائے اور ایک جگہ ڈانٹ ڈپٹ کے واسطے......ہاں، اگر کوئی قرینہ عتاب وخفگی کا پایا جاتا تو ہم تسلیم کرتے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت کلمہ ﴿لَا تَحۡزَنۡ﴾ ڈانٹ ڈپٹ کے واسطے ہے، سو وہ بھی نہیں اس لیے کہ جس طرح

مومنین کی نسبت خدا نے فرمایا کہ ﴿لَا تَحْزَنُوْا﴾ اور آگے بیان کیا کہ ﴿اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ﴾ کہ کچھ غم نہ کرو تمہارے واسطے جنت موجود ہے۔ یا ارشاد کیا کہ ﴿لَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ کہ کچھ غم نہ کرو تمہیں کو غلبہ ہوگا......اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کچھ غم نہ کرو خدا ہمارے تمہارے ساتھ ہے۔ پس بظاہر دونوں میں کوئی فرق پایا نہیں جاتا اس لیے اگر ان آیتوں میں ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ تسلی اور تشفی کے واسطے ہے تو اس آیت میں بھی تسلی کے لیے ہے اور اگر وہاں ڈانٹ ڈپٹ کے واسطے ہے تو یہاں بھی۔ لیکن باوجود اتحادِ الفاظ اور تطابق قرائن کے ﴿لَا تَحْزَنُوْا﴾ کو ان آیتوں میں تسلی پر اور یہاں عتاب پر محمول کرنا موجب ہزار حیرت اور باعث صد ہزار تعجب ہے۔

لیکن ہم حضرات شیعہ کو معذور سمجھتے ہیں کہ اگر الفاظ قرآنی سے ان کے حقیقی معنی مراد لیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صدیقیت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اگر اقرار کریں تو مذہب ہاتھ سے جاتا ہے، پس بجز اس کے کہ قرآن کی تحریف معنوی کریں اور کلام اللہ کے لفظوں کے نئے نئے معنی بنائیں اور کچھ چارہ نہیں ہے۔ شعر

دست بے چارہ چوں بجاں نہ رسد
چارہ جز پیرہن دریدن نیست

”بے چارہ ہاتھ جب حلقوں تک نہیں پہنچ سکتا تو پیرہن پھاڑنے کے علاوہ کیا چارہ رہ جاتا۔“

اگر اس پر بھی حضرات کے دلوں میں کچھ خطرہ رہ جائے اور کوئی دانشمند یہ کہنے لگے کہ ہم نے مانا کہ خوف گناہ نہیں اور ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ تسلی کا کلمہ ہے، لیکن اتنا تو ثابت ہوا ہی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ اور خدا کی حفاظت پر کامل یقین نہ تھا ورنہ کسی طرح ان کو خوف نہ ہوتا......اس کا جواب یہ ہے کہ خود حضرات شیعہ کا اقرار ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بار بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر خفا ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ چپ رہو، راز کو فاش نہ

کرو، اور وہ نہ مانتے تھے...... پس شیعوں کی طرح ہر ایک ملحد کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کو اپنے خدا کے وعدے پر اور حفاظت پر یقین نہ تھا، ورنہ جو بات افشائے راز کی کرتے تھے، اس سے پیغمبر ﷺ نہ گھبراتے اور بار بار ابوبکر رضی اللہ عنہ پر راز کے فاش کرنے پر خفا نہ ہوتے، پس جو اس ملحد کو حضرات شیعہ جواب دیں وہی ہماری طرف سے قبول فرمائیں۔ [1]

لیکن اگر کوئی ذرا بھی غور کرے تو شیعوں کے اصول و عقائد کے موافق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت حزن وخوف کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے کہ اگر وہ اقرار کریں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حقیقت میں خائف تھے تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان کو اپنی جان کا اندیشہ اور اپنے اوپر تکلیف پہنچنے کا ڈر تھا یا پیغمبر ﷺ کے ایذا اور مصیبت کا خوف۔ اگر ان کو اپنی جان کا خوف تھا تو یہ قول باطل ہوا جاتا ہے کہ وہ دشمنوں سے ملے ہوئے تھے اور راز فاش کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ اگر وہ کافروں سے ملے ہوئے ہوتے تو پھر اُن سے اُن کو کیا ڈر ہوتا اور اگر کافروں سے ملے ہوئے نہیں تھے بلکہ ان کو کافروں کی طرف سے اپنے اوپر ایذا پہنچنے کا خیال تھا تو اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں...... ایک یہ کہ کفار بہ سبب ایمان اور رفاقت پیغمبر ﷺ کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایسی دشمنی رکھتے تھے کہ ان کے قتل کے درپے تھے تو اس سے وہی بات ثابت ہوئی جس کا ہم دعویٰ کرتے ہیں...... دوسرے یہ کہ کبھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارادہ راز فاش کرنے کا نہ تھا اس لیے کہ جن لوگوں سے خود ان کو خوف تھا اور

---

[1] ''گوہر مراد'' میں، جس کا مؤلف بڑا عالم شیعوں کا ہے لکھا ہے کہ پانچ کافروں نے پیغمبر ﷺ سے آ کر کہا کہ تاوقت ظهر ترا مهلت داديم اگر بر كشتى از سخن خود ﴿ والا قتلناك ﴾ پس آنحضرت بمنزل خود آمده دربست و بغايت اندوهناك نشست، جبريل نازل شد وآورده كه ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ آنحضرت گفت كه اے جبريل چگو نه باك ندارم با تهديديكه مستهزئين بامن كردند، جبريل گفت ﴿إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ﴾ حضرت ﷺ گفت الأن نزد من بودند جبرئيل گفت من نيز الآن كفايت ايشان كردم۔ اس روایت کو دیکھ کر حضرات شیعہ انصاف فرمادیں کہ پیغمبر ﷺ کا جان کے خوف سے دروازہ بند کر کے بیٹھ رہنا اور اندوہناک ہونا اور جبرائیل کے اطمینان دینے پر بھی مطمئن نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، پس باوجود تصدیق ایسی روایتوں کے نہایت تعجب ہے کہ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خوف پر طعنہ کریں۔

۱۲ منه

جن کے ڈر سے غار میں چھپے ہوئے تھے انہیں پر اپنا راز ظاہر کرتے اور اپنے آپ کو معرض ہلاکت میں ڈالتے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خوف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر صدمہ پہنچنے کے خیال سے تھا تو یہ خوف ہزار اطمینان سے بہتر ہے اور ایسے عیب پر ہزار ہنر قربان ہیں، اور ایسے خوف کو حضرات شیعہ گناہ کیا اگر کفر بھی سمجھیں مگر ہم ثواب کیا ہزار ایمان سے بہتر سمجھیں گے اور سمجھتے ہیں اور اسی خوف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اور سلامتی پر یقین کامل تھا مگر جب انہوں نے دیکھا کہ شاہِ ہر دوسرا بادشاہِ دین و دنیا ایک غارِ تنگ و تاریک میں رونق افزا ہیں اور جس طرح چاند کسی وقت ابر میں چھپ جاتا ہے اسی طرح ماہِ نبوت غار میں چھپا ہوا ہے اور جس کا مقام عرش و کرسی ہے، وہ ایک تنگ جگہ میں قیام فرما ہے تو یہی حالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل کو پارہ پارہ کرتی تھی اور ان کو بے چین کر رہی تھی...... چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اوّل خود غار میں جانا اور اس کو صاف کرنا اور سب سوراخوں کو اپنی قبا چاک کر کے بند کرنا اور پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانا اور اپنے زانوؤں پر سلانا اس پر شاید ہے اور پھر ایسی دردناک حالت میں جب انہوں نے کفار کو درِ غار پر دیکھا تو بہ خیال ایذائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کچھ صدمہ ان کے دل پر ہوا ہوگا اس کو وہی جانتے ہیں یا وہ عاشق جانے جس کا معشوق اس کے سامنے کسی ایذا و تکلیف میں مبتلا ہوا ہو، اور دشمن اس پر حملہ آور ہوئے ہوں، اس وقت کوئی اس عاشق مسکین کی کیفیت دیکھے کہ اس کو اضطرار ہوتا ہے یا وہ اطمینان سے بیٹھا رہتا ہے۔ ہاں، جس کو عشق و محبت سے خبر ہی نہ ہو وہ عاشق صادق کے خوف و اضطرار پر طعنہ نہ کرے تو کیا کرے۔

اے بھائیو! ذرا پیغمبر صاحب کے ساتھ محبت پیدا کرو تب جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار تھے ان پر الزام لگاؤ۔ مگر جب تم کو محبت ہی نہیں ہے تو تم اس کی حقیقت کیا جانو۔ قطعہ

تو نازنین جہانے و ناز پروردہ

تراز سوز دردن نیاز ماچہ خبر

چو دل بہ مہر نگارے نہ بستہ ای مہ
تراز حالت عشاق بے نواچہ خبر

’’تو نازنین زمانہ نازوں کی پلی ہوئی تجھے نا آزمودہ سوز نہاں کی کیا خبر ہے۔
اے محبوبہ! جب تو نے کسی عاشق کو دل نہیں دیا تو تجھے کسی عاشق بےنوا کی حالت کا کیا پتہ۔‘‘

اے شیعیان پاک ذرا مہربانی کر کے اپنے شہید ثالث کی موشگافیوں پر غور کرو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حزن وغم کی نسبت کیا کچھ زبان درازی فرمائی اور ((قد ظهر من جزعه وبكائه مايكون من مثله فساد الحال)) (یعنی ان کی جزع وفزع اور رونے سے بدنیتی ظاہر ہوتی ہے) کہہ کر ان کی شان گھٹائی مگر وہ تحریر ان کی خاک میں مل گئی اور سب تقریر ان کی ﴿هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ ہوگئی۔ آخرانہی باتوں پر خیال کر کے اصلی خوف اور حزن سے انکار فرمایا اور اس کو تصنع اور بناوٹ پر محمول کیا۔

اہل انصاف سے امید ہے کہ ذرا دل لگا کر اس کو بھی سنیں اور جو کچھ سحر بیانی اور جادو زبانی حضرات امامیہ نے اس بیان میں کی ہے اس پر احسنت اور آفریں کہیں اور اس کا کچھ خیال نہ کریں کہ ایک دعوے کو چھوڑ کر دوسرا دعویٰ کیوں کرتے ہیں اور ایک امر کا اقرار کر کے اس سے منکر کیوں ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ امر اسی خاص بحث کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر کلیہ اور ہر جزئیہ میں اس شان کا ظہور ہے۔ ابھی کیا ہے جب خلافت و امامت کے مباحث آئیں گے تب دیکھنا کہ یہ حضرات کیسا رنگ بدلتے ہیں اور کیسے نئے نئے گل بوٹوں سے تقریروں کو زینت دیتے ہیں۔ شعر

شاہد دلربائی من میکند از برای من
نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بہ نو

’’دلربا معشوق ہمارے لیے نئے نئے تازہ بہ تازہ رنگ وبو اور نقش ونگار بنا رہا ہے۔‘‘

جب حضرات امامیہ نے دیکھا کہ حزن وخوف کے اثبات سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی

پیغمبر ﷺ صاحب کے ساتھ محبت ثابت ہوتی ہے تب اس دعویٰ کو چھوڑ کر یہ دعویٰ کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کچھ خوف نہ تھا بلکہ راز کو فاش کرنے کے واسطے جزع وفزع کرتے تھے، جیسا کہ ''رسالۂ حسینیہ'' میں لکھا ہے:

((غـو غـایش از جزع و فزع و فریاد برائے آں بود که مشرکاں را اطلاع گرداندو آنهابدانند که دریں غار ست.))

''یعنی خوف کے مارے ان کا رونا چلانا، اس لیے تھا کہ مشرکوں کو خبر ہو جائے کہ اس غار میں ہیں۔''

اور خضر مشہدی نے لکھا ہے:

((وایـضـاً مـمـا اشتهر من لدغ الحیة ایاه انما کان یمد رجله یرید اظهار امره.))

''کہ سانپ کے کاٹنے کی بات جو مشہور ہے وہ دراصل اپنے پیر کو باہر نکال کر راز کھولنا چاہتے تھے۔''

یعنی جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کام رونے پیٹنے سے بھی نہ نکلا تو پاؤں بڑھا دیا کہ اسی کو دیکھ کر کفار غار کے اندر چلے آئیں، تب خدا نے سانپ کو حکم دیا تو اس نے ان کے پاؤں میں کاٹا، تب بہ مجبوری پیغمبر ﷺ کا راز فاش ہونے سے بچا۔

اس کے جواب میں تو ہماری زبان سے کوئی بات بھی نہیں نکل سکتی، اور ایسی حکیمانہ تقریر کی تردید ہم سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر مشرق سے مغرب تک تمام انسان اور جن جمع ہوں تب بھی کسی سے یہ عقدہ حل نہیں ہوگا، فی الحقیقت جو صاحب تَـقْـلِـیْـبُ الْـمَـکَـائِدْ نے اپنے بزرگوں کی تقریر نقل نہ کرنے پر مولانا صاحب قدس [1] اللہ سرہ پر غصہ کیا ہے وہ نہایت ہی بجا

[1] صاحب تَـقْلِیْبُ الْمَکَائِدْ نے خاتم المحدثین پر یہ طعنہ کیا ہے کہ اپنی طرف سے تقریر بنا کر اپنے طور پر جواب دینا ان کی عادت ہے، اس کا حال شہید ثالث کی عبارت دیکھنے والوں پر کھل جائے گا، لیکن ہم دعویٰ کر کے کہتے ہیں کہ اپنی طرف سے تقریر بنانا اور اس کا جواب دینا بلکہ اس جواب نا معقول کو صاحب الامر کی طرف ⇦⇦⇦

تھا، اگر وہ ان تقریروں کو نقل کر دیتے اور بلفظہ ان عبارتوں کو لکھ دیتے تو امامیہ کی حقیقت میں پھر کسی کو کیا کلام رہتا اور پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو کوئی کس طرح ثابت کرتا...... اے یارو! انصاف کرو اور حضراتِ امامیہ کے مجتہدین کی غزارتِ (کثرت) علم پر لحاظ فرماؤ کہ جو بات ہے وہ حکیمانہ، جو قول ہے وہ محققانہ۔

⇦⇦⇦ منسوب کرنا امامیہ کے محدثین و مجتہدین کا شعار ہے، چنانچہ اسی آیت غار کی نسبت ملا باقر مجلسی نے ''رسالہ رجعیۃ'' کی حدیث ششم میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے دعویٰ پر شاہد ہے وھوھذہ حدیث ششم شیخ صادق محمد بن بابویہ قمی از اکابر محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین از سعد بن عبداللہ قمی روایت کردہ اند کہ او گفت روزے مبتلا شدم بمباحثہ بدترین نواصب و بعد از مناظراتِ بسیار گفت وائے بر تو و اصحابِ تو شما روافض مہاجران و انصار طعن میکنند و انکار محبت پیغمبر نسبت بایشاں می نمائید اینکہ ابوبکر بسبب زود مسلمان شدن از ہمہ صحابہ بھتر بود و از بسکہ پیغمبر اور ادوست می داشت در شب غار اورابا خود برد چونکہ میدانست کہ او بعد آنحضرت خلیفہ خواہد بود کہ مبادا او تلف شود حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب بر جائے خود خوابانید برائے آنکہ میدانست کہ اگر کشتہ شود ضرری با مور مسلماناں نمیر سدالیٰ قولہ کہ از جواب اوساکت شدم و دیگر برگشتم و طومارے نوشتم و ایں دو مسئلہ رانیز درج کردم کی بخدمت حضرت امام حسن عسکری صلوٰت اللہ علیہ بفریسم با احمد بن اسحق کہ وکیل آنحضرت بود رفتم چوں اور اطلب کردم گفتند متوجہ سر من رای ست من از عقب او رواں شدم و باور رسیدم الیٰ قولہ کہ بعد ازاں صاحب الامر باعجاز فرمود کہ ای سید خصم تو میگفت کہ حضرت رسول ابوبکررابرای شفقت بغاربرد چونکہ میدانست کہ او خلیفہ ست مباداکشتہ شود چرا در جواب نہ گفتی کہ شماروایت کردہ اید کہ پیغمبر فرمود کہ خلافت بعداز من سی سال خواہد بود ایں سی سال را بعمر چھار خلیفہ قسمت کردہ اید پس بگماں قصد شما ایں چھار خلیفہ برحق اند پس اگر ایں معنی باعث بردن بغار بود مناسب کہ ہمہ رابا خود بغاربرد۔ فقط اب کوئی شخص اس مجلسی کے مقلدین سے پوچھے کہ یہ شیخ صدوق صاحب کی بناوٹ ہے یا ملا باقر مجلسی صاحب کی تہمت، اس لیے کہ کسی اہل سنت نے اب تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کو ان کے مارے جانے کے خیال سے غار میں لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ گئے اور اگر یہ کہا جائے کہ مراد نواصب سے خارجی دشمن اہل سنت ہیں شاید انہوں نے یہ اعتراض کیا ہو تو وہ بھی بعید از قیاس ہے، اس لیے کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ برحق نہیں مانتے تو یہ فرمانا امام صاحب الامر کا کہ تم چاروں خلیفوں کو برحق سمجھتے ہو ہموقع اور غلط ہوا جاتا ہے اور امام صاحب کا باوجود ہونے عالم ماکان ومایکون کے خوارج کے عقیدے سے بے خبر ہونا ثابت ہوتا ہے پس کوئی صاحب تَقْلِيْبُ الْمَكَائِدْ کی اولاد اور احفاد اور مریدین سے پوچھے کہ بناوٹ اسے کہتے ہیں جو ان کے شیخ صدوق و مجلسی نے کی یا اسے کہتے ہیں جو خاتم المحد ثین نے کی، افسوس! ان بے خبروں کے حال پر کہ اپنے گھر کے شوستری اور مفتری کے افترا سے تو بے خبر ہیں اور اوروں پر طعنہ کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ عفاعنہ۔

نواں اعتراض نویں فضیلت پر:

اوپر ہم نے بیان کیا ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غمگین اور محزون ہوئے اور ان کو کسی قدر اضطراب ہوا تب اللہ جل شانہ نے اپنی تسلی ان پر نازل کی جس کا بیان خدا نے ان لفظوں سے فرمایا ہے ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ﴾ (التوبہ: ۴۰) اس پر حضرات امامیہ چند طرح سے اعتراض کرتے ہیں۔

اوّل یہ کہ علیہ کی ضمیر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے نہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف۔اس لیے اس کے یہ معنی ہیں کہ نازل کی تسلی خدا نے اپنی اوپر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے۔“

جواب اس کا یہ ہے کہ حزن اور خوف تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تھا نہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو...... پس اگر عَلَیْہِ کی ضمیر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خوف اور اضطراب ہوا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس خدا نے اپنی تسلی پیغمبر رضی اللہ عنہ پر نازل کی...... اس بے جوڑ اور بے ربط عبارت کو دیکھ کر کون شخص ہے جو نہ ہنسے گا اور کس کو اس پر تعجب نہ ہوگا کہ خوف اور اضطرار تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہو اور پیغمبر خدا رضی اللہ عنہ ان کی تشفی کریں اور خدا کی تسلی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو۔

اگر حضرات امامیہ یہ فرمائیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خوف تھا، اس لیے خدا نے ان پر تسلی نازل کی۔اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ حضرات امامیہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر خوف کے سبب سے جبن اور نامردی کا طعنہ کرتے ہیں تو پھر اب اسی خوف کو کس منہ سے حضرت ؐ کی طرف منسوب کرتے ہیں...... اور اگر ہم حضرت ؐ کا خائف ہونا تسلیم کر لیں اور واسطے ازالہ خوف حضرت ؐ کے تسلی کا نزول حضرت ؐ پر قبول کریں تو آیت کی عبارت لائق اصلاح معلوم ہوتی ہے، یعنی بجائے ان لفظوں کے جو خدا نے فرمائے کہ ﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ﴾ (التوبہ: ۴۰) اس طرح پر الفاظ آیت کے ہونے چاہییں تھے کہ ((فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ فَقَالَ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ)) کہ پہلے خدا نے اپنی تسلی حضرت ؐ پر نازل فرمائی اور جب حضرت ؐ کو اطمینانِ کامل

ہو گیا تب حضرتؐ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کچھ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ورنہ آیت کے لفظوں سے تو یہ معنی جو حضرات شیعہ کہتے ہیں نہیں بنتے...... اس لیے کہ پہلے الفاظ سے صاف یہ معنی ظاہر ہوتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو محزون دیکھ کر فرمایا کہ ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کہ کیوں محزون ہوتے ہو خدا ہمارے ساتھ ہے...... پس حضرت کے اس کہنے سے خدا نے اپنی تسلی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نازل کی تا کہ ان کا حزن وغم جاتا رہے۔

پس اے یارو! سوچو کہ آیت کے معنی اس طرح پر بنتے ہیں جو ہم کہتے ہیں یا اس طرح پر جو تم کہتے ہو۔

دوسرا یہ کہ اللہ جل شانہ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تسلی نازل کرنا اگر منظور ہوتا تو ضرور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے ابوبکر کا ذکر کرتا۔ اس لیے کہ خدا نے بغیر شرکت رسولؐ کے کبھی کسی پر تسلی نازل نہیں کی۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے اس تقریر کو درضمن حکایات مفیدہ شیخ مفید کے نہایت آب وتاب سے لکھا ہے، اور اس تقریر کو ''عسیر الجواب'' سمجھ کر یہ فرمایا:

((چون این سخن راگوشِ ناصباں شنید باعثِ حیرت ایشاں گردید و درحیله خلاصی ازاں جانِ ایشاں بلب رسیده.))

''جب سُنّیوں کے کان میں یہ باتیں پڑیں تو ان کو حیرانی ہوئی اور اس سے جان بچانے کے لیے ان کی جان لبوں پر آ گئی۔''

صاحب تَقْلِيْبُ الْمَكَائِدْ نے اس کو اپنی کتاب میں بلفظہ نقل کر کے اس پر بڑا ناز کیا ہے، چنانچہ اس عبارت کو ہم بلفظہ لکھتے ہیں اور اہل انصاف سے التماس کرتے ہیں کہ ذرا غور کریں کہ قاضی صاحب نے اپنی صدف طبیعت سے کیسے جھوٹے موتی نکال کر اپنے مقلدین کے نذر کیے ہیں اور وہ بھی ان کو گوہر گراں بہا سمجھ کر دُرَّةُ التَّاج بنائے ہوئے ہیں۔ کوئی آنکھ کھول کر نہیں دیکھتا کہ ان کے موتی جھوٹے ہیں یا سچے۔ وهو هذه:

((آنچه کاشف صحت بیان مذکور تو اند بود آنست که

مقدمانِ مشائخ ما رضوان الله علیهم افاده فرموده اندکه خدائے تعالیٰ هرگز درهیچ جای که یکے از اهل ایمان با حضرت پیغمبر بوده اند انزال سکینه نه نمود اِلّا آنکه نزول آن را شامل جمیع ایشان داشته چنانچه در بعضے آیات فرموده ﴿وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ ودرآیه دیگر گفته﴿فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الفتح: ٢٦) وچون باآنحضرت غیر از ابوبکر در غار نبود لاجرم خدای تعالیٰ آنحضرت را درنزول سکینه منفرد ساخت واُور باَن مخصوص گردانید و ابوبکرؓ را باوشرکت نداد و گفت ﴿فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾(التوبه: ٤٠) پس اگر ابوبکر مومن می بود بایستے که خدای تعالیٰ دریں آیه او راجاری مجریٰ مومنان می نمود و درعموم سکینه داخل می فومود الیٰ قوله بنابر این نزولِ سکینه مخصوص اوشده باشدو ابوبکرؓ بواسطۂ ایمان از فضیلت سکینه محروم مانده باشد و ایضًا به نصّ قرآنی بادارد ازاں که در آیه غار سکینه بر غیر رسولؐ باشد.))

''ہمارے مذکوہ بیان کی صحت کو ظاہر کرنے والی بات یہ ہے کہ ہمارے قدیم مشائخ نے ان آیات کے لیے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جب کوئی مسلمان ہوا تو اللہ نے آپ پر سکینت نازل نہیں فرمائی مگر یہ کہ اس کا نزول سب کو عام رہا ہے، جیسا کہ بعض آیات میں کہا کہ جنگ حنین میں جب کفار کی

کثرت سے تم حیرت میں پڑ گئے تھے تم پر زمین تنگ کر دی گئی، تم الٹے پاؤں لوٹ گئے پھر اس کے بعد اللہ نے رسول اکرم ﷺ اور مومنین پر تسلی نازل کی......اور دوسری آیت میں کہا ہے کہ اللہ نے رسول اکرم ﷺ اور مومنین پر تسلی نازل کی، اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غار میں ابوبکرؓ کے سوا کوئی نہ تھا،اس لیے اللہ نے رسول اکرم ﷺ پر انفرادی طور سے سکینہ نازل فرمایا اور آپ کو خاص طور پر تسلی دی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سکینہ وسکون دہانی میں شامل نہیں کیا اور کہا کہ ''اللہ نے آپ ﷺ پر تسلی نازل کی اور آپ کی غیر مرئی لشکر کے ذریعے مدد کی۔ پس اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مومن ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو دوسرے مسلمان کا قائم مقام بنا کر نزولِ سکینہ میں عمومیت دیتا۔ خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی خاص طور پر دی گئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مومن نہ ہونے کی وجہ سے فضیلت سکینہ وتسلی سے محروم رہے اور غیر رسول پر غار میں سکینہ کا نزول (اترنا) احکام قرآنی کے بھی خلاف ہے۔''

اس ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے جہاں مومنین پر تسلی نازل کی ہے تو وہاں پہلے رسولؐ پر نازل کی ہے اور اس کے بعد مومنین پر، کسی جگہ فقط مومنین پر تسلی نازل نہیں کی، تو کیوں کر ممکن ہے کہ غار میں پیغمبر ﷺ کو چھوڑ کر فقط ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تسلی نازل کی ہو...... پس اس آیت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عدم ایمان ثابت ہوا، اس لیے کہ اگر وہ باایمان ہوتے تو بشمول پیغمبر ﷺ کے ضرور ان پر بھی تسلی نازل کرتا۔

لیکن یہ دعویٰ قاضی صاحب کا اور ان کے مشائخ کا کہ یہ امر خلاف نص قرآنی کے ہے کہ تسلی فقط مومنین پر خدا نازل نہیں کرتا، محض غلط ہے کسی آیت سے صراحتاً کیا کنایتاً بھی تو یہ بات نہیں پائی جاتی کہ تسلی سوائے پیغمبر کے دوسرے پر تنہا نازل نہیں ہوئی اور اگر دو چار جگہ مومنین پر بشمول نبی و رسول کے تسلی نازل کرنے کا ذکر آیا ہے تو اس سے انکار نزول تسلی سے بلاشمول نبی کے مومنین پر لازم نہیں آتا۔ پس اگر فرض کیا جائے کہ کسی جگہ قرآن میں نزول

سکینہ کا ذکر فقط مومنین پر نہ ہوتا تب بھی یہ اعتراض درست نہ تھا نہ کہ خدا کے فضل سے سکینہ کا نزول فقط مومنین پر بلا شمول رسول کے ہونا قرآن مجید مس مذکور ہے، مگر حضرات امامیہ میں سلفًا عن خلفٍ کوئی حافظ قرآن تو ہوا ہی نہیں اور شاید قاضی صاحب نے اور ان کے مشائخ کرام نے از اوّل تا آخر تمام عمر میں قرآن مجید کو ایک مرتبہ دیکھا تک نہیں ورنہ اس زور سے انکار نہ کرتے اور اس شدومد کے ساتھ یہ نہ فرماتے:

((خدای تعالیٰ هرگز درهیچ جائیکه یکے از اهل ایمان با حضرت بوده اندر انزال سکینه نه نمود .))

”جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی مسلمان ہوا تو اس مقام پر اللہ نے سکینہ نازل نہیں فرمائی۔“

چنانچہ اب ہم حضرات امامیہ کو نشان دیتے ہیں کہ نزول سکینہ تنہا مومنین پر بلا شمول پیغمبر ﷺ کے سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا میں دو مقام پر مذکور ہے، اگر شک ہو تو قرآن مجید میں سے اس سورت کو نکال کر دیکھ لیں کہ اللہ جل شانہ پہلے رکوع میں فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ﴾ (الفتح : ٤) اور پھر تیسرے رکوع میں ارشاد کرتا ہے کہ ﴿اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ﴾ (الفتح : ١٨) پس اے مومنین! ذرا غور سے ان آیتوں کو پڑھو اور دس بیس قرآنوں کو ملاؤ کہ کسی میں یہ تو نہیں لکھا ہے کہ ﴿هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ رَسُوْلِهٖ وُ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ یا فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَیْهِمْ﴾ اگر عرب سے عجم تک ہند سے ایران تک کسی قرآن میں عَلٰی رَسُوْلِهٖ کا لفظ ہو تو تم سچے، تمہارے قاضی سچے اور اگر کسی میں یہ لفظ نہ ہو اور ایران اور کوفے کے قرآنوں میں بھی ﴿فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ﴾ لکھا ہو تو پھر تم ہی انصاف کرو کہ تم اور تمہارے قاضی اور ان کے متقدمین و مشائخ جھوٹے ہیں یا سچے؟

اے یارو! افسوس کی بات ہے کہ صدہا برس گزر گئے کہ یہ مباحثہ ہو رہا ہے اور آج تک

کسی نے سورۃ الفتح کو نکال کر بھی نہ دیکھا اور ﴿فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَةَ عَلَیۡهِمۡ﴾ پر خیال نہ کیا اور اب تک انہیں قاضی صاحب کے جھوٹے قول پر ناز ہے اور ان کی فضیلت و قابلیت پر افتخار ہے اور سب سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ حضرات امامیہ جن میں سے دو چار ہی ایسے شخص نکلیں گے جن کو قرآن کی سورتوں کے نام بھی یاد ہوں اور دو ایک ہی ایسے ہوں گے جن کو اِنَّـا اَنۡزَلۡنَاهُ اور قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے سوا کلام اللہ کے دو چار رکوع حفظ ہوں، ورنہ خدا کے فضل سے سب کے سب قرآن شریف سے بے خبر، کلام اللہ سے ناواقف اور بایں ناواقفیت یہ شوخی کہ اہل سنت و جماعت کے مقابلہ میں قرآن شریف کی سند پیش کرتے ہیں جن کی زبان پر ایک ایک لفظ قرآن مجید کا اور جن کے دل میں ایک ایک حرف کلام اللہ کا لکھا ہوا ہے...... پس یہ غلطی قاضی صاحب اور ان کے مشائخ کبار سے قرآن مجید کی ناواقفیت سے ہوئی ہے، اس لیے ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں اور ان کی غلطی سے درگزر کرتے ہیں۔

تیسرا اعتراض ......اگر علیه کی ضمیر ﴿فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَکِیۡنَتَهٗ عَلَیۡهِ﴾ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو تو تخلل فی الضمائر لازم آتا ہے، اس لیے کہ پہلی جتنی ضمیریں اَخۡرَجَهٗ اور لِصَاحِبِهٖ وغیرہ میں ہیں وہ سب رسولؐ کی طرف راجع ہیں اور پھر آگے جو ضمیر اَیَّدَهٗ میں ہے وہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے تو کیوں کر ممکن ہے کہ بیچ میں عَلَیۡهِ کی ضمیر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو؟

جواب اس کا یہ ہے کہ اوّل تو ضمیر کا عود (لوٹنا) چاہیے کہ اقرب مذکورات کی طرف ہو، سو اس مقام پر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اس لیے کہ انہی کی طرف لِصَاحِبِهٖ کا اشارہ ہے۔ دوسرے تخلل ضمیر جب ہو کہ اَیَّدَهٗ عطف ہو فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ پر، حالانکہ وَاَیَّدَهٗ عطف ہے فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ پر، پس تخلل ضمائر بھی واقع نہ ہوا...... تیسرے تخلل ضمائر تو قرآن مجید میں اکثر جگہ ہے جیسا کہ ﴿اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَکَنُوۡدٌ وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیۡدٌ الخ﴾ میں ہے...... پس جو اعتراض نزولِ سکینہ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تھا، رد ہوا اور بفضلہٖ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تشفی کا نازل ہونا ثابت ہوا اور جو کچھ قاضی اور مُلّا صاحب اور ان کے مشائخ و مقلدین نے لکھا پڑھا تھا وہ

سب باطل ہوا اور اس کی بیہودگی اور سفاہت کا حال بھی سب پر کھل گیا۔ اور نہ فقط ہم اہل سنت ان اعتراضات کو بیہودہ سمجھتے ہیں بلکہ بعض حضرات امامیہ بھی کبھی اس کی سفاہت کا اقرار کرنے لگتے ہیں، جیسا کہ صاحب مجمع البیان طبرسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

((وَقَدْ ذَكَرَتِ الشِّيْعَةُ فِى تَخْصِيْصِ النَّبِىِّ فِىْ هٰذِهٖ الْاٰيَةِ بِالسَّكِيْنَةِ كَلَامًا رَأَيْنَا الْاِضْرَابَ عَنْ ذِكْرِهٖ اُخْرىٰ لِئَلَّا يَنْسِبُنَا نَاسِبٌ اِلىٰ شَيئٍ .))

''شیعوں نے اس آیت میں تسلی کو پیغمبر صاحب کے ساتھ مخصوص ہونے پر ایسی باتیں لکھی ہیں کہ ہم ان کا نہ لکھنا ہی مناسب سمجھتے ہیں تا کہ کوئی کہنے والا ہم کو بھی کچھ نہ کہنے لگے۔''

پس اس علامہ کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ باتیں جو شیعہ ذکر کرتے ہیں ایسی پوچ اور بیہودہ ہیں کہ ان کو بیان کرنے سے اُسے شرم آتی ہے۔

غرض کہ اب اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ ان آیتوں سے وہ فضائل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ثابت ہوتے ہیں جو اوپر ہم نے بیان کیے اور جو اعتراضات شیعوں کے ہیں وہ بالکل پوچ اور بیہودہ ہیں، اور سیاق آیت بھی اسی پر شاہد ہے۔ اس لیے کہ اگر ان آیتوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذکر کرنے سے ان کی رفاقت اور نصرت کا بیان منظور نہ ہوتا تو یہ کوئی موقع ان کے نفاق کے اظہار کا نہ تھا کہ یہ بات خود حضرات امامیہ جانتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں مگر صرف اپنے مذہب کے تعصب کے سبب سے ایسی صریح اور صاف آیت سے انکار کرتے ہیں اور باوجود کھل جانے امر حق کے فضیلت افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم کا اقرار نہیں فرماتے ہیں اور اپنے آپ کو ایسی آیات کے انکار سے مستحق جہنم بناتے ہیں۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِهِمْ وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِهِمْ) .

❁❁❁❁

ائمہ کرام کی شہادتیں
صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں

پہلی حدیث:

شیعوں کی کتابوں میں بروایت ائمہ کرام علیہم السلام منقول ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم.))

''میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔''

نیز حضرت ؐ نے فرمایا ہے کہ ((دعوالی اصحابی)) کہ میرے صحابہؓ کو میرے لیے چھوڑو۔ یعنی میرے حقوق صحبت کی ان کے حق میں رعایت کرو اور ان کی عیب جوئی نہ کرو۔''

ان دونوں حدیثوں میں سے پچھلی حدیث کی صحت لفظاً ومعناً علمائے امامیہ کے نزدیک مسلم ہے اور صاحب استقصاء الافحام نے اس کو قبول کیا ہے، لیکن پہلی حدیث کی نسبت کچھ کلام ہے، اس لیے ہم پچھلی حدیث کی نسبت صرف یہی کہتے ہیں کہ جب اس کی صحت پر اقرار ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس پر عمل نہیں کرتے اور جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے حق میں فرمایا ہے اسے نہیں مانتے، حقوق صحبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے حق میں کیوں رعایت نہیں کرتے اور کس لیے ان کی عیب جوئی سے باز نہیں آتے اور کس لیے باوجود سفارش پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی دشمنی ترک نہیں کرتے......اور پہلی حدیث ((اصحابی کالنجوم)) کی نسبت ہم ائمہ کرام کے اقوال کو امامیہ کی کتابوں سے نقل کر کے اس کی صحت ثابت کرتے

ہیں اور علمائے امامیہ نے جو تاویلات اور تحریفات لفظی و معنوی کیے ہیں ان کو ظاہر کر کے ان کا بطلان ثابت کرتے ہیں...... واضح ہو کہ عُیُونُ الْاَخْبَار میں جو معتمدین کتب امامیہ سے ہے لکھا ہے:

((حدثنا الحاکم ابی علی الحسن بن احمد البیھقی قال حدثنا محمد بن یحییٰ الصولی قال حدثنا محمد بن موسیٰ بن نصر الرازی قال حدثنی بی قال سئل الرضا علیه السلام عن قول النبی صلی الله علیه واٰله وسلم اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم و عن قوله دعوالی اصحابی فقال ھذا صحیح .))

''ایک شخص نے امامیہ موسیٰ رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ چھوڑ و میرے واسطے میرے صحابہؓ کو تو امام موصوف نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حدیث ((اصحابی کالنجوم))جن لفظوں سے کتب اہل سنت میں منقول ہے انہی لفظوں سے کتب امامیہ میں مذکور ہے اور امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی زبان سے۔ اس کی صحت پر علمائے امامیہ کو اقرار ہے۔ اور نہ صرف اسی ایک روایت سے اس کا ثبوت ہوتا ہے بلکہ اور بھی بہت سی اس کی مؤید روایتیں کتب امامیہ میں موجود ہیں کہ ان کے ملاحظہ کے بعد کسی شیعہ کی مجال نہیں کہ اس حدیث کی صحت سے انکار کر سکے یا اس کو موضوع کہہ سکے یا اس کو خبرا حاد کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لے، اس لیے کہ شیخ [1]

---

[1] (شیخ صدوق) نام ابوجعفر محمد بن علی بن حسن بن بابویہ قمی اور لقب صدوق ہے، چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار شیعوں کے اکابرین اور بڑے محدثین میں ہوتا ہے۔ ان کی کتاب ''من لا یحضرہ الفقیه'' ان چار کتابوں میں سے ایک ہے جو شیعہ حضرات کے ہاں حدیث کی اہم اور صحیح ترین کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد تصنیفات ہیں جنہیں مصادر کی حیثیت حاصل ہے۔ شیعوں کا کہنا ہے کہ اہل قم میں سے ان کا جیسا حافظہ اور وسیع علم کسی کا نہیں ۳۸۱ھ میں وفات پائی اور بمقام ''رے'' دفن ہوئے۔ ۱۲(شیخ محمد فراست)

صدوق نے ''معانی الاخبار'' میں اور علامہ طبرسی نے ''احتجاج'' میں اور ملا باقر مجلسی نے ''بحار الانوار'' میں اور ملا حیدر آملی اثنا عشری نے ''جامع الاسرار'' میں اس حدیث کے مضمون کی صحت پر اقرار کیا ہے۔ پس تعجب ہے علمائے متقدمین امامیہ پر کہ جب تک علمائے اہل سنت نے اس حدیث کو خود ان کی کتابوں سے نکال کر نہ دکھلایا اور اس کی صحت کو امام کے قول سے ثابت نہ کر دیا تب تک انہوں نے اس حدیث کی صحت پر کیا شور و غل مچایا اور اس کی موضوعیت اور بطلان کے اثبات میں دفتر کے دفتر سیاہ کیے یہاں تک کہ قاضی نور اللہ شوستری نے کس شدومد سے ''احقاق الحق'' میں فرمایا ہے:

((اما مارواه من حديث اصحابی کالنجوم ففيه من اثار الوضع والبطلان ممالا يخفی .))

''اس حدیث "اصحابی کالنجوم" کے موضوع اور باطل ہونے کے آثار پائے جاتے ہیں جو پوشیدہ نہیں۔''

لیکن افسوس ہے کہ قاضی صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ جس حدیث کی موضوعیت کا دعویٰ اس شدومد کے ساتھ کرتے ہیں وہ خود ہماری حدیث کی کتابوں میں منقول ہے اور جس کے بطلان کا الزام اہل سنت پر لگاتے ہیں وہ بروایت ائمہ کرام ہمارے اصول کے مطابق ثابت ہے، ہاں اتنا فرق ہے کہ سنی بچاروں کے راوی ضعفاء اور مجاہیل ہیں اور خود بدولت کے یہاں راوی ائمہ کرام ہیں۔ پس اگر سنیوں کے طور پر روایت کی ہوئی حدیث کو غلط کہہ دیا یا خود سنّیوں نے اپنے طور پر راویانِ حدیث کو ضعیف تصور کیا تو کچھ حرج نہیں، اگر قاضی صاحب نے یا کسی اور صاحب نے اس حدیث کو موضوع بتلایا اور باوجود تصدیق امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے اس کو جھٹلایا تو اس نے اپنا دین ہی غارت کیا اور امام کی تکذیب کر کے اپنے آپ کو دائرۂ ایمان سے خارج کیا۔''

اب ہم ان تحریفات کو بیان کرتے ہیں جو علمائے امامیہ نے اس حدیث کو نسبت بیان کی ہیں:

عُیُونِ اَخبار سے جو حدیث ہم نے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُومِ کی نقل کی ہے اس میں ان الفاظ کے بعد یہ عبارت بڑھائی ہے: یُرِیْدُ مَنْ لَمْ یُغَیِّر بَعْدَہٗ وَلَمْ یُبَدِّلْ.... الخ [1] کہ مراد ان اصحاب سے جو حدیث میں مذکور ہیں وہ ہیں جنھوں نے کچھ تغیر و تبدیلی نہیں کی، پوچھنے والے نے امام سے پوچھا کہ یا حضرت ہم کیسے جانیں کہ اصحاب نے کچھ تغیر و تبدیلی کی ہے، تب امام نے جواب دیا کہ خود پیغمبر ﷺ کی حدیث موجود ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے اصحاب سے قیامت کے دن حوض کوثر سے علیحدہ کر لیے جائیں گے۔تب میں کہوں گا کہ خدایا یہ میرے اصحاب ہیں۔تب اللہ جل شانہ فرمائے گا کہ تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے پیچھے کیا کیا اور وہ دوزخ کی طرف کھینچ لیے جائیں گے، تب میں کہوں گا دور ہو، دفع ہو۔

ان الفاظ کے بڑھانے سے یہ غرض ہے کہ بعض اصحاب بہ سبب ارتداد کے حدیث کے مصداق سے خارج ہو جائیں...... لیکن تب بھی ہمارا کچھ نقصان نہیں، اس لیے کہ ہم خود قائل ہیں کہ جو لوگ پیغمبر ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے وہ اس حدیث کے مصداق سے خارج ہو گئے اور اصحاب مقبولین نے نہ کچھ تغیر و تبدیل کیا نہ اس حدیث کے مصداق سے خارج ہوئے۔ اور خود حضرات امامیہ کا اقرار ہے کہ اصحاب مقبولین حدیث حوض کے مصداق سے مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ صاحب اِسْتِقْصَاءُ الْاَفْحَامْ نے بجواب مُنْتَھَی الْکَلَامْ کے مسلک ثانی کے ایک مقام پر اس کا اقرار کیا ہے۔ وھذہ عبارتہ:

((کہ ہرگز حدیث حوص در حق مقبولین اصحاب کرام جناب خیر الانام ﷺ وارد نیست و ہرگزایں حدیث بر آنہا منطبق نمی تو اندشد .))

---

[1] یرید من لم یغیر بعدہ ولم یبدل قیل و کیف نعلم انھم قدغیر واو بدّلو اقال لمایروو نہ من انہ ﷺ لیذادون رجال من اصحابی یوم القیامۃ عن حوضی کماتذاد غرائب الابل عن الماء فاقول یارب اصحابی اصحابی فی قال انک لاتدری ما احد ثوا بعدک فیوخذبھم ذات شمال فاقول بعدا لھم و سحقاً افتری ھذا من لم یغیر و لم یبدل...... انتھی .

’’کہ حدیث حوض رسول اللہ ﷺ کے مقبول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نہیں ہے اور یہ حدیث قطعاً ان حضرات پر صادق نہیں آتی۔‘‘

اس امر کو کہ خلفاء راشدینؓ اور انصار ومہاجرینؓ اصحاب مقبولین تھے، اسی حدیث کی بحث میں فصل ارتدادِ صحابہؓ میں ثابت کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ اور اگر مان لیں کہ بعض اصحاب مقبولین مغیرین ومبدلین میں ہوں لیکن تاہم اکثر اصحاب رضی اللہ عنہم کی نسبت اس حدیث کا مضمون صادق آتا ہے، اس لیے کہ ((افصح الفصحاء ابلغ البلغاء علیه التحیة و الثناء)) نے ایسا لفظ تشبیہ میں صحابہ کے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح وہ فضیلت پر دال ہے، اسی طرح پر کثرت پر یعنی لفظ نجوم۔ پس حضرت کا یہ فرمانا کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں، ان کے بے شمار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور سوائے جاہل اور نادان کے کوئی ستاروں کی مثال کو معدودے چند کے حق میں وارد نہیں سمجھ سکتا وَسَلَّمْنَا کہ بہت ہی تھوڑے بلکہ دو تین اصحاب ہی پر جو ارتداد سے بچ گئے یہ حدیث منطبق ہو تب بھی یہ عقیدہ امامیہ کا کہ اقتدا صرف اہل بیت کی واجب ہے اور دوسرے کی ناجائز باطل ہوتا ہے اور اہتدا جو کہ مخصوص اہل بیت کے لیے ہے اس میں دو چار کا شریک ہونا ثابت ہوتا ہے ولم یقل به احد منهم (اور ان میں سے کوئی اس کا قائل نہیں) غرض کہ جب حضراتِ امامیہ نے دیکھا کہ یہ عبارت بھی بے کار ہوئی اور اس نے بھی دار وگیر اہل سنت سے نہ بچایا تب اس کو چھوڑا اور دوسرے طور پر تاویل کو کام فرمایا اور یہ دعویٰ کیا کہ مراد اصحاب سے اہل بیت ہیں جیسا کہ صاحب اِسْتِقْصَاءُ الْاَفْحَامْ نے بجواب مُنْتَهَی الْكَلَامْ کے فرمایا ہے:

((مراد از اصحاب در حدیث اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم اهل بیت علیهم السلام اند.))

’’میرے صحابہؓ مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے (اس) حدیث میں اصحاب سے مراد اہل بیت ہیں۔‘‘

لیکن ہم اس دعویٰ کو چند دلیلوں سے باطل کرتے ہیں:

پہلی دلیل:

اصحاب کے لفظ سے اہل بیت مراد لینا دادِ تحریف دینا ہے، اس لیے کہ عرفاً اصحاب کا اطلاق یار دوستوں پر اور اہل بیت کا گھر والوں پر ہوتا ہے۔ شرعاً اصحاب سے مراد پیغمبر ﷺ پر ایمان لانے والے اور رفقاء لیے جاتے ہیں اور اہل بیت سے گھر والے اور بنی فاطمہ سمجھے جاتے ہیں بلکہ احادیث نبوی اور اقوال ائمہ اطہار سے یہ ظاہر ہے کہ دونوں لفظوں کے مصداق دو فریق علیحدہ علیحدہ ہیں جہاں یارانِ پیغمبر ﷺ کی شان میں کوئی حدیث یا قول ہے وہاں لفظ اصحاب کا آیا ہے اور جہاں خاندانِ نبویؐ اور ائمہ اطہار کا ذکر ہے وہاں لفظ اہل بیت اور عترت کا، چنانچہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((اِنِّی تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِی)) یا ((مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِی كَسَفِينَةِ نُوْحٍ)) یا امام زین العابدین نے اپنی دعا میں جو صحیفۂ کاملہ میں مذکور ہے فرمایا ہے کہ ((اَللّٰهُمَّ وَاَصْحَابُ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا الصَّحَابَةَ...... الخ)) اگر لفظ اصحاب یاران پیغمبر ﷺ کے لیے مخصوص نہ ہوتا اور اس کا استعمال اہل بیت اور عترت کی نسبت بھی ہوتا تو کیوں ان احادیث میں لفظ اہل بیت اور عترت کی تخصیص کی جاتی اور کس لیے پیغمبر خدا ﷺ حدیث اِنِّی تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ میں بجائے كِتَابُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِی کے كِتَابُ اللّٰهِ وَاَصْحَابِی نہ فرماتے اور حدیث اَهْلِ بَيْتِی كَسَفِينَةِ نُوْحٍ میں مَثَلُ اَصْحَابِی كَسَفِينَةِ نُوْحٍ ارشاد نہ کرتے اور کس واسطے پیغمبر خدا ﷺ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے تو سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فرماتے اور سَلَامٌ عَلَيْكُمْ يَا اَصْحَابِی نہ کہتے۔ غرض کہ احادیث نبویؐ اور اقوال ائمہ اطہار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب اور اہل بیت کے لفظ محاورے میں دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور دونوں کے مصداق دو فریق ہو گئے اصحاب کا اطلاق یاروں دوستوں پر اور اہل بیت کا استعمال گھر والوں پر ہوتا رہا اور اب تک خواص اور عوام دونوں فریق کے ویسا ہی استعمال کرتے ہیں، پس نہایت تعجب کی

بات ہے کہ صدہا احادیث اور ہزار ہا اقوال میں تو اصحاب کا لفظ یارانِ پیغمبرؐ پر اور اہل بیت کا لفظ گھر والوں پر استعمال کیا جائے اور کسی حدیث کے قول میں کوئی اصحاب کے لفظ سے اہل بیت اور اہل بیت کے لفظ سے اصحاب مراد نہ لے اور صرف ایک حدیث اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ میں خلاف تبادر اذہان اور مخالف محاورے و عادت کے اصحاب کے معنی اہل بیت کے لیے جائیں اور پھر بھی ایسے معنی بنانے والے اپنے آپ کو مصداق یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ کا نہ سمجھیں۔

اے حضرات! ذرا انصاف کرو کہ اگر کوئی سنی بے چارہ اپنی زبان سے نکالے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَسَفِیْنَۃِ نُوْحٍ کے مصداق میں وہ بھی شامل ہیں اور آیۂ تطہیر میں جو لفظ اہل بیت مذکور ہے اس سے پیغمبر ﷺ کے ازواج مطہرات مراد ہیں بلکہ مراد لینا بہ یک طرف وہ بھی شامل ہیں تو دیکھو کہ تمہارے علماء کیسا شور وغل مچاتے ہیں، قیامت برپا کرتے ہیں، آسمان و زمین کو ملاتے ہیں، نوحہ وفریاد کی آواز عرش تک پہنچاتے ہیں، کہنے والے کو خارجی اور ناصبی اور دشمن اہل بیت کا بتلاتے ہیں اور بآنکہ اہل بیت سے ازواج مراد لینا ٹھیک محاورے کے مطابق ہے، اس پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں اور خود جب اصحاب سے مراد اہل بیت اور یار اور رفیق کے لفظ کو بھائی اور آل واولاد کی نسبت استعمال کرتے ہیں تو کچھ بھی نہیں شرماتے، شرمانا کیسا ایسی سمجھ پر ناز کرتے ہیں، ایسے جوابوں پر سر افتخار بلند کرتے ہیں پس ایسی سمجھ کا کیا علاج اور ایسے جواب کا کیا جواب: شعر......

این سبزہ چشمہ و این لالہ و این گل
آں شرح ندارد کہ بگفتار در آید

’’یہ سبزہ یہ چشمہ اور یہ لالہ وگل (پھول) ایسی شرح نہیں رکھتے جو کہ بیان ہو سکے۔‘‘

پس ہر شخص جو ذرا بھی انصاف اور سمجھ کو دخل دے یقین کرے گا کہ اگر پیغمبر ﷺ اس حدیث کو اہل بیت کی شان میں فرماتے تو صاف لفظ اہل بیت کا ارشاد کرتے اور بجائے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کے اَھْلَ بَیْتِیَ کَالنُّجُوْمِ فرماتے، ہاں، شاید حضرات شیعہ یہ

جواب دیں کہ پیغمبر ﷺ نے معاذ اللہ تقیے کو دخل دیا اور اصحاب کے خوش کرنے کو لفظ اصحابی فرمایا اور جب گھر میں آئے اور اہل بیت نے شکایت کی تب آپ نے ان سے یہ فرما دیا ہو کہ مراد اصحاب سے تم ہو۔

دوسری دلیل:

اگر ہم لفظ اصحاب سے اہل بیت کے معنی مراد لینے پر کچھ دار و گیر امامیہ کی نہ کریں اور ان کی اس تحریف معنوی کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی موافق ان کے عقیدے کے یہ حدیث شان میں اہل بیت کے صادق نہیں آتی، اس لیے کہ اہل بیت کا اطلاق دوازدہ امام پر ہوتا ہے اور اصحاب کا اطلاق صرف انہیں لوگوں پر جو حضرت کی صحبت [1] میں رہے اور سوائے حضرت علی اور حسنین علیہم السلام کے اور نو امام پیغمبر ﷺ کے پیچھے پیدا ہوئے، پس یہ ظاہر ہے کہ نو اماموں پر لفظ اصحاب کا صادق نہ ہوگا تو حدیث اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ میں سے سوائے حضرت علی اور حسنین علیہم السلام کے اور سب ائمہ خارج ہو جائیں گے اور وہ نجوم کی تشبیہ سے مستثنیٰ کر دیے جائیے گے اور ان کی اقتدا باعث ہدایت نہ سمجھی جائے گی (ونعوذ بالله من ذالك) کون مسلمان ہے جو اپنی ایسی بات زبان پر لائے گا اور ائمہ کرام کی نسبت ایسا خیال کرے گا، پس ثابت ہوا کہ مراد اصحاب سے اہل بیت نہیں ہیں ورنہ پیغمبر صاحب ضرور لفظ اہل بیت کا فرماتے اور بجائے اَصْحَابِیْ کَا لنُّجُوْمِ کے اَهْلَ بَیْتِیَ کَالنُّجُوْمِ ارشاد کرتے تا کہ کوئی امام اس کے مصداق سے خارج نہ ہوتا ہاں ممکن ہے کہ حضرات شیعہ یہ جواب دیں کہ نو امام جو پیغمبر ﷺ کے روبرو پیدا نہیں ہوئے، اگرچہ باعتبار عالم اجسام لفظ اصحاب کے مصداق سے خارج ہیں مگر بلحاظ عالم ارواح کے اصحاب میں داخل ہیں۔

---

[1] قاضی نور اللہ شوستری نے "مجالس المومنین" میں لکھا ہے: "تعریف صحابی بنا بر اظہر اقوال آنست کہ ملاقات نمودہ باشد با پیغمبر ﷺ درحا لتیکہ ایمان باو آوردہ باشد" (یعنی صحابی کی تعریف ظاہر قول کی بنا پر یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہے)۔

تیسری دلیل:

جو عبارت مَنْ لَّمْ یُغَیِّرْ بَعْدَہٗ کی اس حدیث کے آگے زیادہ ہے، اس نے اس تاویل کا دروازہ بند کر دیا اور لفظ اصحاب سے اہل بیت کے معنی لینے کو منع کر دیا، اس لیے کہ حضرات نے یہ تو خیال کیا کہ اگر اور کچھ الفاظ اس حدیث کے آگے نہ بڑھائے جائیں گے اور فقط ھذا صحیح کہہ کر یہ حدیث ختم کر دی جائے گی تو سنیوں کی دار و گیر سے نجات نہ ملے گی اور حدیث اَصْحَابِیْ کَا لنُّجُوْمِ کی صحت سن کر وہ جان آفت میں ڈال دیں گے، اس لیے یہ الفاظ امام صاحب کی طرف سے بڑھا دیے کہ مراد اصحاب سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے کچھ تغیر و تبدل دین میں نہیں کی اور جو مرتد نہیں ہوئے اور جو دوزخ کی طرف نہ کھینچے جائیں گے اور جن سے پیغمبر خدا ﷺ بیزاری اپنی ظاہر نہ کریں گے۔ پس ان الفاظ سے ہمارا نقصان تو کچھ نہ ہوا، اس لیے کہ ہم بھی ایسے تغیر و تبدل کرنے والوں کو اور مرتد ہو جانے والوں کو اس حدیث کے مصداق سے خارج سمجھتے ہیں اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور انصار و مہاجرین کو گو ہزار طرح پر امامیہ مرتدین میں شامل کرنا چاہیں وہ شامل نہیں ہو سکتے کہ اس کا بیان تفصیلی بحث ارتداد صحابہ میں ہو گا ان شاء اللہ تعالیٰ، لیکن ان الفاظ سے ہم کو بہت ہی فائدہ ہوا اور حضرات امامیہ کی تحریف و تاویل کا حال اس سے کھل گیا، اس لیے کہ اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو خیر کسی نہ کسی طرح پر وہ اپنا دل خوش کر سکتے تھے اور اصحاب سے مراد اہل بیت لے سکتے تھے لیکن ان لفظوں نے مجبور کر دیا کہ وہ کسی طور سے اصحاب سے اہل بیت مراد نہیں لے سکتے، اس لیے کہ اگر حدیث اَصْحَابِیْ کَا لنُّجُوْمِ میں مراد اصحاب سے اہل بیت ہوں تو جو الفاظ (مَنْ لَّمْ یُغَیِّرْ بَعْدَہٗ) کے آگے بیان کیے گئے ہیں وہ بھی ان کی شان میں وارد ہوں گے تو معاذ اللہ! معنی اس کے مطابق قول شیعوں کے یہ ہوں گے کہ وہی اہل بیت مثل ستاروں کے ہیں جنھوں نے دین میں تغیر و تبدل نہیں کی ((و نقل کفر کفر نہ باشد)) جو مرتد نہیں ہوئے پس کس منہ سے اس حدیث کو شان میں اہل بیت کے کہیں گے اور کس طرح اہل بیت نبویؐ پر تہمت تغیر و ارتداد کی لگائیں گے۔ غرض کہ ان الفاظ نے امامیہ کی تحریف کو ثابت

کر دیا اور ان کی تاویل کا دروازہ بند کر دیا۔ سبحان اللہ! کیا قدرت خدا کی ہے کہ جن الفاظ سے ہم پر الزام دینا چاہتے تھے ان سے خود ہی ملزم ہو گئے اور جو عبارت ہمارے قائل کرنے کے لیے بڑھائی تھی اس سے خود قائل ہو گئے۔ شعر......

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد
خمیر مایہ دوکان شیشہ گر سنگست

''اگر خدا چاہے تو دشمن خیر کا سبب ہوسکتا ہے شیشہ بنانے والے کی دکان کا اصل سرمایہ پتھر ہوتا ہے۔''

جب علمائے امامیہ نے دیکھا کہ یہ دعویٰ بھی ثابت نہیں ہوتا اور اس حدیث میں اصحاب کے لفظ سے اہل بیت کے معنی نہیں بنتے تب مجبور ہو کر حدیث اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ کی صحت سے انکار کیا اور اس کی عدم صحت کا دعویٰ کر کے اپنا پیچھا چھوڑانا چاہا مگر ہزار شکر اس پر ہے کہ الفاظ حدیث سے انکار نہیں کیا اور اس عبارت کو جو ہم نے اوپر نقل کی ہے نہیں جھٹلایا بلکہ صرف تاویل وتحریف معنوی کو کام فرمایا ہے اور فقط شبہات واحتمالات سے اس کی صحت سے انکار کیا ہے، چنانچہ صاحب اِسْتِقْصَاءُ الْاَفْحَامْ نے جواب میں مُنْتَهَى الْكَلَامْ کے لکھا ہے کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ دو حدیثوں کی نسبت سائل نے سوال کیا ایک اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کی نسبت دوسری حدیث دَعُوْالِیْ اَصْحَابِیْ کی نسبت اور امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے ھٰذَا صَحِیْحٌ اس کے جواب میں فرمایا، پس یہ جواب صرف حدیث اخیر کی نسبت ہے نہ حدیث اوّل کی نسبت کما قال:

((از ملاحظه ایں حدیث شریف ظاهر ست که آنچه مخاطب در ترجمهٔ آں گفته که امام رضا علیه السلام حکم بصحت ایں هر دو حدیث نمود غیر صحیست زیرا که هرگز تصریح به صحت هر دو حدیث دریں روایت صراحة که مدلول کلام اوست مذکور نیست بلکه لفظ هذا صحیح مذکورست

و جائز ست که آں متعلق بهر دو حدیث بنا شد بلکه محتمل ست کـه گـوسائل در سوال ازدو حدیث استفسار کرده بود مـگـر آنجناب در جواب یکے ازاں که حدیث اخیر ست بیان فرموده .))

’’اس حدیث کے ملاحظہ سے ظاہر ہے جو مخاطب نے اپنے ترجمہ میں لکھا ہے کہ امام موسیٰ رضا نے ان دونوں احادیث کی صحت کا حکم دیا ہے، یہ ترجمہ و مطلب غلط ہے کیونکہ مدلول کلام ان دونوں احادیث کی صحت نہیں ہوتی بلکہ آپ کا ھذا صحیح کہنا تحریر ہے اور عین ممکن ہے کہ یہ لفظ دونوں احادیث کے لیے نہ ہو بلکہ عین ممکن ہے کہ اگرچہ سائل نے دونوں احادیث کے بابت سوال کیا، مگر آپ نے اخیر سے متعلق ھذا صحیح فرمایا۔‘‘

اس جواب باصواب میں تین خطائیں ہیں (اول) خود مجیب اس جواب کو یقیناً بیان نہیں فرماتا اور جائز ست اور محتمل ست بجائے واجب ست و یقین ست کے استعمال کرتا ہے اور احتمال اور شک سے اس حدیث کے جس کی صحت میں بقول امام کچھ شک تکذیب فرماتا ہے (دوسرے) یہ احتمال بھی فقط احتمال ہی ہے، اس لیے کہ جب سائل نے دو حدیثوں کی نسبت استفسار کیا اور امام نے ھـــذا صـحـیـح کہہ کر جواب دیا تو یقیناً یہ امر ثابت ہوا کہ حضرت امام نے سائل کے قول کی تصدیق کی اور اس کا قول دو حدیث کی نسبت تھا اس سے دونوں کی صحت ثابت ہوئی، رہا یہ احتمال کہ اگر امام دونوں حدیثوں کی صحت تسلیم کرتے ھذان صـحـیـحان فرماتے، یہ قابل لحاظ کے نہیں ہے، اس لیے کہ مقصود سائل کا واحد تھا یعنی قولِ نسبت مدح صحابہ کے تو حرف اشارۂ واحد کا مقصود واحد کی نسبت استعمال کرنا خلافِ محاورہ نہیں ہے (تیسرے) سائل نے دو حدیثوں کی نسبت استفسار کیا اور امام نے فقط ھـــذا صـــحـیـح فرمایا، اگر ہم تسلیم بھی کریں کہ یہ جواب دوسری ہی حدیث کی نسبت ہے تو پہلی حدیث کا جواب کیا ہے؟ کیا یہ کسی کے خیال میں آتا ہے کہ سائل دو حدیثوں کی نسبت سوال

کرے اور امام ایک ہی کی نسبت جواب دیں اور دوسری کی نسبت لَا وَ نَـعَـمْ (ہاں، نہیں) کچھ نہ فرمائیں اور اس کی صحت اور عدمِ صحت کی نسبت کچھ بھی زبان مبارک سے ارشاد نہ کریں اور ایک مجمل لفظ کہہ کر سائل کو حیرت میں ڈال دیں، شاید حضرات امامیہ یہ جواب دیں کہ ائمہ کی شان یہی ہے کہ کبھی کسی کو صحیح جواب نہ دیں اور تقیے کو کسی حالت میں نہ چھوڑیں اور ہمیشہ گول بات کے سوا زبان سے کچھ ارشاد نہ فرمائیں، خدا کے واسطے ذرا انصاف کرنا چاہیے کہ جس سائل نے امام سے سوال بہ نسبت دو حدیثوں کے کیا جب اس کے جواب میں امام نے ھـذا صحیح فرمایا تو وہ کیا سمجھا ہوگا، دونوں حدیثوں کی نسبت یا ایک ہی حدیث کی نسبت؟ اگر وہ ایک ہی حدیث کی نسبت سمجھتا تو ضرور وہ دوسری حدیث کی نسبت مکرر استفسار کرتا اور اگر وہ دونوں حدیثوں کی نسبت سمجھا تو یا امام کے ان لفظوں کا مطلب یہی ہوگا یا مـعاذ اللّٰہ ! امام نے اس کو جان بوجھ کر مجمل لفظ کہہ کر دھوکے میں ڈالا ہوگا۔لیکن اگر ہم اس روایت میں امام کی تصدیق کو بہ نسبت دوسری ہی حدیث کے سمجھیں تو بھی حضراتِ شیعہ کی جان نہیں بچتی، اس لیے کہ قطع نظر اس روایت اور اس کتاب کے اور روایتوں سے بھی صحت مضمون حدیث "اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ" کی ہوتی ہے۔پس اگر علمائے امامیہ اس روایت میں اس حدیث کی تکذیب کریں تو اور احادیث کو کیا کریں گے اور کہاں تک ائمہ کرام کے قولوں کو جھٹلائیں گے، چنانچہ اب ہم اس حدیث کی صحت دوسرے طریق سے ثابت کرتے ہیں۔

مُلّا حیدر آملی اثنا عشری نے جامع الاستفسار میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا:

((اَنَـا کَـالشَّـمْـسِ وَ عَلِیٌّ کَالْقَمَرِ وَ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ .))

"میں مثل سورج کے ہوں اور علیؓ مثل چاند کے اور میرے صحابہؓ مثل ستاروں کے جن کی پر پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔"

معلوم نہیں کہ اس حدیث کو دیکھ کر کیسا شعلۂ جان سوز علمائے امامیہ کے سینے سے نکلے گا اور خبر نہیں یہ شرارہ ان کے خرمن عقل وخرد کو کیسا جلائے گا۔ ہاں، اس کی بھی تاویل کریں گے

کہ مراد اصحاب سے اہل بیت ہیں اس کا جواب ہم اوپر بیان کر چکے اور اب بھی بیان کرتے ہیں......لیکن قبل جواب دینے کے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ جب اس حدیث کی صحت ثابت ہوگئی تو عیونِ اخبار میں جو امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے جواب سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے اس کا کس منہ سے انکار کریں گے اور جو عبارت زائد ''مَنْ لَّمْ یُغَیِّرْ بَعْدَہٗ'' اس روایت میں ہے اس کو شان میں اہل بیت کی کیوں کر صادق سمجھیں گے۔اب اس تاویل کو جو اس حدیث کی نسبت ہے غور سے سنیئے کہ جو تقریر اس علامہ اثنا عشری نے کی ہے وہ اس امر پر دال ہے کہ مراد اصحاب سے اہل بیت نہیں ہیں، اس لیے کہ اوپر اس حدیث کے یہ بیان ہے کہ نبوت مثال نور آفتاب کے ہے اور امامت مانند چاند کی روشنی کے اور علم علماء کا مانند چمک ستاروں کے، وھذہٖ عبارتہ بلفظہٖ:

((وَوَرَدَ فِی اِصْطِلَاحِ الْقَوْمِ تَسْمِیَۃَ الْوِلَایَۃِ بِالشَّمْسِیَّۃِ وَالْقَمَرِیَّۃِ وَالْمُرَادُ بِھِمَا وِلَایَۃُ النَّبِیّ وَوِلَایَۃُ الْوَلِیِّ وَنِسْبَۃُ الْعُلَمَاءِ اِلَیْھِمَا کَنِسْبَۃِ النُّجُوْمِ اِلَی الْقَمَرِ وَالشَّمْسِ اِلٰی قَوْلِہٖ فَکَذٰلِکَ لَایَکُوْنُ لِلْعُلَمَاءِ قُدْرَۃٌ وَلَا ظُھُوْرٌ مَعَ وَجُوْدِ الْاَوْصِیَاءِ وَاَنْوَارِھِمْ مِنْ حَیْثُ الْوَلَایَۃِ وَیُوَیِّدُ ذٰلِکَ کُلِّہٖ مَا اَشَارَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ لِقَوْلِہٖ اَنَا کَالشَّمْسِ وَ عَلِیٌّ کَالْقَمَرِ وَاَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ .))

''قوم کی اصطلاح میں ولایت کو چاند اور سورج کہا گیا ہے اور ان سے مراد نبیؐ اور علیؓ کی ولایت ہے اور ان (نبی اور علی) کی طرف علماء کی نسبت ایسی ہے جیسے کہ ستاروں کی نسبت چاند اور سورج کی طرف......اسی طرح علماء کو کوئی قدرت اور ظہور ولایت کے اعتبار سے اوصیاء اور ان کے انوار کے وجود کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور ان باتوں کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہوتی ہے کہ میںؐ مثل سورج کے ہوں اور علیؓ چاند کی طرح اور میرے صحابہؓ مانند ستاروں کے ہیں، ان

میں سے جن کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔‘‘

پس ظاہر ہے کہ ائمہ کرام اوصیاء میں داخل ہیں نہ علماء میں اور تمثیل نجوم کی علماء پر صادق ہے نہ اوصیاء پر تو اس علامہ کی تقریر سے ظاہر ہوا کہ حدیث اَصْحَابِیْ کَا لنُّجُوْمِ میں اصحاب سے مراد اہل بیت نہیں ہیں بلکہ علماء ہیں اور اس سے ہمارے دونوں مطلب ثابت ہو گئے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مراد لفظ اصحاب سے اہل بیت نہیں ہیں، اگر اس روایت پر سیری نہ ہو اور حضرات امامیہ کو اپنے اور بزرگوں کی تصدیق سننے کی خواہش ہو تو اور بھی سنیں اور تیسرے طریق سے اس حدیث کے مضمون کی صحت پر سند لیں۔ شیخ صدوق نے معانی الاخبار میں لکھا ہے:

((حدثنا [1] محمد بن الحسن احمد الولید رحمه الله قال

---

[1] اس حدیث کے مذکور ہونے سے کتب امامیہ میں جو صدمہ حضراتِ امامیہ کو ہے اس کا بیان نہیں ہوسکتا، چنانچہ جو تحریریں باہم منشی سبحان علی خان صاحب اوران کے دینی بھائی نورالدین کے ہوئی ہیں وہ اس پر شاہد ہیں۔ ہم انتخاب اس کا رسالہ ”المکاتیب فی رویة الثعالیب و الغرابیب“ مطبوعہ ۱۲۶۰ھ سے نقل کرتے ہیں وھو ھذہ: انتخاب خط سبحان علی خان بنام مولوی نورالدین منقول از صفحہ ۱۰۱ رسالہ المکاتیب چنانچہ الیٰ بے پایاں از بودن سند حدیث اصحابی کالنجوم در طرق شیعه از تحریر خدام دریافته برداشته ام برائے خدا ازو ورقمے گردد که چگونه وچساں سند پیدا کرده هر گاه سند چنیں احادیث در طرق شیعه یافته شود باز سر را بکدام سنگ تواں زد...... جواب ازمولوی نورالدین منقول از صحفه ۱۴۱ ایضا حیرتے وتشویش سامے از بهمر سانیدن سند حدیث نجوم که ناصب را اتفاق افتاده بجائے خود است ملاذا فقیر در بعضے از مجلدات بحار دیده بودم که بعضے از ائمه طاهرین در جواب بعضے از مسترشدین نوشته اند که حقیقت اینست که ایں حدیث از جد ما ماثورست و تحریف لفظی دراں راه نیافته آرے نواصب بتحریف معنوی مبادرت کرده اندکه ایں حدیث رابر اهل ردت فرود آوردند ودرتیه ضلالت حیراں و سرگرداں ماندند ونه دریا فتند که حضرت خاتم المرسلین کسانے رانجوم هدایت فرموده اندو اقتداء شاں را موجب اهتداء قرار داده اندکه حال شاں درزمان سعادت تو امان آنجناب و بعداز وفات شریف برنهج واحد بود نه کسانیکه مصداق ﴿آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفراً﴾ گردیدند الیٰ قوله وبنده راحیرتے که در خصوص ایں امرست نه ازاں حهت که امر باقتداء فلاں و فلاں لازم می آید بلکه حیرت آزاں ست که بعد از احاله امت بدوچیز عظیم القدر یعنی قرآن وعترت ارشاد ایں معنی که اصحاب من مثل ابوذر و سلماں و حذیفة و مقداد و ابن مسعود نجوم هدایت اندبهر که اقتدا کنیدراه دیں و نجات خواهیدیافت و مهتدی خواهید شدچه محمل داشته باشد و مزید حیرت آنکه⇦⇦⇦

((حدثنا محمد بن الحسن الصفار عن الحسن بن موسیٰ الخشّاب عن غیاث بن کلوب عن اسحاق بن عمار عن جعفر بن محمد عن آباءِہٖ علیهم السلام قال قال رسول

⇦⇦⇦ بعضے از علماء می گویند که مراد اهل بیت اندریں معنی به بعضے از اخبار و آثار که خلاف آں را شیخ ابن بابو یه غالبا درهدایه نقل کرده ثشبث دارند د ریں صورت قطع نظر ازیں تخالف حدیث اوّل هم معارض میشود والابا ید که ایں بزرگاں قائل شوند باینکه معاذ الله حال اهل بیت هم مانند اصحاب بود که جمعی براہِ احداث وردت رفتند وبعضے بر حال خویش راسخ ماند ندولم یقل به احد الیٰ قوله لهذا حیرت بنده دریں باب نسبت به حیرت جناب مضاعف خواهد بود، سخت حیر تهادارم که کفهائے دست راباهم میسائیم ارتعاد قلب و جگر خدام برجائے خودست بمقتضائے بشریت نمیتواں گفت عین درد دینی ست" ۱۲ (یعنی خلاصہ یہ کہ اصحابی کالنجوم والی حدیث کی سندیں کتب شیعہ میں طریق شیعہ سے بہت ہیں جب اس طرح کی حدیث کی سند طریق امامیہ میں پائی جائے تو آخر کس پتھر سے سر ٹکرا کر پھوڑا جائے؟'' مولوی نور الدین کا جواب۔ حدیث نجوم کی سند کا ناصبی کے ہاتھ لگ جانا بجائے خود بڑی حیرت اور سخت تشویش کا باعث ہے، میں نے ''بحار'' کی کسی جلد میں دیکھا ہے کہ بعض ائمہ طاہرین نے اپنے بعض مریدین کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ درحقیقت یہ حدیث ہمارے دادا سے منقول ہے اوراس میں کوئی تحریف لفظی تو نہیں ہوئی ہاں نواصب نے تحریف معنوی، البتہ کرڈالی ہے کہ اس حدیث کو مرتدین پر منطبق کرتے ہیں اور گمراہی کی وادی ہیں حیران وسرگرداں ہیں، انہیں نہیں معلوم کہ خاتم المرسلین ﷺ نے جن لوگوں کو نجوم ہدایت (ہدایت کے ستارے) فرمایا ہے اوران کی پیروی کو ہدایت کا سبب قرار دیا ہے وہ لوگ ہیں جن کا حال حضور ﷺ کے زمانے میں اور آپؐ کی وفات شریف کے بعد یکساں رہا نہ کہ وہ لوگ جو مرتد ہوگئے اور ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا الی قولہ، بندہ کو حیرت اس امر میں نہیں ہے کہ (اس حدیث سے) فلاں فلاں کی پیروی لازم آتی ہے بلکہ حیرت کا سبب یہ ہے کہ امت کی حالت بدل جانے کے بعد دو عظیم القدر چیزوں، یعنی قرآن اور عترت کو ''اس معنی کے لحاظ سے کہ میرے اصحاب جیسے ابوذر، سلمان، حذیفہ، مقداد اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہدایت کے ستارے ہیں جن کی اقتدا کرو گے دین اور نجات کا راستہ پا جاؤ گے اور ہدایت یافتہ بن جاؤ گے'' کس پر محمول کریں گے نیز مزید حیرت یہ ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد اہل بیت ہیں اوراس معنی میں بعض احادیث وآثار کو دلیل بناتے ہیں جن کے برعکس شیخ ابن بابویہ نے غالباً ہدایہ میں نقل کیا ہے اس صورت میں قطع نظر اس مخالفت مذکورہ کے حدیث اوّل سے بھی تعارض لازم آتا ہے ورنہ ان بزرگوں کو قائل ہونا پڑے گا کہ معاذ اللہ! اہل بیت بھی اصحاب کی طرح ہیں کہ ایک جماعت مرتد ہوگئی اور بعض اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے اوراس کا کوئی قائل نہیں الی قولہ لہٰذا بندہ کی حیرت اس امر میں آنجناب کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی ہے، سخت حیرت میں ہاتھ مل رہا ہوں، خدام کے قلب وجگر کی بے چینی اپنی جگہ ہے وہ بیان سے باہر ہے بہرحال یہ دینی درد ہے۔۱۲

الله ﷺ ما وجد ثم فی کتاب الله عزّوجلّ فالعمل لکم به لاعذر لکم فی ترکه مالم یکن فی کتاب الله عزوجل و کانت فیه السُّنَّةُ مِنِّی فلاعذر لکم فی ترك سنتی وما لم یکن سنة منی فما قال اصحابی فقولوابه انما مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم بایها اخذاهتدی بای اقاویل اصحابی اخذتم اهتدیتم و اختلاف اصحابی لکم رحمة .))

’’......یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا پیغمبر خدا ﷺ نے کہا کہ جو پاؤ تم خدا کی کتاب میں اس پر عمل کرو، کوئی عذر تم کو اس کے ترک پر نہیں ہوسکتا اور جو کچھ کتاب خدا میں نہ پاؤ اس میں میری سنت پر عمل کرو، کوئی عذر تم کو میری سنت کے ترک پر نہیں ہوسکتا اور جس میں میری سنت نہ ملے اس میں عمل کرو اس پر کہ جو کچھ میرے اصحابؓ نے کہا ہو کیونکہ میرے اصحاب تمہارے بیچ میں ایسے ہیں جیسے کہ ستارے۔ جس طرح پر جس کسی ستارے کو کوئی لے لے راہ پر پہنچ جائے گا، اسی طرح پر میرے اصحابؓ ہیں کہ جس کسی قول کو میرے اصحابؓ کے تم لے لو گے ہدایت پاؤ گے اور میرے اصحابؓ کا اختلاف تمہارے واسطے رحمت ہے۔‘‘

اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں اس لیے کہ علامہ طبرسی نے احتجاج [1] میں اور ملا باقر مجلسی نے ’’بحارالانوار‘‘ میں اس کی تصدیق کی ہے، پس یہ حدیث معناً مطابق حدیث سابق کے ہے بلکہ اَخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَکُمْ رَحْمَةٌ کا فقرہ اور زیادہ ہے پس انکار حدیث سابق سے جو ’’عیونِ اخبار‘‘ میں مذکور ہے تکذیب امام موسیٰ رضا کی ثابت ہوتی ہے، لیکن اگر ہم اس حدیث کو جو عیون اخبار میں مذکور ہے کَانَ لَّمْ یَکُنْ سمجھیں اور اسی حدیث کو جو ’’معانی الاخبار‘‘ سے ہم نے نقل کی صحیح جانیں تب بھی مطلب ہمارا فوت نہیں ہوتا، اس لیے کہ جو الفاظ اس حدیث کے ہیں وہ بھی موید ہمارے قول کے ہیں، باقی رہی تاویل و تحریف

[1] احتجاج طبرسی جلد۲: صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ ایران ۱۴۲۴ء۔

علمائے امامیہ کی اس کی نسبت بھی ہم بحث کرتے ہیں اور جو کچھ تاویلات انہوں نے کیے ہیں اس کو ظاہر کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ شیخ صدوق نے اس حدیث کو جس طرح اوپر ہم نے نقل کیا لکھ کر یہ الفاظ اور بڑھا دیے ہیں ((فَقِيلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَصْحَابُكَ قَالَ اَهْلُ بَيْتِىْ)) کہ جب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ اصحابؓ میرے مثل ستاروں کے ہیں اور ان کا اختلاف رحمت ہے تب پوچھنے والے نے پوچھا کہ یا حضرت آپؐ کے اصحاب کون ہیں؟ حضرتؐ نے جواب دیا میرے اہل بیت، انہیں الفاظ پر صاحب استقصاء نے اپنے جواب کو جو حدیث سابق کی نسبت ہے استدلال کیا ہے اور حدیث سابق کا ان لفظوں سے جواب دیا ہے:

((پس اگر در حدیث عیون جواب آنحضرت متعلق بهر دو حدیث باشدو معنایش آں ماشد که ازیں حدیث نجوم هم مراد اصحاب اند مخالفت و مناقضت باحدیث معانی الاخبار و امثال آں لازم می آید لهٰذا بالبدا هت قطعاً ثابت شد که جواب امام رضا علیه السلام متعلق بهر دو حدیث نیست بلکه آنحضرت فقط حال حدیث (دَعُوْالِىْ اَصْحَابِىْ) بیان فرموده و تفسیر آں با صحابیکه متغیر و متبدل نه شدند نموده زنگ شبها از خواطر اهل ایمان زدوده.))

''اگر ''حدیث عیون'' میں آنحضرتؐ کا جواب دونوں حدیثوں سے متعلق ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حدیث عیون میں نجوم سے بھی صحابہؓ مراد ہوں اور یہ حدیث معانی الاخبار کے مخالف و متضاد ہے، اس لیے اتنا ثابت ہوا کہ امام موسیٰ رضا کا جواب دونوں احادیث سے متعلق نہیں ہے بلکہ آپ نے حدیث ''دَعُوْا لِىْ اَصْحَابِىْ'' کا حال بیان فرمایا اور اس سے وہ اصحاب مراد لیے جن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ بیان کر کے آپ نے مومنوں کے دل سے شبہات کے

زنگ دور فرما دیے۔"

لیکن اس جواب میں بھی چند نقص ہیں (اول) ہم اس عبارت زائد کو صحیح نہیں سمجھتے اور اس کو تحریف شیخ صدوق کی جانتے ہیں کہ حضرت نے اپنے مذہب کے موافق یہ الفاظ بڑھا دیے ہیں اور یہ صرف ہم اپنی بدظنی سے نہیں کہتے اور ہم شیخ صدوق پر تہمت نہیں لگاتے بلکہ خود انہیں کے علماء ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہیں اور ان کو تحریف کے فن میں استاد جانتے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہووے تو وہ ملا باقر مجلسی کی بحار الانوار کو دیکھے کہ ملائے موصوف نے شیخ صدوق کی نسبت کیا فرمایا ہے، ایک حدیث میں جو ابی بصیر سے الفاظ شَاءَ مَاشَاءَ کے معنی میں منقول ہے، صدوق صاحب نے تحریف کی اور الفاظ حدیث کو کم زیادہ کر دیا اور جن لفظوں سے کافی میں منقول تھے نقل نہ کیا۔ اس پر مُلّا باقر مجلسی نے یہ الفاظ شان میں حضرت کے لکھے ہیں: ((هٰذَا الْخَبَرُ مَاخُوْذٌ مِنَ الْكَافِيْ وَفِيْهِ تَغْيِيْرَاتٌ عَجِيْبَةٌ تُوْرِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالصَّدُوْقِ وَاِنَّمَا فَعَلَ ذَالِكَ لِيُوَافِقَ مَذْهَبَ اَهْلِ الْعَدْلِ وَفِى الْكَافِىْ هٰكَذَا...... الخ)) کہ یہ خبر کافی سے لی گئی ہے اور اس میں عجیب تغیر و تبدل کیا گیا ہے جس سے صدوق کی نسبت بدظنی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث میں تغیر و تبدل اس لیے کیا ہے کہ اہل عدل کے مذہب کے موافق ہو جائے اور الفاظ حدیث کافی کے اس طرح پر ہیں فقط۔ اس کو لکھ کر ملا مجلسی نے الفاظ حدیث کافی کے نقل کیے ہیں، پس باقرار [1] ملا مجلسی کے ثابت ہوا کہ حضرت شیخ صدوق ذرا ذرا بات پر الفاظ حدیث کے بدل

[1] ملا محمد باقر ابن ملا محمد تقی ابن مقصود علی مجلسی بعہد شاہ عباس اوّل ۱۰۳۷ھ میں مجلسی اصفہان کی جانب منسوب ایک قریہ میں پیدا ہوئے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان کے دادا مقصود اعلیٰ ایک بلند مرتبہ شاعر تھے اور اپنا تخلص مجلسی کرتے تھے اس سبب سے "مجلسی" مشہور ہو گئے۔ شاہ سلیمان صفوی اور سلطان حسین صفوی کے ہم عصر تھے اور ان دونوں بادشاہوں کے حکم سے دار السلطنت اصفہان کی شیخ الاسلامی اور دینی امور کی سربراہی حاصل کی تھی۔ انہوں نے عربی فارسی میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ علمائے شیعہ کا کہنا ہے کہ علامہ حلی کے بعد ایسا کثیر التالیف والتصنیف کوئی دوسرا نہیں گزرا، ان کی تالیف وتصانیف سے ساٹھ کتابیں مشہور ہیں جن میں سب سے قابل ذکر "بحار الانوار" نامی انسائیکلو پیڈیا ہے جسے ملا باقر مجلسی نے ۲۵ جلدوں میں عربی زبان میں تالیف کیا ہے۔ اصول کافی کی شرح ⇦⇦⇦

دیتے تھے اور واسطے موافق کرنے ساتھ اپنے مذہب کے اماموں کی احادیث میں تغیر و تبدل کر دیا کرتے تھے۔ پس اگر اس حدیث میں جس سے صحابہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور جس کی صحت سے کل مذہب ہی باطل ہوا جاتا ہے کچھ الفاظ زائد کر دیے ہوں تو کیا عجب ہے بلکہ یقین کرنا چاہیے کہ ضرور انہوں نے اخیر فقرہ بڑھا دیا ہے اور کیوں نہ بڑھائے اس لیے کہ اگر حدیث کو انہیں لفظوں پر ختم کر دیتے اور اصحاب کا پیغمبر ﷺ کی زبان سے مثل ستاروں کے ہونا اور ان کی اقتدا کرنا تسلیم کر لیتے تو پھر اپنے مذہب کو کس طرح بچاتے، اس لیے ہم بھی ملا باقر مجلسی صاحب کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں اور حضرت شیخ صدوق کے حق میں اس حدیث میں الفاظ زائد کرنے کی نسبت وہی الفاظ کہتے ہیں کہ (اِنَّمَا فَعَلَ ذَالِكَ لِيُوَافِقَ مَذْهَبَ اَهْلِ الْعَدْلِ) لیکن اگر کسی کو اس پر اطمینان نہ ہو اور باوجود اقرار ملا مجلسی کے صدوق کی تحریف و تغییر پر یقین نہ آئے تو ہم چند دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں کہ الفاظ (فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَصْحَابُكَ فَقَالَ اَهْلُ بَيْتِىْ) بڑھائے ہوئے ہیں:

پہلی دلیل:

مولوی علی بخش خان صاحب بہادر اپنے ایک رسالہ میں فرماتے ہیں کہ اَصْحَابِىْ کا لفظ معما تھا یا چیستاں اور پہیلی تھی کہ جس کے پوچھنے کی ضرورت ہوتی اور سننے والا نہ سمجھتا اور بالفاظ مَنْ اَصْحَابُكَ استفسار کرتا، پس یہ سوال خود اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اپنی طرف سے بڑھایا ہے۔

⇦⇦⇦ ''مراۃ العقول'' اور فارسی میں ''حیات القلوب'' ''جلاء العیون'' و''حق الیقین'' وغیرہ بہت مشہور کتابیں ہیں۔ دوسرے شیعہ علماء کی کتابوں کے مقابلے میں علامہ مجلسی کی کتابوں کو شیعہ حضرات میں زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ ایرانی انقلاب کے سربراہ آیت اللہ روح اللہ خمینی نے بھی شیعوں کو علامہ مجلسی کی فارسی تالیفات پڑھنے کا مشورہ دیا ہے۔ ان کی کتابوں میں خلفاء راشدینؓ پر نہایت گندے انداز میں طعن و تنقید کی گئی ہے اور اس معاملے میں متاخرین شیعہ علماء میں ان جیسا فحش گو کوئی نہیں بنا بر مشہور قول ۱۱۱۱ھ میں وفات ہوئی۔ (شیخ محمد فراست)

دوسری دلیل:

اس حدیث سے اختلاف اصحاب کا ثابت ہوتا ہے اور موافق اصول شیعوں کے اہل بیت باہم مختلف نہیں ہوتے، پس کیوں کر اصحاب سے اہل بیت مراد لینا جائز ہوگا اور (اِخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَکُمْ رَحْمَۃٌ) کے فقرے کے کیا معنی ہوں گے۔ چنانچہ خود اسی حدیث میں بعد ان الفاظ کے جو ہم نے نقل کیے شیخ صدوق صاحب یہ فرماتے ہیں: ((قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیْ مُؤَلِّفُ ھٰذَا الْکِتَابِ اَنَّ اَھْلَ الْبَیْتِ عَلَیْھِمِ السَّلَامِ لَا یَخْتَلِفُوْنَ وَلٰکِنْ یُّفْتُوْنَ الشِّیْعَۃَ بِمُرِّ الْحَقِّ وَاِنَّمَا افْتُواھُمْ بِالتَّقِیَّۃِ فَمَا یَخْتَلِفُ مِنْ قَوْلِھِمْ فَھُوَا لِتَّقِیَّۃُ وَالتَّقِیَّۃُ رَحْمَۃٌ لِلشِّیْعَۃِ)) کہ مؤلف اس کتاب کا کہتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام تو کچھ اختلاف نہیں کرتے بلکہ اپنے شیعوں کو صحیح فتویٰ دیتے ہیں، البتہ کبھی کبھی کوئی فتویٰ تقیے سے بھی کر دیتے ہیں، پس اختلاف سے مراد تقیہ ہے اور تقیہ شیعوں کے حق میں رحمت ہے۔ اگرچہ صدوق اور ان کے پیرو اس جواب پر ناز کریں مگر کوئی اہل عقل اس جواب کو پسند نہ کرے گا، اس لیے کہ تقیہ کے معنی ہیں سچ بات کو بہ سبب خوف کے چھپانا اور جھوٹ کو ظاہر کرنا، پس سوائے حضرات امامیہ کے دوسرا کون ہے کہ جھوٹ بولنے کو رحمت سمجھے گا اور (اِخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَکُمْ رَحْمَۃٌ) کی حدیث کو تقیے پر محمول کرے گا۔ لیکن اگر ہم اختلاف کو تقیے پر منحصر سمجھیں تو گویا حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ میرے اہل بیت کے جس قول پر کوئی عمل کرے گا وہ ہدایت پائے گا اگرچہ وہ قول باہم مختلف ہوں اور ایک دوسرے سے مخالف ہوں اس لیے کہ اختلاف میرے اہل بیت کا رحمت ہے فقط۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہزارہا احادیث اور اقوال اماموں کے ایسے ہیں کہ جن کو اہل سنت مانتے ہیں اور حضرات امامیہ ان کو تقیے پر محمول کرتے ہیں لیکن جب تقیہ رحمت میں شمار کیا گیا تو سنیوں کا ان اقوال پر عمل کرنا جو اماموں نے براہ تقیہ کے فرمائے عین ہدایت ٹھہرا ورنہ اگر تقیے کے قولوں پر عمل کرنے والے خطا پر ہوں اور گمراہ ٹھہرائے جائیں تو پھر معنی ان الفاظ کے کہ ((بِاَیِّ اَقَاوِیْلَ اَصْحَابِیْ اَخَذْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ وَاِخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَکُمْ رَحْمَۃٌ)) کے کیا معنی

ہوں گے اور کوئی یہ نہ خیال کرے کہ ائمہ کرام نے جو اقوال اور احکام براہ تقیہ کے فرمائے ہیں وہ مجمل اور مشترک المعنی نہیں ہیں بلکہ نہایت صاف اور صریح ہیں اور یہ بھی کوئی نہ سمجھے کہ انہوں نے اس وقت کہنے ان اقوال اور دینے ان احکام کے اس کا خیال نہیں کیا کہ پوچھنے والا اور سننے والا گمراہ ہوگا بلکہ جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر ان ❶ اقوال کو فرمایا ہے کہ پوچھنے والا اور سننے والا اس پر یقین کرے اور کسی طرح اس کو اس قول کی صداقت میں شبہ نہ رہے جیسا علمائے امامیہ نے اس کو خود بیان کیا ہے، چنانچہ میر باقر داماد نبراس ایفیاء میں فرماتے ہیں کہ جو فتوے ائمہ کرام نے موافق قاعدہ تقیہ کے دیے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان سے غرض تعلیم ہے تا کہ اس کا جواز بیان کیا جائے کہ وقت ضرورت کے اس پر عمل کیا جائے اور بامید اس کے کہ مومنین کو حق بات بتلا ہی دی گئی ہے، اور ان میں سے بعض فتوے ایسے ہیں کہ جو ایسے پوچھنے والے نے پوچھے کہ اپنے باطل مذہب پر فریفتہ تھا اور اپنے دین کج پر اعلیٰ درجہ کا غلو رکھتا تھا تو ایسے شخص کو ائمہ کرام نے اسی کے دین و مذہب کے موافق فتوے دے دیے، اس لیے کہ نہ اس کی ہدایت پانے کی امید تھی نہ راہِ راست پر آنے کا یقین تھا۔ پس جب اماموں نے دیدہ ودانستہ پوچھنے والے کو فتویٰ اس کے دین و مذہب کے موافق بتلا دیا تو گو وہ فتویٰ مخالف اور روایتوں کے ہو لیکن بہ نسبت (اِخْتَلَافُ اَصْحَابِیْ لَکُمْ رَحْمَةٌ) کے پوچھنے والے کے حق میں رحمت ہو گیا اور بمقتضائے (بِاَیِّ اَقَاوِیْلَ اَصْحَابِیْ اَخَذْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ) کے اس پر عمل کرنے والا ہدایت پانے والوں میں محسوب ہوگا۔

تیسری دلیل:

صاحب استقصاء نے حدیث ''عیونِ اخبار'' کی تکذیب پر یہ دلیل بیان کی ہے کہ اگر وہ حدیث صحیح ہو تو مخالفت دوسری حدیث سے جو ''معانی الاخبار'' میں مذکور ہے لازم آتی ہے، یہ دلیل بالکل پوچ ہے، اس لیے کہ اگر عبارت زائد پر جو شیخ صدوق نے بڑھا دی ہے لحاظ نہ کیا جائے تو دونوں حدیثوں کا مضمون موافق ہوتا ہے نہ مخالف، اس لیے کہ ''عیونِ اخبار''

---

❶ اصل عبارت اس کتاب کی بحث تقیہ میں منقول ہوگی ۱۲۔

کی حدیث کے الفاظ ہیں ((اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اَقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ))اور معانی الاخبار کی حدیث کے الفاظ یہ ہے ((اِنَّ مَثَلَ اَصْحَابِیْ فِیْکُمْ کَمَثَلِ النُّجُوْمِ بِاَیِّهَا اُخِذَ اُهْتُدِیَ)) پس ہم نہیں جانتے کہ دونوں حدیثیں باعتبار معنی کے کیوں کر مخالف ہیں باقی رہی بحث عبارت زائد ((فَقِیْلَ یَارَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ اَصْحَابُكَ)) کی اس کو ہم تحریف شیخ صدوق کی سمجھتے ہیں اور اس کے دلائل ہم ابھی بیان کر چکے ہیں پس اگر ہم تسلیم کریں کہ جو حدیث ((اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ))کو امام موسیٰ رضا نے موضوع اور غیر صحیح فرمایا تو جب اس کی صحت امام باقر علیہ السلام کے بیان سے ہوتی ہے تو ایک امام کے قول سے دوسرے امام کی تکذیب لازم آتی ہے۔ ہاں، اگر ”معانی اخبار“ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا کہ حدیث ((اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ))معنًا موضوع اور غلط ہے تو ہم صاحب استقصاء کے جواب کو ان کے اصول کے مطابق تسلیم کر لیتے لیکن جب اس سے بھی اس کی صحت ثابت ہوتی ہے تو ہم نہایت تعجب کرتے ہیں کہ مؤلف موصوف نے حدیث ”معانی الاخبار“ کے بیان کرنے میں سوائے اس کے کہ حدیث (اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ) کی صحت کو ایک دوسرے امام کے قول سے ثابت کر دیا کیا فائدہ اپنے واسطے تصور کیا تھا۔

علاوہ بریں غور کرنے کی بات ہے کہ اگر پوچھنے والا یہ سوال نہ کرتا کہ اصحاب سے مراد کون لوگ ہیں تو یہ کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ اصحاب سے مراد اہل بیت ہیں، پس کیوں کر قیاس میں آئے کہ اگر پیغمبر خدا ﷺ یہ حدیث شان میں اہل بیت کے فرماتے تو وہ ایسا لفظ استعمال کرتے جس کا اطلاق عرفاً اہل بیت پر نہیں ہوتا اور کیوں کر عقل قبول کرے کہ اصحاب کے لفظ کو سائل نہ سمجھا ہوگا اور اس نے اس کے معنی حضرت ﷺ سے پوچھے ہوں گے، اس لیے کہ ہم اکثر احادیث میں دیکھتے ہیں کہ لفظ اصحاب کا آیا ہے اور پھر کسی ایک میں بھی ایسا سوال نہیں دیکھتے مثلاً حدیث (دَعُوْا لِیْ اَصْحَابِی) کو دیکھنا چاہیے کہ خود صاحب استقصاء اس کو صحیح بتلاتے ہیں اور امام موسیٰ رضا کی تصدیق کو اسی پر ختم کرتے ہیں تو اس کے بعد یہ عبارت نہیں ہے [1] (فَقِیْلَ

---

[1] تو پوچھا گیا کہ آپ کے اصحاب کون ہیں۔۱۲

مَـنْ اَصْـحَابُكَ) تو کیوں کر ہم جانیں کہ کبھی کسی شخص نے اصحاب کے لفظ کو پیغمبر ﷺ سے سن کر اس کے معنی نہ پوچھے اور اس حدیث میں لفظ اصحاب ایسا مغلق اور معما ہو گیا کہ بغیر پوچھنے معنی کے سننے والا اس کے معنی نہ سمجھا اور بدون اس کی شرح دریافت کرنے کے سامع سے نہ رہا گیا۔ وھذه ❶ (مَا يَضْحَكُ عَلَيْهِ الصِّبْيَانُ).

چوتھی دلیل:

اگر ہم اس عبارت زاید کو جو ''معانی الاخبار'' کی حدیث میں ہے موافق قول صدوق کے تسلیم بھی کریں اور ''عیون الاخبار'' کی حدیث کو ''معانی الاخبار'' کی حدیث سے مخالف ہونا بھی قبول کریں تب بھی صرف اس وجہ سے کہ دونوں میں مخالفت ہے یہ کیا ضرور ہے کہ ''عیون الاخبار'' کی حدیث کو غلط ٹھہرائیں اور کیوں اس حدیث کو صحیح کہہ کر ''معانی الاخبار'' کی حدیث کو غلط نہ ٹھہرائیں بلکہ غلط ٹھہرانے کی ضرورت ہی نہیں ہے فقط اخیر کا جمایا ہوا فقرہ دور کر کے دونوں حدیثوں کا اختلاف دور کر دیں۔ علاوہ بریں ہم کو صاحب استقصاء کے اس امر پر نہایت تعجب آتا ہے کہ وہ اختلاف کے سبب سے ایک حدیث کو غلط ٹھہراتے ہیں، اس لیے کہ حضرت کے محدثین اور علماء نے ایسی احادیث اور اقوال نہیں بیان کیے کہ جن کے اختلاف پر تعجب ہو، ائمہ کرام اسی کا افسوس کرتے رہے، مجتہدین متاخرین اسی غم میں مر گئے اور احادیث کا اختلاف دور نہ کر سکے، پس جب اختلاف درجہ غایت پر پہنچ گیا ہو اور باوجود مساعی جمیلہ متقدمین کے اس کا رفع ہونا محالات میں سے ٹھہر گیا ہو تو ایک دو حدیث کے اختلاف پر کیوں اس قدر افسوس ہے۔ تعجب ہے صاحب استقصاء کی ذات سے کہ حضرت نے اپنے امام اعظم طوسی کا قول ملاحظہ نہیں فرمایا کہ جس میں اقرار ہے کہ فقط کتاب تہذیب میں پانچ ہزار سے زیادہ حدیثیں ہیں جو باہم متعارض اور متناقض ہیں اور جن کا تعارض ہزار تاویل اور تحریف معنوی سے چھپانا چاہا اور نہ چھپ سکا، چنانچہ ان کے امام اعظمؒ کی تقریر جو صاحب فوائد مدینہ

---

❶ یہ ایسی بات ہے جس پر بچے بھی ہنسیں۔۱۲

نے نقل کی ہے، یہ ہے:

((وَقَدْ ذَكَرْتُ مَاوَرَدَ عَنْهُمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنَ الْاَحَادِيْثِ الْمُخْتَلِفَةِ الَّتِىْ يَخْتَصُّ الْفِقْهَ فِىْ كِتَابِ الْمَعْرُوْفِ...... بِالْاِسْتِبْصَارِ وَ فِىْ كِتَابِ تَهْذِيْبِ الْاَحْكَامِ مَايَزِيْدُ عَلٰى خَمْسَةِ اٰلَافِ حَدِيْث وَقَدْ ذَكَرْتُ فِىْ اَكْثَرِهَا اِخْتِلَافُ الطَّائِفَةِ فِى الْعَمَلِ بِهَا وَذٰلِكَ اَشْهَرُ مِنْ اَنْ يَّخْفٰى .))

''میں نے ذکر کر دیا ہے کہ ''استبصار'' اور کتاب ''تہذیب الاحکام'' میں (ائمہ کرام سے) فقہ سے متعلق پانچ ہزار سے زیادہ باہم مختلف اور ایک دوسرے سے متعارض احادیث آئی ہیں اور ان میں سے اکثر پر عمل کے سلسلہ میں جماعت کے اختلاف کو بھی بیان کر دیا ہے اور یہ تو مشہور بات ہے اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔''

اور یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ اختلاف صرف راویوں کے سبب سے ہے بلکہ حضرات امامیہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ اختلاف خود ائمہ کی طرف سے ہے، چنانچہ ملا باقر مجلسی نے بحارالانوار میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ کوئی شے سخت زیادہ ہم پر اس سے نہیں ہے کہ ہمارے آپس میں بڑا اختلاف ہے، تب امام نے جواب دیا کہ یہ اختلاف ہماری طرف سے ہے [1] اور اسی میں بروایت زرارہ کے لکھا ہے کہ اس نے امام باقر علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا حضرت امام نے اس کو کچھ جواب دیا اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا، اس کو برخلاف پہلے جواب کے جواب دیا کہ پھر تیسرا شخص آیا اس کو دونوں جوابوں کے برخلاف جواب دیا۔ جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تب میں نے کہا کہ یا ابن رسول اللہؐ! اس کا کیا سبب ہے کہ دو آدمی عراق سے آئے اور

---

[1] وھذہ عبارتہ عن محمد بن بشیر و عزیز عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قلت لہ، انہ لیس شئی اشد علیّ من اختلاف اصحابنا قال ذالک من قبلی۔ ١٢

وہ دونوں آپ کے شیعوں میں سے تھے اور آپ نے دونوں کو جواب ایک دوسرے سے خلاف دیا ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہی ہمارے حق میں بہتر ہے اور اسی میں ہماری تمہاری خیریت ہے، اگر اس میں تم سب مختلف نہ ہو اور ایک بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ تم کو نہ چھوڑیں اور ہم تم زندہ نہ رہنے پاؤ اور پھر زرارہ کہتا ہے کہ جب امام جعفر صادق سے اس امر کو میں نے پوچھا تو انہوں نے بھی اپنے پدر بزرگوار کے موافق جواب دیا۔ [1] اور یہ کوئی نہ سمجھے کہ فقط ایک مسئلے میں دو تین ہی مختلف احکام ائمہ کرام دیا کرتے تھے بلکہ ستر (۷۰) تک نوبت پہنچتی تھی جیسا کہ بحارالانوار میں امام جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ امام موصوف فرماتے ہیں کہ ''میں ایک بات میں ستر (۷۰) پہلو رکھتا ہوں جس سے چاہوں [2] نکل جاؤں۔'' غرض کہ ان اختلافات کو کوئی کہاں تک بیان کرے جس کو اس باغ کی بہار دیکھنا ہو وہ (بَابُ کِتْمَانِ الدِّیْنِ عَنْ غَیْرِ اَھْلِہٖ) کو ''بحارالانوار'' سے نکال کر ذرا سیر کرے۔

پس جب کہ اختلاف احادیث کا یہ حال ہو اور خود حضرات ائمہ ایک بات میں ستر (۷۰) بات پیدا کرتے ہوں اور ایک وقت میں ایک سوال کے جواب میں اپنے مخلصین شیعوں کو ایسے مختلف جواب دیے ہوں جن میں سے ایک کو دوسرے سے نسبت نہ ہو اور اسی میں اپنی اور اپنے شیعوں کی خیریت سمجھے ہوں تو پھر صاحب استقصاء دو حدیثوں کے اختلاف پر کیوں تعجب کرتے اور کس لیے ان کی تطبیق کی فکر فرماتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف

---

[1] وھذہ عبارتہ عن زرا ۃ عن ابی جعفر قال قال سالتہ عن مسئلۃ فا جابنی قال ثم جاء رجل فسالہ عنھا فاجابہ بخلاف ما اجا بنی و اجاب صاحبی فلما خرج الرجلان قلت یا ابن رسول اللہ رجلان من اھل العراق من شیعتك قدما یسلان فاجبت کل واحد منھما بغیر ما اجبت بالآخر فقال یا زرارۃ ان ھذا خیرلنا وابقی لنا ولکم لواجمعتم علی امرواحد لقصد کم الناس ولکان اقل بقائنا وبقائکم فقلت لابی عبداللہ شیعتکم لوحملتموھم علی الاسنۃ وعلی النساء لمضوا وھم یخرجون من عندکم مختلفین قال فسکت اعدت ثلاث مرات فاجا بنی مثل جواب ابیہ۔ ۱۲ (اصول کافی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۳۷۔شافی ترجمہ اردو اصول کافی جلد ا صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ کراچی)۔

[2] وھذہ الفاظ عن ابی عبداللہ قال انی لاتکلم علیٰ سبعین وجھا لی فی کلھا المخرج ۱۲۔

ان منافقوں اور جھوٹوں نے کیا ہے جن کو ائمہ اپنے پاس آنے نہ دیتے تھے اور وہ ائمہ کو بدنام کرتے تھے اور اپنی طرف سے حدیثیں اور باتیں بنا کر ان کی طرف منسوب کرتے تھے اور ائمہ کرام ان سے بیزاری ظاہر کرتے تھے اور ان پر لعنت کرتے تھے اور ان کو کاذب وملعون کہتے تھے۔ اور وہ اپنی جھوٹی بنائی ہوئی باتوں کو ائمہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور اس امر کو ہم آئندہ شیعوں کی کتابوں سے ثابت کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری شہادت:

دوسری شہادت صحیفہ کاملہ میں جس کا ایک ایک لفظ حضرات امامیہ کے نزدیک صحت اور اعتبار میں کم از الفاظ قرآنی نہیں ہے لکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پیغمبر خدا ﷺ کے اصحاب اور ان کے تابعین کی نسبت ان لفظوں سے دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ وَاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ خَاصَّةُ الَّذِيْنِ اَحْسَنُوْ الصَّحَابَةَ وَالَّذِيْنَ اُبْلِئُوْا الْبَلَاءَ الْحَسَنِ فِیْ نَصْرَہٖ...... الخ)) [1]

”اے خداوندا! رحمت نازل کر اوپر اصحاب محمد ﷺ کے خاص کر اوپر ان اصحاب کے جنھوں نے حق صحبت نہایت خوبی سے ادا کیا اور جنھوں نے سب طرح کی مصیبتوں۔“

---

[1] وكلانفوه و اسرعوا الى وفادته وسابقوا الیٰ دعوته استجابواله حيث اسمعهم حجة رسالاته وفار قوا لازواج وا لاولاد فى اظهار كلمته وقاتلو الآباء والابناء فى تثبيت نبوته وانتصر وابه ومن كا نوا منظوين على محبته يرجون تجارة لن تبور فى مودته والذين هجرت هم العشائر اذا تعلقوا بعروته وانتفت منهم القرابات اذا سكنوا فى ظل قرابته فلاتنس لهم اللهم ماتر كو الك و فيك وارضهم من رضوانك وبما حاشوا الخلق عليك وكانوا مع رسولك وعاة لك اليك واشرهم علیٰ هجرهم فيك ديار قومهم و خروجهم من سعة المعاش الیٰ ضيقه ومن كثرت فى اغراز دينك من مظلومهم اللهم واوصل الیٰ التابعين لهم باحسان الذين يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان خير جزائك الذين قصدو اسمتهم وبحروا اوحيتهم و مضوا علیٰ شا كلتهم لم يثنهم ريب فى بصيرتهم ولم نحلجهم شك فى فقو آثارهم والا تيمام بهداية منام رهم مكانفين موازرين لهم يدينون بدنيهم ويهتدون بهديهم يتفقون عليهم ولا يتهمونهم فيما ادوا اليهم اللهم وصل على التابعين من يومناهذا الى يوم الدين وعلى ازواجهم وذرياتهم۔ ۱۲

اور ایذاؤں کو اس کی اعانت میں گوارہ کیا اور جنہوں نے مل کر اس کی مدد میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور جنہوں نے اس کی رسالت کے قبول کرنے میں بڑی جلدی کی اور اس کی دعوت کی اجابت میں سبقت کی جب ان کو پیغمبر خدا نے اپنی پیغمبری کی حجتیں بتائیں انہوں نے بلاتوقف قبول کیا اور ان کے کلمے کے ظاہر کرنے میں اپنے بیوی اور بچوں کو چھوڑا اور ان کی نبوت کے ثابت کرنے میں اپنے باپ اور بیٹوں کو قتل کیا۔ جب انہوں نے پیغمبر کا دامن پکڑا تو ان کے کنبے قبیلے کے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور جب وہ پیغمبر کے قرابت کے سائے میں آئے تب ان کے رشتہ داروں نے ان سے رشتہ توڑ دیا، پس خدایا مت بھولنا تو ان باتوں کو جو پیغمبر ﷺ کے اصحاب نے تیرے واسطے اور تیری راہ میں سب کو چھوڑا، اور راضی کر دینا تو ان کو اپنی رضا مندی سے اس لیے کہ انہوں نے خلق کو تیری طرف جمع کر دیا اور تیرے پیغمبر ﷺ کے ساتھ دعوت اسلام کا حق ادا کیا۔ الٰہی وہ شکر کرنے کے لائق ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم اور کنبے کے گھر اور اپنے وطن کو تیرے پیچھے چھوڑا اور عیش و آرام کو ترک کر کے ضیق معاش کو تیرے لیے اختیار کیا اور خداوندا ان کے تابعین کو جزائے خیر دے جو کہ دعا کیا کرتے ہیں: ''پروردگار ہماری مغفرت کر اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم میں سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں۔'' کیسے تابعین جو ان کی راہ پر چلتے ہیں اور ان کے آثار کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی ہدایت کی نشانیوں کی اقتدا کرتے ہیں جن کوئی کوئی شک ان کی نصرت میں نہیں ہوتا اور جن کے دل میں کوئی شبہ ان کے آثار کی پیروی میں نہیں آتا کیسے تابعین جو معاون اور مددگار اصحاب کے ہیں اور جو اپنا دین ان کے دین کے موافق رکھتے ہیں اور جو ان کی ہدایت کے مطابق ہدایت پاتے ہیں اور جو اصحاب سے اتفاق رکھتے ہیں اور جو کچھ اصحاب نے ان کو پہنچایا اس میں ان پر کچھ تہمت نہیں کرتے ہیں اور خدایا رحمت نازل کر ان اصحاب کی تبعیت کرنے والوں پر آج کے دن سے جس میں ہم ہیں قیامت تک اور ان کی ازواج و ذریات پر۔ فقط [1]

---

[1] صحیفہ کاملہ صفحہ ۱۱۲ سطر ۸، مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ، ۲۰۰۵ء۔

اے مسلمانو! اس دعا کے لفظوں پر خیال کرو اور ان کے معنی غور سے سوچو اور سمجھو کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا میں کن لفظوں سے پیغمبر ﷺ کے اصحاب کو یاد فرمایا ہے اور ان کے محامد اور اوصاف کو کس خوبی سے بیان کیا ہے اور ان کی کوششوں اور مصیبتوں کو جو راہِ خدا میں اٹھائیں کس طرح پر ظاہر کیا ہے اور ان کے حق میں کس سوز دل سے دعا فرمائی ہے، کون شخص ہے کہ جو دعویٰ ایمان اور اسلام کا رکھتا ہو وہ بعد سننے اس دعا کے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں شک کرے گا اور کون آدمی ہے کہ جو ائمہ کرام کی امامت کو اصول دین سے سمجھتا ہوگا اور ان کے اقوال اور فعل پر عمل کرنے کا دعویٰ رکھتا ہوگا، وہ امام کی زبان سے ایسی تعریفیں صحابہؓ کی سن کر ان کا معتقد نہ ہوگا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب ہم صحابہ کے فضائل میں احادیث اور اقوال کو اپنی کتابوں سے نقل کرتے ہیں تو حضرات امامیہ ان کو موضوع اور غلط کہہ دیتے ہیں اور جب ان کی کتابوں سے ائمہ کرام کے اقوال کی سند لاتے ہیں تو اس کو تقیے پر محمول فرما دیتے ہیں لیکن یہ دعا صحیفہ کاملہ کی ایسی ہے کہ جس پر تقیے کا بھی احتمال نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ وہ دعا ہے جو امام زین العابدین مناجات میں بوقت خلوت حالت خاص میں خدا سے کیا کرتے تھے اور راز و نیاز کے وقت اصحاب رسول کی تعریفیں خدا کے روبرو کر کے ان پر درود بھیجا کرتے تھے اور ان کی کوششوں اور مصیبتوں کو جو خدا کی راہ میں اٹھائیں بیان کر کے خدا سے ان کے لیے طلب رحمت کیا کرتے تھے، پس اس وقت نہ کسی کا خوف تھا نہ کسی سے اندیشہ کہ جس سے ضرورت تقیہ کرنے کی ہوتی، پس اس دعا میں احتمال تقیہ کی بھی گنجائش باقی نہ رہی اور امام کی زبان سے اعلیٰ درجہ کی تعریف اصحاب رسول کی ثابت ہوگئی۔ پس حضرات امامیہ کو چاہیے کہ اوّل سے آخر تک اس دعا کو دیکھیں اور لفظ لفظ پر غور فرمائیں اور انصاف کریں کہ جب امام علیہ السلام مناجات میں ایسی ستائش اصحاب کی کریں اور ان کے تابعین کے حق میں دعائے خیر فرمائیں اور بالفاظ (وارضھم من رضوانك واشكرهم على هجرهم فيك) ان کے لیے رضائے الٰہی کے طالب ہوں اور ان کے مصائب اور تکالیف کو ذریعہ رضوان الٰہی کا جانیں اور

ان کو باعث ترقی دین اسلام کا فرماویں اور پھر بھی ائمہ کی اطاعت کے دعویٰ کرنے والے اور اپنے آپ کو قدم بقدم ائمہ کے طریقوں پر چلنے والے اپنے آپ کو امامیہ کہنے والے برخلاف اس کے اصحاب رسول کی برائیاں بیان کریں اور ان کی ہجو و مذمت کو شعائر دین سے ٹھہراویں اور ان کی عیب جوئی میں شب و روز صرف اوقات کریں اور ان کے محامد و اوصاف سے اغماض کر کے مطاعن کے اظہار میں مصروف رہیں اور بجائے دعائے خیر اور طلب رحمت کے ان کے حق میں بددعا کرنے کو عبادت جانیں اور ان کی پیروی کو ذریعہ ضلالت و گمراہی کا سمجھیں اور جو کوئی ان کی چال چلنا چاہے اس کو دائرۂ اسلام سے خارج جانیں اور جو کوئی ان پر تہمت کرے اور ان سے دشمنی رکھے اس کو بڑا مومن پاک تصور کریں۔ معلوم نہیں کہ ان حضرات کی اصطلاح میں محبت اور ایمان کے کیا معنی ہیں اور عداوت اور کفر کا کیا مطلب ہے۔ اہل سنت جو ائمہ کرام کے اقوال و اعمال پر عمل کریں وہ خارجی اور ناصبی کہلائیں اور حضرات شیعہ جو ان کے اقوال و افعال سے مخالفت رکھیں وہ امامیہ اور دوست اہل بیت کے ٹھہریں۔'' فاعتبروا یا اولی الابصار ان ھذا الشئ عجیب۔

جاننا چاہیے کہ اس دعا سے چند فائدے حاصل ہوئے (اول) امام کا اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرنا اور ان پر درود بھیجنا اور ان کے حق میں گمان نیک رکھنا۔ (دوسرے) ان اصحاب کا سب سے افضل ہونا جو سب سے اوّل ایمان لائے اور اصحاب رسول کا خدا کی راہ میں ایذائیں اور مصیبتیں اٹھانا اور خدا کے لیے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا اور پیغمبرؐ کے پیچھے ان کے قریبی اور رشتہ داروں کا ان سے قرابت اور رشتہ چھوڑ دینا اور خدا کے دین میں داخل ہونے کے لیے لوگوں کو دعوت اسلام کی کرنا (تیسرے) اصحاب کے تابعین کی فضیلتیں اور ان کی نشانیاں۔ اب ہر ایک امر کی نسبت ہم علیحدہ علیحدہ بحث کرتے ہیں۔

امر اول: امام کا اصحاب رضی اللہ عنہم کے حق میں دعائے خیر کرنا:

اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرنا اور ان کو نیکی سے یاد کرنا درحقیقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرنا ہے، اس لیے کہ خود حضرت نے ان کے حق میں ایسا فرمایا ہے، چنانچہ

اوپر ہم ''عیون الاخبار'' سے اس حدیث کو بیان کر چکے ہیں کہ حضرت پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: کہ (دعوالی اصحابی) کہ میرے اصحابوں کو میرے لیے چھوڑ دو اور میری صحبت کے حقوق کی ان کے حق میں رعایت کرو، اور اس کی تائید میں اور احادیث اور اقوال نقل کرتے ہیں۔

اوّل:...... ''حدیقة سلطانیه'' کی جلد سوم بحث نبوت میں جناب میرن صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ جب پیغمبر ﷺ کا وقت وفات قریب آیا تو حضرتؐ نے منبر پر جا کر اصحابؓ سے پوچھا کہ میں کیسا پیغمبر تھا، سبھوں نے عرض کیا کہ جو کچھ صبر آپؐ نے خدا کی راہ میں گوارا کیا اس کی جزائے خیر خدا آپ کو دے تب حضرت نے جواب میں فرمایا: ''خدا شمارا نیز جزائے خیر دهد'' (خدا تم کو بھی اچھا بدلہ دے) یہ روایت صفحہ ۳۲۸ حدیقہ سلطانیہ میں موجود ہے، پس معلوم نہیں کہ اس وقت جب کہ ہزاروں اصحاب موجود تھے اور واسطے وداع پیغمبر خدا ﷺ کے مسجد میں جمع ہوئے تھے حضرتؐ کا ان سے مخاطب ہو کر یہ فرمانا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے کس امر پر محمول کیا جائے اور کیوں کر ایسے اصحاب کے حق میں گمان نیک نہ کیا جائے۔

دوم:...... تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں لکھا ہے:

((ان رجلا ممن يبغض ال محمد و اصحابه او واحدا منهم يعذبه الله عذابا لو قسم على مثل ما خلق الله لا هلكم اجمعين .))

''اگر کوئی شخص دشمنی رکھے آل محمد ﷺ سے اور اصحاب محمد سے یا ایک سے بھی منجملہ ان کے اس پر خدا ایسا عذاب کرے گا کہ اگر وہ تقسیم کیا جائے تمام خلق پر تو وہ سب ہلاک ہو جائیں۔''

پس جس طرح پر آل محمد ﷺ کی دشمنی حرام ہے، اسی طرح پر اصحاب محمد کی عداوت حرام ہے۔

سوم:...... پیغمبر خدا ﷺ نے اپنے اصحاب کے سبّ و دشنام سے منع کیا ہے، چنانچہ

''جامع اخبار'' میں کہ معتمدین کتب شیعہ سے ہے منقول ہے:

((قال النبی من سبنی فاقتلوہ و من سب اصحابی فاجلدوہ.))

''جو کوئی مجھے برا کہے اس کو قتل کرو اور جو کوئی میرے اصحاب کو برا کہے اس کو درّے لگاؤ۔''

چہارم:......کتاب ''مفتاح الشریعۃ'' اور ''مفتاح الحقیقت'' میں جس کو مُلّا باقر مجلسی نے...... بحارالانوار میں اور قاضی نور اللہ شوستری وغیرہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے کہ غیبت بہت برا عیب ہے اور بہتان اور افترا اس سے بھی بڑھ کر ہے، یہ عمل جب کہ آدمیوں کے حق میں غیبت اور بہتان گناہ کبیرہ ہے تو پھر اصحاب پیغمبر خدا ﷺ کے حق میں کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ پس ان کے حق میں اعتقاد نیک رکھنا ضروریات سے ہے، ان کے فضائل بیان کرنے میں رطب اللسان رہنا چاہیے اور ان کے دشمنوں کی صحبت سے نفرت رکھنا چاہیے کہ اس سے نفاق خفی دل میں پیدا ہوتا ہے، پس باوجود اس کے کہ یہ روایتیں خود شیعوں کی کتابوں میں موجود ہوں اور پیغمبر خدا کا اور ائمہ کرام کا دعائے خیر کرنا اصحاب کے حق میں ثابت ہوا اور پھر وہ اصحاب کے کینے کو افضل عبادت جانیں اور لعنت کرنے کو جو کہ خود انہی پر لوٹتی ہے عمدہ ترین اطاعت جانیں اور جن پر امام زین العابدین اور دیگر ائمہ کرام درود بھیجیں ان پر تبرا کریں اور اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے سوائے لعنت کے اپنی زبان پر دوسرا لفظ نہ لائیں اور بجائے ''لعنتیہ'' کے اپنے فرقے کا نام ''امامیہ'' رکھیں۔

امر دوم: پیغمبر ﷺ خدا کے یاروں کا، ایمان کے سبب مصیبت پانا اور ایذا پانا اور جو سب سے اوّل ایمان لائے ان کا اوروں سے افضل اور بہتر ہونا:

اس دعا سے امام علیہ السلام کے پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء کے اصحاب کرام کے جو فضائل ثابت ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ان کا پیغمبر ﷺ کی مددگاری میں مصائب اور تکالیف کا پانا، حضرت کی محبت میں اپنے بال بچوں اور گھر بار کو چھوڑنا اور اپنے وطن سے ہجرت کر جانا، اثبات نبوت میں اپنے باپ بیٹوں، عزیزوں کو قتل کرنا، پیغمبر خدا ﷺ کی دعوت کو قبول

کرنا اور خلق کو خدا کی طرف جمع کر دینا۔ان فضائل کو امام نے اس تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ کسی شیعہ کو کیسا ہی متعصب کیوں نہ ہو اس کی تکذیب و تاویل کی جرأت باقی نہیں رہی، اس لیے کہ کتاب ''صحیفہ کاملہ'' ایسی معتبر کتاب ہے کہ حضرات شیعہ اس کو ''زبور آل محمد'' کہتے ہیں اور اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف کو صحیح جانتے ہیں اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کی تصدیق کرتے ہیں، پس ان فضائل کو جو امام نے بیان کیے دیکھ دیکھ کر گو دل میں جلتے ہوں اور اپنے محدثین اور علماء کو اس کی تصدیق و تصحیح پر برا بھلا کہتے ہوں، لیکن کسی طرح پر اس کی تکذیب نہیں کر سکتے باقی رہی تاویل اس کی تین صورتیں ہیں (۱) یا یہ کہ ان فضائل کا مصداق سوائے صحابہ کے اور کسی کو گردانیں جیسا کہ حدیث (اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ) وغیرہ میں گردانا، (۲) یا یہ کہ اس کو تقیے وغیرہ پر محمول فرمائیں جیسا کہ اور احادیث ائمہ میں کیا ہے (۳) یا یہ کہ ان فضائل کو اپنے مقبولین صحابہ کے حق میں قبول کریں اور اکثر مہاجرین اور انصار کو خصوصاً خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس سے خارج سمجھیں، لیکن تینوں طرح سے تاویل کا دروازہ بند ہے اور سوائے اس کے کہ موافق ہمارے مذہب کے ان فضائل کو تمام مہاجرینؓ وانصارؓ کی نسبت خصوصاً خلفاء ثلاثہ کے حق میں تسلیم کریں اور دوسرا چارہ نہیں ہے، چنانچہ ہم تینوں تاویلوں کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔

امر اوّل کہ مصداق ان فضائل کے صحابہ کرامؓ نہیں ہیں اس کا خود کسی شیعہ نے دعویٰ نہیں کیا بلکہ ان فضائل کا صحابہؓ کی شان میں وارد ہونے کو ان کے علماء نے قبول فرمایا ہے، چنانچہ صاحب ''تزہہ اثنا عشریہ'' نے بجواب جلد چہارم تحفہ کے اس کو تسلیم فرمایا: وھذہ عبارتہ:

((کہ امامیہ جمیع اصحاب رامقدوح و مجروح نمی دانند بلکہ بسیارے از صحابہ عظام را جلیل القدر و ممدوح بلکہ از اولیاء کرام می دانندو مستحق رحمت ورضوان ملک منّان می پندارند در صحیفۂ کاملہ کہ فرقہ حقہ آں راہ زبور آل محمد گویند دعائے کہ از حضرت سید الساجدین علیہ

السلام ماثورست شاهد عدل ایں دعویٰ ست .))

"فرقہ امامیہ کے نزدیک تمام صحابہؓ نا قابل شہادت، کمزور اور معیوب نہیں بلکہ اکثر صحابہ عظام کو جلیل القدر، ممدوح اور اولیائے کبار متصور کیا جاتا ہے اور انہیں خدا کی رحمت و رضا مندی کا مستحق سمجھا جاتا ہے، فرقہ حقہ جس کو" زبور آل محمد" کہتا ہے اس صحیفۂ کاملہ (نامی کتاب) میں سید الساجدین علیہ السلام کی دعائے ماثور ہمارے اس دعویٰ کی شاہد عدل ہے۔"

رہا امر دوم کہ امام نے یہ فضائل براہ تقیہ کے بیان کیے ہیں اس کو بھی کسی عالم نے علمائے شیعہ سے بیان نہیں کیا اور کیوں کر لفظ تقیے کا اس موقعہ پر زبان پر لاتے، اس لیے کہ یہ فضائل جو امام نے بیان کیے وہ کسی ناصبی و خارجی اور دشمن اہل بیت اور دوست صحابہ کے سوال کے جواب میں بیان نہیں فرمائے کہ احتمال تقیے کا ہوتا اور حضرات شیعہ یہ کہہ کر کہ امام نے بخوفِ جان و آبرو سائل ناصبی کے ظلم سے بچنے کے لیے جھوٹی تعریف اصحاب کی کر دی، جان بچا لے جانے (کذا) بلکہ یہ تعریف امام نے خدائے جل شانہ سے بوقت دعا کی ہے جس وقت سوائے ان کے اور خدا کے دوسرا نہ ہوتا تھا اور خلوت میں راز و نیاز کا دفتر پروردگار کے حضور میں کھولا جاتا تھا، امام داعی ہوتے تھے اور خدا مجیب ہوتا تھا، پس خیال کرنا چاہیے کہ اصحاب رسولؐ کی عزت اور بزرگی امام کے دل میں کس درجہ پر تھی کہ ایسے راز و نیاز کے وقت میں بھی ان کو نہ بھولتے تھے اور جس طرح پر اپنے اور اپنے اہل بیت کے لیے دعا کرتے تھے اور انبیاء و رسل کے حق میں درود بھیجتے تھے اسی طرح پر اصحاب رسول کے لیے دعا فرماتے اور ان پر صلوٰۃ و رحمت کی استدعا کرتے تھے۔ اگر کاش! حضرت امام (اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ) کہہ کر قناعت کرتے تو بھی کافی تھا اور دعا کے وقت ان کے محامد اور اوصاف کے دفتر کھولنے کی ضرورت نہ تھی مگر قربان جائیں امام سجاد علیہ السلام کی محبت اور انصار کے کہ انہوں نے اتنے پر قناعت نہ کی اور اپنے خدا کے سامنے اپنے دادا کے یاروں کے ایمان اور مصائب اور تکالیف کی تفصیل بیان کر کے ان پر رحمت نازل کرنے

کے لیے دعا کی اور نہ صرف دعا کی بلکہ مہاجرینؓ کی محنتوں اور کوششوں ومصیبتوں کا ذکر کے ان کی شکرگزاری خدا سے چاہی، اسی واسطے حضرت نے اس دعا میں فرمایا (واشکرھم علی ھجرھم) کہ خداوندا مہاجرین رضی اللہ عنہم نے جو ہجرت تیرے واسطے کی اور اپنے گھر بار کو تیرے پیچھے چھوڑا اس کی شکرگزاری کر، پس کون شخص ہے کہ ان الفاظ اور فقرات کو دیکھ کر امام کی محبت کا ساتھ صحابہ کے معتقد نہ ہوگا اور کس کی زبان سے حرف عداوت کا باہم صحابہ اور اہل بیت کے نکلے گا۔ لیکن آفریں ہے حضرات شیعہ کے ایمان اور محبت پر کہ اپنے آپ کو امامیہ کہیں اور ائمہ کرام کی خالص محبت کا دعویٰ کریں اور اپنے آپ کو پیرو امام کا جانیں اور بایں ہمہ صحابہؓ کی عداوت رکھیں اور جس قدر امام ان کی تعریف کریں اس سے ہزار حصہ بڑھ کر وہ ان کی برائیاں بیان کریں اور اگر کسی سنی بے چارے کی زبان بہ تبعیت ائمہ کرام (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ کے بعد وَاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ) نکل جائے تو غیظ میں آ کر اس کو غصے سے دیکھنے لگیں اور اتنی ہی بات پر اس کو خارجی اور ناصبی کہنے لگیں، سچ تو یہ ہے کہ جو امور ابطال اسلام وایمان کے پردے میں محبت اہل بیت کے حضرات شیعہ نے کیے ہیں وہ دشمنوں سے بھی نہیں ہوتے، ولنعم ما قیل، شعر:

آنچہ بہ فیضی نظر دوست کرد
مشکل اگر دشمن جانے کند

”فیضی کے ساتھ جو کچھ دوست کی نظر نے کیا کوئی جانی دشمن بھی مشکل سے کرے گا۔“

باقی رہا امر سوم کہ ان فضائل کے مصداق صرف وہی اصحاب ہیں جن کو علمائے شیعہ اچھا جانتے ہیں اور اکثر مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے ثلاثہ اس سے خارج ہیں، سو اس کا دعویٰ سب علمائے شیعہ نے کیا ہے اور اسی تاویل کو جواب ان فضائل کا تصور فرمایا ہے، لیکن جب اس امر کو حضرات شیعہ نے تسلیم کر لیا کہ وہ فضیلتیں جو امام نے اس دعا میں بیان کی ہیں وہ اصحاب کرام کی شان میں ہیں تو مابہ النزاع درمیان ہمارے اور حضرات شیعہ کے صرف یہ

امر رہ گیا کہ مراد اس سے تمام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم ہیں یا نہیں بلکہ اصل تصفیہ اس امر پر منحصر رہا کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں داخل ہیں یا نہیں...... چنانچہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ جو فضائل امام نے بیان کیے ہیں وہ تمام مہاجرین و انصار پر خصوصاً خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر صادق آتے ہیں، اس لیے کہ وہی لوگ وہ ہیں جن کے افعال و اعمال اور سیرت اور چال چلن سے ثابت ہوتا ہے:

((ابلو البلاء الحسن فی نصره وکانفوا واسرعوا الی وفادته وفارقوا الازواج والاولاد فی اظهار کلمته.))

''یعنی انہوں نے سب طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں کو پیغمبر صاحبؐ کی اعانت میں گوارا کیا اور حضرتؐ کی دعوت کو سب سے اوّل سنا اور بال بچوں، آل واولاد، گھر بار کو اس کلمے کے ظاہر کرنے میں چھوڑا۔''

اور اس دعوے کو بھی ہم ثابت کرتے ہیں۔

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں دعویٰ نبوت کا کیا اور لوگوں کو بحکم پروردگار اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا تو آہستہ آہستہ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور کفار قریش نے ان لوگوں کو جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے ستانا اور ایذا دینا شروع کیا یہاں تک کہ برادری اور قرابت ان سے چھوڑ دی اور اپنے گروہ سے ان کو خارج کر دیا اور خرید وفروخت ان سے بند کر دی مگر ان مومنین نے اسلام کو نہ چھوڑا اور سب کو چھوڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑا اور یہ ظاہر ہے کہ تمام مہاجرین رضی اللہ عنہم اسی گروہ میں داخل ہیں بالخصوص خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ان سب کے پیشوا ہیں تو سوائے ان کے یہ فضائل اور کس پر صادق ہوں گے اور اگر وہی خارج کر دیے جائیں تو وہ لوگ جنہوں نے ایمان قبول کیا اور جن کو کفار نے ستایا کون سے تھے اور کس ملک سے آئے اور کہاں رہتے تھے۔ ذرا کوئی حضرات شیعہ سے ان کے نام اور حالات کو پوچھے اور دیکھے کہ وہ سوائے انہی مہاجرین اور خلفائے راشدین کے کسی دوسرے کا نام بتلاتے ہیں یا نہیں۔ ہم نے جہاں تک شیعوں کی کتابوں کو دیکھا ہے اور جو کچھ ان کے عالموں

سے سنا تو یہی دیکھا اور سنا کہ انہی مہاجرین اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا نام وہ بھی لیتے ہیں اور انہی کو ایمان لانے والوں میں شمار کرتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ہم ان کے ایمان کو صدق دل سے تصور کرتے ہیں اور وہ اس کو نفاق پر یا طمع دنیا پر یا کاہنوں اور نجومیوں کے سننے پر محمول کرتے ہیں، لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ لوگ ظاہر میں ایمان لائے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معتقد ہوئے، جیسا کہ ''حملۂ حیدری'' کا مؤلف لکھتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم وعظ ونصیحت کیا کرتے اور ایک ایک دو دو آدمی ان پر ایمان لایا کرتے، کما قیل ابیات:

دگر وعظ و ارشاد بر ایں نسق
در ابطال اصنام و اثبات حق
نمودی حبیب خدائے جہاں
نہ کر دی ولے کار در مشرکاں
بخواندی مدام از کلام مجید
برآں قوم آیات وعد و وعید
نمودی اثر گفتہ اش گاہ گاہ
کہ بگذاشتی یکدو کس پا براہ
و لیکن نہ جملہ زراہِ یقیں
یکے بہر دنیا یکے بہر دیں
بنا داں رسد گر بگیرد خطا
کہ دنیا کجا بود با مصطفٰے[1]
چنیں ست دنیا نبود آں زماں
ولے بود آیندہ منظور شاں

خبر دادہ بود ندچوں کاھناں
کہ دین محمد بگیرد جھاں
ھمہ پیر وانش بہ عزت رسند
تمام اھل انکار ذلت کشند
یکے کرد ازیں راہ ایماں قبول
یکی محض بھر خدائو رسول [1]

’’حق کو ثابت کرنے اور اصنام (پرستی) کو مٹانے کے لیے اسی طریقے پر وعظ و ارشاد حبیب خدا ﷺ فرماتے رہے لیکن مشرکوں پر اس کا اثر نہ ہوا۔ کلام مجید اور اس کی وعدہ و وعید کی آیات اس قوم کو پڑھ کر سناتے رہے کبھی کبھار آپؐ کی بات کا اثر ان پر ہو جاتا کہ اکا دکا لوگ راہ راست پر آجاتے مگر سب نے یقین کے ساتھ (اسلام قبول نہیں کیا) بلکہ ایک نے دنیا کی خاطر اور ایک نے دین کے لیے لیکن یہ بات بڑی بیوقوفی کی ہوگی، اگر کوئی گرفت کرے کہ حضور ﷺ کے پاس اس وقت دنیا کہاں تھی، بات یہی ہے کہ اس وقت دنیا نہ تھی لیکن آئندہ ان کے پاس (دنیا کی دولت) آنے والی تھی، کاہنوں نے ان کو یہ خبر دے رکھی تھی کہ دین محمد ﷺ کا دنیا میں بول بالا ہوگا، ان کے تمام پیروکاروں کو عزت ملے گی اور سارے انکار کرنے والے ذلیل ہوں گے، ایک (طبقہ) نے اس (دنیا کی لالچ کی) راہ سے ایمان قبول کیا اور ایک نے محض خدا اور رسول کے لیے۔‘‘

اور اس امر کو کہ کوئی مہاجرین رضی اللہ عنہم میں سے بہ نفاق یا بہ طمع دنیا یا باستماع خبر کاہناں ایمان نہیں لایا بلکہ صدق دل سے ہر ایک نے اسلام قبول کیا ہم آگے ثابت کریں گے لیکن اس مقام پر ہم اتنا ہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرات شیعہ ان لوگوں کا اسلام لانا قبول کرتے ہیں اور ان کو منکرین نبوت سے نہیں جانتے، چنانچہ یہ بات انہیں چند اشعار سے

[1] حملہ حیدری جلد اوّل صفحہ ۱۵ سطر ۱۲ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۸ھ۔ ۱۲ منہ۔

ثابت ہوگئی اور چونکہ اور علماء کا بھی یہی قول ہے، اس لیے اور کتابوں کی سند لانا تحصیل حاصل ہے، باقی رہا ان مسلمانوں کا ایذا اور مصیبت اٹھانا اور کفار قریش کے ہاتھ سے تنگ ہونا اس کو بھی علمائے شیعہ تسلیم کرتے ہیں اور انہی مہاجرینؓ کا جن کو وہ منافق اور مرتد جانتے ہیں، (ونعوذ باللّٰہ من ذالك) کفار قریش کے ہاتھ سے مصیبت پانے کا اقرار کرتے ہیں، چنانچہ مؤلف موصوف لکھتا ہے کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ سبب محافظت ابو طالب کے کفار کو قدرت نہ ہوئی تو ان کے اصحابؓ کو ستاتے اور ایذا دیتے، کما قیل ابیات :

”ولے [1] چون ابو طالب نامور
نگهبان او بود ازیں بیشتر
بایذای او کس نمی یافت دست
رسانیدی اصحاب او راشکست
بهر کوے و هر برزن و هر ممر
که کردی ز اصحاب اور کس گزر
نمودندے اعدای او از غلو
بهر گونه آزار و ایذای او
به ضرب و شتم و بمشت و لکد
بدیگر ستمهائے بیرون زحد
فگندی زهر سو بسر خاك شان
نمودی برهنه تن پاك شان
پس آنگه نشاندی چناں بیشیاب
دراں ریگ تفتنده از آفتاب

[1] ایضا: سطر ۱۸ صفحہ ۱۶۔

بریدی ازاں قوم آب و طعام
زدی تاز یا نہ زخلف وامام
دگر ظلمہائے ہلاکت مآل
کہ آرد بیانش بدلہا ملال
نمودندی آں ناکسان شقے
برآں زمرہ مومن و متقے

"لیکن جب ابو طالب جیسے نامور فرد آپ ﷺ کے پہلے ہی سے محافظ موجود تھے تو ان (محمد ﷺ) کو ستانے کی ہمت کسی میں نہ تھی، آپؐ کے بجائے آپؐ کے اصحاب کو ستانے لگے، ہر گلی کوچے اور راستے پر جہاں آپ ﷺ کے اصحاب کا گزر ہوتا ہر ہر طرح سے آپؐ کے دشمن ان کو سخت تکلیف اور اذیت دیتے تھے، مار گالی گھونسے اور لات وغیرہ سے بے حد ستم ڈھاتے، ہر طرح سے ان پر مٹی ڈالتے اور ان کے جسموں کو ننگا کر دیتے، اس کے بعد برہنہ جسم ان کو دھوپ سے تپتی ہوئی ریت پر ڈال دیتے، ان لوگوں کا کھانا پانی بند کر دیتے اور آگے پیچھے سے ان پر کوڑے برساتے اور دوسرے ہلاکت خیز ظلم ان پر کرتے کہ جن کے بیان سے دل رنجیدہ ہوتا ہے (ایسے ہی ستم) وہ ناکس اور بدبخت لوگ ان مومن و متقی لوگوں کی جماعت پر کرتے۔"

اب کوئی حضرات شیعہ سے پوچھے کہ باوجود تصدیق اس امر کے اصحاب نبی ﷺ پر کفار کے ہاتھ سے اس قسم کی مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچتی تھیں اور وہ اس پر صبر کرتے تھے اور پیغمبر خدا ﷺ سے جدا نہ ہوتے تھے اور اعلائے کلمۃ اللہ میں دن رات سعی بلیغ کرتے رہتے تھے تو اگر ان لوگوں کے حق میں وہ صفات جو امام نے بیان کیے صادق نہیں ہیں تو پھر وہ دوسرے لوگ کون ہیں جو مصداق ان صفات کے ہیں، اگر حضرات شیعہ انصاف کو دخل دیں اور تعصب اور عناد کو چھوڑ دیں اور امام کے اس کلام پر غور کریں:

((الـذیـن هـجـرتهم العشائر اذ تعلقوا لعروته وانتفت منهم القرابات اذسکنوا فی ظل قرابته .))

''جب انہوں نے پیغمبر ﷺ کا دامن پکڑا تو ان کے قبیلے والوں نے ان کو چھوڑ دیا اور جب وہ پیغمبر ﷺ کی قرابت کے سائے میں آئے تب ان کے رشتہ داروں نے ان سے رشتہ توڑ دیا۔''

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات کو خود اپنی ہی کتابوں سے نکال کر دیکھیں تو تمام مہاجرین رضی اللہ عنہم کو مصداق اس مضمون کا پائیں اور کسی ایک کو اس فضیلت سے مستثنیٰ نہ کریں، لیکن اس پر بھی حضرات شیعہ کی خاطر جمع نہ ہو اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایمان اور اسلام کی تفصیل بقید ان کے نام کے چاہیں تو اس کو بھی بغور سنیں اور اپنی ہی کتابوں کی کسی سند کو لیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا حال:

حضرات شیعہ اقرار کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہی چند لوگوں میں ہیں جو سب سے اوّل ایمان لائے اور جنہوں نے اوروں سے پہلے پیغمبر ﷺ کی نبوت کو تصدیق کیا، چنانچہ ہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا حال آیہ غار کے بیان میں لکھ چکے ہیں، اس مقام پر صرف ان اعتراضات کو بہ تفصیل رد کرتے ہیں جو کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان پر علمائے شیعہ نے کیے ہیں۔ منجملہ ان اعتراضات کے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان پر حضرات شیعہ کرتے ہیں، ایک یہ ہے کہ انہوں نے کاہن سے سنا تھا کہ ایک پیغمبر ﷺ پیدا ہوگا اور اس پر ایمان لانے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے بڑے مرتبے پر پہنچیں گے، اس لیے وہ ایمان لائے، چنانچہ مؤلف ''حملہ حیدری'' بھی مثل اپنے اور علماء کے لکھتا ہے: [1]

ابابکرؓ ازاں پس برہ پاگزاشت
کہ گفتار کاھن بدل یادداشت

[1] حملۂ حیدری جلد اوّل صفحہ ۱۴ سطر ۱۸ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ء ہجری ۱۲ منہ۔

باو کاھنے دادہ بود ایں خبر
کہ مبعوث گردد یکے نامور
زبطحاز میں در ھمیں چند گاہ
بود خاتم انبیائے الٰہ
تو با خاتم انبیاء بگر دے
چوں اوبگذرد جانشینش شوی
زکاھن چو بودش بیاد ایں نوید
بیا ورد ایمان نشاں چوں بدید

''اس کے بعد ابوبکرؓ اپنے مشغلہ میں لگے رہے اور کاہن کی بات دل سے یاد رکھی۔ ایک کاہن نے ان کو یہ خبر دی تھی کہ ایک (مشہور پیغمبر ﷺ) مبعوث ہوں گے یہاں سے کچھ فاصلے پر سرزمین بطحا میں اللہ کے آخری نبیؐ ہوں گے تم خاتم النبیینؐ کے ساتھ رہو گے ان کے بعد تم ان کے جانشین بنو گے، کاہن کی اس نوید (مسرت) کو انھوں نے یاد رکھا، چنانچہ (محمد ﷺ کے اندروہ) نشانیاں جب دیکھ لیں تو ایمان لے آئے۔''
لیکن یہ قول باطل ہے چند دلیلوں سے۔

پہلی دلیل:......اگر یہ امر تسلیم کیا جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاہن کے کہنے سے ایمان لائے تو ضرور اس کے کہنے کو سچ جانا ہوگا تو جس طرح پر اس کے اس کہنے کو تصدیق کیا کہ خلافت بعد رسول کے ان کو ملے گی اسی طرح پر اس کے اس کہنے کو بھی تصدیق کیا ہوگا کہ وہ نبی برحق ہوں گے اور ان کا دین سچا ہوگا تو ضرور وہ پیغمبر ﷺ کو سچا پیغمبر سمجھ کر ایمان لائے ہوں گے، پس اس سے بھی تصدیق رسالت ثابت ہوتی ہے اور اسی کا نام ایمان ہے اور اسی سے حضرات شیعہ انکار کرتے ہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دل سے ایمان لانے والا نہیں کہتے۔ چنانچہ مجتہد صاحب ذوالفقار میں لکھتے ہیں:

خلیفۂ اوّل از اوّل امر از ایمان بہرہ
نداشت اتفاق من علماء الامامیہ ❶

’’علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ خلیفہ اوّل (ابوبکر) شروع ہی سے ایمان نہ لائے تھے۔‘‘

لیکن اگرچہ جناب مجتہد صاحب قبلہ و کعبہ نے یہ دعویٰ کیا کہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوّل سے ایمان نہ لائے تھے مگر حضرتؑ سے غلطی ہوئی، اس لیے کہ علامہ حلّی نے شرح تجرید میں لکھا ہے کہ خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ (اٰمَنْتُ قَبْلَ اَنْ اٰمَنَ اَبُوْبَکْرٍ) کہ میں ایمان لایا قبل اس کے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے ہوں۔‘‘

(شرح تجرید)

تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے ان کا ایمان لانا ثابت ہوا تو پھر مجتہد صاحب کا کہنا کون سنتا ہے۔

دوسری دلیل: ......معلوم نہیں کہ کاہن نے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا حال کہا تھا اور صرف ایک وہی کاہن کی تصدیق کر کے ایمان لائے تھے یا اور اصحاب بھی۔ ہم جہاں تک شیعہ کی کتابوں سے واقف ہیں ان کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اکثر اصحاب کاہنوں کے کہنے سے ایمان لائے جیسا کہ حملۂ حیدری کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے جو اوپر نقل کیے گئے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں صرف دو ہی شخص کاہن کے کہنے سے ایمان لائے، جیسا کہ نزہہ اثنا عشریہ کا مؤلف فرماتا ہے:

((و ہم آنکہ قول او اگر بقول کھنہ و منجمین مدفوع ست زیرا کہ امامیہ ایں معنی را در حق اکثر صحابہ روایت نہ کردہ اند بلکہ در حق یك دو شخص .))

’’نیز یہ کہ اس کا قول اگر کاہنوں اور نجومیوں......الخ۔ قابل رد ہے، اس لیے کہ

❶ ذوالفقار صفحہ ۵۸، سطر ۲۰، مطبوعہ لدھیانہ، ۱۲۸۱ ہجری۔۱۲۔

امامیہ اس بات کو (کہ زیادہ تر صحابہؓ کاہنوں سے سن کر ایمان لائے تھے) اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں نہیں مانتے بلکہ ایک دو کے بارے میں (مانتے ہیں)۔''

پس اگر یہ امر تسلیم کیا جائے کہ اکثر صحابہؓ کاہنوں کے کہنے سے ایمان لائے تو کچھ جائے اعتراض حضرات شیخین پر نہیں ہے اور اصحاب مقبولین امامیہ کے اس گروہ میں سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ نہیں ہے تو جب امامیہ کے صدیق ان کے کہنے سے ایمان لائے تو اہل سنت کے صدیق بھی اگر ان کے کہنے سے ایمان لائے تو معلوم نہیں کہ انہوں نے کاہنوں کے قول کو سچ جانا یا نہیں؟ اگر سچ جان کر ایمان لائے تو کچھ خلل ان کے ایمان میں نہیں ہوا، اس لیے کہ اور لوگ بھی منجملہ اصحاب مقبولین شیعہ کے ایسے ہیں کہ جو پچھلی کتابوں کی پیشین گوئیوں کو دیکھ کر ایمان لائے یا خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر کے مسلمان ہوئے تو اگر حضرات شیخین بھی کاہن کے کہنے سے ایمان لائے تو کیا حرج ہے۔

تیسری دلیل :......یہ قول شیعوں کا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاہن کے کہنے سے ایمان لائے انہی کے علماء کے اقوال سے غلط ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کے علماء نے لکھا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا تھا اور اس کے سبب سے ایمان لائے تھے، جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری نے ''مجالس المومنین'' میں لکھا ہے:

((ابوبکرؓ بہ برکت خوابے کہ او دیدہ بود مسلمان یدہ بود.))

''ابوبکرؓ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی وجہ سے وہ مسلمان ہوئے تھے۔''

چوتھی دلیل:......اگر حضرات شیعہ کے اس کہنے سے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاہن کے کہنے سے ایمان لائے یہ غرض ہو کہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے تو اس کی تکذیب ان کے حالات سے ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ ہمیشہ دعوت اسلام میں سعی بلیغ کرتے اور لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرتے اور اپنے دوست آشناؤں کو سمجھا سمجھا کر حضرتؐ کا مطیع بناتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے علانیہ دعوت اسلام کرنے کے واسطے درخواست کیا کرتے اور غلاموں کو خرید

خرید کے خدا کی راہ میں آزاد کرتے اور اپنے مال اور جان کا نقصان گوارا کرتے کہ ان سب باتوں کا ثبوت امامیہ کی کتابوں سے ہوتا ہے تو کیا کوئی عاقل اس کو قبول کرے گا کہ جس کی کوششیں اور محنتیں اجرائے دین میں غایت درجے پر ہوں اور جس کو اعلائے کلمۃ اللہ میں اپنی جان و مال کا خیال نہ ہو وہ خود دل سے پیغمبر ﷺ کو سچا نبی اور اسلام کو سچا دین نہ سمجھتا ہو، ایسی بات حضرات امامیہ کی زبان سے ہی نکل سکتی ہے ورنہ کوئی نادان بھی اس کو نہ مانے گا اور واسطے ثبوت اس امر کے کہ حضرات شیخین نے پیغمبر ﷺ کو اظہار دعوت اسلام پر برانگیختہ کیا اور انہی کے اصرار پر حضرت نے اظہار دعوت فرمایا اور اسی وجہ سے شیخین نے صدمہ اٹھایا ہم قول صاحب ''استقصاء الافحام'' کا نقل کرتے ہیں۔ مؤلف موصوف تحریر فرماتے ہیں:

((مگر نا صبی پیغمبر خدارا که از خوف کفار در حصن غار اختفا فرموده ودر بدوِ اسلام از اظهار دعوت اعلانیه احتراز داشته تاآنکه شیخین دل تنگ شده آنحضرتؐ را حث و ترغیب باظهار دعوت کردند و آں حضرتؐ بنا بر اظهار عدم مصلحت از جهت اصرار ایشاں از اعلان مانع نیا مده حتی اصاب اولهما ما اصاب و قال ثانيهما ايعبدا لعزىٰ واللات علانية و يعبد الله سراً از خوف خدا ناکل و نجوف غیر مائل می داند .))

''مگر ناصبی نے کفار کے خوف سے رسول کریم ﷺ کو غار میں چھپایا اور اسلام کے عہد اوّل میں رسول اکرم ﷺ کو اعلانیہ اسلام کے اظہار سے باز رکھا یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا جبکہ شیخین نے عاجز ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اسلام کے اعلان پر ابھارا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اصرار کی وجہ سے عدم مصلحت کا اظہار نہیں کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جو پریشانیاں ملیں تو ملیں، دوسرے (عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ لات وعزیٰ (بتوں) کی اعلانیہ پرستش کی جائے

اور اللہ کی چھپ کر (یہ نہیں ہوسکتا)۔“

پانچویں دلیل:......اگر فرض کیا جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سچے دل سے ایمان نہیں لائے اور (عیاذًا باللّٰہ) کافر تھے جیسا کہ جابجا مجتہد صاحب نے اس عقیدہ کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ ذوالفقار میں فرماتے ہیں:

((اوّل ایمان اصحاب ثلاثه باثبات بایدر سانید بعد ازیں بایں افسانه بیهوده ترنم باید نمود زیرا که دانستی که مسلك امامیه دریں باب اینست که اصحاب ثلاثه از اوّل امراز ایمان بهره نداشتند .))

”پہلے ضروری ہے کہ اصحاب ثلاثہ کی ایمان آوری ثابت کی جائے، پھر اس بیہودہ افسانہ کے گیت گائے جائیں کیونکہ اس بارے میں شیعوں کا مسلک یہ ہے کہ تینوں اصحاب پہلے سے ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوئے۔“

اور مجتہد صاحب کے مقلد صاحب ”استقصاء الافحام“ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

((فَاِنَّ كُفْرِهُمْ وَارْتِدَادُهُمْ وَاضِحٌ لَاسِتْرَةَ فِيهِ .))

”کہ کفر اور ارتداد اصحاب ثلاثہ کا واضح ہے چھپا ہوا نہیں۔“

پس اگر مطابق اصول شیعہ کے کفر اور عدم ایمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرض کیا جائے تو تمام مہاجرین اور انصار بلکہ تمام اصحاب کا کافر ہونا لازم آتا ہے، اس لیے کہ تمام نے ان کو اپنا سردار بنایا اور بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو خلیفہ کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ بیعت کرنے والے اور ان کو خلیفہ بنانے والے دس، بیس، سو، دوسو، ہزار دو ہزار آدمی نہ تھے بلکہ لاکھوں تھے، اس لیے کہ اصحاب نبوی بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بروایت ایک لاکھ سے زائد اور بروایت ملا باقر مجلسی جو انہوں نے ”تذکرۃ الائمہ“ میں لکھی ہے چار لاکھ تھے تو جب چار لاکھ آدمی (عیاذًا باللّٰہ) ایک کافر کو اپنا سردار بنا دیں تو پھر ان کے کفر میں کیا شک رہا......

رہا یہ امر کہ سب مسلمانوں نے جو اس وقت تھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی باقرار علمائے

شیعہ ثابت ہے جیسا کہ شریف مرتضٰی کے قول سے ظاہر ہے جو بحار الانوار کے مجلدتین میں منقول ہے اور جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے بایں الفاظ کیا:

((جمیع مسلمانان با ابوبکر بیعت کردند و اظہار رضا وخوشنودی باو، و سکون و اطمینان بسوے او نمودند وگفتند کہ مخالف اوبدعت کنندہ و خارج از اسلام ست۔))

”تمام مسلمانوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور اپنی رضا وخوشنودی کا اظہار کیا اور ان کی طرف سے پُر سکون اور مطمئن ہوئے اور کہا ہے کہ ان کی مخالفت کرنے والے بدعتی اور اسلام سے خارج ہیں۔“

سبحان اللہ! کیا دین و ایمان ہے حضرات شیعہ کا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عداوت سے دین محمدیؐ کو باطل کرتے ہیں اور چار لاکھ مسلمانوں کو جو مہاجرین وانصار اور مجاہد تھے اور جن میں بنی ہاشم اور اہل بیت نبوی بھی داخل تھے ان سب کو صراحتاً کافر بتاتے ہیں۔ (نعوذ باللّٰه من ذالك)

چھٹی دلیل:......ہم کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کے اثبات میں زیادہ دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ خود علمائے شیعہ نے یہ سمجھ کر کہ ان کے کفر کا دعویٰ ایسا بیہودہ ہے کہ اس سے سننے والے کو تعجب ہوتا ہے اس سے انکار کیا اور اپنے ان علماء کو جنہوں نے ایسا دعویٰ کیا ہے خود جھٹلایا، اس لیے ہم ان کے ان اقوال کو نقل کرتے ہیں...... قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں فرماتے ہیں:

((نسبت تکفیر بجناب شیخین کہ اہل سنت و جماعت بہ شیعہ نمودہ اندسنخے ست بے اصل کہ در کتب اصول ایشاں از ایشاں اثری نیست و مذہب ایشاں ہمین ست کہ مخالفانِ علیؓ فاسق اند و محاربان اوکافر۔))

”اہل سنت و جماعت نے شیخینؓ کے کافر ہونے کو شیعوں کی جانب جو منسوب کیا

ہے یہ بے معنی سی بات ہے، کیونکہ اس کا ثبوت شیعوں کے کتب اصول میں موجود نہیں ہے، البتہ شیعوں کا مسلک و مذہب یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے مخالف فاسق ہیں اور ان سے جنگ کرنے والے کافر ہیں۔''

جناب مجتہد صاحب قبلہ وکعبہ اس قول کے جواب میں ذوالفقار میں فرماتے ہیں:

((پوشیدہ❶ نماند که ایں کلام بر تقدیر صحت و صدور آں از فاضل قادح مقصود ماو مفید مطلب اونمی شود زیرا که سابق گزشته که فاسق درمقابله مومن اطلاق شده پس فرق میانِ کفر و فسق همیں ست که کافر نجس ست دردنیا و مخلدست فی النار در عقبیٰ و فاسق که بسبب انکاریکی از ضروریات مذهب باشد مخلددر نار خواهد بود گودر دارِ دنیا احکام مسلمین بسبب اقرار شهادتین براوجاری شود.))

''واضح رہے کہ فاضل شوستری کے اس بیان کو صحیح مان لیا جائے تو یہ کلام ہمارے مقاصد پر ضرب کاری اور ان کے مفید مطلب نہیں کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ لفظ فاسق مومن کے مقابلہ میں آیا ہے، اس لیے کفر وفسق کے مابین فرق یہ ہے کہ کافر دنیا میں نجس اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور ضروریات مذہب کے انکار کرنے کی وجہ سے فاسق ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اگرچہ اقرار شہادتین کی وجہ سے دنیا میں اس پر اسلامی احکام جاری ہوں۔''

لیکن اس عبارت میں یا تو حضرت قبلہ وکعبہ نے غلطی فرمائی یا دیدہ و دانستہ اغماض کیا، اس لیے کہ یہ فرمانا کہ ''بر تقدیر صحت وصدور آں از فاضل'' کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قول کو قاضی نور اللہ شوستری کے حضرت نے تسلیم کیا ہے یا اس سے انکار فرمایا ہے ایسی گول گول عبارت لکھنے سے سوائے ہم سے کم فہم جاہلوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے دوسرا فائدہ نہیں

❶ ذوالفقار صفحہ ۵۲، سطر ۷، مطبوعہ لدھیانہ، ۱۲۸۱ ہجری۔ ۱۲۔

تھا، اگر یہ عبارت ’’مجالس المومنین‘‘ میں موجود ہے تو بر تقدیر کہنا کیا معنی اور اگر یہ عبارت اس میں نہیں ہے تو صاف اس سے انکار فرمایا ہوتا اور صاحب ’’تحفہ اثنا عشریہ‘‘ کے طعن و تشنیع میں موافق اپنی عادت کے دو چار ورق سیاہ کیے ہوتے ہاں، شاید حضرت نے ’’مجالس المومنین‘‘ نہ دیکھی ہو گی، اس لیے نہ انکار کیا نہ اقرار، بہر حال ان الفاظ سے قبلہ و کعبہ کے اس عبارت کا موجود ہونا پایا جاتا ہے اور اگر اب بھی کسی کو شک ہو وہ ’’مجالس المومنین‘‘ میں دیکھ لے۔ رہا جواب جو مجتہد صاحب نے دیا ہے وہ بھی ایسا ہے کہ اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے، اس لیے کہ قاضی صاحب نے اقرار کیا ہے کہ تکفیر شیخین ہمارے اصول کے مخالف ہے اور حضرت مجتہد صاحب اسی کو ثابت کرتے ہیں، پس یا خطائے اجتہادی قاضی صاحب سے ہوئی کہ وہ تکفیر سے انکار کرتے ہیں یا مجتہد صاحب سے کہ وہ اس کو ثابت کرتے ہیں یا شاید درمیان کفر اور ایمان کے ایک تیسرا مرتبہ اثبات فرمایا چاہتے ہیں جس کا نام ان کی اصطلاح میں اسلام ہے جس کے معنی نفاق کے ہیں، یعنی ظاہر میں کلمہ پڑھنا اور باطن میں کافر ہونا، اس لیے ہم کو لازم ہوا کہ اس تیسرے مرتبہ پر بھی نظر کریں اور اس کے اثبات اور ابطال کے دلائل پر غور کریں، اس لیے ہم مجتہد صاحب کی روح سے اور ان کے مقلدین سے استفسار کرتے ہیں کہ اس تیسرے مرتبے کے قائم کرنے سے کیا غرض ہے، آیا یہ کہ خلفائے ثلاثہ کے ایمان سے انکار کیا جائے اور ان کے اسلام کو تسلیم کیا جائے اور اسلام کے یہ معنی مراد لیے جائیں کہ وہ ظاہر میں کلمہ گو تھے اور باطن میں منافق یا کہ وہ دل سے بھی مثل زبان کے پیغمبر ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے تھے مگر امام برحق کی امامت کے منکر تھے اور ان کے حقوق کے غاصب اور ان پر جابر تھے اور چونکہ امامت اصول دین سے ہے، اس لیے بہ سبب انکار ایک اصل کے اصول دین سے وہ ایمان کے دائرے سے خارج تھے، یا سوائے اس کے اس تیسرے مرتبے کے قائم کرنے سے اور کچھ مقصد ہے، بہر حال اور کوئی دوسرا فائدہ تو سمجھ میں نہیں آتا، اس لیے امر اوّل کو تسلیم کر کے اس سے بحث کی جاتی ہے۔ پس اگر خلفائے ثلاثہ کے ایمان سے اس وجہ سے انکار کیا ہے کہ وہ صرف ظاہر میں کلمہ گو تھے اور باطن میں توحید اور

نبوت سے بھی منکر تھے جیسا کہ اکثر حضرات شیعہ فرماتے ہیں بلکہ حضرات شیعہ کس حساب میں ہیں خود ان کے امام مہدی فرماتے ہیں کہ ظاہر میں وہ کلمہ گو تھے اور باطن میں کافر جیسا کہ مُلّا باقر مجلسی نے "رسالہ رجعیہ" میں حضرت امام کی طرف منسوب کر کے یہ قول لکھا ہے:

((ایشان از روئے گفتہ یہود بظاہر کلمتین گفتند از برائے طمع اینکہ شاید ولایتی و حکومتے حضرت بایشان بدہد ودر باطن کافر بودند .))

"یہودیوں کے کہنے سے ان لوگوں نے کلمہ پڑھا جس کے پس پردہ یہ خیال تھا کہ کلمہ پڑھنے کی وجہ سے شاید آنحضور ﷺ ان کو گورنری اور حکومت دے دیں جبکہ وہ باطنی طور پر کافر تھے۔"

پس اس کا جواب ہم اوپر دے چکے، اس کا اعادہ ضروری نہیں، اسی واسطے اس قول سے اکثر علمائے شیعہ نے انکار کیا اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کو خود انہوں نے ناصب فرمایا جیسا کہ ملا عبداللہ جو علمائے شیعہ سے ہیں "اظہار حق" میں فرماتے ہیں کہ انکار کرنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان سے انصاف سے بعید ہے، وھذہ عبارتہ:

((جواب گفتن ایں سخن بارتکاب آنکہ در سبق ہجرت ایمان شرط ست وآں شخص یعنی ابوبکر معاذ اللّٰہ ہیچ وقت ایمان نداشتہ حتی قبل از سنوح نا خوشی امیر المومنین از انصاف دوراست .))

"اس امر کے جواب دینے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ ہجرت میں سابق ہونے کے لیے ایمان شرط ہے اور وہ شخص یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ (معاذ اللّٰہ) کسی وقت صاحب ایمان نہ تھے حتی کہ امیر المومنین کو ناخوش کرنے سے پہلے بھی ایمان والے نہ تھے، یہ بات انصاف سے بعید ہے۔"

اور ملا عبدالجلیل قزوینی کتاب "نقص الفضائح" میں لکھتے ہیں:

((اما ثناء خلفاء پس برآں انکارے نیست بزرگانند از مهاجرین و السابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان .))

''خلفاء کی تعریف سے انکار کی مجال نہیں، بڑے مہاجروں میں سے ہیں جو سابقین اولین سے تھے۔''

اور پھر دوسرے مقام پر لکھا ہے:

((اما آنچه سیرت ابوبکرؓ و عمرؓ و دیگر صحابه بیان کرده مجملے ست نه مفصل آں را خلاف نه کرده اندشیعه الادرجۂ خلافت و امامت را شیعه انکار کنند دریشاں که درجۂ امامت نداشتندو آں فقد ان عصمت و نصوصیت و کثرت علمی ست، اما صحابه رسول ایشاں را دانند واز درجه شاں نه گزرانند .))

''ابوبکرؓ وعمرؓ اور جو دوسرے صحابہ کی سیرت بیان کی گئی ہے وہ مجمل ہے اور اس کی تفصیل نہیں کی گئی ہے اس کی شیعہ مخالفت نہیں کرتے، البتہ خلافت و امارت کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہیں درجۂ امامت حاصل نہ تھا جس کا سبب یہ تھا کہ ان میں عصمت و کثرت علم کا فقدان تھا، نیز ان کا عقیدہ و بیان ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے اور ان کو ان کے درجات سے علیحدہ نہیں کرتے۔''

اور ''احتجاج طبرسی'' [1] میں لکھا ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

((لست بمنكر فضل ابی بكر و لست بمنكر فضل عمر ولكن ابابكر افضل من عمر .))

''میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلتوں سے انکار نہیں کرتا لیکن

[1] احتجاج طبرسی صفحہ ۲۵۰۔

ابوبکر، عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔"

پس ان روایتوں اور ہزار مثل اس کے اور روایتوں سے جن کو ہم نقل کریں گے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان اور فضیلت میں کون شک کرسکتا ہے۔ پس یہ دعویٰ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باطن میں (معاذ اللّٰہ) کافر تھے خود علمائے شیعہ اور ائمہ کبار کی احادیث سے باطل ہوا اور اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو وہ تفاسیر اور احادیث امامیہ کو دیکھے کہ باوجود اس عناد و تعصب کے جو ان کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے ہے اب بھی صدہا روایات اور احادیث مدح وثنا میں خلفاء کی موجود ہیں، چنانچہ ان کے مفسرین قبول کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غلاموں کو مول لیا کرتے اور بہ سبب اسلام کے ان کو آزاد کر دیتے، جیسا کہ علامہ طبرسی نے "مجمع البیان" میں لکھا ہے:

((عن ابن زبير قال ان الاية نزلت فی ابی بکر لانه اشترى المماليك الذين اسلموا مثل بلال و عامر بن ميسرة و غيرهما واعتقهم.))

"کہ آیت (وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى) شان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نازل ہوئی کہ وہ غلاموں کو جو اسلام لاتے مول لیتے اور پھر خدا کی راہ میں آزاد کر دیتے جیسے بلال رضی اللہ عنہ اور عامر بن میسرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ۔"

پس چونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتے تب خدا نے یہ آیت نازل کی کہ دوزخ سے وہی بڑا پرہیزگار بچے گا جو اپنے پاک مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے۔ پس تعجب ہے کہ جو شخص اپنے مال سے مسلمان غلاموں کو خریدے اور ان کو آزاد کرے اور اس کی شان میں خدا آیتیں نازل کرے اور اس کو اتقی الناس فرمائے اس کی فضیلت اور بزرگی بیک طرف اس کے ایمان سے بھی انکار کیا جائے اور ایسا شخص منافق اور کافر سمجھا جائے۔ غرض کہ ایمان اور اسلام میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کچھ شبہ نہیں رہا اور باقرار علمائے شیعہ اس کا ثبوت ظاہر ہوگیا۔

اب باقی رہا تیسرا امر کہ مراد ایمان سے اصول دین کی تصدیق کرنا ہے اور چونکہ امامت بھی ایک اصل اصول دین سے ہے اور اس سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منکر تھے، اس سے ان پر اطلاق ایمان کا نہیں ہوتا، اس کی تردید ہم بخوبی بحث امامت میں کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ لیکن ہمارے نزدیک ابتدائے زمانۂ نبوت میں امامت کو اصول دین میں داخل کرنا اور جو اس وقت امامت پر ائمہ اثنا عشر کے ایمان نہیں لایا اس کو مومن نہ جاننا نادانی ہے، اس لیے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسلام کی دعوت فرمائی تو اس وقت خدا کی توحید اور اپنی نبوت کی تصدیق ایمان کی علامت رکھی، ائمہ کی امامت کی تصدیق کی تکلیف کسی کو نہیں دی بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام کی دعوت صرف توحید اور نبوت کی تصدیق پر کی۔ پس اس وقت امامت کا کچھ ذکر ہی نہ تھا کہ کوئی اس کو قبول کرتا یا اس سے انکار کرتا۔ اگر ہم غلط کہتے ہوں تو حضرات شیعہ اپنی ہی کتابوں سے یہ بات ثابت کر دیں کہ جب اوّل اوّل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا تو ان سے توحید اور نبوت کے سوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی تصدیق کو بھی فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اس وقت لڑکے تھے کسی شخص سے اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ جس طرح پر خدا کی توحید اور میری نبوت کی تصدیق تم پر ایمان کے لیے ضروری ہے، اسی طرح میرے چھوٹے بھائی علی کی امامت کی تصدیق بھی ضروری ہے اور جبکہ ایسا کسی سے اس وقت نہیں کہا اور امامت کو اصول دین سے قرار نہیں دیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انکار یا اقرار کرنا بھی اس سے ثابت نہیں ہوتا اور جب یہ ثابت نہ ہوا تو ان کے ایمان میں بھی کچھ خلل نہیں آیا...... ہاں حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آخر زمانہ نبوت میں خم غدیر پر جب خطبہ امامت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پڑھا اور لوگوں کو توحید اور رسالت کے علاوہ امامت کے اقرار پر بھی دعوت کی اس وقت امامت کا انکار گویا ایمان کے خلل کا سبب ٹھہرا لیکن جب کہ اس کا نام ونشان بھی نہ تھا اور کوئی لفظ امامت سے واقف تک نہ تھا اس کو اس وقت اصول دین سے ٹھہرانا اور اس سے ناواقف آدمی کو منکر قرار دینا اور اس کے انکار کو اس کے عدم ایمان کا سبب کہنا بڑی نادانی ہے۔ ہاں حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں

کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خم غدیر کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت سے دل میں انکار کیا اور بعد وفات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو ظاہر کیا، یعنی خود امام بن بیٹھے تو ہم اس بات کو سن سکتے ہیں لیکن اس سے صرف اطلاق ارتداد کا (نعوذ باللّٰه من ذالك) ان پر ہوسکتا ہے، اس سے ان کے اس ایمان میں جو اوّل اوّل لائے کچھ خلل نہیں آسکتا اور ابتدائے زمانۂ نبوت میں ان کا نہایت سچے دل سے ایمان لانا اپنے حال پر قائم رہتا ہے۔

رہا ارتداد ان کا بہ سبب غصب خلافت کے اس کو ہم بحث امامت میں بیان کریں گے، ان شاء اللہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا بیان:

جب کہ ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کو ثابت کرلیا، اس لیے اب ہم کچھ ذکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا کرتے ہیں...... یہ بات سب کو معلوم ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم رات دن اس فکر میں رہتے تھے کہ اسلام کی ترقی ہو اور خدا کے دین میں لوگ داخل ہوں، کوئی لحظہ کوئی دم اس سے غافل نہ ہوتے تھے اور جو تدبیر اس کے حاصل ہونے کی ہوتی تھی اس میں دریغ نہ فرماتے تھے، لیکن باوجود اس کوشش اور محنت کے چھ برس کے عرصے میں صرف چند ہی شخص جو کہ چالیس سے کم تھے ایمان لائے، آخری پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تھوڑی سی جماعت کو دیکھ کر خدا سے دعا کی کہ خداوندا اس گروہ کو بڑھا اور ایسے شخص کو مسلمان کر کہ جس کے رعب اور عزت سے اس گروہ کو قوت اور اسلام کی تائید ہو اور جس کی ذات سے بہت جلد اسلام کو رونق ہو، چنانچہ حضرت نے اپنے نزدیک ایسے صرف دو شخص اپنی قوم میں خیال کیے ایک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دوسرا ابوجہل کہ یہ دونوں نہایت ہی معزز اور مشہور اور نامور تھے اور ان کو سب سے زیادہ عداوت بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور شب و روز اسلام کے معدوم ہو جانے کی فکر میں رہتے تھے، پس حضرت نے خدا سے دعا کی کہ الٰہی اپنے دین کو ان دو آدمیوں میں سے کسی ایک آدمی کے مسلمان کر دینے سے قوی کر اور عمر یا ابوجہل میں سے ایک کو ایمان عطا فرما۔ چنانچہ یہ دعا خدا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول کی اور ان کو ایمان سے مشرف کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا مختصر حال یہ ہے کہ ابوجہل نے جس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دلی عداوت تھی اپنے بھائیوں سے کہا کہ جو کوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے اور ان کا سر میرے پاس لائے اس کو ہزار شتر سرخ بال والے اور بہت سے دینار ودرھم اس کے صلے میں دوں گا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے چلے، ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چلنا تھا اور خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کو ہماری طرف کھینچو اور جس کے سر لانے کو جاتا ہے اس کے قدموں پر گراؤ، ہماری قدرت کا تماشا دیکھو کہ شقی ہو کر جاتا ہے اور سعید ہو کر لوٹے گا، کافر ہو کر نکلا ہے اور مومن پاک ہو کر پھرے گا، ہماری دشمنی کے ارادے پر مستعد ہو کر اٹھا ہے اور ہماری محبت کے دام میں ابھی پھنستا ہے، وہ تو اپنی خوشی سے ہمارے دوست کے قتل کو چلا ہے اور ہم اس کو زبردستی کافروں کے قتل کے لیے مقرر کرتے ہیں۔ اب تم سطح زمین پر جاؤ اور اس کی خبر لو اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہمارے دین میں لے آؤ۔ مصرع ......

گر نیاید[1] بخوشی موئے کشایش آرید

چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار کو گلے میں حمائل کر کے نہایت غصے اور طیش میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، فرشگانِ ملاء اعلیٰ نے شادی کا غلغلہ بلند کیا، ''طَرَقُوْا، طَرَقُوْا'' کا شور مچایا، زبان حال سے یہ شعر پڑھنا شروع کیے۔ ابیات

آمد آں یارے کہ من می خواستم
راست شد کارے کہ من می خواستم
رفتہ رفتہ می رودآں سوئے دام
ہم بہ ہنجارے کہ من می خواستم

''میں جس دوست کو چاہتا تھا وہ آگیا، جو میری چاہ تھی وہ کام ٹھیک ہوگیا، آہستہ

---

[1] اگر ہنسی خوشی نہ آئے تو اس کے بال پکڑ کر (زبردستی) لے آؤ۔

آہستہ وہ جال میں (پھنسنے) آرہا ہے جیسے کہ میری خواہش تھی۔"

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اثنائے راہ میں بہت سے معجزات دیکھے، راہ میں ایک شخص مسلمان ملا اس کے مارنے کا قصد کیا اس نے کہا کہ اوّل اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو کہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں تب غیروں کی خبر لینا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن کے گھر گئے، دروازہ بند پایا اور قرآن پڑھنے کی آواز سنی، اس کو باہر سے سنتے رہے، آخر دروازہ کھٹکھٹایا، ان کی بہن نے دروازہ کھولا، پوچھا کہ تم لوگ کیا پڑھتے تھے، ہم کو دو، انہوں نے دینے میں انکار کیا، آخر اپنی بہن اور بہنوئی کو خوب مار پیٹ کی، جب ان کی بہن نے یہ زیادتی دیکھی تو پکار اٹھی کہ اے عمر ہوشیار ہو، ہم تو ایمان لا چکے اور سچے دین میں داخل ہوگئے "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ" تم کو جو کرنا ہو سو کرو۔ تب تو حضرت عمرؓ ڈھیلے پڑے اور کہا کہ اس قرآن سے کچھ سناؤ تب سورۂ طٰہٰ ان کو سنائی، اس کی فصاحت اور بلاغت پر غش ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل کو یقین ہوگیا کہ بے شک یہ کلام خدا کا ہے اور اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھا اور ایمان لائے اور قصد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہونے کا کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر ہوئی تو اصحاب رسولؐ میں تہلکہ مچ گیا اس لیے کہ وہ ان کی شوکت اور ارادے سے واقف تھے، یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دروازے پر پہنچے تو کوئی دروازہ کھولنے کو نہ اٹھتا تھا مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ چچا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کہہ کر اٹھے کہ "وہ ایک آدمی ہے اگر اطاعت کے ارادے پر آیا ہے خیر ورنہ اسی کی تلوار ہے اور اسی کا سر"۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اٹھے اور ان کو آغوشِ رحمت میں لے کر ایسا دبایا کہ ان کی آنکھیں نکل پڑیں، تب تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور ان کی طرف دیکھ کر خندہ زن ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ صدق دل سے نعرہ مار کر کہنے لگے: "اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ" تب سب مسلمان خوشی سے تکبیر کہنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر حمد و ثنا خدا کی کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا حضرت بتوں کی عبادت تو علانیہ ہو اور خدا کی عبادت

چھپ کر، یہ مناسب نہیں ہے، آیئے خانہ کعبہ کو چلیے اور با اعلان نماز ادا کیجیے۔ چنانچہ ان کی عرض کو حضرتؐ نے قبول فرمایا اور خانہ کعبہ کی طرف توجہ کی اور نہایت شان و شوکت سے حضرت ﷺ مع سب صحابہ کے عازم خانہ کعبہ کے ہوئے جب حضرتؐ تشریف فرمائے خانہ کعبہ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی آگے آگے چلے، کافروں نے کہ وہ منتظر تھے کہ سر پیغمبر ﷺ کا لاتے ہوں گے۔ یہ دیکھ کر کہا: اے عمر! یہ کیا حال ہے؟ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنو میں ایمان لایا اور پیغمبر ﷺ کی غلامی کا غاشیہ میں نے اپنے دوش پر لیا، جو اطاعت کرے گا خیر ورنہ اگر مزاحمت کرے گا تو یہی تلوار ہے اور اس کا سر۔ چنانچہ چند آدمیوں کو اسی وقت اپنا زور دکھلایا اور خانہ کعبہ میں جا کر پیغمبر ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی۔

یہ حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا ہے اور اس میں ہم نے دو باتوں کا ذکر کیا ہے، اوّل پیغمبر ﷺ کے دعا کرنے کا جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واسطے کی، دوسرے اس کیفیت سے ایمان لانے کا۔ چنانچہ ہم دونوں باتوں کو شیعوں کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں۔ امر اوّل کے ثبوت میں پہلے ہم کو یہ لکھنا ضروری ہے کہ اکثر مجتہدین اور علمائے شیعہ نے اس دعا سے انکار کیا ہے اور اس کو سنیوں کی تہمت اور افترا تصور کیا ہے، جیسا کہ ایک مجتہد صاحب کا خلاصہ عبارت یہ ہے:

((فاروق عزتے در عرب نداشته پس ایں احادیث را علمائے سنیاں از پیش خود بر تافته اند و حاشا که جناب پیغمبر ﷺ ایں دعا که مخالف عقل و نقل ست بر زبان مبارك آورده نباشند.))

’’عمر فاروق کی عرب میں کوئی عزت نہ تھی اور آپؓ کے اسلام لانے سے اسلام کو عزت دینے کی دعا والی حدیث سُنّی علماء نے خود گھڑی ہے اور اس قسم کی دعا جو عقل ونقل کے سراسر خلاف ہے حاشا وکلاّ رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے ادا نہیں ہوئی۔‘‘

لیکن یہ انکار صرف دھوکا دینا اور عوام کو اپنے مذہب کی برائی پر واقف ہونے سے بچانا ہے، ورنہ بہت سے محدثین اور علمائے شیعہ نے اس کی صحت پر اقرار کیا ہے، چنانچہ فضل بن شاداں اور شیخ طوسی اور علم الہدیٰ اور شیخ مفید [1] کے اقرار سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے، چنانچہ ہم ان سے قطع نظر کر کے ملا مجلسی کی تصدیق کو سنداً بیان کرتے ہیں اور ان کی کتاب بحارالانوار سے جس کا نام نامی اور اسم گرامی خدا کی کتاب سے بڑھ کر حضرات شیعہ کی زبان پر ہے، اس روایت کو نقل کرتے ہیں۔ وھو ھذہ۔ ملا باقر مجلسی ''بحارالانوار'' کی چودھویں جلد میں جس کا نام ''کتاب السماء والعالم'' ہے مسعود عیاشی سے روایت کرتے ہیں:

((روی العیاشی عن الباقر علیه السلام ان رسول الله ﷺ قال اعز الاسلام بعمر بن الخطاب اوبابی جھل بن ھشام .))

''یعنی امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے خدا سے دعا کی کہ الٰہی عزت دے اسلام کو عمرؓ بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے اسلام لانے سے۔''

غرض کہ اب ہم ان مجتہدین کی نسبت جنہوں نے اس دعا سے انکار کیا اور عوام کو دھوکا دیا کیا کہیں بجز اس کے کہ ان کے مقلدین کے سامنے ان کے انکار کو اور ملا باقر مجلسی کے اس اقرار کو رکھ دیں اور یہ عرض کر دیں کہ اب خود ہی انصاف کرو کہ تمہارے پہلے جھوٹے ہیں یا

---

[1] شیخ مفید محمد بن نعمان العبکری بغدادی ۳۳۸ھ میں پیدا ہوئے شیعوں میں شیخ مفید کے نام سے مشہور ہیں۔ اس لیے کہ بقول ان کے امام غائب نے انہیں یہ لقب دیا تھا۔ (معالم العلماء صفحہ ۱۰۱) شیعہ حضرات کے اکابر اور بڑے مشائخ و اساتذہ میں شمار ہوتا ہے۔ متاخرین میں سب نے ان سے استفادہ کیا۔ فقہ، کلام اور حدیث میں ان کی فضیلت مشہور و مسلم ہے۔ اپنے زمانے میں شیعوں کے سب سے ثقہ اور بڑے عالم تھے۔ ان کی تقریباً دوسو (۲۰۰) چھوٹی بڑی تصنیفات ہیں۔ (روضات الجنات جلد ۶ صفحہ ۱۵۳) شیعوں کے نزدیک شیخ مفید کے مقام کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ ان کے بارہویں امام غائب غار میں روپوش ہو جانے اور غیبت صغریٰ کا دور ختم ہو جانے کے بعد بھی شیخ مفید کو خطوط لکھتے تھے جو کسی غیبی نا معلوم طریقے سے ان کو مل جاتے تھے، شیعوں کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں ان کے نام امام غائب کے وہ خطوط موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام غائب کے معتمدین میں سے تھے ۴۱۳ھ میں بغداد میں فوت ہوئے، سید مرتضیٰ برادرِ رضی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ۱۲

پچھلے...... رہا امر دوم، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی کیفیت اس کے واسطے ہم اشعار حملۂ حیدریہ کو نقل کرتے ہیں اور اہل انصاف سے چاہتے ہیں کہ اس کے ہر ہر لفظ کو غور کریں اور انصاف فرمائیں کہ باوجود تعصب اور عناد کے اس مؤلف نے کیا کچھ لکھا ہے اور یہ کوئی خیال نہ کرے کہ حملۂ حیدریہ کتب معتبرہ سے نہیں ہے بلکہ اس کو خود حضرت مجتہد صاحب شیعوں کے قبلہ وکعبہ نے تصحیح کیا ہے اور اس کی اصلاح اور تحشی خود حضرت سید محمد صاحب نے فرمائی ہے اور جو کتاب مطبع سلطانی میں باہتمام مدد علی داروغہ کے لکھنؤ میں چھپی ہے اس کے عنوان پر یہ سب کیفیت لکھی ہوئی ہے اور اس کے سرے پر اس کتاب کی تعریف میں لکھا ہے۔ ابیات:

عجب [1] کتابے پر از نور ہست
کہ ہر بیت آں بیت معمور ہست
بہ بزمے کہ خوانند فصلے ازاں
سخن از حلاوت شود لب گزاں
مشام محباں معطر شود
دل از نور ایماں منور شود
تعالی اللّٰہ آں باذل بے بدل
کہ آوردہ ہر نکتہ را برمحل
بوفق روایت رقم میزند
براہ دیانت قدم میزند
بہ ترجیح اخبار دارد مناط
بروں نیست از جادہ احتیاط
بہ نہجے گرفت ست ایراد و دق
کہ افتادہ درجان اعداء قلق

[1] حملہ حیدری جلد اوّل صفحہ ۲ دیباچہ مطبوعہ سلطانی ۱۲۶۷ ہجری۔۱۲ منہ۔

عـجـب دفتر دل کشای نوشت
کـه پیچیده دروے هوای بهشت
مـعـطـر چون مشك تتارست ایں
مـعنبـر چون بـاد بهارست ایں
زهـر نـکتـه سازد معطر دماغ
زهـر نقطـه اش می شود تردماغ
دلِ آشفتگـان راتمـا شاست ایں
جگـر خستگـان رامسیحاست ایں
بس ست از نعوت و صفاتش همیں
کـه گردیده مقبول سلطان دیں
فـرازنـدۂ رایـت اجتهـاد
زحق حجت و آیتے برعباد
طریق شریعت موید ازوست
کـه نام و نشان محمد ازوست
دل سنیـان داغـدارست ازو
کـه هندوستاں سبزه زار ست ازو [1]

''عجیب پرنور کتاب ہے کہ اس کا ہر ہر شعر بیت معمور ہے، جس محفل میں اس کی ایک فصل پڑھ دی جائے تو بات کی مٹھاس سے ہونٹ چپکنے لگیں، دوستوں کی مشام جاں معطر ہو جائے اور دل نور ایمان سے روشن ہو جائے، اللہ کی ذات بڑی ہے کہ ان (علامہ) باذل نے جن کی کوئی مثال نہیں ہر نکتہ کو برمحل ذکر کیا ہے۔ روایت کے مطابق ہی وہ لکھتے ہیں اور دیانت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

[1] حملہ حیدری جلد اوّل صفحہ ۲ دیباچہ مطبوعہ سلطانی ۱۲۶۷ ہجری ۔۱۲ منہ

ترجیح روایات میں مشاق ہیں، احتیاط سے باہر قدم نہیں نکالتے، اس طریقہ سے اعتراض اور گرفت کرتے ہیں کہ دشمن (ناصبی سنی) تلملا اٹھتے ہیں، عجب دل کش دفتر لکھ ڈالا کہ جس میں جنت کی ہوا لپٹی ہوئی ہے، مشک تتار کی طرح عطر بیز ہے، باد بہاری کی مانند خوشبو ریز ہے، ہر نکتہ سے دماغ معطر ہو جاتا ہے، اس کا ہر نقطہ دماغ کو تر کر دیتا ہے۔ آزردہ دلوں کے لیے یہ تماشا ہے اور خستہ جگروں کے لیے یہ مسیحا ہے، اس کی تعریف و توصیف میں اتنا کافی ہے کہ سلطان دیں (سلطان العلماء) کی پسندیدہ ہے، اجتہاد کے جھنڈے کو بلند کرنے والی ہے، بندوں پر حق کی حجت اور نشانی ہے، طریق شریعت کی اس سے تائید ہوتی ہے، اس سے محمد ﷺ کا نام ونشان (قائم) ہے، سنیوں کے دل اس سے داغدار ہیں ہندوستان اس سے سبزہ زار ہو گیا ہے۔''

پس ہم اس کتاب سے جس کے نور سے دل مومنین کے منور ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے نور کو دکھلاتے ہیں، جو اندھے نہ ہوں وہ دیکھیں اور اسی کتاب سے جس کی خوشبو سے دماغ محبوں کے معطر ہیں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خوشبو پھیلاتے ہیں، جو دماغ رکھتے ہوں وہ سونگھیں اور ہم اسی محقق کے قول سے جو موافق روایت کے لکھتا ہے اور جو قدم قدم دیانت پر چلتا ہے اس روایت کو ثابت کرتے ہیں اور ہم اسی کی تصدیق سے جس نے سنّیوں کی جان کو رنج میں ڈال رکھا ہے حضراتِ شیعہ کو رنج دیتے ہیں اور اسی کے کلام سے جس کا کلام شیعوں کے زخموں کے لیے مرہم ان کے دلوں مجروح کرتے ہیں اور اس قبلہ و کعبہ کی تصحیح اور قبولیت سے جس نے سنّیوں کے دلوں کو داغدار کر دیا ہے ان کے مقلدین کے دلوں کو داغدار کرتے ہیں......

اے بھائیو: اس روایت کو سنو اور دیکھو کہ حقیقت میں کیسا نور چمک رہا ہے اور سونگھو کہ در اصل کیسی خوشبو مہک رہی ہے، بے شک اس روایت کی نسبت ہم بھی یہ شعر پڑھتے ہیں:

بہ نہجے گرفت ست ایرادو دق
کہ افتادہ در جان اعدا قلق

زہر نکتہ سازد معطر دماغ
زہر نقطہ اش میشود تر دماغ
معطر چوں مشک تتارست ایں
معنبر چوں بادِ بہارست ایں

اب ہم اس روایت کو بعینہ کتاب مذکور سے نقل کرتے ہیں۔

در کیفیت ایمان آوردن عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب:

عمر [1] بعد ازاں از پس چند گاہ
در آمد بدین رسول اِلٰہ
چناں بدکہ بوجھل ازاں سر زنش
بکیفیتے شد عداوت منش
کہ جز قتل پیغمبر ذوالجلال
نبودش دگر ہیچ فکر و خیال
یکے روز می گفت با اشقیا
کہ آرد کسے گر سر مصطفٰے
ھزار اشتر از خود بہ بخشم باد
دو کوھاں سیہ دیدہ و سرخ مو
زدیبای مصری و بردِ یمن
دگر سیم و زر بخشش چند من
عمر چوں شیند آں سخن گفتنش
بجنبید عرق طمع در تنش

ٔ

[1] حملہ حیدری جلد اوّل از صفحہ ۲۱ تا ۲۳ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ء ہجری ۱۲ منہ

باو گفت سوگند گرمی خوری
که از گفته خویشتن نه گزری
من امروز خدمت رسانم بجا
بیارم به پیشت سر مصطفیٰؐ
گرفت از ابوجهل اوّل قسم
پس انگاه زد در ره کیں قدم
بآنکار چوں رفت بیروں عمر
یکی گفت با اونداری خبر
که همشیره ات نیزبا جفت خویش
گر فتت دین محمدؐ به پیش
برآشفت ابا حفص ازیں گفتگو
بگفتابریزم کنون خُونِ او
سوی خانۂ خواهر خویش رفت
چوں آمد بنزدیك در پیش رفت
بیامد به پیش درو ایستاد
صدائے شیندوبآں گوش داد
شیند آنکه میخواند مردِ نکو
کلامے که نشنیده بُد مثل او
وزد می گرفتند یاد آں کلام
هماں خواهر و جفت او بالتمام
عمرؓ زد در و خواهرش باز کرد
چوں آمد درون شور آغاز کرد

در افتـاد بـا جـفـت خـواهر بجنگ
گـرفتـش زحـلـق و بیفشـر د تنگ
در آویـخـت دامـاد هـم بـا عـمـر
گـرفتـنـد خـصـمـانـه هم را بـه بـر
بـخستـنـد گـه روی هم گـاه پشت
لـکـد گـه زدنـدی بهـم گـاه مشت
زهـم پـوسـت کـنـدنـد گـاه مـو
گهـے ایـں بـزیـر آمـدے گـاه او
ازوچـون عـمـر بـود پر زور تـر
فـگـنـدش بـزیـر و نشسـت از زبـر
گـلـویـش بـه تـنـگی فشرد آنچناں
کـه نـزدیك شـدتـاشود قبض جـاں
بیـا مـد دواں خـواهـرش نوحـه گر
بـه گـفتـش چـه خواهی زما ای عمر
اگـر شـاد گـردی زمـا در مـلـول
نـمـودیـم دیـن مـحـمدؐ قبـول
کـنـوں گـر کشـی سـر بـداریم پیش
ولے بـرنـگـردیـم از دین خویـش
چـوں بشـنیـد ازوایں حـکایت عمر
بـدانسـت کـو بـرنـگـردد دگـر
بـگـفتـش چـه دیـدی تو از مصطفیٰ[1]
کـه گشتـی بـد بـنـش چـنیں مبتلا

بگفتی کلام خدائے جلیل
کہ آرد باو حضرت جبرئیل
شنیدیم گردید برما یقیں
کہ ہست ایں کلام جہاں آفریں
عمرؓ گفت ازاں قول معجزا ساس
اگر یاد داری بخواں بے ہراس
برو خواہرش آیہ چند خواند
عمرؓ گوش چوں کرد حیراں بماند
دلش زاں شنیدن بسے نرم شد
بسو دائے اسلام سر گرم شد
عمر گفت دیگر بخواں زیں کلام
بگفتاد گرنیست زیں می بجام
ولے ہست استاد ما در نہفت
کہ گردید پنہاں چو نامت شنفت
قسم گرخوری کو کہ نیا بد زیاں
بیاریم پیشت کہ خواند ازاں
چوبگرفت سوگندا زو خواہرش
بیا ورداستادِ خودرا برش
بُد از اہل اسلام نا مشق خباب
بیا مد بر نزد عمرؓ بے حجاب
برو خواند آیاتِ پروردگار
ابا حفصؓ اسلام کرد اختیار

چون آیاتِ معجز بیاں راشنید
همش قول کاهن بخاطر رسید
به اسلام شد رغبتش بیشتر
که آں هم شودراست چون ایں خبر
وزاں پس بگشتند باهم رواں
بنزدِ رسولِ خدائے جهاں
بدولت سرائے پیمبر شدند
چو دربسته بُد حلقه بردر زدند
یکی آمدو وید از پشت در
که استاده باتیغ بردر عمر
بنز د نبیؐ رفت و احوال گفت
بماندند اصحاب اندر شگفت
چنیں گفت پس عم خیرالبشرؐ
که غم نیست بروی کشائیددر
گراز راه صدق آمده مرحبا
و گر باشد اُورَا بخاطر دغا
یه تیغےکه دارد حمائل عمر
تنش راسبکبار سازم زسر
چو در باز کردند بر روئے او
درآمد عمر بالب عذر گو
گرفتش به بر سرور انبیاءؐ
نشاندش بجائیکه بودش سزا

بگفتند اصحاب هم تهنیت
وزاں بیشتر یافت دیں تقویت
پس اصحاب دیں راشدایں مدعا
کہ از خدمت سرورِ انبیاءؐ
بسوی حرم آشکارا روند
نماز جماعت بجا آورند
رسید ایں سخن چوں بعرضِ رسولؐ
زخیر البشرؐ یافت عزّ قبول

''عمرؓ (بھی) چند دن کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دین میں داخل ہو گئے، ہوا یہ کہ ابوجہل کے دل میں ایسی عداوت پیدا ہوگئی کہ پیغمبر ذوالجلال کے قتل کے علاوہ اس کو کوئی دوسری سوچ وفکر ہی نہ تھی۔ ایک دن اس نے بدبختوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص (محمد) مصطفٰے ﷺ کا سر لے آئے تو میں اس کو ایک ہزار اونٹ دو کوہان والے، کالی آنکھوں اور لال رنگ کے دوں گا۔ مصری ریشم اور یمنی چادریں اور سونا چاندی مزید دوں گا۔ عمرؓ نے جب اس کی یہ بات سنی تو ان کے جسم میں لالچ کی رگ پھڑک اٹھی۔ اس سے کہا کہ اگر تم قسم کھاؤ کہ اپنی بات پر قائم رہو گے تو میں آج ہی یہ خدمت انجام دیتا ہوں کہ (محمد) مصطفٰے ﷺ کا سر تیرے سامنے لاتا ہوں۔ ابوجہل سے قسم لینے کے بعد اس (مقصد قتل) کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس کام کے لیے جب عمرؓ باہر نکلے تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ کچھ پتہ ہے کہ تمہارے بہن اور بہنوئی محمد ﷺ کا دین قبول کر چکے ہیں۔ ابوحفص (عمر) اس بات سے آگ بگولہ ہو گئے اور کہا کہ ابھی میں ان کو قتل کر دوں گا۔ اپنی بہن کے گھر گئے تو دروازہ بند تھا دروازے کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ کچھ آواز سنائی دی تو اس کو غور سے سننے لگے۔ انہوں نے سنا

کہ کوئی بھلا آدمی ایسا کلام پڑھ رہا ہے کہ اس جیسا کلام اب تک نہیں سنا ، وہ بہن اور بہنوئی ان سے یہ کلام سارا کا سارا یاد کر رہے ہیں۔عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کی بہن نے کھول دیا جیسے ہی اندر پہنچے تو چیخنے لگے اور اپنے بہنوئی سے لڑنے لگے، اس کی گردن پکڑ کر دبائی۔عمرؓ کے ساتھ بہنوئی کی دھر پٹک ہونے لگی،کبھی چہرہ کے بل اور کبھی پیٹھ کے بل گرتے،کبھی لات مارتے اور کبھی گھونسے چلاتے،کبھی کھال نوچتے تو کبھی بال،کبھی یہ نیچے آتے کبھی وہ آتے،عمرؓ ان سے زیادہ طاقت ور تھے، چنانچہ ان کو نیچے گرا کر اوپر بیٹھ گئے اور ان کی گردن اتنی زور سے دبائی کہ قریب تھا ان کی جان نکل جائے۔ان کی بہن روتی ہوئی دوڑ کر آئیں ان سے کہا: اے عمر! ہم سے کیا چاہتے ہو، اب تم چاہے خوش ہو یا ناخوش ہم نے محمد ﷺ کا دین قبول کرلیا ہے۔اب اگر تم مارنا چاہتے ہو تو سر حاضر ہے لیکن اپنے دین سے ہم نہیں پھر سکتے۔عمرؓ نے جب ان کی یہ بات سنی سمجھ گئے کہ یہ باز نہیں آئیں گے، ان سے کہا کہ آخر محمد میں کیا دیکھا کہ ان کے دین میں اس طرح گرفتار ہو گئے۔انہوں نے کہا کہ خدائے برتر کا کلام جو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس لائے (وہ کلام) سنا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ خالق کائنات کا کلام ہے۔عمرؓ نے کہا اس اعجازی کلام سے اگر کچھ یاد ہو تو بے خوف وخطر سناؤ۔ان کی بہن نے چند آیتیں ان کو پڑھ کر سنائیں، جب عمرؓ نے سنا تو حیران رہ گئے،ان کا دل اس کلام کے سنتے ہی بے حد نرم ہو گیا اور اسلام کا سودا سر میں سما گیا۔عمرؓ نے کہا کہ اس کلام سے کچھ اور پڑھو، انہوں نے کہا اس میں اور تو کچھ یاد نہیں لیکن ہمارے استاد چھپے ہوئے ہیں جو آپ کا نام سن کر چھپ گئے تھے اگر تم قسم کھاؤ کہ ان کو تکلیف نہ دو گے تو وہ کلام پڑھنے کے لیے آپ کے سامنے لائیں۔ان کی بہن نے جب ان سے قسم لے لی تو اپنے استاد کو ان کے سامنے پیش کیا، وہ اسلام لا چکے تھے ان کا نام خبابؓ تھا۔عمرؓ کے

سامنے بے حجاب آ گئے، ان کو پروردگار (عالم) کی آیتیں سنائیں، ابوحفص (عمرؓ) نے اسلام قبول کر لیا، جب یہ معجزانہ (کلام کی) آیات سنیں تو کاہن کی بات ان کے دل میں جم گئی، اسلام سے ان کی رغبت بڑھ گئی کہ وہ (کاہن کی بات) بھی اس خبر کی طرح سچی ہو گی۔ اس کے بعد وہ رسول خدا ﷺ کی طرف روانہ ہوئے۔ پیغمبر خدا ﷺ کے گھر پہنچے، دروازہ بند تھا تو کنڈی بجائی، ایک شخص نے آ کر دروازے کی پشت سے دیکھا کہ عمرؓ تلوار لیے کھڑے ہیں۔ وہ حضور ﷺ کے پاس گئے اور حال بتایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین (یہ سن کر) حیران ہو گئے۔ حضور ﷺ کے چچا (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) نے کہا کوئی پریشانی کی بات نہیں دروازہ کھول دو اگر وہ نیک ارادے سے آئے ہیں تو ان کو مرحبا ہے اور اگر ان کے دل میں دغا بازی ہے تو جو تلوار عمرؓ لٹکائے ہوئے ہیں اسی سے ان کا سر تن سے جدا کر دوں گا جب دروازہ ان کے لیے کھولا تو عمر عذر کناں اندر آئے، سرور انبیاء ﷺ نے ان کا دامن پکڑ کر ان کے لائق مقام پر انہیں بٹھایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان کو مبارک باد دی، ان سے دین کو مزید تقویت حاصل ہو گئی، اب دیندار لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ سرور انبیاء ﷺ علانیہ حرم شریف چل کر نماز با جماعت ادا فرمائیں۔ جب حضور ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرما لیا۔''

❀❀❀❀

آمدن سید اخیار بتائید ملک جبار بحرم محترم ونماز گزاردن با اصحاب سعادت انتساب وآمدن قریش مرتبہ دیگر نزد ابوطالب رضی اللہ عنہ سخن گفتن از روی قہر وطیش

اللہ کی تائید سے حضورؐ کا حرم شریف میں آنا اور اپنے سعادت منداصحاب کے ہمراہ نماز ادا کرنا، قریش کا ابوطالب کے پاس دوبارہ آکران سے سختی سے بات کرنا

بیا ساقی ای رشك خلد برین
بساطِ نشاط بگیتی بچیں
زخم بادہ بے فکر و اندیشہ ریز
سبو برسبو شیشہ بر شیشہ ریز
فرود آر ازیں طاق فیروزہ فام
زخورشید جام و زمہ نیم جام
بکن راز پوشیدہ را برملا
بہ دور و بہ نزدیك در دہ صلا
ازاں مے نمے ھم بکامم فگن
وزاں نم بعیش مدامم فگن
چناں مست کن زاں مے پُر طرب
کہ جو شدز خورشید نورم زلب
دریں بزم ساقی بنور ایاغ
فروزد بدینگو نہ روشن چراغ
کہ کردند اصحاب چوں اتفاق
برآمد رسول خدا از وثاق

روان شــد بتــائیـد دیــان دیــں
چُــو ســوئے حــرم سید الــمرسلیں
ببــالیــد از بــس زمیں شـدگمـاں
کـــہ بیــروں رود از بــر آســمــاں
زشــادی بــرقـص انـدر آمـد سپھـر
چــو خــورشید ھر ذرہ افروخت چھر
ھـمــی رفــت جبریل بــالائی سـر
بــفـرق ھـمــایوںبگسترده پـر
مــلائك چپ وراسـت در دور بــاش
شیــاطیں زھیبت شده پـاش پــاش
بـــه پهلــو رواں حـمزہؓ نــام دار
بـه پیشش علـیؓ صـاحب ذوالفقار
ھـمیں رفــت در پیــش حیدر عمـر
حـمــائل ھـمــاں تیغ کیں بر کمر
بــگــرد آمــده جـمع یاراں تـمام
بــرفتنـدز نیســاں بـه بیت الحـرام
جــدارِ حــرم ســر بـعـرش مـجیـد
رســانیـد چـوں گــرد موکب رسید
چــودیـد نـد کـفــار زاں گونـه حـال
نــمــودند بـاھـم بسے قیل وقـال
یـکــی رفــت از انھـا بـه نـزد عمرؓ
بـد و گـفـت ایں چیست ای بد گھر
نــه زانســاں کــه رفتی تو باز آمدی

بـکـیـں رفتـی و بـانـیـاز آمـدی
عـمـر کـرد اسلام خـود آشـکـار
پـس آنگـه بـاو گفت اے نـابکـار
هـران کـز شـمـا جنبداز جای خویش
بـه بیـنـد سـر خـویش برپای خویش
چـون کـفـار در یـافتـنـداز سـخن
کـه دردل چـه دار نـد آں انـجـمـن
نهـادنـد پـادر ره امتـنـاع
نـمـودنـد بـا اهـل مـلـت نـزاع
چوں دیدند آں صحبت اصحاب دین
هـمـه دست بـردنـد بـر تیغ کیں
ازاں حـال کـفـار پـس پاشـدنـد
دلیـران دیـں مسـجـد آرا شـدنـد
بـه پیـش انـدر آمـد رسـول خـدا
نـمـودنـدیـاراں بـاو اقـتـدا
نبـیؐ گـفـت تـکبیـر چوں در حـرم
فتـادنـد اصـنـام بـر روئـے هـم
زتـائیـد ایـزد بـمسـجـد نـمـاز
ادا کـرد و آمـد سـوئـے خـانـه بـاز

”اے ساقی آ، رشک خلد بریں بساط نشاط بچھا دے، بے فکر و اندیشہ شراب مٹکے سے بہا، پیالہ پر پیالہ اور شیشہ پر شیشہ ڈال، اس طاق فیروزہ فام (آسمان) سے لے کر آ سورج سے جام اور چاند سے نیم جام لا، پوشیدہ راز کو ظاہر کر دے اور دور و نزدیک صلائے عام دے دے، اس شراب کے چند قطرے میرے منہ میں بھی ٹپکا دے اور مجھے اس کا مزہ مسلسل عطا

کرتا رہ، اس پر کیف شراب سے ایسا مست کر دے کہ اس کی گرمی سے نور میرے لبوں سے چھلکنے لگے، اس بزم میں ساقی نور و نکہت کا چراغ یوں روشن کرتا ہے کہ اصحاب نے جب اتفاق کر لیا رسول خدا ﷺ سے تائید حاصل ہوگئی، اللہ تعالیٰ کی تائید سے جب سید المرسلین ﷺ حرم روانہ ہوئے زمین لرزنے لگی جیسے لگتا تھا کہ آسمان سے اوپر نکل جائے گی مارے خوشی کے آسمان رقص کر رہا تھا جیسے سورج ہر ذرہ کو تابناک بنا رہا تھا، جبرئیل امین علیہ السلام اپنے پروں کا سایہ کیے اوپر چل رہے تھے، فرشتے دائیں بائیں تھے، شیاطین ہیبت کے مارے پاش پاش ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ کے پہلو میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ چل رہے تھے اور آپ ﷺ کے آگے علی رضی اللہ عنہ صاحب ذوالفقار تھے، حیدر (علی رضی اللہ عنہ) کے آگے عمر رضی اللہ عنہ اپنی کمر میں تلوار لٹکائے چل رہے تھے، آپ ﷺ کے ارد گرد تمام اصحاب جمع تھے، اس شان سے بیت الحرام (کعبہ) کو روانہ ہوئے دیوارِ حرم کا سر عرش معلیٰ پر پہنچ گیا، جس وقت یہ قافلہ وہاں پہنچا کفار نے جب یہ صورت حال دیکھی تو آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ان میں سے ایک شخص عمرؓ کے پاس گیا، ان سے کہا کہ میاں یہ کیا ماجرا ہے؟ تم جیسے گئے تھے ویسے تو نہیں آئے، گئے تھے غصہ میں اور آئے نیاز مندانہ، عمرؓ نے برملا اپنے اسلام کا اظہار کر دیا اور اس سے کہا کہ اے نامراد! اگر تم میں سے ایک نے بھی اپنی جگہ سے جنبش کی تو اپنا سر اپنے پیروں پر دیکھے گا، کفار پوری بات سمجھ گئے کہ ان لوگوں کے دل میں کیا، چنانچہ انہوں نے رکاوٹ ڈالنی چاہی اور مسلمانوں سے لڑنا چاہا، حضور ﷺ کے ساتھی مسلمانوں نے ان کی نیت بھانپ لی، چنانچہ سب تیغ بکف ہو گئے، اس کو دیکھ کر کفار پیچھے ہٹ گئے اور ان دین کے بہادروں نے مسجد کو اپنے سجدوں سے آراستہ کیا۔ سب سے پہلے رسول خدا ﷺ اندر آئے، اصحاب رضی اللہ عنہم نے بھی آپؐ کی اقتدا کی، نبی ﷺ نے جب حرم میں تکبیر بلند کی تو سارے بت سرنگوں ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسجد میں نماز ادا کر کے گھر واپس آئے۔''

اے حضرات شیعہ! تم کو اپنے باذل بے بدل اور اپنے قبلہ و کعبہ کے آب و گل کی قسم ہے کہ اس روایت کو دیکھو اور غور کرو کہ جو شخص اس دھوم دھام سے ایمان لائے اور جو آدمی

اس شان و شوکت سے مسلمان ہو اس کی نسبت کون خیال کرسکتا ہے کہ وہ منافق ہوگا یا سچے دل سے ایمان نہ لایا ہوگا یا بعد ایمان کے مرتد ہوگیا ہوگا یا ایسے شخص سے کبھی پیغمبر ﷺ رنجیدہ ہوئے ہوں گے یا ایسے آدمی کو دشمن اسلام کا اور منافق سمجھے ہوں گے...... دیکھو جو دعا پیغمبر ﷺ نے ان کے لیے کی تھی کیسی جلد خدا نے قبول کی اور اس کا اثر کیسا جلد ظاہر ہوا کہ ان کے ایمان لانے کا پہلا کام تو یہ ہوا کہ اوّل اوّل نماز جماعت کی خانہ کعبہ میں ادا ہوئی اور اخیر کا کام ان کا یہ ہوا کہ روم، شام اور حلب و دمشق میں کلمہ کفر کا پست اور خدا کا کلمہ بلند ہوا، ابتدائے اسلام کی عزت بھی انہی کی ذات سے ہوئی اور خاتمہ بھی انہی پر ہوا، حقیقت میں دعا اس کو کہتے ہیں اور قبولیت اسی کا نام ہے۔

اے یارو! ذرا تو انصاف کو دخل دو اور تعصب و عناد کو چھوڑو کہ جس کی ذات سے ایک ہزار چھتیس شہر کفر کے دارالاسلام ہوئے اور جس کی بدولت ہزاروں بت خانے اور گرجے ٹوٹ کر مسجدیں بن گئیں اور جس کے سبب سے کسریٰ اور قیصر کے محلوں میں اللہ اکبر کا غلغلہ بلند ہوا اور جس کی وجہ سے ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی لونڈیوں میں داخل ہوئیں اور جس کی ذات سے ظلمت کفر کی دور ہوئی اور روشنی اسلام کی از شرق تا غرب پھیل گئی وہی تمہارے نزدیک منافق ہے اور اسی کا نام تمہارے یہاں دشمن خدا اور عدوِ رسولؐ ہے تو معلوم نہیں کہ پھر خدا کا دوست اور رسول کا محبّ کون ہے...... اگر حضرت عمرؓ کی ذات نہ ہوتی تو آج تمہارے قبلہ و کعبہ لکھنؤ میں بیٹھ کر علیؓ علیؓ کہتے یا اجودھیا میں رام رام پکارتے، یہ عمرؓ ہی کی جوتیوں کا طفیل ہے کہ تم خدا کی توحید سے اور پیغمبر ﷺ کی نبوت سے واقف ہوئے اور کفر چھوڑ کر اسلام اور ایمان کے نام سے آگاہ ہوئے، لیکن آفریں تمہاری احسان فراموشی پر کہ اسی کی دشمنی کو تم نے ایمان قرار دیا ہے اور کفر کی بنیاد کھودنے والے اور اسلام کا نیزہ گاڑنے والے کا نام منافق اور کافر رکھا ہے...... حقیقت یہ ہے کہ جب شیطان نے دیکھا کہ بعد اسلام کے کفر پھیلا نہیں سکتا اور شرک صریح میں گرفتار کر نہیں سکتا تب اس نے یہ تدبیر کی کہ لوگوں کے دلوں میں کفر کی جڑ دوسری طرح قائم کرے، اور باوجود مسلمانی کے دعوے کے ان کو اسلام سے

خارج کردے تب اس نے یہ تدبیر کی اور رفض کا عقیدہ لوگوں کے دلوں میں مضبوط کیا اور جن لوگوں نے پیغمبر ﷺ کی مدد کی اور جنہوں نے اسلام کو پھیلایا اور جن کے سائے سے شیطان بھاگا ان کی عداوت دلوں میں ڈال دی تا کہ اس حیلے سے اس کا کام نکلے اور لوگ اسلام سے نفرت کریں یا اسلام کا نام لیں مگر اصل میں اس کو چھوڑ بیٹھیں۔ چنانچہ اس ملعون کا مطلب حضرات شیعہ سے بخوبی حاصل ہو گیا اور اس شقی ازلی نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا کہ وہ ایسے اصحاب جلیل القدر کو برا جاننے لگے اور ایسے دوستوں کو پیغمبر ﷺ کے برا کہنے لگے، ان کی دشمنی کو ایمان سمجھے اور ان کو گالیاں دینا عبادت جانا۔ حقیقت میں ان لوگوں نے ایمان چھوڑ دیا اور شیطان کے دام میں آ کر اسلام سے ہاتھ دھویا ورنہ جس کو ذرا بھی عقل ہوگی کیا وہ یہ نہ سمجھے گا کہ اگر وہی لوگ جو اس شدومد سے ایمان لائے کافر تھے اور وہی آدمی جنہوں نے اسلام کو عرب سے لے کر عجم تک اور عجم سے لے کر ہند تک پھیلایا اسلام کے دشمن تھے تو پھر دوسرا کون مسلمان ہوسکتا ہے، ضرور اس کا عقیدہ اسلام سے پھر جائے گا۔ حقیقت میں اسلام کی حقیقت پر کوئی معتقد نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ شیعوں کے عقیدے نہ چھوڑے اور پاک سنی نہ بن جائے۔ ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ میں اس مقام پر ایک اور بات شیعوں کی لکھنا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ ان کے عقیدے کی خوبی اس سے ظاہر ہو جائے اور ان کی دشمنی اسلام اور ایمان سے ثابت ہو جائے۔

یہ امر تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات سے نہایت تقویت دین کی ہوئی اور اسلام کی جڑ انہی کے سبب سے مضبوط ہوئی، چنانچہ صاحب حملۂ حیدریہ نے بایں تعصب خود اقرار کیا ہے کما قیل: مصرع......

وزاں بیشتر یافت دیں تقویت

اور ظاہر ہے کہ جس کی ذات سے دین نے تقویت پائی ہوگی اس کی ذات سے پیغمبر ﷺ کو محبت بھی بدرجہ غایت ہوگی لیکن موافق روایت شیعوں کے پیغمبر ﷺ کو کسی سے اس قدر عداوت نہ تھی جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تھی اور ان کے مرنے کی خبر سے جس

قدر حضرت کو خوشی ہوئی ایسی کسی خبر سے نہ ہوئی تھی اور جو فضائل اس روز کے جس روز کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیے ہیں ایسے فضائل جمعہ، عید اور روز غدیر کے بھی بیان نہیں کیے اور جو برکات اور فائدے اہل بیت کو اس تاریخ میں ہوئے ہیں جس تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی ایسے کبھی کسی روز نہیں ہوئے...... چنانچہ ''زادالمعاد'' میں جو معتبرین کتب شیعہ سے ہے اور ملا باقر مجلسی جس کے مؤلف ہیں اس کے آٹھویں باب کی پہلی فصل میں ایک طول طویل روایت لکھی ہے جس کو ملا صاحب نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیا ہے، اس کا مختصر مضمون ہم لکھتے ہیں:

''حذیفہ [1] بن یمان رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت ہے کہ میں نویں ربیع الاوّل کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بدر ستیکہ خبر داد مراد پدرم کہ حذیفہ بن یمان درروز نهم ربیع الاوّل داخل شدبر جدم رسول خدا، حذیفہ گفت کہ دیدم حضرت امیر المومنین و حضرت امام حسن و امام حسین راکہ با حضرت رسالت پناہ طعام تناول می نمودند و حضرت بروی ایشان تبسم میفر مودو باحضرت امام حسن و امام حسین میگفت بخورید گواراباد ازبرائے شما برکت و سعادت ایں روز بدرستیکہ ایں روزیست کہ حق تعالیٰ ہلاک میکند دشمن خود و دشمن جد شمار او مستجاب میگرداند دریں روز دعائے مادر شما، بخورید کہ ایں روزیست کہ حق تعالیٰ قبول می کند اعمال شیعیان و محبان شمارا دریں روز، بخورید کہ ایں روز یست کہ ظاہر میشودراستی گفتۂ خدا کہ میفر ماید ﴿فتلك بیوتھم خاویۃ بما ظلموا﴾ یعنی ایں ست خانہای ایشاں کہ خالی گردیدہ ست بسبب ستمہای ایشاں، بخورید کہ ایں روزیست کہ شکستہ می شود دریں روز شوکت جد شماویاری کنندہ جد شماویاری کنندہ دشمن شما، نجورید کہ ایں روزیست کہ ہلاک میشود دریں روز فرعون اہل بیت من وستم کنندہ برایشاں وغصب کنندہ حق ایشاں بخورید کہ ایں روزیست کہ حق تعالیٰ عملہائے دشمنان شمارا باطل دھبا میگرداند، حذیفہ گفت کہ من گفتم کہ یارسول اللہ آیا درمیان امت تو کسی خواہد بود کہ ہتك ایں حر متھا نماید حضرت فرمود کہ ای حذیفہ بتی از منافقاں برایشاں سر گروہ خواہد شدو دعویٰ ریاست درمیان ایشاں خواہد کرد و مردم رابسوی خود دعوت خواہد نمود و تازیانہ ظلم و ستم رابردوش خود خواہد گرفت و مردم را ازراہ خدا منع خواہد نمود و کتاب خدارا تحریف خواہد نمود و سنت مراتغیر خواہد دادا و میراث فرزند مرا متصرف خواہد شد و خودرا پیشوائے مردم خواند و زیادتی بر وصی من علی بن ابی طالب خواہد کرد و مالہائے خدارا بنا حق بر خود حلال خواہد کرد و در غیر طاعت خدا صرف خواہد کرد و مراد بر او رمن و وزیر من ⇦⇦⇦

کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے پاس امیر المومنین علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے ہیں اور کھانا نوش فرما رہے ہیں اور حضرت نہایت خوش ہیں اور حسین رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ بیٹا کھاؤ یہ کھانا تم کو مبارک

⇦⇦⇦علی بن ابی طالب رابدروغ نسبت خواهد داد و دختر مرا از خود محروم خواهد گر دانید پس دختر من اور انفریں خواهد کرد و حق تعالیٰ نفریں اور امستجاب خواهد کرد۔ حذیفه گفت یارسول الله چرادعا نمی کنی حق تعالیٰ اورا در حیات شما هلاك کنده حضرت فرمود که اے حذیفه دوست نمید ارم که جرأت کنم برقضای خدا واز و طلب کنم تغیر امرے را که در علم او گزشته است و لیکن از حق تعالیٰ سوال کردم کی فضیلت دهد آنروز را که دراں روز اوبجهنم میر ود برسائر روزها تاآنکه احترام آں روز سنتے گردد و درمیان دوستانِ من و شیعیان اهل بیت من، پس حق تعالیٰ وحی کرد بسوی من که اے محمد ﷺ درعلم سابق من گزشته است که دریا بد تراو اهل بیت ترا محتهاو بلائے دنیا و ستمهائے منافقاں و غصب کنند گاں از بند گاں من آں منافقاں که توخیر خیر خواهی ایشاں کردی و با تو خیانت کردند و تو باایشاں راستی کردے و ایشاں با تو مکر کردند و تو باایشاں صاف بودی ایشاں دشمنی ترا بدل گرفتند و تو ایشاں راخشنود کردی و ایشاں تراتکذیب کردند و تو ایشاں رابر گزیدی و ایشاں ترا در ملبه گزاشتند و قسم یا دمیکنم بحول و قوت و باد شاهی خود که البته بکشایم بر روئے کسیکه غصب کند حق علیؓ را که وصی تست بعد از تو هزار دراز پس ترین طبقات جهنم که آنرا فیلوق می گویندوا ور اواصحاب اور ادرقعر جهنم جاد هم که شیطان از مرتبه خود براو مشرف شود و اورا...... می کند، وآں منافق در روز قیامت عبرتے گردانم برائے فرعونها که در زمانهائے پیغمبران دیگر بودند و برائے سائر دشمنان دین وایشاں و دوستان ایشاں رابسوی جهنم برم وبا دیدهائے کبود وروهائے ترش با نهایت مذلت و خواری و به پشیمانی ایشاں را ابد آلاباد درعذاب خود بدارم، اے محمد نمیر سا علی بمنزلت تو مگر آنچه میر سد باو از بلاها از فرعون اور غصب کننده حق او که جرأت میکند برمن و کلام مرا بدل می کندو شرك بمن می آورد و مردم رامنع میکنداز راهِ رضائے من و گوساله از برائے امت تو برامیکند که آں ابوبکرؓ است و کافر میشود بمن درعرش عظمت و جلال من بدرستیکه که من امر کرده ام ملائکه هفت آسماں خدرا که برائے شیعیان و محبان دین شما عید کنند آں روزے را که آں...... کشته میشود، امر کردم که کرسی کرامت مرانصب کنندد برابر بیت المعمور و ثنا کنند برمن و طلب آمرزش نمانید برائے شیعیان و محبان شما از فرزندان آدم، وامر کرده ام ملائکه نویسندگانِ اعمال را که ازیں روز تاسه روز قلم ازمر دم بردارندونه نویسند گناهان ایشاں را برائے کرامت تو وصی تو، اے محمد ﷺ ایں روز راعیدے گردانیدم برائے تو و اهل بیت تو و برائے هر که تابع ایشاں باشداز مومنان و شیعیان ایشاں، ⇦⇦⇦

ہو کہ آج کا دن وہ ہے جس میں خدا اپنے دشمن کو اور تمہارے جد کے دشمن کو ہلاک کرے گا اور تمہاری مادر مشفقہ کی دعا کو قبول کرے گا، کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج وہ دن ہے کہ خدا تمہارے شیعوں اور محبوں کے اعمال کو قبول کرے گا، کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج کی تاریخ خدا میرے اہل

⇦⇦⇦و سوگند یا دمیکنم بعزت و جلال خود و علو منزلت و مکان خود کو عطا کنم کسے را که عید کندایں روز را از برائے من ثواب آنہا که بد در عرش احاطه کرده اند و قبول کنم شفاعت او را از خویشاں و زیاده کنم مال او را اگر کشادگی دهد بر خود و برعیال خود و دریں روز و هر سال درایں روز هزار هزار کس از موالیان و شیعیان شمارا از آتش جهنم آزاد گردانم و اعمال ایشاں را قبول کنم و گناهاں ایشاں رابیا مرزم۔ حذیفہؓ گفت پس بر خواست حضرت رسول خداؐ و بخانه ام سلمہؓ رفت و من برگشتم و صاحب یقین بودم در کفر عمر تا آنکه بعد از وفات حضرت رسولؐ دیدم که اوچه فتنها برانگیخت و کفر اصلی خود را اظهار کرد وازیں دین برگشت و دامان بے حیائی و وقاحت برای غصب امامت و خلافت برزد و قرآن را تحریف کرد و آتش در خانه وحی رسالت زد و بدعتهادر دین خدا پیدا کرد و ملت پیغمبر را تغیر داد و سنت آنحضرت رابدل کرد و شهادت حضرت امیر المومنین را رد کرد و فاطمه دختر رسول خدارا بد روغ نسبت داد و فدك راغصب کرد و یهود و نصاریٰ مجوس را از خود راضی کرد و نورد یده مصطفےٰ رانجشم آورد ورضا جوئے اهل بیت رسالت نه کرد و جمیع سنتهای رسول خدارا بر طرف کرد و تدبیر کشتن امیر المومنین کرد و جوروستم درمیانه مردم علانیه کرد و هرچه خدا حلال کرده بود حرام کردو هر چه حرام کرده بود حلال کرد و حکم کرد که از پوست شتر درهم و دینار بسازندو خرچ کنند ودر برروو شکم فاطمه زهرازد و بر منبر حضرت رسالت بغضب وجور بالارفت و بر حضرت امیر المومنین افترا بست و بآنحضرت معارضه کرد، رای آنحضرت رابسفاهت نسبت داد۔ حذیفه گفت پس حق تعالیٰ دعائے برگزیده خود و دختر پیغمبر خودرا در حق آنمنافق مستجاب گردانید و قتل او را برو سنت کشنده او رحمته الله جاری ساخت۔ پس رفتیم بخدمت حضرت امیر المومنین که آنحضرت را تهنیت و مبارك باد بگوئیم بآنکه آں منافق کشته شد و بعذاب حق تعالیٰ و اصل گردید چوں حضرت مرادید فرمودای حذیفه آیا در خاطر داری آں روزے راکه آمدی بنزد سید من رسول و من و دوسبط من حسن و حسین نزد اونشسته بودیم و با وطعام میخوردیم پس ترا دلالت کرد برفضیلت ایں روز گفتم بلے ای برادر رسول حضرت فرمود بخدا سوگند که ایں روزیست که حق تعالیٰ دراں دیدئه آل رسولؐ راروشن گردانید و من برائے ایں روز هفتاد دو نام میدانم حذیفه گفت که یا امیر المومنین میخواهم که آں نامهارا از تو بشنوم حضرت فرمود که ایں روز استراحت ست که مومناں از شرآں منافق استراحت یافتند ور وزائل شدن کرب و غم است وروز غدیر دوم ست وروزتخفیف⇦⇦⇦

بیت کے فرعون کو ہلاک کرے گا، کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج کے دن خدا تمہارے دشمنوں کے عمل کو

⇦⇦⇦ گناهانِ شیعیانست وردوز اختیار نکوئی برائے مومناں ست و روز برداشتن قلم از شیعیانست وروز برهم شکستن بنائے کفر و عدوانست وروز عافیت ست وروز برکت ست وروز طلب کردن خونهائی مومناں ست وروز عید بزرگ خداست وروز مستجاب شدن دعاست وروز موقف اعظم ست وروز وفائے بعهدست وروز شرط ست وروز کندن جامه سیاهست وروز ندامت ظالمست وروز شکسته شدن شوکت مخالفانست وروز نفی هموم ست وروز فتح ست وروز عرض اعمال آں کافرست وروز ظهور قدرت خداست و روز عفو گناهانِ شیعیاں ست وروز فرح ایشانست وروز توبه ست وروز انابت ست بسوی حق تعالیٰ وروز زکوٰۃ بزرگ وروز قطر دوم ست وروز اندوه باغیانست وروز گره شدن آب دهاں در گلوی مخالفانست وروز خوشنودی مومنانست وروز عید اهل بیت ست وروز ظفر یا فتن بنی اسرائیل بر فرعونست وروز مقبول شدن اعمال شیعیانست وروز پیش فرستادن تصدقات ست وروز زیادتی مثوبانست وروز قتل منافق ست وروز وقت معلوم ست وروز سرور اهل بیت ست و روز مشهودست وروز قهر بر دشمن ست وروز خراب شدن بنیان ضلالت ست وروزیست که ظالم انگشت ندامت بدنداں میگزد وروز بیته ست دروز شرفست وروز خنك شدن دلهای مومنانست وروز شهادتست وروز در گزشتن از گناه مومناں ست وروز تازگی بوستاں اهل ایمانست و روز شیرینی کام ایشانست وروز خوشی دلهای مومناست وروز برطف شدن پاداشاهی منافقانست و روز توفیق اهل ایمانست وروز رهائی مومناں ست از شرکافراں اور وز مظاهر تست وروز مفاخرتست و روز قبول اعمالست وروز تبجیل و تعظیم ست وروز بخله و عطاست و روز شکر حق تعالیٰ ست و روز یاری مظلومانست و روزیارت کردن مومنانست وروز محبت کردن ایشانست و روز رسیدن برحمتهائے الٰهی ست و روز پاك گردانیدن اعمال ست وروز فاش کردن رازست وروز برطرف شدن بد عتهاست وروز ترك کردن گناهانِ کبیره ست وروز ندا کردن بحق ست و روز عبادتست و روز موعظت و نصیحت ست و روز انقیاد پیشوایاں دین ست۔ حذیفہؓ گفت که پس از خدمت امیر المومنین بر خاستم و گفتم اگر درنیا بم از اعمال و افعال خیر و آنچه امید ثواب دارم ازاں اگر محبت ایں روز دانستن فضیلت ایں راهر آئینه منتهای آرزوی من خواهد بود۔ پس محمد و یحییٰ راویاں حدیث گفتند که چوں ایں حدیث را از احمد بن اسحق شنیدیم هریك بر خواستیم و سر اور ابو سیدیم و گفتیم حمد و شکر میکنیم خداوندی را که برانگیخت ترا از برائے ماتا آنکه فضیلت ایں روز را بمار سانیدی پس بخانهای خود برگشتیم و ایں روز راعید کردیم۔ (زادالمعاد از ملا باقر مجلسی، متن مع فتاویٰ حجة الاسلام جناب مرزا محمد حسن نجفی دام ظله العالی علی حسن تصحیح تعاده دودماں مصطفویٰ سلاله خانداں مرتضوی مولوی سید محمد علی موسوی۔ مطبع نول کشور لکهنؤ صفحه ۵۷۷ تا ۵۸۴۔)

باطل کرے گا، کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج کی تاریخ خدا کے اس قول کی تصدیق ہوگی ﴿فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا﴾ کہ آج کے دن گھر ان کے خالی ہوگئے بہ سبب ظلم کے جو انھوں نے کیا تھا۔ حذیفہؓ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! کیا آپ کی امت میں بھی کوئی ایسا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں ایک بت منافقوں سے ان کا سرگروہ ہو گا اور دعویٰ ریاست کا کرے گا اور تازیانہ ظلم وستم کا اپنے ہاتھ میں لے گا اور آدمیوں کو خدا کی راہ سے منع کرے گا اور خدا کی کتاب میں تحریف کرے گا اور میری سنت کو بدل دے گا اور میرے وصی علیؓ پر زیادتی کرے گا اور خدا کے مال کو ناحق اپنے اوپر حلال کرے گا اور غیر طاعت میں خدا کے صرف کرے گا اور مجھے اور میرے بھائی علیؓ کو جھوٹا کہے گا۔ حذیفہؓ نے کہا کہ حضرت اگر وہ ایسا ہے تو کیوں آپ اس کے لیے دعا نہیں کرتے تاکہ وہ آپؐ کی زندگی میں ہلاک ہوجائے، حضرتؐ نے جواب دیا کہ میں خدا کی قضا پر جرأت نہیں کرتا اور جو کچھ اس نے اپنے علم میں قرار دے دیا ہے اس کا بدلنا اس سے نہیں مانگتا، لیکن یہ خدا سے سوال کرتا ہوں کہ اس روز کو فضیلت دے اور تمام دنوں پر اس دن کو عزت بخشے۔ چنانچہ حضرت کی دعا خدا نے قبول کی اور وحی کی کہ اے پیغمبر! میں اس دن کو افضل کرتا ہوں اور علیؓ کو تیرا سا رتبہ اس کے ظلم کے سبب سے عطا کروں گا، وہ شخص مجھ پر جرأت کرے گا، میرے کلام کو بدل دے گا، میرے ساتھ شرک کرے گا، لوگوں کو میری راہ سے منع کرے گا، میرے ساتھ بہ کفر پیش آئے گا اس لیے میں نے ملائکہ ہفت آسمان کو حکم دیا کہ اس دن کو جس میں وہ مارا جائے شیعوں اور محبوں کے لیے عید کریں، اس تاریخ کو میری کرسیٔ کرامت کو بیت المعمور کے برابر نصب کریں اور تمام شیعوں کی مغفرت کی دعا کریں، اور میں نے تمام فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ اس تاریخ سے تین دن تک قلم آدمیوں سے اٹھالیں اور کوئی شخص کوئی گناہ کیوں نہ کرے اس کو نہ لکھیں۔ اے محمدؐ! اس دن کو میں نے تیرے لیے اور تیرے شیعوں کے لیے عید بنا دیا ہے۔'' انتھیٰ .

﴿أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ﴾ (اے مومنو!) اس روایت کو دیکھو اور شیعوں کے ایمان انصاف اور عقل پر روؤ۔ تعجب ہے کہ زمیں شق نہیں ہوجاتی کہ وہ سما جائیں قہر کی بجلی نہیں گرتی کہ وہ

جل جائیں، طوفان غضب نہیں آجاتا کہ وہ ڈوب مریں۔ دیکھو پیغمبر ﷺ پر اس حدیث میں کیسی تہمت ہے اور خدا کے محبوب پر کیا افترا باندھا ہے، خدا اس قوم سے جس نے اپنی آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا اور دلوں کو غافل کر رکھا ہے اس تہمت اور افترا کا بدلہ لے، درحقیقت انہیں کی شان میں یہ صادق ہے:

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

''ان کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں ان کے آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے گئے گزرے وہ غافل لوگ ہیں۔''

کوئی دقیقہ کفر اور بے ایمانی کا نہیں ہے جو اس حدیث کے واضع نے چھوڑا ہو، کوئی جھوٹ و افترا نہیں رہا جو پیغمبر ﷺ کی طرف منسوب نہ کیا ہو۔ بھلا کون شخص ہے جو اس بات کو مانے گا کہ جس شخص کے ایمان لانے کے لیے خود ہی حضرتؐ نے دعا کی ہو اور جس کے لیے بروایت امام باقر علیہ السلام ((اللهم اعزا لاسلام بعمر بن الخطاب)) کہا ہو اور جس کے حق میں خدا نے حضرتؐ کی دعا قبول کی ہو اور جس نے مسلمان ہوتے ہی اسلام کا جھنڈا کعبہ میں گاڑ دیا ہو اور جس نے اسلام لاتے ہی حضرتؐ کو کعبے چلنے پر مستعد کیا ہو اور جس نے اپنی تمام عمر حضرتؐ کی محبت، اطاعت اور فرمانبرداری میں اور اپنی ساری زندگی اسلام کے پھیلانے میں صرف کر دی ہو اور جس نے دنیا کی کسی قسم کی لذت نہ اٹھائی ہو اور جس نے خدا کی راہ میں جان دے دی ہو اس سے پیغمبر ﷺ اس قدر رنجیدہ ہوں کہ اس کے مرنے پر اس قدر خوشی کریں اور اس کے مرنے کے دن کو عید الفطر عید الضحیٰ اور عید غدیر سے بھی بڑھ کر افضل جانیں اور خدا اس کے مرنے سے اس قدر خوش ہوئے کہ تین دن تک گناہوں کے لکھنے سے قلم اٹھا لے اور شیعوں کو اجازت دے دے کہ اس تین دن کے عرصہ

میں چاہیں زنا کریں، چاہیں شراب پئیں اور چاہیں مسجدیں ڈھاویں، چاہیں قرآن جلائیں جو دل چاہے کریں نہ کوئی پوچھنے والا ہے نہ بتلانے والا، کراماً کاتبین موقوف، لکھنا پڑھنا بند، پس ایسی حالت میں بھی اپنی خواہشیں پوری نہ کریں تو کب کریں گے۔ خدا کے لیے انصاف کرو اوراس عقل کے دشمن، ایمان کے عدو فرقے کو دیکھو کہ ان کو کس قدر شیطان نے بہکایا ہے اور اسلام کی راہ سے کس قدر دور کر دیا ہے۔۔ سبحان اللہ! کیا دین اور کیا مذہب ہے کہ بے چارے نمازی برسوں نماز پڑھتے پڑھتے مریں، روزے رکھنے والے تیس دن تک گرمیوں کے دنوں میں بھوک پیاس کی تکلیف اٹھائیں، حاجی ہزاروں منزل سے راہ کی مصیبت طے کر کے کعبے میں پہنچیں اور حج کریں تب صبر کے مستحق ٹھہریں اور شیعہ بھائی گھر بیٹھے زنا کریں، شرابیں پئیں اور ربیع الاوّل کی نویں تاریخ کو اپنے بابا شجاع کے نام پر حلوے کھائیں اور لعنتی کھانا نوش کریں اور سب سے زیادہ ثواب پائیں۔

واہ کیا خدا کا عدل ہے، شاید اسی سبب سے خدا کو عادل سمجھتے ہیں اور عدل کو اصولِ خمسۂ دین میں جانتے ہیں، اگر ایمان اسی کا نام ہے اور محبت اہل بیت اسی کو کہتے ہیں تو افسوس ایسے ایمان اور ایسی محبت پر اور اگر محبّ اور مومن ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں تو وائے ان کے حال پر......

برولی لعنت ست ایں گروہی

اس روایت کی صحت اگر تسلیم کی جائے تو ضرور یہ امر بھی ماننا پڑے گا کہ پیغمبر ﷺ بھی تقیہ فرماتے تھے اور وہ بھی کافروں بلکہ اپنے یاروں سے ڈرتے تھے اور خوف کے سبب سے جو کچھ ان کے دل میں ہوتا اس کو ظاہر نہ فرماتے تھے، اس لیے کہ اگر خوف نہ ہوتا تو ایسے دشمن خدا اور رسول کو جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور جن کے مرنے کی خبر سے اس قدر خوش تھے اور جن کی موت کی تاریخ کو عید اور جمعے سے افضل جانتے تھے اور جن کو فرعونِ اہل بیت کہتے تھے کیوں اپنی صحبت میں رکھتے اور کس لیے ان کو اپنا مصاحب بناتے اور کس واسطے ان سے ہمیشہ صلاح و مشورہ لیا کرتے، کسی آدمی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ پیغمبر ﷺ جن کا کام خلق کی ہدایت تھا اور احکام الٰہی کا پہنچانا جن کے اوپر فرض تھا اور امت کو نیک و بد پر آگاہ

کر دینا جن کے اوپر لازم تھا وہ بھی تقیہ کرتے ہوں اور خوف جان کے سبب سے عمر رضی اللہ عنہ کا نام بھی نہ لے سکتے ہوں اور باوجود اس کے کہ ان کو اپنے دین کا دشمن جانا اور جان بوجھ کر ان کو اپنی صحبت سے نہ نکالا اور علانیہ لوگوں پر ان کے کفر و نفاق کا حال ظاہر نہ فرمایا اور لوگوں کو دھوکے میں رکھا، بلکہ بر ملا کہنا اور لوگوں سے علانیہ ان کے کفر و نفاق کا حال ظاہر کرنا بیک طرف اپنے گھر میں بھی پوچھنے والے سے ان کا نام نہ لیا اور ''دیوار ہم گوش دارد'' کا مضمون پیش نظر رکھ کر گول گول ہی بات فرمائی، اسی واسطے حذیفہ رضی اللہ عنہ صحابی سے سب حال تو حضرت نے بیان فرما دیا لیکن عمر رضی اللہ عنہ کا نام نہ لیا بلکہ ان کے پوچھنے پر بھی جواب صاف نہ دیا اور فقط ان کی صفات بیان کر کے سکوت فرمایا، اگر ان کا نام حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا ہو تو اس کے ساتھ سکوت کی بھی نصیحت کر دی ہو۔

تعجب ہے حضرات شیعہ سے کہ وہ مسلمانی کا نام بدنام کرتے ہیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی تہمت لگاتے ہیں اور خدا اور رسول سے کچھ نہیں شرماتے۔ خانہ خراب ہو تقیے کا جس سے کسی کو محفوظ نہیں جانتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا افترا کرتے ہیں، حالانکہ خود ان کے علماء کا اقرار ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تقیہ نہ کرتے تھے بلکہ وہ تقیے سے ممنوع تھے، چنانچہ ہم بحث تقیے میں اس کا ذکر کریں گے اور حقیقت میں اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی تقیہ کرتے ہوتے اور وہ کافروں سے ڈرتے ہوتے اور جو بات سچ ہے اس کو زبان پر نہ لاتے تو دین کیوں کر جاری ہوتا اور مذہب اسلام کیوں کر پھیلتا اور لوگوں کو حضرت ؐ کی صداقت پر کس طرح یقین رہتا۔ پس جبکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے نبوت میں تقیہ نہ کیا اور باوجود تکلیف اٹھانے کے کفار کے ہاتھ سے ان کے کفر کی برائی اور ان کے بتوں کی ہجو کو ترک نہ کیا اور سب طرح کے صدموں کو صرف اسی بات پر گوارا فرمایا اور بعد ہجرت کے اور بعد شروع ہونے جہاد کے کفار و مشرکین کو قتل کیا اور جو واجب القتل معلوم ہوا اس کے خون کو ہدر کیا اور ان کے نام لے کر لوگوں کو ان کے قتل پر آمادہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو باوجود جاننے اس امر کے کہ ان سے بڑھ کر کوئی کافر اور منافق نہیں ہے اور ان سے زیادہ کوئی دشمن خدا اور رسول نہیں ہے کبھی اپنی آغوش سے

جدا نہ کیا اور سوائے تعریف کے کبھی ان کی برائی کا کلمہ بھی زبان مبارک پر نہ لائے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا خوف ہوگا اور حضرت سے زیادہ تقیہ کون کرے گا۔

میں اس مقام پر چند اشعار ''حملۂ حیدریہ'' کے لکھتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کفار کی برائیوں کے ظاہر کرنے اور ان کے معبودوں اور بتوں کی ہجو کرنے میں کچھ کسی کا خیال نہ کرتے تھے اور ہر چند کوئی سمجھاتا اس سے باز نہ آتے تھے۔ کما قیل:

بفر (1) مود اگر قوم از آسمان
بیارند خورشید را ترجمان
گزارند بردشت من ھدیہ وار
نہ بندم لب از امر پروردگار
بجز طعن اصنام ووصف آلہ
بجز لعن آبائے گم کردہ راہ
زمن قوم حرف دگر نشنوند
اگر نیك دانند اگر بد برند

''آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر قوم آسمان سے سورج کو ترجمان بنا کر لے آئے اور میرے ہاتھوں پر ہدیتاً رکھ دے تو بھی میں حکم پروردگار سے منہ نہیں بند کر سکتا سوائے بتوں کی برائی اور خدا کی تعریف کے (نیز) گمراہ پرکھوں کی مذمت کے قوم مجھ سے دوسری بات نہیں سنے گی چاہے ان کو اچھا لگے یا برا لگے۔''

اور پھر یہی مؤلف آیندہ پیغمبر ﷺ کے اظہار دعوت میں لکھتا ہے، اشعار:

بدعوت (2) شد آمادہ تر از نخست
کمر بستہ در کار خود سخت چست

(1) حملہ حیدری جلد اوّل صفحہ ۱۶ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ء ہجری۔۱۲ منہ

(2) حملہ حیدری جلد اوّل صفحہ ۱۶ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ء ہجری۔۱۲ منہ

نیا سودیکدم زار شاد خلق
نہ تنگ آمداز جور بیداد خلق
بہ صبح و بشام و بروز و بہ شب
نمودے بحق قوم خود را طلب
نہ از طعن اصنام بستے زباں
نہ از لعن برزمرہ کا فراں
نہ کر دی ازاں ناکساں احتراز
نمودی ادا آشکارا نماز
چودرشان قومی شقاوت نشاں
در احوال آبائے آں گمرھاں
زنزد خدائے جہاں آفریں
بسوی نبی جبرئیل امیں
رسانیدے آیات قہر و عقاب
بخواندے برایشاں نبی بے حجاب
شدی خوں ازیں غم دل مشرکاں
فتادی ازاں غصہ آتش بجاں
تلافے نمودندے آں اشقیا
بدست وزباں باشہ انبیاء
و لیکن بتائید یزد ان پاك
نبی را از یشاں نہ بد ھیچ باك
بدانساں کہ در کار خود بود بود
خدائی جہاں را چناں می ستود

’’پہلے سے زیادہ دعوت کے لیے آپؐ آمادہ ہو گئے، اپنے مشن میں سختی سے

کمر بستہ ہو گئے مخلوق کی ہدایت کے لیے ایک لمحہ بھی دم نہ لیا اور نہ ہی ظالم مخلوق کے ستم سے تنگ ہوئے، صبح و شام اور رات دن اپنی قوم کو حق کی طرف بلاتے رہے، بتوں کی برائی سے نہ زبان بند کی نہ ہی کافروں کی مذمت سے باز آئے، نہ ہی ان نا ہنجاروں سے اپنا بچاؤ کرتے بلکہ علانیہ نماز ادا فرماتے رہے، جب ان لوگوں کی بدبختی اور ان کے گمراہ پرکھوں کے بارے میں خداوند کائنات کی طرف سے جبرئیل امین حضور ﷺ کے پاس قہر و عذاب کی آیتیں لے کر آتے تو آپؐ ان کو بے جھجک سنا دیتے جس سے مشرکوں کے دل خون خون ہو جاتے اور غصہ میں آگ بگولہ ہو جاتے، وہ بدبخت اس کی تلافی کے لیے سرور انبیاءؐ کو ہر طرح ستاتے لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد سے نبی ﷺ ان سے بالکل نہ ڈرتے۔ جو شخص اپنی دھن کا پکا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اسی طرح تعریف کرتا ہے۔''

اے حضرات شیعہ! پیغمبر ﷺ کے وعظ و ارشاد پر غور کرو اور تبلیغ دعوت پر خیال کرو اور سوچو کہ ابتدائے زمانہ نبوت میں جب نہ کوئی یار تھا نہ مددگار نہ فوج تھی نہ لشکر، چھوٹی چھوٹی بات میں تو پیغمبر ﷺ اپنی جان اور عزت کا خیال نہ کریں اور جس قوم اور جس شخص کی برائی اور کفر میں جبرئیل خدا کا پیام لائیں اس کو صاف صاف کہہ دیں اور اخیر میں جبکہ ہزاروں شخص مسلمان اور لاکھوں آدمی مطیع موجود ہوں اور سلاطین اور بادشاہان زمین بھی خائف اور ترساں ہوں اس وقت پیغمبر خدا ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس قدر ڈریں کہ باوجود ان کے نفاق اور کفر کے اس کا ذکر بھی کسی سے نہ فرمائیں اور سوائے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے وہ بھی گھر میں بیٹھ کر کسی سے کچھ ارشاد نہ کریں بلکہ لوگوں سے کہنا کیسا خود عمر رضی اللہ عنہ کو کبھی اپنے پاس سے جدا نہ کریں اور ہمیشہ ان سے صلاح و مشورہ لیتے رہیں اور جن کے حق میں خدا نے (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ) فرمایا ہو ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو داخل کریں۔

اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ خدا کا حکم نہ تھا کہ یہ امر ظاہر کیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ سلام ہے اس خدا کو جو عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرتا تھا اور جو ایسی بڑی بات کو صرف ایک آدمی کے خوف سے ظاہر

نہ کرسکتا تھا اور پیغمبر ﷺ کو اس پر خاموش رہنے کے لیے تاکید فرماتا تھا...... اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے یہ خیال کر کے کہ لوگ نہ مانیں گے بلکہ ان کے کفر و نفاق ظاہر کرنے سے سب لوگ پھر جائیں گے اس کا علانیہ ذکر نہیں کیا تو اس بات کو ہم نہیں مانتے، اس لیے کہ پیغمبر ﷺ کا کام تھا ہر ایک امر کا ظاہر کر دینا باقی ماننا نہ ماننا امت کے اختیار میں تھا۔ اگر پیغمبر خدا ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کفر و نفاق کو ظاہر کر دیتے اور سب کو اس پر آگاہ فرما دیتے تو حضرتؐ کی حجت تو ختم ہو جاتی اور اگر نہ مانتا تو اس کا قصور ثابت ہوتا۔ یہ فضائل جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کے دن کے پیغمبر خدا ﷺ نے حذیفہؓ سے بیان کیے ایسے تھے کہ حضرتؐ کو لازم تھا کہ تمام مسلمانوں کو جمع کرتے اور خم غدیر کے خطبہ کی طرح منبر پر چڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کا خطبہ پڑھتے اور سب لوگوں کو آگاہ کرتے کہ یہ عمرؓ جو میرے پاس ہے کافر اور منافق ہے اور میرے اہل بیت کا فرعون ہے اس کو خوب پہچان رکھو، یہ میرے اہل بیت پر ظلم کرے گا، تازیانہ جور و ستم ہاتھ میں لے گا، میرے بھائی علیؓ کا حق غصب کرے گا، اس کے مرنے کے دن کی خدا یہ فضیلتیں بیان کرتا ہے...... اگر حضرت ایسا کرتے تو حق رسالت ادا کرتے۔ سبحان اللہ پیغمبر ﷺ ذرا ذرا سی بات کو تو علانیہ بیان کر دیں اور ایک ادنیٰ ادنیٰ منافق کے واسطے خدا آیتیں نازل کر کے ان کو مشتہر اور بدنام کرے اور عمر رضی اللہ عنہ سے منافق کے لیے (نعوذ باللہ منہ) نہ خدا کوئی آیت نازل کرے نہ پیغمبر ﷺ کچھ زبان سے فرمائیں، افسوس ایسی سمجھ پر اور تف ایسے عقیدے پر کہ جس کے نہ اصول درست ہیں نہ فروع۔ شعر

نے فروعت محکم آمد نے اصول
شرم بایدت از خدا و رسولؐ

❀❀❀❀

صحابہ رضی اللہ عنہم کے تابعین کی فضیلتیں اور ان کی نشانیاں

اس دعا میں جس طرح پر امام زین العابدین علیہ السلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر درود بھیجا ہے اسی طرح پر ان کے تابعین کے حق میں رحمت کی طلب کی ہے، چنانچہ یہ الفاظ امام کی دعا کے ہیں:

((اَللّٰھُمَّ وَ اَوْصِلْ اِلَی التَّابِعِیْن لَھُمْ بِاِحْسَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلاِخْوَانِنَا اَلَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ خَیْرَ جَزَائِكَ الَّذِیْنَ قَصَدُ وْاسِمَّتَھُمْ وَتَحَرُّوْا وِجْھَتَھُمْ وَمَضَوا عَلٰی شَا کِلَتِھِمْ لَمْ یَثْبُتْھُمْ رَیْبٌ فِی بَصِیْرَتِھِمْ وَلَمْ یَخْتَلِجْھُمْ شَكٌّ فِی قَفْوِآثَارِھِمْ وَالْاِیْتِمَامِ بِھِدَایَۃِ مَنَارِھِمْ مُکَانِفِیْنَ مُوَازِرِیْنَ لَھُمْ یَدِیْنُوْنَ بِدِیْنِھِمْ وَیَھْتَدُوْنَ بِھَدْیِھِمْ یَتَّفِقُوْنَ عَلَیْھِمْ وَلَا یَتَّھِمُوْنَھُمْ فِیْمَا اَدُّوْا اِلَیْھِمْ .))

”خدا ان کی پیروی کرنے والوں کو جزائے خیر دے جو کہ دعا کیا کرتے ہیں کہ پروردگار مغفرت کر ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم میں سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں، کیسے تابعین جو اصحاب کی چال پر چلتے ہیں اور ان کے آثار کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی ہدایت کی نشانیوں کی اقتدا کرتے ہیں جن کو کوئی شک ان کی خوبی میں نہیں ہوتا اور کیسے تابعین جو اپنا دین ویسا ہی رکھتے ہیں، جیسا کہ اصحاب کا تھا اور ان سے اتفاق رکھتے ہیں اور اصحاب پر کچھ تہمت نہیں کرتے۔“

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ بعد اصحاب کرام کے تابعین کا رتبہ ہے اور وہی سب امت سے افضل ہیں اور ان کی نشانیاں وہی ہیں جو کہ امام علیہ السلام نے بیان کر دیں۔ پس اب اس میں تو کچھ شبہہ باقی نہیں رہا کہ امت محمدیؐ میں وہی گروہ سب سے افضل ہے جو کہ اصحاب کی تبعیت کرے اور وہی فرقہ ایمان کی اصل راہ پر ہے جو قدم بہ قدم صحابہ کے چلے......اب یہ امر باقی رہ گیا کہ وہ فرقہ جو اصحاب کی چال پر چلتا ہے کون سا ہے، وہ جس کا نام اہل سنت ہے یا وہ جس کا نام شیعہ ہے اور یہ امر دونوں کے عقائد پر نظر کرنے سے طے ہو سکتا ہے۔ پس سنّیوں کے عقیدے وہی ہیں جو امام نے اپنی دعا میں بیان فرمائے کہ وہ اصحاب کے تابع ہیں اور اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور ان کو ایمان میں سابق اور مقدم جان کر ان کے لیے رحمت طلب کرتے ہیں، ان کے آثار کی پیروی کرتے ہیں، ان کو اچھا جانتے ہیں اور شیعوں کے عقیدے بالکل اس کے خلاف ہیں، وہ اصحابؓ کو برا جانتے ہیں، ان کو برا کہتے ہیں، ان پر تبرا کرتے ہیں اور ان کو منافق اور کافر جانتے ہیں، ان کی پیروی کو کفر سمجھتے ہیں، ان کی خوبیوں میں شک وشبہہ رکھتے ہیں اور ان پر ہر طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں......غرض کہ جو شخص عقل اور ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ وہ اوّل امام کی دعا کے الفاظ پر غور کرے بعدہٗ سنّیوں اور شیعوں کے عقیدوں پر غور کرے تب انصاف کرے کہ امام کے قول کے مطابق سنّی حق پر ہیں یا شیعہ۔

تیسری شہادت:

شیعوں کی معتبر ترین تفسیر میں جس کو وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں لکھا ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ اَوحیٰ اِلیٰ آدَمَ ۔ اَنَّ اللّٰہَ لَیُفِیْضُ عَلیٰ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْ مُحِبِّی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مَالَوْ قُسِمَتْ عَلیٰ کُلِّ عَدَدِ مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ طُوْلِ الدَّھْرِ اِلیٰ آخِرِہٖ وَکَانُوْا کُفَّارًا لَاَدَّاھُمْ اِلیٰ عَاقِبَۃٍ مُحْمُودَۃٍ وَّ اِیْمَانٍ بِاللّٰہِ حَتّٰی یَسْتَحِقُّوْا بِہٖ

الْجَنَّةَ وَاَنَّ رَجُلًا مِّمَّنْ يُبْغِضُ اٰلَ مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِهٖ اَوْ وَاحِدًا مِّنْهُمْ لَعَذَّبَهُ اللّٰهُ عَذَابًا لَوْقُسِّمَ عَلٰى مِثْلِ خَلْقِ اللّٰهِ لَاَ هْلَكَهُمْ اَجْمَعِيْنَ .))

''خدائے عزوجل نے آدم علیہ السلام پر وحی کی کہ خدا ان لوگوں پر جو محبت رکھتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کی آل سے اور ان کے اصحاب سے ایسی رحمت نازل کرے گا کہ اگر وہ تقسیم کی جائے اوّل سے آخر تک تمام مخلوق پر تو وہ کافی ہے اور اگر سب کفار ہوں تو ان کی عاقبت بھی اچھی ہو جائے اور وہ مومن ہو جائیں اور اگر کوئی آدمی دشمنی رکھے گا آل محمد اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا ان میں سے ایک سے بھی تو خدا اس پر ایسا عذاب نازل کرے گا کہ اگر وہ عذاب تمام مخلوقات پر نازل ہو تو وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔''

چوتھی شہادت:

اسی تفسیر میں لکھا ہے:

((لَمَّا بَعَثَ اللّٰهُ مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ وَاصْطَفَاهُ نَجِيًّا وَفَلَقَ لَهُ الْبَحْرَ وَ نَجّٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ وَ اَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ وَالْاَلْوَاحَ رَاٰى مَكَانَهُ مِنْ رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ يَارَبِّ لَقَدْ اَكْرَمْتَنِىْ بِكَرَامَةٍ لَمْ تُكْرِمْ بِهَا اَحَدًا مِنْ قَبْلِى فَهَلْ فِىْ اَنْبِيَائِكَ عِنْدَكَ مَنْ هُوَ اَكْرَمُ مِنِّىْ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا مُوْسٰى اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ مُحَمَّدًا اَفْضَلُ عِنْدِىْ مِنْ جَمِيْعِ خَلْقِىْ فَقَالَ مُوْسٰى فَهَلْ فِىْ آلِ الْاَنْبِيَآءِ اَكْرَمُ مِنْ آلِىْ فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ يَامُوْسٰى اَمَاعَلِمْتَ اَنَّ فَضْلَ آلِ مُحَمَّدٍ عَلٰى اٰلِ جَمِيْعِ النَّبِيِّيْنَ كَفَضْلِ مُحَمَّدٍ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يَا رَبِّ اِنْ كَانَ فَضْلُ آلِ مُحَمَّدٍ عِنْدَكَ كَذٰلِكَ فَهَلْ فِىْ صَحَابَةِ الْاَنْبِيَاءِ عِنْدَكَ اَكْرَمُ مِنْ اَصْحَابِىْ فَقَالَ يَا مُوْسٰى

اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ فَضْلَ صَحَابَةَ مُحَمَّدٍ علىٰ جَمِيعِ صَحَابَةِ الْمُرْسَلِيْنَ كفَضْلِ آلِ مُحَمَّدٍ عَلىٰ اٰلِ جَمِيعِ النَّبِيِّيْنَ فقَالَ مُوْسىٰ اِنْ كَانَ فَضْلُ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ كَمَا وَصَفْتَ فَهَلْ فِى اُمَمِ الْاَنبِيَاءِ اَفْضَلُ عِنْدَكَ مِنْ اُمَّتِى ظَلَّلْتَ عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْتَ عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوىٰ وَفَلَلْتَ لَهُمْ الْبَحْرَ فَقَالَ اللّٰهُ يَامُوْسىٰ اِنَّ فَضْلَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلىٰ اُمَمِ جَمِيعِ الْاَنْبِيَاءِ كَفَضْلِى علىٰ خَلْقِىْ .))

”جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کو برگزیدہ کیا اور ان کے سبب سے دریا کو پل بنایا اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور توریت اور لوح ان کو عطا کی تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا رتبہ دیکھ کر خدائے عزوجل سے عرض کی کہ یا الٰہی تو نے مجھے ایسی بزرگی دی ہے کہ کسی اور نبی کو پہلے نہیں دی، تیرے یہاں مجھ سے زیادہ اور کسی کی بھی بزرگی ہے؟ خداوند تعالیٰ نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! تمہیں معلوم نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک تمام مخلوقات سے افضل ہیں، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ کسی نبی کی آل میری آل سے بزرگ تر ہے، جواب ہوا کہ تم نہیں جانتے کہ فضیلت آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب انبیاء کی آل پر ایسی ہے جیسے کہ ان کی فضیلت سب پیغمبروں پر ہے، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ الٰہی میرے اصحاب سے زیادہ تیرے نزدیک اور کسی نبی کے اصحاب کا رتبہ ہے، جواب ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم نہیں جانتے کہ فضیلت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیاء کے اصحاب پر اس طرح ہے جس طرح کہ فضیلت آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب انبیاء کی آل پر ہے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اگر فضیلت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آلِ محمد اور اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی ہے جیسی کہ آپ نے ارشاد فرمائی، پس کسی نبی کی امت

میری امت سے زیادہ افضل ہے جن پر تو نے بادلوں کا سایہ کیا جن پر من و سلویٰ نازل کیا جن کے لیے دریا کو پل کر دیا، خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ فضیلت امت محمد ﷺ کی سب انبیاء کی امت پر اتنی ہے جتنی کہ مجھ کو میری خلقت پر فضیلت ہے۔‘‘

ان دونوں روایتوں سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

ا۔ یہ کہ جو شخص پیغمبر خدا ﷺ کے اصحاب سے دشمنی رکھے وہ عذاب کا مستوجب ہے اور عذاب بھی ایسا کہ جس سے تمام دنیا ہلاک ہو جائے اور جو دوستی رکھے وہ مستحق ثواب کا ہے اور ثواب بھی کیسا کہ جس سے کفار کی عاقبت بن جائے...... دوسری یہ کہ اصحاب نبی کی فضیلت اور نبیوں کے اصحاب پر ایسی ہے جیسی کہ فضیلت پیغمبر ﷺ کی آل کی اور پیغمبروں کی آل پر۔ اور ان دونوں باتوں کے ثابت ہونے سے مذہب شیعوں کا باطل ہو گیا، اس لیے کہ مدار ان کے مذہب کا صحابہ رضی اللہ عنہم کی دشمنی اور ان کے برا جاننے پر ہے، جو شخص اصحاب سے دشمنی رکھے وہی پکا مومن ہے اور جو ان کو سب سے برا جانے وہی سچا شیعہ ہے۔

پس ان دونوں روایتوں سے جس کے راوی امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں اور جو شیعوں کے اقرار سے صحیح اور مستند ہیں۔ حضرات شیعہ کو سوائے دو امروں کے تیسرا چارہ نہیں رہا یا کہ اصحاب کو بہتر جانیں اور ان کی فضیلت کے قائل ہوں اور ان سے محبت رکھیں تا کہ وہ ثواب کے مستحق ہوں، یا کہ ان کو برا جانیں اور ان سے دشمنی رکھیں تا کہ مستوجب عذاب ہوں، لیکن حضرات شیعہ جب تک کہ اپنا مذہب ترک نہیں کریں گے اور سنیوں کے شریک نہ ہو جائیں گے تب تک وہ فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کے قائل نہ ہوں گے، کوئی شخص باوجود اقرار فضیلت صحابہؓ کے شیعہ رہ نہیں سکتا۔ تمام علماء شیعہ عبداللہ بن سبا کے وقت سے لے کر جناب قبلہ و کعبہ کے عصر تک اسی فکر میں مر گئے کہ اصحاب کے معائب تلاش کریں اور ان کی برائیاں ثابت کریں اور ان کے فضائل سے انکار کریں، اگر کسی کو انکار ہو تو وہ ذرا تکلیف گوارا کرے

اورشیعوں کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے کوئی ورق نہ ہوگا جس میں اصحاب کی برائیاں نہ ہوں، کوئی صفحہ نہ ملے گا جس میں ان پر تبرا نہ ہو...... جناب مجتہد صاحب قبلہ ''صوارم'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اما احادیث فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم از طریق امامیہ باوجود کثرت احادیث مختلفہ درہر امر جزئی از جزئیات اصلیہ و فرعیہ اگر تمام کتب احادیث امامیہ ورقا ورقا بہ نیت تفحص بمطالعہ در آرند مظنون آنست کہ زیادہ از سہ چہار حدیث کہ سرو پادرست نداشتہ باشد دست بہم ندھد اما احادیث مثالب و معائب آن ھا بلا اغراق ایں ست کہ متجاوز از ہزار حدیث باشد۔"

''صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل کی احادیث بلحاظ جزئیات اور باعتبار اصول وفروع بہت ہیں، لیکن اگران تمام کتب احادیث شیعہ کا ایک ایک ورق تلاش وتفحص کی نگاہ سے دیکھیں تو زیادہ سے زیادہ تین چار احادیث ملیں گی اور وہ بھی اس صورت میں کہ ان کا سر پیر درست نہ ہوگا، اس کے برخلاف جو احادیث ان صحابہ کی برائیوں کو واضح کرتی ہیں ان کی تعداد ہزار سے زیادہ ہے۔''

اے اہل انصاف! ذرا آنکھ کھولو اور نیند سے چونکو اور حضراتِ شیعہ کے حال کو دیکھو کہ خود ہی اپنے اماموں کی طرف سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا رتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور کسی اور نبی کے یاران کے درجے کو نہیں پہنچتے اور جو ان سے محبت رکھے وہ ناجی اور جو دشمنی رکھے وہ ناری ہے اور پھر خود ہی یہ فرمائیں کہ کوئی آیت کوئی حدیث کوئی روایت ان کی فضیلت میں نہیں ہے اور جو ہے وہ بے سروپا ہے بلکہ ہزارہا احادیث ان کی برائیوں میں ہیں، اگر ہم ہزار برس تک سوچیں اور اس مشکل عقدے کو حل کرنا چاہیں مگر نہ ہماری سمجھ اس مسئلہ تک پہنچ سکتی ہے نہ ہم سے یہ گرہ کھل سکتی ہے۔ اگر حقیقت میں ہمارے

پیغمبر ﷺ کے اصحاب ایسے افضل ہیں کہ کسی پیغمبر ﷺ کے اصحاب ان کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے اور ان کی دشمنی باعث عذاب اور ان کی دوستی ذریعہ ثواب ہے تو چاہیے کہ سنیوں کا قول درست ہو اور ایسے بزرگوں کی تعریف میں اگر ہزاروں احادیث اور لاکھوں روایتیں منقول ہوں تو بھی تھوڑی ہیں اور اگر قول شیعوں کا صحیح ہے تو چاہیے کہ ایسے شخصوں کی دشمنی باعث نجات اور دوستی موجب ہلاکت ہو لیکن درحقیقت یہ قول مجتہد صاحب کا محض غلط اور بالکل باطل ہے، اس لیے کہ خود شیعوں کی کتابوں سے ہزارہا احادیث اور اقوال صحابہ کے فضائل میں ہم نکال سکتے ہیں، چنانچہ اسی رسالے میں ہم اپنے اس قول کو ثابت کریں گے اور صدہا روایتیں فضیلت صحابہ کی کتب شیعہ سے نکال کر مجتہد صاحب کے مقلدین کی خدمت میں پیش کر کے قبلہ وکعبہ کے قول کی تکذیب کریں گے...... اگر کوئی شیعہ تعجب کرے کہ کیوں کر ہمارے علماء نے اصحاب کی فضیلت بیان کی ہے اور کس طرح ان کی تعریف کی روایتوں کی تصدیق فرمائی ہے تو اس کے واسطے ہم ایک قاعدہ مسلمہ مجتہد صاحب کا بیان کرتے ہیں کہ وہ صوارم میں فرماتے ہیں کہ ’’اگرچہ کسی اہل مذہب سے جو کہ کسی کے فضائل کا اعتقاد رکھے اس کے معائب کی روایات کی توقع رکھنا یا جس کسی کے معائب کا معتقد ہو اس کے فضائل کے اقرار کی امید رکھنا بے جا ہے لیکن خدا نے اپنی حجت تمام کرنے کے واسطے سنیوں کو مجبور کر دیا کہ انہوں نے اصحاب کی برائیوں کو خود ہی روایت کیا، چنانچہ الفاظ اس کے یہ ہیں:

((هر چند [1] از اهل مذهبے كه روايات مطاعن شخصى كند توقع روايات فضائل آں شخص داشتن بيجاست و هم چنين بالعكس ليكن جناب حق سبحان و تعالٰى اتماماً للحجة قلوب مخالفين جناب امير المومنين عليه السلام چناں مسخر گردانيده كه باوجود اينكه بنا پر پيش آمد و تقرب سلاطين بنى عدى و تيم و بنى اميه اخبار فضائل آں هارا

[1] صوارم مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۵۱ سطر ۱۰۔۱۲ منہ

بسیار وضع نموده اند، چوں دروغگورا حافظه نمی باشدهماں مخالفین از غایت نا قباحت فهمی باعجاز جناب امیر المؤمنین باز مثالب اصحاب ثلاثه و اتباع ایشاں راهم مذکور ساخته اندو علماء و محدثین ایشاں چنیں احادیث و اخبار را در کتب و مصنفات خود مندرج فرموده اند.))

’’اگرچہ کوئی مذہب والا جو کسی کی برائیوں کا معتقد ہو اسی سے اس شخص کے فضائل بیان کرنے کی توقع رکھنا ناممکن ہے اوراس کے بالعکس بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے پیش نظر امیر المومنین کے مخالفوں کے دل ایسے مسخر کر دیے کہ شاہان بنو عدی تیم اور بنو امیہ کی قربت کے باوجود حضرت علیؑ کی بے انتہا فضیلت بیان کی ہے اور چونکہ جھوٹے کو یاد نہیں رہتا اس لیے ان کے علماء و محدثین نے امیر المومنین کے اعجاز سے اصحابِ ثلاثہ اور ان کے ساتھیوں کے معائب اپنی تصنیفات میں درج کیے ہیں۔‘‘

ہم اسی قاعدے کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے اپنی حجت تمام کرنے کے لیے شیعوں کو مجبور کر دیا کہ انہوں نے اصحاب کی بزرگیاں اور فضیلتیں اپنی کتابوں میں ائمہ کرام کی زبان سے روایت کیں:

((هر چند از اهل مذهبے که روایات مطاعن شخصی کند توقع روایات فضائل آں شخصی داشتن بے جاست و هم چنیں بالعکس جناب حق سبحانه و تعالیٰ اتماماً للحجة قلوب مخالفین صحابه کبار چناں مسخر گردانیده که باوجوداینکه بضرورت ترویج عقائد عبدالله بن سباد شیعیانش اخبار مثالب صحابه رابسیار وضع نموده اند چوں دروغگورا حافظه نمی باشد هماں مخالفین از غایت

نافهمی با عجاز جناب امیر المومنین باز فضائل اصحاب ثلاثه و اتباع ایشان راهم مذکور ساخته اندو علمائے محدثین ایشاں چنیں احادیث و اخبار را در کتب و مصنفات خود مندرج فرموده اند .))

''جس طرح کسی کو برا کہنے والوں سے اس شخص کو اچھا کہنا اور اس کے فضائل بیان کرنا یا اس کے بالعکس بھی کرنا بالکل ناممکن ہے لیکن اتمام حجت کے لیے اللہ نے صحابہ عظام کے مخالفوں کے دل ایسے مسخر کر دیے کہ یہ لوگ عبداللہ بن سبا وغیرہ کے عقائد کو رواج دینے اور اس کے عقائد کو ماننے کے باوجود صحابہ کی بے حد تعریف کرتے ہیں اور چونکہ جھوٹے کو یاد نہیں رہتا، اس لیے ان مخالفین اسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعجاز سے ناواقف رہتے ہوئے اپنی نافہمی کے ثبوت میں اصحاب ثلاثہ اور ان کے متبعین کے فضائل بیان کیے ہیں اور شیعہ علماء محدثین نے اس قسم کی احادیث وحالات وسیرت اپنی تصنیفات میں خود لکھی ہیں۔''

پانچویں شہادت:

شیخ ابن بابو یہ قمی نے کتاب ''معانی الاخبار'' [1] میں امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے:

((عَنِ الْحَسَنِ بْنَ علی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ انَّ اَبَا بَکْرَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَاَنَّ عُمَرَ مِنّی بِمَنْزِلَةِ الْبَصَرِ وَاَنَّ عُثْمَانَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ الْفُؤَادِ .))

''اور جب کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا امام حسن کے قول سے بمنزلہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع و بصر اور دل کے ہونا ثابت ہوا تو پھر ان سے محبت نہ رکھنا در حقیقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ رکھنا ہے اور ان سے عداوت رکھنا

[1] صفحہ ۱۱۰ مطبع ایران قدیم۔ الشیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ۔

دراصل پیغمبر خدا ﷺ سے دشمنی رکھنا ہے۔‘‘

سننے والوں کو تعجب ہوگا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی روایت سے علمائے شیعہ نے کیوں کر ایسی حدیث کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا اور انتظار ہوگا کہ اگر اس کو نقل کیا ہے اور اس کی صحت کو تسلیم کرلیا ہے تو اس کا کیا جواب دیا ہے، اس لیے ہم اس جواب کو بیان کرتے ہیں۔ وہ جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے ان الفاظ کے بعد جن کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے، یہ الفاظ اور بڑھائے ہیں اور انہیں کو جواب اس حدیث کا تصور کیا ہے: (فلما [1] کان من الغد...... الخ) امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ جب دوسرا دن ہوا تب میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت امیر المومنین علیہ السلام اور ابوبکر، عمر، عثمان موجود رضی اللہ عنہم تھے، میں نے حضرتؐ سے عرض کی کہ اے پدر بزرگوار! میں نے کل آپؐ کی زبان سے سنا، جو کچھ آپؐ نے ان اصحاب کی نسبت فرمایا وہ کیا ہے؟ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں نے کہا ہے اس کے بعد حضرتؐ نے ان کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہی سمع، بصر اور دل ہیں اور اس وصی، یعنی علیؑ کی محبت سے سوال کیے جائیں گے اور یہ کہہ کر یہ آیت پڑھی کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ بعدہ فرمایا کہ قسم ہے مجھ کو اپنے پروردگار کے عزت کی کہ میری تمام امت قیامت کے دن کھڑی کی جائے گی اور ان سے سوال علیؑ کی محبت کا ہوگا اور یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا کہ ﴿وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ﴾ کہ ’’کھڑا کرو ان کو، ابھی ان سے پوچھنا ہے۔‘‘

---

[1] عن الحسنؓ بن علی قال قال رسول الله ﷺ ان ابابکرؓ منی بمنزلة السمع و ان عمر منی بمنزلة البصروان عثمان منی بمنزلة الفواد فلما کان من الغدد خلت علیه و عنده امیر المومنین و ابوبکر و عمر و عثمان فقلت له، یا ابت سمعتك تقول فی اصحابك هولا قولا فما هو فقال نعم ثم اشارا لیهم فقال هم السمع و البصروا لفواد و یسألون عن ولایه وصیتے هذا واشار الیٰ علی بن ابی طالب ثم قال ان الله عزوجل یقول ان السمع و البصر و الفواد کل اولئك کان عنه مسولا، ثم قال ان اللّٰه وعزة ربی ان جمیع امتی لموقوفون یوم القیمة و مسؤلون عن ولایة علی و ذالك قول الله عزوجل وقفو هم انهم مسئولون۔ ۱۲

اس حدیث کے ان الفاظ کو ہم چند دلیلوں سے صحیح نہیں مانتے اور اس کو دوسرے دن کا جمایا ہوا فقرہ سمجھتے ہیں۔

پہلی دلیل:......اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اوّل روز جب امام حسنؓ نے حضرتؐ سے سنا کہ ابوبکرؓ بمنزلہ سمع کے اور عمرؓ بمنزلہ بصر کے اور عثمانؓ بمنزلہ دل کے ہیں تو اس روز کچھ استفسار نہ کیا، دوسرے دن پوچھنے کا کیا سبب ہے، اگر امام حسنؓ کو پوچھنا ہوتا تو اسی وقت پوچھتے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ پہلے دن بہ سبب موجود ہونے خلفائے موصوفین کے ان کے خوف سے نہ پوچھا تو دوسرے دن بھی اسی حدیث سے ان کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر ان کا خوف تھا تو گھر میں پوچھتے کہ یا حضرتؐ! آپؐ نے ان کے سامنے ایسا ایسا فرمایا، اس کی حقیت کیا ہے نہ کہ پھر مجلس میں انہیں کے سامنے استفسار کرتے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فقرہ دوسرے دن کا جمایا ہوا ہے۔

دوسری دلیل:......اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل روز پیغمبر خدا ﷺ نے صرف تشبیہ اور تمثیل پر قناعت فرمائی اور حضرات خلفائے ثلاثہ کو بمنزلہ سمع، بصر اور فواد کے کہہ کر سکوت کیا، تو یہ فرمانا یا دل سے تھا یا براہ تقیہ یا بطور استہزاء، اگر دل سے تھا جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں (فَنِعْمَ الْوِفَاقُ) جھگڑا طے ہوا، اگر براہِ تقیہ تھا تو اوّل پیغمبر خدا ﷺ کی نسبت تقیہ کرنا ثابت ہوا حالانکہ خود حضرات شیعہ اس کے قائل نہیں، دوسرے اگر پہلے دن حضرتؐ نے براہِ تقیہ فرمایا تھا تو دوسرے دن بھی وہی سبب تقیہ کا، یعنی حاضر ہونا ان خلفاء کا جن کے خوف سے یا جن کے خوش کرنے کو حضرتؐ نے ایسا کچھ فرمایا موجود تھا، اگر بطور استہزاء تھا تو پیغمبر ﷺ کی نسبت مسخر گی اور ٹھٹھے بازی کا اطلاق کرنا ہے اور یہ سوائے شیعوں کے دوسرے سے نہیں ہوسکتا، وہ جو چاہیں پیغمبر ﷺ پر تہمت کریں۔

تیسری دلیل:......پیغمبر خدا ﷺ جو کچھ فرماتے تھے اور کچھ کہتے تھے وہ صاف صاف، کچھ لگی لپٹی نہ رکھتے تھے اور کسی کو دھوکہ نہ دیتے تھے اور کسی کو شبہے میں نہ ڈالتے تھے۔ پس اگر دوسرے دن کے جمائے ہوئے فقرے کو ہم صحیح مانیں تو گویا پیغمبر ﷺ پر تہمت

کریں۔اس لیے کہ اگر دوسرے دن امام حسنؓ استفسار نہ کرتے اور پیغمبر ﷺ اصل مطلب نہ بتاتے تو لوگ شبہے میں رہتے اور حضرتؐ کے کلام کو صدق اور صفائی پر قیاس کر کے حضرات ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم کو بمنزلہ سمع ، بصر اور دل کے سمجھتے ، جیسا کہ ان لفظوں سے جو حضرت نے فرمائے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ پس کیا کوئی ایمان رکھنے والا پیغمبر ﷺ پر ایسی تہمت کر سکتا ہے اور جس کا کام صاف بیان کر دینے اور لگی لپٹی نہ رکھنے کا ہو اس کی باتوں کی ایسی تاویل کر سکتا ہے۔ (نعوذ باللّٰه من ذالك)

حقیقت یہ ہے کہ حضرات شیعہ نے دین کو مسخرے پن اور ٹھٹھے میں ڈال دیا ہے اور پیغمبر خدا ﷺ کی احادیث اور کلام اللہ کی آیات کو تحریف اور تغیر کر کے بدل دیا ہے، نہ خدا کے کلام کو کلام مبین جانتے ہیں، نہ پیغمبر ﷺ کی حدیث کو صاف سمجھتے ہیں، سب میں شک اور شبہ کرتے ہیں اور سب کو ذو جہتین اور ذو معنیین جانتے ہیں۔ چونکہ مذہب تشیع کی بنیاد نفاق اور جھوٹ پر ہے، اس لیے سب کو اپنا سا ہی جان کر ایسی تاویلات کرتے ہیں، ورنہ کون شخص ہے کہ پیغمبر ﷺ کی نسبت ایسا کہے گا کہ وہ ایک روز کچھ کہتے ہیں دوسرے دن اس کی کچھ تاویل کرتے تھے۔فرض کرو کہ اگر کسی شخص نے پہلے ہی دن کی باتیں سنی ہوں اور اس نے پیغمبر ﷺ کو ہادی اور نبی سمجھ کر ان کے کلام کو حق جانا ہو حالانکہ بقول شیعوں کے وہ حق نہ تھا اور اس کا مطلب دوسرا ہی تھا جس کو دوسرے دن حضرت نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر بتلایا اور وہ شخص دوسرے دن حضرتؐ کے حضور میں حاضر نہ ہوا ہو اور اس نے پیغمبر خدا ﷺ کی زبان سے اس مجمل فقرے کی شرح نہ سنی ہو تو اس کے دل میں جو یقین اس کلام کی صحت پر ہو گیا ہو اور جس کے سبب سے وہ گمراہ ہوا ہو اس کا الزام کس پر ہو گا؟ اس بے چارے...... سننے والے پر یا معاذ اللہ! معاذ اللہ حضرت ﷺ پر۔

چوتھی دلیل :...... معلوم نہیں کہ امام حسنؓ کو دوسرے دن استفسار کی کیا ضرورت تھی۔ شاید حضرات شیعہ یہ فرمائیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ اصحاب جن کی نسبت حضرتؐ نے ایسی تمثیل اور تشبیہ دی ہے، منافق اور کافر تھے (و نعوذ باللّٰه منه) اور انہیں

کی نسبت حضرتؐ نے ایسا کچھ فرمایا تو ان کو تعجب ہوا، اس لیے اس کے رفع کرنے کے لیے پوچھا۔ مگر یہ بات تسلیم کرنے کے لائق نہیں ہے، اس لیے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے اکثر ان اصحاب کی تعریف کی ہے اور ان کی ثنا اور صفت بیان فرمائی ہے جس کو خود ائمہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور جس کو جابجا ہم نے نقل کیا اور نقل کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ، تو پھر ان کی تعریف پر امام حسن رضی اللہ عنہ کو تعجب ہونے کا کوئی موقع نہ تھا، ہاں اگر کبھی حضرت ﷺ نے ان کی تعریف نہ کی ہوتی اور کبھی ان کو امام حسن رضی اللہ عنہ نے پیغمبر ﷺ کی صحبت میں نہ دیکھا ہوتا اور پھر ان کی نسبت ایسا سنتے تو تعجب کرنے کا محل تھا...... اگر کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ اصحاب منافق ہیں اور ان کے سامنے کبھی پیغمبر خدا ﷺ نے ان کی تعریف نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایسا شبہ نہ تھا اور وہ ان اصحاب کو حضرتؐ کے یاروں میں سے جانتے تھے، چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں (يَا اَبَتِ سَمِعْتُكَ تَقُولُ فِي اَصْحَابِكَ) کہ اپنے یاروں اور اصحاب کی نسبت آپ سے میں نے ایسا کچھ سنا: تو اگر امام حسنؓ ان کو پیغمبر کا اصحاب نہ جانتے تو (اَصْحَابِكَ) نہ فرماتے اور جب ان کو اصحاب میں جانتے تھے تو پھر تعجب کرنے کا کوئی مقام نہ تھا، اس لیے کہ قطع نظر حضرات خلفاء ثلاثہ کے اور اصحاب کی نسبت بھی بہت کچھ ثناؤ صفت حضرتؐ نے کی ہے کہ اس کا خود حضرات شیعہ کو اقرار ہے اور ان کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں اور بالفرض اگر امام حسنؓ کو شبہ تھا تو وہ گھر میں اس کو رفع کرتے اور تنہائی اور خلوت میں پوچھتے پھر انہیں اصحاب کے سامنے پوچھنا اور پیغمبر ﷺ کی مجمل بات کو صاف کرانا اور گول گول نہ رہنے دینا موافق اصول شیعوں کے شان امامت کے خلاف تھا۔

پانچویں دلیل:...... قطع نظر اور صفات اور تعریف کے جو پیغمبر خداؐ نے ان اصحاب کی اکثر کی ہے، اپنے سمع و بصر سے بھی تشبیہ دی ہے، یہ تشبیہ فقط اس حدیث پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور روایتوں سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے، چنانچہ خود شیعہ علماء امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر خداؐ نے ہجرت کی شب میں ابوبکر صدیقؓ سے کہا:

((جَعَلَكَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَبِمَنْزِلَةِ الرُّوْحِ مِنَ الْبَدَنِ .))

''خدا تجھ کو بمنزلہ میرے سمع اور بصر کے اور بجائے سر کے جسم میں اور بمنزلہ روح کے بدن میں، گردانے گا۔''

پس جب کہ ایک مرتبہ فقط ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت سمع ، بصر، سر اور روح کے سب الفاظ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیے ہوں تو پھر کیا تعجب ہے کہ دوسری مرتبہ ان کی نسبت صرف سمع کا لفظ فرمایا ہو اور ان کے ساتھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی تشبیہ بصر اور فواد سے کی ہو۔

چھٹی دلیل:......علماء شیعہ نے ایسی تاویلات سے جیسی کہ اس حدیث میں کی ہیں اکثر احادیث اور اقوال کو مضحکہ اطفال بنا دیا ہے اور تحریف لفظی و معنوی میں محرفین اہل کتاب کو بھی مات کر دیا ہے، چنانچہ بطور نظیر کے میں اس مقام پر ایک روایت لکھتا ہوں، وھو ھذہ .

میرن صاحب 1 قبلہ حدیقہ سلطانیہ کے باب سوم میں لکھتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک 2 مرتبہ ایک مخالف سرکش امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت

---

1 سید حسن عرف میرن صاحب، مولوی دلدار علی نصیر آبادی کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ، اکتوبر ۱۷۹۶ء کو ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد والد سے پڑھنے لگے۔ جب ان کی طبیعت ناساز ہوئی تو بڑے بھائی سید محمد مجتہد سے درس لیا اور جب ان کا مزاج روبصحت ہو گیا تو پھر ان سے سبق شروع کر دیے۔ شاہ اودھ امجد علی شاہ نے مولانا ہی کے اشارے سے مدرسہ سلطانیہ قائم کیا اور ایک مہر نذر کی جس میں ''الہ مجتهد العصر سید العلماء'' کندہ تھا اور سرکاری طور پر فرمان جاری کیا کہ اب مولانا کو انہیں القاب سے یاد کیا جائے۔ میرن صاحب کو نگراں تعلیم کا غیر رسمی منصب ملا اور وہ پورے ملک میں شیعوں کے دینی سربراہ بن کر ابھرے، متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ شب شنبہ ۱۷ صفر ۱۲۷۳ء مطابق اکتوبر ۱۸۵۶ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔ بڑے بھائی سلطان العلماء سید محمد مجتہد نے نماز جنازہ پڑھائی اور امام باڑہ غفران مآب میں اندرونی دالان مولوی دلدار علی کے پائیں پا مغربی حجرے میں دفن ہوئے۔ (شیخ محمد فراست) ۱۲

2 از امام حسن عسکری علیہ السلام منقول ست کہ بعض مخالفین از سر کشان شان بمجلس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام در آمدو مردے از شیعیان آنحضرتؑ گفت کہ ماتقول ⇦⇦⇦

میں آیا اور ایک شیعہ سے پوچھنے لگا کہ تو عشرہ مبشرہ کے، یعنی دسوں اصحاب کے حق میں کیا کہتا ہے، شیعہ نے جواب دیا کہ میں ان کے حق میں وہ کلمہ خیر کہتا ہوں کہ جس کے سبب سے خداوند عالم میرے گناہ بخشتا ہے اور میرے درجات بلند کرتا ہے، پس اس ناصبی نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے تیری دشمنی سے نجات دی، مجھے یہ گمان تھا کہ تو رافضی ہے اور صحابہ کبار سے دشمنی رکھتا ہے، تب اس مردِ مومن نے دوسری بار کہا کہ خبر دار ہو کہ جو شخص صحابہ میں سے ایک کو دشمن رکھے اس پر خدا کی لعنت ہو، ناصبی نے کہا شاید تو نے کچھ تاویل کی اس لیے بتلا کہ جو

⇦⇦⇦فی العشرة من الصحابة چه می گوئی در حق عشره مبشره از صحابه پیغمبر، شیعه گفت میگوئم در حق شان کلمه خیرے که خداوند عالم بسبب آن گناهان مرا فرد میریزد و درجات مرابلندمی فرماید پس آن ناصبی گفت، حمد و شکر برائے خدا ست که مرا از دشمنی تو نجات داد، من گمان داشتم که تو رفض و بغض صحابه کبار داری، آن مرد مومن بارد گر گفت آگاه باش که هر کس که از صحابه یکی را دشمن دار د پس براوست لعنت خدا، ناصبی گفت شاید تاویلی کرده لکن بگو که کسیکه عشره مبشره را دشمن دارد در حق او چه می گوئی، مرد مومن گفت هر کس که عشره صحابه را دشمن دار د براوست لعنت خدا و ملائکه و تمام خلق، پس آن ناصبی برجست و سرش را بوسه داد و گفت بخش مراکه من ترابر فض متهم ساخته بودم، مرد مومن گفت بر تو چیزی نیست من ایں افترا از تو مواخذه ندارم تو برادر منی، آن ناصبی از انجا برفت، پس حضرت صادق علیه السلام فرمود که کلام محکمی گفتے بر خداست جزائے تو هر آئینه فرشتگان از حسن توریه تو خوشنود شدند که دین خود را از اختلال نگه داشتی و خودرا از دست او بر هانیدی زا دا لله فی مخالفینا عمی الیٰ عمی، خداوند عالم در دشمنان مابر نافهمی ایشان نافهمی هادیگر بیفزاید کسانیکه بمعاریض کلام اطلاع نداشتند عرض کردند که ایں مردچه کرد درظاهر آنچه ناصبی میگفت ایں هم باو موافقت مینمود، حضرت فرمودند که اگر شما نفهمیدید مراد اوپس بدرستیکه مافهمیده ایم و حق تعالیٰ قول اُور اقبول فرموده، هر گاه یکے از دوستان مادردست دشمنان مامی افتد خداوند عالم او ر ابجوابی موافق میسازد که دین و آبرویش از دست آن بدبختان محفوظ میماند مراد آن مرد مومن از قول اومن البغض واحد من الصحابة آن بود که هر که دشمن دار دیکے از عشره راکه آن امیر مومنان علی بن ابی طالب ست برآن دشمنی کننده لعنت خداباد اوآنچه بارد گر گفت من البغض العشره فعلیه لعنت الله راست گفته چراکه هر کس که همه ده کس راعیب میکند پس علی علیه السلام راهم عیب کرده ست پس بایں جهت بلعنت خدا گرفتار میشوند۔ ۱۲۔

شخص عشرہ مبشرہ کو دشمن رکھے اس کے حق میں تو کیا کہتا ہے؟ تب مرد مومن نے کہا کہ جو شخص عشرہ مبشرہ، یعنی دسوں کو دشمن رکھے اس پر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام خلق کی لعنت ہو، پس وہ ناصبی اٹھا اور اس نے اس مومن کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ مجھے معاف کر میں تجھ کو رافضی جانتا تھا، اس مرد مومن نے کہا کہ میں تجھ سے مواخذہ نہیں کرتا، تو میرا بھائی ہے۔ یہ سن کر وہ ناصبی چلا گیا، جب وہ باہر گیا تب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس مرد مومن سے کہا کہ تو نے نہایت محکم کلام کہا، خدا تجھ کو جزائے خیر دے، فرشتے تیرے حسن توریہ سے خوش ہوئے کہ تو نے اپنے دین کو بھی خلل سے بچایا اور اپنے آپ کو اس کے ہاتھ سے چھڑایا، خدا ہمارے مخالفوں کی نابینائی کو اور زیادہ بڑھائے اور ان کی نافہمی پر نافہمی زیادہ کرے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ جب یہ امام نے فرمایا تو جو لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے تھے انہوں نے عرض کی کہ یا حضرت! اس مرد مومن نے کیا کہا جیسا وہ ناصبی کہتا تھا ویسا ہی یہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتا جاتا تھا، تب امام نے فرمایا کہ تم نہیں سمجھتے، میں اس کا مطلب سمجھتا ہوں۔ مراد اس مرد مومن کے اس کہنے سے کہ جو شخص ایک کو دشمن کہے اصحاب میں سے اس پر خدا کی لعنت ہو، حضرت علی ہیں، اور مطلب اس کہنے سے کہ جو شخص دشمن رکھے دسوں کو اس پر خدا کی لعنت ہو یہ ہے کہ حضرت علیؓ بھی ان میں داخل ہیں، پس جو شخص دسوں کو دشمن رکھے گا وہ لامحالہ حضرت علیؓ کو بھی دشمن رکھے گا، اس لیے اس پر خدا کی لعنت۔

اس روایت کو دیکھ کر گو حضراتِ شیعہ فخر کرتے ہوں اور اپنے بزرگوں کی حیلہ سازیوں پر ناز فرماتے ہوں لیکن جو کوئی عاقل سنے گا وہ تعجب ہی کرے گا اور ایسے دین و مذہب پر کہ جس کی بنا سراسر حیلہ سازی اور مکاری اور دغا بازی پر ہے، ہزار دل سے نفرت کرے گا......نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جن اماموں کا کام ہدایت خلق اللہ ہو اور جن کی امامت مثل نبوت کے اصول دین میں داخل ہو اور جن کے اقوال، افعال اور حرکات وسکنات پر مدار مذہب کا ہو جب وہ ہی ایسے ہوں کہ کبھی صاف بات نہ کہیں اور دھوکہ دہی اور حیلہ سازی کو موجب رضائے الٰہی کا فرمائیں تو پھر ان کی امت کے لوگ کیسے ہوں گے اور وہ نفاق اور دغا بازی کو

کیوں اپنا شعار نہ گردانیں گے۔ ہم اس سے بھی زیادہ خوش کن ایک اور روایت بیان کرتے ہیں اور حضرات شیعہ کی دقیقہ فہمی اور نکتہ سنجی کو ظاہر کرتے ہیں اور صاف سیدھے لفظوں سے جو عجیب معنی وہ مراد لیتے ہیں اس کا نمونہ دکھلاتے ہیں۔

چھٹی شہادت:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی نسبت فرمایا ہے:

((هُمَا اِمَا مَان عَادِ لاَن قَاسِطَان كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَ مَاتَا عَلَيْهِ فَعَلَيْهِمَا رَحْمَةُ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .))

”دونوں امام عادل اور انصاف کرنے والے تھے، دونوں حق پر تھے اور حق پر مرے، ان دونوں پر قیامت کے دن اللہ کی رحمت ہو۔“

اس حدیث سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا امام اور خلیفۂ برحق ہونا، اس لیے کہ اگر ان کی خلافت حق نہ ہوتی اور وہ غاصب ہوتے تو امام جعفر صادق کیوں کر ان کو امام کہتے۔

۲۔ ان کا عادل اور منصف ہونا اور اس سے تمام مطاعن جو شیعوں نے ان کی نسبت بیان کیے ہیں باطل ہوئے۔ اس لیے کہ اگر ان کے عدل و انصاف میں کچھ بھی فرق ہوتا تو امام ہرگز ان کو عادل اور منصف نہ فرماتے۔

۳۔ ان کا حق پر ہونا اور حق پر مرتے دم تک قائم رہنا۔

۴۔ قیامت کے دن مستحق رحمت الٰہی ہونا، اور کوئی شخص جو ایمان اور پرہیزگاری میں کامل نہ ہو مستحق رحمت الٰہی نہیں ہوسکتا۔

اہل انصاف ذرا انصاف کو دخل دیں اور غور کریں کہ اس سے زیادہ اور فضیلت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی کیا ہوگی جو زبان سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ثابت ہوئی اور جس سے امامت، خلافت، معدلت اور استحقاق رحمت الٰہی ان کی نسبت

بخوبی ظاہر ہوا۔ حضراتِ شیعہ جب ہمارے محدثین کی بیان کی ہوئی کسی حدیث کو صحابہ کبارؓ کی شان میں سنتے ہیں تو اس کو غلط اور موضوع اور جھوٹ کہہ دیتے ہیں اور اس سے انکار کر جاتے ہیں، لیکن اب ایسی روایتوں کو کیا کریں گے جس کو انہی کے علماء نے نقل کیا ہے اور جو انہی کی کتابوں میں مذکور ہیں بجز اس کے کہ ان میں تحریف کریں اور کسی قصہ کہانی کو ملا کر اس کے معنی بدلیں، چنانچہ اس حدیث میں بھی ایسا ہی کیا ہے اور چند فقرے بڑھا کر اس حدیث کی تحریف کی ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں۔

رسالہ ''ادلہ تقیہ در ثبوت تقیہ'' میں جو کہ مزین بدستخط حضرت سلطان العلماء یعنی سید محمد صاحب مجتہد کے ۱۲۸۲ ہجری میں لدھیانہ میں چھپا ہے اس حدیث کی نسبت یہ لکھا ہے:

''علمائے اہل سنت نے نقل حدیث میں خیانت کی ہے اور ان الفاظ کو منتخب کر لیا ہے کہ جو بنظر سرسری موہم مدح شیخین کے ہیں حالانکہ باطناً وہ الفاظ بھی سراپا طعن و تشنیع سے مملو اور مشحون ہیں، چنانچہ خود امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی حدیث میں ان الفاظ کے معنی بہ تفصیل و توضیح ارشاد فرمائے ہیں۔'' اور بعد ایک تقریر پوچ لچر کے اس رسالے میں اصل خیانت کے الفاظ اس طرح پر منقول ہیں: ''واضح ہو کہ اصل حدیث یہ ہے کہ بعض مخالفین نے حضرت سے دربارۂ شیخین سوال کیا، حضرت نے از راہ توریہ یہ ارشاد فرمایا:

((هُمَا اِمَامَانِ عَادِلَانِ الخ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّاسُ قَالَ لَهٗ مِنْ خَاصَّتِهٖ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَقَدْ تَعَجَّبْتُ مِمَّا قُلْتَ فِي حَقِّ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ فَقَالَ نَعَمْ هُمَا اِمَامَانِ اَهْلِ النَّارِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ وَاَمَّا الْعَادِلَانِ فَلِعُدُوْلِهِمْ عَنِ الْحَقِّ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ وَاَمَّا الْقَاسِطَانِ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ وَالْمُرَادُ مِنَ الْحَقِّ الَّذِيْ كَانَا مُسْتَوْلِيَيْنِ عَلَيْهِ هُوَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ حَيْثُ اٰذَيَا وَغَصَبَا حَقَّهٗ وَالْمُرَادُ مِنْ مَوْتِهِمَا عَلٰى

الْحَقِّ اِنَّهُمَا مَاتَا عَلٰى عَدَاوَتِهٖ مِنْ غَيْرِ نَدَامَتِهٖ عَنْ ذٰلِكَ وَالْمُرَادُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ كَانَ رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ وَسَيَكُوْنُ خَصْمًا لَهُمَا سَاخِطًا عَلَيْهِمَا مُنْتَقِمًا عَنْهُمَا يَوْمَ الدِّيْنِ .))

''وہ دونوں امام عادل تھے (الخ) جب لوگ چلے گئے تو ایک آدمی نے جوان کے خواص میں سے تھا کہ اے فرزند رسول! مجھے تعجب ہوا اس بات سے جو آپ نے ابوبکر وعمرؓ کے بارے میں کہی (امام نے) کہا ہاں وہ دونوں جہنمیوں کے امام ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان (کافروں) میں امام بنائے جو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور ان کا عادل ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے حق سے عدول کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافروں میں سے جو اللہ سے عدول کرنے والے ہیں، اور ان کا قاسط ہونا، اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ظالم جہنم کی لکڑیاں ہیں، اور حق سے مراد جس پر وہ تھے امیر المومنین ہیں کہ انہوں نے ان کو اذیت دی اور ان کا حق مارا، اور حق پر ان کے مرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ (علی) کی عداوت پر مرے اور اس پر ان کو ندامت نہ ہوئی اور اللہ کی رحمت سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ وہ تو رحمۃ للعالمین ہیں کہ ان دونوں کے دشمن ہوں گے اور ان پر غضب ناک ہوں گے اور روزِ قیامت ان سے انتقام لیں گے۔''

خلاصہ ان کلمات کا یہ ہے کہ جب مجلس مخالفین سے خالی ہوئی تو ایک شخص نے خواص اصحاب سے امام معصوم کی خدمت میں عرض کی کہ میں ان کلمات سے جو آپ نے حق شیخین میں فرمائے بہت متعجب ہوا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو امام اس سبب سے کہا کہ وہ امام اہل نار تھے چنانچہ حق تعالیٰ قرآن میں کافروں کو امام اہل نار فرماتا ہے ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ .... الآية﴾ یعنی کافروں کو ہم نے امام اہل نار گردانا ہے اور عادل اس وجہ سے کہا کہ ان دونوں سے عدول کیا تھا حق سے جیسا کہ خداوند عالم کافروں کو انہی معنوں سے

عادل فرماتا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ....الخ﴾ مترجم کہتا ہے کہ کتب احادیث اہل سنت میں وارد ہے کہ پیغمبر برحقؐ نے نوشیروان کو عادل فرمایا حتی کہ سعدی شیرازی نے اس کو گلستان میں نظم کیا ہے اور کہا ہے: شعر......

درآوانِ عدلش بنازم چناں

کہ سید بدورانِ نوشیرواں

''اس کے عدل کے وقت پر مجھے ناز ہے کہ نوشیرواں زمانہ کا سردار ہے۔''

پس جب کہ مدح عدل نوشیرواں کافر کو مفید نہیں تو شیخین کو بھی مفید نہ ہوگی اور یہ وجہ بھی انہی ستر وجہوں سے ہے، اور قاسط اس وجہ سے کہا کہ قاسط کے معنی ظالم کے ہیں، چنانچہ قرآن میں وارد ہے ﴿وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ یعنی ظالمین جہنم کی لکڑیاں ہیں۔ پھر امام معصوم فرماتے ہیں کہ یہ جو میں نے کہا کہ (كَانَا عَلَى الْحَقِّ) تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں غالب تھے حق پر اور حق مغلوب تھا اور مراد اس حق سے کہ جن پر غالب تھے، امیر المومنین ہیں کہ ان کو اذیت دی اور ان کے حق کو چھین لیا۔

مترجم کہتا ہے کہ امام معصوم نے اس جملہ میں جار مجرور کو متعلق گردانا ہے، بلفظ مستولیین کہ وہ خبر خاص ہے اور محذوف ہے بقرینہ مقام اور مذہب جمہور نحاۃ کا مانند سیبویہ وغیرہ کے یہ ہے کہ جب خبر خاص پر کوئی قرینہ دلالت کرے تو حذف اس کا جائز ہے اور چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام بالاتفاق جمہور اہل اسلام افصح الفصحاء اور از جملہ عرب عرباء ہیں، پس کلام ان حضرت کا بجائے خود مستند ہوگا خواہ موافق نحاۃ کے ہو خواہ مخالف چہ جائے آنکہ بہ سبب پائے جانے قرینہ کے کلام ان حضرت کا موافق جمہور نحاۃ کے بھی ہے، پس اب جائے اعتراض بھی باقی نہ رہی، اور وہ قرینہ یہ ہے کہ علی کے معنی کلام میں استعلاء کے ہیں اور استعلاء ان کے محاورے میں بمعنی غلبہ اور استیلاء بھی آیا ہے، چنانچہ ملاحظہ کتب لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کہتے ہیں (عَلَوْتُ الرَّجُلَ اَیْ غَلَبْتُه) پس معنی (كَانَا عَلَى الْحَقِّ) کے یہ ہوں گے کہ (كَانَا غَالِبِيْنَ عَلَى الْحَقِّ وَالْحَقُّ مُغْلُوْبًا عَنْهُمَا) اور یہ جو امام معصوم نے

فرمایا ہے کہ مرادحق سے امام بحق جناب امیر ہیں امرحق ہے اور کچھ بعید نہیں اس وجہ سے کہ لفظ حق کا اطلاق خدا ورسول اور امام بلکہ موت اور قیامت اور کلمہ اور کلام پر ہوتا ہے کما لایخفی۔ پس اگر مرادحق سے مولائے برحق ہوں خلاف حق لازم نہیں آتا اور مخفی نہ رہے کہ اس مقام میں دو وجہیں اور بھی ہیں کہ حمل کلام معصوم کا ان پر صحیح ہے۔

وجہ اوّل یہ ہے کہ علی بمعنی استعلاء ہو پس معنی (كَانَا عَلَى الْحَقِّ) کے یہ ہوں گے کہ وہ دونوں کہ عین باطل تھے حق پر فوقیت لے گئے اور انہوں نے حق کو پست کر دیا، جیسا کہ معصوم دعائے صنمی قریش میں ارشاد فرماتے ہیں، پس بنا برطریقہ جمع بین الحدیثین کے ارادہ اس معنی کا کلام معصوم سے صحیح ہوگا اور یہ نوع استعلاء مستلزم استیلاء بھی ہے، پس اس وجہ سے بھی مقدر ہونا لفظ مستولیین کا صحیح ہوگا کما فعله المعصوم فتأمّل۔

وجہ دوم یہ ہے کہ کلام عرب میں علیٰ کو مقام مخالفت اور مضرت اور عداوت میں بھی اطلاق کرتے ہیں، چنانچہ شائع و ذائع ہے کہ محاورہ عرب میں جواب یا اعتراض کے مقام میں کہتے ہیں کہ (هٰـذَا لَنَا لَا عَلَيْنَا) یعنی یہ امر ہمارے واسطے نافع ہے، نہ مخالف اور مضر۔ اور مشہور ہے کہ جب اثنائے راہ میں لشکر حُر جناب سید الشہداء سے ملاقی ہوا تو حضرت نے حُر سے فرمایا (اَعَـلَيْـنَـا اَمْ لَنَا) یعنی تو ہماری کمک کو آیا ہے یا ہماری عداوت پر کمر باندھی ہے۔ (وایضا قال الله تعالیٰ لا یکلف الله نفسا الا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما کتسبت قال صاحب الکشاف ینفعها ما کسبت من الخیر ویضرها ما کتسبت من الشر) پس بنا پر اس وجہ کے معنی (كانَا عَلَى الْحَقِّ) کے یہ ہوں گے کہ وہ دونوں مخالف حق کے اور دشمن حق تھے اور یہی معنی قول آئندہ میں بھی معصوم نے فرمائے ہیں، پس اس ارادہ اس معنی کا کلام امام سے اس مقام میں بھی صحیح ہوگا فافهم......

پھر معصوم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ جو میں نے کہا (مَـاتَـا عَـلَى الْحَقِّ) مراد اس سے یہ ہے کہ عداوتِ حق پر مرے، یعنی جناب امیرؑ کی عداوت تادم مرگ ان کے دلوں میں رہی اور تادم مرگ نادم نہ ہوے۔ اس مقام میں علیٰؑ کو بہ معنی عداوت امام نے اطلاق فرمایا

ہے جیسا کہ ہم نے وجہ ثانی میں بیان کیا...... پھر معصوم فرماتے ہیں کہ یہ جو میں نے (فَعَلَيْهِمَا رَحْمَةُ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) پس مراد (رَحْمَةُ اللّٰهِ) سے رسولِ خدا ہیں کہ ان دونوں کے دشمن ہوں گے بروز قیامت اور ان پر غضب ناک ہوں گے اور ان سے روز قیامت کو انتقام لیں گے...... مترجم کہتا ہے کہ اس مقام میں بھی علیؑ کو معصوم نے مقام عداوت میں ارشاد فرمایا ہے اور رحمت خدا ہونا حضرت رسالت مآب کا مقام شک و ارتیاب نہیں، حق تعالیٰ خود فرماتا ہے ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ بہرصورت اہل انصاف پر ان الفاظ کے معانی ظاہر و باہر ہوئے کہ ہرگز یہ الفاظ مقام مدح شیخین میں وارد نہیں ہیں، بلکہ سراپا یہ حدیث رد و قدح شیخین پر دلالت کرتی ہے۔ انتھی بلفظہ[1].

اس تاویل کی غلطی ہم چند دلائل سے ثابت کرتے ہیں:

پہلی دلیل:...... اس رسالے کے مؤلف نے اپنے علماء کی تقلید میں جو کچھ واہیات بیان کیا ہے اس کے نقل کرنے سے مجھے شرم آتی ہے۔ اگر احادیث کی ایسی ہی تاویلیں کی جائیں تو کوئی حدیث کسی کی مدح و ثنا میں باقی نہ رہے بلکہ ہر ملحد اور زندیق آیات قرآنی کو ایسی تاویل سے اپنے مطلب کے موافق بنا لے...... کسی ہندو کی نقل ہے کہ اس نے ایک مسلمان سے کہا کہ ہمارے رام لچھمن کا ذکر تمہارے قرآن میں بھی ہے وہ مسلمان حیران ہوکر پوچھنے لگا کہ کسی جگہ قرآن میں ان کا ذکر ہے اس نے کہا کہ سورۂ یوسف کے اوّل میں جو (الٓر) حروف مقطعات ہیں ان میں الف سے مراد اللہ ہے اور لام سے مراد لچھمن اور رے سے مراد رام ہیں، وہ مسلمان یہ سن کر ہنسنے لگا، لیکن ہمارے نزدیک جو تاویل امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول کی حضرات شیعہ نے کی ہے وہ اس ہندو کی تاویل سے بھی بدتر ہے۔ اس لیے کہ اس نے تو حروف کے لحاظ سے کچھ جوڑ ملا دیا لیکن شیعوں کے علماء نے جو کچھ فرمایا وہ تو سراسر بے جوڑ ہے اور ہر ایک خارجی اور ناصبی اہل بیت علیہم السلام کی شان میں جو احادیث ہیں ان میں بھی ایسی ہی تاویلات کرسکتا ہے۔ فَمَا هُوَ جَوَابُهُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا.

دوسری دلیل:...... یہ قول جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں

کہا گیا وہ امام جعفر صادق کا ہے اور امام موصوف تقیے سے ممنوع تھے ان کو حکم تھا کہ وہ کسی سے خوف نہ کریں اور بلا خوف وخطر علوم اہل بیت کو منتشر کریں تو انہوں نے کس لیے تقیہ کیا اور کیوں ایک دو ناصبی کے ڈر سے ایسی بڑی تعریف کی اور پھر جب وہ چلے گئے تو اس کی تاویل کر کے اپنے خواص کو اصل مطلب سمجھایا۔ اور وہ قول جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام موصوف تقیے سے ممنوع تھے یہ ہے: بحارالانوار میں ملا باقر مجلسی نے اور کافی [1] میں ملا یعقوب کلینی نے لکھا ہے کہ جو صحیفہ امام جعفر صادق کا تھا اس میں ان کے لیے یہ حکم تھا:

((حَدِّثِ النَّاسَ وَافْتِهِمْ وَلَا تَخَافَنَّ اِلَّا اللّٰهَ وَانْشُرْ عُلُوْمَ اَهْلِ بَيْتِكَ وَصَدِّقْ آبَائَكَ الصَّالِحِيْنَ فَاِنَّكَ فِي حِرْزٍ وَّاَمَانٍ.))

''تمام مخلوق سے باتیں کرو اور ان کو فتویٰ دو اور کسی سے سوائے خدا کے نہ ڈرو اور اپنے اہل بیت کے علوم کو منتشر کرو اور اپنے آباءِ صالحین کی تصدیق کرو، اس لیے کہ تم حرز اور امان میں ہو۔''

پس باوجود اس کے کہ جب ایسے اطمینان کا حکم الٰہی ان کو ہو چکا تھا اور تقیہ کرنے سے وہ منع کر دیے گئے تھے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کا خوف تھا جس کے سبب سے ایسی تعریف صحابہ کی کرتے تھے اور لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے، افسوس ہے کہ شیعیان علی نے اپنے اماموں کی محبت کے پیرائے میں کیسی ہجو کی ہے اور ان پر کیا کیا تہمتیں لگائیں۔

تیسری دلیل :......اگر کوئی شیعہ کہے کہ جب یہ عبارت زائد بھی اصل حدیث میں داخل ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایک ٹکڑا اس کا تسلیم کیا جائے اور دوسرا ٹکڑا زائد اور غلط ٹھہرایا جائے، اس لیے ضرور ہے کہ کل عبارت حدیث کی تسلیم کی جائے اور جو تاویل اس حدیث کی امام نے بیان کی ہے وہ بھی امام کی طرف سے ہی سمجھی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ (اِقْرَارُ الْعُقَلَاءِ حُجَّةٌ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ دُوْنَ الْاِدِّعَاءِ لَهُمْ) کہ آدمی کا اقرار اس پر حجت ہوتا ہے، پس اسی قاعدے سے جس قدر اقرار فضیلت شیخین کا ہے وہ ان پر حجت

---

[1] اصول کافی صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ نولکشور۔ الشافی ترجمہ اردو اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ کراچی۔

ہے اور جو تاویل کی گئی ہے وہ ہم پر حجت نہیں اور قطع نظر اس کے عادت بھی شیعہ محدثین کی یہ ہے کہ وہ حدیث کی عبارت کو کم و بیش کر دیا کرتے ہیں اور اپنے مذہب کے موافق بنا لیتے ہیں، جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے حدیث مسئلہ قضا و قدر میں شیخ صدوق کی نسبت بیان کیا ہے:

((اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ لِيُوَافِقَ مَذْهَبَ اَهْلِ الْعَدْلِ .))

''یہ (تحریف) اس لیے کہ تا کہ (یہ مسئلہ) شیعوں کے مذہب کے مطابق ہو جائے۔''

پس جب ان پر اعتماد اس امر کا نہ رہا کہ وہ حدیث میں تحریف نہیں کرتے اور کچھ تغیر و تبدل کی راہ نہیں دیتے تو پھر کیوں کر وہ تاویل جو سراسر پوچ اور خرافات ہو صحیح مانی جائے اور ایسی واہیات کی ائمہ کی طرف کیوں کر نسبت دی جائے حالانکہ ائمہ خود اس امر کی شکایت کرتے رہے ہیں اور اپنے شیعوں پر لعنت و ملامت کرتے آئے ہیں کہ وہ غلط تاویلات ان کی احادیث میں کر دیتے ہیں اور حدیث کے مضمون کو اور کا اور بنا دیتے ہیں...... چنانچہ ابو عمر وکشی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث کو اسی بارہ میں نقل کیا ہے۔ وھو ھذہ:

((ان الناس اولعوا بالكذب علينا ان الله اقترض عليهم لايريد منهم غيره واني احدث احدهم بالحديث فلا يخرج من عندى حتى يتأوله على غير تاويله ذلك انهم لايطلبون بحديثنا وبحبنا ماعند الله وانما يطلبون الدنيا .))

''کہ آدمیوں نے بہت زیادتی کی ہم پر جھوٹ لگانے کی، میں جو حدیث ان سے کہتا ہوں وہ میرے پاس سے نکلنے نہیں پاتے کہ وہیں اس کی دوسری تاویل خلاف کرنے لگتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ میری احادیث اور محبت سے اس چیز کے طالب نہیں جو خدا کے پاس ہے بلکہ صرف دنیا کے طلب گار ہیں۔''

پس جب کہ خود امام کی تصدیق سے ثابت ہوا کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کی یہ عادت تھی کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ان کی احادیث کی تاویل غلط کر دیا کرتے تھے تو پھر ایسے لوگوں سے کیا

بعید ہے کہ انہوں نے ایسی تاویل اس حدیث کی بھی کی ہو۔

چوتھی دلیل: ......اس تاویل پر جو اس حدیث کے الفاظ کی، کی ہے اگر غور وفکر کریں تو ہم کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس قدر مہمل غلط اور خلاف محاورہ ہے......اوّل تاویل لفظ (اِمَامَان) کی یہ کی ہے کہ (اِمَامَا اَهْلِ النَّارِ) تو مضاف الیہ کو محذوف کر دیا ہے لیکن موافق قاعدہ نحو کے حذف مضاف الیہ کا سوائے حالت تنوین یا بناء مضاف یا اضافت ثانیہ کے جائز نہیں، اگر شک ہو تو رضی اٹھا کر دیکھ لو۔ دوسرے لفظ امام جب مطلق رکھا گیا تو اس سے وہی معنی جو اصلی ہیں، یعنی مدح اور صفت کے مراد لیے جائیں گے، اس لیے کہ لفظ مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے تو کیوں کر اس سے امام اہل النار مراد ہو سکتے ہیں، بخلاف آیت ﴿اِنَّمَا یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ﴾ کے کہ وہاں یہ مقید ہے نہ کہ مطلق...... دوسری تاویل قاسطون کی بھی غلط ہے اس لیے کہ قرآن شریف میں بمقابلہ مسلمون کے قاسطون وارد ہے۔ پس تعیین معنی کے واسطے قرینے کا ہونا ضروری ہے کہ وہ آیت میں موجود ہے اور حدیث میں مفقود بلکہ آیت کریمہ ﴿وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ کی طرف اشارہ ہے...... تیسرے حق سے مراد نام علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا لینا عرف عام کے خلاف اور معنی ظاہری کے خلاف ہے، بغیر پہلے ہونے ذکر مرتضوی کے حق سے ان کا نام مراد لینا حدیث کو چیستان بنانا ہے، اس کے علاوہ حرف ''علی'' کو بمعنی استیلاء بلا دلیل قرار دینا اور استیلاء کو مرادف استعلاء ٹھہرانا زبردستی معنی بنانا اور خرافات بکنا ہے اور لغت میں قیاس کو دخل دینا ہے حالانکہ قیاس فی اللغتہ جائز نہیں، غور کرنا چاہیے کہ (زَیْدٌ عَلَی الْحَقِّ) جب بولا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حق پر ہے یا یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ باطل پر...... چوتھی تاویل (عَلَیْهِمَا رَحْمَةُ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ) کی جو کی گئی ہے اس کی نسبت کسی نے خوب لطیفہ کہا ہے کہ حضرات امامیہ جب اپنے پیشواؤں کے حق میں رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ علیہ سے وہی مخالفت مراد ہے اور رحمۃ اللہ سے رسول اللہ مراد ہیں، یعنی مخالف ہے رسول اللہ کا...... استغفر اللہ کو حضرات شیعہ احادیث کو ایسی تاویلات بے جا سے مضحکۂ اطفال بناتے ہیں اور

ائمہ پر ایسی بے جا تاویلات کی تہمت کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

ساتویں شہادت:

''نہج البلاغہ'' میں حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ عبارت منقول ہے:

((لِلّٰهِ 1 بِلادُ فُلان فَقَدْ قَوَّمَ الْاوَدَ وداوَى الْعَمَدَ وَاَقَامَ السُّنَّةَ وَخَلَفَ الْبِدْعَةَ وَذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ قَلِيْلَ الْعَيْبِ اَصَابَ خَيْرَهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدّىٰ اِلَى اللّٰهِ طَاعَتَه وَاتَّقَاهُ بِحَقِّهٖ رَحَلَ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ طُرُقٍ مُتَشَبَّةٍ لا يَهْتَدِيْ فِيْهَا اِتِّصَالٌ وَلا يَسْتَيْقِنُ الْمُهْتَدِيْ .))

''خدا انعام کرے فلاں یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جس نے کجی کو سیدھا کیا، جس نے امراض نفسانیہ کی دوا کی، جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو قائم کیا اور بدعت کو دور کیا، اس دنیا سے پاک دامن کم عیب گیا، خلافت کی خوبی پائی اور اس کے فساد سے پہلے رحلت کی، خدا کی اطاعت کو اچھی طرح ادا کیا اور حق کے موافق پرہیز گاری کو پورا کیا، کوچ کیا اس دنیا سے اور چھوڑ گیا آدمیوں کو شاخ در شاخ راہوں میں کہ نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے اور نہ راہ پانے والا یقین حاصل کر سکتا ہے۔''

میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی نسبت تمام اقوال کو اہل سنت اور شیعہ کے نقل کرتا ہوں اور جو کچھ دونوں نے اب تک اس قول کی نسبت لکھا ہے اس کو بیان کرتا ہوں اور حضرات شیعہ کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ اس بحث کو ذرا دل سے سنیں اور غور سے دیکھیں اور تعصب و عناد کو چھوڑ کر انصاف کریں کہ ان کے علماء حق پر ہیں یا اہل سنت کے۔ میں اس قول کی نسبت اوّل تحفہ اثنا عشریہ کے مضمون کو لکھتا ہوں، بعدہ جو علامہ کنتوری نے اس کا جواب دیا ہے اس کو لکھ کر جو تردید اس کی جناب خاتم المتکلمین مولانا

1 ''نهج البلاغة'' طبع مصری جلد اصفحہ ۴۵۷۔ نہج البلاغہ طبع لاہور مع ترجمہ اردو حصہ اوّل صفحہ ۵۴۱ ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز۔

مولوی حیدر علی صاحب نے کی ہے لکھوں گا۔

خاتم المحدثین [1] تحفہ اثنا عشریہ میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

[1] خاتم المحدثین سے مراد شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بن شاہ عبدالرحیم بن شیخ وجیہہ الدین ہیں۔آپ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ کی دوسری زوجہ محترمہ سونی پت کے ثناء اللہ صاحب کی دختر نیک اختر کے بطن مبارک سے شب پنج شنبہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوئے، تاریخی نام ''غلام حلیم'' ہے۔شاہ عبدالعزیز نے ایک ایسے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی جو زمانۂ قدیم سے علم وفضل میں معروف وممتاز تھا۔

شیخ محمد اکرام نے آپ کے والد شاہ ولی اللہؒ کے خاندانی حالات کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ ''شاہ ولی اللہ صاحب'' کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمرؓ اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔آپ کے ایک بزرگ شیخ شمس الدین مفتی اسلامی حکومت کے آغاز میں ہندوستان آئے اور بمقام ''رہتک'' مقیم ہوئے۔آپ کا خاندان علم وفضل میں ممتاز تھا لیکن ایک بزرگ شیخ محمود نے منصب قضا ترک کر کے سپاہیانہ زندگی شروع کر دی اس کے بعد یہ خاندان عرصے تک بہادری و دلیری میں نامور رہا۔شاہ ولی اللہ صاحب کے دادا شیخ وجیہہ الدین صاحب سیف وقلم تھے، چنانچہ شاہ صاحبؒ کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب نے قرآن مجید انہیں سے پڑھا'' (رود کوثر صفحہ ۵۳۴) حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے زیادہ تر علوم کی تعلیم اپنے والد سے پائی اور کچھ تعلیم حضرت شاہ محمد پھلتیؒ اور شاہ نور اللہ بڈھانویؒ سے حاصل کی۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور بے نظیر حافظہ عطا ہوا تھا۔آپ پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد کے سامنے ہی علوم وفنونِ مروجہ سے فارغ ہو گئے اور اسی زمانہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔آپ ابھی سترہ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ کو ان کا قائم مقام بنا دیا گیا۔اس کے بعد آپ درس وتدریس، ارشاد وہدایت میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔آپ کی معلومات بے حد وسیع تھیں، آپ نہ صرف ایک بلند پایہ محدث ومحقق تھے بلکہ اسلامی علوم کے علاوہ دوسری امتوں کے علوم پر بھی آپ کی گہری نظر تھی، عربی انشاء پردازی اور شاعری میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا۔آپ نے کئی عربی نظمیں لکھی ہیں، ایک منظوم عربی خط جو اپنے عم بزرگوار شاہ اہل اللہ صاحبؒ کو لکھا تھا اس میں اپنے زمانہ کے حالات مرہٹہ اور سکھ حملہ آوروں کے طریقے بڑی خوبی سے نظم کیے ہیں۔ ہندوستان وپاکستان اور بنگلہ دیش کے اکثر محدثین کا سلسلۂ اسناد آپ تک اور آپ کے ذریعے شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتا ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے آپ کے چوالیس تلامذہ کا ذکر کیا ہے جن میں اکثریت ان حضرات کی ہے جن کے علم وعمل کی گونج آج بھی سارے برصغیر میں سنائی دے رہی ہے۔ہم ذیل میں ان کے چند مشہور تلامذہ کے نام درج کرتے ہیں:

شاہ رفیع الدین صاحبؒ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنیؒ صاحبان (برادران گرامی) شاہ محمد اسحٰقؒ، شاہ محمد یعقوبؒ (ہر دو نواسے) شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ تقویۃ الایمان، (برادر زادہ) مولانا عبدالحی بڈھانویؒ، مولانا حیدر علی فیض آبادیؒ مؤلف ازالۃ الغین و منتہی الکلام مولانا رشید الدین خان دہلویؒ جن کے متعلق شاہ عبدالعزیزؒ کا ⇦⇦⇦

''جناب امیر کی اس عبارت میں جامع نہج البلاغہ شریف رضی نے اپنے حفظ مذہب کے واسطے عجیب تصرف کیا ہے یعنی لفظ ''ابوبکر'' کو حذف کر کے اس کے بجائے لفظ ''فلاں'' لکھ

⇦⇦⇦ مقولہ مشہور ہے کہ ''میری تقریر تو محمد اسمٰعیل نے لے لی اور تحریر رشید الدین نے۔'' مولانا رشید الدین خان کئی کتابوں کے مصنف تھے ان میں ''الصولۃ الغضنفریہ'' اور ''شوکت عمریہ'' معرکہ آراء کتابیں ہیں۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ، مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی، مولانا فضل حق خیر آبادیؒ، مفتی صدر الدین آزردہ وغیرہ۔

آپ چونکہ درس و تدریس ارشاد و ہدایت میں زیادہ مشغول رہے اس لیے تصنیف و تالیف کا زیادہ موقع نہ مل سکا لیکن جو کتابیں بھی تصنیف کیں وہ شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی کتابوں میں ''تحفہ اثنا عشریہ بہت مشہور نہایت جامع اور معرکۃ آلارا کتاب ہے جو علم کلام میں ایک زبردست علمی شاہکار رہے، اس کی تالیف میں شاہ صاحبؒ نے بڑی محنت اور جان فشانی سے کام لیا ہے، اسے اگر شیعہ سنی مسائل کا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

تحفہ اثنا عشریہ کی وجہ تالیف:

شروع کتاب میں خود شاہ صاحبؒ نے تحفہ کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ہمارے زمانے اور ہمارے شہروں میں شیعہ مذہب کی اشاعت کی اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ شاید ہی کوئی گھر ہوگا جس میں ایک دو آدمی اس مذہب کے قائل اور شیعہ خیالات سے متاثر نہ ہوں، لیکن چونکہ یہ صورت، حالات سے ناواقفیت اور غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، اس لیے اس کتاب میں اس کے تدارک کا انتظام کیا گیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تحفہ اثنا عشریہ ۱۲۰۰ھ یعنی نومبر ۱۷۸۵ء کے بعد شائع کی۔ کتاب کا شائع ہونا تھا کہ دنیائے شیعیت میں ایک ہلچل مچ گئی خصوصاً مرکز شیعیت لکھنو کے شیعہ علماء نے اس کے جواب کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ تحفہ اثنا عشریہ کی صحیح اہمیت کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوا جب ہم نے شیعہ علماء کے حالات پڑھے اور دیکھا کہ کس کثرت سے انہوں نے اس کی تردید میں قوت بیان صرف کی ہے۔'' جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے پہلے اکابر شیعہ علماء کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اس کتاب کے اثر کو زائل کرنا تھا اور اس میں بہتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ گیا۔ علمائے لکھنو میں سب سے ممتاز نام مولوی دل دار علی مجتہد اوّل کا ہے۔ انہوں نے چھ کتابیں اور رسالے شاہ عبدالعزیزؒ کی تحریروں کی تردید میں لکھے...... حکیم مرزا محمد کامل دہلوی نے تحفہ کے جواب میں نہ صرف ''نزہت اثنا عشریہ'' لکھی بلکہ ان مباحث سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جو تحفہ کی اشاعت سے پیدا ہوئے تھے انہوں نے اپنی عمر صرف کر دی...... اسی طرح مفتی محمد قلی کنتوری کا وظیفۂ حیات ہی تحفہ اثنا عشریہ کی تردید معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے تشئید المطائن و کشف الضغائن، سیف ناصری، تقلیب المکائد، مصارع الافحام اور برہان سعادت میں تحفہ کا جواب دیا۔ لیکن ان کے علاوہ بھی کئی کتابیں تھیں جو تحفہ کے جواب میں لکھی گئیں، مثلاً مولوی دل دار علی کے جانشین سلطان العلماء سید محمد صاحب کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ انہوں نے تحفہ کے جواب میں رسالے لکھے۔ ان مباحث کی گونج دور دور تک پہنچی...... مثلاً: ''آسودگانِ ڈھاکہ'' میں حکیم حبیب الرحمٰن صاحب ڈھاکہ کے ایک مشہور شیعہ رئیس میر اشرف کی نسبت لکھتے ہیں کہ کتاب'' تحفہ اثنا عشریہ'' ڈھاکہ پہنچی تو میر اشرف علی نے تحفہ کا ⇦⇦⇦

دیا تا کہ اہل سنت کو اس پر سند پکڑنے کا موقع نہ ہو، لیکن حضرت امیر کی کرامت ہے کہ اوصاف مذکورہ اس پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ اس سے مراد کون ہیں۔ اسی واسطے نہج البلاغہ

⇦⇦⇦ جواب لکھنے کے لیے دس ہزار روپیہ عراق بھیجا تھا۔'' یہ میر اشرف فارسی کے مشہور شاعر سید محمد آزاد جہانگیری اور اردو کے مشہور ادیب نواب سید محمد کے پردادا تھے لیکن حکیم حبیب الرحمٰن کے بیان کے مطابق یہ دونوں صاحبان اہل سنت ہو گئے تھے۔

یہاں پر ایک لطیفہ کا ذکر مناسب ہوگا جسے مفتی انتظام اللہ شہابی نے ''غدر کے چند علماء'' نامی کتاب میں صفحہ ۱۵ پر امیر الروایات صفحہ ۴۰ سے لکھا ہے کہ ''دلی میں علم و فضل کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا گھرانہ فارسی میں بھی یگانہ حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی فارسی دانی اور زبان کی شہرت عام تھی، جب تحفہ اثنا عشریہ لکھنؤ پہنچی تو نواب آصف الدولہ نے مجتہدین شیعہ سے درخواست کی کہ تحفہ کا جواب لکھا جائے۔ مجتہدین میں سے مولوی دلدار علی نے جواب لکھنے کا بیڑا اٹھایا لیکن تحفہ کی زبان چونکہ بے نظیر تھی اس لیے مرزا قتیل سے کہا گیا کہ مضامین قبلہ و کعبہ لکھیں اور آپ ان کو اپنی عبارت میں ادا کریں تا کہ مضامین کا جواب مضامین سے اور عبارت کا جواب عبارت سے ہو جائے...... مرزا قتیل نے معذرت کر لی...... ناچار مولوی دل دار علی نے اپنی ہی عبارتوں میں تحفہ کا جواب لکھا...... جب قبلہ و کعبہ جواب لکھ چکے تو نواب صاحب نے مرزا قتیل کے سامنے پیش کیا اور پوچھا کیسا جواب ہے۔ مرزا قتیل نے کہا کہ اگر گرنا گوارِ خاطر نہ ہو تو کچھ عرض کروں، نواب صاحب نے فرمایا کہ فرمائیے۔ مرزا قتیل نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ قبلہ و کعبہ کو تو اپنی کتاب کا نام بھی رکھنا نہ آیا۔ شاہ صاحب تو تحفہ پیش کرتے ہیں اور قبلہ و کعبہ تحفہ کے جواب میں ذوالفقار (نامی کتاب)۔ اس کے بعد نواب نے فرمایا کہ اچھا عبارت کی نسبت کچھ کہیے قتیل نے کہا کہ حضور کہاں جائس کا جلاہہ (قبلہ و کعبہ جائس کے رہنے والے تھے) اور کہاں دلی کی سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا شہدا۔

الغرض! تحفہ کے اثر کو زائل کرنے کے لیے علماء شیعہ نے جو محنت شاقہ برداشت کی وہ نقش بر آب ثابت ہوئی اور مذہبی تاریخ کا طالب علم یہ رائے قائم کرنے میں حق بجانب ہوگا کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں شیعہ مذہب کو جو فروغ حاصل ہوا تھا اسے روکنے میں تحفہ اثنا عشریہ نے بہت اہم خدمت انجام دی:

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

شاہ عبدالعزیزؒ نے بروز اتوار ۷ شوال ۱۲۳۹ھ بعمر ۸۰ سال بعد نماز فجر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا انا للہ و انا الیہ راجعون. اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پہلو میں مہندیوں میں دفن ہوئے۔ حکیم مومن خان مومن نے جو اپنے اصلی نام حبیب اللہ سے نہیں بلکہ شاہ صاحبؒ کے دیے ہوئے نام مومن خان سے زیادہ مشہور ہوئے تاریخ کہی:

انتخاب نسخۂ دیں مولوی عبدالعزیز
بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل

⇦⇦⇦

کے شارحین نے ''فلاں'' کے لفظ کی تعیین میں اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ مراد ابوبکرؓ ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ عمرؓ ہیں، لیکن اکثر شراح نے اوّل ہی کو ترجیح دی ہے۔

اب ان جوابات کو سننا چاہیے جو کہ علمائے شیعہ نے اس قول کی نسبت دیے ہیں:

جواب اول:...... حضرت علی گاہ گاہ اوصاف اور لیاقت شیخین کی اس لیے بیان کر دیا کرتے تھے کہ لوگ ان کے معتقد تھے اور ان کی حسن سیرت اور خوبی انتظام کے قائل تھے، بپاس خاطر لوگوں کے ان کی تعریف کرنا مناسب وقت تھا۔ پس یہ کلمات بھی اسی قبیل سے ہیں۔ لیکن یہ جواب لائق تسلیم کرنے کے نہیں ہے، اس لیے کہ کوئی عاقل منصف اس کو نہ مانے گا کہ ایک معصوم دس جھوٹ صرف دنیا کی ایک آسان غرض کے واسطے، یعنی چند شخصوں کی دل داری کے لیے وہ بھی یقینی نہ تھی اپنی زبان سے کہے اور ان لوگوں کی تعریف کرے جنہوں نے خدا و رسول کا صریح عصیان کیا اور دین اسلام کو چھوڑ کر ارتداد پر کمر باندھی اور خدا کی کتاب کی تحریف کی اور دین محمدی کی تبدیلی کی حالانکہ حدیث صحیح میں وارد ہے: (اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضَبَ الرَّبُّ) کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو خدا غضب میں آجاتا

⇦⇦⇦ جانب ملک عدم تشریف فرما کیوں ہوئے
آگیا تھا کہیں مردوں کے ایماں میں خلل
ہے ستم اے چرخ تو کس کو یہاں سے لے گیا
کیا کیا یہ ظلم تو نے بیکسوں پر اے اجل
کیا کس و ناکس پہ تھا صدمہ کیا جس وقت دفن
ڈالتا تھا خاک سر پر ہر عزیز و مبتذل
جب اُٹھائی لاش ایک عالم تہ و بالا ہوا
لوٹتا تھا خاک پر ہر قدسئ گردوں محل
مجلس درد آفریں تعزیت میں میں بھی تھا
جب پڑھی تاریخ مومن نے یہ آکر بے بدل
دست بیداد اجل سے بے سروپا ہو گئے
فقر و دین فضل و ہنر، لطف و کرم ، علم و عمل

(شیخ محمد فراست ۱۲۳۹ء)

ہے۔ پس جب ایک فاسق کی تعریف سے خدائے جل شانہ غضب میں آئے تو ایسے شخص کی تعریف سے جو محرف کتاب اللہ اور مبدل دین خدا ہو اور جس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو بھلا دیا ہو اور اس کے وصی کے حقوق کو غصب کیا ہو اور اس کی اولاد کو ستایا ہو اور کوئی دقیقہ ظلم اور جبر کا خاندانِ رسول پر نہ چھوڑا ہو تو ایسے شخص کی تعریف سے معلوم نہیں خداوند عالم کس قدر غضب میں آیا ہو گا اور اس کا باعث کون ہوا ہو گا۔ شیعوں کے دین اور دیانت اور عقل وفراست سے نہایت ہی بعید ہے کہ ایسے معصوم کی نسبت جیسے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ تھے ایسی معصیت کا اطلاق کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ایسی تعریف کرنے کی کیا ضرورت تھی، کون سا لشکر باغی ہو گیا تھا کہ جس کا راہ راست پر آنا بغیر ایسے جھوٹ بولنے اور قسمیں کھانے کے ممکن نہ تھا۔ اگر صرف دل دہی حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کے معتقدین کی منظور تھی تو صرف تعریف ان کی جس میں ذکر ان کے انتظامِ خلافت کا ہوتا کافی تھی تا کہ مطلوب بھی حاصل ہو جاتا اور بہت جھوٹ بھی نہ بولنا پڑتا بلکہ ایسے مضامین جیسے کہ اس عبارت میں مذکور ہیں معصوم کی زبان سے ادا ہونا اور اس کو باطل اور غلط سمجھنا اور اس کو جھوٹ اور غلط کہنا در حقیقت ان کی معصومیت میں داغ لگانا ہے۔''

اس جواب کو علامہ کنتوری نے بجواب ''تحفہ اثنا عشریہ'' اس طرح پر رد کیا ہے کہ یہ دعویٰ تحفہ کا محض جھوٹ ہے، کسی شیعہ نے یہ توجیہہ نہیں کی اور ایسی توجیہات کی شیعوں کو ضرورت بھی نہ تھی، اس لیے کہ ان توجیہات کی اس وقت ضرورت ہوتی جب کہ شیعوں کی کتابوں میں بجائے لفظ فلاں لفظ ابوبکر موجود ہوتا اور جب وہ لفظ ہی کتب شیعہ میں موجود نہیں ہے تو ان کو ایسی توجیہات کی احتیاج کیا ہے۔ وھذہ عبارتہ:

((قولہ عمدہ آں توجیہات نزد ایشاں آنست الخ قولنا ایں ادّعا کذب محض است۔ احتیاج ایں توجیہات شیعہ را وقتی افتادکہ درکتب شیعہ بجای لفظ فلاں لفظ ابوبکر رضی اللہ عنہ موجودمی بود وچوں لفظ ابوبکر رضی اللہ عنہ در کتب شیعہ موجودنیست ایشاں را

احتیاج هیچ یك از توجیهات نیست پس آنچه ناصبی بعد تقریر ایں توجیهات از هذیانات خود سر کرده از جهت ابتنای آں بر فاسد از قبیل بناء الفاسد علی الفاسد باشد .))

”توجیہات کی بابت علامہ کنتوری نے تحفہ اثنا عشریہ کی تردید میں لکھا ہے کہ اس توجیہہ کو شیعوں کی جانب منسوب کرنا سفید جھوٹ ہے کیونکہ اس قسم کی توجیہہ کی شیعوں کو اس وقت ضرورت ہوتی جبکہ شیعہ کتب میں لفظ فلاں کے بجائے لفظ ابوبکرؓ ہوتا اور جبکہ کتب شیعہ میں لفظ ابوبکر پایا ہی نہیں جاتا، اس لیے ان کو کسی قسم کی توجیہہ کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ سنیوں نے خود ہی اپنے ہزیانات کی توجیہہ کی ہے اور یہ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔“

یہ جواب علامہ کنتوری کا غلط ہے اور جو انہوں نے خاتم المحدثینؒ صاحب تحفہ کی نسبت فرمایا کہ ادعای کذب محض است، وہی ہم علامہ مجیب کی نسبت کہتے ہیں کہ ایں جواب کذب محض ست، اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ خود شیعوں کے علماء نے لکھا ہے کہ مراد فلاں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ ابن میثم بحرانی [1] جو محققین شیعہ سے ہیں شرح نہج البلاغہ میں فلاں کے لفظ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ مراد فلاں سے ابوبکرؓ ہیں یا عمرؓ لیکن میرے نزدیک مراد فلاں سے ابوبکرؓ ہیں۔ وهذه عبارته:

((اقول ان رادته لابی بکر اشبه من ارادته لعمر .))

”میں کہتا ہوں (اس فلاں) سے ابوبکر مراد لینا بہ نسبت عمر کے زیادہ بہتر ہے۔“

غرض معلوم نہیں باوجود اس کے کہ ابن میثم بحرانی سا متبحر فاضل جس کے علم اور تقدس پر

---

[1] ابن میثم بحرانی۔ ان کا پورا نام کمال الدین میثم بن علی میثم البحرانی ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ خواجہ نصیر الدین طوسی نے فقہ کمال الدین میثم سے اور میثم نے حکمت خواجہ سے پڑھی تھی۔ فلسفی، محقق، صاحب حکمت اور نہج البلاغہ کی شروحات کے مصنف تھے۔ ۶۷۹ھ میں وفات پائی اور ماخوذ کے قریب ایک بستی ہلتا میں دفن ہوئے۔ (الکنی والالقاب جلد ۱ صفحہ ۴۱۹) (شیخ محمد فراست)

ملا باقر مجلسی کو ناز ہے فلاں کے لفظ سے ابوبکرؓ مراد لیتا ہے اور اس کے باوجود جناب علامہ کنتوری اس سے انکار فرماتے ہیں اور صاحب تحفہ کی جناب میں کذب کی نسبت کرتے ہیں...... شاید علامہ موصوف کی یہ غرض ہوگی کہ برائے نام تحفہ کا جواب تو لکھنا شروع کر دیا ہے اور حقیقت میں ایسی روایتوں کا کچھ جواب نہیں ہے، اس لیے اس سے انکار ہی کر دینا مناسب ہے تاکہ عوام کی نظروں میں وقعت پیدا ہو جائے اور وہ شاہ صاحب کو جھوٹا جانیں لیکن یہ نہ سمجھے کہ خدا نے ہر فرعون کے پیچھے ایک موسیٰ کر دیا ہے، علماء اہل سنت کب پیچھا چھوڑیں گے اور کس طرح دار و گیر سے نجات دیں گے اور ابن میثم کے قول کو دکھلا کر (الا لعنة الله على الكاذبين) پڑھنے لگیں گے۔

اور قطع نظر اس کے کہ لفظ فلاں سے مراد ابوبکرؓ ہیں یا نہیں جو توجیہہ شیعوں کی جناب صاحب تحفہ نے بیان کی ہے وہ خود شیعوں کے علماء کے قول سے ثابت ہے اور اس کا لفظ بہ لفظ ان کی عبارت کے مطابق ہے۔ چنانچہ ابن میثم بحرانی جو نہایت نامی علمائے شیعہ سے ہے اسی شرح نہج البلاغہ میں لکھتا ہے کہ شیعوں نے اس کے دو جواب دیے ہیں منجملہ ان دو کے ایک یہی ہے جسے شاہ صاحبؒ نے بیان کیا ہے، چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے:

((جازان يكون ذالك المدح منه على وجه استصلاح من يعتقد صحة خلافة الشيخين و استجلاب قلوبهم بمثل هٰذا الكلام.))

”ہوسکتا ہے کہ ان کی یہ تعریف ان لوگوں کے پاس خاطر کے لیے ہو جو شیخین کی خلافت کی صحت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اس قسم کی بات سے ان کے دل جیتنا مقصود ہو۔“

افسوس ہے کہ علامہ کنتوری مر گئے ورنہ میں ان کے پیشوا اور مجتہد کی اس عبارت کو ان کے سامنے کر کے عرض کرتا کہ حضرت ”ادعای شاہ صاحب کذب محض ست یا انکار جناب کذب محض ست، لیکن چونکہ سنتا ہوں کہ ان کے صاحبزادہ زندہ ہیں اور کتاب استقصاء

الافخام کی تحریر پر ناز کر رہے ہیں، خدا کرے کہ کوئی شخص ان کے سامنے اس عبارت کو رکھ دے اور ان کے پدر بزرگوار کی قلعی ان کے سامنے کھول دے۔

دوسرا جواب:......علماء شیعہ سے بعضوں نے جواب دیا ہے کہ مراد فلاں سے کوئی اور ہی آدمی ہے منجملہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے جو کہ حضرت کے سامنے ہی وفات کر گیا اور دنیا میں فتنہ وفساد کے وقوع سے قبل رخصت کر گیا اور علامہ راوندی نے جو علماء شیعہ سے ہیں اسی قول کو پسند کیا ہے۔ لیکن ذرا سوچنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ قول نہایت ہی پوچ اور بے بنیاد ہے، اس لیے کہ اس خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں سے تعریف کی ہے کہ وہ شخص خود حلت کر گیا اور لوگوں کو شاخ در شاخ راہوں میں چھوڑ گیا کہ کوئی گمراہ ہدایت نہیں پاسکتا۔ پس جو شخص پیغمبر ﷺ کے سامنے مر گیا ہو اس کی نسبت یہ تعریف کیوں کر صادق ہوسکتی ہے۔ کسی کے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ پیغمبر ﷺ کے موجود ہونے کے باوجود کسی کے مرنے سے اس قدر خرابی ہوئی ہو کہ لوگ شاخ در شاخ راہوں میں پڑ گئے ہوں، پس کیوں کر حضرت امیر المومنین کسی ایسے آدمی کی نسبت جو پیغمبر ﷺ کے سامنے مر چکا ہو یہ تعریف فرماتے اور جو بات ایک ادنیٰ آدمی سے نہیں نکل سکتی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے۔ غرض کہ صاف ظاہر ہے کہ مراد حضرت کی فلاں سے ایسا ہی آدمی ہے جو کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ کی وفات کے بعد مرا ہو اور جس کے مرنے کے بعد لوگ شاخ در شاخ راہوں میں پڑ گئے ہوں اور ایسا آدمی کوئی نہیں ہے سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے، اور جس کسی کو ان میں سے حضرات شیعہ لفظ فلاں سے مراد لیں ہمارا مطلب حاصل ہے۔

اس جواب کا علامہ کنتوری نے بجواب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے عجیب جواب دیا ہے کہ جس سے نہ انکار نکلتا ہے نہ اقرار، اور جس کے لفظوں سے اور عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کنتوری پر آنے جانے کی راہ بند ہے اور ایسی بردمات میں بے چارہ گرفتار ہے کہ کچھ نہیں کرسکتا اور شاہ صاحب قدس سرہ کی تقریر کا کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ وھذہ عبارتہ:

((قـولـه و بـعـضـے امامیه گفته اندکه مراد آنجناب ازیں مرد شخصے دیگر ست از جمله صحابه رسول الخ قولنا دانستی که بنا بر تصریح ابن ابی الحدید ایں قول قطب راوندی ست و هیـچك از امامیه و غیر امامیه پیش ازیں ابی الحدید سوائے قطب الدین راوندی شرح کتاب نهج البلاغه نه نوشته .))

''شیعوں کا کہنا ہے کہ آنجناب کی مراد ''اس شخص سے'' جملہ صحابہ کرامؓ میں سے ایک دوسرا شخص ہے۔ ہماری بات آپ جانتے ہیں کہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ یہ قول دراصل قطب راوندی کا ہے جو انہوں نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے جسے سوائے ان کے کسی شیعہ یا غیر شیعہ نے نہیں لکھا ہے۔''

لیکن اس تقریر سے یہ ظاہر ہے کہ علامہ کنتوری نے اس قول کو تسلیم کر لیا اور مثل پہلے جواب کے اس سے انکار نہیں کیا اور شاہ صاحبؒ کو کاذب نہیں بنایا۔

باقی رہا یہ امر کہ کسی نے شرح نہج البلاغہ کی قطب الدین راوندی سے پہلے لکھی ہے یا نہیں وہ بحث سے خارج ہے، پس حضرات شیعہ کو چاہیے کہ اپنے علماء کے جواب کا خیال کریں کہ جب چاروں طرف سے راہ بند ہو جاتی ہے تو کیسا سکوت کر جاتے ہیں اور اصل مطلب کو چھوڑ کر خارج از بحث گفتگو کرنے لگتے ہیں لیکن ہم بایں نظر کہ شاید کوئی شیعہ اپنے بزرگ قطب الدین راوندی کے قول سے براہِ جہالت یا بوجہ دھوکہ دہی انکار کرے اس کی اصل عبارت کو بھی نقل کرتے ہیں:

((فَـاِنَّـهٗ قَالَ فِیْ الشَّرْحِ اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّـلامَ یَمْدَحُ بَعْضَ اَصْحَابِهٖ بِـحُسْنِ السِّیْرَةِ وَاَنَّه مَاتَ قَبْلَ الْفِتْنَةِ الَّتِیْ وَقَعَتْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ .))

''انہوں نے شرح میں کہا ہے کہ (امیر المومنین) علیہ السلام اپنے بعض اصحاب کے حسن سیرت کی تعریف کر رہے ہیں اور یہ کہ اس فتنہ سے پہلے وہ انتقال کر

گئے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد رونما ہوئے۔''

تیسرا جواب: ......بعض علمائے امامیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ غرض امیر المومنینؓ کی اس قول سے توبیخ عثمان تھی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ وہ سیرت شیخینؓ پر نہیں چلے اور ان کے زمانہ میں فتنہ وفساد بہت ہوا......

لیکن یہ جواب پچھلے دونوں جوابوں سے بھی زیادہ پوچ ہے۔ اس لیے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو توبیخ اور طرح پر بھی ہوسکتی تھی اور فقط یہ کہہ دینا کہ وہ سیرت شیخینؓ پر نہیں چلے حصول مطلب کے لیے کافی تھا اس جھوٹ بولنے سے معصومؑ کو کیا حاصل تھا...... علاوہ بریں اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سیرت شیخینؓ حضرت امیرؓ کے نزدیک بھی پسندیدہ تھی۔ اگر حضرات شیعہ اس امر کو مانیں تو خلافت شیخینؓ کی اس سے ثابت ہوتی ہے اگر نہ مانیں اور سیرت شیخین کو پسندیدہ نہ کہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی سیرتِ ناپسندیدہ کے چھوڑنے پر توبیخ کے کیا معنی؟ لیکن علاوہ ان باتوں کے یہ جواب کسی طرح پر تسلیم کے لائق نہیں، اس لیے کہ سیرت شیخینؓ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہرگز اس عبارت میں مذکور نہیں ہے نہ صراحتاً نہ اشارتاً۔ اور یہ عبارت حضرت امیرؓ نے خطبہ ہائے کوفہ میں ارشاد فرمائی ہے، اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہاں تھے اور فتنہ وفساد کہاں۔ اور اگر توبیخ عثمان رضی اللہ عنہ حضرت امیر کو منظور ہوتی تو صراحتاً کیوں نہ فرماتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا ایسا کیا اور ان کے زمانہ میں فتنہ وفساد پیدا ہوا۔

اگر کوئی کہے کہ صاف کہنے میں لوگوں کی مخالفت کا ڈر تھا اس کا جواب یہ ہے کہ جس بات کا ڈر تھا، یعنی مخالفت اہل شام وہ موجود ہی تھی اور صرف حضرت عثمانؓ کے قتل کے بہانے سے اہل شام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پھر گئے تھے اور نوبت مقاتلہ اور مجادلہ کی پہنچ چکی تھی، پس اس سے زیادہ صاف کہنے میں کس مضرت کا اندیشہ تھا...... شاید شیعوں نے یہ مثل نہیں سنی کہ (انا الغریق فما خوفی من البلل) ''یعنی میں ڈوبا ہوا ہوں پھر مجھ کو بھیگنے کا کیا ڈر ہے۔''

علامہ کنتوری نے بجواب تحفہ کے اس جواب کا یہ جواب دیا ہے کہ کسی نے علمائے امامیہ سے یہ توجیہہ جو صاحب تحفہ بیان کرتے ہیں نہیں کی، گویا علامہ موصوف نے پہلے جواب کے

مثل اس جواب سے بھی انکار کیا اور اس کو شاہ صاحبؒ کا جھوٹ تصور کیا۔ کما قیل:

((قوله بعضے از امامیه چنیں گفته اندکه غرض حضرت امیر توبیخ عثمانؓ و تعریض براو بود الخ قولنا ، هیچك از امامیه ایں توجیهه نکرده مگر ابن ابی الحدید در شرح ایں کلام ایں مقابله رابطرف جارودیه که از فرق زیدیه ست نسبت داده الیٰ قوله بعض مقاله زیدیه ست نسبت داده الی قوله بعض مقاله زیدیه رابا مامیه نسبت دادن کذب صریح ست .))

''بعض شیعوں نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ کا مقصد حضرت عثمانؓ کو ڈانٹ ڈپٹ تھی۔ اور ہم کہتے ہیں کہ شیعوں میں سے کسی نے ایسی کوئی توجیہہ نہیں کی، البتہ ابن ابی الحدید نے اس کلام کی شرح میں اس مقابلہ کو فرق زیدیہ کے فرقہ جارودیہ کی جانب منسوب کیا ہے اور فرقہ زیدیہ کے اقوال کو شیعوں کا قول بتانا صریح جھوٹ ہے۔''

لیکن یہ جواب علامہ کنتوری کا پہلے جواب کے مثل غلط ہے، اس لیے کہ خود علمائے امامیہ نے اس جواب کو قبول کیا ہے اور اس سے انکار نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کنتوری نے ان اقوال کو ملاحظہ نہیں فرمایا، اس لیے اس سے انکار فرمایا یا دیدہ و دانستہ عوام کو دھوکہ دیا۔ اگر کسی کو علامہ کنتوری کی جہالت یا دھوکہ دہی دریافت کرنا منظور ہو تو وہ ابن میثم بحرانی کی تحریر کو ان کی شرح نہج البلاغہ میں دیکھے، چنانچہ بلفظہ ہم اس عبارت کو نقل کرتے ہیں اور علمائے شیعہ کی خدمت میں اسے تحفتاً پیش کرتے ہیں:

((واعلم ان الشیعة قداوردوا ههنا سوا لاً فقالوا ان هذه الممادح التی ذکرها علیه السلام فی احد هذین الرجلین ینافی ما اجمعنا علیه من تخطیتهما اخذ هما المنصب الخلافة فاما ان یکون هذاالکلام من کلامه علیه السلام او ان

یکون اِجْمَاعُنا خطأً ثم اجا بوا من وجهین احدهما لانسلم التنا فی المذکور فانه جازان یکون ذلك المدح منه علیه السلام علی وجه استصلاح من یعتقد صحة خلافة الشیخین واستجلاب قلوبهم بمثل هذا الکلام الثانی انه جاز ان یکون مدحه ذالك لاحد هما فی معرض توبیخ عثمان لوقوع الفتنة فی خلافته واضطراب الامر علیه واسارة سب مال المسلمین هو و بنوابیه حتی کان ذلك سببا لثوران المسلمین من الامصار وقتلهم له و ینبیه علی ذالك قوله و خلف الفتنة وذهب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیر هاو سبق شرها وقوله و ترکهم فی طرق متشعبة الی اخره فان مفهوم ذلك یستلزم ان الوالی بعد هذا الموصوف قد اتّصف باضداد هذه الصفات . والله اعلم))

””شیعوں نے اس قول کی نسبت یہ بحث کی ہے کہ یہ تعریف حضرت امیرؓ کی بہ نسبت ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہما کے ہمارے اجماع کے مخالف ہے جو بہ نسبت ان کے خاطی ہونے کے ہے کہ انہوں نے منصب خلافت کو غصب کیا اور جور وظلم کیا، پس دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ کلام حضرت امیر علیہ السلام کا نہیں ہے یا اجماع ہم شیعوں کا بہ نسبت خطا شیخین کے غلط ہے، اور شیعوں نے دوطرح سے اس کا جواب دیا ہے، اوّل یہ کہ ہم مخالفت کو اس طرح سے دفع کرتے ہیں کہ جائز ہے کہ یہ تعریفیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہما کے بنظر استمالہ قلوب ان آدمیوں کے تھیں جو کہ شیخینؓ کی حسن سیرت اور صحت خلافت کے معتقد تھے، دوسرے یہ کہ یہ تعریفیں بنظر توبیخ عثمانؓ کے تھیں کہ امر خلافت ان کے زمانہ میں فتنوں کے ظہور کے سبب سے ابتر ہو گیا اور مسلمانوں نے بلوہ کر کے ان کو قتل

کیا، اور یہ جواب قرین قیاس ہے، اس لیے کہ خطبے کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو خلیفہ اس کے بعد جس کی تعریف حضرت علی رضی اللہ عنہ کرتے ہیں ایسا تھا کہ جس میں صفت متذکرہ کے اضداد جمع تھے۔ واللہ اعلم‘‘

علامہ بحرانی کی اس تحریر سے چند فائدے حاصل ہوئے:

ا۔ یہ کہ جو انکار علامہ کنتوری نے کیا تھا کہ (هیچك از امامیه این توجیهه نکرده) ’’یعنی امامیہ میں سے کسی نے یہ توجیہ نہیں کی ہے۔‘‘ اس کا بطلان ثابت ہو گیا اور انہیں کے مجتہد اور پیشوا کے اقرار سے ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہوا۔

۲۔ یہ معلوم ہوا کہ اولاً بجائے فلاں کے اصل خطبہ میں لفظ ابوبکرؓ یا عمرؓ کا تھا اور بعد میں اصل لفظ کو بدل کر لفظ فلاں لکھ دیا، اس لیے کہ کیوں کہ عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ حضرت امیر سا فصیح و بلیغ ایسے خطبے میں لفظ مبہم فرمائے اور بجائے نام کے حرف فلاں ارشاد کرے۔

۳۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک جب کہ علامہ بحرانی نے شرح نہج البلاغہ لکھی تمام شیعہ لفظ فلاں سے یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ مراد لیتے تھے، اس لیے کہ شارح موصوف شیعوں کے قول کو نقل کر کے کہتا ہے (فقالوا ان هذا الممادح التی ذکرها علیه السلام فی احد هذین الرجلین) کہ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ ممدوح دو میں سے ایک ہے یا ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہما۔

۴۔ اس تحریر سے قطب الدین راوندی کی تقریر مہمل ہو گئی یعنی انہوں نے اپنے بچانے کے لیے یہ توجیہ کی کہ مراد فلاں سے وہ شخص ہے جو کہ پیغمبر خداؐ کے سامنے مر چکا تھا۔ اس لیے کہ اگر اس تقریر کو اور علماء شیعہ قبول کر لیتے اور اس کو مہمل جان کر مطروح نہ کر دیتے تو ایسی تاویلات کی حاجت نہ ہوتی جو علامہ بحرانی نے شیعوں کی طرف سے بیان کی ہیں۔

اگرچہ اس تحریر سے جو ہم کر چکے سب مطلب حاصل ہو گیا اور علماء شیعہ کی توجیہات کا

پوچ اور بیہودہ ہونا ثابت ہوگیا۔لیکن ہم ذرا اس امر کی اور تصریح کرتے ہیں کہ لفظ فلاں سے علماء شیعہ کے نزدیک دو ہی شخص مراد ہیں یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ، چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ ''تحفہ'' میں فرماتے ہیں:

((ولهٰذا شارحين نهج البلاغه از اماميه در تعيين فلاں اختلاف كرده اند بعضے گفته اند كه مراد ابوبكرؓ ست و بعضے گفته اند عمرؓ ست .))

''اس لیے شیعوں میں سے نہج البلاغہ کے شارحین میں ''فلاں'' کی تعین میں اختلاف ہے کچھ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ مراد ہیں تو کچھ کہتے ہیں عمرؓ مراد ہیں۔''

یعنی ملا کمال الدین جو شیعوں کے ایک نامور عالم ہیں شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ ''فلاں'' کے لفظ سے مراد لینے میں اختلاف ہے، قطب الدین راوندی جو شیعوں کے ایک بڑے عالم ہیں کہتے ہیں کہ حضرت امیر کی مراد اس ''فلاں'' سے کوئی دوسرا آدمی ہے جو کہ پیغمبرؐ کے سانے دنیا سے رحلت کر گیا تھا اور ابن ابی الحدید کا قول ہے کہ مراد اس سے عمر ہیں لیکن میرے نزدیک مراد ''فلاں'' سے ابوبکرؓ ہیں...... فقط اس کو دیکھ کر حضرات شیعہ کو چاہیے کہ اپنے محدثین اور علماء کے جوابات پر خیال کریں کہ باوجود موجود ہونے ایسی روایات کے اس سے انکار کرتے ہیں اور حضرت مؤلف تحفہ قدس سرہ کو جھٹلاتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ [1]

اگرچہ عبارت جناب امیرؓ کی اظہار فضائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ایسی صریح اور صاف ہے کہ اس کے سننے کے بعد کسی قسم کا کوئی طعن ان پر شیعوں کی زبان سے نہیں نکل سکتا لیکن جو فضیلتیں ان لفظوں سے ظاہر ہوتی ہیں ان کو ذرا تفصیل سے ہم بیان کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ جناب امیرؓ نے اس خطبے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دس وصفوں کا بیان کیا ہے:

---

[1] بعض اصحابه فی زمن الرسول صلی الله علیه وسلم ممن مات قبل وقوع الفتن و انتشارها و قال ابن ابی الحدید ان ظاهر الاوصاف المذکورة فی الکلام یدل علی انه اراد رجلا ولی امر الخلافة قبله کقوله قوم الاود وداوی العمد ولم یرد عثمان لوقوعه فی الفتنه و سعها بسببه ولا ابا بکر لقصرمدة خلافته و بعد عهده عن الفتن و کان الاظهرا نه اراد عمر واقول ابن ارادته لابی بکر اشبه من ارادته لعمر۔۱۲

۱: یہ کہ خلق کو جو کجی میں گرفتار تھی نکال کر خدا کی راہ پر لائے اور ان کو راہِ راست دکھلائی۔

۲: امراض نفسانیہ کا اپنے وعظ و نصیحت سے معالجہ کیا۔

۳: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو قائم کیا۔

۴: ایسا انتظام کیا کہ کچھ فتنہ وفساد ان کے زمانہ میں نہ ہوا۔

۵: خاشاکِ ملامت سے پاک دامن گئے۔

۶: خلافت کی خوبی پائی اور اس کے شر سے محفوظ رہے۔

۷: خدا کی اطاعت جیسی کہ چاہیے بجالائے۔

۸: خوف اور تقویٰ کا حق بخوبی ادا کیا۔

۹: خلق خدا ان کے بعد حیرت اور تشویش میں پڑ گئی۔

۱۰: ان کے بعد لوگ مختلف ہو گئے۔

چنانچہ انہیں اوصاف کی تصریح میں مولانا صاحب تحفہ میں فرماتے ہیں:

((پس دریں عبارت سراسر بشارت ابوبکر را بده وصف عالی موصوف نموده.))

''پس اس عبارت میں صراحتاً ابوبکر کے لیے بشارت ہے کہ دس بلند اوصاف ان کے بیان کیے۔''

لیکن علامہ کنتوری اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

((ثبت الجدار ثم انقش اوّل ایں معنی باثبات بایدر سانید که مراد از لفظ فلاں دریں کلام ابوبکرؓ ست بعد ازاں بایں اوصاف اثبات فضل ابوبکرؓ باید نمود.))

''پہلے دیوار بناؤ پھر نقش و نگار کرو، پہلے تو یہ بات ثابت کرنا چاہیے کہ اس کلام میں لفظ فلاں سے ابوبکر مراد ہیں اس کے بعد ان اوصاف سے ابوبکرؓ کی فضیلت ثابت کرنا چاہیے۔''

اس کی تردید میں مولانا حیدر علی صاحب "ازالۃ الغین" میں فرماتے ہیں:

((بحمداللہ هم بناء دیوار محکم شد و هم نقش و نگار صورت بست و خود شراح نهج البلاغه آں اوصاف را که تلك عشرة كاملة عبارت ازانست به همیں عدد یاد کرده اند عبارت بحرانی بعد از ترجیح صدیق بایدشنید و صفه بامور احد هما تقويمة للاود و هوكناية عن تقويمة .)) [1]

"خدا کا شکر ہے کہ دیوار مضبوط ہوئی اس کے نقش و نگار ہویدا ہوئے۔ اور نہج البلاغہ کے شارحین نے خود ان اوصاف کو جو مکمل دس ہیں انہیں اعداد کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور عبارت بحرانی بعد ترجیح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قابل سماعت ہے۔"

اے مسلمانو! حضرات شیعہ کو دیکھو کہ کس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہر فضیلت سے انکار کر جاتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے اقرار کے باوجود صاف منکر ہو جاتے ہیں اور فضیحت اور رسوائی سے بالکل بے خوف ہو جاتے ہیں۔ اس علامہ کنتوری نے بایں فضیلت جب دیکھا کہ کچھ جواب ایسی روایتوں کا نہیں ہے، پس بہ مجبوری انکار کرنا شروع کیا اور لَا نُسَلِّمْ اور

---

[1] لاعوجاج الخلق عن سبيل الله الى الاستقامة فيها الثانى مداواته للعمدواستعار لفظ العمد للامراض النفسانية باعتبار استلزامه للاذى كا لعمد و وصف المداراة لمعالجة تلك الامراض بالمواعظ البالغة والزو اجر القولية والفعلية النافعة ، الثالث اقامه للسنتة ولزومها، الرابع تخليفه للفتنة اى موته قبلها و وجه كون ذالك مدحاله هواعتبار عدم وقوعها بسببه وفى زمانه لحسن تدبيره الخامس ذها به نقى الثوب واستعار لفظ الثوب لعرضه وقيامه به سلامته عن دنس المذام السادس فاعييو به السابع اصابة خير هاوسبق شرهاوالضميرفى موضعين يشبه ان يرجع الى العهودله مما هو فيه من الخلافة اى اصاف مافيها من الخيرالمطلوب وهوالعدل وقامة دين الله الذى به يكون الثواب الجزيل فى الآخرة والشرف الجليل فى الدنيا و سبق شرها اى مات قبل وقوع الفتنة فيها و سفك الدماء لاجلها الثامن اداه الى طاعته، التاسع القاه له بحقه اى ادى حقه خوفا من عقد بته العاشر رحيله الى الآخرة تار كا للناس بعده فى طرق متشعبة من الخيالات لايهتدى فيها من ضل عن سبيل الله ولا يستيقن المهتدى فى سبيل الله انه على سبيلا الاختلاف طرق الضلال و كثرة المخالف له ايهادا لوفى قوله و تركهم للحال۔ انتهى بلفظه ۱۲۔

لیس بصحیح کہہ کر اپنے جواب کو ختم کیا۔لیکن قطع نظر اس کے کہ خود علماء شیعہ نے اقرار کیا ہے کہ مراد فلاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالفرض اگر وہ اقرار بھی نہ کرتے تو بھی لفظ فلاں سے کوئی شخص مراد ہوگا یا ماسوائے حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے دوسرا کوئی ہو یا انہیں میں سے کوئی ایک ہو اگر کوئی تیسرا شخص مراد لیا جائے تو وہی شخص ہوگا جو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مر چکا تھا، جیسا کہ قطب راوندی نے دعویٰ کیا ہے اور جب کہ یہ صفتیں ایسے شخص کی نسبت جو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مر گیا ہو ثابت نہیں ہوسکتیں تو لامحالہ مراد فلاں سے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو پھر اس سے انکار کرنا اور بجواب تحفہ کے اپنے نامہ اعمال کی طرح چند ورق سیاہ کرنا بالکل عبث اور لغو تھا، اس سے تو یہی بہتر تھا کہ اس روایت سے ہر انکار کر جاتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنے سے منکر ہو جاتے یا اس کو تقیے پر محمول کر کے اپنے جواب میں صرف تقیے کا عذر پیش کرتے لیکن ان دو راہوں کو چھوڑ کر علامہ کنتوری کا تیسری راہ پر چلنا سراسر نادانی تھی، آخر اس کا لطف اٹھایا کہ جس امر سے انکار کیا اور جس روایت سے منکر ہوئے اسی کو ہم نے ان کی کتابوں اور ان کے علماء کے اقوال سے ثابت کر کے ان کو بدنام کیا:

((اے معاشر مسلمین رحمکم الله اکنون کجا ماند دعا وای لا طائله روافض که در مطاعن تقریر کرده هزاران رسائل و کتب رامثل نا مهای اعمال خود درسیاهی و تباهی گرفتند و انصاف باید داد که حالیا از عمده طعنهای رفضه که درا سفار کلامیه ایشاں مبسوط ست چیزے باقیست که بعد شهادت جناب مرتضوی حاجت به رد آں افتد پس برسوی عاقبت ایں قوم بنا لهای جانکاه باید گریست وریگ بیابانِ مذلت برسرهای ایشاں بارید ریخث .))

''اے گروہ مسلمان! اللہ تمہارے حال پر رحم کرے اب رافضیوں کے بے کار

دلائل دعویٰ کہاں باقی رہ سکتے ہیں جوانہوں نے (صحابہ رضی اللہ عنہم کی) برائیوں میں بیان کیے ہیں اور ہزاروں کتابیں اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کر کے تباہ ہوئے ہیں، انصاف کرو کہ شیعوں نے تمام طعنے جوان کتابوں میں تفصیل سے لکھے ہیں بہ حالت وضاحت کیا اب باقی رہ سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی جانب توجہ کی جائے، اس لیے ان رافضیوں کو اپنی بدانجامی پر نالہ وزاری کرتے ہوئے ذلت کے جنگلوں کی ریت اپنے سر پر ڈالنا چاہیے۔''

اگر حضرات شیعہ کو اب بھی سیری نہ ہوئی ہو اور ایسی روایتوں کے باوجود ان کی خاطر جمع نہ ہوئی ہو تو ہم ان کی تسکین کے لیے ابھی بہت سی سندیں اور روایتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں موجود رکھتے ہیں اور خود ائمہ کرام کی زبان سے اس کے ثابت کرنے پر مستعد ہیں جس کو سننا ہو وہ سنے۔

آٹھویں شہادت:

علی بن عیسیٰ اردبیلی امامی اثنا عشری نے اپنی کتاب "کشف الغمة [2] فی معرفة الائمة" میں لکھا ہے: [1]

((اِنَّہ سُئِلَ الْاِمَامُ اَبُو جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلَام عَنْ حُلِیَةِ السَّیْفِ ھَلْ

---

[1] علی بن عیسیٰ اردبیلی کا پورا نام بہاء الدین ابوالحسن علی بن حسین فخر الدین عیسیٰ بن ابی الفتح اردبیلی ہے۔ ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں موصل کے قریب اربل نامی ایک شہر میں پیدا ہوئے۔ تمام امامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ علی بن عیسیٰ اردبیلی ان کے عظیم ترین علماء میں سے ہیں۔ قمی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عالم و فاضل، شاعر، ادیب، اور بہترین املانگار تھے، ماہر محدث اور بزرگ ثقہ آدمی تھے، بے شمار فضائل و محاسن کے مالک "کشف الغمة فی معرفة الائمة" کے مصنف تھے ۶۸۷ھ میں اس کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔ ائمہ کی تعریف میں انہوں نے بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں کچھ "کشف الغمه فی معرفة الائمة" میں ذکر کیے گئے ہیں، ان کی کتاب "کشف الغمة" ایک نفیس جامع اور عمدہ کتاب ہے ۶۹۳ھ میں بغداد میں وفات ہوئی۔ (الکنی والالقاب جلد ۳ صفحہ ۱۴۔۱۵، قم ایران) ۱۲۔ (شیخ محمد فراست)

[2] "کشف الغمة فی معرفة الائمة" از علی بن عیسیٰ الاردبیلی جلد۲ صفحہ ۳۶۰، مطبوعہ جدید ایرانی مع ترجمہ فارسی المناقب۔۱۲

یَجُوْزُ فَقَالَ نَعَم قَدْ حَلّٰی اَبُوبَکْرِ الصِّدِّیْقُ سَیْفَہٗ بِالْفِضَّۃِ فَقَالَ الرَّاوِیَ تَقُوْلُ ھٰکَذَا فَوَثَبَ الْاِمَامُ عَنْ مَکَانِہٖ فَقَالَ نَعَم الصِّدِّیْقُ نَعَمْ الصِّدِّیْقُ نَعَمْ اَلصِّدِّیْقُ فَمَنْ لَمْ لَہٗ الصِّدِّیْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰہُ قَوْلَہ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ.))

''کسی شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ تلوار کے قبضہ کو حلیہ کرنا درست ہے یا نہیں تب امام نے جواب دیا کہ ہاں، اس لیے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلوار کے قبضہ پر بھی حلیہ چاندی کا تھا، راوی کہتا ہے کہ اس نے امام سے عرض کی کہ یا حضرت آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں، یہ سنتے ہی امام اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور کہنے لگے کہ ہاں وہ صدیق ہے ہاں وہ صدیق ہے ہاں وہ صدیق ہے جو کوئی اس کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے۔''

اس روایت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں:

پہلا فائدہ:......امام علیہ السلام کی زبان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونا اور صدیق ہونے سے ان کا تمام امت سے افضل ہونا لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ قواعدہ مقررہ منصوصہ قرآن سے یہ امر ظاہر ہے کہ پیغمبروں کے بعد صدیق کا مرتبہ ہے اور تمام امت سے صدیقین کا درجہ افضل ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًاؕ﴾ (النساء: ٦٩)

''سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی، صدیق، شہداء اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔''

دوسرا فائدہ:......امام سے جب سائل نے سوال کیا تو اس نے صرف ایک مسئلہ کا استفسار کیا اس کے جواب میں ہاں یا نہیں کہنا کافی تھا، مگر امام نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فعل کو سند لے کر جواب دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسائل دینی میں افعال صحابہ رضی اللہ عنہم پر تمسک کرنا چاہیے اور یہ حصہ صرف اہل سنت کو نصیب ہوا ہے حضرات شیعہ اس سے محروم ہیں، وہ کسی بھی مسئلے میں قول یا فعل صحابہ رضی اللہ عنہم کو سند نہیں جانتے، پس درحقیقت اماموں کے تابع اہل سنت ہیں نہ کہ شیعہ۔

تیسرا فائدہ :......امام سے جب سائل نے مسئلہ پوچھا اور انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کیا تو ان کو صدیق کہنا ضروری نہ تھا یہی کافی تھا کہ ابوبکر نام لیتے مگر امام کو ان سے ایسی محبت تھی کہ بغیر صدیق کے ان کا نام لینا ان کے دل کو گوارا نہیں ہوا، اس لیے اس لقب سے ان کو یاد کیا۔ پس یہ بڑی عمدہ دلیل محبت ائمہ کی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہے، افسوس حضرات شیعہ کی سمجھ پر کہ وہ ائمہ کو صحابہ کا دشمن جانتے ہیں۔

چوتھا فائدہ:......اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو سائل کے تعجب پر نہایت غصہ آیا اور جب اس نے پوچھا کہ آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں تو آپ کو اس قدر غیظ ہوا کہ اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور تین مرتبہ فرمایا ((نَعَمْ الصِّدِّيْقُ نَعَمْ الصِّدِّيْقُ نَعَمْ الصِّدِّيْقِ)) اور اسی پر قناعت نہ کی بلکہ یہ فرمایا کہ جو کوئی ان کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے...... پس حضرات شیعہ کو چاہیے کہ وہ ذرا انصاف سے اس روایت کو دیکھیں اور امام کی شہادت سے اپنے آپ کو خدا کے نزدیک دنیا و آخرت میں بہ سبب نہ تصدیق کرنے صدیقیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جھوٹا جانیں۔

پانچواں فائدہ:......اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والا شیعہ تھا اور صحابہ کا دشمن، اسی واسطے امام کے صدیق کہنے پر اس کو تعجب ہوا، اگر کوئی سنی ہوتا تو وہ تعجب نہ کرتا اور جب سائل کا شیعہ ہونا ثابت ہوا تو پھر موقع تقیہ کا بھی نہ رہا۔ ہاں، اگر سائل سنی یا ناصبی یا خارجی ہوتا تو تقیے کی گنجائش تھی۔

اب ہم حضراتِ شیعہ کے اقوال کو جو اس روایت کی نسبت ہیں بیان کر کے ان کا رد کرتے ہیں۔

پہلا قول:......قاضی نور اللہ شوستری نے ''احقاق الحق'' میں اس روایت سے انکار کیا ہے اور بہت کچھ زبان درازی فرمائی ہے اور صاف لکھا ہے کہ اس روایت کا کچھ پتہ نشان ''کشف الغمہ'' میں نہیں ہے بلکہ ایسی روایت کا ''کشف الغمہ'' میں موجود ہونا خلاف قیاس ہے، اس لیے کہ اس کتاب میں پیغمبر خدا ﷺ اور ائمہ اثنا عشر کا حال لکھا ہے نہ کہ ابوبکرؓ کا، تو کیا وجہ تھی کہ مؤلف اس کتاب کا ایسی روایت کو لکھتا، چنانچہ قاضی صاحب کی عبارت کا الفاظ یہ ہیں:

((وَكَذَا الْحَالُ فِيْمَا نَقَلَه عَنْ رَاسِ التَّعَصُّبِ وَالْحَيْفِ مِنْ حَدِيْثِ حُلِيَّةِ السَّيْفِ لَيْسَ ذَالِكَ فِى الكتابِ عَنْهُ خَبْرٌ وَلا عَيْنٌ وَلا اَثَرٌ وَاَيْضًا لا مُنَاسِبَةَ لِذِكْرِ ذَالِكَ فِىْ هٰذَا الْكِتَابِ المَقْصُوْدُ عَلٰى ذِكْرِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَالْاَئمَّةِ الْاِثْنَا عَشَرَ وَ ذِكْرُ اَسْمَاءِ هِمْ وَكُنَاهُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَاءِ هِمْ وَاُمَّهَا تِهِمْ وَمَوَالِيْدِهِمْ وَوَفْيَاتِهِمْ وَمُعْجِزَاتِهِمْ كَمَا لَايَخْفٰى عَلٰى مَنْ طَالَعَ هٰذَا الْكِتَابَ .))

''یہی حال اس روایت کا ہے جس کو بر بنائے تعصب نقل کیا ہے یعنی تلوار کے قبضہ پر چاندی والی حدیث کا کوئی اتہ پتہ کتاب میں نہیں ہے، نیز اس کتاب میں اس کا ذکر کرنا بھی غیر مناسب ہے کیونکہ اس کتاب کا مقصد نبی ﷺ اور ائمہ اثنا عشر کے اسماء، کنیّتوں اور ان کے والدین، ان کی جائے ولادت، وفات اور معجزات کا ذکر ہے، جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔''

پس اس قول کو دیکھ کر کون ایسا شیعہ ہوگا کہ جس کو اس روایت کے موجود نہ ہونے پر یقین نہ آئے گا اور سنیوں کے قول کو کیوں کر غلط نہ جانے گا لیکن الحمدللہ کہ کتاب ''کشف الغمہ'' اس ہندوستان میں صدہا جگہ موجود ہے جس کسی کو شک ہو وہ اس کو لے کر دیکھے کہ یہ روایت موجود ہے یا نہیں اور قاضی صاحب کی صداقت کو داد دے لیکن اگر کوئی شخص یہ خیال

کرے کہ شاید بعد میں کسی سنی نے یہ عبارت ملا دی ہے اور کتاب "کشف الغمہ" میں اس روایت کے موجود ہونے سے اس کو اطمینان نہ ہو تو اس کے اطمینان کے لیے ہم مجتہد صاحب کی کتاب کو پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے بفضلہٖ تعالیٰ اس روایت کے موجود ہونے سے کتاب مذکور میں اقرار کیا اور یہ توجیہہ فرمائی کہ یہ روایت مولف کتاب نے ابن جوزی سے جو کہ سنیوں کے عالم ہیں نقل کی ہے خیر جو کچھ ہو اس کی بحث ہم آئندہ کریں گے۔ فی الحال ہم کو قاضی نور اللہ شوستری صاحب کی تکذیب منظور ہے کہ انہوں نے اس روایت کے موجود ہونے سے ہی انکار کیا ہے اور اس کے واسطے ہم مجتہد [1] صاحب کی کتاب "طعن الرماح" کی عبارت نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے اس روایت کے موجود ہونے کا اقرار کیا ہے، وھو ھذہ:

((قال المجتهد القمقام فی طعن الرماح روایت الصدیق راسناد بکتب شیعیان نموده از کتاب کشف الغمة نقل کرده چون اتفاق مراجعت بآن کتاب شد مصنف آن که مولانا الوزیر علی بن عیسیٰ اردبیلی ست ابن جوزی که از

[1] یہاں مجتہد سے مراد سلطان العلماء سید محمد صاحب لکھنوی ہیں۔ آپ مولوی دل دار علی نصیر آبادی کے فرزند اکبر اور جانشین تھے۔ ۱۷ صفر ۱۱۹۹ھ۔ ۱۷۸۴ء کو بمقام لکھنو پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار نے خود تعلیم دی اور ۱۹ سال کی عمر ۱۲۱۸ھ میں مفصل اجازہ عطا فرمایا۔ شاہ اودھ امجد علی شاہ (تخت نشین ۱۲۵۸ھ) نے آپ کو سلطان العلماء کا خطاب اور مختار کل کا منصب پیش کیا، سلطان العلماء کا حکم سب پر فائق رکھا۔ شاہان اودھ (بالخصوص امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ) کے زمانے میں سلطان العلماء کو جو اقتدار حاصل تھا وہ ان کے والد بزرگوار کے حصہ میں بھی نہ آیا۔ تیرہویں صدی میں تمام شیعہ آپ کو مقتدائے اعظم مانتے تھے۔ شاہانِ اودھ کے وقت میں آپ کا وہی مرتبہ تھا جو بعض سنّی مما لک میں شیخ الاسلام کا ہوتا ہے۔ شمالی ہند میں شیعہ جماعت کی مذہبی تنظیم اور فروغ دینے کا جو کام آپ کے والد نے شروع کیا تھا اسے آپ نے کمال تک پہنچایا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ضربت حیدریہ (دو جلد) بجواب شوکت عمریہ، "طعن الرماح"، بارقہ ضیغمیہ در بحث متعہ جواب شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، بوارق موبقہ در بحث امامت، رد تحفہ وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔ پچاسی سال سے کچھ زیادہ عمر میں شب پنجشنبہ ۲۲ ربیع الاوّل ۱۲۸۴ء۔ ۱۸۶۷ھ کو لکھنو میں وفات پائی اور امام باڑہ غفران مآب میں مدفون ہوئے۔ ۱۲۔ (شیخ محمد فراست)

مشاهیر علمائے اهل سنت ست روایت مذکوره را نقل
کرده .))

''مجتہد اعظم نے کتاب ''طعن الرماح'' میں ، نعم الصدیق ، کی روایت کی اسناد کو شیعہ کتب کی جانب سے لکھا ہے اور اسے ''کشف الغمہ'' سے نقل کیا ہے، اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کے مصنف مولانا وزیر علی بن عیسیٰ اردبیلی ہیں، جوانہوں نے سنیوں کے عالم ابن جوزی سے نقل کی ہے۔''

اس تحریر سے مثل آفتاب نیمروز کے قاضی نور اللہ شوستری کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا اور خود مجتہد صاحب کی تحریر سے ان کے قاضی کا جس کو مولانا اور سیدنا کہہ کر اپنی کتابوں میں یاد کیا ہے افترا ظاہر ہو گیا۔ عجب حال ہے علماء شیعہ کا کہ جب کوئی روایت ان کی کتاب سے سند لا کر پیش کی جاتی ہے تو اوّل صاف انکار کر جاتے ہیں اور ناقل کو جھوٹا اور کاذب بتاتے ہیں اور جب اس کی صحت اور سند پہنچائی جاتی ہے تب تو جیہات لا طائل کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس روایت کو قاضی نور اللہ شوستری نے اپنے مذہب کے خلاف پایا اس سے انکار کیا لیکن جب وہ روایت اس کتاب سے ثابت کر دی گئی تب بہ مجبوری مجتہد صاحب نے اس کی موجودگی کا اقرار کیا اور ایک دوسری توجیہہ لاطائل سے اس کو باطل کرنا چاہا، چنانچہ اب ہم اس توجیہہ کو بھی باطل کرتے ہیں۔

مجتہد صاحب کی توجیہہ کا سارا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت "نعم الصدیق" کی اگرچہ کتاب ''کشف الغمہ'' میں موجود ہے لیکن اس مؤلف موصوف نے اسے علامہ ابن جوزی سے جو کہ مشاہیر علمائے اہل سنت سے ہے نقل کیا ہے، اس لیے گویا یہ روایت اہل سنت کی ہے نہ کہ شیعوں کی......اس کا جواب یہ ہے کہ شاید مجتہد صاحب نے کتاب ''کشف الغمہ'' کو از اوّل تا آخر ملاحظہ نہیں فرمایا ورنہ ایسا ارشاد نہ فرماتے اس لیے کہ مؤلف کتاب موصوف نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے اور نقل کیا ہے وہ متفق علیہ فریقین ہے اور علمائے شیعہ نے یکے بعد دیگرے اس کو قبول کیا ہے اور وہ شیعوں کے نزدیک مسلّم ہے۔ چنانچہ علامہ معز الدین

صدر کتاب امامت میں لکھتے ہیں:

((کتاب کشف الغمه از تصنیفات وزیر سعید اردبیلی ست و آنچه در کتاب مستطاب مذکورست مقبول طبائع موافق و مخالف ست .)) انتھی

''کشف الغمہ مصنفہ وزیر سعید اردبیلی ہے اور جو کچھ اس میں تحریر ہے وہ متفقہ طور پر دونوں فرقوں کے لوگوں کو مقبول ہے۔''

پس گو کہ صاحب ''کشف الغمة'' نے یہ روایت ابن جوزی ہی سے نقل کی ہو لیکن جبکہ وہ التزام اس امر کا کر چکا ہے کہ جو روایت لکھی جائے گی وہ مقبول فریقین ہوگی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی مقبول فریقین ہوگی اور جب مقبول فریقین ہونا ثابت ہوا تو اس روایت سے شیعوں پر الزام دینا درست ٹھہرا اور اس کا جواب شیعوں سے لینا واجب ہوا......

صاحب [1] ''استقصاء الافحام'' نے جن کی کتاب پر آج کل شیعوں کو بڑا ناز ہے، نہایت جودت طبع کو دخل دیا ہے اور اپنی دقیقہ فہمی اور نکتہ سنجی سے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ زردستانی کے کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو ''کشف الغمہ'' میں مذکور ہے اس کو اہل حق بھی

---

[1] صاحب ''استقصاء الافحام'' کا نام میر حامد حسین بن محمد قلی بن محمد حسین بن حامد حسین بن سید زین العابدین الموسوی نیشا پوری ہے۔ ۵ محرم ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو میرٹھ ضلع یوپی میں پیدا ہوئے۔ ان دنوں ان کے والد بزرگوار میرٹھ کے صدر الصدور تھے۔ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۲۵۲ء کو تقریب بسم اللہ ہوئی۔ ابتدائی اور وسطی علوم متداولہ والد نے تعلیم دیے، ابھی آپ کا سن پندرہ سال کا تھا کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ (۹ محرم ۱۲۶۰ھ) ان دنوں آپ لکھنؤ میں تھے اور یہاں ادب مولوی برکت علی حنفی اور مفتی محمد عباس سے، معقولات سید مرتضی ابن سید محمد صاحب اور فقہ و اصول سلطان العلماء سید محمد صاحب اور سید حسین (عرف میرن صاحب) سے پڑھ کر سند لی۔

تکمیل تعلیم کے بعد اپنے والد کی تصنیفات مثل فتوحات حیدریہ، رسالہ تقیہ، تشئید المطاعن وغیرہ کی ترتیب و اشاعت کی طرف توجہ کی۔ مطبوعہ کتابوں میں استقصاء الافحام، افحام اہل المین رد ازالۃ الغین، عبقات الانوار زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۸ صفر ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو اپنے کتب خانے واقع کھجوا (شاستری نگر لکھنؤ) میں رحلت فرمائی۔ وفات کے بعد جنازہ گھر لایا گیا اور امام باڑہ غفراں مآب میں سپرد خاک ہوئے۔۱۲۔ (مطلع الانوار طبع کراچی شیخ محمد فراست)

قبول کرتے ہیں اور اس کا انکار نہیں کرتے اور یہ امر آخر ہے کہ اور ہونا روایات ''کشف الغمہ'' کا اجماعیات اہل حق اور اہل خلاف سے دوسرا امر ہے، اس لیے کہ قبول کرنا کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ اپنے واسطے حجت پکڑیں نہ کہ اس لیے کہ مخالف اس سے ہم پر حجت پکڑیں۔ علاوہ اس کے کلام زردستانی محمول اصول اور مقاصد کتاب ''کشف الغمہ'' پر ہے کہ جو مقصود بالذات ہے وہ مقبول اہل حق ہے نہ کہ وہ جو مقصود بالذات نہیں ہے وہ بھی مقبول ہے فقط، چنانچہ اصل عبارت استقصاء کی یہ ہے:

((اوّل آنکه ازیں کلام زردستانی نهایت آنچه مستفاد میشود ایں ست که آنچه در کشف الغمه مذکورست آنرا اهل حق هم قبول میسازند و برو انکار آں نمی پردازند وایں امر آخرست و بودن روایات کشف الغمه از اجماعیات واتفاقیات اهل حق و اهل خلاف که مخاطب مدعی آنست امر آخر، زیرا که مفهوم ثانی آنست که اهل حق درروایت ایں روایات شریك انددواز قبول کردن آں روایات ایں معنی مستفاد نمیشودچه قبول روایت بایں وجه هم متصورست که اهل خلاف روایت آں کرده باشند واهل حق قبول آں نموده باشند و قبول گاهی بایں معنی ست که ایں روایت راصحیح میدانیم و آنچه دراں مذکورست آنرا حجت میگیریم و گا هے بایں معنی که چوں بآں بر بعض مطالب خود احتجاج میکنیم پس برای ایں امر قبولش کرده ایم نه بایں معنی که خصم بآں بر ما احتجاج نماید ، دوم آنکه کلام زردستانی محمول براصول و مقاصدآں کتاب ست یعنی آنچه دراں کتاب برائے احتجاج و استدلال از اهل خلاف نقل فرموده و مقصود

بـالـذات ست مقبول اهل حق هم ست نه اینکه آنچه مقصود بـالـذات نیست محض استطرادًا و تبعاً نقل شده آنهم مقبول ست و لیاقت حجیت نزد اهل حق وارد حاشاو کلا .))

''زردستانی کے کلام سے اوّلا یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''کشف الـغـمـہ''کی تحریر فریقین کی منظورہ ومقبولہ ہے اور کوئی فریق اس کا انکاری نہیں ہے، اس سے سنّیوں کا مقصد یہ ہے کہ ان روایات کی صداقت میں شیعہ بھی شریک ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان روایات کے قبول کرنے میں جو سنّیوں کی پیش کردہ ہیں شیعوں کو اتفاق ہو، ایسا نہیں کیونکہ قبولیت اور اتفاق کے معنی یہ ہیں کہ اس روایت کو صحیح مان کر اس میں جو کچھ ہو اس کو حجت قرار دیں اور کبھی یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس روایت کی صحت سے غیر ہم پر حجت لائیں اور اس دوسرے معنی کے لحاظ سے ''کشف الـغـمة ''کی روایات پر ہمارا اتفاق نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ ''کشف الغمة '' کے اصول ومقاصد کے پیش نظر زردستانی کے کلام کے معنی یہ ہیں کہ سنیوں کے خلاف استدلال پر جو کچھ اس میں فخر پر اور مقصود بالذات ہے اسے ہم شیعہ مانتے ہیں اور ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جو غیر مقصود ہے اور تبعاً تحریر ہے وہ بھی شیعوں کے نزدیک مقبول ہو، حاشا وکلاّ غیر مقصود تحریر کو شیعہ ہرگز نہیں مانتے۔''

لیکن صاحب ''استـقـصـاء'' کی اس عبارت کا مطلب معلوم نہیں ہوتا اور اس سے یہ مشکل مسئلہ حل نہیں ہوتا، یعنی ہمارا یہ قول ہے کہ مؤلف ''کشف الغمہ'' نے جو روایت لکھی ہے خواہ وہ اپنے یہاں سے لی ہو، خواہ سنیوں سے وہ روایت وہی ہے جس کو علماء شیعہ نے بھی قبول کیا ہے اور اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ روایت ''نعم الصدیق'' بھی مقبول علماء شیعہ ہے، خواہ مولف موصوف نے اپنے کسی عالم کی کتاب سے نقل کی ہو، خواہ ابن جوزی کے کسی نسخے سے لی ہو اور اس سے مجتہد صاحب کی وہ توجیہہ کہ یہ روایت ابن جوزی سے نقل کی

ہے باطل ہوتی ہے اور صاحب استقصاء کی تحریر سے کچھ مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ حقیقت میں وہ بے چارہ کیا کرے ایسی بردمات میں پڑ گیا ہے کہ نہ کچھ کہہ سکتا ہے نہ کچھ جواب دے سکتا ہے، اپنے مجتہدین اور علماء کے اضطراب پر حیرت کر کے جہاں تک اس سے ہوتا ہے ان کی بات بناتا ہے اور چونکہ جھوٹی بات کو کوئی سوائے ایسی آبلہ فریب تقریروں کے سچ کر کے دکھلا نہیں سکتا اسی واسطے وہ بھی ایسی ہی پوچ باتوں سے اپنا دل خوش کرتا ہے، ورنہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ ایسی توجیہہ لاطائل جو صاحب "استقصاء" نے کی ہے کسی لڑکے کی زبان سے بھی نہ نکلے گی، یعنی اس کا تو اقرار ہی کرتے جاتے ہیں کہ جو کچھ "کشف الغمہ" میں لکھا ہے وہ مقبول فریقین ہے اور جب اس کو بعض روایات میں اپنے مذہب کے حق میں مضر جانتے ہیں تو اس کی توجیہہ اس طرح کرتے ہیں مقبولیت سے صرف انہیں روایات کی مقبولیت مراد ہے جن سے ہم حجت کریں نہ کہ وہ روایات جن سے مخالف ہم پر حجت کرے یا قبولیت سے ان روایات کی مقبولیت مراد ہے جو کہ مقصود بالذات ہیں نہ کہ وہ روایات جو مقصود بالذات نہیں ہیں، اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ ایسی پوچ و لچر توجیہات کو مخالف کب سنے گا اور وہ ایسی باتوں کو کب مانے گا۔ چنانچہ ہم بوجوہات قوی اس تحریر کو رد کرتے ہیں۔

۱۔ یہ بات تو خود صاحب استقصاء نے قبول کی ہے کہ [1] "آنچہ در کشف الغمہ مذکورست آنرا اہل حق ہم قبول میسازند و بردو انکار آں نمی پردازند" پس ہم ایسے امر مقبول کردہ صاحب استقصاء کو منظور کر کے کہتے ہیں:

((روایت نعم الصدیق در کشف الغمہ مذکورست و آنچہ در کشف الغمہ مذکورست آنرا اہل حق ہم قبول میسازند و بردو انکار آں نمی پردا زند و قاضی نور اللہ شوستری آنرا قبول نمی سازند و جناب مجتہد صاحب قبلہ بر دو انکار آں می پردازند پس ہر دو قاضی و مجتہد از اہل حق ہستند و

[1] "کشف الغمہ" میں جو کچھ تحریر ہے اسے شیعہ قبول کرتے ہیں اور اس کا انکار نہیں کرتے۔۱۲۔

هر که از اهل حق باشند آنر الازم ست که ایں روایت را قبول ساز دو بردو انکار آں نپر دازد .))

”نعم الصدیق“ کی روایت ”کشف الغمه“ میں مذکور ہے جسے شیعہ بھی قبول کرتے ہیں اور کوئی فرقہ اس کا انکاری نہیں ہے، البتہ قاضی نور اللہ شوستری اسے نہیں مانتے اور جناب مجتہد صاحب اس کے انکاری ہیں اور وہ قاضی اور مجتہد دونوں شیعہ ہیں، اس لیے انہیں بھی چاہیے کہ اس روایت کو قبول کریں اور انکار نہ کریں۔“

۲۔ صاحب استقصاء نے قبول کے دو معنی فرض کیے ہیں کہ ”قبول گاهے بایں معنی ست که ایں روایت راصحیح میدانیم و آنچه دراں مذکورست آنرا حجت میگیریم و گاهے بایں معنی که چوں بآں بر بعض مطالب خود احتجاج میکنیم پس برائے ایں امر قبول کرده ایم نه بایں معنی که خصم بآں برما احتجاج نماید“ [1] لیکن انہیں فرضی معنی پر مقولہ مضمون ”الشعر فی بطن الشاعر“ صادق ہے، اس لیے کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس کتاب کی روایتوں کی نسبت معز الدین اثنا عشری نے لکھا ہے کہ (آنچه در کتاب مستطاب مذکورست مقبول طبائع موافق و مخالف ست) ”یعنی کتاب میں جو کچھ موجود ہے وہ شیعہ سنی دونوں کو مقبول ہے۔“ اور جب مقبول فریقین ہونا اس کا ثابت ہوا تو پھر کہنا کہ ہم نے اس لیے قبول کیا ہے کہ ہم حجت پکڑیں نہ کہ اس لیے کہ مخالف ہم پر حجت پکڑے محض نادانی ہے۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ ایک شخص کسی قبالہ اور دستاویز کی صحت کا اقرار کرے اور اس امر کو قبول کرے کہ جو کچھ

---

[1] قبول کرنے کے کبھی یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس روایت کو ہم صحیح مانتے ہوئے اس میں جو کچھ ہے اسے حجت سمجھتے ہیں اور کبھی یہ معنی ہوتے ہیں کہ اگر اس کے بعض مطالب سے ہم خود حجت لائیں تو اسے ہم قبول کرتے ہیں اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کے ذریعے دشمن ہم پر دلیل لائیں۔ ۱۲

اس میں لکھا ہے خواہ وہ میرا لکھا ہو یا دوسرے فریق کا وہ سب مجھے مقبول اور منظور ہے اور پھر جب کسی عبارت پر اس دستاویز کی دوسرا فریق گرفت کرے تو اس دستاویز کا قبول کرنے والا کہے کہ یہ عبارت لکھائی ہوئی دوسرے فریق کی ہے میں نے تو اس لیے اس کو قبول کیا تھا کہ اس پر حجت پکڑوں گا نہ کہ اس لیے کہ وہ مجھ پر حجت پکڑے۔ پس منصف کیا فیصلہ کرے گا، یعنی کیا فتویٰ دے گا اور چونکہ صاحب استقصاء بھی منصف ہیں اور ان کے والد مفتی تھے اس لیے وہ خود ہی برائے خدا اس کا انصاف کریں اور اس امر کو فیصل فرمائیں۔

۳۔ اگر یہ امر تسلیم کیا جائے کہ روایت کا قبول کرنا اپنے واسطے حجت لانے کے لیے ہے نہ کہ دوسرے کی حجت کرنے کے لیے، تو سب جھگڑا ہی طے ہو جائے کوئی فریق کسی دوسرے پر کسی روایت کی سند نہیں لاسکتا اور یہی جواب دے سکتا ہے جیسا کہ صاحب استقصاء نے دیا ہے کہ ((چوں بآں بر بعض مطالب خود احتجاج میکنیم پس برائے ایں امر قبولش کردہ ایم نہ بایں معنی کہ خصم بآں بر ما احتجاج کند)) ''یعنی چونکہ روایت سے ہم اپنے بعض مقاصد کے لیے دلیل لاتے ہیں، اس لیے ہم اسے قبول کرتے ہیں، اس لیے قبول نہیں کرتے کہ اس کے ذریعہ دشمن ہم پر حجت لائے اور ہم پر احتجاج کرے۔''

۴۔ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی فریق کی روایت یا خبر کی صحت تسلیم کی جائے تو اس کی جواب دہی صحت کے تسلیم کرنے والے پر ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ اصل روایت کرنے والے پر، چنانچہ قطع نظر معاملات دنیاوی کے ہم دینی سند بیان کرتے ہیں کہ اکثر باتیں توریت وانجیل کی ہماری کتابوں میں مذکور ہیں اور ہم ان کو قبول اور منظور کرتے ہیں، پس جب ان روایتوں کی صحت ہم نے تسلیم کر لی تو اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ بھی ویسی ہی ہے جیسے کہ یہود اور عیسائیوں کے ذمّے۔ پس اگر کسی روایت یا خبر کی نسبت جس کو ہم نے تسلیم کرلیا ہے کوئی اعتراض کرے تو اس کا ہم یہ جواب دے سکتے ہیں

جیسا کہ صاحب استقصاء نے دیا ہے کہ (چون [1] بآں بر بعض مطالب خود احتجاج میکنیم پس برائے ایں امر قبولش کرده ایم نه بایں معنی خصم بآں برما احتجاج کند) ''حقیقت میں ہم ایسا جواب نہیں دے سکتے اور اگر دیں تو کوئی مخالف اس کو تسلیم نہیں کرسکتا۔''

۵۔ اگر کسی فریق مخالف کی کوئی روایت ہم نقل کریں اور اس کو قبول کرنے سے کوئی خاص غرض ہو اور اس میں کوئی ایسا امر ہو جس کو ہم قبول نہ کرتے ہوں ہم کو لازم ہوگا کہ ہم اس کے مطلب کو جو کہ ہمارے مفید ہو لے کر باقی عبارت کو چھوڑ دیں یا اس کی نسبت صاف لکھ دیں کہ اس روایت کا اسی قدر مضمون ہم کو تسلیم ہے اور باقی سے انکار ہے، اگر ہم ایسا نہ کریں اور اس روایت کو بلا انکار اس کے کسی جز کے قبول کرلیں تو پھر ہم اس کی قبولیت سے انکار نہیں کرسکتے۔ اسی طرح پر اگر مؤلف کتاب ''کشف الغمه'' کا اس روایت کو کسی خاص مطلب کے واسطے قبول کرتا تو اس کو اس کا مطلب ہی کہہ دینا کافی تھا یا اصل روایت لکھ کر اس کے جزو نامقبول پر اشارہ کر دینا لازم تھا، جب اس نے ایسا نہیں کیا تو اب چند سال بعد صاحب استقصاء کی توجیہ کچھ کارآمد نہیں ہوتی۔

۶۔ یہ قول صاحب استقصاء کا:

((کلام زردستانی محمول بر اصول و مقاصد آں کتاب ست نه اینکه آنچه مقصود بالذات نیست آنهم مقبول ست .))

''زردستانی کا کلام اس کتاب کے اصول و مقاصد پر محمول ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو چیز بذاتہٖ مقصود نہیں وہ بھی قابل قبول ہو۔''

یہ فقط قول ہی قول ہے نہ اس کی کچھ سند نہ اس پر کچھ حجت ہے، ایسا دعویٰ بلا دلیل سماعت کے لائق نہیں ہے۔ اگر مؤلف موصوف یہ لکھ دیتا کہ جو اصول اور مقاصد اس کتاب

---

[1] چونکہ اس کے ذریعہ ہم اپنے بعض مقاصد کے لیے حجت قائم کرتے ہیں، اس لیے قبول کرتے ہیں نہ کہ اس لیے کہ دشمن اس کے ذریعے ہم پر حجت پیش کرے۔ ۱۲

کے ہیں وہ مقبول ہیں نہ وہ جو کہ مقصود بالذات نہیں ہیں وہ بھی مقبول ہیں تو بے شک ہم تسلیم کرتے لیکن جب کہ اس نے یہ قید نہیں کی اور اپنے کلام کو بہ نسبت کتاب کے مطابق چھوڑ دیا تو ہم بھی اس سے فردِ کامل مراد لیں گے یعنی جو کچھ اس کتاب میں ہے خواہ مقصود بالذات ہو یا نہ ہو وہ سب مقبول ہے۔

اے حضراتِ شیعہ! تم کو خدا کی قسم ہے کہ ذرا غور کرو اور انصاف کو دخل دو کہ اس بحث میں تمہارے علماء کس گردابِ بلا میں پڑ گئے ہیں اور کیسے بے دست و پا ہو رہے ہیں اور ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر مقصود کے کنارے تک پہنچنے نہیں پاتے، کوئی تو اس روایت کے موجود ہونے ہی سے انکار کرتا ہے، کوئی موجود ہونے کا تو اقرار کرتا ہے لیکن اس کو سنیوں کے علماء سے نقل کرنا بیان کرتا ہے، کوئی اس کو قبول ہی نہیں کرتا، کوئی قبولیت کے معنی گھڑ گھڑ کر بیان کرتا ہے اور حقیقت میں کوئی اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور (مثل الغریق یتشبث بکل حشیش) پر عمل کر رکھا ہے۔

دوسرا قول: بعض نے اس روایت سے یہ جواب دیا ہے کہ اگر اس کی صحت تسلیم کی جائے تو امام کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت صدیق کہنا تو بنظر تخصیص اور تمیز مخاطب کے ہوگا بغیر اس کے مضمون کی تصدیق کے، جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری نے احقاق الحق میں لکھا ہے:

((اقول ذکر الصدیق لاجل التخصیص والتمییز للمخاطب من غیر تصدیق بمضمونه.))

’’میں کہتا ہوں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت صدیق کہنا مخاطب کے لیے تخصیص وتمیز کی بنا پر ہوگا اس کے مضمون کی تصدیق مقصود نہیں۔‘‘

لیکن یہ قول باطل ہے۔ اس لیے کہ اگر امام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام کے بعد ان کا لقب صدیق کہہ کر سکوت فرما جاتے تو حضرات شیعہ کو اس تاویل کی گنجائش تھی لیکن یہ تخصیص مخاطب کی اس کے مضمون کی تصدیق کے بغیر آئندہ کے فقرہ سے باطل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ جب سائل نے متعجباً نہ سوال کیا کہ یا حضرت آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں، تو امام اپنی

جگہ سے اچھل پڑے اور کہا کہ (نَعَمْ اَلصِّدِّیْقُ نَعَمْ اَلصِّدِّیْقُ نَعَمْ اَلصِّدِّیْقُ) کہ ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں۔ اور پھر اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ یہ بھی فرمایا کہ (مَنْ لَمْ یُصَدِّقْهُ فَلَاصَدَّقَ اللّٰهُ قَوْلَهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ) جو ان کو صدیق نہ کہے اس کی خدا دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے۔ اگر ایسے کلمات پر بھی حضرات شیعہ یہ فرمائیں کہ امام نے صرف مخاطب کے سمجھنے کے لیے صدیق کہا تھا اس کے مضمون کو تصدیق نہ کیا تھا تو یہ انہیں کو زیبا ہے۔

تیسرا قول: جب حضرات شیعہ نے خیال کیا کہ یہ تاویل بھی بوجہ موجود ہونے جملہ (مَنْ لَمْ یُصَدِّقْهُ فَلَاصَدَّقَ اللّٰهُ قَوْلَه فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ) کے نہیں بنتی۔ جب تیسری تاویل شروع کی کہ شاید حضرت امام علیہ السلام نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت جو کچھ فرمایا ہے وہ بہ نظر استہزاء کے فرمایا ہوگا جیسا کہ ''احقاق الحق'' میں لکھا ہے: (وَالْاِسْتَهْزَاءُ کَمَا فِی قَوْلِهٖ ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ) یعنی امام نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق بنظر استہزاء اور ٹھٹھے کے فرمایا، جیسا کہ خدا نے دوزخیوں کی نسبت بھی عزیز اور کریم فرمایا ہے اور بنظر استہزاء کے ان کی شان میں قرآن میں کہا ہے کہ چکھو تم بڑے عزیز اور کریم ہو...... مگر یہ قول بھی باطل ہے اس لیے کہ الفاظ کو حقیقی معنی سے پھیرنے کے لیے کوئی قرینہ چاہیے ورنہ بغیر قرینہ کے بلا قیاس الفاظ سے معنی حقیقی مراد نہ لینا جائز نہیں ہے پس آیت کریمہ میں وہ قرینہ موجود ہے کہ اوپر سے ذکر زقوم اور عذاب دوزخ کا ہے اور خطاب بھی دوزخیوں سے ہے اور چونکہ دوزخی اوّل آپ کو بڑا عزیز اور کریم جانتے تھے، اس لیے ان سے خطاب کیا گیا:

کما قال اللّٰہ تبارك و تعالیٰ:

﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ○ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ○ کَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ○ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ○ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ○ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ○ ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ ○﴾

(الدخان: ۴۳ تا ۴۹)

''گناہ گار کا کھانا سینڈ کا درخت ہے، جیسے پگھلا ہوا تانبا کھولتا ہے، پیٹوں میں جیسے کھولتا پانی، پکڑو اس کو اور دھکیل کر لے جاؤ بیچوں بیچ دوزخ کے پھر ڈالو اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب، یہ چکھ، تو ہی ہے بڑا عزت والا سردار۔''

اس روایت کے کسی مقام سے کوئی ایسا قرینہ پایا نہیں جاتا جس سے معلوم ہو کہ امام نے بنظر استہزاء اور ٹھٹھے کے یہ فرمایا ہو۔ اس لیے کہ اوّل تو سائل شیعہ تھا اس کے سامنے استہزاء کرنے کا کیا موقع تھا، دوسرے اس نے اپنی طرف سے کچھ استفسار صدیق اکبرؓ کی نسبت نہ کیا تھا بلکہ اس نے ایک فقہی مسئلہ پوچھا تھا کہ آیا حلیہ سیف کا جائز ہے یا نہیں؟ امام نے اس کو جائز فرمایا اور اس کی سند میں حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر کیا، جب اس سائل کو تعجب ہوا تو اس کے تعجب کو دُور کرنے کے لیے حضرت نے کلمہ '' نعم الصدیق '' مکرر سہ کرر زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا تو یہ بھی بنظر استہزاء کے ہو لیکن اس کے بعد جو حضرت نے فرمایا کہ ((مَنْ لَّمْ يُصَدِّقْهُ ...... الخ)) یہ کلمہ استہزاء اور ٹھٹھے پر کس قرینے سے محمول کیا جائے گا اور اگر بغیر قرینہ بلا قیاس کے ایسے کلماتِ طیبات استہزاء اور سخریہ پر محمول کیے جائیں تو ہر ملحد و زندیق ہر حدیث اور آیت کی نسبت ایسا ہی کہہ سکتا ہے۔ (فما هو جوابكم فهو جوابنا)

چوتھا قول: جب حضرات شیعہ نے دیکھا کہ یہ تاویل بھی نہیں بنتی اور امام کی نسبت استہزاء اور سخریہ کے منسوب کرنے سے کام نہیں نکلتا تو اپنی اس معمولی تاویل سے پناہ لی جو سنیوں کے ہر حملہ کے لیے سپر بنائی گئی ہے اور جو ناصبیوں کے ہر حربے کے واسطے ڈھال مقرر کی گئی ہے یعنی تقیہ۔ جیسا کہ ''احقاق الحق'' میں بر سبیل تنزل لکھا ہے (او للتقية عن السائل) ''یعنی سائل سے تقیہ کر لیا۔'' اور مجتہد صاحب نے بھی اخیر پر ''طعن الرماح'' میں فرمایا ہے:

((ولو نز لنا عن ذالك پس محمول بر تقيه خواهد بود .))

''بر سبیل تنزل (امام کا یہ قول) تقیہ پر محمول ہے۔''

لیکن اس تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے، اس لیے کہ الفاظِ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل مومنین اور محبین میں سے تھا ورنہ جب امام نے حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کہا تو اسے کچھ تعجب نہ ہوتا اور امام کا غصہ ہوکر جواب دینا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سائل سنی نہ تھا جس سے تقیہ کرنے کی ضرورت ہوتی۔ اور اگر سائل سنی بھی ہوتا تب بھی امام کا تقیہ کرنا اور سنی سے ڈر کر خلفاء جور کی تعریف کرنا شان امامت کے خلاف تھا اس لیے کہ امام باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام تقیہ سے ممنوع تھے اور ان کو تقیہ کرنا جائز ہی نہ تھا اور جو صحیفہ خدا نے ان پر بھیجا تھا اس میں ان کو علوم منتشر کرنے اور شرعی مسائل کو بلا خوف و خطر ظاہر کرنے کی تاکید تھی، ان کو خدا نے مطمئن کر دیا تھا اور ان کے حق میں (فانك فی حرز و امان) فرمادیا تھا۔ پس ایسی حالت میں امام کا ایک سنی سے ڈر جانا اور اس کے خوف سے ایک غاصب بلکہ کافر کو صدیق کہنا اور باوجود اطمینان خدا کے جان و عزت کا اندیشہ کرنا تعجب کا مقام ہے۔

علاوہ بریں امام کے حالات پر بھی نظر کرنا اور ان کے طور و طریقے کو بھی دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ ہمیشہ سنیوں سے ڈر جاتے تھے اور ناصبیوں کے خوف سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جھوٹی تعریف کیا کرتے تھے یا کبھی اپنی امامت کے جلال پر بھی آجاتے تھے اور اپنی شانِ صدق گوئی کو بھی ظاہر فرماتے تھے، اگر یہ ثابت ہو کہ کبھی کسی سنّی کے مقابلے میں حضرت نے اپنے عقیدے کو ظاہر نہیں کیا اور ہمیشہ ہر ایک سنّی کے روبرو تقیے پر عمل کیا، تو اخیر اس حدیث کی نسبت بھی ہم عذر تقیہ کو تسلیم کر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ امر معلوم ہو کہ امام نے بڑے بڑے سنّیوں کے سامنے اظہارِ حق فرمایا ہے اور بلا خوف ان کے جو کچھ دل میں تھا اس کو ظاہر کر دیا ہے، تو پھر کیوں کر ہم اس حدیث کی نسبت عذر تقیہ کو قبول کریں...... اب ہم امر دوم کو کتب شیعہ سے ثابت کرتے ہیں۔ ملا باقر مجلسی کتاب "حق الیقین" میں لکھتے ہیں:

((درزمان حضرت امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیهما السلام که او اخر زمان بنی امیه و اوائل دولت بنی عباس بود ازاں دو بزرگوارآں قدر از مسائل حلال و حرام و

علـم تـفسیـر و کـلام و قصص انبیاء و سیر و تواریخ ملوك عرب و عجم وغیر آنها از غرائب علوم منتشر گردید که عالم را فرا گرفت و محدثان شیعه درا طراف عالم منتشر گردید و پیـوستـه در مناظرات و مباحثات علماء بر جمیع فرق غالب بـودند و چهار هزار کس از علماء مشهور از حضرت صادق روایت کرده اند و چهار صد اصل در میان شیعه بهمرسید که اصـحـاب بـاقر و صادق و کاظم علیهم السلام روایت کرده بـودند (الیٰ قوله) و بطریق معتبره منقولست که قتاده بصری کـه از مـفسـریـن مشهـوره عامه ست بخدمت حضرت امام مـحمد باقر علیه السلام آمد، حضرت فرمود توئی فقیه اهل بصره گفت بلے حضرت فرمود و ای بر تویٰ قتاده حق تعالیٰ خـلـق آفریده است که ایشان راحجتهای خود گردانیده ست بـر خـلـق خـود پس ایشان میخهای زمیں اند و خازنانِ علم الٰهـی انـد پـس قتـاده مـدتے ساکن شد که یارای سخن گفتن نداشت پس گفت بخدا سوگند که در پیش فقهای و خلفاء و پـادشـاهـان و ابـن عبـاسؓ نشستـه ام و دلِ من نزد ایشان مـضـطرب نشد چنانچه نزد تو مضطرب شده است حضرت فـرمود می دانی که کجائی در پیش خانه نشسته که حق تعالٰی در شـانِ ایشان فرموده است که ”فی بیوت اذن اللّٰه ان ترفع و یذکر فیهَا اسمه“ قتاده گفت راست گفتی .))[1]

”بنوامیہ کے آخری زمانہ اور بنوعباس کے ابتدائی عہد میں امام محمد باقر اور امام

[1] یہ روایت ترجمہ حیات القلوب جلد۳ صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ لکھنو میں بھی موجود ہے۔۱۲

جعفر صادق علیہما السلام موجود تھے اور ان دونوں بزرگوں نے مسائل حلال وحرام علم تفسیر وکلام قصص انبیاء وسیر تاریخ ملوک عرب وعجم اور دوسرے نادر علوم اس قدر عام ومشہور کیے کہ دنیا کو مالا مال کر دیا اور شیعہ محدثین پوری دنیا میں پھیل گئے اور تمام فرقوں کے علماء سے مباحثوں اور مناظروں میں غالب رہے، چار ہزار مشہور علماء نے جعفر صادق سے روایت کی اور چار سو شیعوں نے امام باقر و صادق و کاظم علیہما السلام سے روایت کی اور معتبر طریقے سے منقول ہے کہ مشہور عام مفسر قتادہ بصری حضرت امام محمد باقر کے پاس آئے، آپ نے پوچھا کہ کیا تم ہی اہل بصرہ کے فقیہ ہو؟ جواب دیا جی ہاں۔ تو امام نے کہا: افسوس اے قتادہ! اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان (ائمہ) کو اپنی حجت بنایا پس یہ (ائمہ) زمین کی میخیں ہیں اور علم الٰہی کے امین ہیں۔ اس پر قتادہؒ تھوڑی دیر اس طرح خاموش رہے کہ انہیں بات کرنے کی طاقت نہ رہی، اس کے بعد کہا کہ خدا کی قسم! میں فقہاء، علماء، خلفاء اور ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا لیکن ان کے پاس میرا دل اتنا بے چین نہیں ہوا جتنا آپ کے پاس۔ جس پر امامؑ نے فرمایا: جانتے ہو تم کہاں ہو، اس گھر کے سامنے بیٹھے ہو جس کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان گھروں کو بلند کرو اور اس میں اللہ کا نام لو، یہ سن کر قتادہ نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔"

پس جبکہ بڑے بڑے مفسرین اور مشہور فقہاء اور نامی علماء کے مقابلے میں امام تقیہ نہ کریں اور ان کو برا بھلا کہیں اور "وائے برتو" اور مثل کے اور کلمات عتاب کے فرمانے میں کچھ تامل نہ فرمائیں اور ان کے شاگرد اور حاضر باش بڑی بڑی مجلسوں میں سنیوں سے مباحثہ کریں اور ان کو ہرا دیں اور ہزاروں عالم اور سیکڑوں فقیہ ان سے تعلیم پائیں تو کیوں کر ہم اس امر کو مانیں کہ ایسے زبردست امام جن کی مجلس میں آنے سے بڑے بڑے عالموں کے بدن میں رعشہ پڑ جائے اور صورت دیکھنے سے ان کا دل کانپنے لگے، ایک سنی کے سامنے آنے سے ڈر جائیں اور خلفاء جور کی ایسی بڑی تعریف کرنے لگیں، کیا وہ سائل جس نے حلیہ سیف کا

سوال کیا تھا قتادہ بصری سے بھی بڑھ کر تھا یا کوئی لشکر اور فوج لے کر امام سے مسئلہ پوچھنے آیا تھا کہ امام قتادہؒ سے تو نہ ڈرے اور اس پر تو عتاب کیا اور سائل سے ڈر کر ابوبکرؓ کو صدیق صدیق صدیق کہنے لگے۔ ہمارے نزدیک تو اگر کوئی بادشاہ اور امیر بھی آتا تب بھی امام کلمہ حق کہنے سے درگزر نہ فرماتے اور جو کچھ ان کے دل میں ہوتا اس کے خلاف ہرگز کچھ بھی زبان سے نہ نکالتے۔ اور یہ صرف ہمارا خیال ہی خیال نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت شیعوں کی کتابوں سے ہوتا ہے، چنانچہ ملا باقر مجلسی ''حق الیقین'' میں لکھتے ہیں:

((در روایت دیگر معتبر و اردشده است که درسا لیکه هشام بن عبدالملك بحج رفته بود در مسجد الحرام دید که مردم نزد حضرت امام محمد باقرؒ هجوم آور ده اند واز امور دین خود سوال کنند عکرمه شاگرد ابن عباسؓ از هشام پُرسید که کیست اینکه نور علم از جبین اورا ساطع ست میر وم که او راحجل کنم چون نزدیك حضرت آمد و ایستاد لرزه بر اندام اور افتاد و مضطرب شد و گفت یا بن رسول الله من در مجالس بسیار نزد ابن عباسؓ و دیگران نشسته ام ایں حالت مرا عارض نشده حضرت هماں جواب را فرمود، پس معلوم شد که از معجزات امام و شواهد امامت آں ست که حق تعالیٰ محبت ایشاں رادر دل دو ستاں و مهابت ایشاں را در دلهای دشمناں می افگند.))

''ایک معتبر روایت ہے کہ جس سال ہشام بن عبدالملک حج کے لیے گیا تو اس نے وہاں مسجد حرام میں دیکھا کہ امام محمد باقرؒ کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے اور اپنے مذہبی امور کی بابت سوالات کر رہے ہیں، ابن عباسؓ کے ایک شاگرد عکرمہؒ نے ہشام سے پوچھا: یہ کون ہے کہ نورِ علم اس کی پیشانی سے درخشاں ہے، میں جاتا

ہوں اور اس کو شرمسار کرتا ہوں لیکن عکرمہؒ جب امام کے پاس آیا تو کانپنے لگا اور بے چین ہو کر کہا: اے فرزند رسولؐ! میں نے اکثر مجالس میں ابن عباسؓ وغیرہ کے پاس نشست کی لیکن میری کبھی یہ حالت نہیں ہوئی، اس پر امام نے وہی جواب دیا (جو قتادہ کو دیا تھا) اس سے معلوم ہوا کہ معجزات امام اور شواہد امامت میں سے یہ ہے کہ اللہ اماموں کی محبت دوستوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور دشمنوں کے دل میں ان کا رعب ڈالتا ہے۔''

پس جبکہ ہشام بن عبدالملک جیسے ظالم بادشاہ کے موجود ہونے پر امام کا رعب دشمن پر ہو جائے اور امام کے خوف سے ان کے بدن پر لرزہ آجائے تو تعجب ہے کہ پھر امام ایک سنی کے رعب میں آجائیں اور ایک ادنیٰ آدمی سے ڈر جائیں۔

میں ہر چند غور کرتا ہوں اور بہت سوچتا ہوں لیکن حضرات شیعہ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور امامت کی حقیقت تو فرشتے اور انبیاء بھی نہیں سمجھے تو وہ میں کیا سمجھ سکتا ہوں لیکن اس کے ظاہری شواہد بھی میری سمجھ میں نہیں آتے کہ کبھی تو حضرات شیعہ اماموں کو ایسا شجاع اور ذی رعب بنا دیتے ہیں کہ بادشاہوں اور ظالموں کو بھی ان کے سامنے گفتگو کی مجال نہ تھی اور عالموں اور فقیہوں کو بھی ان سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، سب کو برا بھلا کہتے تھے اور لوگ چپ چاپ سنا کرتے تھے اور سوائے درست اور بجا کے امام کے سامنے کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلتا تھا، اور کبھی حضرات شیعہ اماموں کو ایسا خوف زدہ اور جبان (بزدل) نعوذ باللہ بنا دیتے ہیں کہ وہ ایک ادنیٰ آدمی سے ڈر جاتے تھے اور اگر ان کی مجلس میں ایک سنی بھی آجاتا تھا تو وہ چپ ہو جاتے تھے اور اس کا ایسا رعب ان پر چھا جاتا تھا کہ ایک بات بھی ایسی کہ جو اس سنّی کے عقیدے کے خلاف ہوتی تھی نہ فرماتے تھے۔ حقیقت میں یہ سب تہمتیں شیعوں کی اماموں پر ہیں، وہ تو نبی زادے اور رسولؐ کے جان وجگر تھے، ان کی رگ رگ میں ان کے جد کی عادات اور اخلاق کا اثر تھا، ان کی بات بات میں ان کے نانا کے کلام کا جلوہ ظاہر ہوتا تھا، جس طرح ان کا ظاہری جمال پیغمبر ﷺ کے حسن کا نمونہ تھا

اسی طرح ان کے باطنی کمالات سے کمالات نبوی ﷺ کا ظہور ہوتا تھا، ان کا دل، ان کی زبان حضرت پیغمبر خدا ﷺ کے مانند یکساں تھی، نفاق اور جھوٹ، حیلہ اور تقیہ ان کے کمالات کے حق میں ایک سخت عیب تھا، کیوں کر خدا ایسے لوگوں کو جو سراسر نور کے پتلے تھے ایسی کثافتوں سے پاک نہ رکھتا اور کس لیے ان پاک اماموں کو جو سراپا طہارت کی صورت تھے ایسی نجاستوں سے دور نہ رکھتا۔

اے حضرات شیعہ! جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہو، جن کی پاکی پر پاکی نے قسم کھائی ہو، جن کی صداقت پر صدق کو ناز ہو، جن کی صورت اور سیرت پیغمبر ﷺ جیسی ہو، جن کی گہوارہ جنبانی جبرئیل امین کے متعلق ہو، جن کی زیارت کو عرش بریں کے ملائکہ آتے ہوں، جن کے قول و فعل پر دین و مذہب کا مدار ہو، انہی پر تم ایسی تہمتیں کرو اور خوف اور جھوٹ اور حیلے کو ان پاک اماموں کی طرف نسبت کرو...... اے بھائیو، کیا محبت کے یہی معنی ہیں جو تم رکھتے ہو۔ اگر امامت کی یہی شان ہے تو مسلمانوں کا کیا ذکر ہے گبرو ترسا بھی نفرت کریں گے اور ایسی باتوں کو سن کر سب الامان الامان پکاریں گے اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ ہمارے علماء اور محدثین نے ایسی روایتوں کو لکھا ہے اور ایک گروہ نے فقہاء کے اس کو نقل کیا ہے تو یہ شبہ ذرا سے غور سے دفع ہوسکتا ہے، یعنی تم ان لوگوں کے حالات پر غور کرو جو راوی تمہارے یہاں کی روایتوں کے ہیں اور جن پر تمہارے مذہب کی احادیث کا مدار ہے کہ وہ سب کے سب جھوٹے تھے اور امام ان پر لعنت کیا کرتے تھے کہ اس کو ہم تمہاری ہی کتابوں سے اپنے موقع پر آئندہ ثابت کریں گے تب تم کو معلوم ہوگا کہ امام کا ظاہر و باطن ایک تھا جو ان کے دل میں ہوتا تھا وہی زبان سے ارشاد فرماتے تھے۔ اگر تم ہمارے کہنے کو غلط سمجھو تو اپنے ہی علماء کے اقوال پر نظر کرو کہ انہوں نے بھی ائمہ کرام کی طرف سے ایسا ہی لکھا ہے اور خود ائمہ کی حدیث کو لکھ کر اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ محدثین شیعہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میں لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا ہے:

((لَا تَذْکُرُوْا سِرَّنَا بِخِلَافِ عَلَانِیَتِنَا وَلَا عَلَانِیَتِنَا بِخِلَافِ سِرِّنَا

حَسْبُکُمْ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا نَقُوْلُ وَتَصْمُتُوْا اعَمَّانَصْمُتُ...... الخ))

''ہمارا ظاہر و باطن ایک ہے)، ہمارے باطن کو برخلاف ہمارے ظاہر کے ہرگز نہ کہو اور نہ ہمارے ظاہر کو مخالف باطن کے کہو، یہی تمہارے واسطے کافی ہے کہ جو ہم کہتے ہیں وہی تم بھی کہو اور جس سے ہم چپ رہتے ہیں اس سے تم بھی خاموش رہو۔''

پس اے حضرات شیعہ! اگر حقیقت میں تم امام کے حکم پر عمل کرتے ہو اور ان کے کہنے پر چلتے ہو تو ان کے قول کو سنو اور اس پر عمل کرو، جیسا انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کہا ویسا ہی تم بھی چپ چاپ ان کو صدیق صدیق کہو اور سوائے اس کے وہ بات جس سے امام نے سکوت فرمایا تم بھی اس سے خاموش رہو۔

پانچواں قول:......بعض حضرات شیعہ یہ فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام ابوبکر کو کس طرح صدیق کہتے، اس لیے کہ یہ لقب خاص جناب امیر علیہ السلام کا ہے کہ خود حضرت امیر نے فرمایا ہے:

(اَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ لَا یَقُوْلُ بَعْدِیْ اِلَّا کَذَّابٌ)

''کہ میں صدیق اکبر ہوں، جو کوئی میرے بعد اس لقب کو اپنی نسبت کہے گا وہ جھوٹا ہے۔''

لیکن یہ فرمانا بھی ان حضرات کا ان کے لیے چند دلیلوں سے مفید نہیں:

پہلی دلیل:......حضرت امیرؓ کے اس قول سے خود ان کا جواب ظاہر ہے، اس لیے کہ حضرت نے یہ فرمایا کہ میرے بعد کوئی شخص نہ ہوگا اور جو کوئی اس کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے اور یہ فرمانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت امیرؓ کے پہلے کوئی صدیق گزرا ہے اور وہ کون ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔

دوسری دلیل:......اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان سے پہلے بھی کوئی صدیق نہیں ہوا تو اس کا جواب ہم انہی کی کتابوں سے دے سکتے ہیں، وہ یہ ہے

کہ ”عیون اخبار الرضا“ وغیرہ کتب حدیث میں ان کے موجود ہے:

((اَبُوذَرٍّ صِدِّیْقُ هٰذِهِ الاُمَّةِ .))

”ابوذر رضی اللہ عنہ اس امت کے صدیق ہیں۔“

پس جب ابوذرؓ کی نسبت لفظ ”صدیق“ مذکور ہے تو تخصیص مرتضویؓ باقی نہ رہی۔

تیسری دلیل:...... یہ امر دیکھنے کے قابل ہے کہ آیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے بہ لقب صدیق کے بین الصحابہ رضی اللہ عنہم مشہور تھے یا نہیں اور لوگ حضرات امیرؓ کے سامنے بلکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کو صدیق کہتے تھے یا نہیں، چنانچہ بلفظہ اس کا ثبوت خود شیعوں کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شیعی عالم ”منہج المقال“ میں فضیل سے روایت کرتا ہے:

((قَالَ سَمِعْتُ اَبَا دَاوٗدُ یَقُوْلِ حَدَّثَنِیْ بَرِیْدَةُ الْاَسْلَمِیُّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ الْجَنَّةَ مُشْتَاقٌ اِلٰی ثَلَاثَةٍ فَجَاءَ اَبُوْبَكْرٍ فَقِیْلَ لَهٗ یَا اَبَابَكْرِ اَنْتَ الصِّدِّیْقُ وَ اَنْتَ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ فَلَوْ سَأَلْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثِ .))

”بریدہ اسلمیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضرت نے فرمایا: کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے کہ اتنے میں ابوبکرؓ آئے، لوگوں نے ان سے کہا کہ اے ابوبکرؓ تم صدیق ہو اور تم ثانی اثنین اذھما فی الغار ہو، تم پوچھو حضرت سے کہ وہ تین کون ہیں؟۔“

پس یہ روایت اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب اصحاب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق جانتے تھے اور اسی خطاب سے ان کو یاد کیا کرتے تھے گویا صدیق اور ثانی اثنین اذھما فی الغار ان کا خطاب اور لقب ہو گیا تھا۔

اگر کسی شیعہ کو ان روایات سے بھی سیری نہ ہو اور وہ اس روایت کی تائید امام کے دوسرے قول سے چاہیں اور یہ پوچھیں کہ سوائے اس روایت ”نعم الصدیق“ کے اور بھی کبھی

کسی امام نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کہا ہے تو اس کا بھی ہم ثبوت دے سکتے ہیں اور جب تک کہ اچھی طرح پر حضراتِ شیعہ کو اطمینان نہ ہو جائے ہم ان کی تسکین اور تسلی کے واسطے روایت انہیں کی کتابوں سے لانے سے باز نہیں رہتے، چنانچہ ہم اس کا ثبوت دیتے ہیں کہ اسی کتاب ''کشف الغمہ'' میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک دوسری حدیث موجود ہے، جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ امام نے صدیق کا لفظ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام فرماتے ہیں:

((ولدنی ابوبکر الصدیق مرتین .))

''ابوبکر صدیق نے مجھے دو مرتبہ جنا۔''

اور طرفہ یہ ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری نے اگرچہ پہلی حدیث کے موجود ہونے سے ''کشف الغمہ'' میں انکار کیا تھا لیکن اس حدیث کے موجود ہونے پر سکوت ہی فرمایا اور کچھ زبان مبارک سے نہ نکالا اور حقیقت میں کہاں تک تکذیب کرتے اور آفتاب پر کہاں تک خاک ڈالتے، آخر کار انکار کرتے کرتے تھک گئے اور سکوت اختیار کیا۔

اگر اس روایت کے بعد بھی کچھ تشنگی باقی رہے تو حضرات شیعہ کو لازم ہے کہ خود جناب امیر علیہ السلام کے اقوال پر نظر کریں اور ان کی زبان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت صدیق کا خطاب سنیں۔ احتجاج طبرسی میں علامہ طبرسی جو کہ معتمدین علماء شیعہ سے ہیں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر فرماتے ہیں:

((كُنَّا مَعه اَیْ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ جَبَلُ حِرَاءَ اِذْتَحَرَّكَ الْجَبلُ فَقَالَ لَه قَرِّ فَاِنَّه لَیْسَ عَلَیْكَ اِلَّا نَبِیٌّ وَ صِدِّیْقٌ وَ شَهِیْدٌ .))

''کہ ہم پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ جبل حراء پر تھے کہ یکا یک پہاڑ نے حرکت کی، تب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ قرار پکڑ کوئی نہیں تجھ پر سوائے نبی اور صدیق اور شہید کے۔''

اور کتب شیعہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ اس وقت پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے، پس حضرتؐ نے اپنی ذات کے لیے نبی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں شہید فرمایا۔ اگر کوئی متعصب شیعہ کہے کہ امام کے اقوال سے اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت صدیق کا لفظ معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں خیالات استہزاء اور تقیہ وغیرہ کے ہیں۔ اس لیے ان سے خاطر خواہ اطمینان نہیں ہوتا۔ اگر خدا کی کتاب سے ان کی نسبت اس خطاب کا ہونا ثابت کر دیا جائے تو پھر کچھ شبہ نہ رہے۔ چنانچہ ہم ایسے متعصب سخت کی بھی خاطر شکنی گوارا نہیں کرتے اور اس کے (لیطمئن قلبی) کہنے پر اس کا ثبوت خدا کی کتاب سے بہ تصدیق مفسرین شیعہ کے پیش کرتے ہیں...... واضح ہو کر تفسیر مجمع البیان طبرسی ❶ میں جو نہایت معتبرین تفسیر شیعہ سے ہے لکھا ہے:

((قَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖ أُوْلئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ .))

''جو شخص آیا صدق کے ساتھ اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی متقی ہیں۔''

اس کی تفسیر میں علامہ موصوف لکھتا ہے:

((قِیْلَ اَلذِّیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ صَدَّقَ اَبُوْبَكرٍ عَنْ اَبِی الْعَالِیَہَ وَالْکَلْبِیْ .))

''جو شخص آیا صدق کے ساتھ اس سے مراد رسول خداؐ ہیں اور جس نے تصدیق کی ان کی اس سے مراد ابوبکر ہے۔''

اور جس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سچے دل سے سب سے زیادہ تصدیق کی اسی کا لقب صدیق ہے۔ پس بفضلہٖ تعالیٰ خدا کی کتاب سے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہونا ثابت ہو گیا۔ والحمدللہ علی ذالك!

اب بھی اگر حضرات شیعہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق نہ جانیں اور باوجود موجود ہونے

---

❶ طبرسی کا پورا نام ابوعلی الفضل بن الحسن طبرسی ہے، اس کا شمار چھٹی صدی ہجری کے فاضل ترین شیعہ علماء میں ہوتا ہے، اس کی تفسیر پانچ جلدوں اور دس پاروں میں موجود ہے۔۱۲۔ (شیخ محمد فراست)

ان کی صدیقیت کے خدا کی کتاب اور رسول ﷺ کے کلام اور امام کے اقوال سے ان کی صدیقیت کی تصدیق نہ کریں اور خدا کی کتاب اور رسول اور ائمہ کے اقوال سے روگردانی کریں تو اب سوائے اس کے کہ ہم بھی ان کی نسبت وہی کہیں جو امام نے فرمایا ہے کیا چارہ ہے۔ اس لیے ہم اوّل تو نہایت منت اور عاجزی سے حضرات شیعہ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اے بھائیو! ابوبکر صدیقؓ کو صدیق سمجھو، ان کو پیغمبر ﷺ کا دوست اور ثانی اثنین (اِذْهُمَا فِی الْغَارِ) جانو اور جس لقب سے ان کو ائمہ کرام علیہم السلام نے یاد کیا ہے، اسی لقب سے تم بھی یاد کرو، اگر اس پر بھی وہ کچھ نہ سنیں اور ان کو صدیق نہ کہیں تو پھر ہم امام کی وعید کو انہیں سنائے دیتے ہیں اور ان کو دنیا و آخرت کی رسوائی سے ڈرائے دیتے ہیں کہ ہزار برس پہلے سے امام فرما چکے ہیں:

((مَنْ لَمْ يُصَدِّقْهُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ قَوْلَه فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ .))

''جو ان کو صدیق نہ کہے اللہ اس کی دنیا اور آخرت میں کوئی بات سچ نہ کرے۔''

نویں شہادت:

سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح کا بیان

یہ بات از روئے کتب معتبرہ شیعہ و اہل سنت کے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا جو کہ خاص بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام کی تھیں۔ اس امر کے ثبوت سے چند فائدے ظاہر ہوتے ہیں:

۱۔ اس نکاح سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ باہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کچھ عداوت نہ تھی بلکہ نہایت ہی دوستی تھی، اگر دوستی نہ ہوئی تو حضرت علیؓ اپنی بیٹی، وہ بیٹی جو کہ خاص حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ کرتے اور دشمن کو اپنے خاندان میں نہ لیتے۔

۲۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کافر یا منافق یا مرتد نہ تھے، ورنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیر خدا، غالب کل، مطلوب کل طالب، مظہر العجائب و الغرائب اپنی

ایسی پیاری بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ نہ کرتے اور اگر ان کے ایمان وعبادت اور زہد و پرہیز گاری پر اطمینان کامل حضرت امیر کو نہ ہوتا تو وہ کبھی ان کو اپنا داماد نہ بناتے۔

۳۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی قسم کا رنج اور صدمہ جناب امیرؓ کو یا حضرت فاطمہ علیہا السلام کو نہیں دیا اور کبھی کسی قسم کی دشمنی یا عداوت ان کے ساتھ نہیں رکھی، ورنہ ممکن نہ تھا کہ حضرت امیرؓ ایسے شخص کے ساتھ جس نے ان کو یا حضرت فاطمہؓ کو رنج دیا ہوتا اس نکاح کا ہونا جائز رکھتے۔ بہر حال یہ امر اخلاص اور اتحاد ومحبت پر باہم جناب امیرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایسا شاہد عادل ہے کہ کسی طرح پر بعد ثبوت اس امر کے شیعوں کی زبان پر عداوت کا نام نہیں آسکتا اور باوجود ہزار سعی باطل کے کوئی عذر وحیلہ ان کا اس معاملہ میں نہیں چلتا۔ کسی معاملہ میں ایسے دق اور زچ نہیں ہوئے جیسے کہ اس معاملہ میں ہوئے ہیں۔ حقیقت میں یہ بحث غور سے دیکھنے کے لائق ہے کہ حضرات شیعہ نے عبداللہ بن سبا کے زمانے سے لے کر جناب قبلہ وکعبہ کے وقت تک اس معاملہ میں کیا کیا رنگ بدلے ہیں اور کیسی توجیہات لاطائل کی ہیں، کسی نے اس نکاح کے ہونے سے ہی انکار کیا ہے، کوئی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بنت مرتضوی ہونے ہی کا منکر ہوا ہے، کسی نے نکاح پر غصب کا اطلاق فرمایا ہے، کوئی بعد نکاح کے ہم بستر ہونے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منکر ہوا ہے، کوئی کہتا ہے کہ جنیہ بشکل حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آتی تھی اور وہ ہم خواب ہوتی تھی، کسی نے اس کو جناب امیرؓ کے اعلیٰ درجہ کے صبر کا نتیجہ کہا ہے، کسی نے اس کو تقیہ پر ٹالا ہے۔ بہر حال ہر ایک کا نیا ترانہ اور ہر متنفس کا جدا فسانہ ہے جس کے سننے سے فقط ایک ہمیں محو حیرت نہیں بلکہ ان کی نغمہ سرائی اور ترانہ سنجی کو سن کر ایک عالم اپنے قابو سے نکلا جاتا ہے اور وجد میں آ آ کر مرحبا اور احسنت پڑھتا ہے۔ شعر......

اک ہم ہی تیری چال سے پستے نہیں صنم
پامال کبک بھی تو ہوئے کوہسار میں

اب میں علماء شیعہ کے اقوال مختلفہ کو بیان کرتا ہوں:

پہلا قول:......بعض متعصب شیعوں نے اس نکاح کے ہونے ہی سے انکار کیا ہے اور اس روایت کو بے اصل محض کہہ کر اپنا دامن چھوڑایا ہے، جیسا کہ مجتہد صاحب [1] قبلہ وکعبہ اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں:

((و انتساب تزوج حضرت ام کلثوم بابن الخطاب به ثبوت نرسیده و مثل سید مرتضیٰ که قریب العهد از زمانِ ائمه معصومین بود و غیر ایشان انکار بلیغ ازاں نموده اند.))

''عمرؓ بن الخطاب سے ام کلثوم بنت فاطمہؓ کے عقد ہونے کا ثبوت مہیا نہیں ہوا اور ائمہ معصومین کے زمانہ سے قریب جناب سید مرتضیٰ وغیرہ نے اس نکاح کے وجود سے قطعی انکار کیا ہے۔''

لیکن مجتہد صاحب کا یہ دعویٰ چند دلائل سے غلط معلوم ہوتا ہے:

پہلی دلیل:......جناب قبلہ وکعبہ کا یہ ارشاد فرمانا کہ جناب سیّد علی المرتضیٰؒ نے جو کہ ائمہ کے زمانے سے قریب تھے نکاح کے ہونے سے انکار کیا ہے صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ سید مرتضیٰ دو ہیں ایک ابوالقاسم ثمانینی برادر رضی، دوسرا سید مرتضیٰ رازی صاحب ''تبصرۃ العوام'' پہلے سید صاحب تو قدمائے متکلمین اور فقہائے شیعہ سے ہیں اور شہید ثالث کی تحریر کے موافق جو مجالس المومنین میں کی ہے۔ ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور دوسرے میر صاحب ان سے بہت پیچھے ہوئے ہیں۔ پس وہ سید مرتضیٰ جن کی نسبت مجتہد صاحب فرماتے ہیں: ''قریب العہد از زمان معصومین بود'' روایت نکاح کے منکر نہیں ہیں اور ان کی تالیفات مثل ''شافی'' اور ''تنزیہ الانبیاء والائمہ'' اس پر شاہد ہیں، معلوم نہیں کہ ان کی طرف انکار روایت نکاح کو مجتہد صاحب نے کیوں کر منسوب فرمایا...... اور اگر دوسرے سید مرتضیٰ مراد ہیں اور شاید انہوں نے انکار کیا ہو تو ان کی نسبت اس فقرہ کا مضمون کہ ''قریب العہد از زمان معصومین

---

[1] مجتہد صاحب سے مراد سیّد محمد صاحب خلف مولوی دلدار علی ہیں۔۱۲۔

بود'' صحیح نہیں ہوتا......اب ہم ان سید مرتضٰی کی تالیفات کو جو کہ زمانہ معصومین کے قریب تھے مجتہد صاحب کے قول کی تکذیب کے لیے پیش کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ سید صاحب موصوف نے دو کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے ایک کتاب شافی میں مفصلاً اور دوسرے ''تنزیہ الانبیاء و الائمہ'' میں مجملاً۔ چنانچہ ہم ''نزہہ اثنا عشریہ'' سے جو ''تحفہ'' کا جواب ہے ان کے قول کو نقل کرتے ہیں:

((سید مرتضیٰ علم الھدی در کتاب تنزیه ❶ الانبیاء می فرماید: فَاَمَّا اِنْكَاحُه فَقَدْ ذَكَرْ نَا فِی كِتَابِ الشَّافِی اَلْجَوابُ عَنْ هٰذَا لْبَابِ مَشْرُوْحًا وَ بَيَّنَّا اَنَّه عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا اَجَابَ عُمَرَ اِلٰى نِكَاحِ اِبْنَتِه اِلَّا بَعْدَ تَوَعُّدٍ وَ تَهَدُّدٍ وَ مُرَاجِعَةٍ وَمُنَازَعَةٍ وَ كَلَامٍ طَوِيْلٍ مَا شُور اشفق مَعَه مِنْ سُوءِ الْحَالِ وَ ظُهُوْرِ مَالَا يَزَالُ...... الخ))

''سید مرتضٰی اپنی کتاب ''تنزیہ الانبیاء'' میں فرماتے ہیں کہ عمر کا نکاح ام کلثوم کے ساتھ (جس کو اہل سنت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں شمار کرتے ہیں) جواب ہم نے اپنی کتاب شافی میں بہ تفصیل دیا ہے اور وہاں ہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت امیر نے عقد اپنی بیٹی کا عمر کے ساتھ بہ طیب خاطر قبول نہیں فرمایا بلکہ یہ عقد بعد اس کے ہوا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار بلکہ یہ عقد بعد اس کے ہوا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار حضرت امیر سے درخواست کی اور نوبت منازعت اور تخویف و تہدید کی پہنچی۔ جب حضرت امیر نے دیکھا کہ کار دین وملت فاش ہوتا ہے اور دامن تقیہ ہاتھ سے نکالا جاتا ہے اور حضرت عباس نے بھی بخیال فتنہ وفساد کے سمجھایا تب بلا رضا اور بغیر اختیار کے جناب امیر نے یہ نکاح کر دیا۔''

تب بلا رضا اور بغیر اختیار کے جناب امیر نے یہ نکاح کر دیا۔

❶ کتاب ''تنزیہ الانبیاء'' سید شریف المرتضٰی علم الہدیٰ صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۱ طبع ایران۔۱۲

فقط اس تحریر کو سید مرتضٰی کی کوئی شخص جناب قبلہ وکعبہ کی تحریر سے ملاوے اور اس فقرے کو کہ ''مثل جناب سید مرتضٰی کہ قریب العہد از زمان ائمہ معصومین بود انکار بلیغ ازاں نمودہ'' تنزیہ الانبیاء کی عبارت مذکورہ سے مقابل کر کے جناب اجتہاد مآب کی صداقت کی داد دے۔ اگر کوئی شخص اس تحریر پر بھی مجتہد صاحب کی صداقت پر شبہ نہ کرے تو خود ان کے والد ماجد کی زبان سے ہم ان کا جھوٹ ثابت کرتے ہیں...... جناب مولوی دلدار علی صاحب قبلہ ''مواعظ حسینیہ'' میں فرماتے ہیں کہ سید مرتضٰی نے فرمایا ہے کہ تزویج ام کلثوم حضرت امیر کے اختیار سے نہیں ہوئی، اور بہت سی احادیث انہوں نے اس قول کے ثبوت میں بیان کی ہیں اور جب کہ باختیار حضرت امیر کے نکاح کا ہونا ثابت نہیں ہوا تو پھر محل اشکال باقی نہ رہا، چنانچہ حاصل کلام ''مواعظ حسینیہ'' کا کما نقلہ فی ازالۃ الغین یہ ہے۔

((سید مرتضیٰ گفتہ ست کہ تزویج ام کلثوم باختیار حضرت امیر واقع نشدہ و احادیث بسیار مؤید قول خود ذکر کردہ و ھر گاہ باختیار حضرت امیر واقع نشد محل اشکال نیست .))

''سید مرتضٰی نے کہا ہے کہ ام کلثومؓ کا نکاح حضرت امیرؓ کے اختیار سے نہیں ہوا اور بہت سی احادیث اپنے قول کی تائید میں ذکر کی ہیں اور جب حضرت امیرؓ کے اختیار سے نکاح نہ ہوا تو جائے اعتراض نہیں۔''

پس ان تحریرات سے صاف ظاہر ہے کہ بے چارہ سید مرتضٰی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح کا منکر نہیں ہے بلکہ اس کا ہونا قطعی اور یقینی جانتا ہے ہاں اس کا ہونا بخوشی خاطر جناب امیرؓ کے اور برضا مندی ان کے بیان نہیں کرتا اور یہ امر آخر ہے اور انکار اصل واقعہ کے وقوع سے دوسرا امر ہے۔ مگر قربان صداقت پر جناب قبلہ وکعبہ کی کہ ایسے دعویٰ کے کرنے میں جس کا غلط ہونا محتاج بیان نہیں ہے، بایں تقدس واجتہاد کا کچھ لحاظ وخیال نہ فرمایا۔

غرض کہ یہ قول مجتہد صاحب کا کہ سید مرتضٰی نے وقوع نکاح سے انکار کیا ہے خود سید

مرتضیٰ کی تحریر سے اور خود ان کے والد ماجد کی تحریر سے غلط ثابت ہوا، لیکن ان کا یہ قول کہ سوائے ان کے اوروں نے بھی انکار کیا ہے کسی قدر صحیح ہے، چنانچہ منجملہ منکرین اس قصے کے اگلے علماء شیعہ میں سے ایک قطب الاقطاب راوندی مولف خرائج و جرائح ہیں کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نکاح کا ہونا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا، چنانچہ ان کے قول کو جناب مجتھد صاحب قبلہ نے کتاب مواعظ حسینیہ میں نقل کیا ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے جس کو ہم ”ازالۃ الغین“ سے نقل کرتے ہیں:

((گفت عرض نمودم بخدمت حضرت صادق علیه السلام کی مخالفین بر ماحجت می آرندو میگویند که چرا علیؓ دختر خودرا بخلیفه ثانی داد پس حضرت صلوت الله علیه که تکیه کرده نشسته بودند درست نشسته فرمودند که آیا چنیں حرفهامی گویند بدر ستیکه قومی چنیں زعم می کنند لا یهتدون سواء السبیل .))

”کہا کہ میں نے حضرت جعفر صادق سے عرض کیا کہ سنی ہم پر حجت لاتے اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی خلیفۂ ثانی کو کیوں دی! تو حضرت جو تکیہ لگائے ہوئے تھے سیدھے بیٹھے اور فرمایا کیا لوگ یہ باتیں کرتے ہیں۔ جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں وہ راہِ راست نہیں پا سکتے ہیں۔“

لیکن قطب الاقطاب صاحب کا یہ دعویٰ سراسر باطل ہے اور بروایات ائمہ کرام نکاح کا ہونا ثابت ہے، چنانچہ ہم اس کو ان کی کتب احادیث اور فقہ اور کلام سے ثابت کرتے ہیں۔

❁❁❁❁

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ثبوت

پہلا ثبوت :......قاضی نور اللہ شوستری نے ''مجالس المومنین'' [1] میں اس نکاح کا اقرار کیا ہے اور ان لفظوں سے اس کی صحت کو ظاہر فرمایا ہے:

((اگر نبی دختر به عثمان داد ولی دختر به عمر فرستاد))

''اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لڑکی کا نکاح عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔''

دوسرا ثبوت :......شرائع جو مشہور کتب فقہی شیعہ سے ہے اس کا شارح ابو القاسم قمی شرح شرائع میں جس کا نام مسالک [2] ہے صاحب شرائع کے اس قول کے تحت ''یَجُوزُ نِکَاحَ الْعَرَبِیَّةِ بِالْعَجَمِیِّ وَالْهَاشِمِیَّةِ غَیْرِ الْهَاشِمِیْ وَ بِالْعَکْسِ'' فرماتا ہے:

---

[1] مجالس المومنین صفحہ ۸۵ تذکرہ مقداد بن اسود طبع قدیم ایرانی تختی کلاں۔۱۲

[2] ابو القاسم قمی شیخ زین الدین احمد العاملی المعروف الشہید الثانی نے ۹۶۴ھ میں شرائع الاسلام کی ''مسالک الافہام'' کے نام سے نہایت معتبر شرح لکھی ہے وہاں پر محقق الحلّی المتوفی ۶۷۶ھ کی مذکورہ بالا عبارت کی شرح کرتے ہوئے شہید ثانی نے پانچ عدد رشتوں کا بطور فقہی استدلال کے ذکر کیا ہے جس میں ایک رشتہ حضرت ام کلثوم کا بھی ہے عربی عبارت یہ ہے: (وَزَوَّجَ النَّبِیُّ ابْنَتَهُ عُثْمَانَ وَزَوَّجَ اِبْنَتَهُ زَیْنَبَ بِاَبِی الْعَاصِ بْنِ رَبِیْعٍ وَلَیْسَا مِنْ بَنِی هَاشِمٍ وَ کَذَالِكَ زَوَّجَ عَلِیٌّ اِبْنَتَهُ اُمَّ کُلْثُوْمَ مِنْ عُمَرَ وَ تَزَوَّجَ عَبْدُاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ وَ بْنِ عُثْمَانَ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَیْنِ وَتَزَوَّجَ مُصْعَبُ بْنُ الزُّبَیْرِ اُخْتَهَا سَکِیْنَةَ وَکُلُّهُمْ مِنْ غَیْرِ بَنِی هَاشِمٍ۔) ''مسالک الافہام'' شرح ''شرائع الاسلام'' کتاب النکاح، باب لواحق العقد، جلد اوّل مطبوعہ ایران، سن طباعت ۱۲۷۳ھ۔''

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کا نکاح عثمان بن عفان سے کر دیا تھا اور اپنی دختر کا نکاح ابو العاص بن الربیع سے کر دیا تھا حالانکہ دونوں بنی ہاشم سے نہ تھے۔اسی طرح حضرت علیؓ نے اپنی دختر ام کلثوم کا نکاح عمر بن الخطاب سے کر دیا تھا اور عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے ساتھ فاطمہ بنت حسین کی شادی ہوئی اور ان کی بہن سکینہ بنت الحسین کی شادی مصعب بن زبیر سے ہوئی۔ بنی ہاشم کے یہ سب رشتے غیر بنی ہاشم میں ہوئے۔۱۲۔ (شیخ محمد فراست)

((زَوَّجَ عَلِیٌّ بِنْتَهُ أُمَّ كُلْثُومٍ مِنْ عُمَرَ .))

''کہ نکاح کیا علیؓ نے اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا عمرؓ کے ساتھ۔''

تیسرا ثبوت:......ابوالحسن علی بن اسماعیل شیعی اثنا عشری جس کی نسبت امام اعظم امامیہ کے ''خلاصۃ الاقوال'' میں فرماتے ہیں کہ وہی پہلا شخص ہے جس نے علماء کلام کے قاعدہ کے موافق مذہب اہل بیت کے اثبات میں گفتگو کی ہے، وہ بھی اس نکاح کے ہونے کا مقر ہے۔ چنانچہ اس کے اس قول کو قاضی نور اللہ شوستری نے ''مجالس المومنین'' میں نقل کیا ہے اور ہم "ازالة الغين" سے اس کو نقل کرتے ہیں:

((اورا از چند امر پر سیدند که از انجمله مقدمۂ نکاح خلیفۂ ثانی است جواب داد که دادن دختر به عمرؓ که جناب امیرؓ المومنین را اتفاق افتاد بایں جهت بود که اظهار شهادتین مینمود و زبانِ اقرار به فضیلت رسول می کشود ودران باب اصلاح غلظتِ و فظاظت اُونیز منظور بود .))

''ان سے چند باتیں پوچھیں ان میں سے ایک خلیفۂ ثانی کے نکاح کا معاملہ ہے جواب دیا کہ جناب امیر المومنینؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی لڑکی اس وجہ سے بیاہ دی کہ عمر رضی اللہ عنہ کلمہ پڑھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا اقرار کرتے تھے۔ دوسرے لڑکی دے کر ان کی سخت مزاجی اور تن فن کی اصلاح کرنا منظور تھی۔''

چوتھا ثبوت:......''مجالس المومنین'' [1] میں لکھا ہے کہ بعد وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ام کلثوم کا دوسرا نکاح محمد بن جعفر طیار کے ساتھ ہوا، وهذه عبارته:

((محمد بن جعفر الطيار بعد از فوت عمر بن خطاب بشرف مصاهرت حضرت امير المومنين مشرف گشته ام كلثوم را كه ازروی اكراه در حباله عمر بود تزويج نمود .))

[1] مجالس المومنین صفحہ ۸۲ تذکرہ محمد بن جعفر طبع قدیم ایرانی ۔۱۲

''محمد بن جعفر طیارؓ، عمر بن خطابؓ کے انتقال کے بعد امیر المومنین کے شرف دامادی سے مشرف ہوئے، ام کلثومؓ سے جو کہ بہ جبر واکراہ عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں شادی کی۔''

پانچواں ثبوت: ......تہذیب میں جو نہایت معتبر کتاب حدیث کی مذہب امامیہ میں ہے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی اولاد ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی اور ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام زید بن عمر تھا اور یہ روایت ائمہ کرام کی سند سے اس محدث نے بیان کی ہے، کما قال:

((عَنْ مُحَمَّدِ بنِ اَحْمَد بن يَحْيىٰ عَنْ جَعْفَر بنْ مُحَمَّد القُمِّي عَنِ الْقَدَاحِ جعفر عَنْ اَبِيْهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ مَاتَ اَمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ عَلِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ ابْنُهَا زَيْدُ بْن عُمَرَ ابنَ الْخَطَّاب فِي سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ وَ لَايَدْرِيْ اَيُّهُمَا هَلَكَ قَبْلُ فَلَمْ تُوْرَثْ اَحدُهُمَا مِنَ الْاٰخر صَلّٰى عَلَيْهِمَا جَمِيْعًا .)) [1]

''جعفر اپنے آباء (ائمہ) علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ام کلثومؓ بنت علی علیہ السلام اور ان کے بیٹے زید بن عمرؓ بن خطاب کا ایک ہی وقت ساتھ ساتھ انتقال ہوا اور یہ تک نہ معلوم ہو سکا کہ پہلے کس کا انتقال ہوا، اس لیے ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوا ان پر درود وسلام ہو۔''

چھٹا ثبوت : ......قول سید مرتضیٰ کا جو شافی اور ''تنزیه الانبیاء'' میں لکھا ہے اور جس کو کشمیری نے اپنی کتاب ''نزهته'' میں بجواب ''تحفه'' کے اور مجتہد صاحب نے ''مواعظ حسینیه'' میں نقل کیا ہے اور جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں:

((اَنَّهٗ عليه السلام مَا اَجَابَ عُمَرَ اِلَى نِكَاحِ اِبْنَتِهٖ اِلَّا بَعْدَ تَوَعُّدٍ وَ تَهَدُّدٍ .))

''کہ امیر المومنین علی علیہ السلام عمرؓ سے اپنی بیٹی کا نکاح کرنے پر ڈرانے دھمکانے

---

[1] تهذيب الاحكام آخرى جلد كتاب الميراث صفحه ۳۸۰ طبع قديم ايرانى، باب ميراث الغرقى و المهدوم عليهم فى وقت واحد۔ ۱۲

کے بعد ہی راضی ہوئے۔''

ساتواں ثبوت:......کتاب کافی میں ملا یعقوب کلینی لکھتے ہیں کہ کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس نکاح کا حال پوچھا تو آپ نے جواب دیا:

((اِنَّ ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ .)) [1]

''کہ یہ ایک شرمگاہ تھی جو ہم اہل بیت سے غصب کی گئی۔''

آٹھواں ثبوت:......''مصائب النواصب'' میں لکھا ہے کہ محدثین کا اقرار ہے کہ یہ نکاح جبر و اکراہ سے ہوا۔

غرض کہ روایات نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا شیعہ کی کتب احادیث، اخبار، فقہ اور کلام میں اس کثرت سے مذکور ہیں کہ کسی طرح پر اس سے انکار نہیں ہوسکتا اور ایسی متواتر خبر کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اہل انصاف اس فرقے کے تعصب اور عناد کو دیکھیں اور ان کی کج مج بیانی کو ملاحظہ فرمائیں کہ باوجودیکہ خود ہی ائمہ کرام علیہم السلام سے اس روایت کی صحت کا اقرار کریں اور اپنی احادیث کی کتابوں میں سنداً اس کو روایت کریں اور اپنے فقہی مسائل کا اس سے استخراج فرمائیں اور نہ ایک شخص بلکہ ''خلفاء عن سلف و ابا عن جد'' بطور میراث کے اس روایت کی صحت بہ سند صحیح نقل کرتے آئیں اور اس کی توجیہات سے سیکڑوں ورق سیاہ کریں اور پھر بھی بعض حضرات غیرت اور انصاف کو چھوڑ کر بے ساختہ اس روایت کے غلط ہونے کا دعویٰ کریں اور اصل واقعے کے منکر ہو جائیں اور یہ خیال نہ کریں کہ اگر ایک دن یا ایک ہفتہ یا ایک مہینہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نکاح میں حضرت عمرؓ کے رہتیں اور کسی کو خبر نہ ہوتی اور اس کی شہرت درجۂ تواتر تک نہ پہنچتی تو شاید کوئی موقع انکار یا تکذیب کا ہوتا، لیکن جب سالہا سال حضرت ام کلثومؓ زینت افزاء خانۂ فاروق ہوئی ہوں اور تاحیات ان کے نکاح میں رہی ہوں اور ان سے اولاد بھی ہوئی ہو اور ان کے بیٹے کا نام بھی زید بن عمر بن خطاب رکھا

---

[1] فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱٤۱ کتاب النکاح، باب تزویج ام کلثومؓ۔ طبع نولکشور، لکھنؤ۔ ماہ جون ۱۳۰۳ھ۔ ۱۸۸٦ء۔

گیا ہو اور حضرت عمرؓ کے مرنے کے بعد ان کا نکاح محمد بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا ہو تو ایسے متواتر اخبار کو کون چھپا سکتا ہے اور آفتاب روشن کو کف دست سے کون پوشیدہ کر سکتا ہے؟

ہم نے یہ جو کچھ بیان کیا اس میں نہ اپنے عالموں کے اقوال کو نقل کیا ہے نہ اپنی کتابوں کی سند لائے ہیں...... جو کچھ حضرات شیعہ نے فرمایا اور جو کچھ ان کے محدثین اور علماء نے تحریر کیا وہی ہم نے نقل کیا اور اسی سے نکاح کا ثبوت دیا، پس اگر باوجود اس ثبوت کے بھی کوئی اس نکاح سے انکار کرے تو وہ تواتر کا منکر ہے۔

دوسرا قول: ...... جب علماء اعلام شیعہ نے دیکھا کہ اس روایت سے انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے اور اس کو غلط اور جھوٹ کہنا مقولہ ''دروغ گویم بروے تو'' پر عمل کرنا ہے، اس لیے اس کی توجیہہ پر توجہ فرمائی اور دوسرے طور سے اس فضیلت کے ابطال پر کمر ہمت باندھی، اگرچہ ان بزرگوں نے نہایت ہی سعی وکوشش کی اور ہر طرح کی توجیہہ وتاویل فرمائی لیکن اس سے بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوتا گیا اور بعوض قائم رہنے اصول مذہب تشیع کے اس میں خلل ہی بڑھتا گیا، کاش! وہ انکار ہی کرتے جاتے اور گو ان کے محدثین وعلماء جھوٹے ہوتے بلا سے مگر کبھی اس کی صحت کا اقرار نہ فرماتے تو بہتر ہوتا، اس لیے کہ جو توجیہات اس نکاح کے معاملہ میں کی گئی ہیں ان کے دیکھنے سے ہر شخص مذہب تشیع سے نفرت کرتا ہے اور ان کے سننے سے ہر مسلمان کے دل میں غیرت کا ایک جوش پیدا ہوتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ جتنی زیادہ توجیہات کرتے ہیں اور جس قدر زیادہ تاویلات بیان فرماتے ہیں ان سے انہیں کے اصول و عقائد کی برائی کا اور ثبوت ہوتا جاتا ہے، شعر......

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور زیادہ تر تعجب اس پر ہے کہ باوجود اس کے کہ خود ان کے دلوں میں اس کا یقین ہے کہ یہ توجیہات باطل اور تاویلات لاطائل ان کے دین کی برائی ثابت کرنے والی اور لوگوں کو ان کے مذہب سے نفرت دلانے والی ہیں مگر بایں ہمہ علم وفضل اس سے باز نہیں رہتے اور

بایں تقدس واجتہاد (ھل من مزید ھل من مزید) کہہ کراور بڑھاتے جاتے ہیں اور اپنے معائب کو ظاہر کرتے جاتے ہیں۔ ہم کو ان کے علماء اور فضلاء کی تقریروں اور تحریروں کو دیکھ کر نہایت ہی حیرت ہوتی ہے کہ بار خدایا ان کی عقل پر کیسا پردہ پڑ گیا، ان کی حیا اور غیرت کو کون لے گیا کہ ایسے بے غیرتی کے کلمات زبان پر لانے سے شرم نہیں کرتے اور ایسے عار و ننگ کی باتوں کو ائمہ کی طرف منسوب کرنے سے لحاظ نہیں فرماتے، دین محمدی ﷺ کو تو خراب کر ہی چکے مذہب اسلام کو بھی بگاڑ چکے، اصحاب نبیؐ کو کافر اور منافق کہہ چکے ایک اہل بیت رہ گئے تھے جن کی مزید محبت کا دعویٰ کرتے تھے، جن کے فضائل کا اقرار فرماتے تھے اس کو بھی در پردہ کھو دیا، ان کے فضائل کو بھی ایسی بے غیرتی کے کلمات کو ان کی طرف منسوب کر کے معائب سے بدل دیا اور یہ سب کچھ تو کر چکے اور ہنوز ایمان کے دعویٰ میں ثابت قدم ہیں، معلوم نہیں کہ ان کا ایمان اور محبت کیا کیا رنگ دکھلائے گی، شعر......

دل بردی ودیں و جانِ شیریں
ویں طرفہ کہ باز در کمینے

''دل، دین اور جان عزیز سب تو لے گیا اس پر طرفہ یہ کہ پھر بھی گھات میں لگا ہوا ہے۔''

اب ہم اس قول کو بیان کرتے ہیں جو حضرات شیعہ نے بعد قبول کرنے صحت نکاح کے ارشاد فرمایا ہے اور اس کو ائمہ کرام کی طرف (حاشا جنابھم عن ذالك) منسوب کیا ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح جناب امیر کی رضا اور خوشی سے نہیں ہوا بلکہ عمر فاروقؓ نے جناب امیرؓ کو تنگ کیا اور ان کو ڈرایا اور ہر قسم کا خوف دیا اور ان پر نہایت درجۂ تشدد کیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ نوبت خون ریزی تک پہنچے تب حضرت عباس پیغمبر خدا ﷺ کے چچا نے حضرت امیر علیہ السلام کو دبا کر فتنہ و فساد نہ ہونے کے خیال سے یہ نکاح کر دیا۔ پس اس نکاح سے عمر رضی اللہ عنہ کی برائی ثابت ہوتی ہے...... چنانچہ اس قول کے ثبوت میں ہم چند سندیں علماء شیعہ کی بیان کرتے ہیں۔

پہلی سند:......سید مرتضیٰ علم الھدیٰ کتاب ''تنزیہ الانبیاء'' میں فرماتے ہیں:

((فَاَمَّا اِنْكَاحُه فَقَدْ ذَكَرْنَا فِیْ كِتَابِ الشَّافِیْ الجَوَابَ عَنْ هٰذَا الْبَابِ .))

یعنی حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منظور نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو دق کیا، ڈرایا اور جھگڑا کیا، جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ فتنہ وفساد ہوا چاہتا ہے تب حضرت امیرؓ سے اس کام کو اپنے اختیار میں لے لیا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔'' اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شرع میں ہر گز ممنوع نہیں ہے کہ بہ جبر و اکراہ لڑکی کا نکاح اس شخص کے ساتھ کر دیا جائے جس کے ساتھ حالت اختیار میں جائز نہ ہوتا، خصوصاً عمر رضی اللہ عنہ جیسے آدمی کے ساتھ کہ وہ اسلام بھی ظاہر کرتا تھا اور تمام شریعت کا پابند تھا۔

دوسری سند: ......''مواعظہ حسینیہ'' میں مجتہد صاحب فرماتے ہیں، کما نقل فی ازالۃ الغین:

((که تزویج ام کلثوم باختیار حضرت امیر واقع نشد، الی قوله بالفرض اگر باختیار هم باشد عقل ایں راقبیح نمی داند که نکاح با مخالفین جائز باشد بلکه عقل تجویز میکند که حضرت حق تعالیٰ مباح سازد برائے ما نکاح کردن را باکفارچه قیاحت نکاح باکفار عقلے نیست مثل قباحت ظلم و قتل و امثال آں وچه گو نه عقلے باشد و حالانکه معلوم ست که پیغمبر خدا ﷺ دختر خودرا باکفار تزویج کرده دهرگاه حقیقت حال چنیں باشد پس چه قباحت ست درینکه جناب امیر علیه السلام تزویج نمایند دختر خودرا باکسیکه به ظاهر مسلمان باشد .))

''حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی جناب امیرؓ کے اختیار سے نہیں ہوئی اور اگر بالفرض اختیار مان بھی لیا جائے تب بھی عقل اسے قبیح و ناز یبا نہیں جانتی کہ

مخالفین سے نکاح نا جائز ہو بلکہ عقلاً جائز ہے کہ اللہ نے ہمارے لیے کافروں سے نکاح کو مباح و درست قرار دیا ہے کیونکہ کفار کے ساتھ نکاح کرنے میں ظلم و قتل کی مانند کوئی قباحت عقلی نہیں ہے اور قباحت عقلی کیوں کر ہو سکتی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی خود کافر سے بیاہی اور جب کہ یہ امر واقع ہے تو پھر اس میں کون سی قباحت ہے کہ جناب امیرؓ نے اپنی صاحبزادی (ام کلثومؓ) کی ان سے شادی کی جو بظاہر مسلمان تھے۔''

تیسری سند: ......قاضی نور اللہ شوستری ''مصائب النواصب'' میں لکھتے ہیں کہ صاحب استغاثہ فرماتے ہیں کہ ایک مخالف نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح عمرؓ بن خطاب سے کر دیا، ہم کہتے ہیں کہ ہم کو خبر دی ہے ایک جماعت نے ہمارے مشائخ ثقات سے جن میں جعفر بن محمد بن مالک کوفی ہیں، انہوں نے احمد بن فضل سے انہوں نے محمد بن ابی عمیر سے، انہوں نے عبداللہ بن سنان سے کہ میں نے سوال کیا امام جعفر سے نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بابت، انہوں نے جواب دیا کہ (اِنَّ ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ) کہ یہ ایک فرج ہے جو ہم سے غصب کی گئی ہے اور یہ خبر مناسب اس خبر کے ہے جس کو ہمارے مشائخ نے بابت نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت) عباسؓ کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا جائے، حضرت امیرؓ نے انکار کیا، جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ خبر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے تب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کا نکاح میری ساتھ نہ کریں گے تو ان کو قتل کر دوں گا، تب پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے تب بھی انکار کیا، یہاں تک کہ آخر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم نکاح نہیں کرتے ہو میں کیے دیتا ہوں اور تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرے قول و فعل کے خلاف نہ کرنا اور یہ کہہ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ تمہارا نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا جاتا ہے، پھر عمرؓ نے آدمیوں کو جمع کیا اور

کہا کہ یہ عباس رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں اور علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا پر ان کو اختیار دیا ہے، اور ان کے ساتھ میرا نکاح کر دینے کی اجازت دی ہے، پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا اور تھوڑی مدت کے بعد ان کو عمر رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیا۔فقط!

اس روایت کو لکھ کر قاضی صاحب اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث اس روایت کو قبول نہیں کرتے لیکن ان کے درمیان اس میں اختلاف نہیں ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ نے بہت سے جھگڑوں اور قصوں کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ جس کسی نے اس حکایت سے انکار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عمرؓ کے ساتھ نہیں کیا مگر بہ سبب اس کے کہ جسے ہمارے مشائخ نے روایت کیا ہے اور وہ مطابق اس روایت کے ہے جو کہ امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امام نے فرمایا: (اِنَّ ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ) ''کہ یہ ایک شرم گاہ ہے جو ہم سے غصب کی گئی۔'' [1]

---

[1] یہ اردو ترجمہ ہے قاضی نور اللہ شوستری کے کلام کا اور فارسی ترجمہ اس کا علی ماہو مذکور فی ازالۃ الغین یہ ہے:
''وصاحب استغاثه گفته که قائلے ازاهل خلافت گفته که علت چیست در تزویج امیر المومنین علیه السلام ابنة خودرا بعمر بن الخطاب و مامی گوئیم که خبر داده اند مارا جماعتے از مشائخ ثقات از ایشاں جعفر بن محمد بن مالك کوفی ست از احمد بن فضل از محمد بن ابی عمیر از عیدالله بن سنان گفت سوال کردم جعفر بن محمد صادق را علیه السلام از تزویج عمر از ام کلثوم پس گفت ایں اوّل فرجے ست که غصب کرده شد از ماوایں خبر مشاکل آن خبر یست که روایت کرده اندآں را مشائخ مادر تزویج عمر ازام کلثوم وآں ایں ست که در خبرست که عمر عباس را نزد علی فرستاد وسوال کرد که تزویج کندام کلثوم باؤ پس آنحضرت امتناع کرد وچوں عباس بازگشت و خبر امتناع علی علیه السلام به عمر رسانید پس عمر گفت اے عباس آیا تانف میکند علی از تزویج من والله اگر تزویج نکند اوراخواهم کشت، پس عباس باز آمد بسوی علی وآنحضرت در مقام امتناع افتاد پس خبر داد عباس عمر را و گفت اے عباس حاضر شوروز جمعه در مسجد و قریب به منبر باش و بشنو آنچه مذکور خواهدشد پس خواهی دانست که من قادرم بر قتل او اگراراده کنم پس حاضر شد عباس در مسجد چوں عمر از خطبه فارغ شد گفت ای مردم د رینجا مردی از اصحاب رسول خدا ﷺ ⇦⇦⇦

الحاصل ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خوشی سے نکاح نہیں کیا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زبردستی نکاح کردیا، لیکن یہ قول چند دلیلوں سے باطل ہے۔

پہلی دلیل:......اگر ہم تسلیم کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود نکاح نہیں کیا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اختیار دے دیا اور انہوں نے نکاح کر دیا لیکن اس سے اصل نکاح کے ہونے میں کچھ شبہ نہ رہا۔ اگر حضرت امیر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے باپ تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے دادا ہوتے تھے اگر باپ نے نکاح نہ کیا نہ سہی ان کی اجازت سے دادا نے نکاح کر دیا اصل مطلب جو ہم ثابت کرتے ہیں ثابت ہوگیا۔

دوسری دلیل:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ لائق زوجیت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے تھے یا نہ تھے، اگر لائق زوجیت کے نہ تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور جناب سید الانبیاء کے چچا تھے ان پر معاذ اللہ! سخت الزام عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کا نکاح ایسے شخص کے ساتھ کر دیا جو کہ زوجیت کی صلاحیت نہیں

⇦⇦⇦ که زنا کرده واو محصن است مطلع شده برآں امیر المومنین تنها شمادریں یاب چه می گوئید پس مردم از هر جانب گفتند که هر گاه امیر المومنین اطلاع یافته شده چه حاجت ست که مطلع شود برآں غیر او باید که امضا کند حکم خدارادرو چوں از مسجد باز آمد بعباس گفت برو نزد علی و معلوم او کن آنچه شیندی پس اگر و الله نکند من میکنم پس عباس نزد علی رفت و آنچه شنیده بود بسمع آنحضرت رسانید علی فرمود من می دانم که ایں نزد او آسان ست و من نیستم که بکنم آنچه او التماس می کندپس عباس گفت اگر نمی کنی من میکنم و قسم می دهم تراکه مخالف قول و فعلماننمائی پس عباس نزد عمر رفت و گفت که میکند آنچه اراده کردۂ پس جمع کرد عمر مردم راو گفت ابن عباس رضی اللہ عنہما عم ابی طالب ست واوا مر ابنته خود ام کلثوم را بادراجع کرده و امر کرده اورا که تزویج کنداز برای من پس تزویج نمود عباس رضی اللہ عنہما و بعد ازاندك مدتے نزد عمر فرستاد، و اصحابِ حدیث ایں روایت را قبول نکرده لیکن خلافے نیست که میان ایشاں درینکه عباس تزویج نموده ام کلثوم رضی اللہ عنہا را بعمر بعد از طول مطالعه و مدافعه پس می گوئیم کسے را که انکار کرده ایں حکایت را از فعل عمر آنکه تزویج عباس ام کلثوم رضی اللہ عنہا رانبود مگر از جهت چیزے که روایت کرده انداز مشائخ ما چنانچه حکایت کردیم وایں مشاکل روایتی ست که از صادق علیه السلام کرده اند که گفته که ایں اوّل فرجے ست که از ما غصب کرده اند ۱۲۔

رکھتا تھا اور جو ایمان اور زہد وتقویٰ سے بھی بری تھا۔ پس جو الزام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر (وحاشاجنابه عن ذالك) اصول شیعہ کے موافق ہوتا ہے وہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کے چچا پر ہوگا۔

تیسری دلیل :......وکیل اور مختار ہونا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا حضرت علیؓ کی طرف سے معاملۂ تزویج میں ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے پس شرعاً اور عرفاً فعل وکیل عین فعل موکل ہے، اس لیے جو فعل عباس رضی اللہ عنہ کا ہے وہی فعل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سمجھنا چاہیے، پس گو یہ نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کر دیا ہو مگر جب کہ وہ وکیل اور مختار جناب امیر کے ہوئے تو یہ نکاح بہ اجازت جناب امیر کی سمجھنا چاہیے اور اگر حضرت علیؓ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اجازت نہیں دی اور وکیل نہیں بنایا تو بلا اجازت ان کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وکیل اور مختار ہونا جائز نہ ٹھہرا اور اس سے سخت الزام حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر آتا ہے اور غصب کرنے میں ان کا مددگار ہونا ثابت ہوتا ہے اور پھر نکاح کا بلا اجازت ولی کے ہونا لازم آتا ہے اور اس کا عدم جواز شرعاً وعرفاً ظاہر ہے اور اس سے جو کچھ نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ عُقلاء کو معلوم ہے۔

خدا حضرات شیعہ کو ذرا عقل وانصاف عطا فرمائے اور تھوڑی سی غیرت اور شرم عنایت کرے کہ وہ ان اقوال کے نتائج پر غور کریں اور جو جو خرابیاں ان میں ہیں ان پر نظر فرمائیں، بار خدایا! یہ اہل بیت کے کیسے دوست ہیں اور ان کی فضیلت و بزرگی کے کیسے قائل ہیں کہ ایسی باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور محبت کے پردے میں ان کی برائیاں بیان کرتے ہیں، خدا کے لیے کوئی انصاف کی آنکھ کھول کر دیکھے کہ وہ کیا کیا تہمتیں ائمہ کے اوپر کرتے ہیں اور ذرا گوشِ ہوش سے پنبہ غفلت نکال کر سنے کہ یہ حضرات کیسی برائیاں اہل بیت اطہار کی بیان کرتے ہیں (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَفْوَاتِهِمْ وَمِنْ سُوْءِ عَقِيْدَتِهِمْ اَللّٰهُمَّ احْفِظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِهِمْ وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِهِمْ .)

چوتھی دلیل :......اگر ہم تسلیم کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دل سے راضی نہ تھے کہ نکاح ہو لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سمجھانے سے راضی ہوئے اور وہ رضا مندی بھی کچھ خوشی

سے نہ تھی بلکہ مجبوری سے تو اس سے بھی وہی الزام حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عائد ہوتا ہے جس کے بچانے کے لیے یہ بناوٹ کی گئی ہے، پس جان کے خوف سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کہنے سے بہ مجبوری قبول کرلیا اور جان بچانے کے لیے عزت دینا گوارا فرمایا (ونعوذ باللہ من ذالك) اور اگر خوفِ جان نہ تھا تو ایسے معاملے میں جس میں عزت و آبرو کی ہتک ہوتی اور جس سے خاندانِ اہل بیت کو بٹہ لگے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ماننا ضروری نہ تھا بلکہ لازم تھا کہ اپنے انکار پر اصرار فرماتے اور عباس رضی اللہ عنہ ہزار سمجھاتے ایک بات بھی ان کی نہ مانتے بلکہ صاف کہتے کہ چچا تم کو بایں بزرگی کیا ہوا ہے جو ایسی سفارش کرتے ہو اور ہمیشہ کے لیے اہل بیت اطہار میں داغ لگاتے ہو، عمر رضی اللہ عنہ ایک کافر یا منافق یا مرتد یا غاصب یا خائن ہے کیوں کر مجھ سے ہوسکتا ہے کہ اپنی بیٹی وہ بھی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جس کی اولاد کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد فرمایا ہے اور جس کے بیٹوں اور بیٹیوں کو سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیٹا اور بیٹی کہا ہے، ایک کافر یا منافق کو دے دوں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی روح کو ایذا دوں اور اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہ مانتے اور جبر کرنے ہی پر آمادہ ہوتے تو لازم تھا کہ اسد الٰہی دکھلاتے، ذوالفقار کو میان سے باہر نکالتے، عرش سے اتری ہوئی تلوار کے جوہر دکھلاتے، مرحب و انتر کی طرح غصب کرنے والوں کے ایک ایک وار میں دو دو ٹکڑے کرتے۔ آخر وہ تلوار جس نے جبرئیل امین کے پر کاٹے اور وہ ذوالفقار جس نے جعفر جنّی کے دو ٹکڑے کیے، کس دن کے لیے تھی اور وہ شجاعت و مردانگی جو بدر و حنین میں کفار کو دکھلائی، وہ قوت جو جنگ خیبر میں ظاہر فرمائی کس روز کے واسطے رکھ چھوڑی تھی۔

برائے خدا کوئی اس عقل کے دشمن فرقے سے پوچھے کہ اس سے زیادہ شیر خدا کے حق میں دوسری ہتک اور بے حرمتی کی بات کیا ہوگی کہ ان کی بنات طیبات کو بہ جبر و اکراہ کافر و فاسق لینے پر مستعد ہوں اور شیر خدا، سرور اولیاء سند الاصفیاء، سید اوصیاء، اسد اللہ الغالب، امام المشارق والمغارب امیر المومنین علی بن ابی طالب، کافروں کے قتل کرنے والے خیبر کے فتح کرنے والے دشمن کو ایک نگاہ میں ہلاک کرنے والے، ہزار جنوں کو ایک دو دستی میں زیر و زبر

کرنے والے، جن کی ذات خدا کی قدرت کی نشانی، جن کا وجود اللہ کے جلال وعظمت کا نمونہ، جن کے نام سے کفارِ عجم لرزاں، جن کی صورت سے شجاعانِ عرب ترساں، کیسے علی خدا کے شیر، رسول ﷺ کے بھائی، بتول کے شوہر نامدار، حسنین کے پدر بزرگوار۔اشعار......

وصی [1] نبی جفت پاک بتول	نبی کے وصی بتول (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے شوہر
فروزندہ شمع دین رسولؐ	دین رسولؐ کی شمع روشن کرنے والے
فشانندۂ جاں براہِ خدا	خدا کی راہ میں جان نچھاور کرنے والے
نمائندۂ کفر از دیں جدا	کفر کو دین سے جدا کرنے والے
درآرندہ عمر مرحب زپای	عمر مرحب کو پچھاڑنے والے
برآرندہ باب خیبر ز جای	دروازۂ خیبر کے اکھاڑنے والے
رہانندہ موسیٰ علیہ السلام از رود نیل	موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل سے نجات دینے والے
دمانندہ گل زنارِ خلیل (علیہ السلام)	نارِ خلیل علیہ السلام کو گل وگلزار بنانے والے
بساحل رسانندہ فلک نوح	کشتیٔ نوحؑ کو کنارے پہنچانے والے
کشایندہ با بہائے فتوح	فتوحات کے دروازے کھولنے والے
ہوا خواہِ او جبرئیل امیں	جبرئیل امیں ان کے خیر خواہ
بفرمانِ او آسمان و زمیں	آسمان و زمیں ان کے تابع
نہ کس جز نبی ہم ترازوئے اُو	نبی ﷺ کے سوا کوئی ان کے ہم پلہ نہیں
قوی دست قدرت زبازوی اُو	دست قدرت کو ان کے بازوؤں سے قوت ملی ہو

بایں ہمہ شجاعت وہیبت اور بایں جلال وعظمت ایک عمر رضی اللہ عنہ کے ڈرانے سے ڈر جائیں اور کچھ چون وچرانہ کریں اور عار وننگ کو اپنے اوپر گوارا کرلیں اور بلا رضا مندی اپنے اس کے گھر اپنی بیٹی لخت جگر نور نظر کو جانے دیں۔تف ایسے عقیدے پر اور نفریں ایسی تہمت پر۔شعر

[1] حملہ حیدری جلد اوّل مطبع سلطانی صفحہ ۵ سطر ۳ مطبوعہ ۱۲۶۷ء ہجری۔۱۲

گر مسلمانی همین ست که حافظ دارد
وای گر از پس امروز بود فردائی

''اگر یہی مسلمانی ہے جو حافظ رکھتا ہے تو افسوس اگر آج کے بعد کل ہو۔''

پانچویں دلیل :......دیکھنے سے کتبِ معتبرہ شیعہ کے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ صلاحیت و وکالت جناب امیر کی نہ رکھتے تھے کیوں کر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک خوار و ذلیل تھے، اگرچہ ہمارا یہ لکھنا حضرات شیعہ کو ناگوار گزرے گا اور ناواقفوں کو باعث حیرت و تعجب ہوگا لیکن ہمارا قصور نہیں ہے، ہم یا ہمارے علماء معاذ اللہ! ان کی نسبت ایسا نہیں کہتے بلکہ حضرات شیعہ کے محدثین ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک خوار و ذلیل ہونا بیان کرتے ہیں...... چنانچہ علامہ طبرسی علماء شیعہ سے اپنی کتاب احتجاج میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

((ذَهَبَ مَنْ كُنْتُ اَعْتَضِدُ بِهِمْ عَلٰى دِيْنِ اللّٰهِ مِنْ اَهْلِ بَيْتِىْ وَ بَقِيَتْ بَيْنَ حَضَرَ قَرِيْبَتَى الْعَهْدِ بِجَاهِلِيَّةٍ عَقِيْلٌ وَ عَبَّاسٌ .))

''میرے اہل بیت کے وہ لوگ جاتے رہے جن کی قوت کا خدا کے دین میں مجھے بھروسہ تھا اور اب صرف دو ذلیل و خوار قریب زمانہ جاہلیت کے رہ گئے ہیں، یعنی عقیل رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ۔'' [1]

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو ذلیل و خوار کہتے اور ان کو جاہل سمجھتے تو کیوں کر ایسے اہم معاملہ میں ان کو اپنا وکیل بناتے اور کس لیے ایسے بڑے معاملے میں ان کی بات سنتے اور کیوں ان کے کہنے پر چلتے......شاید حضرات شیعہ نے اسی واسطے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اوپر بار نکاح کرا دینے کا رکھ دیا ہے کہ وہ بقول مرتضوی خوار و ذلیل تھے، اسی واسطے ایسی ذلت کی باتیں کیا کرتے، مگر تعجب ہے حضرت امیر علیہ السلام سے کہ انہوں نے ایسے ذلیلوں کی بات کیوں سنی اور کیوں ان کے کہنے پر عمل فرمایا، یہ کوئی شیعہ خیال نہ کرے کہ فقط خوار و ذلیل کہہ

[1] احتجاج طبرسی، جلد اوّل، ص: ۴۵۰، مطبوعہ ایران، ۱۴۲۴ھ

دینے پر جناب امیر نے قناعت کی ہے بلکہ اگر ان کی کتب معتبر سے ڈھونڈا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر نے اپنے اور پیغمبر ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو صاف گالیاں سنائی ہیں اور معاذ اللہ! ''توبہ توبہ نقل کفر کفر نہ باشد'' جناب امیرؓ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ولد الزنا بتایا ہے اگر کسی کو شک ہووے وہ ''روضہ کلینی'' اور ''حیوۃ القلوب'' کو ملاحظہ کرے......

مولانا و بالفضل اولانا مولوی علی بخش خان صاحب اپنے ایک رسالہ میں اس کی نقل کرتے ہیں اس سے ہم منتخب کر کے مشتاقین کو سناتے ہیں، وھو ھذہ:

ملا باقر مجلسی نے ''حیوۃ القلوب'' میں لکھا ہے:

((ابو جعفر طوسی بسند معتبر روایت کرده از امام صادق که فضیله مادر عباس کنیز مادر زبیر و ابوطالب و عبدالله ابنائے عبدالمطلب بود، عبدالمطلب باو مقاربت کرده که عباس ازاں بهم رسید، زبیر باعبدالمطلب دعویٰ کرد و پرخاش برآمد که ایں کنیز از مادر ما بما میراث رسیده است تو بے رخصت او با و مقاربت کر دی و ایں فرزند که بهم رسید یعنی عباس بنده ماست پس عبدالمطلب اکابر قریش رابه شفاعت نزد وی فرستاد که تاآنکه زبیر راضی شد که دست از عباس بردار و بشرطیکه نامه نوشته شود که عباس و فرزندانش در مجلسی که ماو فرزندانِ مانشسته باشند نه نشیند و درهیچ امری باما شریك نشود و حصه نبرد پش بایں مضمون نامه نوشته شد و اکابر قریش مهر کردندوایں نامه نزد ائمه علیهم السلام بود.))

''جعفر طوسی نے معتبر اسناد کے ساتھ بحوالہ امام جعفر صادق تحریر کیا ہے کہ عباسؓ کی والدہ فضیلہ دراصل زبیر، ابو طالب، عبداللہ فرزندانِ عبدالمطلب کی والدہ کی

کنیز (لونڈی) تھیں، جن سے عبدالمطلب نے ہم بستری کی اوران سے عباس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ زبیر نے اپنے والد عبدالمطلب سے بطور پرخاش کہا کہ یہ کنیز ہماری ماں کی ہے جو میراث میں ہمیں ملی ہے، آپ نے بغیر اجازت کے اس سے مقاربت کی لہٰذا ان کا جو بیٹا عباسؓ ہے وہ ہمارا غلام ہے، اس پر عبدالمطلب نے معززین قریش کو بیچ میں ڈالا تا آنکہ زبیر اس پر راضی ہو گئے کہ وہ عباس سے دست بردار ہو جائیں گے بشرطیکہ ایک اقرار نامہ لکھ دیا جائے کہ جس مجلس میں ہم اور ہمارے فرزند بیٹھے ہوں وہاں عباس رضی اللہ عنہ اوران کے فرزند نہ بیٹھیں گے اور ہمارے کسی کام میں شریک و دخیل نہ ہوں گے اور کسی قسم کے حصہ کا مطالبہ نہیں کریں گے۔''

غرضیکہ اس مضمون کا ایک اقرار نامہ عباسؓ نے تحریر کیا جس پر معززین قریش نے مہر کی اور یہ اقرار نامہ ائمہ کے پاس تھا۔

پس اس روایت سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ معاذ اللہ! کنیزک زادے اور توبہ توبہ ولدالزنا تھے اوران کی کنیزک زادگی وغیرہ کی سندمہری دستخطی ائمہ کے پاس موجود تھی۔ شاید اسی سبب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ذلیل کیا کہ ان کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا بہ جبر و اکراہ عمرؓ کے ساتھ نکاح کر دیا۔

جبکہ بروایت اہل تشیع حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نسبت والدالزنا ہونا (وحاشا جنابه عن ذالك) ثابت ہوا تو لا محالہ ان کا دشمن اہل بیت ہونا بھی لازم ہوا، اس لیے کہ ہزار ہا احادیث اور اقوال سے ثابت ہے کہ نہ ولدالزنا کا کوئی عمل مقبول ہے نہ وہ کبھی اہل بیت کے ساتھ دوستی کرے گا کہ اس کو ہم بحارالانوار اور علل الشرائع اور احتجاج طبرسی [1] اور تالیفات

---

[1] احتجاج کے مصنف کا پورا نام احمد بن علی بن ابی طالب ہے، یہ طبرستان کے رہنے والے تھے۔ شیعہ حضرات کے متقدمین میں سے فاضل ترین آدمی تھے، ان کی کتاب ''احتجاج'' قوم کے یہاں مشہور و معروف ہے، امل الآمل میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے کہ عالم، فاضل، محدث اور ثقہ تھے، ان کی کتاب ''الاحتجاج'' بہت عمدہ اور بہت سے فوائد کی حامل ہے۔ (روضات الجنات جلد ۱ صفحہ ۶۵) (شیخ محمد فراست)

قاضی نور اللہ شوستری سے آئندہ ثابت کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔لیکن یہ بات ایسی مشہور ہے کہ عوام وخواص مومنین اس سے واقف ہیں، ان کے بچوں کی زبان پر یہی کلمہ جاری ہے کما قال قائلھم: شعر......

محبت شہ مرداں مجوز بے پدرے
کہ دست غیر گرفتہ است پای مادراو

''علی کی محبت بے باپ والے سے مت تلاش کرو کہ جس کی ماں نے دوسرے کا ہاتھ پکڑا ہو۔''

کوئی صاحب مومنین سے یہ شبہ نہ کریں کہ یہی ایک روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نسبت ہوگی بلکہ اس کے علاوہ بہت سی احادیث اور اخبار ان کی شان میں موجود ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی ''حیوۃ القلوب'' میں بہ سند معتبر فرماتے ہیں:

((کہ حضرت امام زین العابدین فرمود کہ در حق عبداللہ بن عباس و پدرش ایں آیۃ نازل شد ﴿ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی﴾ .))

''کہ امام زید العابدین نے فرمایا کہ یہ آیت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے والد عباس کے بارے میں نازل ہوئی ﴿مَنْ كَانَ.... الخ﴾ کہ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔''

پس اب تو صاف باپ بیٹے دونوں کا دنیا و عاقبت میں اندھا ہونا ان کی کتابوں سے نکل آیا بلکہ خدا کی شہادت سے ان دونوں یعنی عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ کا اعمیٰ اور بے بصیرت ہونا ثابت ہوگیا۔ (استغفر اللہ، استغفر اللہ) تشیع بھی عجیب مذہب ہے جس کی تیر ملامت سے کوئی نہیں بچا، اصحاب رضی اللہ عنہم کو تو کافر اور منافق پہلے ہی بنا چکے اہل بیت رہ گئے تھے وہ بھی لعن طعن سے نہ بچے، خدایا تشیع دین و مذہب ہے یا الحاد و زندقہ ہے جس کے بانی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کرتے ہیں، نہ اہل بیت کا لحاظ رکھتے ہیں، نہ اصحاب رضی اللہ عنہم کو برا

بھلا کہنے سے چھوڑتے ہیں، نہ حضرت کے قریبوں کولعن و ملامت سے محفوظ رکھتے ہیں، پس جو سامنے آیا اسی کو برا بھلا کہنا شروع کیا، جس کا ذکر آیا اُسے تبرا کرنے لگے، کسی کو صراحتاً کافر بنایا کسی کو اشارتاً منافق کہا، کسی کو تقیتاً فاسق ٹھہرایا، کسی کو ولدالزنا، کسی کو اندھا فرمایا۔ واہ کیا دین ہے اور کیا مذہب ہے! جس کے طعن و تشنیع سے کوئی نہ بچا۔ تو ایسے باحیا فرقے کی شکایت ہم صرف اصحابؓ کے برا بھلا کہنے پر کیا کریں: شعر

گھائل ترے نظر کا بنوع دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ ہی نہیں

اگر کوئی مومن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اور فضائل و کمالات کو اس روایت کے معارضہ میں پیش کرے اور اس زخم پر مرہم رکھے تو اس کو چاہیے کہ اس خیال محال سے درگزرے اور ملا باقر مجلسی کے فیصلے کو جو ''حیوۃ القلوب'' میں اس نے کر دیا ہے دیکھ لے کہ وہ فرماتے ہیں:

((بدانکہ درباب احوال عباس و مدح و ذم او احادیث متعارض است و اکثر علماء بخوبی او میل نمودہ اند و آنچہ از احادیث ظاہر میشود آنست کہ او در مرتبہ کمال ایمان نہ بودہ است.))

''جاننا چاہیے کہ عباسؓ کے سلسلہ میں اور ان کی تعریف و برائی کے بارے میں احادیث متعارض ہیں اور اکثر علماء ان کی اچھائی کا رجحان رکھتے ہیں، لیکن احادیث سے جو ظاہر ہوتا ہے یہی ہے کہ مرتبۂ ایمان میں کامل نہیں تھے۔''

پس مُلا صاحب نے سب جھگڑا قصہ ہی طے کر دیا اور حضرت عباسؓ کے ناقص الایمان ہونے پر فتویٰ دے دیا، شاید ان کے نقص ایمان کا سبب سے زیادہ یہی تصور کیا گیا ہو کہ انہوں نے ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرا دیا۔

چھٹی دلیل:......اگرچہ حضرات شیعہ نے جواز نکاح کے واسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام ظاہری کا اقرار کیا اور ان کو متمسک بکمالِ شریعت قرار دیا لیکن ((وَلَا يُصْلِحُ

الْعَطَّارُ مَا اَفْسَدَه الدَّهْرُ .)) ''جسے زمانے نے خراب کیا ہو عطار اسے کیا درست کرے گا۔'' جو رخنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان میں ان کے بزرگوں نے ڈالا ہے وہ اب ان کے بند کرنے سے بند نہیں ہوتا اور بغیر ترک مذہب تشیع کے اور اقرار فضیلت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس نکاح کا جواز موافق عقائد مذہب شیعہ کے ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ موافق عقائد شیعہ کے ایمان اور اسلام سے بے بہرہ تھے، اور معاذ اللہ! منافق اور مرتد تھے اور اہل بیت کے دشمن اور ناصبیوں کے پیشوا تھے اور ناصبیوں کے ساتھ نکاح مومنہ کا جائز ہی نہیں ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نکاح جو کہ کفر و نفاق اور عداوت اہل بیت میں سب سے بڑھ کر تھے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو عزت اور بزرگی اور سیادت میں تمام جہاں سے بہتر تھیں کیوں کر جائز ہوتا...... چنانچہ ان دونوں امروں کو ہم کتب شیعہ سے ثابت کرتے ہیں:

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مومن نہ ہونا۔

۲۔ ناصبی کے ساتھ نکاح مومنہ کا جائز نہ ہونا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطابق اصول شیعہ کے مومن نہ تھے، کافر اور منافق اور دشمن اہل بیت کے تھے ایسا صاف کھلا ہوا ہے کہ حاجت سند اور دلیل اور شاہد کی نہیں ہے لیکن عبرتاً للناظرین دو ایک روایتیں ان کے یہاں کی بیان کرتے ہیں۔

پہلی روایت:...... زاد المعاد [1] ملا باقر مجلسی حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب میں نے فضائل روز قتل عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنے تب سے میں ان کے کفر پر یقین رکھتا تھا۔ چنانچہ عبارت اس کتاب کی بلفظہ یہ ہے:

((حذیفه گفت پس برخاستم و برخاست حضرت رسول خدا وبخانۂ ام سلمه رفت و من برگشتم و صاحب یقیں بودم در کفر عمر تاآنکه بعد از وفات حضرت رسول الله ﷺ دیدم که اوچه فتنها برانگیخت و کفر اصلی خودرا ظاهر کرد

---

[1] زاد المعاد صفحہ ۵۸۴ از ملا باقر مجلسی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔

واز دین برگشت و دامانِ بے حیائی و وقاحت برائے غصب امامت و خلافت برزد و قرآن را تحریف کرد و آتش در خانہ وحی و رسالت زد و بدعتھا دردین خدا پیدا کرد و ملت پیغمبر ﷺ راتغیر داد و سنت آنحضرتؐ رابدل کرد و نصاریٰ و مجوس را از خود راضی کرد و نور دیدۂ مصطفیٰ را بخشم آوردو تدبیر کشتن امیرالمومنین کرد وجور و ستم درمیانۂ مردم علانیہ کرد و ھرچہ خدا حلال کردہ بود حرام کرد و ھرچہ حرام کردہ بود حلال کرد۔ الیٰ آخر ھذیانات المجلسی .))

’’حذیفہؓ کا بیان ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ اٹھے، رسول اللہ ﷺ ام سلمہ کے گھر چلے گئے اور میں واپس ہو گیا، مجھے عمر رضی اللہ عنہ کے کافر ہونے کا یقین ہو چکا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد میں نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کیسے کیسے فتنے اٹھائے، اپنے اصلی کفر کو ظاہر کیا، اسلام سے برگشتہ ہوا، امامت وخلافت کو غصب کرنے کے لیے بے حیائی کا دامن پھیلا کر قرآن میں تحریف کی، فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کو آگ لگائی، اللہ کے دین میں بدعتیں پیدا کیں، رسول اللہ ﷺ کے طرز حکومت کو متغیر کیا، ان کی سنتوں کو بدلا، عیسائیوں اور آتش پرستوں کو اپنا ہم نوا بنایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غضب ناک کیا، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو مار ڈالنے کی تدبیر کی، عوام کے سامنے علانیہ جوروستم کیے اللہ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا۔‘‘

غرض کہ اس روایت سے صاف کفر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا (نعوذ باللّٰہ من ذالك) ثابت ہوا اور ان کا کفر اصلی کا ظاہر کرنا اور مرتد ہو جانا اور قرآن کا تحریف کرنا اور نصاریٰ و مجوس کو راضی کرنا ثابت ہوا تو اب وہ دعویٰ جو بعض مجتہدین نے کیا تھا کہ وہ اسلام کے

دائرے سے خارج نہیں ہوئے باطل ہوا۔

دوسری روایت:......ملاباقر مجلسی "رسالہ رجعیہ" میں لکھتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ ابوبکرؓ وعمرؓ بظاہر کلمہ گو تھے اور بطمع دنیا اسلام کے مظہر ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ان کو کوئی حکومت نہ دی تب پیغمبر ﷺ کے قتل و ہلاک پر آمادہ ہوئے، وھو ھذہٖ عبارتہ بلفظہ:

((ایشان (یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) ازروئ گفتۂ یهود به ظاهر کلمتین گفتند از برائ اینکه شاید ولایتی و حکومتے حضرت ایشان بدهد و در باطن کافر بودند چون در آخر مایوس شدند با منافقان بربالای عقبه رفتند و دهن های خودرا بستند که کسی ایشان رانشاسد و دبها اند اختند که شتران حضرت رارم و هند و حضرت را هلاك کنند پس خدا جبرئیل رافر ستاد و پیغمبر خودرا از شر ایشان حفظ کرد.))

"ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما دونوں نے یہودیوں کے کہنے سے بظاہر کلمہ پڑھا تا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو حکومت و ولایت دے دیں اور یہ دونوں باطنی طور پر کافر ہی تھے، جب مایوس ہو گئے تو منافقوں کے ساتھ عقبہ کے بالائی حصہ پر اس طرح پہنچے کہ ڈھاٹا باندھ رکھا تھا تا کہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے اور یہاں پہنچ کر رسیاں وغیرہ راستے میں ڈال دیں تا کہ آپ ﷺ کے اونٹوں کو قابو میں کرلیں اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کو ہلاک کر دیں، پس اللہ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر آپؐ کو ان کی ایذا سے بچالیا۔"

پس شیعوں کے امام مہدی کے اس قول سے ثابت ہوا کہ شیخین پیغمبر ﷺ کے سامنے ہی بہ سبب مایوسی کے درپے قتل رسول ﷺ ہو گئے تھے اور حضرتؐ کے ہلاک کرنے کی تدبیر کر چکے تھے تو جو شخص پیغمبر خدا ﷺ کے قتل پر مستعد ہو جائے اس سے زیادہ کفر اور کس کا ہو

گا اور جب یہ جرم حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر امام مہدی فرضی کی زبان سے ثابت ہو گیا تو امام کے قول کو کون رد کر سکے گا۔

روایت سوم: ......ملا باقر مجلسی نے ''بحارالانوار'' میں ایک حدیث کافی کی نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو نص جلی امامت مرتضوی کا منکر ہے وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ ہم اس حدیث کو ''استقصاء الافحام'' سے نقل کرتے ہیں:

((بیان قوله علیه السلام من ان یرتدوا عن الاسلام ای عن ظاهره والتکلم بالشهادتین فابقاء هم علیٰ ظاهر الاسلام کان صلاحًا للامة لیکون لهم وَالْاَوْلَادِهِمْ طریق الیٰ قبول الحق والی الدخول فی الایمان فی کرور الازمان وهذا الاینا فی ما مروسیاتی ان الناس ارتدوا اِلّا ثلٰثة لان المراد فیها ارتداد هم عن الدین واقعًا وهٰذا محمول علیٰ بقاء هم علی صورة الاسلام و ظاهر ہ و ان کانوا فی اکثر الاحکام الواقعیة فی حکم الکفار و خص هذا بمن لم یسمع النص علی امیر المومنین علیه السلام ولم یبغضه ولم یعادهٖ فان من فعل شیئًا من ذالك فقد انکر قول النبی ﷺ ظاهرا ایضا و لم یبق له شئی من احکام الاسلام ووجب قتله......)) انتهی بلفظه

''یعنی یہ فرمایا ہے حضرت امام ابو جعفر علیہ السلام نے کہ جناب امیر علیہ السلام نے دعویٔ امامت اس خوف سے نہیں کیا کہ ایسا نہ ہو کہ اصحاب اس کو قبول نہ کریں اور اسلام چھوڑ دیں اور مرتد ہو جائیں اور مرتد ہو جانے سے غرض یہ ہے کہ ظاہر اسلام کو چھوڑ دیں اور کلمۂ شہادت سے منکر ہو جائیں، اس لیے ان کا اسلام ظاہری پر باقی رہنا امت کے حق میں بہتر تھا تاکہ شاید وہ یا ان کی اولاد میں سے کوئی حق کو قبول کر کے اور کسی آئندہ زمانہ میں مومن ہو جائے اور یہ

مخالف اس روایت کے نہیں ہے کہ سب اصحاب مرتد ہو گئے تھے مگر تین اس لیے
کہ مراد اس ارتداد سے ارتداد واقعی ہے اور ارتداد جس کا ذکر امام نے کیا، نہ پھر
نا ان کا ظاہری اسلام کی نظر سے ہے اگرچہ وہ اکثر احکام واقعی میں حکم کفار میں
داخل تھے لیکن یہ اسلام ظاہری بھی صرف انہیں لوگوں کی نسبت ہے جنھوں نے
نص امامت امیر المومنین کو نہیں سنا اور ان سے دشمنی اور عداوت نہیں رکھی اور
جس نے نص امامت سن کر اس سے انکار کیا یا عداوت رکھی تو اس نے پیغمبر
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے انکار کیا اور ظاہر میں بھی کافر ہو گیا اور اسلام کا کوئی حکم
اس کے لیے باقی نہیں رہا اور اس کا قتل کرنا واجب ہو گیا۔ فقط۔''

اور صاحب ''استقصاء الافحام'' اس حدیث کے لکھنے کے بعد خود یہ فرماتے ہیں:

((اگر غرض از نقل ایں عبارت محض اثبات ایں معنی است که صاحب بحار ثلاثه و اتباع ایشاں را کافر و مرتد می دانـد پس البته ایں معنی بسر و چشم مقبولست اصلاً جای استنکاف و انکار نیست .))

''یہاں اس عبارت کی نقل صرف اس امر کے ثبوت کے لیے ہے کہ مؤلف ''بحارالانوار'' نے اصحاب ثلاثہ اور ان کے متبعین کو کافر و مرتد قرار دیا ہے تو یہ معنی ہمارے سر آنکھوں پر قبول ہیں اور انکار و ناپسند کی کوئی گنجائش بالکل نہیں۔''

پس باقرار صاحب ''بحارالانوار'' اور صاحب ''استقصاء'' کے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا کافر ہونا ثابت ہوا اور ان کا اسلام ظاہری بھی ان کے قول سے جاتا رہا۔ تو اب کفر و ایمان کے درمیان کوئی تیسرا واسطہ جسے اسلام سے تعبیر کرتے ہیں باقی نہ رہا اور جب ان کا کافر ہونا نعوذ باللہ! ثابت ہوا تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کافر کے ساتھ ہونا لازم آیا تو اب کہاں رہا قول سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا جو انھوں نے ''شافی'' اور ''تنزیہ الانبیاء'' میں فرمایا ہے کہ حضرت عمر مظہر اسلام اور متمسک بہ تمام شریعت تھے، اس واسطے ان کے ساتھ نکاح کر دینے میں کچھ

دینی خلل نہ تھا اور باطل ہو گیا قول صاحب ''نزہہ اثنا عشریہ'' کا جوانہوں نے جواب میں تحفہ کے فرمایا ہے کہ کسی امامیہ کا یہ قول نہیں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی بیٹی کافر کو دی ہو بلکہ بدعتی اور مظہر اسلام اور منافق کو دی ہے اور ممنوع اور حرام مشرک کے ساتھ نکاح کرنا ہے نہ کہ بدعتی اور منافق کے اس لیے کہ ان کے امام فرضی کی زبان سے موافق روایت ''بحارالانوار'' کے صاف کفر خلفاء ثلاثہ کا اور واجب القتل ہونا ان کا ثابت ہوتا ہے۔

عجب حال ہے علماء شیعہ کا کہ جب جیسا موقع ہوتا ہے ویسا ہی کہنے لگتے ہیں، جیسی ضرورت ہوتی ہے ویسی ہی حدیثیں بنا لیتے ہیں، کبھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافر اور منکر اسلام اور واجب القتل کہتے ہیں کبھی ان کو مظہر اسلام اور متمسک سائر الشریعہ فرماتے ہیں...... چونکہ امر اوّل یعنی کفر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا (ونعوذ باللّٰہ منه) موافق روایات صحاح اہل تشیع کے ثابت ہو گیا، اب ہم کو اس امر کی ضرورت باقی نہ رہی کہ ہم اس مسئلے کو ثابت کریں کہ مومنہ کا نکاح ناصبی کے ساتھ گو وہ مظہر اسلام ہو جائز نہیں ہے لیکن تا کہ وہ لوگ جو ان روایات کو غلط سمجھیں اور کفر ظاہری کے قائل نہ ہوں اور اسلام کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جاری رکھیں، اپنے اصول کے مطابق اس نکاح کو جائز نہ سمجھیں ہم اس مسئلہ کو بھی بیان کرتے ہیں:

امر دوم:......یعنی مومنہ کا نکاح، ناصبی کے ساتھ جائز نہ ہونا:

((روى الكليني عن الفضيل بن يسار قال سالت ابا عبدالله عن نكاح الناصب فقال لا والله ما يحل قال فضيل ثم سالته مرة اخرى فقلت جعلت فداك ما تقول فى نكاحهم قال والمرأة العارفة قال ان العارفة لا توضع الاعند عارف .))

''کلینی میں روایت ہے کہ فضیل بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ناصبی کا نکاح جائز ہے تو حضرت نے فرمایا کہ خدا کی قسم! ہرگز حلال نہیں ہے، پھر دوسری مرتبہ میں نے پوچھا تو امام نے فرمایا کہ عورت عارفہ ہے یعنی مومنہ ہے، میں نے کہا کہ ہاں تب امام نے فرمایا کہ عارفہ نہیں رہے گی

مگر پاس عارف کے، یعنی مومنہ کو مومن کے نکاح میں ہونا چاہیے۔''

پس اس روایت سے صاف ثابت ہو گیا کہ حضرت امام کے ارشاد کے مطابق عارفہ کا نکاح جائز نہیں ہے مگر عارف کے ساتھ۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مومن اور عارف کہیں یا حضرت ام کلثومؓ کو ایمان اور معرفت کے دائرے سے خارج کریں۔ (و نعوذ باللّٰہ منہ) غرض کہ اب موافق قول امام کے سوائے ان دو حالتوں کے تیسری حالت منتظرہ باقی نہیں رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام کے اس قول سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عارف اور کامل الایمان ہونا ثابت ہو رہا ہے، اس لیے کہ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو ام کلثومؓ کا نکاح حضرت امیرؓ ان کے ساتھ کسی حالت میں گو کہ اس کو حضرات شیعہ جبر و اکراہ سے تعبیر کریں نہ ہونے دیتے۔ کیا جناب امیرؓ اس آیت کے مضمون سے واقف نہ تھے:

﴿اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ (النور: ٢٦)

''بری عورتیں برے مردوں کے لیے اور برے مرد بری عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔''

اور کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث سے جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمائی منکر تھے کہ (العارفة لاتوضع الاعند عارف) پس ایسی آیت اور قول امام کے ہونے کے باوجود کیوں کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے خلاف کرتے...... جبکہ ہم اس امر کو ثابت کر چکے کہ یہ نکاح بہ جبر و اکراہ نہیں ہوا تو ہم کو اس قول ناپاک سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں رہی جس کو علمائے شیعہ نے امام کی طرف منسوب کیا ہے کہ امام نے فرمایا کہ (اِنَّ ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ) کہ یہ ایک شرمگاہ ہے جو ہم سے غصب کی گئی، لیکن عبرتاً للسامعین اس کو بغیر بحث کے چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ محدثین شیعہ روایت کرتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام سے کسی نے اس نکاح کی نسبت سوال کیا تو امام نے فرمایا: (اِنَّ ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ .) صاحب

"تحفه" قدس سرہ اس بحث میں لکھتے ہیں:

((سبحان الله چه کلمهٔ ایست که از زبان ایشان بر می آید نزدیك است که آسمان فرو افتدوز میں بشگافد اوّل در حق آں سیده پاك بضعةالرسولؐ فلذه کبد البتولؓ چه فحش و سوء ادب ست و کدام خصلت خبیثه را بد امن پاك آں طاهره مطهره می بندند دیگر در حق حضرت امیرؓ و حضرت حسنینؓ چه قدر بے حفاظتی و بے ناموسی ثابت می کنند و در حق حضرت صادق که ایں کلمه بر آنجناب تهمت می نمایندچه قدر بے حمیتی و بے غیرتی اعتقاد دارند ایں لفظ را اوّل بزرگاں بر نمی آرند علی الخصوص ذکر ایں عضو مستور الاسم و المسمیٰ از ارقارب بلکه بزرگان خود امریست که ار اذل و اوباش نیز احتراز واجب می دانند.))

"واہ کیسی بات زبان سے نکالتے ہیں قریب ہے آسمان گر پڑے اور زمین پھٹ جائے پہلی بات تو یہ کہ حضرت فاطمہؓ کی جگر گوشہ ام کلثومؓ کے بارے میں فحش اور بے ادبی ہے اور کس بری خصلت کو اس پاک باز کے دامن میں لگاتے ہیں دوسرے جناب امیرؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی کس قدر بے غیرتی اور عدم حفاظت ثابت کرتے ہیں اور حضرت صادقؒ کے حق میں اس کلمہ کی تہمت لگاتے ہیں اور کس قدر بے حمیتی اور بے غیرتی کے معتقد ہیں، اس قسم کی گفتگو بڑے لوگ اپنی زبان پر نہیں لاتے خاص کر شرمگاہ کا لفظ تو انہوں نے کہا ہی نہیں، بڑوں اور بزرگوں کی بات دیگر، اوباش اور گھٹیا لوگ بھی اس سے پرہیز کرتے ہیں۔"

اس کا جواب علامہ کشمیری نے "نزهة" میں چند طرح پر دیا ہے، کما قال:

((مردودست بچند وجه اوّل آنکه بر تقدیر تسلیمِ صحت

روایت و محفوظ بودن آں آنچه افاده فرموده تسویل و تحویل بیش نیست .))

''یہ چند وجوہ سے مردود اور نا قابل قبول ہے اوّل یہ کہ بنا بر تسلیم و قبول صحت روایت اور پھر اس کا اس طرح محفوظ رہنا کہ جو کچھ فرمایا ہے شیطانی فریب اور مکاری سے زیادہ نہیں ہے۔''

علامہ کشمیری کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی صحت ان کے نزدیک مسلم نہیں ہے، حالانکہ بر تقدیر تسلیم صحت کہنا عوام کو دھوکہ دینا ہے، اس لیے کہ یہ حدیث چند طرح سے موافق اصول شیعہ کے ثابت ہے، اوّل یہ حدیث کافی کلینی میں جس کو حضرات شیعہ اصح الکتب کہتے ہیں انہی الفاظ سے امام صادق سے مروی ہے...... دوسرے قاضی نور اللہ شوستری نے ''مصائب النواصب'' میں اس حدیث کو چند جگہ نقل کیا ہے چنانچہ جہاں بحث فاروق اعظمؓ وام کلثومؓ کی لکھی ہے اس کی بحث پنجم میں چند جگہ اس کا ذکر کیا ہے اور کسی جگہ اس سے انکار نہیں کیا۔ چنانچہ ترجمہ فارسی اس کا کما هو مذكور فى ازالة الغين یہ ہے:

((واما خامسا بواسطه آنكه قول امام صادق عليه السلام كه ايں اوّل فرجے ست كه غصب كرده شده از ما مستلزم و قوع زنا نيست .))

''پانچویں یہ کہ امام صادق کا کہنا کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے زبردستی چھینی گئی وقوع زنا اس سے لازم نہیں آتا۔''

اور پھر اسی بحث میں صاحب استغاثہ کے قول کو نقل کر کے اس طرح فرماتے ہیں: و ترجمة فى الفارسية هكذا:

((خبر داده اند مارا جماعتے از مشائخ ثقاتِ ماز ایشاں جعفر بن محمد بن ملك كوفى ست از احمد بن فضل از

محمد بن ابی عمیر از عبداللّٰہ بن سنان گفت سوال کردم جعفر بن محمد صادق علیه السلام از تزویج عمرؓ از ام کلثومؓ پس گفت ایں اوّل فرجے ست که غصب کرده شد ازما .))

''معتبر بزرگوں کی جماعت نے ہمیں بتایا ہے کہ جعفر بن ملک کوفی نے احمد بن فضل کے ذریعے محمد بن ابی عمیر کے واسطہ سے عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ میں نے جعفر صادق سے عمرؓ کے ساتھ ام کلثومؓ کی شادی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے زبردستی چھین لی گئی۔''

اس کے بعد پھر قاضی صاحب لکھتے ہیں:

((مشاکل روایتے ست که از صادق علیه السلام کرده اند که گفته که ایں اوّل فرجے ست که ازما غصب کرده اند .))

''امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ مشکل ترین روایت ہے جو لوگوں نے بیان کی ہے کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے چھینی گئی۔''

اور پھر جہاں جناب امیر علیہ السلام کے صبر اور تحمل پر وصیت رسول کا ذکر کیا ہے، وہاں قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں، و ترجمة فی الفارسیة هکذا:

((چوں عمرؓ خواستگاری ام کلثومؓ نمود علیؓ متفکر شده وگفت اگر مانع شوم اور قصد قتل من خواهد کرد و اگر قصد قتل من کندو ممانعت کنم اورَا از نفس خود بیروں روم از طاعتِ رسولِ خدا ﷺ پس تسلیم ابنة دریں حال اصلح بود از قتل او و بیروں رفتن از وصیت رسول خداؐ پس تفویض نمود امر اورا بخدا و دانسته بود که آنچه عمرؓ غصب کرده ز اموال مسلماناں و ارتکاب کرده از انکار حق اوو قعود بجائی رسول خداؐ او تغیر احکام الٰهی و تبدیل

فرائض خدا چنانچه گزشت اعظم است نزد حق تعالیٰ[1] واقطع واشنع ست از اغتصاب ایں فرج پس تسلیم کرد و صبر نمود.))

''جب عمرؓ نے ام کلثومؓ کو مانگا تو علیؓ متفکر ہوئے اور کہا کہ اگر منع کردوں تو یہ مجھے قتل کردے گا اور اگر یہ میرے قتل کا ارادہ کرے اور میں منع کروں اپنے نفس (کو بچانے) کی خاطر تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے خارج ہوتا ہوں، پس اس کے قتل اور رسول خدا ﷺ کی وصیت سے باہر ہونے سے بہتر ہے کہ لڑکی سپرد کردی جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا اور معاملہ اللہ کے حوالے کردیا اور معلوم تھا کہ عمرؓ نے مسلمانوں کا مال غصب کیا اور حق سے انکار کیا اور رسول خدا ﷺ کی جگہ بیٹھا، احکام الٰہی میں تغیر کیا اور خدا کے فرائض بدلے اور یہ تمام امور اللہ کے نزدیک ایک شرمگاہ کے غصب کرنے سے زیادہ برے ہیں، اس لیے علیؓ نے صبر کیا۔''

اور اس کے علاوہ اور طرق متکثرہ سے ان الفاظ کا ثبوت ہوتا ہے، پس علامہ کشمیری کا برتقدیر تسلیم صحت کہنا صرف دھوکا دینا ہے جو کہ تمام قدیم علماء متقدمین شیعہ کا شعار ہے۔ اگر یہ الفاظ امام نے نہیں فرمائے اور ان کی کتابوں میں مذکور نہ تھے تو چاہیے تھا کہ صاف انکار کرتے اور اگر مذکور تھے تو اس کا اقرار کرتے، برتقدیر تسلیم صحت کہنا کیا معنی؟

غرض کہ اس حدیث کی صحت میں کچھ شک وشبہ نہ رہا۔ اب ہم توجیہہ اور تاویل علماء شیعہ کی جو اس لفظ کی نسبت ہے بیان کرتے ہیں۔ علامہ کشمیری ''نزہہ'' میں فرماتے ہیں:

((مراد ازیں کلام آنست که ایں نکاح اوّل نکا حیست که از خاندانِ عالیه بغیر طیب خاطر اولیاء بطریق اجبار وا کراہ بنا بر مصلحت وقت واقع شده و سبب وقوع آں باجبار و اکراه تعبیر ازاں بغصب فرموده اند و دریں معنی هیچ گو نه

شناعتی نیست و مع وضوح المرام لاعبرة بالالفاظ عقد نکاحیکه بغیر طیب خاطر باشد اصلاً مستلزم زنا نیست .))

''اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ خاندان عالیہ میں یہ پہلا نکاح ہے جو اولیاء کی خوشی کے بغیر جبر کے سبب صرف وقتی مصلحت کے پیش نظر واقع ہوا اور اس جبر و ستم کو ''غصب'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا اور یہ معنی مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، مقصد کی وضاحت کے بعد الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا اور جو عقد نکاح رضا مندی اور خوشی کے بغیر ہو اُسے زنا نہیں کہا جا سکتا۔''

خلاصہ اس توجیہہ کا یہ ہے کہ غصب بہ معنی عدم رضا کے ہے اور مطلب (ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ) جو امام نے فرمایا ہے یہ ہے کہ یہ پہلا نکاح ہے کہ خاندانِ اہل بیت اطہار سے بلا رضا مندی ولی کے بہ جبر و اکراہ ہوا اور لفظ غُصِبَتْ مستلزم زنا نہیں ہے، لیکن یہ توجیہہ بجائے خود صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اگر یہ معنی حضرت امام کے دل میں تھے تو چاہیے تھا کہ انہیں لفظوں سے ادا فرماتے نہ کیا ایسا لفظ کر یہ (و حاشا جنابه عن ذالك) زبان پر لاتے پس لفظ غُصِبَتْ کا فرمانا اور عدم رضا مراد لینا بلا وجہ الفاظ کو ان کے حقیقی معنی سے پھیرنا ہے۔ علاوہ بریں جو نکاح صحیح نہ ہو وہ مستلزم زنا ہے اور از روئے کتب معتبرہ امامیہ کے مثل "غنیه" اور "تبصره" اور "کنز العرفان" اور "غاية المرام" وغیرہ کے ثابت ہے کہ مومنہ کا نکاح ناصبی کے ساتھ جائز نہیں ہے، پس جب ایک عام مومنہ کا نکاح ایک عام ناصبی کے ساتھ درست نہ ہو تو کیوں کر نکاح قدوۂ مومنات بنت بضعۂ سرور موجوداتؐ کا ایک کافر یا منافق کے ساتھ درست ہوگا۔

علامہ کشمیری کا یہ فرمانا کہ ''دریں معنی ہیچ گونہ شناعتی نیست'' انہیں کو زیبا ہے۔ بلاشک نزدیک عبداللہ بن سبا یہودی کے مقلدین کے جو کہ لباس محبت اہل بیت میں چاہتے ہیں کہ شریعت مصطفوی ﷺ کے اصول وفروع کو برہم کریں اور اسلام و دین محمدیؐ کی بیخ کو ادھیڑ دیں اور خوارج ونواصب سے بھی گوئے سبقت لے جائیں اور زخارف دنیوی مداہنت اور

قربت کے پیرایہ میں حاصل کریں۔ بے شک یہ امر کب بعید معلوم ہو گا کہ رسول ﷺ کی نواسی، فاطمہ زہراؓ کی بیٹی، حسن مجتبیٰؓ کی بہن ایک رئیس مرتدین اور سرگروہ منافقین کے گھر میں غصب سے جائے اور وہ غاصب جو چاہے سو کرے اور پھر بھی نہ شیرا خداؓ، نہ حسن مجتبیٰؓ، نہ شہید کربلاؓ کچھ چون و چرا کریں اور ایسے واقعہ ہوش ربا کا تماشا دیکھتے رہیں ورنہ ہم جیسے ناقص ایمان والوں کے تو ایسے سانحے کے سننے سے ہوش گم ہوتے ہیں اور ہمارے ضعیف دل زبان حال سے الامان الامان پکارتے ہیں۔ ہم حضرات شیعہ جیسی محبت کہاں سے لائیں کہ خود ہی امام کی زبان سے (ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ) کی روایت کریں اور پھر خود ہی اس کی نسبت ''ہیچ گونہ شناعتے نیست'' کا کلمہ زبان پر لائیں اور ایسے نا ملائم اور نا مناسب الفاظ کو سن سن کر خوشی اور فرحت کے شادیانے بجائیں اور اپنے دین و ایمان کے دعویٰ میں ثابت قدم رہیں اور ہرگز اس کو ائمہ کی شان کے خلاف نہ سمجھیں اور اس سے ان کی فضیلت و عزت میں کچھ خلل کا خیال بھی نہ کریں فقط ...... اس کے بعد علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

((ہر گاہ جابرے شخصے را در طلاق دادن زوجہ اش اجبار نماید در عرف می گویند غصبت زوجتہ باوصف آں اگر جابر عقد نکاح بآں زن بکند نزد امام اعظم ابو حنیفہ کوفی زنا متحقق نمی شود و آں جابر زانی نیست .))

''جب کوئی ستم گر کسی شخص کو مجبور کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس موقع پر کہتے ہیں کہ اس کی بیوی غصب کر لی گئی، اگر وہ ستم گر اس عورت سے نکاح کر لے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کوفی کے نزدیک یہ زنا نہیں ہے اور یہ ستم گر زانی نہیں کہلائے گا۔''

معلوم نہیں کہ علامہ کشمیری نے بایں علم و عقل اس جملے کے لکھنے سے جواب عبارت تحفہ کا کیا تصور فرمایا ہے اس لیے کہ الزام شاہ صاحب قدس سرہ کا مطابق اصول شیعہ کے ہے نہ کہ موافق اصول حنفیہ کے، پس ان کو اپنے اصول پر جواب دینا چاہیے، امام ابوحنیفہؒ کے اصول پر

نظر کرنے سے کیا حاصل۔ اگر وہ فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے قول پر چلنا چاہتے ہیں اور سوائے اس کے کوئی چارہ اس بلائے جانکاہ سے نکلنے کا نہیں دیکھتے تو دلِ ماشاد وچشمِ ماروشن وہ فروعِ حنیفہ کو اختیار کریں اور اس پر عمل فرمائیں، لیکن صرف فروع کو لینا اور اصول وعقائد کو چھوڑنا کارآمد نہیں ہے، پس ایک کلمہ کہہ کر حنیفہ کے شریک ہو جائیں اور فضیلت فاروقی کا اقرار کرنے لگیں، پس نہ کچھ جھگڑا رہے، نہ قصۂ نکاح کے ہونے کو بھی تسلیم کریں اس کی نسبت (اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ) پڑھنے لگیں، ورنہ جب کہ موافق مذہب امامیہ کے مومنہ کا نکاح نواصب کے ساتھ جائز ہی نہیں ہے تو بے چارے ابوحنیفہؒ کے قول سے ان کو کیا فائدہ ہو گا بلکہ اگر کوئی روایاتِ حضرات شیعہ کو دیکھے تو اس کو اس فعل قبیح کی شناعت جس کو (اِنَّ ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ) سے تعبیر کیا ہے معلوم ہووے کہ شیخ صدوق نے ''معانی الاخبار'' وغیرہ میں ''معاذ اللہ معاذ اللہ توبہ توبہ نقل کفر کفر نہ باشد'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو والدالزنا قرار دیا ہے اور اس کی سند امام تک پہنچائی ہے، کما قال فی ''معانی الاخبار'':

((حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ اَحْمَدَ بْنُ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ عَبْدُاللّٰهِ الْكُوفِیْ عَنْ مُوْسٰی بْنِ عِمْرَانَ النَّخْعِیِّ عَنْ عَمِّهٖ الْحَسَیْنَ بْنِ یَزِیْدِ النَّوفِلِیْ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ حَمْزَةَ عَنْ اَبِیْ بِصِیْرٍ قَالَ سَأَلْتُه عَمَّارُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ وَلَدَالزِّنَا شَرُّ الثَّلٰثَةَ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنّٰی بِهٖ الْاَوسَطَ اَنَّه شَرٌّ مِمَّنْ تَقَدَّمَه وَمِمَّنْ تَلَاهُ.))

''ابوبصیر روایت کرتا ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ یا حضرت اس حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معنی ہیں کہ ''ولد الزنا شر الثلاثه'' کہ ولدالزنا تینوں میں سے بدتر ہے۔ امام نے فرمایا کہ مراد اس سے عمرؓ ہے کہ وہ اپنے پہلے (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے اور اپنے پچھلے (یعنی عثمان رضی اللہ عنہ) سے بھی بدتر ہے اور تینوں سے زیادہ برا ہے۔''

پس جب ایسے ناپاک مذہب کے معتقدین ائمہ کی طرف ایسی تہمت کریں اور ان کی زبان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اولادِ زنا سے ہونا بیان کریں۔ (و نعوذ بالله منه) تو اگر بنت فاطمہؓ کا ایسے شخص کے ساتھ نکاح ہونے کو امام کی زبان سے بالفاظ (ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ) کے لفظوں سے ادا کر کے مصداق (سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ) نہ ہوں تو کیا کریں۔

لیکن اگر ہم اس امر کو بھی تسلیم کریں کہ موافق اصول شیعہ کے لفظ کفر کا اطلاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نہیں ہوتا اور ان کا مظہر اسلام اور متمسک بہ تمام شریعت ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس بات کو بھی فرض کر لیں کہ ان کے مذہب میں ناصبی کے ساتھ مومنہ اور عارفہ کا نکاح کر دینا بھی جائز ہے لیکن حضرات شیعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نفاق و بدعت سے کیوں کر انکار کریں گے اور ان کے مومن اور مخلص اور تابع سنت ہونے کو کیوں کر قبول کریں گے اگر وہ یہ قبول کر لیں کہ حضرت عمرؓ نہ منافق تھے نہ بدعتی بلکہ سچے مومن اور پکے تابع سنت تھے "فَنِعْمَ الْوِفَاقُ" اگر اس کو نہ مانیں تو سب توجیہات جو ام کلثومؓ کے نکاح کے معاملہ میں کی ہیں عبث فضول اور بے کار ہو جاتی ہیں۔ اس لیے کہ جو شناعت کافر کے ساتھ نکاح میں ہے اس سے بڑھ کر قباحت منافق کے ساتھ نکاح میں ہے...... چنانچہ خود صاحب "نزهه اثنا عشريه" نے اس کا اقرار کیا ہے اور اس مضمون کو ان لفظوں سے ادا فرمایا ہے:

((قال الفاضل الناصب چهارم آنکه گویند که حضرات بنات و اخوات خود بکفرۂ فجره بزنی می دادند مثل حضرت سکینه که در نکاح مصعب بن زبیر بود و علٰی هذا القیاس دیگر قریبان خودرا در نکاح کفره و نواصب در آورد ند چنانچه در کتابِ الٰهیات به تفصیل شروع ست اقوال و به نستعین اگر مراد از کافر دو قول را گویند حضرات بنات و خوات خودرا بکفرۂ فجره میدادند مشرك است ، ایں قول کذبِ محض ست ، چه هیچك از امامیه قائل بایں قول

نیست و اگر مراد ازاں مبتدع است به بدعتی که منجر به کفر صاحبش نه شود که اور اکافر تناوّل گویند یا منافق که مظهر اسلام و متمسك به سائر شریعت مسلم و محذوری ندارد به فحوای ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا الآیة ممنوع و محرم انکاح با مشرك ست و برحرمت مطلق انکاح مبتدع کدائے و تزویج با منافق دلیلے قائم نیست و قیاس یکے بردیگرے مع الفارق چه منافق اگرچه حرمتش در حقیقت عظیم ترست و فسادش در شریعت شدید تر وبه فحوای ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ﴾ در عقبی بعقوبت الیم گرفتارست لیکن حکمت الٰهیه داعی و مقتضی آں شد که احکام منافقین و مشرکین در دار دنیا از هم ممتاز باشد و ازینجاست که مشرکین رابه فحوای ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ معاقب و ماخوذ گردانیده منافقین رازیں ورطهٔ نجات بخشیده .))

”فاضل ناصب نے کہا ہے کہ ائمہ نے اپنی بیٹیاں اور بہنیں فاسقوں اور کافروں کو دیں جیسے حضرت سکینہ کی شادی مصعب بن زبیر سے کی وغیرہ وغیرہ اور اپنے دوسرے رشتہ داروں کا کافروں اور ناصبیوں سے عقد کیا جس کی تفصیل کتاب الٰہیات میں ہے، اس کا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ اگر کافر سے مراد دوقولہ آدمی ہے تو ائمہ نے اپنی بیٹیاں اور بہنیں کافروں اور فاجروں کو دیں اور ایسا آدمی مشرک ہے تو یہ بات جھوٹی ہے کیونکہ کوئی شیعہ اس کا قائل نہیں اور اگر کافر سے ایسا بدعتی مراد ہے جو بدعتوں سے کافر نہ ہوا ہو تو ایسے شخص کو کافر تناوّل یا منافق کہتے ہیں جو بظاہر اسلام اور احکام شریعت بجالاتا ہو تو اس میں کوئی ممانعت نہیں

ہے۔صرف مشرکین سے نکاح کرنا حرام ہے اور بدعتی یا منافق کے ساتھ نکاح حرام ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، ان میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس فارق ہے۔اگرچہ منافق بہت برا اور شریعت میں اس کی فساد انگیزی سخت برا کام ہے اور منافق آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے لیکن حکمت خداوندی نے مشرکین و منافقین کے احکام دنیا میں علیحدہ مقرر کیے ہیں اور مشرکین کی بابت حکم الٰہی ہے کہ انہیں جہاں پاؤ قتل کرو اور اس کے برخلاف منافقوں کو اس بھنور سے نجات دی ہے۔''

علامہ کشمیری کی اس تحریر پر ہم ان کا دل و جان سے شکر ادا کرتے ہیں اور اپنی ممنونی ظاہر کرتے ہیں کہ جو بات ہم کو لکھنی چاہیے تھی وہ خود علامہ ممدوح نے لکھ دی اور جو تکلیف ہم کو کرنی پڑتی وہ خود گوارا فرمائی اور ان فقروں کو لکھ کر کہ (منافق اگرچہ حرمتش درحقیقت عظیم ترست و فسادش در شریعت شدید تر) ''یعنی منافق اگرچہ بہت برا اور اس کی فساد انگیزی شریعت میں بڑا برا کام ہے۔'' ہماری طرف سے خود ہی جواب دے دیا...... لیکن ہم محوحیرت ہیں کہ علامہ ممدوح نے صاحب تحفہ قدس سرہ کے اعتراض کے جواب میں اس تحریر سے کیا فائدہ خیال کیا، اس لیے کہ ان کا اعتراض اس پر ہے کہ شیعوں کے نزدیک حضرات ائمہ علیہم السلام نے اپنی بیٹیاں کافروں کو دی ہیں، علامہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ نہیں کافروں کو نہیں دیں بلکہ منافقوں کو اس پر ہمارا یہ جواب ہوتا ہے کہ مومنہ کا نکاح کافر کے ساتھ ہونے پر کوئی دلیل عقلی نہیں ہے بلکہ صرف قباحت شرعی ہے اور وہ قباحت منافق کے ساتھ نکاح کرنے میں بھی موجود ہے بلکہ کچھ زیادہ ہے، وہ خود حضرت نے فرما دیا۔ پس اب اہل انصاف غور کریں کہ صاحب ''تحفہ'' کا اعتراض اس سے اور مدلل ہو گیا یا ان کا اعتراض اس جواب سے اٹھ گیا...... باقی رہا یہ امر کہ منافقین کے احکام بہ نسبت کافروں کے ظاہر شریعت میں سخت نہیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ منافق ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور احکام شریعت ظاہر پر جاری ہیں، اس لیے وہ قتل

وغیرہ سے محفوظ ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص سوائے خدا کے علم غیب نہیں رکھتا جو دل کا حال جانے پس شریعت نے ظاہر اسلام پر نظر کرتے ہوئے ان کے قتل کا حکم نہیں دیا لیکن موافق اصول شیعہ کے ائمہ کرام کو (عِلْمُ مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ) حاصل ہوتا ہے اور پوشیدہ امور ان پر روشن ہوتے ہیں اور حالات قلوب بنی آدم ان پر ظاہر ہوتے ہیں، پس ان کو منافقوں سے احتراز کرنا اور ان کو ذلت دینا اور ان سے عداوت رکھنا اور ان سے قرابت نہ رکھنا بلکہ اگر وہ کسی دینی کام میں مدد کرنا چاہیں تو ان سے اعانت نہ لینا اور ان کو کسی دینی کام میں شریک نہ کرنا اور اگر وہ مر جائیں تو ان پر جنازے کی نماز نہ پڑھنا اور ان کے لیے استغفار نہ کرنا واجب و لازم ہے...... چنانچہ جن منافقوں کا نفاق پیغمبر ﷺ کے سامنے کھل گیا تھا یا جن کے نفاق کی خبر خدائے جل شانہ نے حضرتؐ کو دے دی تھی ان کے ساتھ اسی طرح پر برتاؤ کرنے کے لیے آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں اور ان کے لیے سخت احکام صادر ہوئے بلکہ جس طرح پر جہاد کرنے کا حکم کفار کے اوپر ہوا اسی طرح پر منافقوں کے اوپر ہوا، جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ (التحریم: ۹)

”اے پیغمبر! جہاد کر اوپر کافروں کے اور منافقوں کے اور نہایت سختی کر ان پر اور ان کی جگہ جہنم ہے۔“

غرضیکہ جب کہ ان منافقوں کا جن کے نفاق کا حال معلوم ہو گیا حال مثل کفار کے ہوا اور جہاد بھی ان پر واجب ہوا اور ان پر غلظت اور شدت بھی مثل کفار کے کرنے کا حکم ہو تو پھر نکاح میں درمیان کفار کے اور ان منافقوں کے کیا فرق رہا...... اب سوائے اس کے کہ یا حضرات شیعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منافق نہ کہیں اور اس کلمۂ کفر کے کہنے سے باز آئیں یا اس نکاح کو حرام جانیں دوسرا کوئی علاج نہیں ہے۔

اگرچہ علمائے شیعہ نے اس معاملے میں عوام کے فریب دینے کو اور جاہلوں کے سمجھانے

کو بہت ابلہ فریبی کی تقریر کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مظہر اسلام کہہ کر اس نکاح کا جواز ثابت کیا ہے لیکن یہ فریب ذرا سی بات میں کھلا جاتا ہے اور یہ سب توطیہ ان کا ایک ادنیٰ بات ((ھباءً ا منثورا .)) ہوا جاتا ہے، یعنی ہم ایک استفتاء کرتے ہیں اس کا فتویٰ لکھ دیں اور جو بات ہم پوچھتے ہیں اس کے جواب میں صرف لا یَا نَعَمْ فرمادیں و ھو ھذا:

''کیا فرماتے ہیں جناب قبلہ وکعبہ ان دو مسئلوں میں کہ جن میں سے پہلا یہ ہے کہ ایک منافق جس نے خدا کی کتاب میں تحریف کی، جس نے پیغمبرؐ کی سنت کو بدلا، جس نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کا حق غصب کیا، جس نے معصومہ کے جسم اطہر پر ایسا صدمۂ جسمانی پہنچایا کہ اس سے معصوم بچہ شہید ہوا، اور جس نے سیدۃ النساء کا حق نہ دیا اور ان کو جھوٹا جانا اور ان کا دعویٰ ارثِ پدری کا نہ سنا اور جس نے امیر المومنین علی علیہ السلام کا حق غصب کیا اور جس نے ان پر جبر وظلم کیا وہ ایک مومنہ عارفہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ: ......ایک مومن نے جس کو خدا نے ذاتی شجاعت وشرافت میں یکتائے روزگار پیدا کیا ہے اور جس کے بازو وکوقوت اور طاقت قلعہ شکنی کی دی اور جس کو جرأت دس ہزار جنگی سوار کے ساتھ لڑنے کی دی ہے، اس نے اپنی بیٹی مومنہ عارفہ کا نکاح ایک منافق مرتد غاصب خائن کے ساتھ صرف اس کی تہدید زبانی پر کر دیا اس کی نسبت کیا حکم ہے آیا وہ گناہ گار ہوا یا نہیں؟

اور اگر ایسے استفتاء پر فتویٰ دینے میں بھی چون چرا کو جناب قبلہ وکعبہ دخل دیں اور صاف جواب نہ دیں تو ان سے ہم ایک صاف مسئلہ پوچھتے ہیں، اس کو لکھ دیں...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرح متین کہ مومنہ کا نکاح سنی ناصبی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ پس جو کچھ جواب اس کا لکھ دیں وہی تمام اس بحث کے طے کرنے کے لیے کافی ہے، پھر نہ کسی توجیہہ کی حاجت ہے نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے۔ ایک دو حرفی فتویٰ پر مدار اس تمام قصے جھگڑے کے فیصلے کا ہے۔ پس اے حضراتِ شیعہ! بہ نظر عنایت اس سوال کا جواب لکھ دو اور اس جھگڑے قصے کو میٹو۔ شعر......

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

بعدہٗ اس کے علامہ کشمیری بجواب ''تحفہ'' کے فرماتے ہیں:

((استبعاد ذکر فرج مستور الاسم والمسمی برزبان اکابر در کمال استعجاب ست و درواقع ژاژ خائی ست که هیچ خر نه نماید چه در کلام الٰهی که چند جاذکر ایں عضو مستورالاسم والمسمی جاری شده و حضرت عائشه صدیقهؓ در مجالس و محافل نام عضو مخصوص حضرت سرور عالم علیه السلام که مستورالاسم ست برزبان می بردند......الخ .))

''شاہ صاحب کا یہ قول ہے کہ امام کی زبان پر لفظ فرج آنا بعید از قیاس ہے درحقیقت یہ بکواس ہے جو کوئی گدھا بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ قرآن میں کئی جگہ اس عضومخصوص کا ذکر آیا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی زبان سے رسول اللہ ﷺ کے عضومخصوص کا ذکر کئی محفلوں اور مجلسوں میں کیا ہے۔''

اس تقریر سے علامہ کشمیری کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ فرج کا لفظ امام کی زبان پر آنا بزرگی کی شان کے خلاف ہے موجب تعجب ہے، اس لیے کہ خدا کے کلام میں یہ لفظ مذکور ہوا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عضومستورالاسم کا نام لیا ہے تو پھر امام نے اگر لیا تو کیا گناہ کیا۔فقط

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ نافہمی اور نادانی علامہ کی ہے، اس لیے کہ آیات اور احادیث میں اس عضو کا نام ہے تو مسائل شرعیہ کے بیان میں یا ستائش مومنین کے مقام پر ہے نہ کہ ایسے موقع اور محل میں جو محل نزاع ہے اور مسائل شرعیہ کے بیان میں ایسے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے بیان کا ایک سببِ خاص ہے۔ ہاں، اگر شاہ صاحب ان احادیث واخبار

امامیہ پر طعن کرتے جن میں شرعی مسئلہ بتانے کے واسطے اس عضو کا نام لیا گیا ہے تو یہ معارضہ بالتمثیل صحیح ہوتا حالانکہ صدہا احادیث امامیہ میں ائمہ کرام کی زبان سے اس عضو کا نام مذکور ہے اور شاہ صاحب نے کسی پر کچھ اعتراض نہیں کیا اور اس محل خاص پر جو اعتراض کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اراذل عوام کو بھی اس قدر غیرت اور حیا ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان کی بیوی یا بیٹی کو لے جائے تو وہ ایسا لفظ زبان پر نہیں لاتے اور اپنی بیوی بیٹی کی نسبت شرمگاہ کے غصب کر لینے کا لفظ زبان پر نہیں لاتے تو کیوں کر ممکن ہے کہ جناب امامؑ نے ایسا لفظ نکالا ہو بلکہ اگر فی الواقع یہ نکاح بہ جبر و اکراہ ہوا تھا تو امام کو مناسب تھا کہ وہ سائل کے جواب میں فرما دیتے کہ بہ ضرورت یہ نکاح ہوا تھا اور بوجہ مظہر اسلام اور متمسک بہ شریعت ہونے عمر رضی اللہ عنہ کے شرعاً ایسا نکاح کر دینا جائز تھا نہ کہ اس عبارت اور الفاظ چھوڑ کر ایسا کریہہ لفظ جس کے ہزار معنی بنائے جائیں مگر سمجھنے والے اور ہی کچھ سمجھتے ہیں زبان پر لاتے اور اس تقریر کا جواب خدا کے کلام میں اس لفظ کے ہونے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہ نظر ضرورت مسئلہ شرعی کے اس لفظ کو زبان پر لانے سے نہیں ہوتا۔ ایں ھذا من ذالك۔

تیسرا قول: ......بعض علماء شیعہ نے یہ خیال کر کے کہ نکاح کے ہونے سے انکار کرنا اپنی احادیث اور اخبار کی کتابوں پر خط نسخ کھینچنا ہے اور روایت (ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاہُ) کہ جو خاص کلینی نے کافی میں امام صادق علیہ السلام کی حدیث کر کے لکھی ہے غیر صحیح کہنا امام کو جھٹلانا ہے اور اس کو بغیر توجیہہ و تاویل کے تسلیم کرنا عقل اور ایمان اور عزت سے ہاتھ اٹھانا ہے، اس لیے اس کے معنی بنانے اور الفاظ کو حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنے پر آمادہ ہوئے، جب اس کو بھی بے سود دیکھا اور اس سے بھی کچھ مطلب حاصل نہ ہوا تب دوسری طرح کی تاویلات دور از کار کی جانب توجہ فرمائی اور صبر، وصیت اور تقیے سے پناہ لی، چنانچہ ہم ہر ایک تاویل کو بہ تفصیل بیان کرتے ہیں:

پہلی تاویل صبر: ......بعض علماء شیعہ نے فرمایا ہے کہ جو معاملہ جناب امیرؓ کو پیش آیا اکثر انبیاء اور اوصیاء کو ایسے معاملے پیش آئے ہیں اور انہوں نے صبر فرمایا ہے اور اس سے خدا

نے ان کے درجات بڑھائے ہیں جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام پر بھی ایسا ہی واقعہ گزرا ہے، چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آدمی کی صورت ہوکر آئے اور ان کو کچھ شبہ ہوا تو انہوں نے اپنی بیٹیاں ان کے سامنے کر دیں اور کہا:

﴿ یٰقَوۡمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَکُمۡ ﴾ (ھود: ۷۸)

''کہ اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں اور یہ اچھی ہیں تمہارے لیے۔''

﴿هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیۡۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ﴾ (الحجر: ۷۱)

''یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تم کو کچھ کرنا ہے کرو۔''

پس تعجب ہے کہ جب حضرت لوط پیغمبر خدا علیہ السلام نے اپنی بیٹیاں سامنے کر دیں اور ایسا کلمہ فحش زبان سے کہا کہ اگر کرنا ہے تو یہ بیٹیاں حاضر ہیں اور اس کا ثبوت آیت قرآنی سے ہوتا ہے تو پھر ناصبیوں کا یہ اعتراض کہ حضرت امیرؓ نے کیوں اپنی بیٹی عمرؓ کو دے دی تھی سراسر بے جا ہے، جو جواب ناصبی حضرات لوط علیہ السلام کے معاملے کا دیں گے وہی ہم مومنین کی طرف سے خیال کریں فقط...... چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے ''مصائب النواصب'' میں اور اور علماء شیعہ نے اپنی کتابوں میں اس کو لکھا ہے اور علاوہ اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا زن فرعون کی بھی مثالیں دی ہیں، چنانچہ ہم ان سب کو لکھ کر اس کا جواب دیں گے، بالفعل بہ نسبت صبر جناب امیر کے جو کچھ حضرات شیعہ نے لکھا ہے اس کو ہم ایک کتاب سیف صارم سے جو بعد ملاحظہ جناب مجتہد صاحب کے ۱۲۶۷ھ میں مطبع جعفریہ، یعنی مطبع اثنا عشریہ میں چھپی ہے نقل کرتے ہیں گویا مؤلف نے اپنے تمام مجتہدین و علماء کے اقوال کا خلاصہ اس میں لکھا ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کو غور سے دیکھیں اور اس بے چارے مؤلف کی اور ان کے مجتہدین و علماء کی حیاء و شرم کی داد دیں اور ان کے حق میں احسنت و آفریں کہیں۔ و هو هذه بلفظه:

((تو اب کالشّمس فی وسط النہار ظاہر و ہویدا ہے کہ ایسی صغیر سن معصومہ کا نکاح ایسے شخص مظہر الاسلام اور مظہر اور مقر کلام مرقومہ سے قربت و وصلت کا بھی مفید

نہیں، صرف ظہور اجبار شیخ فانی تھا اور اذیت رسانی اور مضطر کرنا اور بظاہر تہتک پہنچانا نفس رسول کو اور مظہر اتمام حجت اور ثبوت غلبہ غالب کل غالب تھا نفس پر کہ اگرچہ درحقیقت قربت معصومہ طاہرہ، یعنی وقوع اتصال ومواصلت جو کہ ظاہر میں غایت مناکحت ہے بہ موجب اقرار شیخ فانی اور ہم بہ سبب صغیرہ ہونے شیخ فانی کے ممتنع الوجود یقینی تھا اور باعتبار ظاہر کے بھی اور باعتبار باطن کے ازروئے علم باطنی کے بھی حضرت مولیٰ پر ہویدا تھا اور مظہر الاسلام بظاہر مقر رسالت و شرائع رسول امام سے قطع نظر اس کے بھی مناکحت ممنوع شرعی نہیں تھی، لیکن باعتبار ظاہر حال بہ نظر خواص وعوام البتہ کما انتہاک حرمت دلی خدا ظاہر کہ ایک منگیتر بیٹی ایسی صغیرہ باوصف دامادی اور ابن عمی رسول اور ملقب ہونے ساتھ نفس رسول کے اور خیبر گیر اور غالب کل ہونے کے اور مخاطب بہ لافتی الاعلی ، لاسیف الاذوالفقار ہونے کے ایک شیخ فانی سے نکاح کرنا اور باوجود در پیشی اس قدر اعتدال وتکرار کے ایسے سید عرب وعجم امیر المومنین کہ اس لقب کے خود صدیق وفاروق وصدیقہ نواصب تک گواہ ہیں، لوگوں کی نظر میں ایک شیخ نومسلم ظاہری سے مغلوب دکھائی دیں اور مجبور کہلائیں حتیٰ کہ بیٹی حوالہ کردیں کہ نفس سرکش کسی بشر کا ہرگز باوصف علت اباحت شرعی کے بھی اس ہتک کو گوارا نہیں کرسکتا سوائے انبیاء واوصیا کے کہ صبر ورضائے حضرات علیہ التحیۃ والبرکات بعطائے حضرت کبریا انہیں پر ختم ہے کہ باوصف عطائے قوت ومعجزہ صبر وتحمل بھی ایسا ہی ان کو عطا ہے کہ یہ استعداد اور حوصلہ کسی اور بشر کو نہیں، حاصل کہ نفس پر اتنا غلبہ ہوسکے کہ انتہائے مرتبہ اور غایت کمال ہے غالب کل غالب ہونے کا۔“

اے مسلمانو! کہاں ہو، کس نیند میں سو رہے ہو، ذرا چونکو! ہوش میں آؤ اٹھ کر بیٹھو! اس بچۂ نادان مؤلف ”سیف صارم“ اور اس کے پیرانِ نابالغ، یعنی مجتہدین وعلماء کی عقل وحیا پر نوحہ کرو، ان کے ایمان وانصاف کے جانے پر مرثیہ پڑھو، ان کے حال زار پر رحم کرو، دیکھو

کہ کیسی عقل و حیا ان کی جاتی رہی ہے کہ عیب کو ہنر کر کے دکھلاتے ہیں اور پردے میں محبت اہل بیت کے ان کی شان میں کیا کچھ بکتے ہیں جس کے سننے سے بدن پر رعشہ جس پر خیال کرنے سے دل کو لرزہ ہوتا ہے، خیال کرو کہ بے عزتی کو شجاعت کہتے ہیں، بے حیائی کو صبر سے تعبیر کرتے ہیں...... اے یارو! یہ کیسے اہل بیت کے دوست ہیں کہ ان حضرات عالی درجات پر جن کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی، جن کی عصمت وعفت پر پاکی نے قسم کھائی ان کی نسبت کیا کیا کہتے ہیں...... اے بھائیو! صبر اسی کا نام ہے کہ ایک منافق بیٹی کو غصب کر لے اور بہ جبر و اکراہ نا جائز نکاح کر لے اور حضرات علیہم السلام بیٹھے بیٹھے دیکھا کریں اور سوائے سکوت کے زبان سے بھی کچھ نہ فرمائیں اور باوصف عطائے قوت و معجزہ و کرامات کے صبر و تحمل اختیار کریں۔ خدا کی قسم ہے کہ میں تعصب کو دخل نہیں دیتا اور اپنے مذہب پر خیال نہیں کرتا بلکہ صرف عقل و حیا سے پوچھتا ہوں کہ جس کا نام حضرات شیعہ نے صبر رکھا ہے اور جس حالت کو صبر و تحمل سے تعبیر فرمایا ہے حقیقت میں وہ صبر و تحمل ہی ہے یا اس کی حقیقت کچھ اور ہے، میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ انہوں نے بے حیائی اور بے عزتی کا نام صبر و تحمل رکھا ہے اور محبت کے حیلے سے اہل بیت کو ذلیل کیا ہے۔ (نعوذ باللّٰہ نعوذ بالله) یہ کیا خرافات ہے جو شیعہ لکھتے ہیں۔ ابھی کسی ادنیٰ آدمی کے گھر جا کر کوئی شخص، گروہ شجاعت میں بے نظیر اور قوت میں لاثانی اور مال و دولت میں لاجواب ہو اس کی بیٹی سے بہ جبر و اکراہ نکاح کرنے کا قصد کرے پھر تماشا دیکھے کہ وہ عامی چپ چاپ رہتا ہے یا اپنی جان و عزت قربان کرتا ہے۔ معلوم نہیں کہ حضرات شیعہ نے امیر المومنین یعسوب الدین صاحب ذوالفقار جد ائمہ اطہار کی عزت و ہمت اور شجاعت کو ایک ادنیٰ آدمی کے برابر بھی خیال نہ کیا اور وقاحت (بے حیائی) کو بنام صبر و تحمل کے قرار دیا ہے اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ ایسی وقاحت کی باتیں ان کی طرف منسوب کرتے جاتے ہیں اور ایسے الزام ان کو دیتے جاتے ہیں اور پھر بھی ان کو غالب کل غالب مطلوب کل طالب امیر البررۃ، قاتل الکفرۃ و الفجرۃ، سید الابرار، مخاطب بہ لافتا الا علی لا سیف الا ذوالفقار کہتے جاتے ہیں۔ نہ خدا سے شرماتے ہیں، نہ رسول ﷺ کا

لحاظ کرتے ہیں۔حقیقت میں دین و ایمان کو حضرات شیعہ نے بگاڑا اور شریعت محمدیؐ کو انہوں نے درہم برہم کیا اور شیطان کا نام بدنام ہوا۔ یہ باتیں شیطان کے دادا کو بھی نہ سوجھی ہوں گی جو ان حضرات کو سوجھی ہیں، شعر......

کارِ زلفت تسل مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہو چین بستہ اند

''مشک افشانی آپ کی زلفوں کا کارنامہ ہے لیکن عاشقوں نے چینی ہرن کو مصلحتاً الزام دے رکھا ہے۔''

اب میں قصۂ لوط عَلَیہِ السَّلام کا بھی مختصر جواب لکھتا ہوں اور آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتا ہوں، پوشیدہ نہ رہے کہ آیت مذکورہ کے یہ معنی نہیں ہیں جو حضرات شیعہ نے تصور کیے ہیں کہ حضرت لوط عَلَیہِ السَّلام نے ویسے ہی بلا نکاح اپنی بیٹیاں زنا کرنے کے لیے کسی کے سامنے پیش کر دی ہوں بلکہ مراد حضرات لوط عَلَیہِ السَّلام کی پیش کرنے سے یہ ہے کہ تم ان سے نکاح کر لو اور چونکہ اس وقت تک کافر کے ساتھ نکاح جائز تھا، اس لیے اس میں کوئی قباحت شرعی نہ تھی اس واسطے حضرت لوط عَلَیہِ السَّلام کی طرف سے خدا نے یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ ﴿هُنَّ اَطۡهَرُ لَكُمۡ﴾ کہ حضرت لوط عَلَیہِ السَّلام نے یہ فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے واسطے پاک و پاکیزہ ہیں اور طہارت بے نکاح کے نہیں ہوتی۔

اگر کوئی شیعہ کہے کہ ہم اس امر کو نہیں مانتے لفظ نکاح آیت میں نہیں ہے۔ اس لیے جواب میں ہم کہیں گے کہ وہ تفسیروں کو ملاحظہ کریں اور سنیوں کی تفسیروں کو نہ دیکھیں اپنی ہی تفاسیر سے اس کی سند لیں، چنانچہ امین الدین طبرسی ''مجمع البیان'' میں جو کہ نہایت معتبر تفاسیر شیعہ سے ہے اور طہران دارالسلطنت ایران میں چھپی ہے اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

﴿قَالَ یَا قَوۡمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَكُمۡ وَ كَانَ یَجُوۡزُ فِیۡ شَرۡعِهٖ تَزۡوِیۡجُ الۡمُؤۡمِنَةِ مِنَ الۡكَافِرِ﴾

''(لوط علیہ السلام نے) کہا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں تمہارے لیے پاک ہیں۔
ان کی شریعت میں مومنہ کا نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا۔''

اگر کوئی دانش مند شیعہ یہ کہے کہ گو اس آیت کے ان الفاظ سے مطلب نکاح کا ہو لیکن دوسری آیت میں تو صاف فعل کرنا مذکور ہے کہ ﴿هٰؤُلَاءِ بَنَاتِيْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ﴾ کہ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم کرنے والے ہو تو کرو۔ اس کے جواب میں بھی ہم انہیں کی تفسیروں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو ان آیات کا مطلب انہوں نے بیان کیا ہے اس کو نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر ''مجمع البیان'' میں علامہ موصوف فرماتا ہے:

((قَوْلُهٗ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ كِنَايَةٌ عَنِ النِّكَاحِ أَيْ إِنْ كُنْتُمْ مُتَزَوِّجِيْنَ .))

''حضرت لوط علیہ السلام کا کہنا ﴿إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ﴾ فعل سے مراد نکاح ہے۔
اگر تم کرنا چاہتے ہو تو نکاح کرو۔''

اگرچہ حضرات شیعہ کو ایک تفسیر پر اطمینان نہ ہو تو دوسری تفسیر کی عبارت بھی سنیں کہ علماء شیعہ کے فاضل کاشانی ''خلاصۃ المنہج'' میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((گفت لوط اے گروہ من اینهاں دخترانِ من اندایشاں را بخواهید که ایشاں پاکیزہ اند شمار او تزویج دختران بشرط ایماں بودہ یا در شریعت او تزویج مومنات بکفار جائز بود.))

''لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! یہ میری لڑکیاں ہیں ان کو لو کہ یہ تمہارے لیے پاک ہیں۔ لڑکیوں کی شادی بشرطِ ایمان تھی یا ان کی شریعت میں مومن عورتوں کی شادی کافروں سے جائز تھی۔''

الحاصل قصۂ لوط علیہ السلام کی واقعۂ نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کیا مناسبت ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی شریعت میں مومنہ کا نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا اور ان کا کہنا

زنا کے لیے نہ تھا بلکہ نکاح کے واسطے تھا اور پیغمبر خدا ﷺ کی شریعت میں آخر کو کافر کے ساتھ نکاح حرام ہو گیا تھا اور مطابق اصول شیعہ کے دشمن اہل بیت اور ناصبی کے ساتھ بھی نکاح حرام تھا...... علاوہ بریں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کو کوئی غصب کر کے نہیں لے گیا نہ ان کی عفت و عصمت میں خلل آیا اور یہاں تو معاملہ برعکس ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح بھی بہ جبر کرا لیا جو کہ شرعاً جائز نہ تھا اور پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر لے گئے اور چند سال تک رکھا اور ان سے اولاد پیدا ہوئی۔ پس دونوں شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اے حضرات شیعہ! کہاں تک باتیں بناؤ گے، کیا کیا تاویلیں کرو گے، جو کچھ کہو گے اس میں ہی جھوٹے ٹھہرو گے، جو کچھ تاویل کرو گے اسی سے اہل بیت پر الزام دو گے۔ اس بحث کو اوّل سے آخر تک دیکھ لو کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ سچ ہے یا جھوٹ۔ اب لاف (ڈینگ) محبت اہل بیت نہ مارو اور صاف صاف ان کی دشمنی کا اقرار کرو اور اپنے ہر عقیدے اور ہر مسئلے پر غور کر کے انصاف کرو کہ اس سے اہل بیت کی محبت ظاہر ہوتی ہے یا عداوت، اگر محبت اہل بیت ہوتی تو کیا ان کے جناب پاک کی نسبت ایسی ایسی بے شرمی کی باتیں منسوب کرتے، ان کی شان میں ایسی ایسی بے عزتیاں بیان کرتے۔ استغفر اللّٰه، استغفر اللّٰه۔ شعر......

جامی چہ لاف میزنی از پاک دامنی
بر خرقۂ تو ایں ہمہ داغ شراب چیست

چونکہ حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ کا جواب بھی بخوبی ہو چکا، اب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کا کچھ بیان کرتا ہوں۔

بعض حضرات شیعہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہ علیہا السلام کو بھی ایک بادشاہِ جابر نے زبردستی چھین لیا تھا اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سوائے صبر اور دعا کے کچھ نہ ہوا۔ چنانچہ مؤلف ''سیف صارم'' اس مضمون کو اس عبارت سے بیان کرتا ہے، وھو ھذہ بلفظہ:

''علاوہ اس کے تفسیر عزیزی سے ایک اور مختصر مضمون مقام حاجت ہم لکھتے ہیں،

زیادہ تفصیل تفسیر مذکور میں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کے پیر عزیز کی ہے المختصر کہ سارہ بی بی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کہ بہت خوبصورت تھیں بہ سبب ظلم و جور اشقیاء کے اپنے خاوند ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سر بصحرا نکلیں، جب مصر میں پہنچیں تو وہاں کا بادشاہ نہایت جبار تھا، اس کی عادت تھی کہ جو عورت خوش رو ہوتی تھیں اس کے خاوند کو مار ڈالتا تھا اور بھائی بند ہوتا تو اس سے چھین لیتا تھا غرض ان پر بھی وہی نوبت پہنچی کہ پیادے ظالم کے حضرت پاس آئے اور پوچھا کہ یہ عورت تمہاری کون ہے؟ حضرت نے کہا کہ بہن ہے، یعنی مراد حضرت کے دل میں یہ تھی کہ دینی بہن ہے اور اولاد آدم، منصف فہم اس جگہ سے طریقہ تقیہ اور شعار انبیاء ایسے مقام مجبوری و اضطرار میں خیال کرسکتا ہے کہ اوصیاء کو اسوۃ اقتداء با انبیاء ہوتی ہے اور مومنین کو ان سے، تو ناصح صاحب کو اگر کچھ بھی قوتِ منفعلہ ہو تو سوچیں اور شرم کریں کہ ان کے پیر عزیز خود کیا لکھتے ہیں، غرض کہ پیادگانِ شاہِ مذکور نے ابراہیم علیہ السلام کو تو چھوڑ دیا اور حضرت سارہ علیہا السلام خاتون کو زبردستی لے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان کا یہ حال دیکھا تو نماز و دعا میں مشغول ہوئے اور حضرت سارہ علیہا السلام جب اس شقی کے پاس پہنچیں وہ شقی عاشق ہوگیا اور چاہا کہ بے ادبی کرے بالجملہ حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی، اس کا حال یہ ہوا کہ دونوں ہاتھ خشک ہوگئے بدحال ہوا انجام کو حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی اچھا ہوگیا پھر بدذاتی کی، پھر وہی حال ہوا غرض تیسری دفعہ حضرت سارہ علیہا السلام کو رخصت کیا اور ہاجرہ علیہا السلام حوالہ کیں۔‘‘

ہم اس تحریر پر بھی آفریں و مرحبا کہتے ہیں اور اس قصے کے اس موقع پر ذکر کرنے پر شاباش شاباش کہہ کر مؤلف کا دل بڑھاتے ہیں کہ اس نے ایسے قصے کو چھیڑا جس سے ہمارا مطلب حاصل ہوتا ہے اور ہم کو ایک حجت اُن پر ہوتی ہے، لیکن سخت حیرت ان کی عقل اور سمجھ پر ہے کہ اس میں انہوں نے اپنا کیا فائدہ تصور کیا ہے، یعنی خلاصہ اس قصے کا یہی ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہ علیہا السلام کو اس بادشاہِ جابر کے آدمی پکڑ لے گئے اور جب اس شقی نے بے حرمتی چاہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے دعا کی خدا نے اس کا ہاتھ خشک کر دیا اور ان کی بی بی کی عصمت کو بچا دیا بلکہ ایسا معجزہ دکھلایا کہ جس کے سبب سے اس نے ایک لونڈی ہاجرہ علیہا السلام اور نذر کی...... اب کوئی اس قصے کو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حال سے ملائے کہ مطابق ہے یا مخالف اگر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوتا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو اپنے گھر لے گئے تھے تب حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا سے دعا کرتے اور اللہ جل شانہ حضرت ابراہیم کی طرح ان کی عصمت بچانے کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ خشک کر دیتا اور ان کو ڈرا دیتا اور وہ معجزہ دیکھ کر صحیح و سالم ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیتے بلکہ اپنی طرف سے ایک لونڈی اور پیش کش کرتے اور اپنی تقصیر معاف کراتے تو بے شک ابراہیم و سارہ علیہما السلام کا قصہ ان کے حال کے مطابق ہوتا حالانکہ بر خلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبردستی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کرا لیا اور آٹھ دس برس تک ان کو اپنے گھر رکھا اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی ان سے پیدا ہوئی اور ان کے جیتے جی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے گھر رہیں اور ان کی وفات کے بعد حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے ساتھ ان کا نکاح ہوا...... پس تعجب ہے کہ خدا نے حضرت سارہ علیہا السلام کی عصمت بچانے کے لیے تو معجزات دکھلائے، بادشاہ جابر کا ہاتھ بھی خشک کر دیا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت فاطمہ بنت رسولؐ کے غصب کا ایک منافق مرتد نے ارادہ کیا تو نہ خدا کے دریائے غیرت کو جوش ہوا نہ اس کا قہر وجلال ظاہر ہوا نہ اس نے کوئی معجزہ دکھلایا، نہ اس غاصب کا ہاتھ خشک کیا، نہ کسی اور طرح اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کو بچایا...... پس سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ شیعوں کا خدا بھی عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر گیا اور اس نے بھی خوف کے مارے کچھ دم نہ مارا یا یہ کہ اپنے رسول کے وصی کی طرح اس نے بھی صبر کیا اور تحمل فرمایا۔ چونکہ ادنیٰ آدمیوں کو ایسے معاملات میں بے صبری ہو جاتی ہے اور وہ جان دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں مگر چونکہ امام اور وصی کا رتبہ اور درجہ سب سے بڑا ہوتا ہے، اس لیے انہوں نے ایسے معاملات میں بھی صبر کیا۔

(نعوذ باللّٰہ من ھفواتھم وسوء عقید تھم۔)

اس قصے میں ایک جاہلانہ شبہ اور رہا جاتا ہے جس کا رفع کرنا بھی مناسب ہے، وہ یہ ہے کہ تواریخ وسیر سے ثابت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی کو اس جابر شقی نے پکڑ وایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے دعا کی اس دعا پر خدا نے معجزہ دکھلایا اور اس کا ہاتھ خشک کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے جانے کے بعد دعا نہیں کی کہ خدا اس کو قبول کرتا اور معجزہ دکھلاتا۔ فقط

بے شک یہ سچ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دعا نہیں کی اور یہ بھی درست ہے کہ جب خود حضرت امیرؓ جن کی بیٹی غصب کی گئی خاموش ہو گئے تو خدا کیا کرتا، وہ بغیر دعا اور سوال کے کیوں اپنا قہر نازل کرتا لیکن حضرت امیرؓ کو دعا سے مانع کون تھا، انہوں نے کیوں سکوت فرمایا اور دعا کے لیے انہوں نے اپنے گھر میں رات کے وقت کیوں دروازہ بند کر کے ہاتھ نہ اٹھائے، اگر مقابلہ کرنے میں جان کا خوف اور لڑنے میں قتل کا اندیشہ تھا تو خیر ایک مجبوری تھی، جس کے باعث خاموش ہو گئے، لیکن گھر میں رات کے وقت کس کا ڈر تھا جس کے سبب سے دعا تک نہ مانگی...... شاید خیال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہوگا کہ وہ اکثر رات کو بھی گشت کے لیے نکلا کرتے اور لوگوں کی خبر لیا کرتے تھے۔ اگر کہیں حضرت امیرؓ کو دعا کرتے سن لیتے تو شاید ان کو تکلیف دیتے اور پھر وہی امر پیش آجاتا جس کے لحاظ سے حضرت امیرؓ ساکت ہو گئے تھے، یعنی خوف قتل۔ مگر یہ خیال اس وقت کرنا ضرور تھا جبکہ دعا کے لیے چلانا ضروری ہوتا، حالانکہ جہر دعا کے لیے ضروری نہیں ہے خدا دل کی دعا کو بھی ویسا ہی سنتا ہے، جیسا کہ زبان سے چلانے کو سنتا ہے۔ پس دل ہی سے دعا کرتے اور زبان سے کچھ نہ فرماتے غرض تو مطلب حاصل ہونے سے تھی پس حضرت امیرؓ کے مقابلہ نہ کرنے کا سبب تو ہم نے مانا کہ جان کا خوف تھا اور آواز سے دعا نہ کرنے کے لیے بھی ہم نے معذور تصور کیا کہ اندیشہ عمر رضی اللہ عنہ کے سن لینے کا تھا لیکن دل سے دعا نہ کرنے کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا...... کاش! کوئی شیعہ ہم کو یہ بتلا دے اور ہمارا شبہ دور کر دے۔

اگر کوئی دانش مند یہ فرمائے کہ جب نکاح کر دیا تو پھر دعا مانگنے کی کیا ضرورت تھی، معاذ اللّٰہ! معاذ اللّٰہ! عمر رضی اللہ عنہ زانی اور فاسق نہ تھے جن کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنے سے حضرت علیؓ کچھ لحاظ فرماتے تو بس یہی قول ہمارا ہے پھر روایت (ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ) کو کیا کریں گے، اور ان صدہا اوراق کو جو اس نکاح کی توجیہہ کے لیے علماء نے سیاہ کیے ہیں، کس آنکھ کے پانی سے دھوئیں گے، اگر نفس الامر یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے راضی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خوش تھے اور دونوں ایمان اور اخلاص میں ایک دوسرے پر بھروسا رکھتے تھے، اس لیے اپنی خوشی سے نکاح کر دیا تو بس جھگڑا طے ہوا لیکن مذہب تشیع کا بطلان کالشّمس فی نصف النہار ثابت ہوا۔ اگر حقیقت میں یہ بات جو ہم نے بیان کی حضرات شیعہ تسلیم کرلیں تو ان کو سوائے اپنے مذہب کے چھوڑنے کے دوسرا چارہ نہیں ہے اور اسی واسطے ان کے علماء نے ہزاروں قسم کی تاویلات فرمائیں جن کی ضرورت نہ تھی لیکن اصل حقیقت کے بیان کرنے سے چشم پوشی کی، کسی نے خوفِ جان کا عذر بیان کیا، کسی نے اس کو صبر وتحمل پر محمول کیا، کسی نے اس کے معارضے میں حضرت لوط علیہ السلام کے قصے کو پیش کیا، کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہ کے پکڑے جانے کو بطور نظیر بیان کیا، کسی نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شکل پر جنیہ کی شکل ہونے کا دعویٰ کیا...... بہر حال یہ سب نظیریں اور مثالیں اور حکایتیں بیان کرنا اور اس کے عذرات اور وجوہات پیش کرنا بلکہ اس نکاح کو مثل مردار کے کھانے کے جو ضرورتاً شرعاً حلال [1] ہو جاتا ہے سمجھنا کس لیے ہے، اس لیے تا کہ یہ ثابت نہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی زوجیت کے لائق تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشی سے ان کے ساتھ نکاح کیا...... پس ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے انکار کے واسطے کیا کیا توجیہات کی ہیں اور کیسے کیسے الزام حضرات اہل بیت پر دیے ہیں کہ کچھ ہو خواہ اہل بیت بدنام ہوں، خواہ ان کی بناتِ طیبات مغصوبہ ٹھہریں، خواہ اولیاء پر بے شرمی کا الزام

---

[1] جیسا کہ صاحب ''نزہہ'' نے لکھا ہے کہ تجویز تزویج در مقام ضرورت واضطرار از باب رخصت است، چنانچہ تجویز تناوّل میتہ در حالت مخمصہ واضطرار ۱۲۔

آئے سب کچھ منظور اور قبول ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اقرار نہ کیا نہ کرتے ہیں نہ کریں گے۔

دوسری تاویل وصیت......ہم اوپر صبر و تحمل کی تاویل کا جواب دے چکے اب دوسری تاویل کو بیان کر کے اس کا رد کرتے ہیں۔

جب حضرات شیعہ نے خیال کیا کہ صبر کی تاویل درست نہیں ہے اور بغیر کسی وجۂ خاص کے ایسے نازک معاملے میں تحمل کا عذر صحیح نہیں ہے، اس لیے اس کی تائید دوسری طرح سے کی اور اس کے لیے ایک وجۂ خاص پیدا کی, یعنی وصیت کرنا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ حضرت سرور کائنات اپنے وصی اور امامِ اوّل کو وصیت فرما گئے تھے کہ وہ سوائے صبر کے کچھ نہ کریں اور جو ظلم وستم خلفاء جور کریں ان کی برداشت کریں اور جو جو واقعے پیش آنے والے تھے سب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جناب امیر سے کہہ چکے تھے اور ہر ایک واقعے پر صبر و تحمل کی وصیت کر گئے تھے تو پھر کیوں کر ممکن تھا کہ وصی نبیؐ کے حکم کے خلاف کرتے اور صبر کو چھوڑ دیتے۔ چنانچہ اس مضمون کو قاضی نور اللہ شوستری نے اپنے ''مصائب'' میں بیان کیا ہے جس کا ترجمہ فارسی ''ازالۃ الغین'' میں مذکور ہے، ہم اس کو نقل کرتے ہیں، وھو ھذہ:

((و بعضے از جهال ایشاں گفته اند که چه گنجائش دارد که علیؓ تسلیم نکاح کندابنة خودرا برینکه شما وصف کردید وما میگوئیم که ایں سخن جهل ست به وجود تدبیر و بیاں ایں آنست که چوں رسول خدا ﷺ وصیت کرد علیؓ رابانچه محتاج بود در وقت وفات و معلوم او گردانید جمیع آنچه جاری خواهد شد از امر مستولین واحداً بعد واحدٍ پس علی گفت مرابچه امر میکنی آنحضرت فرمود صبر کن تامردم رجوع کنند بسوئ توازروی طوع پس آں هنگام قتال کن با ناکثین وقاسطین و مارقین وبا احدی از ثلاثه منازعت مکن

تا خودرا بدست خود در تهلکه نیندازی و مردم از نفاق بشقاق برکردند پس علی علیه السلام حافظ وصیت رسول خدا ﷺ بود بواسطۂ حفظ دیں تا مردم به جاهلیت برنه گردند وچوں عمر رضی اللہ عنہ خوستگاری ام کلثوم رضی اللہ عنہا نمود علیؓ متفکر شد و گفت اگر مانع شوم اوقصدِ قتل من خواهد کرد وا گر قصدِ قتل من کندو ممانعت کنم اور از نفسِ خود بیروں روم از اطاعت رسول خدا ﷺ و مخالفت وصیت اومیکنم و داخل میشود دردین آنچه مذکور میکرد ازاں رسولِ خدا ﷺ پس تسلیم ابنة دریں حال اصلح بوداز قتل اوو بیروں رفتن از وصیت رسول خدا ﷺ پس تفویض نمود امر اور ابخداودانسته بود که آنچه عمرؓ غصب کرد از اموالِ مسلماناں و ارتکاب کرده از انکارِحق او وقعود بجای رسولِ خدا ﷺ و تغیر احکام الٰهی و تبدیل فرائض خدا، چنانچه گزشت اعظم است نزد حق تعالیٰ واقطع وازاشنع است از اغتصاب ایں فرج پس تسلیم کرد و صبر نمود، چنانچه رسول خدا ﷺ امر نموده بود۔))

”بعض جاہل کہتے ہیں کہ جب یہ حالات تھے جوتم نے بتائے تو ایسے میں علیؓ کو اپنی بیٹی کے نکاح کر دینے کو مان لینے کی کیا گنجائش تھی؟ اس کا جواب ہمارے پاس یہ ہے کہ اس قسم کی گفتگو جہالت ہے، واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کوضروری امور کی وصیت کی اور اپنی وفات کے وقت حضرت علیؓ کو لفظ بہ لفظ وہ سب کچھ بتا دیا جوان کے بعد ہوگا۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا اس وقت تک صبر کرو جبکہ لوگ تمہاری جانب

بحیثیت اطاعت و فرمانبرداری رجوع ہوں اور پھر اس وقت معاہدہ شکن ظالموں اور دین سے خارج ہونے والی جماعت سے جنگ کرنا اور خلفائے ثلاثہ میں سے کسی سے تنازعہ نہ کرنا تا کہ خود ہلاک نہ ہو اور لوگوں کے نفاق و اختلاف سے بچے رہو، پس حضرت علیؓ دراصل رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے بلحاظ حفاظت دین نگہبان تھے تا کہ جاہلیت اور کفر کو دوبارہ اختیار نہ کر لیں اور جب عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام بھیجا تو علیؓ متفکر ہوئے اور کہا کہ اگر میں اس میں مانع و مزاحم ہوں تو یہ مجھے قتل کرے گا، اگر یہ میرے قتل کا ارادہ کرے اور میں اپنی جان بچانے کے لیے اس کو منع کروں تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے خارج ہوا جاتا ہوں اور ان کی وصیت کے خلاف عمل کرتا ہوں، لہٰذا دین میں خلل واقع ہوگا، یہ سوچ کر بیٹی دینا بہتر سمجھا اور معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا درآں حالیکہ علی واقف تھے کہ عمرؓ نے مسلمانوں کا مال غصب کیا اور ان کے حق کا انکار کرتے ہوئے رسول اللہ کی جگہ بیٹھ گئے، احکام الٰہی میں تبدیلی و تحریف کی، چنانچہ یہ سب باتیں بہ نسبت اس ایک شرمگاہ کے غصب کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قبیح اور بری تھیں، لہٰذا اپنی بیٹی سپرد کر دی اور صبر کیا، جیسا کہ فرمان رسول ﷺ تھا۔''

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کو پیغمبر خدا ﷺ نے وصیت کی کہ تم خلفائے ثلاثہ کے عہد میں کچھ نہ کہنا اور کچھ نہ کرنا، جو ظلم و ستم وہ چاہیں کریں سر نہ ہلانا، جو کچھ وہ چاہیں غصب کریں کچھ نہ بولنا، اسی واسطے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصل معاملۂ امامت و خلافت میں کچھ دم نہ مارا اور سکوتِ کامل اختیار فرمایا...... حالانکہ عمرؓ کے خلیفہ ہونے سے جو کچھ خرابیاں ہوئیں وہ ظاہر ہیں۔ پس خلافت کا غصب کرنا اور مسلمانوں کے مال پر متصرف ہونا اور جناب امیرؓ کو الگ کر کے خود پیغمبر خدا ﷺ کی جگہ پر بیٹھنا خدا کے نزدیک بہت قبیح اور شنیع تھا، بہ نسبت غصب کرنے فرج ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے۔ پس جب ایسے بڑے قبیح اور شنیع معاملے میں

یعنی غصب خلافت میں حضرت پیغمبر خدا ﷺ کی وصیت کے سبب سے حضرت علی ﷺ نے صبر کیا تو پھر ایک بیٹی کی شرمگاہ غصب کرنے پر صبر فرمایا تو کیا تعجب ہے؟

اور اس تقریر لطیف کو لکھتے لکھتے قاضی نور اللہ شوستری ''مصائب النواصب'' میں اپنی حیا وشرم کے جوہر دکھلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خلافت کا دعویٰ کرنا جو عمر رضی اللہ عنہ نے کیا اور مسند رسول ﷺ پر بیٹھنا خدا کے نزدیک ہزار فرج کے غصب کرنے سے بھی زیادہ برا تھا، چہ جائے فرجِ واحد، کما ذکر ترجمۃ فی "ازالۃ الغین":

((وآنچہ دعویٰ کرداز برائے خود از امامت ازروی ظلم وجور و تعدّی و خلاف برخدا و رسولِ خدا ﷺ و دفع امامے کہ نصب کردہ اوراخدا و رسول خداؐ واستیلاء اوبر امورِ مسلمانان ، پس حکم بہ خلاف خدا و رسول اعظم ست نزد حق تعالیٰ از اغتصاب ہزار فرج از زنان مومناں چہ جائے فرج واحد .))

''عمر رضی اللہ عنہ نے ظلم وستم کے ذریعے جو اپنی خلافت و امامت کا دعویٰ کیا اللہ اور رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی خدا اور رسول کے مقرر کیے ہوئے امام کو ہٹا دیا اور مسلمانوں کے امور پر قبضہ جمایا۔ پس خدا اور رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی خدا تعالیٰ کے نزدیک مومن عورتوں کی ہزار فرجوں (شرمگاہوں) کے غصب سے زیادہ بڑی ہے بہ نسبت ایک (ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی) فرج کے۔''

اے مومنین باحیا! اور اے شیعیانِ باصفا! تم کو اپنی حیا اور صفائی کی قسم ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری کی اس تقریر لطیف کی لطافت دیکھو اور اس کے الفاظ اور مضامین کو سوچو کہ ائمہ اطہار اور بنات طیبات کی نسبت کیا کچھ فرمایا ہے اور نکاحِ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو کن لفظوں سے تعبیر کیا ہے......سبحان اللہ جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی محبت کا دعویٰ بھی کرنا اور ان کی بناتِ طاہرات پر ایسی تہمت بھی کرنا اور ایسی بے ادبی کے الفاظ ان کی شان میں زبان

سے نکالنا قریب ہے کہ زمین شق ہو جائے، آسمان سے قہر کی بجلی گرے کہ کس منہ سے کس کی شان میں کیا کہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اس معصومہ کی بیٹی ہیں جن کی صورت کسی نے نہیں دیکھی، جس کی عفت کی عصمت نے قسم کھائی...... جب قیامت کے دن میدانِ حشر میں ان کا گزر ہوگا تب منادی ندا کرے گا کہ (غَضُّوْا اَبْصَارَکُمْ) یعنی سب اپنی آنکھیں بند کرلو کہ رسولؐ کی بیٹی عفیفۂ معصومہ گزرتی ہے، کسی کی ان پر نظر نہ پڑے غرضیکہ جس کی ماں کی عصمت کی خدا کے نزدیک یہ قدر و منزلت ہو اس کے جگر گوشہ کی حضرات امامیہ ایسی فضیحت و رسوائی بیان کریں اور جو باتیں ایک عامی کی نسبت کسی کی زبان سے نہ نکلیں ان کو ایسی جناب کی شان میں بیان کریں...... رہا عذر وصیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایسا عذر ہے کہ نہ عقلاً لائق تسلیم ہے نہ نقلاً...... عقلاً اس لیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت خلق کے لیے مبعوث ہوئے تھے ان کا کام تھا خود وہ کام کرنا جس میں لوگ گمراہی سے بچیں اور اوروں سے خصوصاً اپنے جانشینوں اور وصیوں سے وہ کام کرانا جس میں خلق خدا ضلالت سے محفوظ رہے...... پس کیوں کر عقل قبول کرے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت حضرت امیرؓ کو کی ہو کہ گو خلفائے ثلاثہ خلافت کو غصب کریں اور تمہارا حق چھین لیں اور لوگوں کے مال پر متصرف ہو جائیں اور خدا کی کتاب میں تحریف کریں اور میری سنت کو بدلیں اور تمہاری بیٹیوں کو چھین لے جائیں مگر دم نہ مارنا اور چپ رہنا اور یہ سب جور و ستم اپنے نفس پر گوارا کرنا...... بھلا کس کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو، (نعوذ باللّٰہ منه) اس سے بڑھ کر اور کیا تہمت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوگی...... رہا یہ عذر کہ یہ اس وجہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لوگ ظاہر اسلام نہ چھوڑ دیں اور علانیہ کفر و شرک نہ کرنے لگیں...... تو یہ امر بھی عقل کے خلاف ہے، اس لیے کہ اگر وہ لاکھوں آدمی جنہوں نے برسوں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہو اور جنہوں نے ابتدائے اسلام سے اس کی ترقی کے وقت تک وقتاً فوقتاً ایمان قبول کیا ہو اور جنہوں نے جہاد اور لڑائیوں میں اپنی جان دینے میں دریغ نہ کیا ہو اور جنہوں نے اپنی آنکھ سے ہزارہا معجزات دیکھے ہوں اور جن کی شان میں خدا نے آیاتِ فضیلت نازل

کی ہوں وہ سب کے سب (اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ) ایسے منافق اور ناقص ایمان والے ہوں کہ وہ سب حضرت علیؓ کے خلفائے ثلاثہ کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ظاہری اسلام کو بھی چھوڑ دیں اور اپنے کفر اصلی کو ظاہر کر دیں اور اعلانیہ مشرک ہو جائیں اور باوجودیکہ حضرت امیرؓ حق پر ہوں اور صرف مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو ان کے دست تعدی سے محفوظ رکھنے اور خدا کے دین کو تغیر و تبدل سے بچانے اور لوگوں کے گمراہ نہ ہونے کے واسطے وہ ان سے مقابلہ اور مقاتلہ کریں اور پھر بھی کوئی مسلمان ان کا ساتھ نہ دے بلکہ ساتھ دینا کیسا اسی قصور میں حضرت علیؓ کو چھوڑ دیں اور ظاہری اسلام سے ہاتھ اٹھا کر بت پرستی اختیار کر لیں تو ایسی جماعت کے ایمان و اسلام سے کیا فائدہ تھا اور بلکہ ان کا مسلمان رہنا اور کافر ہو جانا برابر تھا تو پھر پیغمبر خدا ﷺ کا وصیت فرمانا اور حضرت علیؓ کو بہ خیال کافر نہ ہونے ان لوگوں کے صبر پر تاکید کرنا کیا ضروری تھا۔ اس لیے کہ جس امر کا اندیشہ تھا کہ لوگ ایمان و اسلام سے نہ پھر جائیں وہ موجود ہی تھا اور وہ سب کے سب ایمان و اسلام سے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے ورنہ خیال کرنا چاہیے کہ اگر حضرت علیؓ اس بات پر کہ ان کی خلافت خلفائے جور نے غصب کی اور لوگوں کے مالوں پر تصرف کیا اور سنت نبوی ﷺ کو بدل دیا اور رسول ﷺ کی نواسی کو غصب کر لے گئے ان خلفاء سے مقابلہ کرتے اور اصحاب رسول ﷺ سے مدد چاہتے تو وہ بجائے مدد دینے کے کلمۂ شہادت سے بھی منکر ہو جاتے اور خدا کی توحید اور رسول ﷺ کی رسالت کا بھی انکار کرنے لگتے تو پھر ان کے اسلام کا لحاظ کیا ضروری تھا۔ اگر ایسے دلی کافر ظاہری مسلمان ظاہر میں کلمہ گو رہتے تو کیا اور بت پرست ہو جاتے تو کیا، صرف ان کے ظاہری اسلام کے لحاظ سے اس قدر ظلم و ستم اٹھانا اور خدا کے دین کو غارت ہونے دینا اور بیٹیوں کو چھین لے جانے دینا کیا معنی اور ایسے لوگوں کی خاطر وصیت کرنا پیغمبر خدا ﷺ کا اور صبر و تحمل پر ثابت قدم رہنے کی اپنے وصی کو تاکید کرنے سے کیا حاصل تھا۔

اے حضرات! یہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کا معاملہ ایسا آسان نہیں کہ (اِنَّ ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ) کہہ کر اس کو ٹال دو اور اس کو ایسی پوچ لچر باتوں میں بہلا دو ذرا انصاف کرو کہ

اگر کسی شخص کا غلام یا خدمت گار یا ملازم جس نے چند ہی روز اپنے آقا کا نمک کھایا ہو وہ دیکھے کہ اس آقا کے مرنے کے بعد کوئی شخص اس کے مال کو غصب کرتا ہے یا اس کے خاندان کی کسی لڑکی کی عزت لیتا ہے بلکہ غصب کرنا کیسا عزت لینا کیسا، وہ یہ سمجھے کہ ایسا ارادہ بھی رکھتا ہے تو اگر وہ نمک حلال ہو گا تو ضرور اپنی جان دینے پر مستعد ہو گا اور اپنے جیتے جی اپنے آقا کی حرمت وعزت میں داغ نہ آنے دے گا...... پس کیا چار لاکھ اصحاب رسولؐ میں ایک بھی ایسا نہ تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شریک ہوتا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی عصمت و عفت بچاتا، اصحاب رسول کو جانے دو ان سب کو مرتد اور منافق سمجھو، کیا بنی ہاشم میں بھی کوئی شخص نہ تھا جو اپنی بیٹیوں کی عزت بچاتا اور ایک منافق کے دست تعدی سے ان کو محفوظ رکھتا۔ شاید اس کا جواب حضرات شیعہ یہ دیں گے کہ پیغمبر خداؐ نے صبر کی وصیت کی تھی اور فرما دیا تھا کہ اگر کوئی شخص کتنا ہی ظلم کرے اور گو تمہاری لڑکیوں کو غصب کر لے جائے اور جو چاہے سو کرے مگر کوئی دم نہ مارنا...... تب ہم کہیں گے کہ وہ وصیت جنگ شام اور صفین میں کیوں بھلا دی گئی اور کس لیے ہزاروں آدمی کا خون کرایا؟ تب شاید فرمائیں کہ اس وصیت میں یہ بھی تھا کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں کچھ نہ کرنا مگر معاویہؓ سے لڑنا...... تب ہم کہیں گے کہ وصیت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ٹھہری، مرزا دبیر اور مرزا انیس کا مرثیہ ٹھہرا کہ جو مضمون ان کے ذہن میں آیا اسی وقت ایک روایت اپنی طرف سے جھوٹی سچی بنا لی اور اپنی شاعری دکھلا دی۔ آخر اس وصیت کا کوئی سبب یا کوئی وجہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ وجہ ہو کہ نوبت خون ریزی کی نہ پہنچے تو جنگ معاویہ رضی اللہ عنہ میں یہ وجہ موجود تھی کہ ہزارہا آدمیوں کے قتل کی نوبت آئی اور اگر یہ سبب ہو کہ کوئی اصحاب میں سے شریک نہ ہو گا اور اگر ناحق علی رضی اللہ عنہ کی جان جائے گی تو اس کا حال جنگ معاویہ رضی اللہ عنہ میں کھل گیا کہ تمام مہاجرین اور انصار اور اہل حل وعقد اور بزرگانِ دین حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور ہزاروں ان کی اعانت میں شہید ہوئے تو کیا وہ لوگ جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں مدد دی پہلے مدد نہ دیتے اور جس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑے اس طرح خلفاء کے ساتھ نہ لڑتے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ یہ وصیت کا مضمون صرف بنایا ہوا

ہے اور ناحق تہمت رسولِ خداﷺ پر ہے۔ اگر شک ہو تو ہم اس کو نقلاً بھی ثابت کرتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ قطع نظر دلائل عقلی کے جس سے اس وصیت کا بطلان ثابت ہوتا ہے اگر ہم احادیث واخبار پر کتب شیعہ کے غور کرتے ہیں تو اس سے بھی اس کا غلط ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ ماحصل وصیت کا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں صبر و تحمل کریں اور ان کے کسی ظلم وستم پر کچھ نہ بولیں۔ پس اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے زمانے میں صابر وشاکر رہے ہوں اور ان کے ساتھ سختی و درشتی کے ساتھ پیش نہ آئے ہوں اور ان کا مقابلہ نہ کیا ہو تو بے شک ہم بھی تسلیم کر سکتے ہیں کہ شاید ایسی وصیت ہوئی ہو لیکن اگر یہ امر ثابت ہو جائے کہ حضرت علیؓ نے اپنے قہر و جلال کا اظہار کیا اور خلفاء ثلاثہ سے بہ سختی پیش آئے اور ان سے مقابلہ کیا اور ان کو ہر طرح پر ڈرایا اور ان کے قتل پر آمادہ ہوئے تو کیوں کر ہم قبول کریں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی، اس لیے کہ اگر وہ وصیت کرتے تو ضرور حضرت علیؓ اس پر عمل کرتے اور کسی امر میں چون و چرا نہ فرماتے لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں تو حضرت امیرؓ ان کا مقابلہ کریں اور مرنے مارنے پر مستعد ہو جائیں اور وصیت نبوی کو بھلا دیں اور ایسے بڑے معاملے میں مثل غصب ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے صبر و تحمل کریں اور وصیت پر عمل فرمائیں، یہ امر ہماری ناقص فہم کی سمجھ سے باہر ہے۔ اس دقیق مضمون کو حضرات شیعہ ہی سمجھتے ہوں گے۔

پہلی روایت: ...... ''کشف الغمہ'' میں محمد بن خالد سے ایک روایت لکھی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اثناء خطبے میں لوگوں سے کہا کہ اگر میں چاہوں کہ تم کو معلومات دینیہ اور معتقدات یقینیہ اور احکام شرعیہ محمدیہ سے پھیروں اور یہ کہوں کہ اس کو چھوڑ کر ان قاعدوں پر چلو جو جاہلیت کے زمانے میں تھے تو تم میری اطاعت کرو گے یا نہیں؟ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب تین مرتبہ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ حالت تمہاری ہم دیکھیں اور تم کو خدا کے دین سے پھرا ہوا پائیں تو دوسرا نائب ہم طلب کریں اور اگر تم توبہ کرو تو تمہاری توبہ قبول کریں اور اگر توبہ نہ کرو

تو ہم تمہاری گردن ماریں...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ الحمد للہ کہ ہمارے دین میں ایسے آدمی ابھی ہیں کہ اگر میں منحرف ہو جاؤں تو وہ مجھے راہ راست پر لا سکتے ہیں۔فقط!

پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر ایسا سخت جواب دیں اور ان کے قتل کرنے اور گردن مارنے پر اپنی مستعدی ظاہر کریں تو اگر حقیقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین سے پھر جاتے اور احکامِ شرعیہ محمدیہ کو بدل دیتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے قول کو پورا کرتے اور ان کو مار ہی ڈالتے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مستعد کیوں کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی لے جانے دیتے اور کچھ چون و چرا نہ کرتے۔اصل ترجمہ بلفظہ اس حدیث کا یہ ہے:

((روایت ست از محمد بن خالد الضبی که روزے عمر بن خطاب در اثناء خطبه از حاضران سوال کرد که اگر من خواهم که شمارا از معلوماتِ دینیه و معتقداتِ یقینیه و احکامِ شرعیه محمدیهؐ صرف نما یم و گویم که از معتقداتِ برگردید ورجوع نمائید بقواعد که درزمانِ جاهلیت بود شمابامن چه خواهید کرد آیا تابع درآں خواهید شد یا مخالف من ، مردماں همه خاموش شدندو هیچ کس جواب نگفت عمرؓ دیگر بارا همیں سخن را اعاده کرد ، از هیچ کس جوابی نشنید ، پس دیگر بار همیں مقاله اعاده کرد شاهِ ولایتؓ فرمود که هر گاه از تو ایں حالت مشاهده گردو و ترا از دین مصطفےٰؐ منحرف یا بم نائب دیگر طلب کنیم و اگر توبه کنی توبهٔ ترا قبول کنیم و اگر نکنی ترا گردن زنیم ، عمرؓ چوں ایں سخن از شاهِ اولیاؓ شنید گفت که دردین ما مرد ماں هستند که اگر منحرف شویم مارا بطریقِ مستقیم مقیم و ثابت دارند .))

''محمد بن خالد ضبی سے روایت ہے کہ ایک دن عمرؓ بن خطاب نے درمیانِ خطبہ حاضرین سے سوال کیا کہ اگر میں چاہوں کہ تم کو معلومات دینیہ، معتقداتِ یقینیہ اور احکام شرعیہ محمدیہ ؐ سے پھیروں اور کہوں کہ ان اعتقادات کو چھوڑ و اور ان قواعد کی طرف رجوع کرو جو زمانۂ جاہلیت میں تھے تو تم میرے ساتھ کیا کرو گے، میری پیروی کرو گے یا مخالفت؟ سب لوگ خاموش تھے کسی نے جواب نہ دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ یہی بات کہی، پھر کسی نے جواب نہ دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سے یہی بات دہرائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کبھی تمہاری یہ حالت دیکھوں گا اور تم دین مصطفےٰؐ سے ہٹا ہوا پاؤں گا تو دوسرا نائب تلاش کروں گا اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہاری توبہ قبول کرلوں گا، ورنہ تمہاری گردن مار دوں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی جب یہ بات سنی تو کہا کہ ہمارے دین میں ایسے لوگ ہیں کہ اگر میں منحرف ہو جاؤں تو مجھے راہ راست پر لگا دیں گے۔''

دوسری روایت: ......ملا باقر مجلسی نے ''حیاۃ القلوب'' [1] میں ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمر فاروقؓ کے دل میں شاہ مرداںؓ کی اس قدر ہیبت اور خوف تھا کہ صرف دیکھنے ہی سے لرزہ آجاتا تھا۔ چنانچہ ایک طول طویل قصہ لکھنے کے بعد اس مضمون کو ان لفظوں سے ادا کیا ہے:

((علی بن ابراهیم از ابو و اثله روایت کرده است که گفت روزے با عمر بن خطاب براهے می رفتم ناگاه اضطرابی درراه یافتم و صدائ از سینه اوشنیده شد مانند کسی که از ترس مدهوش شود، گفتم چه میشود ترا ای عمرؓ گفت مگر نه بینی شیر بیشه شجاعت را او معدنِ کرم و فتوت راوکشنده طاغیان و باغیان و زیبنده شمشیر را علمدار صاحب تدبیر

[1] ''حیاۃ القلوب'' مطبوعہ لکھنؤ۔ صفحہ ۳۴۷ جلد۲ اردو ترجمہ حیاۃ القلوب جلد۲ صفحہ ۵۶۳۔

راچون نظر کردم علیؓ بن ابی طالب را دیدم۔ الی قوله۔ تا ایں ساعت ترس اورا از دل من بدر نرفته است و هر گاه که اور امی بینم چنیں هر اساں میشوم .))

''علی بن ابراہیم نے ابو واثلہ سے بیان کیا ہے کہ ایک دن میں عمرؓ بن خطاب کے ساتھ جا رہا تھا، اثناء راہ میں ان پر بے قراری طاری ہوگئی اور ان کے سینہ سے ایسی آواز سنی جیسے مارے خوف کے کوئی مدہوش ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا: اے عمر! آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا تم (شیر بیشہ شجاعت معدن کرم وسخاوت باغیوں) اور سرکشوں کو کھینچنے والے زیب شمشیر صاحب تدبیر کو نہیں دیکھتے۔ جب میں نے نظر دوڑائی تو علیؓ بن ابی طالب دکھائی دیے...... اب تک میرے دل سے ان کا خوف نہیں نکلا، میں جب کبھی ان کو دیکھتا ہوں اسی طرح ڈر جاتا ہوں۔''

پس اب اس حدیث سے زیادہ اور کیا سند چاہیے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھنے سے ڈر جاتے تھے اور ان کے بدن پر ہیبت سے لرزہ ہونے لگتا تھا اور بہت دیر تک ان کے ہوش وحواس درست نہ ہوتے تھے، پس جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیکھنے سے یہ حال عمر رضی اللہ عنہ کا ہوتا ہو اور ان کے ہوش وحواس ان کی صورت دیکھنے سے جاتے رہتے ہوں تو کیوں کر قیاس میں آئے کہ پھر ان کی بیٹی سے بہ جبر نکاح کرایا ہو...... شاید حضرات شیعہ یہ فرمائیں کہ اس وقت حضرت کا جلال جاتا رہا تھا بلکہ معاملہ برعکس ہو گیا تھا۔

تیسری روایت: ...... جناب مولوی سید دلدار علی صاحب قبلہ ''عماد الاسلام'' میں لکھتے ہیں کہ کتب امامیہ میں لکھا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم کیا کہ سب کے دروازے مسجد سے بند کریں سوائے اپنے اور حضرت علیؓ کے دروازے کے۔ چند دن کے بعد حضرت عباسؓ نے عرض کی کہ میرے لیے خدا سے عرض کیجیے کہ میرا دروازہ کھول دیا جائے۔ آپؐ نے کہا ممکن نہیں۔ تب حضرت عباس نے کہا کہ ایک میزاب ہی کے لیے دعا کر دیجیے۔ حضرت

خاموش ہوئے اور خدا نے حضرت عباسؓ کی درخواست ثانی کو منظور کیا۔ پس حضرتؐ خود اٹھے اور حسب خواہش حضرت عباسؓ کے سقف خانہ پر پرنالہ نصب کیا۔ چنانچہ وہ پرنالہ تین سال تک زمانۂ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں قائم تھا۔ ایک روز اس پرنالے کا پانی بہتا تھا کہ عمرؓ کے کپڑوں پر گرا، انہوں نے حکم دیا کہ یہ پرنالہ اکھاڑ دیا جائے، چنانچہ وہ اکھاڑ دیا گیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے غیظ وغضب میں آکر کہا کہ اگر کوئی اس کو پھر لگائے گا تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔ حضرت عباسؓ اپنے لڑکوں پر سہارا لگا کر اسی شدتِ مرض میں حضرت امیرؓ کے پاس فریاد کو آئے اور کہا کہ میں دو آنکھیں رکھتا تھا ایک تو جاتی رہی، یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم، دوسری باقی ہے، یعنی علیؓ بن ابی طالب۔ میں نہ جانتا تھا کہ تمہارے جیتے جی یہ مصیبت مجھ پر ہوگی۔ حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھو، دیکھو میں کیا کرتا ہوں:

((ثم نادی یا قنبر علی بذی الفقار فتقلده ثم خرج الی المسجد والناس حوله و قال یاقنبر اصعد ورد المیزاب الی مکانه فصعد قنبر ورده الی موضعهٖ و قال علی و حق صاحب هذا القبر و المنبر لئن قلعه قالع لا ضربن عنقه و عنق الاٰمر له بذلك ولا صلبنها فی الشمس حتیٰ ینفذ و افبلغ ذالك عمر بن الخطاب فنهض و دخل المسجد و نظر الی المیزاب و هو فی موضعه فقال لا یغضب احد ابالحسن فیما فعله و تکفر عنه عن الیمین فلمّا کان من الغداة مضٰی علیؓ بن ابی طالب الیٰ عمهِ العباس فقال له کیف اصبحت یا عم قال بافضل النعم ما و مت لی یا بن اخی فقال له یا عم طب نفسك و قرعینا فوالله لو خاصمنی اهل الارض فی المیزاب لخصمتهم ثم لقتلتهم بحول الله وقوته لاینا لك ضیم ولا غم فقام العباس فقبّل بین عینیه و قال یا بن اخی ما خاب من

انت ناصره ، فكان هذا فعل عمر بالعباس عم رسول الله و قد قال فی غیر موطن وصية منه فی عمه ان عمی العباس بقية الاباء والا جداد فا حفظو نی فيه كل فی كنفی و انا فی كنف عمی العباس فمن اذاه فقد اذانی و من عاداه فقد عادانی فسلمه سلمی وحربه حربی و قد اذاه عمر فی ثلٰث مواطن ظاهرة غير خفية منها قصة الميزاب ولو لا خوفه من علی عليه السلام لم يتركه علی حاله......)) انتهی

''حضرت امیرؓ نے قنبر کو آواز دی اور کہا کہ میری ذوالفقار لانا، چنانچہ وہ ذوالفقار لایا اور حضرت علیؓ نے اسے حمائل کیا اور ہمراہ آدمیوں کے مسجد میں آئے اور قنبر سے کہا کہ پرنالے کو جہاں تھا وہیں لگا دے، چنانچہ قنبر نے لگا دیا۔اس کے بعد حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ قسم ہے مجھ کو صاحب قبر ومنبر کی ! اگر کسی نے اس پرنالے کو اکھاڑا تو میں اس کی گردن ماروں گا۔ یہ خبر عمرؓ کو پہنچی، تب وہ مسجد میں آئے اور پرنالے کو اپنی جگہ پر دیکھا اور کہا کہ کوئی ابوالحسن، یعنی امیرؓ کو غضب میں نہ لائے۔ وقت صبح کے حضرت امیرؓ نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ کہیے کیا ہوا۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ جب تک تم زندہ ہو چین وآرام سے گزرتی ہے۔ حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ قسم ہے خدا کی کہ اگر تمام اہل زمین مجھ سے بخصومت پیش آویں میں سب کو قتل کر دوں۔ آپ کو کوئی غم اور فکر نہیں لاحق ہوگی، حضرت عباسؓ نے کھڑے ہو کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے بھیجتے تو جس کا مدد گار ہو وہ کبھی نامراد نہیں ہوسکتا۔ عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا عباسؓ کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔ اپنی وصیت میں متعدد مقامات پر اپنے چچا کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے چچا عباسؓ میرے باپ دادا کی یادگار ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں میری رعایت رکھو، ہر ایک میری حمایت میں ہے اور میں

اپنے چچا عباسؓ کی حمایت میں ہوں۔ جس نے ان کو ستایا اس نے مجھے ستایا، جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی، ان کی صلح میری صلح اور ان کی لڑائی میری لڑائی ہے۔ اور عمرؓ نے ان کو تین موقعوں پر ستایا ہے جو ظاہری ہیں پوشیدہ نہیں۔ ان میں سے ایک موقع میزاب (پرنالہ) کا قصہ ہے، اگر ان کو علیؓ کا خوف نہ ہوتا تو اس کو اس حالت پر نہ رہنے دیتے۔''

اس روایت کو مطاعن عمر رضی اللہ عنہ میں لکھ کر مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر عمرؓ کو علیؓ کا خوف نہ ہوتا تو کبھی پرنالے کو اپنی جگہ پر لگانے نہ دیتے...... غرض یہ کہ جب ایک خفیف بات، یعنی پرنالے کے لگانے پر جناب امیرؓ اس قدر غیظ وغضب میں آجائیں اور قنبر سے ذوالفقار منگا کر مسجد میں آئیں اور اپنے سامنے کھڑے کھڑے پرنالہ نصب کروائیں اور باوجودیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تین سال گزر چکے تھے اور ان کی خلافت کا زمانہ شباب پر تھا اور پھر بھی ان سے نہ ڈریں اور ان کے قتل کرنے پر مستعد ہو جائیں بلکہ تمام دنیا کے قتل کا بحالت مخالفت دعویٰ کریں تو کیوں کر قیاس قبول کرے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صبر کی وصیت کی ہوگی، اگر واقعی حضرت نے وصیت کی ہوتی تو اس واقعۂ میزاب میں جناب امیرؓ کیوں اس کو بھول جاتے اور کس لیے ذوالفقار لے کر باہر آتے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عمر رضی اللہ عنہ ڈرتے نہ ہوتے تو وہ کیوں چپ ہو جاتے اور کیوں ان کے لگائے ہوئے میزاب کو اکھڑوا نہ دیتے......!

عجب حال ہے حضرات شیعہ کا کہ کبھی تو حضرت علیؓ کو ایسا شیر دلیر بنا دیتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر ان کے قہر وجلال کے قصے بیان کرتے ہیں اور ہلکے ہلکے معاملات میں ان کا قتل وقتال پر مستعد ہو جانا بیان کرتے ہیں اور کبھی کبھی ان کو ایسا خائف اور کمزور کر دیتے ہیں کہ بڑے بڑے معاملات میں ان کو صابر و شاکر کہتے ہیں۔ کیا حضرات شیعہ کے نزدیک حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا غصب ہونا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سقف خانے کے میزاب کے برابر بھی نہ تھا کہ اس پر تو اس قدر غیظ وغضب ہوئے اور اس پر صبر وسکوت کیا جائے...... کاش! جناب امیرؓ میزاب کے معاملے میں سکوت فرماتے اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے معاملے میں اپنے قہر و

جلال کو ظاہر کرتے اور قنبر سے ذوالفقار لے کر باہر آتے اور عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے اور گردن مارنے پر مستعد ہوتے تو یہ قہر وغضب بجائے خود ہوتا۔

معلوم نہیں کہ حضرات شیعہ اس نکاح کو قبل از واقعہ میزاب کے روایت کرتے ہیں یا اس کے بعد۔ اگر نکاح قبل از واقعۂ میزاب تھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا جناب امیرؓ کے پاس معاملہ میزاب میں فریاد کو آنا بعید از قیاس ہے، اس لیے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے انہوں نے اپنی بیٹی کو دے دیا اور کچھ نہ بولے تو کیوں کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ پھر اپنے میزاب کے معاملے میں ان کے پاس فریاد کو جاتے، کیونکہ جب جناب امیرؓ لڑکی کے معاملے میں نہ بولے اور صبر کیا تو پھر ایسے معمولی معاملے میں کیا بولتے...... اور اگر یہ نکاح بعد از واقعۂ میزاب ہوا تو جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سمجھانے گئے تھے کہ عمرؓ آمادہ فساد ہے تم نکاح ہونے دو ورنہ وہ تم کو تکلیف دے گا تب اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس قصے کو بھول گئے تھے تو جناب امیرؓ یاد دِلاتے کہ چچا تم کو یاد نہیں ہے کہ تمہارے میزاب کے معاملے میں نے کیا کیا اور عمر رضی اللہ عنہ کو کیسا ڈرا دیا، پس کیوں کر ایسے بڑے معاملے میں اس سے ڈر جاؤں اور اسی وقت قنبر سے تلوار منگا کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور ان کو میزاب کے معاملے کی طرح ڈرا دیتے۔ اگر ایسا کرتے تو پھر کیا مجال عمر رضی اللہ عنہ کی تھی کہ وہ کچھ بولتے...... غرض یہ کہ اب تو حضرات شیعہ ان روایات کو دیکھیں اور صبر یا وصیت کا نام زبان پر نہ لائیں اس لیے کہ ان روایات سے ان کا ابطال ایسا ہوا ہے کہ کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہی۔

تیسری تاویل:...... تقیہ، اگرچہ جو کچھ ہم نے صبر اور وصیت کی تاویل میں بیان کیا ہے اس کا بھی بطلان بخوبی ہو گیا لیکن خاص اس لفظ سے ہم کچھ بحث کرتے ہیں۔

بعض علماء شیعہ نے فرمایا ہے کہ حضرت امیرؓ کو تقیہ کرنے کا حکم تھا، اس لیے وہ معذور و مجبور تھے اور نکاح کر دینے میں وہ فرمانِ الٰہی کی بجا آوری کرتے تھے اور امتثال امر الٰہی مقتضیٔ اجر ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو بایں الفاظ صاحب "نزھہ اثنا عشریہ" نے بجواب

’’تحفہ‘‘ کے ادا کیا ہے:

((قائلین به تقیه می گویند که شارع فعلے را که بطریق تقیه واقع شود مقام مامور به قرار داده پس در ینجا آور دن آں امتثال امر الٰهی ست و ایں معنی مقتضی اجرست .))

’’بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بابت کہتے ہیں کہ انہوں نے تقیہ کیا جو کام بطور تقیہ واقع ہو شارع نے اس کو مامور بہ قرار دیا ہے، پس ام کلثومؓ کی شادی بطور تقیہ کرنا حکم الٰہی کی بجا آوری ہے اور اس میں اجر ہے۔‘‘

اور اسی طرح سید مرتضی ملقب بہ علم الہدی اور ابن مطہر حلی نے بھی فرمایا ہے کہ یہ تقیہ اس سے زیادہ نہیں ہے جو کہ امامت کے باب میں جناب امیرؓ نے کیا اور صاحب ’’نزھه‘‘ کی یہ عبارت بعینہ ’’مصائب النواصب‘‘ کے اعتراض چہارم کا ترجمہ ہے...... غرض کہ ان روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ جناب امیرؓ نے تقیہ کے سبب سے نکاح کرا دیا اور چونکہ حضرت امیرؓ مامور بہ تقیہ تھے، اس لیے اس نکاح میں مستحق اجر ہوئے لیکن تقیے کی تاویل باطل ہے چند وجوہ سے:

وجہ اول: ...... تقیہ خود تہمت حضرات شیعہ کی ہے اہل بیت کرام پر اور کبھی کسی امام نے تقیہ نہیں کیا نہ وہ مامور بہ تقیہ تھے۔ اس کو ہم بحث تقیہ میں ثابت کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ!

وجہ دوم: ...... تقیہ کرنے کے دو سبب سمجھ میں آتے ہیں: یا خوفِ جان یا خوفِ عزت...... عزت تو اس نکاح کے کر دینے سے جاتی رہی، پس اس کا خوف تو باقی ہی نہ رہا جس کے لیے تقیہ کی حاجت ہوتی، رہا خوفِ جان اس کے سبب سے جناب امیرؓ مامور بہ تقیہ نہ تھے، علمائے شیعہ نے اس کو خود تسلیم کیا ہے جیسا کہ ’’تقلیب المکائد‘‘ میں علامہ کنتوری لکھتے ہیں:

((شیعیان هرگز نمی گویند که حضرت امیر المومنین به سبب خوفِ هلاکت جانِ خود ترك قتل و قتال ابوبکر کرده

بود بلکه می گویند که حضرت امیر المومنین هیچك از فرائض و و اجبات را ترك نه کرده و تقیه بجهت خوفِ هلاکت جان خود نبود بلکه بجهت خوفِ هتكِ عرض و ناموس بود.))

''شیعہ کبھی بھی یہ نہیں کہتے کہ جناب امیرؓ نے اپنی جان جانے کے پیش نظر ابوبکرؓ سے جنگ و جدال ترک کی بلکہ شیعہ کہتے ہیں کہ جناب امیرؓ نے کوئی فرض واجب نہیں چھوڑا اور آپ کا تقیہ کرنا اپنی جان جانے کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس کا سبب ہتک عزت و ناموس تھا۔''

وجہ سوم: ......اگر ہم تسلیم کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جان کا خوف تھا تو خود حضرات شیعہ اس کو قبول نہ کریں گے، اس لیے کہ ان کی مذہبی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ کئی دفعہ حضرت صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حضرت امیرؓ کے قتل کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ بہ سبب شجاعت حضرت امیرؓ کے پورا نہ ہوا، جیسا کہ ملا باقر مجلسی ''حق الیقین'' (1) میں لکھتے ہیں: (2)

جب حضرت علیؓ نے معاملۂ فدک میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بہت سخت وسُست کہا اور ان سے معارضہ کیا تب ابوبکرؓ نے عمرؓ کو بلایا اور کہا کہ تم نے دیکھا آج علیؓ نے کیا کیا اگر ایک دفعہ اور ایسا ہی وہ کریں گے تو ہمارے سب کام درہم برہم ہو جائیں گے، یہ سن کر عمرؓ نے کہا کہ میری صلاح یہ ہے کہ علی قتل کر دیے جائیں اور اس خدمت پر خالد بن الولید کو متعین کیا اور صبح کی نماز کا وقت ان کے قتل کا مقرر ہوا۔ چنانچہ جب صبح کی نماز کو حضرت علیؓ مسجد میں آئے اور براہ تقیہ ابوبکرؓ کے پیچھے نماز کو کھڑے ہوئے اور خالد تلوار باندھ کر حضرت علیؓ کے برابر

---

(1) اصل عبارت بحث تقیہ میں نقل ہوگی۔۱۲

(2) اسی طرح کی ایک روایت کتاب ''الخرائج و الجرائح'' صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ ممبئی میں قطب الدین راوندی نے بھی نقل کی ہے۔۱۲

کھڑے ہوئے مگر جب ابوبکر تشہد کے لیے بیٹھے تب ان کو ندامت ہوئی اور فتنہ وفساد سے ڈرے اور شدت اور سطوت اور شجاعت حضرت امیر کی ان کو معلوم تھی تب ایسا خوف ابوبکر پر غالب ہوا کہ نماز ختم نہ کر سکے۔ بار بار تشہد پڑھیں اور خوف کے مارے اسلام نہ پھیریں، آخر خالدؓ سے کہا کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ نہ کرنا، چنانچہ بعد نماز کے حضرت علیؓ نے خالدؓ سے پوچھا کہ تم سے ابوبکرؓ نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا: تمہارے قتل کرنے کو کہا تھا اور اگر وہ مجھے منع نہ کرتے تو ضرور میں تم کو مار ڈالتا، حضرت علیؓ نے غصے میں آکر خالدؓ کو پکڑا اور زمین پر دے مارا۔ جب عمرؓ چلانے لگے اور لوگ جمع ہو گئے تب حضرت امیرؓ نے خالدؓ کو تو چھوڑ دیا اور گریبان عمرؓ کا پکڑا اور کہا کہ اگر وصیت رسول خداؐ کی اور تقدیر الٰہی نہ ہوتی تو تم اس وقت دیکھتے کہ کون ضعیف ہے، ہم یا تم۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت امیرؓ نے خالدؓ کو ایک انگلی پر اٹھا لیا اور ایسا دبایا کہ اس کی جان نکلنے کے قریب ہو گئی اور خالدؓ نے پاخانہ پھر دیا اور پاؤں میں رعشہ پڑ گیا اور بات زبان سے نہ نکل سکی اور جو کوئی نزدیک جاتا کہ خالدؓ کو چھڑائے اس کی طرف شیر خداؓ ایسی غضب کی نگاہ سے دیکھتے کہ وہ ڈر کے مارے لوٹ جاتا کہ آخر حضرت عباسؓ آئے اور انہوں نے قسم دے کر خالد کو چھڑایا۔ فقط

اے حضرات شیعہ! اس روایت کو دیکھو اور شیر خدا وصی رسولؐ کی شجاعت اور مردانگی پر خیال کرو اور پھر معاملہ نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا پر نظر کرو اور سوچو کہ اگر نکاح بہ جبر واکراہ ہوتا اور حضرت امیرؓ کو منظور نہ ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ کی یا کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ وہ جناب امیرؓ کو ڈرا کر ان کی بیٹی لے لیتا اور حضرت علیؓ قتل کے خوف سے کچھ نہ کہتے۔ اگر حضرت امیرؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوف دلایا تھا اور ان کے مارنے کی دھمکی دی تھی تو کیوں حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور کس لیے عمر کو ایک انگلی پر اٹھا کر زمین پر نہ دے مارا اور اگر کوئی ان کا حامی ہوا تھا تو کیوں اس کی طرف غضب کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ ہم اگر ملا باقر مجلسی کی روایت کو قبول کریں تو پھر کبھی ہمارے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی کہ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح میں ایسے خوف زدہ اور مضطر ہو جائیں کہ کچھ نہ فرمائیں اور اپنی معصومہ بیٹی کا غصب ہونا پسند

کریں۔ اگر اس روایت پر بھی خاطر جمع نہ ہو تو ہم دوسری سند شجاعت علی مرتضٰی شیر خدا کی بیان کرتے ہیں کہ ملا باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں:

((بعد از غصب فدك حضرت امیر المومنینؓ به ابوبکرؓ نامه نوشت در نهایت شدت وحدت و تهدید و و عید بسیاردرآں درج نمود ، چوں ابوبکرؓ نامه راخواند بسیار تر سیدو خواست که فدك را و خلافت راهر دو رد کند.))

''فدک غصب کرنے کے بعد امیر المومنینؓ نے ابوبکرؓ کو نہایت شدت آمیز خط لکھا اور سخت تہدید اور وعید اس میں لکھی، ابوبکر نے جب خط پڑھا تو بہت ڈرے اور یہاں تک ارادہ کرلیا فدک اور خلافت دونوں سے دست بردار ہو جائیں۔''

پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک خفگی کے خط سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسا ڈر گئے کہ فدک اور خلاف چھوڑنے پر مستعد ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کون مانع تھا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے معاملے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک نامہ لکھتے اور اپنی شجاعت و مردانگی کی یاد دلاتے اور جو تہور اور سطوت پہلے حضرت نے ظاہر کی تھی اس کا ذکر کر کے ڈراتے حالانکہ یہ بھی شیعوں کی کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی خط لکھا ہو یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ڈرایا ہو، اگر اور کچھ نہ ہوتا تو حجت تو تمام ہو جاتی لیکن جناب امیرؓ کے سکوت اور خاموشی کا سبب ایسے نازک معاملے میں ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور تقیہ کرنے کی کوئی وجہ ایسے بڑے عظیم امر میں ہم کو معلوم نہیں ہوتی۔ شاید اس معاملے میں کوئی سر، اسرار امامت کا ایسا ہوگا جو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا، اس لیے کہ اسرار امامت کو کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل کے اور مومن کامل کے سوا دوسرا سمجھ ہی نہیں سکتا جیسا کہ ملا باقر مجلسی ''حق الیقین'' میں لکھتے ہیں:

((غائب احوال و خفا یای اسرار ایشاں را خلق نمید اندو تاب شنیدن آنها ندارد مگر ملك مقربے یا پیغمبر مرسلے یا

مومن کا ملے کہ حق تعالیٰ دلِ اُو را امتحان کردہ باشد و بنُورِ ایمان منور گردانیدہ باشد .))

''ائمہ کے مخفی حالات اور پوشیدہ راز مخلوق نہیں جانتی اور نہ ہی ان کے سننے کی تاب رکھتی ہے سوائے مقرب فرشتے یا پیغمبر مرسل یا مومن کامل کے کہ حق تعالیٰ نے جس کے دل کو آزما لیا ہو اور ایمان کے نور سے اس کو روشن کر دیا ہو۔''

مجھے اس مقام پر امام باقر علیہ السلام کی ایک حدیث یاد آتی ہے جو کلینی [1] نے بہ سند معتبر لکھی ہے کہ امام کی دس نشانیاں ہیں منجملہ ان نشانیوں کے نشانی نہم میں وہ لکھتے ہیں کہ جو فضلہ امام سے جدا ہوتا ہے اس سے مشک کی بو آتی ہے اور زمین کو خدا نے مؤکل کر دیا ہے کہ وہ اس فضلے کو نگل جاتی ہے۔'' فقط!

پس نہایت تعجب ہے حضرات شیعہ سے کہ باوجودیکہ امام کے فُضلے کی نسبت تو یہ اعتقاد کریں کہ اسے زمین نگل جاتی ہے اور اس میں بدبو نہیں ہوتی بلکہ مشک کی بو اس سے آتی ہے اور پھر اسی امام کے جگر پارے اور بدن کے ٹکڑے کی نسبت یہ کہیں کہ اسے ایک غاصب نے غصب کر لیا...... اے حضرات شیعہ! ذرا تو سوچو کہ فُضلہ امام کا کیوں زمین کے سپرد ہوا اور خدا نے کیوں اس میں مشک کی خوشبو رکھی؟ اس واسطے کہ فُضلہ ایک نجس اور ناپاک چیز ہے اور وہ زمین پر رہے گا کیڑے پڑیں گے، بدبو پھیلے گی، لوگ دیکھ کر نفرت کریں گے اور چونکہ اس کو ایک تعلق امام سے ہے، گو وہ تعلق نہایت تعلقات بعیدہ سے ہے، اس لیے خدا نے امام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے فُضلے کو زمین کے سپرد کر دیا کہ وہ نگل جائے...... تو کیا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو حضرت سیدۃ النساء کی ایک جز تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جسم کا ایک ٹکڑا تھیں، خدا کے نزدیک ایسی بے قدر تھیں کہ خدا نے ان کی کچھ بھی حفاظت نہ کی اور ان کو ایک غاصب کے پنجے سے نہ بچایا۔ کیا ان کو کچھ بھی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہ تھی اور کیا ان کو کچھ بھی تعلق سیدۂ پاک رضی اللہ عنہا سے نہ تھا اور کیا ان کی ایسی ایسی بے عزتی سے کچھ لوث دامن پاک پر

---

[1] اصول کافی صفحہ ۲۴۶ نولکشور لکھنو۔ الشافی ترجمہ کافی جلد ۲ صفحہ ۳۹۴۔

جناب امیرؓ کے نہ آتا تھا اور کیا ان کے غصب سے کوئی داغ ائمہ اطہار کی شان میں نہ لگتا تھا۔

اے بھائیو! ذرا سوچو اور شرماؤ اور انصاف کو دخل دو کہ سوائے اس کے کہ تم اقرار کرو کہ حضرت عمرؓ زوجیت کی صلاحیت رکھتے تھے اور کسی طرح پر یہ الزام رفع ہوسکتا ہے یا نہیں؟

چوتھا قول: ......جب کہ حضرات شیعہ نے دیکھا کہ نہ تاویل صبر کی درست ہوتی ہے نہ وصیت اور تقیہ کی توجیہہ سے کچھ مطلب حاصل ہوتا ہے، اس لیے بعضوں نے ان سب کو چھوڑ کر اور ہی دعویٰ کیا اور صحبت اور ہم بستری سے انکار کیا۔ چنانچہ صاحب سیف صارم فرماتے ہیں:

''اگر چہ در حقیقت قربت معصومہ طاہرہ، یعنی وقوع اتصال ومواصلت جو کہ ظاہر میں غایت مناکحت ہے موجب اقرار شیخ فانی اور ہم بہ سبب صغیرہ ہونے معصومہ کے ممتنع الوجود یقینی تھا اور باعتبار ظاہر کے بھی اور باعتبار باطن کے اَز رُوے علم باطنی کے بھی حضرت مولیٰ پر ہویدا تھا۔''

اور پھر چند اوراق کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

''مواعظِ حسینیہ جناب غفر انمآب وغیرھا کتب حقہ میں جو اہل ایمان بتصریح دیکھنا چاہیں تو وہاں رجوع کر سکتے ہیں صاف واضح ہو گا کہ مواصلت وقربت زن وشوی ہرگز نہیں وقوع میں آئی بلکہ بطریقۂ اہل بیت طاہرہ روایت صحیح مخبر ہیں اس بات کے کہ ظاہر میں یہ رنج وصعوبت بے شک مولائے مومنین نے اپنے سر لیا لیکن حقیقت میں قربت ومواصلت با معصومہ ہرگز وقوع میں نہیں آئی بلکہ ازراہِ اعجاز بہ عنایت کریم کارساز ایک جنّیہ مشکلہ بہ شکل جناب معصومہ حوالہ کی گئیں اور جناب معصومہ تا حیات شیخ فانی نظر سے لوگوں کے غائب کی گئیں'' وزید التصریح فی المبسوطات۔ انتھی بلفظہ.''

چونکہ مؤلف ''سیف صارم'' نے اس عبارت کے بعد بڑی بڑی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، اس سے مشتاقین کو ان کے دیکھنے کا اشتیاق بھی پیدا ہو گا تا کہ معلوم ہووے کہ ان کے بڑوں

نے کیا نکات واسرار لکھے ہیں، اس لیے میں ان کے علماء اعلام کے قول کو بھی نقل کرتا ہوں اور سامعین کے لیے حالت منتظرہ باقی نہیں رکھتا ہوں۔

واضح ہو کہ قطب الاقطاب راوندی مؤلف "خرائج و جرائح" نے یہ دعویٰ کیا ہے اور مولوی دلدار علی صاحب قبلہ نے ''مواعظ حسینیہ'' میں اس کو ان لفظوں سے بیان فرمایا ہے:

((گفت عرض نمودم بخدمت حضرت علیه السلام که مخالفین بر ماحجت می آرند و میگویند که چرا علیؓ دختر خودرا به خلیفه ثانی پس حضرت صلوٰة الله علیه تکیه کرده نشسته بودند درست نشسته فرمودند که آیا چنیں حرفهامی گویند بدر ستیکه قومیکه چنیں زعم میکنند "لا یهتدون سواءَ السبیل"...... سبحان اللّٰه حضرت امیر را ایں قدر قدرت نبود که حائل شود میان خلیفه و دختر خود ، دروغ میگویند که هرگز چنیں نبود بدر ستیکه چوں خلیفۂ ثانی پیغام عقد رابه حضرت امیرؓ داد حضرت انکار نمودند۔ پس خلیفۂ ثانی بعباسؓ گفت که اگر دخت علیؓ رابمن عقد نمی کنی سقایت و زمزم اَز دست تُو میگیرم پس عباسؓ بخدمت امیرؓ آمده حقیقت حال رامی گفت۔ حضرتؓ انکار نمودند، چوں عباسؓ باز الحاح نمود ، حضرت امیر با عجازِ خود جنّیه را از اهل نجران طلبیدند واو یهودیه بود پس او بموجب امر بصورت ام کلثومؓ ممثل گردید و حضرت امیرؓ ام کلثومؓ را باعجاز خود از نظر هامستور گردانید ند پس تامدت دراز جنیه پیش او ماندتا اینکه یك روز به بعضے از قرائن دریافت نمود که زن او ام کلثومؓ نیست بلکه از بنی آدم هم نیست ،

گفت ندیدم ام ساحرتر از بنی ھاشم کسی راوچون خواست
کہ ایں امر را اِظہار نمایند خود کشتہ شد ، پس جنّیہ بخانہ
خو درفت و ام کلثومؓ ظاہر گردید......)) انتھی

''میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ لوگ ہم سے حجت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؓ نے اپنی بیٹی کی شادی خلیفۂ ثانی سے کیوں کر دی؟ امام جو تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہا کیا لوگ اس قسم کی بکواس کرتے ہیں اور اس شادی کا یقین کرتے ہیں، یہ ہرگز ہرگز راہ راست پر نہ آسکیں گے۔ کیا حضرت امیرؓ کو یہ قدرت نہ تھی کہ وہ خلیفۂ ثانی اور اپنی بیٹی کے درمیان حائل ہو جاتے۔ کہنے والے جھوٹے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ خلیفۂ ثانی نے جناب امیرؓ کو جب شادی کا پیام بھیجا تو آپؓ نے انکار کر دیا۔ خلیفۂ ثانی نے عباسؓ سے کہا کہ اگر علیؓ کی لڑکی سے میری شادی نہ کراؤ گے تو پانی پلانے اور زم زم کا حق تمہارے قبضے سے لے لوں گا۔ اس پر جناب عباسؓ جناب امیرؓ کے پاس آئے اور حقیقت حال ظاہر کی۔ جناب امیرؓ نے انکار کر دیا، پھر عباسؓ کے اصرار پر جناب امیرؓ نے بطور معجزہ ایک جنّیہ اہل نجران سے طلب فرما لی جو یہودن تھی۔ پس وہ جناب امیرؓ کے حکم سے ام کلثومؓ کی صورت میں ہو گئی اور جناب امیرؓ نے اپنے معجزہ کے ذریعے ام کلثومؓ کو لوگوں کی نظر سے چھپا دیا۔ اس طرح وہ جنّیہ ایک عرصہ تک خلیفۂ ثانی کے پاس رہی۔ ایک دن کسی قرینے سے خلیفۂ ثانی کو معلوم ہو گیا کہ ان کی بیوی اُم کلثومؓ نہیں ہے اور لطف یہ کہ انسان بھی نہیں، تو کہا کہ میں نے بنی ہاشم سے زیادہ کسی کو جادوگر نہیں دیکھا اور جب اس امر کو ظاہر کرنا چاہا تو خود مارے گئے اور وہ دیوزادی یہودن (جنّیہ) اپنے گھر چلی گئی اور ام کلثومؓ ظاہر ہو گئیں۔''

اے حضرات شیعہ! اپنے قطب الاقطاب اور قبلہ وکعبہ کے علم وعقل اور فہم کی داد دو اور

ان کے احسان کا شکر ادا کرو کہ ایک نکتے میں سب مشکلیں حل کر دیں اور سنیوں ناصبیوں کے اعتراض کو ایک لطیفے میں دور کر دیا اور معصومہ کی عفت و عصمت بچانے کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی مقاربت سے انکار کیا اور حضرت امیرؓ کی قدرت اور معجزہ دکھلانے کے واسطے ایک جنّیہ کا ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شکل میں مشکّل کر دینے کا دعویٰ کیا...... حقیقت میں اس تقریر سے ناصبیوں کے تمام اعتراض باطل ہو گئے۔ اب نہ کوئی معصومہ کی عصمت پر حرف رکھ سکتا ہے۔ نہ کوئی حضرت امیرؓ کو عاجز کہہ سکتا ہے، نہ کوئی خلیفۂ دوم کی فضیلت بیان کر سکتا ہے، نہ اہل بیت کے ننگ و ناموس پر کوئی انگلی اٹھا سکتا ہے...... لیکن اس جواب میں یہ امر عرض کرنے کے لائق ہے کہ اگر جنّیہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شکل میں بنا کر خلیفۂ دوم کے پاس بھیج دی گئی تھی تو اولاد بھی اس سے پیدا ہوئی تھی یا کہ وہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے اور زید بن عمر رضی اللہ عنہ جو بالغ ہو کر مرا، ماں اس کی وہی جنّیہ تھی یا ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔

❀❀❀❀

ضمیمہ:

نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا ☆

مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کے نکاح پر جس مدلل اور مفصل انداز میں بحث کی ہے اور جس طرح ائمہ کرام کے اقوال اور شیعہ علماء کے اقرار سے نکاح کا ثبوت پیش کیا ہے اس کے بعد کسی بھی ایسے شخص کے لیے جو پورے اخلاص اور ایمان داری سے حقیقت واقعہ سمجھنا چاہتا ہو اس نکاح سے انکار کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کا انکار ایسا ہی ہے جیسے دن کی روشنی میں سورج کا انکار۔ مگر برا ہو گروہی پاسداری اور مذہبی تعصب کا کہ فخر المحققین اور آیات اللہ فی العالمین کہے جانے والے اشخاص بھی جس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے لوگ جان بوجھ کر صاف اور سیدھی باتوں کو بھی فلسفیانہ موشگافیوں اور منطقی بحثوں میں الجھا کر اپنے عوام کو مغالطے میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا ہے:

﴿وَ لَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ تَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾

(سورہ بقرہ: ٤٢)

”اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر۔“

ابھی کچھ دنوں قبل ایک دوست نے یکے بعد دیگرے مجھے دو کتابیں اس موضوع پر پڑھنے کے لیے دی تھیں۔ پہلی کتاب شیعوں کے فخر المحققین سابق مدیر ”اصلاح“ مولانا سید علی حیدر صاحب متوفی ۱۳۸۰ھ کی تصنیف ہے جو کہ خاص اسی موضوع پر عقد ام کلثومؓ کے نام سے لکھی گئی ہے...... دوسری کتاب جناب مولانا سید کلب جواد صاحب ابن مولانا کلب عابد

☆ از شیخ محمد فراست

صاحب کی نتیجۂ فکر ہے جسے انہوں نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' کے جواب میں ''ایران کا اسلامی انقلاب فتنہ وہابیت اور شیعیت'' کے نام سے تحریر کیا ہے۔

موصوف نے اس کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بحث کی ہے مگر اس کی تردید میں کوئی نئی دلیل نہیں پیش کی بلکہ فخر المحققین صاحب کی دلیلوں کو ہی مختصراً دہرا دیا ہے۔

فخر المحققین مولانا سید علی حیدر صاحب کی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان سے پہلے ان کے والد بزرگوار سید المتکلمین و آیت اللہ فی العالمین سید علی اظہر صاحب قبلہ بھی اسی موضوع پر دو کتابیں ''کنز مکتوم فی حل عقد ام کلثومؓ'' اور ''رفع الوثوق عن نکاح الفاروق'' کے نام سے لکھ چکے ہیں، اس کے بعد شاید ان کتابوں کو ناکافی سمجھ کر موصوف نے یہ کتاب تحریر کی ہے۔

مولانا علی حیدر صاحب نے اس کتاب میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو دختر علی رضی اللہ عنہ کے بجائے دختر ابوبکر رضی اللہ عنہ ثابت کرنے کی دھن میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ''جناب امیرؓ اپنی بیٹی کا نکاح عمرؓ کے ساتھ کیسے کر سکتے تھے، کیا وہ قرآن کی اس آیت سے ناواقف تھے:

﴿اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ (النور: ۲۶)

''گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے،
ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لیے اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لیے۔''

فخر المحققین صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم نازل ہو چکا تھا، تو پھر جناب امیرؓ جیسا پابند شریعت ایک مومنہ کا نکاح ایک منافق سے کیسے کر سکتا تھا؟

موصوف کی دلیل سے خواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دامن عصمت اس داغ سے (جس کو وہ

داغ سمجھتے ہیں) محفوظ ہو گیا ہو، مگر نعوذ باللہ! رسول اکرم ﷺ کا دامن تو داغ دار ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے تو بقول شیعوں کے دو منافقاؤں سے عقد کیا اور انہیں تا حیات اپنے نکاح میں برقرار رکھا۔تو اب یا تو یہ سمجھا جائے کہ معاذ اللہ! رسول اکرم ﷺ اس آیت سے ناواقف تھے، یا پھر جان بوجھ کر اس آیت کے خلاف کیا۔ جبکہ یہ دونوں باتیں امرِ محال ہیں، تو پھر ان دونوں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) کو مومنہ ماننا پڑے گا جو کہ شیعوں کے عقیدے کے خلاف ہے۔ یہ بھی قدرت کا ایک انتقام ہے کہ جب کوئی شخص حقائق کا انکار کرتا ہے تو جانے انجانے اپنے اصولوں کو ہی پامال کر بیٹھتا ہے۔

فخر المحققین صاحب اپنی تحقیق کا لب لباب بیان کرنے کے لیے کتاب کے آخر میں ''اس بہتان کی اصل حقیقت'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے فوراً بعد ان کی ایک لڑکی ۱۳ھ میں پیدا ہوئی اس کا نام بھی ام کلثوم رکھا گیا، دیکھو استیعاب، تاریخ طبرسی، تاریخ کامل وغیرہ، اور چونکہ ان کی زوجہ اسماءؓ نے اب حضرت علیؓ سے اپنی شادی کر لی تھی، اس لیے وہ اس بچی کو لیے ہوئے جناب امیرؓ کے گھر آگئیں...... اور تمام واقعات مذکورہ انہیں ام کلثومؓ دختر ابوبکرؓ و اسماءؓ کے ہیں صرف ایک مکان جناب امیرؓ کے گھر رہنے کی وجہ سے لوگوں نے حضرت ام کلثومؓ کو جناب امیرؓ سے متعلق سمجھ لیا......

بنو امیہ کی بے حد و انتہا جال و فریب کی کارروائیوں سے متاثر ہو کر مؤرخین و محدثین اہل سنت نے غلطی سے انہیں ام کلثومؓ دختر ابوبکرؓ و اسماءؓ کو دختر جناب امیرؓ و فاطمہ سمجھ لیا، کیونکہ یہ بھی تو جناب امیر کے گھر رہتی تھیں۔''

(حضرت ام کلثومؓ، صفحہ ۱۶۶ صفحہ ۱۶۷)

فخر المحققین مولانا علی حیدر صاحب کی اس عبارت سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

۱: جو ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ دختر علیؓ نہیں بلکہ دختر ابوبکرؓ تھیں۔

۲: ان کی ماں کا نام فاطمہؓ نہیں بلکہ اسماء بنت [1] عمیس رضی اللہ عنہا تھا۔

۳: یہی ام کلثوم اپنی ماں اسماءؓ کے ساتھ جناب امیرؓ کے گھر آ گئیں۔

۴: مؤرخین و محدثین اہل سنت نے غلطی سے ام کلثومؓ دختر ابوبکرؓ و اسماءؓ کو دختر جناب امیرؓ و فاطمہؓ سمجھ لیا۔

جناب مولانا علی حیدر صاحب نے اپنے دعوے کی عمارت جس بنیاد پر کھڑی کی ہے وہ بنیاد ہی بے اصل ہے...... تاریخ اسلام کا معمولی طالب علم بھی اس بات سے واقف ہوگا کہ ام کلثوم دختر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام حبیبہ بنت خارجہ تھا نہ کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا...... چنانچہ اس بات کا ثبوت کہ ام کلثوم دختر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام حبیبہ بنت خارجہ تھا کسی سنی ناصبی یا بنو امیہ کے کسی حاشیہ بردار کی کتاب سے نہیں بلکہ شیعوں کی مشہور و معروف تاریخ ''ناسخ التواریخ'' سے ملاحظہ ہو جس کے مصنف مرزا محمد تقی خاں، سلطان ناصر الدین قاچار والیٔ ایران کے وزیر اعظم تھے اور انہیں کمال لیاقت و قدردانی میں بادشاہ مذکور کے دربار سے...... ''لسان الملک'' کا خطاب عطا ہوا تھا۔

(عقد ام کلثوم: مؤلفہ حضرت مولانا عبدالمومن صاحبؒ فاروقی صفحہ ۲۷)

مرزا محمد تقی خاں ''ناسخ التواریخ'' کے صفحہ ۶۱۷ پر حبیبہ بنت خارجہ کے حال میں لکھتے ہیں:

---

[1] حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا خثعمیہ کو مہاجرین اولین کی جماعت میں امتیازی درجہ حاصل ہے۔ وہ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں۔ علامہ ابن سعد اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ جس زمانے میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سعادت اندوز اسلام ہوئیں اس وقت صرف تیس نفوس شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ حضرت اسماءؓ کا پہلا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار بن ابی طالب سے ہوا تھا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے صلب سے تین لڑکے عبداللہ، محمد اور عون پیدا ہوئے۔ حضرت جعفر جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تو شہادت کے چھ ماہ بعد ۸ھ (غزوۂ حنین کے زمانہ میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماءؓ کا نکاح اپنے محبوب رفیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کر دیا جن کے صلب سے ایک صاحبزادے محمد پیدا ہوئے۔ ۱۳ھ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت اسماءؓ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت تقریباً تین برس کی تھی۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ حضرت علیؓ کے گھر آئے اور انہی کے زیر سایہ پرورش پائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صلب سے ایک لڑکے یحییٰ نامی پیدا ہوئے۔ ۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جلد ہی حضرت اسماءؓ نے بھی پیک اجل کو لبیک کہا۔ (شیخ محمد فراست)

''حبیبہ دختر خارجہ بن زید بن ابی زہیر بن مالک بن امراء القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج تھیں، یہ ابوبکر کی زوجہ تھیں اوران کی وفات کے وقت حاملہ تھیں، بعد وفات ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا رکھا تھا۔عمر بن خطاب نے ان کی خواستگاری کی تھی مگرام کلثوم رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کرانکار کردیا کہ میں عمر بن الخطاب جیسے درشت طبع کے ساتھ گزارانہیں کرسکتی۔''

اس مؤرخ نے حبیبہ دختر خارجہ زوجہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی الاد کا حال ایک جگہ اورلکھا ہے، وہاں لکھتے ہیں:

((در وقت و فات ابوبکر حامله بود پس ازوے دخترے آورد نام او ام کلثوم است .))

''ابوبکر کی وفات کے وقت وہ حاملہ تھیں، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ام کلثوم ہے۔'' (ناسخ التواریخ صفحہ ۲۱۵)

لیجیے خود ایک شیعہ مؤرخ ہی نے وہ بنیاد کھود ڈالی جس پر فخر المحققین صاحب نے ساری عمارت کھڑی کی تھی، اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ ام کلثوم بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام اسماء نہیں بلکہ حبیبہ بنت خارجہ تھا اور جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسماء بنت [1] عمیس رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا تو پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر کا خانۂ علی رضی اللہ عنہ میں جانے اور رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر آتی نہیں

---

[1] ۱۳ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوگیا۔محمد بن ابی بکر کی عمر اس وقت تقریباً تین برس کی تھی۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر آئے، اورانہی کے زیر سایہ پرورش پائی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صلب سے ایک لڑکا یحییٰ نامی پیدا ہوا۔۴۰ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جلد ہی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بھی پیک اجل کو لبیک کہا۔ (شیخ محمد فراست)

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک اولاد پیدا ہوئی تھی مگر وہ لڑکی نہیں بلکہ لڑکا تھا جس کا نام محمد بن ابوبکر تھا……، چنانچہ یہی مؤرخ حضرت اسماء عمیس رضی اللہ عنہا کے حال میں لکھتے ہیں:

''پہلے یہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ہجرت حبشہ کے وقت ان کے ہمراہ تھیں اور فتح خیبر کے روز یہ بھی اپنے شوہر جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں، پھر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔''

آگے کے الفاظ یہ ہیں:

((و محمد بن ابی بکر از و متولّد شُد و بعد از ابوبکرؓ علی علیه السلام اور اتزویج بست و یحیٰ از و متولّد شُد .))

''اور محمد بن ابوبکر ان سے پیدا ہوئے ابوبکرؓ کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا اور اس سے یحی پیدا ہوئے۔'' (ناسخ التواریخ صفحہ ۷۱۸)

اب ہم شیعہ کتب سے یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ جو ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ دختر ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ دختر علی ابن طالب رضی اللہ عنہ تھیں۔ چنانچہ مرزا محمد تقی خاں ''ناسخ التواریخ'' میں لکھتے ہیں:

((ام کلثوم بنت علی علیه السلام عمر بن خطاب ویر اتزویج کرد واز وے زید ورقیه متولّد شد۔ وفات ام کلثوم و پسرش در وقت واحد بود و ما قصه اور ادر کتاب عمر به شرح کتاب عمر نو شتیم .))

''ام کلثوم بنت علی علیہ السلام سے عمرؓ بن خطاب نے شادی کی اور ان سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ ام کلثوم اور ان کے لڑکے (زید) کا انتقال ایک ہی وقت میں ہوا، ہم نے ان کا قصہ ''کتاب عمرؓ'' میں لکھ دیا ہے۔''

''ناسخ التواریخ'' کے مذکورہ بالا بیان سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بنت علی رضی اللہ عنہ ہونا تو ثابت ہو گیا مگر بنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ہونا ثابت نہ ہوا، لہٰذا اس کا ثبوت بھی کتب شیعہ سے ملاحظہ ہو۔

تیرھویں صدی کے مشہور شیعہ مؤرخ مرزا عباس علی قلی خاں (جو مصنف ''ناسخ التواریخ'' کے خلف الرشید و دولت پر ایران کے بادشاہ قاچار کے وزیر اعظم تھے) نے اپنی تصنیف ''تاریخ طراز مذہب مظفری'' میں ایک مستقل باب (حکایت تزویج ام کلثوم با عمر بن خطاب) کے عنوان سے قائم کیا ہے۔ یہ باب تاریخ مذکورہ مطبوعہ ایران میں صفحہ ۴۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۶۷ پر ختم ہوا ہے، وہاں لکھتے ہیں:

((جناب ام کلثوم کبریٰ دختر فاطمه زهرا درسرائے عمر بن خطاب بود وازوے فرزند بیا ورد چنانکه مذکور گشت وچوں عمر مقتول شد محمد بن جعفر بن ابی طالب اور ادر حبالۀ نکاح در آورد.)) [1]

''حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ عمر بن خطابؓ کے گھر میں تھیں، ان سے ایک فرزند بھی پیدا ہوا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جب حضرت عمرؓ قتل کیے گئے تو محمد بن جعفر بن ابی طالب ان کو اپنے نکاح میں لائے۔''

پھر اسی مؤرخ نے ایک بحث یہ کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی صاحبزادیوں کی اولاد بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس بحث میں لکھا ہے:

((اما گفته انداز خصائص رسول خداصلی الله علیه وآله ست که فرزندان فاطمه سلام الله علیها بآں حضرت نسبت دهند لاکن در حقِ دختر ان دخترش ایں عنوان راجاری

---

[1] تاریخ طراز مذہب مظفری، باب حکایت تزویج ام کلثوم با عمر بن الخطاب، طبع ایران

نداشته اند، پس جریان امر در حقِ ایشاں برقانونِ شرع است دریں که ولد در نسب با پدرمی رود نه بمادر، به همیں سبب گویند پسر شریف را اگر پدرش شریف نه باشد شریف نمی خوانند، پس فرزندانِ فاطمهؓ به رسول خداؐ منسوب، و اولادِ حسن و حسین رضی اللہ عنہما بایشاں و آنحضرت ﷺ منسوب باشد و فرزندانِ خواهرانِ ایشاں زینب خاتون و ام کلثوم به پدرانِ خود عبدالله بن جعفر و عمر بن خطاب نسبت برندنه بمادر و نه برسولِ خدا ﷺ زیر اکه ایشاں فرزندانِ دختر بنت آنحضرت هستند نه فرزندانِ دخترش.))

’’لیکن علماء نے کہا ہے کہ یہ خصوصیت رسول خدا ﷺ کی ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد کو آنحضرتؐ کی اولاد کہتے ہیں لیکن حضرت فاطمہؓ کی دختر کی دختر کے حق میں یہ مسئلہ جاری نہیں رکھا ہے، ان کے حق میں وہی عام حکم ہے جو قانون شرع کے موافق ہے کہ اولاد کا نسب باپ کی طرف کیا جاتا ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ اسی وجہ سے اگر کسی شخص کا باپ شریف نہ ہو تو اس کو شریف نہیں کہتے۔ پس حضرت فاطمہؓ کی اولاد تو رسول خداؐ کی اولاد کہی جائے گی اور حسنین کی اولاد حسنین کی اور رسول خداؐ کی اولاد کہی جائے گی اور حسنین کی بہنوں، یعنی زینب اور ام کلثوم کی اولاد اپنے باپ عبداللہ بن جعفر اور عمر بن خطاب کی طرف منسوب ہوگی، نہ اپنی ماں کی طرف اور نہ رسول اللہ ﷺ کی طرف، کیونکہ یہ آنحضرتؐ کی لڑکی کی لڑکی کی اولاد ہیں نہ آپؐ کی لڑکی کے لڑکوں کی۔‘‘ [1]

اب ہم اس بحث کے آخر میں اس نکاح کے واقع ہونے پر ایک ایسے شیعہ مجتہد کی گواہی

---

[1] تاریخ طراز مذہب مظفری مطبوعہ ایران، بحوالہ ابو الائمہ کی تعلیم صفحہ ۳۴، ۳۵

پیش کرتے ہیں جن کا سکہ شیعی دنیا میں سب سے زیادہ چلتا ہے اور چودھویں صدی ہجری کے مجتہد اعظم، انقلاب ایران کے رہنما، آیت اللہ العظمیٰ روح اللہ خمینی نے جن کی کتابوں کے مطالعہ کی بطور خاص تلقین فرمائی ہے، یعنی گیارہویں صدی ہجری کے مشہور شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی جنہوں نے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے مسئلہ کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

چنانچہ "اصول کافی و فروع کافی" کی شرح "مرأة العقول" جلد سوم صفحہ ۴۴۸۔۴۴۹ "باب تزویج ام کلثوم" طبع قدیم ایرانی میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور منکرین نکاح کے جوابات دیے ہیں، آخر بحث میں چل کر نکاح ہذا کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے:

((والاصل فی الجواب ان ذالك وقع علی سبیل التقیة والاضطرار .))

"یعنی اصل جواب یہ ہے کہ یہ نکاح مجبوری اور تقیہ کی بنا پر واقع ہوا تھا۔"

اب جبکہ شیعہ مجتہدین، محدثین ومؤرخین کے اقرار سے یہ ثابت ہو چکا کہ جو ام کلثوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی نہیں بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ وحضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی بیٹی وحسنین رضی اللہ عنہما شریفین کی حقیقی بہن تھیں۔اس کے بعد جناب مولوی علی حیدر صاحب کی اس بات میں کوئی دم نہیں رہ جاتا:

"بنوامیہ کی بے حد وانتہا جال وفریب کی کارروائیوں سے متاثر ہوکر مؤرخین و محدثین اہل سنت نے غلطی سے ام کلثومؓ دختر ابوبکرؓ و اسماءؓ کو دختر جناب امیرؓ و فاطمہؓ سمجھ لیا۔"

دراصل یہ جملے فخر المحققین صاحب نے شیعہ عوام کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے تحریر کیے ہیں جس سے ان کی سراسیمگی اور گھبراہٹ کا اندازہ ہوتا ہے، نیز یہ کہ ہر الزام بنوامیہ اور اہل سنت کے سر تھوپنے کے جذبے کو بھی تسکین مل جاتی ہے۔

ہم شیعہ دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ وہ ہٹ دھرمی اور مذہبی تعصب سے اوپر اٹھ

کراس بات پر سنجیدگی سے غور کریں کہ ان کے یہاں چار کتابیں (جوکہ اصول اربعہ کے نام سے مشہور ہیں) تمام کتب میں معتبر و مستند یقین کی جاتی ہیں:

ا: "الکافی" ازمحمد بن یعقوب کلینی الرازی المتوفی ۳۲۹ھ

۲: "مـن لایـحـضـر ه الفقیه" از الشیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ القمی متوفی ۳۸۱ھ۔

۳: "الاستبصار" از ابوجعفر محمد بن حسن الطّوسی "شیخ الطائفه" المتوفی ۴۶۰ھ

۴: "تهذیب الاحکام"۔

ان اصول اربعہ میں "مـن لایحضره الفقیه" کے علاوہ تینوں کتابوں میں ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کا مسئلہ ائمہ معصومین کے باسند اقوال کے ساتھ مذکور ہے۔ نیز یہ کہ امام معصوم نے اس نکاح کے واقعہ سے دینی مسئلہ میں استنباطِ احکام بھی کیا ہے۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ مجتہدین کرام کس درجہ کے واقعات کو مثال بنا کر فتوے دیتے ہیں اور یہاں تو امام معصوم نے حضرت ام کلثومؓ کے واقعہ کو ہی مثال بنا کر فتوٰی دیا ہے......فروع کافی طبع نو لکشور لکھنؤ جون ۱۸۸۶ء جلد۲ صفحہ ۳۱۱ "باب الـمتـوفی عنها زوجها المدخول بها این تعتد و ما یجب علیها" میں ہے:

((عـن سـلیـمان بن خالد قال سألت ابا عبدالله علیه السلام عن امرأة تو فی عنها زوجها این تعتد فی بیت زوجها اوحیث شـا ء ت قـال بـل حیـث شاء ت ثم قال ان علیا صلوات الله عـلیـه لـمـا مـات عـمر اتٰی ام کلثوم فاخذ بیدها فانطلق الیٰ بیتها .))

"سلیمان بن خالد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس عورت کے متعلق پوچھا جس کا شوہر مر گیا تھا کہ وہ کہاں

عدت بیٹھے؟ اپنے شوہر کے گھر یا جہاں چاہے؟ امام نے فرمایا: جہاں چاہے۔
اس کے بعد فرمایا یہ تحقیق علی صلوات اللہ علیہ عمرؓ کی وفات کے بعد ام کلثومؓ کے پاس گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے آئے۔''

امام جعفر صادقؒ کا یہ فتویٰ اسی طرح ''اِستبصار'' جزء ثالث ، ابواب العدة صفحه ۱۸۵ و ص ۱۸۶ طبع مطبع جعفر یه نخاس جدید لکھنو طبع قدیم ، ''و تهذیب الاحکام'' صفحه ۲۳۸ ، کتاب الطلاق باب عدت النساء طبع ایران قدیم ۱۳۱٦ء میں بھی موجود ہے۔ جو صاحب دیکھنا چاہیں وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

تہذیب الاحکام آخری جلد کتاب المیراث صفحہ ۳۸۰ طبع قدیم ایران میں امام جعفر صادق سے ایک روایت ہے جسے انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے نقل کیا ہے:

((عن جعفر عن ابیه قال ماتت ام کلثوم بنت علی و ابنها زید بن عمر بن الخطاب فی ساعة واحدة لایدری ایّهما هلك قبل فلم یورث احدهما من الاٰخر وصلّی علیهما جمیعاً .))

''امام جعفر صادقؒ نے امام محمد باقرؒ سے نقل کیا ہے کہ جب علی مرتضیٰؓ کی دختر ام کلثومؓ اور ان کے لڑکے زید ولد عمر بن خطابؓ ایک وقت میں فوت ہوئے اور یہ پتہ نہ چل سکا کہ کون پہلے فوت ہوا ہے تو اس صورت میں ایک کو دوسرے کا وارث نہ بنایا جا سکا اور ان دونوں پر نماز جنازہ ایک ہی وقت میں یکجا ادا کی گئی۔''

ناظرین کرام! مولوی علی حیدر صاحب نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے جو جو کارستانیاں کی ہیں، مذکورہ بالا ثبوت ان کا پردہ فاش کرنے کے لیے کافی ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم میں سے تھوڑا سا حصہ بھی عطا کیا ہے اسے سچائی تک پہنچنے کے لیے بہت زیادہ دماغ سوزی کی ضرورت نہیں ہے۔

اہل نظر کے لیے یہ بات بھی غور طلب ہے کہ محمد بن یعقوب کلینی جنہیں بہ یک واسطہ گیارہویں امام کی شاگردی کا شرف حاصل ہے اور ان کی کتاب ''الکافی'' بارہویں امام (فرضی) کی تصدیق شدہ بھی ہے، انہیں اپنی کتاب میں ایک مستقل باب ''باب تزویج ام کلثوم'' قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر یہ شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی جنہوں نے اپنی کتابوں "استبصار" اور "تھذیب الاحکام" میں اس واقعہ کو سند نقل کیا ہے۔شریف المرتضیٰ علم الہدیٰ صاحب شافی متوفی ۴۰۶ء، شیخ زین الدین احمد العاملی المعروف الشہید الثانی متوفی ۹۶۴ھ، قاضی نور اللہ شوستری "شہید ثالث" متوفی ۱۰۱۹ء، گیارہویں صدی ہجری کے مشہور مجتہد ملا باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۱ھ، تیرہویں صدی کے مشہور شیعہ مورخ صاحب ''ناسخ التواریخ'' مرزا محمد تقی خاں، وزیر اعظم سلطان ناصر الدین قاچار والیٔ ایران اور ان کے فرزند صاحب ''طراز مذہب مظفری'' مرزا عباس علی قلی خاں وزیر اعظم شاہ قاچار چودھویں صدی ہجری کے شیعی فاضل و مجتہد شیخ عباس قمی صاحب "منتھی الآمال" جنہوں نے اپنی اپنی تصانیف میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کو تسلیم کیا ہے۔کیا یہ سب حضرات اہل سنت اور بنو امیہ کے حاشیہ بردار تھے؟

نواب محسن الملک صاحب رحمتہ اللہ علیہ ''آیات بینات'' نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ شیعوں نے اس مسئلہ میں کیا کیا رنگ بدلے ہیں اور کیسی کیسی توجیہات لاطائل کی ہیں۔کسی نے اس نکاح کے ہونے سے ہی انکار کیا ہے، کوئی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بنت مرتضوی ہونے ہی کا منکر ہوا ہے، کسی نے نکاح پر غصب کا اطلاق فرمایا ہے، کوئی نکاح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہم بستر ہونے کا منکر ہوا ہے، کوئی کہتا ہے کہ بخران کی ایک جنّیہ ام کلثومؓ کی شکل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آتی تھی اور وہ ہم خواب ہوتی تھی، کسی نے اس کو جناب امیرؓ کے اعلیٰ درجہ کے صبر کا نتیجہ کہا ہے، کسی نے اس کو تقیہ پر ٹالا ہے...... بہر حال ہر ایک کا نیا ترانہ اور ہر متنفس کا جدا افسانہ ہے۔ جتنے منھ اتنی باتیں مگر کوئی بات بنائے نہیں بنتی۔غرض یہ کہ شیعہ

علماء کی جان بڑی ضیق میں ہے اور ان کے حال پر غالب کا یہ شعر تھوڑی سی لفظی تبدیلی کے ساتھ صادق آتا ہے:

بوجھ وہ سر پہ رکھا ہے جو اٹھائے نہ اٹھے
باب وہ آن پڑی ہے جو بنائے نہ بنے

❀❀❀❀

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ

آیاتِ بیّنات

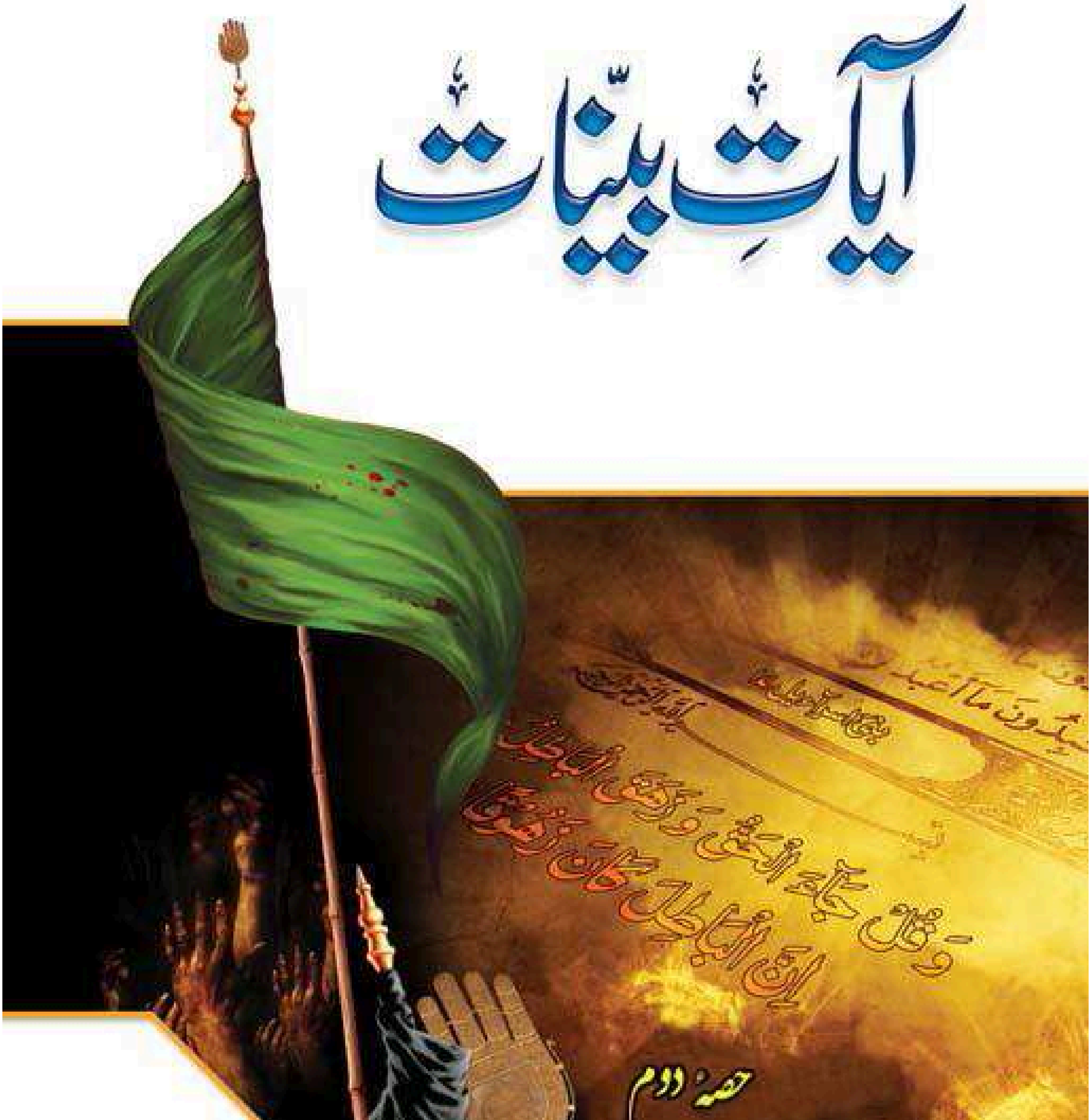

نواب محسن الملک سیّد محمّد مہدی علی خان

تمہید

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کی بحث کو ہم نہایت تفصیل کے ساتھ لکھ چکے، اس لیے ہم اب پھر فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم لکھنا شروع کرتے ہیں لیکن جس قدر فضائل از رُوئے کتب معتبرہ شیعہ کے اب تک ہم نے لکھے ان سے خدا کی قدرت نظر آتی ہے کہ باوجودیکہ حضرات شیعہ حد سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دشمنی رکھتے ہیں اور پھر بھی انہی کی کتابوں میں اس کثرت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل کی روایتیں موجود ہیں اور جب تک کہ لفظ بہ لفظ انہیں نقل نہ کیا جائے اور کتاب کھول کر نہ دکھلائی جائے تب تک حضرات امامیہ اس کا اقرار ہی نہیں کرتے اور جہاں تک ہوسکتا ہے انکار ہی کرتے رہتے ہیں، چنانچہ جناب قبلہ وکعبہ مولوی سید دلدار علی صاحب اپنی ''صوارم'' میں فرماتے ہیں:

((اما [1] احادیث فضائل صحابة از طریق امامیه باوجود کثرت احادیث مختلفه درهر امر جزئی از جزئیاتِ اصلیه و فرعیه اگر تمام کتب احادیث امامیه ورقاً ورقاً به نیت تفحّص مطالعه در آرند مظنون آنست که زیاده از سه چهار احادیث که سرو پادرست نداشته باشددست بهم ندهد اما احادیث مثالب آنها پس بلا اغراق این ست که متجاوز از هزار حدیث باشد .))

''فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث بہ طریقۂ فرقہ امامیہ جو اصلی اور فروعی جزئیات میں مختلف ہیں اگر تمام کتب احادیث امامیہ بہ نظر تحقیق ورق ورق کر کے دیکھی

---

[1] عبارت صوارم مطبوعہ بندر کلکتہ ۱۲۱۸ھ ۔۱۲

جائیں تو یقین ہے کہ صرف تین چار حدیثیں ملیں گی اور وہ بھی بے سروپا اور ان کی تنقیص کی احادیث بلاشک وشبہ ہزاروں سے زیادہ ہیں۔''

لیکن اس قوت کی تصدیق ہماری اس چھوٹی سی کتاب سے ہوتی ہے بلا مبالغہ سو(۱۰۰) روایت سے زیادہ فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم میں بروایت کتب معتبرۂ شیعہ پہلے ہی حصہ میں موجود ہیں، چنانچہ کچھ تو اب تک ہم لکھ چکے اور کچھ اب لکھتے ہیں۔ حضرات شیعہ کو اگر سو تک گنتی آتی ہو تو وہ شمار کرلیں کہ سو سے زیادہ روایتیں فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہیں کہ نہیں اور پھر اگر حضرات شیعہ انصاف کریں تو علماء کے جوابات پر بھی خیال فرمائیں اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر عقل کی ترازو میں ہماری تقریر کو اور ان کے جواب کو تولیں اور اپنے تئیں اہل عدل سمجھ کر سچ سچ فرمائیں کہ کس کا پلہ بھاری ہے اور کس کا ہلکا اور بغض وعناد کا تو کچھ علاج ہی نہیں ہے۔

چونکہ حضرات شیعہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دلی عداوت رکھتے ہیں، اس لیے ان کی فضیلت کا کسی طرح اقرار نہیں کرتے اور کیا خدا کے کلام کو کیا رسول کی حدیث کو کیا ائمہ کے اقوال کو جہاں تک ہوسکتا ہے تحریف لفظی ومعنوی کر کے چاہتے ہیں کہ ان کی بزرگی ثابت نہ ہو مگر بہ فحوائے آیت ﴿وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (سورۂ توبہ: ۳۲) ''اور اللہ نہ رہے گا اپنی پوری کیے بغیر اور گرچہ کافر برا مانیں۔'' خدا اپنے دوستوں کی بزرگیوں کو دشمنوں کی زبان سے ظاہر کردیتا ہے اور بہ مقتضائے (الفضل ما شهدت به الاعداء) ''بڑائی وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔'' اس سے ان کی فضیلت کو ثابت کرتا ہے، چنانچہ ہم نے اپنی اس کتاب میں اس کا التزام کیا ہے کہ اپنی اس کتاب کے اس حصے کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل سے بروایاتِ امامیہ بھر دیں گے اور شیعوں ہی کی کتابوں سے اتنی سندیں لائیں گے کہ آخر کار وہ سنتے سنتے اور دیکھتے دیکھتے تھک جائیں اور کلمۂ شہادت میں ہمارے شریک ہوجائیں اور پھر اپنے فضلاء اور مجتہدین کے انصاف کی داد دیں کہ ایسی روایتوں اور حدیثوں کے موجود ہونے کے باوجود انہوں نے فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیسا انکار کیا ہے اور جس مجتہد

نے سینوں کی کتابوں کے جواب لکھے ہیں اس میں بعض کو کتنا دخل دیا ہے۔ خصوصاً پچھلے مجتہدین نے سوائے گالیوں کے حقیقت میں کسی بات کا کچھ بھی جواب نہیں دیا اور جاہلوں کی سی باتوں سے اپنی کتابوں کو بھر دیا ہے۔ اگر کسی کو شک ہو وہ مولوی دلدار علی صاحب کی تالیفات کو دیکھے کہ جواب لکھنے کے وقت کیسے عامی بن گئے ہیں اور علماء کی شان کے خلاف بات بات پر گالیاں دی ہیں مگر حقیقت میں یہ قصور ان کے تبحر ہونے اور تقدس کا نہیں ہے بلکہ یہ قصور اس تہذیب کا ہے جو عمر بھر پاک لوگوں کی شان میں کہا اور رات دن لعنت لعنت کہتے رہے جس نے موافق حدیث کے انہیں پر رجعت کی۔ میں نے بہت سی کتابیں اس فن میں شیعوں اور سینوں کی دیکھیں اور میری نظر سے علم کلام کے بہت سے رسالے گزرے اور اکثر لوگوں کے کلام میں شوخی بھی پائی لیکن وہ خوبی جو جناب قبلہ وکعبہ مولوی سید دلدار علی صاحب کی تالیفات میں ہے وہ کسی میں نہ دیکھی۔ حضرت کا طریقہ تالیف کیا ہے کہ اوّل تو دل بھر کے مؤلف کو جس کا جواب لکھتے ہیں گالیاں دینا اور پھر اس پر تبرا کرنا بعدہ کچھ تعریف اپنے تبحر اور فضیلت اور تقدس کی فرمانا اور خود ہی اپنی زبان سے اپنی تالیف کی نسبت یہ کہنا:

((گمان فقیر چنیں ست کہ دریں جزو زمان چشم روزگار نظیر ایں کتاب ندیدہ و گوش چرخ بریں نشنیدہ۔))

''فقیر کا خیال ہے کہ اس عہد میں زمانہ کی آنکھوں نے ایسی کتاب نہ دیکھی ہوگی اور چرخ بریں کے کانوں نے ایسے (مضمون) نہ سُنے ہوں گے۔''

جب اس سے فارغ ہوں گے تب خارج از بحث گفتگو کریں گے اور ورق کے ورق ان باتوں کے لکھنے سے رنگین کریں گے جن کو اس بحث سے کسی طرح کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے، صوفیوں کی برائیاں بیان کرنے لگیں گے، اولیاء اللہ کی شان میں جو دل چاہے گا فرما دیں گے، جب اس سے نجات پائیں گے اور مؤلف کتاب کے کلام کے نقض کی طرف متوجہ ہوں گے، تب کسی معتزلی یا کسی شیعی یا کسی گمنام کو فاضل سنی قرار دے کر اس کے اقوال کو معارضہ میں پیش کریں گے۔ جس کسی کو شک ہو وہ ذرا ''ذوالفقار'' اور ''صوارم'' وغیرہ کو اُٹھا کر دیکھے اور

غور کرے کہ فقیر کے کلام کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں...... ذوالفقار میں صوفیوں کو گالی دینے کا کیا موقع تھا اور ان لوگوں کی شعروں اور مثنوی کے بیتوں کی نقل کرنے سے جن کو علمائے کرام اپنے مناظروں میں آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور اپنے کسی اُصولی وفروعی مسئلہ پر ان کو سند نہیں لاتے، کیا حاصل تھا، سوائے اس کے کہ کتاب کو بڑھائیں اور اپنے رسالے کو ایسی پوچ باتوں کے لکھنے سے موٹا کریں اور کیا نتیجہ نکلتا ہے...... صوارم کو دیکھیے کہ اس کیا حال ہے، کوئی ورق اور کوئی صفحہ اس کا ایسا نہیں ہے کہ جس میں مغلطات نہ ہوں، سطریں کی سطریں گالیوں اور لعنت سے سیاہ ہیں اور صفحے کے صفحے پوچ اور بے ہودہ باتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور جہاں حضرت سند دلیل لائے ہیں وہاں اکثر اپنے استاد اور پیر ابن [1] ابی الحدید معتزلی شیعی کے اقوال مردودہ کو نقل کیا ہے کہ اگر کوئی بے چارہ جاہل سنی اتنا بڑا نام جس میں دس حرف سے بھی زیادہ ہیں سنے اور عربی زبان میں بڑی لمبی چوڑی عبارت اس کی دیکھے اور سراسر اپنے مذہب کے مخالف اور مطابق حضراتِ شیعہ کے پائے تو اس کو حیرت ہو اور یہ خیال کرے کہ شاید یہ کوئی بڑا عالم اور فاضل سنیوں کا ہے اور اس کا کلام بھی مستند بین العلماء ہے، دھوکے میں آکر ان مسائل میں شک کرنے لگے۔ حالانکہ جناب قبلہ وکعبہ نے یہ خیال نہ فرمایا کہ جو ادنیٰ درجے کے طالب علم ہیں اور مکتب میں شرح عقائد اور شرح مواقف پڑھتے ہیں وہ بھی اس سے بخوبی واقف ہیں کہ ابن ابی الحدید معتزلی ہے اور اپنے اعتزال کے ساتھ تشیع کو ملائے

---

[1] ان کا نام عزا الدین بن عبدالحمید بن ابی الحسن بن ابی الحدید ہے۔ ۵۸۶ ذی الحجہ کے ابتدائی ایام میں بمقام مدائن پیدا ہوئے۔ زیادہ تر اہل مدائن انتہائی غالی شیعہ تھے، یہ بھی انہیں کی رو میں بہہ گئے اور ان کا مذہب قبول کر لیا۔ انہیں کے طریقے پر عقائد کو نظم میں بیان کیا ہے، ان اشعار میں غلو اور افراط بہت ہے۔ بعد میں یہ بغداد چلے گئے اور اعتزال کی جانب مائل ہو گئے اور جیسا کہ صاحب "نسخة السحر" نے کہا ہے کہ یہ غالی شیعہ ہونے کے بعد پھر معتزلی ہو گئے تھے۔ شیعہ وزیر مؤید الدین محمد بن علقمی کی لائبریری کے لیے بیس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب "شرح نہج البلاغہ" لکھی، جب لکھ چکے تو اپنے بھائی موفق الدین ابی صالی کے ہاتھ اس کے پاس بھیجی، اس نے ان کو ایک لاکھ دینار خلعت اور گھوڑا انعام میں عطا کیا۔ (روضات الجنات، جلد ۵، ص: ۲۰۔۲۱)
۶۵۵ ھ میں بغداد میں انتقال ہوا۔ (شیخ محمد فراست)

ہوئے ہے، اس کے کلام کو اہل سنت کے معارضے میں پیش کرنا بعینہ ایسا ہے جیسا کہ حضرات زرارہ اور ہشام بن حکم کے قولوں کا حوالہ دینا۔ اس لیے کہ سنیوں کے نزدیک دونوں برابر ہیں اور بمقتضائے (اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ) کے بوجہ ترک سنت کے ابن ابی الحدید اور زرارہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور باوجودیکہ حضرت کی کتاب صوارم اسی کے اقوال مردودہ سے بھری ہوئی ہے، پھر اس کتاب پر آپ کو اس قدر ناز ہے کہ اس کی خوبیوں کو بیان کرنے کے لیے الفاظ ہی میں اس کی تعریف لکھتے لکھتے کاغذ میں جگہ نہیں رہی اور صرف اپنی کتاب ہی پر ناز نہیں کرتے بلکہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرف مقابل بننے پر بھی اپنا عار سمجھتے ہیں اور اس پر بھی افسوس ظاہر کرتے جاتے ہیں، چنانچہ صوارم کے خطبے میں فرماتے ہیں کہ جب میں نے امام رازی کی کتاب "نهاية العقول" کا جواب لکھ لیا تو پھر مجھے دوسرے جواب لکھنے کی خواہش نہیں رہی۔

(([1]چه معلوم ست و پیدا و ظاهر ست و هویدا که چون شاه باز طبیعت بقید سیمرغ مضامین عالیه خوگرفته باشد دیگر مخالیب همت خودرابه خون کرگس کندیده نیالاید وکیسکه ابکارا افکار رابحباله خود در آورده باشد نگاه التفات به طرف عجوزه شوها نه فرماید لیکن از انجا که روز گار ناهموار نمی گزارد که ارباب هُمَمِ عالیه ازدست سفله ناس و بے خبر دان حق ناشناس نجات یافته دمے باستراحت بگزرانند وابارد شیاطین نمی شود که از اضلال بنی آدم دمے تغافل نمایند قبل ازیں تقریباً پنج شش سال باب دواز ده از کتاب بعضے دوے الاذناب در نفض مذهب عترت جناب رسالت مآبؐ دریں بلده که بالفعل محل اقامت فقیر ست

[1] عبارت صوارم مطبوعہ بندر کلکتہ ۱۲۱۸ء

بـردریـافـت و شبهـات مـوهومه وهذیاناتِ ملمعه اودلهای عـوام مـومـنیـن رامـنقبض ساخت جهال سنّیان راسر باوج مُباهات رسید و آں صحیفه ملعونه بلاشبه عصائے کوری ایں کـور بـاطناں گردید وا حقر دریں بات چوں بدل خود رجوع مـی نمود نظر بایں که مثل کتاب "نهایة المعقول" امام سنیاں را جـواب گـفتـه واز سـرتاپا منتفض و باطل ساخته هرگز به نـقـض کـلام نـافرجام ناصب عداوت اهل بیت که از اوّل تا آخر آثار غباوت و غوایت ازاں پیدا وامارات بغض وعداوت عتـرت رسـولؐ ظـاهـر و هـویـدا راضی نمی گردید و طرف گـفتـگـو شدن باچنیں جاهل مدبر عار دانسته هرگز بر خود نـمـی پسندید چوں حال بریں منوال مشاهده نمودم دل خود را مـخـاطـب ساخته گفتم که ایں مجادله و معارضه که ترابا چـنیـں جـاهـل غبـی پیش آمده لیس اوّل قارورة کسرت فی الاسلام و طرف گفتگو شدن تو بامثال چنیں نادرستاں "لیس مـا اعـجب من مجادلة الانبیاء الکرام والا وصیاء الفخام مع مـعـاصـر یهم من الکفرة الفجرة اللیام جرا نظر نمی نمائی و نـگـاهِ التـفـات نـمی فرمائی بحال جناب حضرت ابراهیمؑ و حـضرت موسیٰؑ و جناب هارون علیه السلام که بآں علوم و کـمـالات مبتـلا گردیدند به مجادله نمودن بانمرود و مردود فرعون ملعون که از کمال جهل و غباوت باوجود ظهور آثار مـخلوقیت و باوج امارات افتقار دعوی خدائی می کردند و هـم چـنیں نگاه کن به طرف جناب سید المرسلین صلعم که

بالاتفاق افضل و اکمل خلائق ست چگونه مبتلا گردید مجادله جهال مشرکین قوم خود که به بسبب فرط جهالت جماداتے چندرا که خودمی تراشیدند عبادت و پرستش می نمودند و هم چنیں اند کے از خواب غفلت بیدار شود چشم بکشاد به بیں جناب باب مدینۂ علم رسولؐ را که بالاتفاق اعلم ناس بود بعد رسول خداصلعم چه قسم مبتلا گردید به معارضه و مجادله چند ناکس منافقین قریش و هر گاه حقیقت حال اینمنون باشدنا چار عنانِ التفات عالی خود رابه نقض کردن کلام مورد ملام او منعطف بایدساخت و براستیصال هذیاناتِ بیهوده اوهمت والا تهمت خودرابايد گماشت .)) انتهی بلفظه ملخصاً

''یہ امر ظاہر وعیاں ہے کہ جب شہباز طبیعت نے سیمرغ مضامین عالیہ کی عادت بنائی ہےتو پھراپنی ہمت کے ناخونوں سے کرگس کا خون بہانا نہیں چاہتا اور جو کہ نادرہ باکرہ افکار کواپنے عقد میں لے آئے وہ بوڑھی عورت کی جانب توجہ نہیں کرتا اس کے باوجود زمانہ ناہموار عالی ہمت لوگوں کواپنے دست سفلہ پر ورحق ناشناس بےعقلوں کونجات دے کرایک لمحہ کے لیے آرام نہیں لینے دیتا اور شیطان انسانوں کو بہکانے سے ایک لمحہ تغافل نہیں کرتا۔اب سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے بعض کم مرتبہ لوگوں نے بارہواں باب عترت رسالت مآبؐ کے بارے میں اسی شہر (لکھنؤ) میں جہاں یہ فقیر مقیم ہے ظاہر کیا اور ان موہومہ شبہات وہذیانات نے قلب مومنین کومنقبض کیا اور جاہل سنیوں کے سرفخر سے اونچے ہوئے اور یہ ملعون کتاب ان عقل کے اندھوں کے لیے عصائے نابینا ثابت ہوئی نظر برآں سنیوں کے امام کو ایک معقول دستاویز کے ساتھ جواب

دینے کا خیال دامن گیر ہوا کہ اس کی کتاب کو سراسر باطل کروں لیکن اس کتاب میں بے ہودہ کلام شروع سے آخر تک اہل بیت کی عداوت کے سوا کچھ نہ تھا، اس لیے میرا دل اس طرف متوجہ نہ ہوا اور میں نے ایسے جاہلوں سے گفتگو پسند نہیں کی۔ اس حالت کے اندر میں نے خود سے مخاطب ہو کر کہا کہ ایسے جاہل اور غبی سے تم کو جو مجادلہ در پیش ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ایسے ناکارہ لوگوں سے مجادلہ و معارضہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء کرام اور معزز اوصیاء نے اپنے زمانے کے کافروں، فاجروں اور ملعونوں سے کیا ہے، اس لیے تم بالکل ان کی طرف نظر نہ کرو اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کو نہیں دیکھتے کہ اپنے علوم و کمالات کے باوجود مردود نمرود، ملعون فرعون سے جوالوہیت کا دعویٰ کرتا تھا مجادلہ کیا، اسی طرح افضل و اکمل ختم المرسلین ﷺ نے اپنی جاہل مشرک قوم سے مجادلہ کیا جو اپنی جہالت سے پتھروں کو خود تراش کر ان کی پوجا اور پرستش کرتے تھے، اسی طرح خواب غفلت سے بیدار ہو کر، آنکھ کھول کر باب مدینۃ العلم کو دیکھو جو تمام لوگوں سے زیادہ عالم تھے، رسول خدا ﷺ کے بعد، وہ بھی منافقین قریش سے مباحثہ اور مجادلہ کے لیے مبتلا کیے گئے، جب حقیقت حال یہ تھی تو مجبوراً ہم اپنی بلند و بالا توجہ اس ملعون کلام کی تردید و تنقیص کی طرف منعطف کریں گے اور ان کے بیہودہ بکواس کا استیصال کریں گے۔ یہ ہیں صوارم کے الفاظ جو مختصر طور پر پیش کیے گئے۔"

غرض کہ یہ چند سطریں قبلہ وکعبہ کے تقدس اور تہذیب اجتہاد اور وقار کی نمونہ ہیں باقی کو اس پر قیاس کرنا چاہیے، لیکن ہم اس سے بحث نہیں کرتے اور اس کے جواب میں ہم جاہل اور عامی بن کر گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتے ہاں حضرت کی لن ترانیوں اور خودستائیوں پر کبھی کبھی یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کاش! قبلہ وکعبہ جواب بھی ایسے ہی دیتے جیسی گالیاں دی ہیں اور شاہ صاحب کے اعتراضات کو بھی اس خوبی سے رد کرتے جس خوبی سے اپنی تعریف

فرماتے ہیں تو یہ تعریف بجائے خود ہوتی اور اس تہذیب اور شائستگی پر بھی خاک پڑ جاتی، یعنی یہ عیب بھی کچھ چھپ جاتا لیکن افسوس ہے کہ کسی مسئلے کے جواب میں حضرت نے اپنے وقار طبیعت کے جوہر نہ دکھلائے اور کسی عقیدے کے اثبات میں اپنے اجتہاد اور تبحر کو ظاہر نہ فرمایا وہی پرانی باتیں جوان کے پیشوا لکھتے آئے ہیں لکھ کر سکوت اختیار کیا اور انہیں قصے کہانیوں کو جو پشت در پشت سے سنتے آئے تھے نقل کر کے کتاب کو ختم کیا، پس ہم کو افسوس اسی بات پر آتا ہے کہ حضرت نے اپنے آپ کو انبیاء اولوالعزم کے ساتھ مشابہ بھی بنایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کا عہدہ بھی اپنے ذمہ لیا اور سید الاوصیاء باب مدینۃ العلم کی نیابت کا بھی دعویٰ کیا اور خلق کی ہدایت کی اور ایک منافق جاہل کا مثل مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے جن کی کم علمی اور بے بضاعتی اور جہالت سے نہ ہندوستان بلکہ عرب وعجم کے لوگ بھی واقف ہیں طرف مقابل بننا نہایت مجبوری سے گوارا کیا اور ایسے بڑے عار وننگ کو صرف شیعیان پاک کے دین وایمان کی خاطر سے اختیار کیا مگر افسوس ہے کہ کچھ کر کے نہ دکھلایا اور جتنا دعویٰ کیا تھا اسے پورا نہ کیا اور اپنے آپ کو ان علماء کے زمرے میں داخل کیا جس کی صفت جناب امیر علیہ السلام اپنے ایک خطبے میں کرتے ہیں:

((وان اَبغض الخلق الی اللہ تعالیٰ رجل قمش علماء اغار فی اغباش الفتنۃ سماء اشباہ الناس وارا ذلھم عالما ولم یعش فی العلم یومًا سالمًا بکر فا ستکثر مما قل منہ خیر مما کثر حتی اذا ارتوی من ماء اجن واکثر من غیر طائل جلس للناس مفتیا لتخلیص ما التبس علی غیرہ فان نزلت بہ احدی المبھمات ھباءً لھا من رائہ حشو الرائ فھو من قطع الشبھات فی مثل نسج العنکبوت لایدری اخطا ام اصاب رکّاب جھالات خبّاط عشوات لایعتذر مما لایعلم فیسلم ولا یعض علی العلم بضرس قاطع فیغنم تبکی منہ الدماء وتستحل

بقضائه الفروج الحرام لاملئ والله باصدار ماورد عليه ولا هم اهل لما فوض اليه اولئك الذى حلت عليهم المثلات وحقت عليهم النسياحة والبكاء ايام الحيٰوة الدنيا .))

''کہ سب خلق سے زیادہ تر دشمن خدا کے نزدیک وہ آدمی ہے جو اِدھر اُدھر سے علم کو جمع کر کے فتنہ وفساد کی تاریکی میں جلد جلد دوڑتا ہے اور جس کو ایسے لوگ جو آدمیوں کی صورت رکھتے ہیں اور حقیقت میں انسانیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں، عالم فاضل کہنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک دن بھی علم سے سروکار نہیں رکھتا، صبح ہوئی اور اس چیز کو جمع کرنے پر متوجہ ہوا جس کی قلت بہتر ہے اس کی کثرت سے، یعنی مال یہاں تک کہ جب سڑے پانی سے پیٹ بھر لیا تو وہ مفتی بن کر بیٹھا اور اپنی پوچ لچر رائے سے مشکلات اور شبہات کے حل کرنے پر آمادہ ہوا، جس کی رائے ان کے حل کرنے میں وہی قوت رکھتی ہے جو کہ مکڑی کے جالے کو ہوتی ہے، یہ بھی نہیں جانتا کہ خود اس نے غلطی کی یا صحت، وہ اندھوں کے موافق چلتا ہے اور ہر بات میں بے بصیرت ہوتا ہے، اپنی لاعلمی کا عذر نہیں کرتا تا کہ آفت سے بچ جائے اور علم کو مضبوطی سے نہیں پکڑتا کہ فائدہ پائے، اس کے فتوے سے ناحق خون بہائے جاتے ہیں جو کہ اسی کو روتے ہیں اور اس کے حکم سے بہت سی حرام فرجیں حلال ہو جاتی ہیں، نہ وہ اس لائق ہوتا ہے جو اس سے پوچھا جاتا ہے نہ وہ اس کام کی اہلیت رکھتا ہے جو اس کے سپرد کیا جاتا ہے پس وہ اس میں ہے جس پر عذاب حلال ہو جاتا ہے اور جس پر نوحہ و بکاء کرنا زندگی بھر واجب ہوتا ہے۔''

میں نے جو کچھ کہا اس کا ثبوت خود جناب والا کی تالیفات اور جوابات سے ہوتا ہے، چنانچہ میں اپنی اس کتاب میں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی ساری تالیفات سے جو بجواب تحفہ کے ہیں بحث کروں گا اور کیا ''ذوالفقار'' اور کیا ''صوارم'' اور کیا ''حسام'' سب ان کی تلواروں کے

وار انہیں کے ہاتھ سے انہی کے منہ پر ماروں گا اور جو کچھ انہوں نے ان کتابوں میں لکھا ہے اس کو جس بحث کے متعلق ہے بالاستیعاب نقل کر کے اس کی خوبیاں ان کی پیروی کرنے والوں پر ظاہر کر دوں گا تا کہ مخالف بھی شہادت دینے لگیں اور زبان سے نہیں مگر دل میں تو ضرور سنیوں کا کلمہ پڑھنے لگیں اور ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ [1] (الاسراء: ۸۱) کا شور آسمان تک پہنچ جائے۔

(وھا انا اشرع فی بیان ما کتب فی صددہ) جو کچھ میں نے اب تک لکھا یہ فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیان میں تھا جس کو میں نے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور خود شیعوں ہی کی کتابوں سے اس کو ثابت کیا اور جو کچھ جواب ان کے عالموں نے دیے ہیں ان کو موقع بموقع نقل کیا، اب میں شیعوں کے ان اقوال کو بیان کرتا ہوں جو تمام آیات اور احادیث فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم سے دیتے ہیں اور اس کے ضمن میں بہت کچھ روایتیں ان کے فضائل کی موقع بہ موقع لکھتا جاؤں گا۔

آیاتِ فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت شیعوں کا جواب:

قرآن مجید کی جو آیات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں ہیں اور جن میں سے چند آیتوں کو اوپر میں نے بیان کیا ہے ان کی نسبت شیعوں کا عام جواب یہ ہے:

جو آیتیں مہاجرین کی شان میں اور ان کی بزرگیوں میں خدا نے بیان کی ہیں اور ان کی نسبت اپنی رضا مندی کا اظہار فرمایا ہے، اس کا حضرات شیعہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہجرت کی صحت میں اور اس پر مستحق ثواب ہونے میں ایمان اور صحت نیت شرط ہے، چنانچہ اپنے بزرگوں کی تقلید میں جناب مولوی دلدار علی صاحب قبلہ بھی ''ذوالفقار'' میں اس مقام پر جہاں کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے آیت:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ.....الخ﴾

(سورۂ توبہ)

[1] اور کہہ آیا حق اور نکل بھاگا جھوٹ اور بے شک جھوٹ نکل بھاگنے والا ہے۔'' (بنی اسرائیل)

''اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے۔''

کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

((پس [1] بیابددانست که باتفاق اهل اسلام در صحت هجرت و ترتب ثواب برآں ایمان شرط است و ازینجاست که دلیل پیمبر خدا که دریں هجرت شریك ابوبکرؓ بوده مشرك بود چنانچه در کتاب طبقات و اقدی تصریح بآں واقع شده مقبول الهجرت نخواهد بود زیرا که باتفاق ایمان بشرط صحت عبادت است و هم چنیں باتفاق فریقین شرط ترتب ثواب بر هجرت صحت نیت ست چنانچه دلالت میکند برآں حدیث متواتر ، انما الاعمال بالنیّات وکل امرئ ما نوئ و من کانت هجرته الی الله ورسوله الخ و ایں همه درا وائل بخاری وغیره مسطورست پس مادامیکه مارا علم به صحت نیت ابوبکرؓ به ثبوت نه رسد دخول او در مدلول ایں آیه متیقن نمی شود و تاتیقن نه شود احتجاج بایں آیه برعلو مرتبه اونمی تواندشد .))

''جاننا چاہیے کہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ ہجرت کی صحت اور اس پر ثواب ملنے میں ایمان شرط ہے۔ اور ابوبکر جو پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ ہجرت میں شریک تھے وہ مشرک تھے، جیسا کہ طبقات میں واقدی نے صراحت کی ہے کہ ان کی ہجرت مقبول نہ تھی کیونکہ بالاتفاق عبادت کی صحت کے لیے ایمان شرط ہے، اسی طرح فریقین (شیعہ سنی) کا اتفاق ہے کہ ہجرت پر ثواب ملنے کے لیے نیت کا صحیح ہونا شرط ہے، چنانچہ اس پر حدیث متواتر (انما الاعمال بالنیات)

[1] ''ذوالفقار''، مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ۔

دلالت کرتی ہے۔ اور یہ شروع بخاری وغیرہ میں مذکور ہے سو جب تک ہم کو ابوبکرؓ کی صحت نیت کا ثبوت نہ ملے اس وقت تک آیت ﴿اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا اور جب تک یقین نہ ہو اس آیت سے ان کے علو مرتبہ پر دلیل نہیں ہوسکتی۔''

اور نیز اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر جہاں کہ مولانا صاحب نے آیت: ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ (سورۃ الحشر: ۸) ''واسطے ان مفلسوں کے وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے گئے اپنے گھروں سے۔'' کا ذکر کیا تھا۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں:

((کہ برفرض تسلیم فضیلت هجرت و امثال آں از اعمال مشروط است بر ایمان باجماع و اتفاق اهل اسلام و درستی نیت چنانچه بخاری در صحیح خود از لیث روایت نموده است که گفت شنیدم عمرؓ خطاب را که بر منبر می گفت که شنیدم رسول خداؐ را که می فرمود انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ مانویٰ فمن کانت هجرته الی الله فهجرته الی الله ورسوله و من کانت هجرته الی دنیا یصیبها اوالی امرأة ینکحها فهجرته الی ماهاجر الیه وایں هر دو فیما نحن فیه در معرض عدم تسلیم ست .))

''ہجرت وغیرہ اعمال کی فضیلت اگر تسلیم کر لی جائے تو یہ بالاتفاق اہل اسلام ایمان اور درست نیت کے ساتھ مشروط ہے، چنانچہ بخاری نے اپنی صحیح میں لیث سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے عمرؓ بن خطاب کو منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے، ہر آدمی کو نیت کے اعتبار سے ثواب ملتا ہے جس کی ہجرت اللہ کی طرف

ہے، اس کی ہجرت اللہ و رسول کے لیے مانی جائے گی اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہو تو اس کی طرف ہوگی اور یہ دونوں ہم کو تسلیم نہیں۔''

اور پھر ایک مقام پر فرماتے ہیں:

((وایضا [1] احتجاج بایں آیت موقوف ست کہ بہ ثبوت رسد کہ ہجرت ابوبکرؓ بہ اجازت حضرت نبی ﷺ واقع شدہ و شیعہ ایں راقبول ندارند۔))

''اس آیت سے دلیل پکڑنا اس پر موقوف ہے کہ پہلے یہ ثابت ہو جائے کہ ابوبکرؓ کی ہجرت حضور ﷺ کی اجازت سے ہوئی تھی، اور شیعہ اسے نہیں مانتے۔''

اور پھر ایک جگہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

((ہجرت و نصرت ممدوح امری ست کہ تعلق بہ صحت نیت دارد و آں امرے ست باطنی۔)) [2]

''ابوبکرؓ کی ہجرت اور نصرت ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق درستگی نیت سے ہے اور یہ باطنی امر ہے۔''

اب میں اس قول کو چند طرح سے رد کرتا ہوں:

اوّل:...... جو سند احادیث بخاری کو قبلہ و کعبہ لائے ہیں اس سے سوائے فضیلت کے اور کچھ فائدہ نہیں ہے، اس لیے کہ ہر عمل میں نیت شرط ہے اور تمام فرقے اسلام کے بلکہ سارے اہل مذہب اس پر متفق ہیں کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ کوئی عمل بغیر نیت کے مقبول ہے تو اس حدیث کے نقل کرنے سے بجز کتاب کے حجم کے بڑھانے کے کیا فائدہ، ہاں مجتہد صاحب کی شاید یہ غرض ہو کہ اس حدیث کو سن کر بعض جہلاء شبہ میں پڑ جائیں اور یہ وسوسہ

---

[1] ''ذوالفقار''، مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ء صفحہ ۳۷ سطر ۱۵۔

[2] ایضاً صفحہ ۵۷

کرنے لگیں کہ یہ حدیث انہیں ہجرت کرنے والوں کی نسبت ہے جو پیغمبر ﷺ کے ساتھ یا آگے پیچھے چند روز کے ہجرت کر کے مکہ سے مدینے کو آئے اور جن کی شان میں خدا نے آیتیں نازل کی ہیں تو اگر وہ سب کے سب مستحق ثواب ہوتے تو پیغمبر خدا ﷺ ایسی حدیث نہ فرماتے اور صحت نیت کی شرط ترتب ثواب پر نہ کرتے، پس ظاہر ہوتا ہے کہ شاید بعض اصحاب ایسے بھی تھے کہ جن کی نیت ہجرت میں بخیر نہ تھی تو یہ شبہ ان کی اس تدلیس سے کسی کو نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ سب جانتے ہیں کہ ہجرت ختم نہیں ہوگی اور پیغمبر ﷺ کی قید حیات تک جاری رہے گی اور سب لوگ مثل مہاجرین اولین کے خاص خدا و رسولؐ ہی کے لیے ہجرت نہ کریں گے بلکہ بعض دنیا اور عورتوں کے پیچھے اپنے گھر چھوڑ جائیں گے، جیسا کہ آج کے زمانے میں ہم لوگ اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ کوئی عورت کے پیچھے اپنا وطن چھوڑ دیتا ہے کوئی رنڈی کی خاطر سے مسلمان ہو جاتا ہے، یعنی مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے لگتا ہے تو اس حدیث کا مضمون انہیں لوگوں کے حق میں صادق ہوگا۔ علاوہ اس کے جناب قبلہ وکعبہ کو چاہیے تھا کہ شانِ نزول اس حدیث کا اس کی شرحوں میں دیکھتے اور اس بات کو دریافت فرماتے کہ یہ حدیث کس کے حق میں اور کس کے لیے حضرت نے فرمائی ہے اور مہربانی کر کے اسی میں لکھ دیتے تاکہ ہم بھی ان کی دیانت کی داد دیتے اور ان کو اہل عدل کہتے مگر وہ اسے کیوں لکھتے، اس لیے کہ اس سے تو ان کا مطلب ہی ہاتھ سے جاتا رہتا چونکہ حضرت نے اس کو نہیں لکھا، اس لیے میں شرح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے اسے لکھتا ہوں:

واضح ہو کہ ایک شخص مدینے میں آیا تھا ایک عورت کی طلب کے لیے جس کا نام ام قیس تھا اس کے حق میں یہ حدیث پیغمبر خدا ﷺ نے فرمائی، چنانچہ اس کو مہاجر ام قیس کہتے تھے کہ اس نے ہجرت عورت کے پیچھے کی تھی۔ اے حضرات شیعہ! اپنے قبلہ وکعبہ کے تقدس اور دیانت کی داد دو اور جو کچھ انہوں نے لن ترانیاں فرمائی ہیں اس پر غور کرو، چنانچہ خود حضرت نے ''صوارم'' میں نسبت شاہ صاحب قدس سرہ کے فرمایا ہے:

((مـی بـایـد هر گاه شعور داشته باشد اراده تصنیف و تالیف

نـنـمـایـد ما دامیکه قابلیت آں بهم نرساند بالجمله بامتحان
رسیـده کـه نـاصـب عداوت اهل بیت هر گاه مسئله علیه که
انـدك وقتے داشته باشد در اثناءِ تحریر آں دست و پاگم میکند
ازا نـجـمـلـه ست ایں که دراں کمال انتشار و براگندگی بکار
بـرده لیـکـن نـه فهـمیـد کـه هر گاه آتـش قهر الٰهی راموردو
مستـوقـد گـردیـد بهمه تر و خشك او خواهد رسید و ببادفنا
خـواهـد داد و هیـچ حیـلـه و مـکـر دراں وقت مفید نخواهد
افتاد .))...... انتهی بلفظه ملخصاً . ❶

''اب اگر شعور آیا ہوگا تو تصنیف وتالیف کا ارادہ کیا ہوگا اور قابلیت پیدا ہوئی ہو گی اس وقت لکھا ہو گا اور امتحان و تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اہل بیت کے دشمنوں کے معمولی مسائل کی تحریر سے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس پر ان کی سٹی گم ہوگئی ہے اور وہ یہ نہیں سمجھے کہ جس وقت آتش قہر الٰہی بھڑکے گی تو ان کے خشک وتر کو جلا کر بادفنا میں اڑا دے گی اور اس وقت کوئی حیلہ وفریب کام نہ آئے گا۔''

اب کوئی مومن منصف انصاف کرے کہ یہ مضمون خود جناب قبلہ وکعبہ پر اس روایت میں کتنا صادق ہے کہ انہوں نے کلام کو کتنا منتشر کیا ہے اور دھوکہ دینے کے لیے بیچ میں کی حدیث کا ذکر فرمایا ہے، مہاجرین کو اس سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے حقیقت میں قبلہ وکعبہ نے سچ فرمایا:

((مـادامیـکه انسان هر گاه شعور داشته باشد ارادۂ تصنیف و
تالیف نه نماید مادامیکه قابلیت آں بهم نه رساند .))

''یعنی جب تک انسان میں قابلیت پیدا نہ ہوتو وہ تصنیف وتالیف کا ارادہ نہ کرے۔''

❶ عبارت صوارم مطبوعہ کلکتہ ۱۲۱۸ء پیشتو ورق صفحہ ۷۴

دوسرے حضرت کا یہ فرمانا:

((باتفاق اهل اسلام در صحت هجرت و ترتب ثواب برآن ایمان شرط ست.)) [1]

''اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ ہجرت کی صحت اور ثواب کے لیے ایمان شرط ہے۔''

یہ بیان بھی سچ اور بالکل ٹھیک ہے نہ اس کے لیے کسی آیت کی سند لانے کی حاجت ہیم نہ کسی حدیث کے نقل کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ فرمانا:

((پس مادامیکه مارا علم به صحت نیت ابی بکرؓ به ثبوت نرسد دخول اودر مدخول ایں آیت متیقن نمی شود.))

''یعنی جب تک ہم کو ابوبکرؓ کی نیت کی صحت کا ثبوت نہ مل جائے اس وقت تک یہ آیت ان پر چسپاں نہیں ہوتی، اس میں ہم کو جرح ہے چند طرح سے:

۱۔ جناب صاحب تحفہ قدسرہٗ نے اس آیت کو صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی شان میں نہیں فرمایا ہے بلکہ سب مہاجرین کے فضائل میں اس کو نقل کیا ہے، پس حضرت نے سب کا ذکر تو چھوڑ دیا صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا نام لکھا۔ یہ آدابِ مناظرہ کے خلاف ہے، اگر شاہ صاحب اس آیت کو خاص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت بیان کرتے تو ان کو بھی جواب میں انہی کے نام کی قید کرنی مناسب تھی و اذ لیس فلیس۔

۲۔ اگر بہ خیال اس کے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مہاجرین میں بھی اوّل درجہ رکھتے ہیں اور ان کی نسبت اس قضیہ کے ابطال سے اوروں کے قضیہ کا بطلان خود اسی دلیل سے ہوگا حضرت قبلہ وکعبہ نے ان کا نام لکھا ہے تو خیر ہم اس سے بحث نہیں کرتے اسی کا جواب دیتے ہیں کہ آپ کو صحت نیت کا علم کیوں کر ہووے اور کس طرح آپ اس علم کو حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اگر یہ خیال کر کے کہ ''آں امریست باطنی'' کہ یہ ایک باطنی معاملہ ہے، سوائے خدا کے دوسرا نہیں جانتا تو ہم تسلیم کرتے ہیں اور آپ کو خدا کے سپرد

[1] عبارت ذوالفقار، مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۱۸ھ صفحہ ۵۶۔

کرتے ہیں، یقین ہے اب خدا نے آپ کو اس کا حال قبر میں بتلا دیا ہو گا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحت نیت کا حال اب آپ پر کھل گیا ہو گا...... اور اگر آپ نیت کا حال ان کے اعمال سے جو ہجرت کے وقت انہوں نے کیے دریافت کرنا چاہتے ہیں تو اپنے ہی علماء کے اقوال سے دریافت کر لیجیے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے گھر جانا اور اپنے ساتھ لے کر غار کو چلنا اور راہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حضرت کو دوش پر چڑھانا اور اپنے گھر سے کھانا پہنچانا ان سب باتوں کا اپنی ہی کتابوں سے ثبوت دیکھ لیجیے کہ اس کو ہم نہایت تفصیل کے ساتھ آیت غار کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں جس کو دیکھنا ہو اس کتاب کے چند ورق الٹ کر دیکھ لے، اگر کوئی شخص اتنی زحمت گوارا نہ کرے اور چند ورق الٹ کر اس ساری بحث کو جس پر حقیقت میں یہ مضمون صادق آتا ہے:

(دریں جزو زمان چشم روزگار نظیر ایں بحث یعنی فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ از آیۂ غار ندیدہ باشد و گوش چرخ بریں نشنیدہ)

”آیت غار سے جو فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ظاہر ہوتی ہے اس کی نظیر زمانہ کی نگاہوں نے نہ دیکھی ہو گی اور آسمان کے کانوں نے نہ سنی ہو گی۔“

نہ دیکھے تو اس کے لیے بھی اس مقام پر ہم ایک روایت لکھتے ہیں جسے صاحب تحفہ نے ملا عبداللہ کی کتاب ”اظہار الحق“ سے نقل کیا ہے کہ وہ خود اپنے ہم مذہبوں کے اس انکار کو پوچ اور بیہودہ کہتا ہے، کما قال:

((جواب گفتن ایں سخن بہ ارتکاب آں کہ در سبق هجرت و نصرت ایمان شرط است و آں شخص یعنی ابوبکرؓ معاذ اللہ هیچ وقت ایمان نداشتہ چنیں فعل از سنوح نا خوشی با امیر المومنینؓ از انصاف دوست .))

”اس امر کے جواب دینے میں کہنا لازم ہے کہ ہجرت اور نصرت کے لیے ایمان

شرط ہے اور ابوبکر کسی وقت بھی ایمان نہیں لائے یہ کہنا گناہ ہے، امیر المومنین کی ناخوشی کا سبب ہے اور انصاف سے بھی دور ہے۔“

مجتہد صاحب قبلہ اپنی ”ذوالفقار“ میں اس روایت کی نسبت فرماتے ہیں:

((که پس [1] معلوم است که یا ملا عبدالله از امامیه نبوده و یا اینکه جامع کلمات ایں مزخرفات را از پیش خود داخل نموده و یا مراد او از ایمان دریں مقام اسلام ست و معلوم ست که خلیفۂ اوّل ازاوّل امر از ایمان بهره نداشت باتفاق من علماء امامیه .))

”معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ملا عبداللہ امامیہ (شیعہ) نہ تھے یا یہ کہ ان خرافات کے جمع کرنے والے نے اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے، یا ان کی مراد ایمان سے اس مقام پر اسلام ہے اور اس بات پر ہم علماء امامیہ کا اتفاق ہے کہ ابوبکرؓ شروع ہی سے ایمان نہ لائے تھے۔“

اس جواب میں تین امر مجتہد صاحب نے لکھے ہیں:

۱۔ ملا عبداللہ مشہدی کے امامیہ ہونے سے انکار کرنا، جس پر ہم ابھی زیادہ بحث نہیں کرتے، اگر مجتہد صاحب اپنے سارے علماء کے امامیہ ہونے سے منکر ہو جائیں تو ہمارا کچھ حرج نہیں ہے اگرچہ سارے علماء نے ملا عبداللہ کے امامیہ ہونے پر بہت کچھ ثبوت دیا ہے، مگر ہم مجتہد صاحب ہی کی بات کو مانتے ہیں اور اس کے امامیہ ہونے کا ثبوت دینا لغو سمجھتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ صرف اس لیے مجتہد صاحب نے اس کے امامیہ ہونے سے انکار کیا ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کا قائل ہے تو اس کا ثبوت ان علماء امامیہ کے اقوال سے بھی ہوتا ہے جو کہ مجتہد صاحب کے پیشوا ہیں اور جن کے اقوال کو (کالوحی المنزل من السماء) (آسمانی وحی کی طرح) جانتے ہیں، چنانچہ قاضی

---

[1] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵۸۔۱۲

نور اللہ شوستری ''مجالس المومنین'' میں فرماتے ہیں:

((اماآنکہ تکفیر ابوبکر و عمر به شیعه نسبت نموده است سخنی ست بے اصل که در کتب اصول ایشان ازاں اثرے نیست و مذهب ایشاں همین ست که مخالفان علی فاسق اندو محاربان او را کافر اند.))

''شیعوں کی طرف یہ نسبت کرنا کہ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے ہیں یہ وہ قول ہے جس کا کوئی ثبوت شیعوں کی کتابوں میں نہیں ہے، البتہ شیعوں کا مذہب یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے مخالف فاسق اوران سے جنگ کرنے والے کافر ہیں۔''

اس کا جواب مجتہد صاحب کو جب کچھ نہ ملا اور قاضی نور اللہ شوستری کے امامیہ ہونے سے انکار کرنا خلاف ایمان جانا تو دوسری طرح سے اس قول کو باطل کرنا چاہا، چنانچہ اس کے جواب میں ذوالفقار میں فرماتے ہیں:

((پوشیده [1] نماند که ایں کلام بر تقدیر صحت و صدور آں از فاضل قادح مقصود ما و مفید مطلوب او نمی شود زیرا که سابق گزشته که فاسق در مقابله مومن اطلاق شده.))

''پوشیدہ نہ رہے کہ یہ کلام اگر صحیح مانا جائے اور فاضل (شوستری) نے کہا ہو تو ہمارے مقصد کے خلاف اور ان کے مفید مطلب نہیں ہے کیونکہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ مومن کا لفظ فاسق کے مقابلہ میں آیا ہے۔''

اب کوئی اس دھوکہ دینے کو خیال کرے کہ قاضی نور اللہ جیسا مؤلف اور ''مجالس المومنین'' جیسی مشہور کتاب پر بھی جناب علامی فہامی فرماتے ہیں کہ (بر تقدیر صحت و صدور آں از فاضل) گویا ان لفظوں میں اس کا بھی انکار کرتے ہیں مگر صاف انکار کرنے سے کچھ تقدس کا لحاظ فرماتے ہیں، اگر حضرت کو دیانت کا دعویٰ تھا تو چاہیے تھا کہ ایسا دھوکہ نہ دیتے اور

---

[1] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ء صفحہ ۵۲۔۱۲

''مجالس المومنین'' کی اصل عبارت کو جس میں کچھ تحریف نہ ہوئی ہوتی نقل کر دیتے، چنانچہ بہ جبراس کے شاہ صاحب لکھتے ہیں: ((کہ نسبت تکفیر به جناب شیخین که اهل سنت و جماعت به شیعه نموده اند سخنی ست بے اصل که در کتب اصول ایشاں ازاں اثری نیست)) اور بلفظہ عبارت ''مجالس المومنین'' کی وہ ہے جو اوپر ہم نے نقل کی، اگر کسی کو شک ہو وہ ''مجالس المومنین'' کو دیکھ لے اور مجتہد صاحب کے ((بر تقدیر صحت و صدور آں از فاضل)) لکھنے پر داد دے۔

اور سب سے زیادہ حیرت مجھے یہ ہے کہ ایسے مجتہد فاضل نے '' بر تقدیر صحت'' اس عبارت کی نسبت کیوں فرمایا، اس لیے کہ '' مجالس المومنین'' میں نہایت شدومد سے ملا نوراللہ شوستری نے تکفیر حضراتِ شیخین سے انکار کیا ہے اور صرف انہیں چند لفظوں سے اپنے انکار کو ثابت نہیں کیا بلکہ بہت لمبی چوڑی تقریر کی ہے، چنانچہ مجلس سوم میں فرماتے ہیں:

((که از ایراد ایں مقدمه دفع تو همی ست که درا وهام عامه استقرار یافته که شیعۂ امامیه تکفیر جمیع یا اکثر صحابه می نمایند وایں معنی رامستبعد یافته عوام مذهب خودرا تبقریرآں از مذهب حق متنفر نموده ازراه برده اندو چگونه چنیں باشدوحالانکه افضل المحققین خواجه نصیر الدین طوسی در کتاب "تجرید" فرموده که محاربوا علی کفرة و مخالفوه فسقة و ظاهراست که اگر صحابه بآں حضرت محاربه نه کرده اند بلکه بقوت کثرت خیل و حشم بے نیت استعمال سیف و علم مقام مخالفت در آمده باستقلال غصب منصب عترت رسول متعال نموده ند .)) انتهی بلفظه

''اس مقدمہ کا مطلب ان غلط اوہام کو دفع کرنا ہے جو عام لوگوں کے ذہن نشیں ہیں کہ شیعہ لوگ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم یا اکثر صحابہ کو کافر کہتے ہیں اور اس وہم کی وجہ

سے عام لوگ مذہب حق سے نفرت کرنے لگے ہیں اور راہ سے دور ہو گئے ہیں، حالانکہ صحابہؓ کافر نہیں ہو سکتے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے اپنی کتاب ''تجرید'' میں لکھا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے کافر اور علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرنے والے فاسق ہیں اور یہ امر واضح ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت سے جنگ نہیں کی بلکہ قوت شان وشوکت اور سواریوں کے ذریعہ آپؑ کی امداد کی ہاں بغیر لڑائی کے عترتِ رسولؐ کے منصب کو غصب کیا ہے۔''

غرض کہ اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری نے بہ دلیل قطعی ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر سے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی نہیں کی بلکہ صرف مخالفت کی ہے انکار کیا ہے، اس لیے کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ اس مقدمہ کے لکھنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ شیعہ امامیہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں اور اسی سے عوام کو فریب دے کر وہ شیعوں کے مذہب کی برائی ان کے دل میں پیدا کر کے امامیہ مذہب سے ان کو نفرت دلاتے ہیں، حالانکہ یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ہم امامیہ مذہب کے لوگ سب صحابہ کو کافر کہیں حالانکہ افضل المحققین خواجہ نصیر الدین نے ''تجرید'' میں صاف لکھا ہے کہ علیؓ کے مخالف فاسق اور لڑنے والے کافر ہیں۔ اور پھر قاضی نور اللہ شوستری اسی پر قناعت نہیں کرتے بلکہ آپ اس فصل کو لکھ کر آپ اپنے دعوے عدم تکفیر اصحابؓ کے ثبوت میں یہ لکھتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے کہ اکثر اصحاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی نہیں کی بلکہ بغیر لڑائی کے خلافت کو غصب کر لیا۔ پس باوجود ایسی مدلل تقریر کے جو قاضی نور اللہ شوستری نے کی ہے جناب مجتہد صاحب اوّل تو ''بر تقدیر صحت'' فرماتے ہیں تا کہ عوام کو شبہ ہو کہ یہ روایت ہی ''مجالس المومنین'' میں نہ ہوگی اور ''بر تقدیر صحت'' فرما کر اس کے یہ معنی لکھتے ہیں کہ ((قادح [1] مقصود و مفید مطلوب او نمی شود زیرا کہ سابق گزشتہ کہ فاسق در مقابلۂ مومن اطلاق شدہ)) یعنی اس سے کچھ ہمارے مطلوب میں قدح اور شاہ صاحب کے دعوے کو

[1] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵۲۔۱۲

فائدہ نہیں ہوتا، اس لیے کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ فاسق بمقابلہ مومن کے آیا ہے جس کے معنی کافر کے ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

بریں عقل و دانش بباید گریست

کیا فہم وذکا خدا نے حضرت کو دیا تھا کہ اپنے دعویٰ تکفیر صحابہ رضی اللہ عنہم کو قاضی نور اللہ شوستری کے دعویٰ عدم تکفیر سے ملاتے ہیں اور پھر کیا شوخی اور بے باکی ہے کہ فرماتے ہیں: ہمارا ان کا مطلب ایک ہے، درحقیقت وجود و عدم اور اسلام و کفر کو ایک سمجھنا حضرت کی فہم و فراست سے کچھ بعید نہیں ہے، آپ کی سمجھ پر خیال کر کے ہم بھی کہتے ہیں کہ بے شک جو آپ فرماتے ہیں وہی درست و بجا ہے، شاہ صاحب جاہل و نادان تھے، جنھوں نے قاضی نور اللہ شوستری کی عبارت کو عدم تکفیر صحابہؓ پر محمول کیا۔

اے حضرات شیعہ! یہ حال ہے تمہارے مجتہدین و علماء کے علم و فضل کا، غرض کہ ثابت ہوا کہ قاضی نور اللہ شوستری اور محقق نصیر الدین طوسی عدم تکفیر صحابہ کے معتقد ہیں اور سوائے محاربین کے کسی کو کافر نہ جانتے تھے، اب سنیے کہ مجتہد صاحب کیا فرماتے ہیں۔ جناب قبلہ و کعبہ اپنی کتاب ''ذوالفقار'' میں فرماتے ہیں:

((استنتاج نتیجه مسطوره موقوفست بریں که بنا بر اصول شیعه باثبات رسانی که اصحاب تو از اوّل امر مومن اندوایں از جمله ممتنعات و محالات است چه علماء ایشاں بدلائل بسیار و اخبار بے شمار کفر و پیشوایانِ شمار ادرکتب خود باثبات رسانیده و هرگاه حقیقت حال چنیں باشد پس کلامِ تو از محل اعتبار ساقط باشد.)) [1]

''مذکورہ نتیجہ نکالنا اس امر پر موقوف ہے کہ جب کتب اصول شیعہ کے لحاظ سے صحابہ اوّل سے مومن ہوں اور یہ جملہ ممتنعات و محالات میں سے ہے، اس لیے

---

[1] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵۲۔۱۲

کہ ہمارے علماء نے بے شمار دلیلوں اور ثبوتوں سے تمہارے صحابہ اور پیشوایانِ مذہب کو فاسق و فاجر کہا ہے اور جب حقیقت یہ ہے تو تمہارا کلام بے اعتبار ہے۔''

اب اے حضرات شیعہ! تم کو اپنے دین و ایمان کی قسم ہے اور تم کو اپنے غفران مآب کے تقدس و اجتہاد کی قسم ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری کی اس عبارت کو:

((اما تکفیر ابوبکر و عمر بشیعه نسبت نموده است سخنے ست بے اصل که در کتب اصول ایشاں اثرے نیست .))

''ابوبکرؓ و عمرؓ کو شیعوں کی زبانی کافر کہنا یہ ایسی بے اصل بات ہے جس کا شیعوں کی اصولی کتابوں میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔''

جناب قبلہ و کعبہ کی اس عبارت سے:

((علماء ایشاں بدلائل بسیار و اخبار بے شمار کفر و نفاق پیشوایان شمارا در کتب خود باثبات رسانیده اند .))

''ہمارے علماء نے بدلائل کثیر و ثبوت بسیار تمہارے پیشواؤں کے منافق و کافر ہونے کا اپنی کتابوں سے ثبوت دیا ہے۔''

ملّاؤ! ذرا کلمہ حق زبان پر لاؤ اور اتنا فرما دو کہ ان میں کون صاحب سچے ہیں اور کون صاحب جھوٹے اور ہم بے چارے جاہل سنی قاضی نور اللہ شوستری کے قول کو مانیں جو کہ نہایت زور و شور سے فرماتے ہیں کہ یہ بات ایسی بے اصل ہے کہ ہماری اصول کی کتابوں میں اس کا اثر و نشان بھی نہیں ہے، یا کہ جناب قبلہ و کعبہ کی بات کو سنیں جو کہ نہایت مضبوطی سے فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے ان کے کفر کو بدلائل بسیار اور اخبار بے شمار سے ثابت کیا ہے۔

اے حضرات! یہ حال ہے تمہارے علماء کا کہ خود ہی اپنی ایک بات پر قائم نہیں رہتے اور ایک دوسرے کے کلام کو نقض کرتا ہے اور سبب اس کا یہ ہے کہ جہاں جیسا موقع ہوتا ہے وہاں ویسی ہی بات کہنے لگتے ہیں اور ''ہر سخنے موقع اور ہر نکتہ مقامی دارد'' پر عمل کرتے ہیں، جہاں دیکھا کہ صحابہ کی تکفیر کرنے کا موقع ہے وہاں ایسی دھوم دھام سے ان پر کفر کا اطلاق کریں

گے کہ امام اوّل سے امام آخر تک کی زبان سے ان کا کفر ثابت کریں گے اور جہاں دیکھا کہ اس سے دین کے اصول برہم ہوئے جاتے ہیں اور اسلام ہی ہاتھ سے جاتا ہے وہاں اس زور وشور سے انکار کریں گے کہ کانوں پر ہاتھ دھریں گے، اس کو سنیوں کی تہمت وافتراء کہیں گے اور اپنے تمام علماء کو تکفیر کی نسبت سے بری کریں گے۔ عجب حال ہے ان حضرات کا کہ ان کے اقوال و روایات اور جوابات کو دیکھ کر عقل حیران ہے اور مجتہد صاحب صرف تکفیر شیخین رضی اللہ عنہم پر قناعت نہیں فرماتے اور اسی پر کفر کا دامن نہیں چھوڑتے بلکہ یہاں تک کفر کے پیچھے پڑے ہیں کہ ایک مقام پر صاف فرماتے ہیں:

((قال علیه السلام من شك فی کفر اعدائنا فهو کافر .))

’’یعنی جو شخص ہمارے دشمنوں کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے۔‘‘

اے حضرات شیعہ! اس عبارت پر غور کرو اور اپنے مجتہد صاحب کے اس ارشاد کو سنو اور بے چارے محقق نصیر الدین طوسی اور قاضی نور اللہ شوستری وغیرہ اپنے مذہب کے علماء اعلام پر شوق و ذوق سے تبرا بھیجو اور ان کو کافر کہو، اس لیے کہ ان کو مخالفین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کفر میں شک ہے۔ ’’وہر کہ در کفر شاں شک کند کافر است۔‘‘

افسوس ہے کہ جب مجتہد صاحب نے کتاب تالیف کی تھی اور اپنے اجتہاد کا نقارہ بجایا تھا اور امام علیہ السلام کی یہ حدیث لکھی تھی تو دونوں بے چارے محقق اور قاضی مرمٹ چکے تھے، ورنہ وہ قبلہ و کعبہ کے اس ارشاد کو سن کر ضرور انہیں کو کافر کہتے اور ’’ہر کہ ایشاں را کافر گوید کافرست‘‘ (یعنی جو ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہے وہ خود کافر ہے) کہہ کر ہم سنیوں کا ساتھ دیتے...... اس مقام پر میں مجتہد صاحب کی دیانت کو اور بھی ثابت کرتا ہوں اور ان کے تبحر اور تقدس کو ظاہر کرتا ہوں کہ حضرت نے قاضی نور اللہ شوستری کی تکذیب اسی روایت میں نہیں کی ہے بلکہ اور مقامات پر بھی در پردہ توبہ توبہ در پردہ کیسا صاف اور صریح احمق بنایا ہے یا اپنی دانش مندی کو ظاہر فرمایا ہے چنانچہ صاحب ’’تحفہ‘‘ قدس اللہ سرہ اسی باب دوازدہم میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

((قاضی نور [1] الله شوستری در مجالس المومنین خود آورده که مفهوم تشیع آنست که خلیفه بلافصل بعد از حضرت رسول خدا صلی الله علیه وسلم مرتضٰی علیؓ ست و لعن و سب درو معتبر نیست میگنجد که نام حضرات خلفای ثلاثه بر زبان شیعه جاری شود و اگر جاهلان شیعه حکم به وجوب لعن کردند سخن ایشان معتبر نیست و آنچه خبث و فحش دربارۂ ام المومنین عائشہؓ نسبت به شیعه میکنند حاشاثم حاشاکه واقع باشد چه نسبت فحش بکافۂ آدمیان حرام ست چه جائے حرم حضرت پیغمبر خدا ﷺ و بعد ازاں متصل همیں کلام گفته است که ایں ضعیف حدیثے در کتاب حدیث از کتب شیعه دیده بایں مضمون که عائشہؓ در خدمت امیر از حرب توبه کرده ، هر چند قصۂ حرب متواتر است و حکایت توبه خبر و احدو امابنا بریں طعن کردن در حق وے جائز نیست .))

''قاضی نور اللہ شوستری نے ''مجالس المومنین'' میں لکھا ہے کہ شیعیت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ بلافصل حضرت علیؓ ہیں اور (خلفائے ثلاثہ پر) اس سلسلہ میں لعنت ملامت کرنا صحیح نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ اسی سلسلہ میں خلفاء ثلاثہ کا نام شیعوں کی زبان پر آئے۔ اور اگر لعن کو جاہل شیعہ واجب جانتے ہیں تو ان کا قول غیر معتبر ہے اور امام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فحش کلامی کرنا شیعوں کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، توبہ توبہ! ان کی جانب کوئی برائی نہیں کہی جاسکتی، جب دوسرے لوگوں کو گالی دینا حرام ہے تو حرم

[1] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین ۱۲۸۱ھ صفحہ ۴۶۔۱۲

محترم رسول اللہ! کو گالیاں کیسے دی جا سکتی ہیں؟ اس کے فوراً ہی بعد ایک ضعیف حدیث شیعوں کی کتب حدیث کی لکھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جنگ کے سلسلہ میں علی کی خدمت میں توبہ کی، اگرچہ جنگ کا واقعہ متواتر ہے لیکن توبہ کرنے کی حکایت خبر واحد ہے، لیکن اس بنا پر عائشہ رضی اللہ عنہا پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے۔''

اب ذرا گوش ہوش مجتہد صاحب کے کلام سننے پر متوجہ کیجیے کہ حضرت اس کے جواب میں ''ذوالفقار'' میں کیا فرماتے ہیں:

((اما آنچه [1] از سیّد نور الله شوستری نوشته پس البته در نقل تدلیس و تلبیس نموده بالجمله سب و شتم البته نزدیك امامیه در حق هیچکس از کفار و مسلم جائز نیست اما تبّرا و بیزاری از اعدای دین واجب ولازم گو بحسب اتفاق اگر از زبان نگوید قباحت نباشد لیکن اگر گناه دانسته نگوید البته گنه گار بلکه به نسبت ناکثین و مارقین و قاسطین اگر گناه دانسته نگوید از ایمان بیرون می شودچه اور دریں صورت منکر ضروری مذهب امامیه شده .))

''قاضی نوراللہ شوستری کے حوالے سے کچھ لکھا گیا ہے اس کے نقل کرنے میں مکروفریب اور لاگ لپیٹ سے کام لیا گیا ہے، فرقہ شیعہ کے نزدیک کسی کافر و مسلم کو سب وشتم اور گالیاں دینا جائز نہیں ہے، البتہ دشمنانِ دین سے بیزاری اور تبرا کرنا لازم اور واجب ہے، اگر زبان سے تبرا نہ کہا جائے تو کوئی قباحت نہیں لیکن اگر مجرم کو گنہگار جان کر تبرا نہ کہے تو ایسا شخص خود گنہگار، ساقط المعاہدہ، ظالم اور دین سے خارج ہے اور اگر گناہ کو دانستہ نہ کہے تو ایمان سے ہاتھ دھوتا ہے

[1] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۷۷۔۱۲

کیونکہ اس حالت میں وہ ضروریات مذہب امامیہ کا منکر ہے۔‘‘

ذرا اہل انصاف غور فرمائیں کہ یہ تدلیس و تلبیس صاحب ’’تحفہ‘‘ کے حق میں نسبت کرنا بجا ہے یا جناب مجتہد صاحب کی شان میں زیبا ہے کہ صاحب ’’تحفہ‘‘ تو صاف صاف قاضی نوراللہ شوستری کے کلام کو بیان کرتے جاتے ہیں اور مجتہد صاحب ’’مجالس المومنین‘‘ اٹھا کر ملاحظہ نہیں فرماتے ہیں اور صرف اپنی تدلیس و تلبیس کے ظاہر کرنے پر بلا مقابلہ کتاب کے ان پر تدلیس کی تہمت کرتے ہیں۔

اے حضرات امامیہ! اپنے مجتہد صاحب کی تدلیس کے کیا اب بھی قائل نہ ہوگے اور ان کے اجتہاد میں اس طرح کی برائیوں سے بھی کچھ شک نہ کرو گے، خیال کرو کہ ’’مجالس المومنین‘‘ ملا عبداللہ کی ’’اظہار الحق‘‘ نہیں ہے کہ جو نہ ملے یا اس کے انکار کرنے سے پیچھا چھوٹ جائے یا وہ کتاب ایسی نادر الوجود نہیں ہے کہ مجتہد صاحب کے پاس نہ ہوتی اور قبلہ و کعبہ کا کتب خانہ اس سے خالی ہوتا، تو اگر شاہ صاحب نے اپنی طرف سے ان کی نسبت کچھ تہمت کی تھی اور جو قاضی صاحب نے نہ لکھا تھا اور نہ کہا تھا وہ ان کی طرف منسوب کیا تھا تو کیا مشکل تھا کہ ’’مجالس المومنین‘‘ کو اٹھا لیتے اور اس کی اصل عبارت صاف صاف نقل کر دیتے۔ یہ عجب قسم کی تدلیس ہے کہ کتاب تو نہیں دیکھتے نادیدہ و دانستہ اس سے اغماض کرتے ہیں اور صاحب ’’تحفہ‘‘ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ بے شک یہ غلطی تو ان کی ضرور ہے کہ انہوں نے ایسی روایت جو عقیدۂ امامیہ کے مخالف ہے، ایسے عالم کی کتاب سے نکال دی جو شیعوں کا رکن اعظم ہے اور جس نے اپنے مذہب پر جان بھی قربان کر دی ہے لیکن اس اجمال پر کفایت کرنے کا سبب یہ ہے کہ اگر صاف لکھیں تو کیا لکھیں، کیوں کر اصل عبارت کو نقل کریں، اگر کچھ فرق ہو یا اپنی طرف سے شاہ صاحب نے کچھ ملا دیا ہو تو اسے لکھیں اور اگر اس کا صاف صاف اقرار کریں تو پھر جواب میں کیا خاک کربلا لکھیں، اس لیے شیطان الطاق کے وتیرے پر چلے اور ’’ہم اقرار و ہم انکار‘‘ کر کے پہلو بچا گئے مگر افسوس ہے کہ اسی عبارت کے بعد دو لفظ ایسے حضرت کے قلم سے نکل گئے ہیں کہ اس سے اس مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ

فرماتے ہیں:

((مراد سیّد [1] نور اللّٰہ هر جاکه گفته باشد اگر گفته باشد همین ست و عبارت ایشاں هرگز آنچه فقیر گفته مخالفت ندارد .))

''(قاضی) نور اللہ کی مراد جہاں کہیں انہوں نے یہ لکھا ہے اگر لکھا ہے تو وہی ہے جو میری مراد ہے ان کی عبارت فقیر کے قول کے ہرگز مخالف نہیں۔''

اس عبارت کو دیکھ کر بے ساختہ دل چاہتا ہے کہ جناب غفران مآب کی شان میں کچھ لکھوں مگر سوائے ''ایں گل دیگر شگفت'' کے کچھ نہیں لکھتا اور یہی کہہ کے ان کے مقلدین سے پوچھتا ہوں کہ بھائیو، شاید میری سمجھ کی غلطی ہے جو میں دونوں مضمونوں کو مخالف پاتا ہوں، کوئی مجھے یہ سمجھا دے کہ قاضی نور اللہ شوستری کی اس عبارت کا:

((مفهوم تشیع آنست که خلیفه بلا فصل بعد از حضرت رسولِ خدا ﷺ مرتضیٰ علیؓ است و سبّ و لعن در و معتبر نیست .))

''شیعیت کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کے بعد بلا فصل خلیفہ علی المرتضیٰ ہیں اس سلسلہ میں (کسی پر) لعن طعن معتبر نہیں ہے۔''

مضمون کیوں کر اس عبارت سے مجتہد صاحب کی مطابق ہے:

((اما تبرّا [2] وبیزاری از اعدائے دین واجب .))

''دین کے دشمنوں سے براءت اور بیزاری واجب ہے۔''

اور نیز قاضی نور اللہ شوستری کے اس فقرہ کو:

((اگر جاهلان شیعه حکم بوجوب لعن کردند سخن ایشاں

---

[1] عبارت ''ذوالفقار'' مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۷۷۔۱۲

[2] عبارت ''ذوالفقار'' مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۷۷۔

معتبر نیست .))
''اگر جاہل شیعہ لعن طعن کو ضروری سمجھیں تو ان کی بات قابل اعتبار نہیں۔''
کس طرح قبلہ وکعبہ کے اس فقرے کے مطابق ہے:

((گو ❶ بحسب اتفاق اگر زبان نگویند قباحت نباشد لیکن اگر گناه دانسته نگوید البته گناه گار بلکه به نسبت ناکثین و قاسطین و مارقین اگر گناه دانسته نگوید از ایمان بیرون می شود .))

''اتفاقاً اگر زبان سے تبرا نہ کریں تو کوئی قباحت نہیں، لیکن مجرم پر اگر گناہ کو جان کر تبرا نہ کرے تو ایسا شخص خود گنہگار بلکہ ساقط المعاہدہ، ظالم اور دین سے خارج ہے اگر گناہ کو دانستہ نہ کہے تو ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔''

میں قاضی صاحب کی عبارت کا یہ مطلب سمجھتا ہوں کہ ان کے نزدیک سب ولعن تشیع کے لیے معتبر اور ضروری نہیں ہے اور لعن کو واجب سمجھنا جاہلوں کی بات ہے اور مجتہد صاحب کے قول سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سبّ ولعن تشیع کے ضروری ہے بلکہ جو تبرا نہ کرے وہ مومن نہیں ہے اور پھر باوجود ایسی مخالفت مضمون کے مجتہد صاحب فرماتے ہیں:

((عبارت ❷ ایشاں ہرگز بہ آنچہ فقیر گفتہ مخالفت ندارد .))
''ان کی عبارت ہرگز فقیر کے قول کے مخالف نہیں ہے۔''

اب اس پر کیا کہا جائے حقیقت میں جو کچھ ناز وافتخار ذوالفقار کی تالیف پر حضرت کو ہوا ہے وہ بجا ہے، اگر حضرت خود اس کی تعریف اپنی زبان سے نہ کرتے اور بقول صائب: شعر

ثنای خود بخود کر دی نمی زیبد ترا صائب
چوں زں پستانِ خود مالد حظوظ نفس کے یابد

---

❶ عبارت ''ذوالفقار'' مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۷۷۔
❷ ایضاً۔

خودستائی سے احتیاط کرنی تب تھی جبکہ خود کتاب حضرت کی ثنا وصفت کرتی اور اب تو خدا کے فضل سے حضرت کی ستائش کی تصدیق ہوتی ہے اور جو کچھ خود بدولت نے اپنے شبہے اور اپنی کتاب کی نسبت فرمایا ہے اس کا ثبوت ہوتا جاتا ہے۔ دیکھو حضرات امامیہ وہ کتاب ''ذوالفقار'' ہے جس میں حکیمانہ تقریریں بھری ہوئی ہیں اور جس کی نسبت حضرت نے ''صوارم'' میں فرمایا ہے کہ جب باب دہم ''تحفہ'' کا ہم نے ملاحظہ فرمایا تو بہ خیال اس کے کہ ایک جاہل عامی آدمی کی طرف مقابل بننا موجب عارونگ ہے دل جواب لکھنے پر متوجہ نہ ہوا مگر یہ خیال کر کے کہ بڑے بڑے پیغمبروں اور اماموں کو زمانہ نے مجبور کر دیا ہے اور ان کو کافروں اور جاہلوں کا جواب دینا پڑا ہے میں نے اس کا جواب لکھا:

((❶ چنانچه بحمد الله تعالیٰ درهمان اوان سعادت تو امان در عرصه ده بست روز بصرف قلیلے از اوقات به نقض آن پردا ختم و بیهوده گوئی اور ابه بیان واضح برهرکس و ناکس ظاهر ولائح ساختم دررساله مذکوره باسم "ذوالفقار" اختصاص داده مع جلد کتاب "عماد الاسلام" پیش آن ناصب مولف کتاب "تحفه اثنا عشریه" مرسل داشتم تا شاید از خوابِ غفلت بیدار شود و از سرمستئ جهل مرکب هوشیار گردد ولله الحجة البالغة که مدت پنج شش سال منقضی گشته که آن رساله دراطراف بلاد شائع و منتشر گردیده واز نظر بسیارے از فضلاء سُنّیاں گزشته بمتانت و استحکام کلام که در اثنا نقضِ شبهات و کشفِ عیوب ممهوهات اوبلا ارتکاب تکلفات و تعسفات مذکور ساخته ام هیچکس چه آن ناصب عداوتِ اهلِ بیت مصنف کتاب

❶ عبارت ''ذوالفقار'' مطبوعہ بندر کلکتہ، ۱۳۱۸ھ صفحہ ۴۔۱۲

مذبور چه غیر او از فضلائے مذهب مسطور مجال ایں نیافته اند که به نقض آں پردازند و در جوابِ آں چیزے برنگارند و بمقتضای اینکه "الحق یعلو ولا یعلیٰ")) انتهی بلفظه ملخصاً

''چنانچہ بحمد اللہ اسی زمانے میں دس بیس دن کے اندر تھوڑے سے اوقات میں اس کتاب کی تنقید کرتے ہوئے اس کی بیہودگیاں ظاہر کیں تاکہ ہر ایک پر واضح ہو جائے کہ اس کی کیا کی بیہودگیاں ہیں اور ایک رسالہ کی صورت دے کر اس کا نام ''ذوالفقار'' رکھا اور وہ کتاب ''عماد الاسلام'' کے ساتھ بنام مؤلف کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' رسال کیا تھا کہ خواب غفلت سے بیدار ہو اور جہل مرکب کی سرمستیوں سے ہوشیار ہو جائے، مکمل دلیل اللہ ہی کے لیے ہے پانچ چھ سال کی مدت گزر گئی اور وہ رسالہ شائع ہو گیا، بہت سے سنی فضلاء کی نظروں سے بھی گزرا، شبہات کو ختم کرنے اور اس کے عیبوں کو ظاہر کرنے میں سنجیدگی اور پختگی کے ساتھ بغیر تعصب اور تکلف کے لکھا ہے، اس ناصبی دشمن اہل بیت مصنف کتاب (تحفہ اثنا عشریہ) اور سنی مذہب کے فضلاء کی مجال نہ ہوئی کہ اس کی تردید کرتے اور اس کے جواب میں کچھ لکھتے کیونکہ حق تو بلند رہتا ہے اس پر باطل بلند نہیں ہو سکتا۔''

حقیقت میں جو کچھ حضرت نے اس ''ذوالفقار'' کی نسبت فرمایا وہ سب بجا اور درست ہے، عبارت بھی اس کتاب کی متانت اور فصاحت سے بھری ہوئی ہے۔ دلائل بھی اس کے سب حکیمانہ، دیانت اور امانت، اس کی سطر سطر سے عیاں اور تکلف اور تعسف کا تو ذکر ہی نہیں ہے جو کچھ حضرت نے لکھا ہے صاف صاف، سچ سچ بیان کر دیا ہے اور اپنی فضیلت اور تبحر کو بخوبی ظاہر کر دیا ہے مگر قصور اتنا ہو گیا کہ اس کے لکھنے میں جلدی بہت کی تھی اور صرف بیس روز میں اس کو ختم کر دیا تھا، حالانکہ ایسی کتاب کو سوچ سمجھ کر لکھنا چاہیے تھا اور فضیحت و رسوائی

کا خیال بھی کرنا لازم تھا اگر ''صوارم'' کی طرح پانچ چھ برس میں اس کو بھی لکھتے اور کسی ایرانی سے اس کی عبارت بھی درست کرا لیتے تو شاید عبارت بھی درست ہو جاتی، تقریر میں بیہودگی بھی کم ہوتی تب، البتہ جس طرح ''صوارم'' کا جواب ایک ملتانی نے لکھ دیا اور حضرت کی متانت کو سفاہت سے مرادف ثابت کر کے اس جواب کا نام ''تنبیہ السفیہ'' رکھ دیا تو مجتہد صاحب کے حق میں کوئی طالب علم اٹھ کر جواب لکھ دیتا اور بندگان والا کی خدمت میں تحفہ بھیج دیتا۔ حضرت نے اس کتاب کی تالیف میں جلد بازی سے کام لیا اور شیخ سعدی کے اس مصرعہ پر جسے لڑکے بھی جانتے ہیں خیال نہ کیا:

تعجیل کارِ شیاطیں بود

میں جب ''ذوالفقار'' اور ''صوارم'' کا مطالعہ کرتا اور حضرت کی گالیوں، فحش اور خودستائی کو دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا کہ جناب والا نے جس قدر حصہ اپنی اوقات عزیز کا گالیوں اور فحش میں صرف کیا ہے بہتر ہوتا کہ جوابات کو سوچنے اور تامل اور غور کر کے لکھنے میں صرف کرتے مگر آخر اس کا جواب خود ہی حضرت کے قول سے جو انہوں نے ''صوارم'' میں لکھا ہے میں نے پا لیا کہ میری سخت گوئی اور طعن و تشنیع پر کوئی اعتراض نہ کرے، اس لیے کہ شاہ صاحب اس کے ہادی ہیں اور پھر ہم تو شیعہ ہیں:

((اگر [1] ازایں جانب نظر باینکه شیوۂ شیعیان تبرّا نمودن است از اعدای دین زیاد ازانچه نوشته اند به عمل آید مستبعد نباشد .))

''اگر اس جانب نظر کریں کہ تبرا کرنا شیعوں کا شیوہ ہے تو جو کچھ دشمنانِ دین نے لکھا ہے اس سے زیادہ لکھنا بعید نہیں ہے۔''

اب میں پھر شروع کرتا ہوں جناب قبلہ و کعبہ کے جواب کو جو قاضی نور اللہ شوستری کی تقریر کا دیا ہے:

---

[1] عبارت صوارم مطبوعہ بندر کلکتہ، ۱۳۱۸ھ صفحہ ۵۔۱۲

((اما [1] آنچه از سید نور الله نقل نموده که ایں ضعیف حدیثے در کتاب حدیث از کتب شیعه دیده بایں مضمون که عائشہؓ در خدمت امیر علیه السلام از حرب توبه کرده...... الخ . اقول هر چند ازیں قبیل سخنان هرگز به مسلك جناب سید نور الله شوستری نمی زیبد که آنچه ایشاں در تصرف حدیث امامیه بدل جهد نموده اند و جهاد سنان و قلم و سیف زباں که افضل از جهاد سیف و سنان باشد کرده اند اظهر من الشمس ست و اگر به حسب اتفاق روایتے بایں مضمون بنظر ایشاں رسیده باشد هر گاه در مذهب اهل اسلام روایات متضمن جسم بودن خدا و مکانی بودن او تعالیٰ شانه مروی شده باشد لاکن چوں تخالف ضروری دین ست محل اعتبار نباشد پس چنیں روایات هم بشیعیان ضرر نخواهد رسانیده زیرا که اگر روایت توبه او صحیح می بود جناب ائمه ازو تبرا نمی نمودند و معلوم ست که جناب صادق علیه السلام بعد هر نماز عبادت دانسته ازو واز غیر او که اعدائے دین می بودند تبرا می فرمودند .))

''سید نور اللہ شوستری کے حوالے سے جو نقل کیا گیا کہ یہ ضعیف حدیث شیعوں کی کتب حدیث میں اس طرح ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خدمت امیرؓ میں آ کر جنگ سے توبہ کی الخ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں جناب سید نور اللہ شوستری کو زیبا نہیں، کیونکہ انہوں نے احادیث شیعہ میں دل و جان سے کوشش کی ہے قلم کی برچھی اور زبان کی تلوار کا جہاد شمشیر و سنان کے جہاد سے افضل ہے جو

[1] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۳۸۱ء صفحہ ۷۷۔۱۲

انہوں نے انجام دیا اور یہ بالکل ظاہر ہے اور حسب اتفاق روایات یہ مضمون ان کی نظر سے گزرا ہوگا کہ مذہب اسلام میں اللہ کا جسم ہونا اور اس کا کسی مکان و مقام میں ہونا لکھا ہے، لیکن چونکہ اس عقیدہ سے انحراف کرنا دین کے لیے ضروری ہے، پس ایسی روایات شیعوں کے نزدیک نا قابل اعتبار ہیں اور وہ شیعوں کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں، اس لیے کہ اگر ان کی توبہ کی روایت صحیح ہوتی تو ائمہ ان سے بیزاری نہ کرتے اور یہ بات معلوم ہے کہ جناب صادق علیہ السلام ہر نماز کے بعد بطور عبادت ان پر اور دوسرے دشمنانِ دین پر تبرا کرتے تھے۔''

اس قول میں بھی حضرت نے دیانت سے کام لیا کہ صرف اس خیال سے کہ سید نور اللہ بڑے مجاہد تھے اور آخر تشیع کی بدولت شہید بھی ہوگئے وہ کیوں کر ایسی روایت لکھیں گے؟ اس روایت کو صاف قبول نہ کیا لیکن الحمدللہ کہ اس سے انکار بھی نہ فرمایا اور ''مجالس المومنین'' سے نقل کرکے اس میں کچھ تعریف شاہ صاحب کی ثابت نہ کی۔ پس ہم حضرت کے خیال کو صرف وسوسۂ شیطانی سمجھتے ہیں اور جو کچھ بہ نسبت منقول ہونے روایات جسم اور مکان باری تعالیٰ کے حضرت نے لکھا ہے اس میں تدلیس کو دخل دیا، یعنی فرماتے ہیں کہ مذہب اسلام میں ایسی روایتیں ہیں حالانکہ اس تعجب سے بے چارے سنی محروم ہیں۔ یہ دولت صرف حضرات شیعہ کے قدماء اور علماء کے حصہ میں ہے، اس لیے بجائے اہل اسلام کے اہل تشیع لکھنا چاہیے تھا تا کہ لوگ دھوکے میں نہ پڑتے اور سمجھ جاتے کہ جب باری تعالیٰ کی جسمیت اور مکان کی روایتیں مذہب تشیع میں موجود ہیں اور اس سے باوجودیکہ اس کے اعتقاد رکھنے والے اور ان روایتوں کو احادیث ائمہ میں نقل کرنے والے علماء شیعہ تھے اور صرف علماء نہ تھے بلکہ نائب ائمہ اور نہ فقط نائب ائمہ بلکہ جان اور جگر ائمہ کے کہ اس کو ہم خاص ایک بحث میں ثابت کریں گے اور پھر ان روایتوں سے متاخرین امامیہ منکر ہوں گے تو پھر کیا تعجب ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت توبہ کے اگلے مقر تھے اور اب پچھلے منکر ہیں...... علاوہ بریں اس قول کو

مجتہد صاحب کے دیکھنا چاہیے کہ وہ معاذ اللہ! معاذ اللہ! حضرت امام جعفر صادقؒ کی نسبت تبرا کرنے کی تہمت کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ ہر نماز کے بعد عبادت سمجھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور خلفاء رضی اللہ عنہم پر تبرا کرتے تھے حالانکہ قاضی نور اللہ شوستری اس کے وجوب کو جاہلوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اس کو تشیع کے مفہوم میں معتبر نہیں جانتے...... دیکھو نور اللہ شوستری نے کچھ ایمان کا پاس کیا اور کہا:

((نسبت فحش بہ کافہ آدمیاں حرام ست چہ جائے حرم حضرت پیغمبر خداؐ .))

''عام انسانوں کو گالی دینا حرام ہے چہ جائیکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو۔''

اور مجتہد صاحب اسی کو امام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔(و حاشا جنابھم عن ذالك .)

حقیقت میں مجتہد صاحب در پردہ قاضی نور اللہ کو جھٹلاتے ہیں اور ایسا لفظ لکھنے پر جس سے وجوب تبرا ثابت نہ ہو خفا ہوتے ہیں مگر تقدیر کے لکھے کو امکان نہیں دھوتا جو کچھ وہ لوگ لکھ گئے سو لکھ گئے (جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ) اب بات بنانے اور نوحہ و بکا کرنے سے کیا ہوتا ہے، سچ لکھا ہے منشی سبحان علی خان صاحب نے مولوی نورالدین کے خط میں :

((البتہ مشکل ست کہ علماء ما وقت تحریر کاربہ دور اندیشی و حفظ از اعتراض حریف بہ بعض جاھا نکردہ اند .))[1]

''مشکل یہ ہے کہ ہمارے علماء نے لکھتے وقت دور اندیشی اور حریف کے اعتراضات سے بچنے کا کام بعض مقامات پر نہیں کیا ہے۔''

ایک اور خط میں جناب منشی صاحب موصوف ان لفظوں سے اپنا افسوس ظاہر کرتے ہیں:

---

[1] مکاتیب سبحان علی خان میں سے جو مطبوعہ اشرف المطابع دہلی ہیں، ۱۲۶۸ھ صفحہ ۸۲۔

((غرض که متعصبین [1] جفا پیشه را حق ذائقه عدل خود چشاند که مازیں تعصبات میدان مناظره بسیار تنگ شده و تناقض اخبار رگِ جان رامی خراشد.))

''غرض کہ ظالم تعصب کرنے والوں کو اللہ اپنے عدل و انصاف کا مزہ خود چکھائے گا کہ ان تعصّبات کی وجہ سے میدانِ مناظرہ بہت تنگ ہو چکا ہے اور متضاد اخبار و احادیث کی وجہ سے جان مشکل میں ہے۔''

اور پھر لکھتے ہیں:

((حقیقة الحال [2] اینکه بنده پیشتر هابوادید اختلاف مضامین احادیث و قصور فهم امثال ما هیچ مدانا از اسرار تفسیر اکثر آیات مصحف مجید مروی بطریق فرقۂ حقۂ اثنا عشریه برخود می لرزید که اگر مخالف دست تشبث بذیل ایں مرویات می زند تفصیے مشکل خواهد بود هما پیش آمد.))

''حقیقت حال یہ ہے کہ بندہ نے اکثر مقامات پر ان احادیث کا تناقض اور قرآن کی آیات کے تفسیری نکات کی نافہمی کا معاملہ دیکھا جو فرقہ حقہ اثنا عشریہ سے مروی ہیں تو لرزہ طاری ہو گیا کہ اگر یہ روایات مخالف کے ہاتھ لگ گئیں تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا، چنانچہ یہی خطرہ سامنے آ گیا۔''

الحاصل! جو کچھ ہم نے لکھا اس سے بخوبی ثابت ہوا کہ قاضی نور اللہ شوستری کے نزدیک مخالفانِ علی المرتضیٰ کافر نہیں ہیں بلکہ فاسق ہیں اور وہ اپنے قول پر محقق نصیر الدین طوسی کے قول کو سند لاتے ہیں جو کہ انہوں نے تجرید میں کہا ہے:

((مُخَالِفُوْهُ فَسَقَةٌ وَ مُحَارِبُوْهُ كَفَرَةٌ.))

---

[1] ایضاً صفحہ ۱۱۵۔۱۲

[2] مکاتیب سبحان علی خان کے صفحہ ۲۱ سطر ۱۷ میں دیکھو۔۱۲

''ان کی مخالفت کرنے والے فاسق ہیں اورلڑنے والے کافر ہیں۔''

اب ہم مجتہد صاحب کے اس جواب کو بہ تفصیل بیان کرتے ہیں جو انہوں نے ''ذوالفقار'' میں دیا ہے اور جس میں حضرت نے اپنی وقاد طبیعت کے جوہر دکھائے ہیں، فرماتے ہیں:

((برتقدیر [1] مطلب عبارت محقق طوسی علیه الرحمة که چیزے باشد که بذهن قاصر او رسیده وجه استحقاق لعن ایشان منحصر در محاربه امیر المومنین نیست چه بر تو سابق بریں ظاهر گشته وهم عنقریب واضح خواهد شد که هر که منکر یکے از ضروریاتِ دین یا مذهب با شد ملعون ست گو محارب نبا شد و محقق طوسی علیه الرحمة نگفته که کل من یایکون محارباً لایکون ملعوناً کافراً لجواز ان یکون المحمول...... الخ .))

''محقق طوسی کی عبارت کا مطلب جو شاہ صاحب کے ناقص ذہن میں آیا وہ کچھ اور ہے حالانکہ ان پر لعنت و ملامت کی وجہ امیر المومنین سے جنگ کرنا نہیں ہے، بلکہ وہ ہے جس کا اظہار تم سے پہلے کیا جا چکا ہے اور پھر عنقریب واضح ہو جائے گا کہ جو کوئی دین و مذہب کی ضروریات میں سے کسی ایک کا منکر ہو تو وہ ملعون ہے اگرچہ اس نے جنگ نہ کی ہو، محقق طوسی نے یہ نہیں کہا کہ جو جنگ نہ کرے وہ ملعون و کافر نہیں بلکہ جائز ہے کہ اس پر یہ بھی صادق آئے۔''

اس حکیمانہ تقریر کے شروع میں جو لفظ ''برتقدیر'' کا ہے اس پر غور کرنا چاہیے کہ اس سے پایا جاتا ہے کہ ''مُخَالِفُوْہُ فَسَقَۃٌ مُحَارِبُوْہُ کَفَرَۃٌ .''کا مطلب جو شاہ صاحبؒ سمجھے ہیں وہ گویا غلط سمجھے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مخالفان علیؓ فاسق ہیں اور محاربانِ علیؓ کافر،

[1] عبارت ''ذوالفقار'' مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ، ۱۲۸۱ھ، ص ۴۸۔۱۲

معلوم نہیں کہ پھر اس کا مطلب کیا ہے اور ان لفظوں کے اور کیا معنی ہیں...... اگر شاہ صاحب نے اس کے معنی سمجھنے میں غلطی کی اور "خطبہ شقشیہ" کی طرح بغیر "قاموس صحاح" اور "جوھری" کے دیکھنے کے اس کا مطلب سوائے مجتہد صاحب کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا تو جو کچھ قاضی نوراللہ شوستری اس کا مطلب سمجھے ہیں اور انہوں نے فارسی میں اس کو بیان کیا ہے وہ بھی تو یہی ہے، چنانچہ ہم بلفظہ اس کی نقل اوپر لکھ چکے ہیں، پس معلوم نہیں کہ باوجود ایسی سلاست الفاظ اور صراحت معنی کے لفظ "بر تقدیر" مجتہد صاحب کے قلم سے کیوں کر نکلا ہے۔ اب مجتہد صاحب کے معنی سنیے کہ وہ جو کچھ اس کا مطلب سمجھے ہیں اسے خود بیان کرتے ہیں:

((اما قوله ان مخالفوه فسقة فمعناه انه لابد من ان يكون مخالفا فاسقالاانه لايكون الافاسقا فانه من ضروريات مذهبنا ان بعض انواع مخالفة ينجرالى الكفر والكفر مستلزم للفسق.)) ❶

"محقق طوسی کا قول کہ ان کے مخالف فاسق ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ان (علی رضی اللہ عنہ) کا مخالف ہوگا وہ فاسق ہوگا یہ مطلب نہیں کہ وہ فاسق کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ ہمارے ضروریات دین میں ہے کہ بعض مخالفتیں کفر کا سبب ہیں اور فسق کے لیے کفر لازم ہے۔"

اور اس کے بعد فرماتے ہیں:

((❷ هم میتواندشد که مراد محقق ایں باشد که مخالفِ علی بن ابی طالب علیه السلام مادامے که منکر یکے از ضروریات دین نباشد مسلم فاسق است چنانچه سائر مخالفین اعنی

---

❶ عبارت "ذوالفقار" مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ء صفحہ ۴۶۔

❷ ایضاً

دردارِ دنیا احکام اسلام بر آنها جاری می شوند مگر دردارِ آخرت مخلد به نار خواهد بود.))

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محقق طوسی کی مراد یہ ہو کہ علی بن ابی طالبؑ کا مخالف جب تک ضروریات دین کا منکر نہ ہو تو وہ مسلم فاسق ہے، جیسا کہ تمام مخالفین، یعنی دنیا میں ان پر احکام اسلام جاری ہوں گے مگر آخرت میں وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔''

اس معنی پر مثل مضمون ''المعنی فی بطن الشاعر'' بلکہ مقولہ (توجیه القول مالایرضی به قائله) صادق آتا ہے......اب ہم اس سے بحث کرتے ہیں کہ حضرت مجتہد صاحب قبلہ آگے چل کر فرماتے ہیں:

((اکثر اوقات [1] استعمال فسق درخصوص معنی خروج عن طاعة الله مع الایمان میشود وازیں لازم نمی آید که هر جا که لفظ فاسق مستعمل شود همی معنی مراد باشد کیف و جناب حق سبحانه و تعالیٰ میفرماید ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا [2] اِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَّ مَا يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ﴾ [3] ﴿فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ و ظاهر ست که او سبحانه تقدس و تعالیٰ درینجا لفظ فاسق بر مرتد اطلاق کرده و امثال ایں آیات در کلام مجید بسیار ست و ازیں مبرهن می شود که ایں متعصب کلام محقق علیه الرحمة رادریں مقام محض برسبیل تدلیس و مغالطه ذکر نموده وبر کلام سفاهت نظام

[1] عبارت ''ذوالفقار'' مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ء صفحہ ۴۶۔

[2] سورہ بقرہ، رکوع ۱۲

[3] سورہ آل عمران: رکوع ۹۔۱۲

خود آنرا دلیل شمرده و حالانکه کلام محقق علیه الرحمة درغایت جودت و متانت ست .))

''اکثر اوقات فسق کا استعمال اپنے خاص معنوں، یعنی ایمان کے ساتھ اللہ کی اطاعت سے خارج ہو جانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں لفظ فاسق استعمال ہو وہاں یہی معنی مراد ہوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اللہ نے کہا ہے کہ ہم نے واضح آیات اتاریں اب ان سے وہی لوگ انکار کریں گے جو فاسق اور بے حکم ہیں، ظاہر ہے کہ فاسق کا لفظ مرتد کے لیے اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے۔ اس قبیل کی آیتیں قرآن کریم میں بکثرت ہیں اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس متعصب شخص نے محقق طوسی کے کلام کو یہاں بطور مغالطہ بیان کیا ہے اور اپنے بیہودہ کلام کو خود ہی ثبوت میں پیش کیا ہے حالانکہ محقق طوسی کا کلام نہایت خوب و متین ہے۔''

اس ساری تقریر کا جس میں حضرت نے بہت بحث کر کے دو چار آیتیں بھی لکھی ہیں یہی مطلب ہے کہ لفظ فاسق کبھی بہ معنی مرتد اور کافر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے سو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن قرینہ اور سیاق عبارت کا ہونا ضروری ہے کہ وہ آیات قرآنی میں موجود اور محقق طوسی کے کلام میں مفقود ہے بلکہ کلام طوسی میں کسی طرح پر لفظ فاسق سے کافر کے معنی لینا درست ہی نہیں ہوسکتا بلکہ مطلب ہی اس کا فوت ہوا جاتا ہے، اس لیے کہ اگر وہ کسی موقع اور محل پر صرف اتنا کہتے کہ ''مخالفوه فسقة'' اور اس کے مقابلہ میں ''محاربوه كفرة'' نہ فرماتے تو اس کی گنجائش ہوتی کہ مراد فاسق سے کافر ہے، لیکن جبکہ وہ دو فریق کا حال بیان فرماتے ہیں اور دونوں کے احکام کو بھی جدا جدا ذکر کرتے ہیں تو بحال اتحاد معنی محمول کے تو اس مقام پر اتحاد معنی موضوع میں ضرور لازم ہے۔ پس جب انہوں نے دو فریق قائم کیے وہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخالفت کی، دوسرے وہ جنہوں نے ان سے لڑائی کی اور ان دونوں کی نسبت دو حکم قائم کیے، مخالف کو فاسق قرار دیا اور محارب کو کافر تو اگر یہاں فاسق کے

معنی کافر کے لیے جائیں تو مطلب ہی فوت ہوتا ہے بلکہ یہ جملہ ہی خبط ہوا جاتا ہے اور محقق طوسی جیسے علامہ کا کلام وہ بھی ''تجریدی'' کتاب کا جو باعتبار الفاظ ومعنی کے نہایت ہی متین ہے مہمل ہوا جاتا ہے اس لیے کہ اگر ان کی مراد فاسق سے کافر تھی تو بجائے "مخالفوه فسقة و محاربوه كفرة" کے اتنا ہی کہہ دیتے کہ "مخالفوه كفرة" تاکہ محارب بھی اس میں آجاتے یا اگر بہت تصریح کرتے تو "مخالفوه و محاربوه كفرة" فرماتے، یا اگر کفر ہی پر ان کو قناعت ٹھہرتی اور بغیر لفظ فسق کے ان کو صبر نہ آتا تو یہ کہتے کہ "مخالفوه و محاربوه كفرة فسقة" پس محقق کا ان سب عبارتوں کو چھوڑنا اور پھر جملے کے جداگانہ موضوع کے لیے جدا ہی محمول لانا صاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں کے معنی علیحدہ علیحدہ ہیں اور مجتہد صاحب جو ان دونوں کے ایک معنی بیان کرتے ہیں یہ صرف خوش فہمی حضرت کی ہے۔ قطع نظر اس کے مجتہد صاحب کو قاضی نور اللہ شوستری کے قول پر بھی غور کرنا چاہیے تھا کہ وہ صاف شیخین رضی اللہ عنہم کی تکفیر سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے:

((❶ نسبت تكفير حضرات شيخين كه اهل سنت و جماعت به شيعه نموده اندسخنے ست بے اصل كه در كتب اصول ايشاں ازاں اثرے نيست.))

''سنیوں کا یہ بیان کہ شیعہ جماعت حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کو کافر کہتی ہے، یہ بات بالکل بے اصل ہے کیونکہ کتب شیعہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔''

اور اپنے اس قول کے ثبوت میں نصیر الدین طوسی کے اس قول کو سنداً بیان کرتا ہے:

((چنانچه نصير الدين طوسى در تجريد آورده مخالفوه فسقة محاربوه كفرة.))

''جیسا کہ نصیر الدین طوسی نے ''تجرید'' میں ذکر کیا ہے کہ ان کے مخالف فاسق اور لڑنے والے کافر ہیں۔''

---

❶ حوالہ گزر چکا۔

تو اگر فاسق کے معنی کافر لیے جائیں تو قاضی نور اللہ شوستری کی بات ''گوزشتر'' ہو جائے گی اور ''ترہات مجانین'' میں داخل سمجھی جائے گی، اگر اس پر بھی مجتہد صاحب کے ذہن مبارک میں نہ آیا تھا تو قاضی نور اللہ شوستری کی اگلی عبارت کو دیکھتے کہ وہ کہتا ہے:

((بمقتضائے حدیث حربك حربی و سلمك سلمی واقع ست و ظاهر ست که حضرات شیخین با امیر المومنین علیه السلام حرب نه نموده اند.))

''اور بلحاظ حدیث کہ تم سے جنگ مجھ سے جنگ اور تم سے صلح مجھ سے صلح ہے اور ظاہر ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین سے جنگ نہیں کی۔''

اس سے کیسا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں فاسق سے مراد کافر نہیں ہے بلکہ (خروج عن طاعة الله مع الایمان) مراد ہے۔اب اگر اس پر بھی مجتہد صاحب کے مقلدین ان کے اجتہاد کے رتبہ پر خیال کر کے ان کو سفیہ نہ کہیں اور ان کی سمجھ پر افسوس نہ کریں اور ''ذوالفقار'' کی متانت اور استحکام کا دعویٰ ہی کرتے چلے جائیں تو بس ان کے حق میں سوائے اس کے کیا کہیے کہ......شعر......

ہیچ آدابے و ترتیبے مجو
ہرچہ می خواہد دلِ تنگت بگو

''کسی ادب وترتیب کی فکر نہ کرو جو تمہارے دل میں آئے کہہ ڈالو۔''

اگر فقط مجتہد صاحب کو لفظ فاسق کے اطلاق سے یہ معنی مرتد یا کافر جو قرآن مجید میں ہیں شبہ ہوا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا جہاں لفظ فاسق بولا جائے گا مراد اس سے کافر ہو گا، اگر یہ ہے تو ہم ان سے استفتا کرتے ہیں کہ ایک مجتہد نے شراب پی ہے یا زنا کیا ہے یا عمداً نماز نہیں پڑھی ہے وہ کافر ہے یا فاسق، اگر جواب دیں گے کہ فاسق ہے تو ہم کہیں گے کہ مجتہد کافر ہو گیا، اس لیے کہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ﴿وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُوْنَ﴾ (البقرہ: ۹۹) ''اور منکر نہ ہوں گے ان سے مگر وہی جو بے حکمے ہیں۔'' قسم ہے اس خدا کی

جس نے مجھے پیدا کیا ہے کہ میں مبالغہ سے نہیں کہتا ہوں اور مطلق تعصب کو دخل نہیں دیتا ہوں کہ جو تقریر مجتہد صاحب نے اس مقولہ طوسی کی کی ہے وہ ایسی پوچ اور لچر اور سفاہت سے بھری ہوئی ہے کہ حضرت تو مجتہد، علامہ، فخر العلماء اور سلطان العلماء ہیں، ان کی نسبت کیا کہوں چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن اگر کسی اور شخص عامی کے قلم سے نکلی ہوتی تو میں دو حرف بھی اس کے جواب میں نہ لکھتا اور اس کی تردید میں ایک لمحہ بھی اپنی عمر عزیز کا ضائع نہ کرتا کیونکہ یہ تقریر ایسی پوچ، لچر ہے کہ اس کی تردید میں جو کاغذ صرف ہوا اس کی قیمت بھی وصول نہیں ہوتی۔ بارخدایا یہ کیسے مجتہد تھے اور ان کی فضیلت و تبحر پر شیعوں کو کیسا ناز تھا اور کیسے پاک باحیا تھے کہ ایسی تقریروں پر ناز کرتے تھے اور ایسی بیہودہ باتوں کے لکھنے پر جامے سے نکلے جاتے تھے، استغفر اللہ، استغفر اللہ.

اب میں اس امر سے بحث کرتا ہوں کہ جو کچھ مجتہد صاحب نے فرمایا کہ ساری ضروریات دین میں سے کسی کا بھی منکر ہو وہ کافر ہے، پس اس سے مقولہ طوسی کے کچھ معنی تو نہ بدل جائیں گے اور جو کچھ اس نے فرمایا ہے اس میں فرق نہ ہوگا اس لیے مجتہد صاحب کو چاہیے تھا کہ بجائے اس کے کہ گھڑ گھڑ کے اس کے کلام کے معنی بناتے اور اس کے لفظوں سے وہ معنی نکالتے جو اس نے خواب میں بھی نہ خیال کیے ہوں گے اور اگر وہ زندگی میں اپنے کلام کے ایسے معنی سنتا تو معنی بنانے والوں کے سر پر پٹکتا، صاف یہ کہہ دیتے کہ گو نصیر الدین طوسی یا قاضی نور اللہ شوستری نے یہ لکھا ہے مگر چونکہ مخالف احادیث ائمہ اور جمہور علماء امامیہ کے ہے، اس لیے ان سے غلطی ہوئی ہے، ہم اسے تسلیم ہی کرتے۔ پس جس طرح ہم ملا عبداللہ کے کلام نہ ماننے سے مجتہد صاحب پر دار و گیر نہیں کرتے اسی طرح اس کو سن کر چپ ہو جاتے اور حقیقت میں یہ امر بیجا نہیں ہے، اس لیے کہ یہ کچھ ضروری نہیں کہ اہل مذہب کو ہر مجتہد اور ہر عالم کے سب قولوں اور سب باتوں کا ماننا لازم ہے خصوصاً وہ بات جو کہ صرف اپنی رائے سے کسی نے لکھی یا کہی ہو بلکہ قرآن و حدیث کا ماننا ضروری ہے۔ پس اگر مذہب شیعہ کے عالم ہوں یا سنیوں کے جس کا کلام قرآن و حدیث کے مطابق ہوگا اس کلام کو ماننا اس مذہب

والے کو ضروری ہے ورنہ کچھ ضروری نہیں ، چنانچہ ہم صرف علامہ طوسی کے اس قول پر تکیہ کر کے نہیں بیٹھتے بلکہ جس راہ پر مجتہد صاحب چلیں چلنے کو تیار ہیں اور جس کو جمہور کا مذہب کہیں اور جس پر اپنے اجتہاد کا مدار رکھیں اسی پر جرح کرنے کو مستعد ہیں۔شعر......

رشتہ در گردنم افگندد وست

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

جناب قبلہ کعبہ شروع کتاب میں فرماتے ہیں:

((پوشیده مخفی نماند که ایں عبارت ناصب که اودریں جا التزام نموده که بآنچه دریں اجزاء بر شیعیان احتجاج نماید در عدم استحقاق لعن اصحابِ ثلاثه و احزاب آنها از اصولِ مقرره پیشِ شیعه باشدواصلاً قول اهلِ سنت را دراں دخل نه دهدپس بدانکه از جمله اصول مقرره پیش شیعه اثنا عشریه اصول دین ست که عبارت از توحید و عدل و نبوت و امامت و معاد باشد پس شکے نیست که امامیه منکر یکے از اصول مذکوره را مومن نمی دانندو اور از جمله ملاعین می انگارند آرے منکر امامت رابا وجود اقرار اُو به توحید و نبوت و معاد کا فرنمید اند یعنی احکام کفار رادردنیا برآنها جاری نمی سازند.))

”واضح رہے کہ ناصبی دشمن نے یہ عبارت اس جگہ اس لیے لکھی ہے کہ ان اجزا کے ذریعے شیعوں سے احتجاج کرے کہ اصحاب ثلاثہ اوران کے گروہ کے لوگوں کو گالی نہ دینا شیعوں کے اصول میں سے ہے اور اہل سنت کے قول کو اس میں کوئی دخل نہیں جاننا چاہیے کہ شیعوں کے اصول مقررہ میں سے وہ اصل دین ہے جس میں توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت داخل وشامل ہو اور حقیقت بھی

یہی ہے کہ اصول مذکورہ میں سے کسی اصول کا جو کوئی انکار کرے وہ شیعوں کے نزدیک مومن نہیں بلکہ ایسے شخص کو ملعون سمجھتے ہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ جو کوئی امامت کا انکار کرے اور توحید و نبوت اور معاد کا اقرار کرے تو ایسے شخص کو کافر نہیں جانتے، یعنی کفار کے احکام ایسے شخص پر دنیا میں جاری نہیں کرتے۔‘‘

پھر ایک اور مقام پر بھی لکھتے ہیں:

((از کلام [1] بعضے معلوم می شود که کفر واقعی ایشاں را اجماعی می دارند.))

’’بعض کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے کافر ہونے کو وہ اجماعی طور پر مانتے ہیں۔‘‘

اس کے بعد فرماتے ہیں:

((هر گاه که ایں دانسته شد پس بنا بریں می گوئیم که منشاء تبرا از اصحاب ثلاثه و عائشهؓ و حفصهؓ و طلحهؓ و زبیرؓ و معاویهؓ و احزابِ آنها مخالفت هریکے از اصول معتبره مقرره نزدیك شیعه امامیه ست چه باتفاق معلوم ست که ایشاں و تبعه ایشاں با مامت ائمه اثنا عشریه قائل نبودند و نیستند بخوبیکه شیعه قائل اند و ایں نیز ثابت است که ائمه ما علیهم السلام از آنها تبرّا فرموده اندورعیت خودرا حکم نموده اند که تبرّا از آنها نمایند وحکم بنفاق اینها کنند.)) [2]

’’جب یہ معلوم ہو گیا تو میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اصحاب ثلاثہ عائشہ، حفصہ، طلحہ، زبیر، معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے ساتھیوں پر تبرا کرنا اس لیے ہے کہ یہ امامیہ

---

[1] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ، ۱۲۸۱ھ صفحہ ۱۱۔۱۲

[2] ایضاً صفحہ ۱۱۔۱۲

شیعوں کے مقررہ معتبرہ اصول کے مخالف تھے اور متفقہ طور پر معلوم ہے کہ یہ اور ان کے پیرو بارہ اماموں کی امامت کے قائل نہ تھے اور جس طرح شیعہ مانتے ہیں یہ نہیں مانتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ہمارے اماموں نے ان سب سے بیزاری کی اور اپنے ماننے والوں کو ان پر تبرا کرنے اور ان کو منافق ماننے کا حکم دیا ہے۔''

اور حضرت والا مقدمۂ چہارم کے جواب میں فرماتے ہیں:

((ببايد❶ دانست كه تنازع عامه باخاصه بآں ماند كه زن بامرد مخاصمه نمايد زيرا كه معلوم است كه صددُ شنام زن به يك دشنام مرد مقاومت نمى تواند كردد و مصداق اين حرف اين ست تطويلات بلا طائل كه بكاربرده ويك حرف كه عدم ثبوت ايمان اصحابِ ثلاثه و نظراى ايشاں از جهت عدم اعتراف بامامت ائمه اثنا عشرست كا فيست و بازهرگز احتياج گفتگو باقى نمى ماند.))

''جاننا چاہیے کہ عام آدمی کا تنازعہ خاص کے ساتھ ایسا ہی ہے کہ جیسے عورت مرد سے جھگڑے اور یہ ظاہر ہے کہ عورت کی سو گالیاں مرد کی ایک گالی کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتیں اور بے کار دلائل اور گفتگو بے سود ہے، اصحاب ثلاثہؓ اور ان کے ساتھیوں کے مومن نہ ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ بارہ اماموں کی امامت کے قائل و معترف نہ تھے۔''

پھر ایک مقام پر فرماتے ہیں:

((محقق ❷ طوسى عليه الرحمة دررساله قواعد العقائد گفته

---

❶ عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ، ۱۲۸۱ھ صفحہ ۲۳۔

❷ ایضاً صفحہ ۵۱۔۱۲

اصول ایمان نزد شیعه سه چیزست تصدیق به وحدانیت خدا در ذات اور و در افعال او و تصدیق پیغمبرئ پیغمراں و تصدیق به امامت ائمه بعد از پیغمبراں انتهی کلام المحقق رحمه الله وایں کلام برهان قاطع ست برفساد ذهن واعوجاج طبع این معاند مجادل که از عبارت تجرید محقق می خواهد که کفررا مخصوص بمحاربین گردانیده خلفاءِ ثلاثه خودرا ازاں نجات دهدونجات متصور نیست .))

’’محقق طوسی نے رسالہ’’قواعد العقائد‘‘ میں لکھا ہے کہ شیعوں کے نزدیک اصولِ ایمان تین ہیں: ایک یہ کہ اللہ اپنی ذات و صفات میں واحد ہے، دوسرے پیغمبروں کی پیغمبری کی تصدیق اور تیسرے یہ کہ پیغمبروں کے بعد امامت حق ہے...... یہ کلام اس دشمن کے فسادِ ذہن و کجروئ طبیعت پر دلیل قاطع ہے۔اس دشمن کی خواہش محقق طوسی کے کلام کے بیان سے یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والوں کو ہی کافر قرار دے اور خلفائے ثلاثہ کو کفر سے چھٹکارہ دلا دے حالانکہ نجات اور چھٹکارہ نہیں۔‘‘

جو کچھ قبلہ و کعبہ نے فرمایا اسی کے مثل اور علماء متاخرین امامیہ نے ارشاد کیا ہے، چنانچہ بڑے بھائی جناب منشی سبحان اللہ علی خان صاحب کے جواب میں ”ایضاح لطافة المقال“ کے،فرماتے ہیں:

((حالا بجواب معارضه که حضرت مخدومی فرموده اند هرچه حاضر طبع ماهرست گزارش می رود وآں این ست که لمحض معارضۂ جناب اینکه قدمائ امامیه قاطبة معتقد کفر منکرانِ امامت بوده اند واز کلام خواجه نصیر الدین طوسی و علامه حلّی و میر نور الله شوستری فسق ایشان

مستفادمی گردد ، بنده عرض میکنم که مختار جمهور امامیه اثنا عشریه خواه از متقدمین و یا از متاخرین همین ست که مخالف جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیه السلام اعم من ان یکون محارباً ام لا کافرست لیکن اطلاق کافر براو نظراً الیٰ دار لآخرة وسوء مآل اوست نه باعتبار دردارِ دنیا مثل جواز مناکحت یا یا مجالست و امثال آن و وجه این عقیده نه آن ست که ملازمان خیال فرموده اند اعنی دردو حدیثیکه مضمونش این ست که بعد رحلت حضرت حضرت رسالت مآب ﷺ همگیں صحابه مرتد شدند بجز چهار کس و جناب بزغم خود ایں حدیث رامنافی آیات کیثره و احادیث شهیره فهمیده اند مع " ان الامرلیس کذالك" چنانچه بوجه وجیه ایں حدیث بموقع خواهد آمد بلکه احسن اینکه امامت بلا فصل علی بن ابی طالب علیه السلام و همچنیں امامت سائر ائمه نزد امامیه از اصول دین مثل توحید و نبوت است ورکنی ازارکان ایمان نه جزو اسلام ست و ایں مماثلت باعتبار دار آخرت ست یعنی منکر هریکے از ینها مخلد بجهنّم ست نه باعتبار ایں دار چه معترف به شهادتین را در دارِ دُنیا کافر نمی گویند گو مومن نباشد .))

''جناب محترم کے کتابی مقالہ کے جواب میں عرض ہے کہ جناب کا خلاصۂ جواب یہ ہے کہ اعتقادمنکرین امامت کومتقدین امامیہ نے قطعاً کافر کہا ہے اور خواجہ نصیر الدین طوسی، علامہ حلی اورنور اللہ شوستری کے کلام سے منکرین امامت کا فاسق ہونا ظاہر ہے اور خادم عرض کرتا ہے کہ بارہ اماموں کے ماننے والے

متقدمین ہوں یا متاخرین سب کے نزدیک یہ ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ سے چاہے کوئی جنگ کرے یا نہیں ان کا مخالف کافر ہے اور ایسے شخص پر کافر (ہونے) کا اطلاق بنا بر آخرت ہے کہ وہاں اس کا نتیجہ خراب ہے، دنیا میں اس کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ نہیں کہ ان کے ساتھ نکاح، نشست و برخاست وغیرہ جائز ہے۔ اس عقیدہ کا وہ سبب نہیں جو جناب نے خیال فرمایا ہے، جیسا حدیثوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد بجز چار کے تمام صحابہ مرتد ہو گئے اور جناب نے اس حدیث کو بزعم خود بکثرت آیات و احادیث کے مخالف تصور فرمایا ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے اور یہ حدیث حسب موقع لکھی جائے گی اور بہتر بات یہ ہے کہ علی بن ابی طالبؓ کی بلافصل امامت دوسرے ائمہ کی امامت فرقہ امامیہ کے نزدیک اصول دین میں سے اسی طرح ہے جیسے کہ توحید و نبوت ہے اور اقرار امامت ایک رکن دین ہے یہ جز اسلام نہیں ہے اور کافر ہونا باعتبار آخرت کے ہے، یعنی جو کوئی ارکانِ دین کا انکار کرے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور ایسے منکر کو چونکہ وہ کلمۂ شہادتین پڑھتا ہے، اس لیے دنیاوی طور پر کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ مومن بھی نہیں ہے۔''

غرض کہ ان ساری تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور ان کے تابع امامت ائمہ اثنا عشر سے منکر تھے، اس لیے وہ کافر ہیں اور دنیا میں ان پر کفر کے سب احکام جاری نہیں ہیں اقرار توحید و نبوت کے سبب سے ان پر اسلام کا اطلاق ہے لیکن قیامت میں ان پر سب احکام کافروں کے جاری ہوں گے اور وہ ''مخلد فی النار'' ہوں گے......اب ہم چند طرح سے اس کا جواب دیتے ہیں:

اوّل: ...... مجتہد صاحب قبلہ نے خلفاء ثلاثہ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت فرمایا:

((ایشاں و تبعہ ایشاں با مامت ائمہ اثنا عشر قائل نبودند۔))

''یہ اوران کے پیروکار بارہ اماموں کی امامت کے قائل نہ تھے۔''

مگر یہ خیال نہ فرمایا کہ ان بے چاروں کے زمانہ میں ائمہ اثنا عشر کہاں تھے اور سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور بہت آخری زمانے میں سوائے حسنین رضی اللہ عنہما کے تو امام پیدا تک نہ ہوئے تھے، ان سب کے مرنے کے بعد ان کا ظہور ہوا تھا تو اگر وہ ائمہ اثنا عشر پر ایمان نہ لائے تو یہ قصور ان کا ہے یا معاذ اللہ خدا کا، کہ کیوں اس نے سب اماموں کو ان کے سامنے پیدا نہ کر دیا...... سبحان اللہ! کیا عقل و دانش ہے حضرت قبلہ وکعبہ کی کہ لکھنے کے وقت لفظوں کا خیال بھی نہیں فرماتے اور اپنے کمال کے نشہ میں ایسے مدہوش ہو جاتے ہیں کہ پھر نظر ثانی بھی نہیں فرماتے، اے مومنین خدا کے لیے انصاف کرو کہ اللہ جل شانہ تو فرماتا ہے کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کہ خدا طاقت سے خارج کسی امر کی کسی کو تکلیف نہیں دیتا اور جناب قبلہ وکعبہ رسول کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس حکم سے بھی مستثنیٰ کرتے ہیں اور ان کو اس وجہ سے کافر بتلاتے ہیں کہ ''یہ اوران کے متبعین بارہ اماموں کی امامت کے قائل نہ تھے''،

''آفریں ایسی سمجھ پر شاباش ایسے فہم پر۔''

دوسرے: اگر مجتہد صاحب کا یہ مطلب ہو کہ ائمہ اثنا عشر سے مراد صرف ذات علی رضی اللہ عنہ ہے، اس لیے کہ ان کی امامت کا اقرار اس وقت میں گویا ائمہ اثنا عشر کی امامت کا اقرار تھا اور اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم منکر تھے...... خیر ہم اس عذر کو بھی قبول کرتے ہیں اور ایسی پوچ توجیہ کو بھی مانتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدا نے مہاجرین وانصار کی شان میں آیتیں نازل کیں اور جب ان کی ہجرت و نصرت اور جہاد پر ان کی ثنا وصفت کی کبھی فرمایا کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ (1) کبھی ارشاد کیا ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (2) کبھی فرمایا کہ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (3)

---

(1) ترجمہ: ''اور جو لوگ قدیم ہیں، پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے۔۱۲۔ (سورہ توبہ)

(2) ترجمہ: ''جو یقین لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں۔'' ۱۲۔ (سورہ توبہ)

(3) ترجمہ: ''اللہ راضی ان سے اور وہ راضی اللہ سے۔'' (سورہ مائدہ)

﴿وَرَضُوۡا عَنۡهُ﴾ کبھی کہا کہ ﴿لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ﴾ 1 تو اس وقت میں جبکہ یہ آیتیں نازل ہوئیں کیا سوائے توحید اور نبوت کے امامت بھی اصول دین سے تھی اور علی مرتضیٰؓ کی امامت کا منکر کافر کہلاتا تھا۔ اگر کوئی آیت قرآنِ مجید میں ہو تو ذرا دکھلا دیجئے...... جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت کچھ ذکر بھی امامت کا نہ تھا، اس لیے کہ امامت کہتے ہیں خلافت کو اور خلافت کی بنیاد ہے بعد وفات پیغمبر ﷺ کے، تو ان لوگوں کو جو کہ پیغمبر ﷺ کے سامنے ایمان لائے اور ان کے ساتھ ہجرت کی اور ان کے ساتھ جہاد کیا اور ان کی شان میں خدا نے آیتیں نازل کیں، زمانۂ خلافت شروع ہونے سے قبل اور ایک نئے اصول امامت کے قائم ہونے سے قبل کافر کہنا حقیقت میں پیش از مرگ واویلا کرنا ہے۔ ہاں اصول شیعہ کے موافق ان لوگوں کے حق میں کفر کا اطلاق ہوسکتا ہے جنہوں نے زمانہ خلافت کا پایا اور جنہوں نے علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار کیا۔

تیسرے:...... اگر کوئی شیعہ کہے کہ جن لوگوں نے علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ پایا اور جنہوں نے ان کی امامت سے انکار کیا ان میں خلفاء ثلاثہ داخل ہیں، اسی واسطے ہم ان کو کافر کہتے ہیں اور ان کو ان آیات کی فضیلت سے مستثنٰی کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا کفر بھی اس اصول شیعہ کے موافق کہ منکر امامت کافر ہے اس زمانے سے شروع ہوا جبکہ وہ خلافت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے منکر ہوئے اور خود خلیفہ بن بیٹھے کہ یہ زمانہ پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد شروع ہوا ہے اور قرآن مجید بھی پیغمبر ﷺ کے سامنے اترا ہے اور ہجرت اور نصرت اور جہاد جو کچھ مہاجرین نے کیا ہے وہ پیغمبر ﷺ کے سامنے، اور انہیں کاموں اور خدمتوں کو خدا نے قبول کر کے ان کی تعریف میں آیتیں نازل کی ہیں تو جب تک ان بے چاروں نے خلافت کو غصب نہیں کیا اور امام اوّل کی امامت سے منکر نہیں ہوئے وہ کس قصور میں ان آیتوں کی فضیلت سے محروم کیے جاتے ہیں اور کس جرم میں باوجود مہاجر اور انصار ہونے کے ﴿وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ﴾ کے زمرے سے خارج کیے

---

1 ترجمہ: ’’اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے۔‘‘ ۱۲۔ (سورہ فتح)

جاتے ہیں۔

چوتھے:...... بار خدایا کوئی قابل اٹھ کر یہ فرمائے کہ پیغمبر ﷺ نے اپنے ہی سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کر دیا تھا اور ان کا خطبہ پڑھ دیا تھا اور ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' کہہ کر سب سے ان کی امامت کا اقرار لے لیا تھا اور صحابہؓ پیغمبر ﷺ کے سامنے ہی منکر امامت ہو گئے تھے، اس لیے وہ کافر ہیں۔ اس کا ہم دو طرح سے جواب دیتے ہیں:

اوّل: یہ کہ خلافت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پیغمبر خدا ﷺ نے کس وقت سے ظاہر کی...... آیا شروع اسلام کے زمانے سے جبکہ اپنی نبوت کا اعلان کیا اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کو قائم کیا، اگر پیغمبر خدا ﷺ نے ایسا کیا ہے تو ذرا اس کا نشان دیجئے، ہم جہاں تک سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک کوئی دانش مند اگرچہ مولوی دلدار علی صاحب قبلہ بھی کیوں نہ ہوں ایسی بات زبان سے نہ نکالے گا اور آخر یہی کہے گا کہ حجۃ الوداع میں خم غدیر پر خلافت کا خطبہ پڑھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اخیر زمانہ پیغمبر خدا ﷺ کا ہے اور اس کے بعد بہت ہی کم آیتیں نازل ہوئیں ہیں اور ﴿اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ﴾ [1] اقرار شیعہ کے موافق دین کے کامل ہونے پر شاہد ہے اور جو آیتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل میں ہیں وہ یا مکی ہیں یا مدنی اور حجۃ الوداع سے برسوں پہلے نازل ہو چکی ہیں تو اس سے بھی ان آیتوں کے مصداق سے صحابہ کبار خارج نہیں ہو سکتے۔

دوسرے: پیغمبر ﷺ کے سامنے بقول شیعوں کے کسی نے امامت کا انکار نہیں کیا اور سب نے اس کو ظاہر میں قبول کر لیا تو اس وقت میں بھی زبان سے صریح انکار کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نہیں کیا اور جب تک زبان سے کوئی محض توحید اور نبوت سے انکار نہ کرے وہ کافر نہیں ہوتا ظاہر میں، تو جو محض امامت سے ظاہر میں انکار نہ کرے وہ کیوں کر کافر ہو گا۔

غرض کہ مجتہد صاحب کا یہ قول کہ (اصحاب ثلاثۃ وعائشۃ و طلحۃ و زبیر

---

[1] ترجمہ: ''آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا۔'' (سورۂ مائدہ)

وغیر هم به امامت ائمه اثنا عشر قائل نبودند) ''اصحاب ثلاثہ، عائشہ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ بارہ اماموں کی امامت کے قائل نہ تھے۔'' اور نیز حضرت کا یہ ارشاد کہ (عدم ایمان اصحاب ثلاثہ ونظرای ایشاں از جہت عدم اعتراف بامامت ائمہ اثنا عشرست کافیست) ''اصحاب ثلاثہ اور ان کے جیسوں کا ایمان والا نہ ہونا، اس لیے کافی ہے کہ وہ بارہ اماموں کی امامت کو نہ مانتے تھے۔'' ایسا پوچ اور بیہودہ ہے کہ اس تقریر کے بعد جو میں نے کی ہے اگر اس پر کوئی انہیں کے اس مقولہ کو کہ (تنازعه عامه با خاصه بآں ماندكه زن بامرد مخاصمه نمايد زيرا كه معلوم ست كه صد دشنام زن بيك دشنام مرد مقاومت نمى تواند كرد) ''یعنی عام لوگوں کا جھگڑا خاص لوگوں کے ساتھ ایسا ہے جیسے کہ عورت اپنے شوہر سے جھگڑے اور یہ ظاہر ہے کہ عورت کی سو گالیاں مرد کی ایک گالی کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔'' انہیں پر اعادہ کرے اور یہ کہے کہ ''تنازعۂ خاصہ یعنی حضرات شیعہ باعامہ یعنی سنیاں بآں ماند کہ زن با مرد مخاصمہ نماید زیرا کہ معلوم است کہ صد دُشنام زن بیک دشنام مرد مقاومت نمی تواند کرد، یعنی سنیوں اور شیعوں کا جھگڑا بالکل ایسا ہی ہے کہ عورت اپنے مرد سے جھگڑتی ہے اور یہ امر واضح ہے کہ عورتوں کی سو گالیاں مرد کی ایک گالی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔) تو کیا ٹھیک اور درست ہے لیکن ہم اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتے اور گالی گلوچ نہیں کرتے...... اے حضرات شیعہ! اپنے غفران مآب کے تقدس اور تہذیب و متانت کو دیکھو کہ حضرت قبلہ وکعبہ مثال بھی دیتے ہیں تو گالی گلوچ ہی کی، کاش! بجائے اس کے دوسری مثال دیتے اور اپنی تہذیب و متانت کو برقرار رکھتے تو لوگوں کے سامنے شرمندگی نہ ہوتی۔

دیکھو کہ ''ذوالفقار'' میں ورق کے ورق اس اصول کی تصدیق میں کہ علماء شیعہ کے نزدیک امامت کا منکر کافر ہے سیاہ کیے ہیں اور ناحق کتاب کا حجم بڑھایا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ بڑی موٹی کتاب لکھی ہے حالانکہ سب کا مطلب یہی ہے کہ شیعوں کے نزدیک امامت اصول دین سے ہے اور منکر اس کا کافر ہے، لیکن اس سے کچھ جواب صاحب ''تحفہ'' کے کلام کا نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ تمام سنیوں کے ایمان ثابت کرنے پر بحث نہیں کرتے کہ جس پر

موافق اصول شیعہ کے بہ سبب انکار امامت ائمہ اثنا عشر کے عدم ایمان یا کفر کا اطلاق ہو بلکہ وہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم سے بحث کرتے ہیں اور اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اصحابِ رسول ؐ پر کفر کا اطلاق نہیں ہوتا اور اس کے ثبوت میں وہ آیتیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی ہیں پیش کرتے ہیں اور ملا نصیر الدین طوسی اور نور اللہ شوستری وغیرہ کے کلام کو اس کی تائید میں لاتے ہیں اور مجتہد صاحب اس واضح فرق کو تو ملاحظہ نہیں کرتے اور صاحب ''تحفہ'' کی تحریر کا مطلب تو نہیں سمجھتے، دونوں امروں کو خلط ملط کر کے عامیوں کی طرح جواب دیتے ہیں کہ ہمارے اصول سے تو یہ ہے کہ منکر امامت ائمہ اثنا عشر کافر ہے...... اے صاحب آپ کے اصول دین میں منکر امامت ائمہ اثنا عشر کافر کیسا؟ اگر آپ کے اصول میں آپ کے تقدس اور اجتہاد کا منکر بھی کافر ہو، صاحب ''تحفہ'' اس سے بحث نہیں کرتے۔ پس حقیقت میں جو کچھ مجتہد صاحب نے لکھا اس سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ منکر امامت کافر ہے اور چونکہ انکارِ امامت اصحاب نے نہیں کیا مگر بعد وفاتِ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لیے ان کا اس اصول سے کافر ہونا حالت حیات نبوی میں ثابت نہ ہوا اور جب ان کا کفر ثابت نہ ہوا تو جو آیتیں مہاجرین و انصار کی شان میں نازل ہوئی ہیں ان میں بدرجۂ اولیٰ ان کا داخل ہونا واضح ہوا، اس لیے ایمان، ہجرت، جہاد، نصرت اور بیعت وغیرہ جو جو باتیں آیتوں میں خدا نے بیان کی ہیں ان سب صفات کا مہاجرین و انصار خصوصاً خلفاء ثلاثہ میں بدرجہ کامل ہونا ثابت ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ اس سے خارج ہوں اور اگر یہی خارج ہوں گے تو پھر سوائے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دو تین اوروں کے خاص احباب کے کون رہے گا اور ساری آیتوں کا اطلاق صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی شان میں کہنا اور سب مہاجرین و انصار کو اس سے خارج کرنا حقیقت میں صاف قرآن مجید کی تحریف کرنی ہے۔

میں اس موقع پر اس قول کو بھی باطل کیے بغیر چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتا جو کہ مجتہد صاحب نے محقق طوسی کا ان کے رسالہ ''قواعد العقائد'' سے نقل کیا ہے، جس کو اوپر ہم نقل کر چکے ہیں اور جس سے انہوں نے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ محقق موصوف امامت کو اصول دین

سے سمجھتا ہے سو وہ کیوں کر کفر کو محاربین سے مخصوص کرے گا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اوّل تو محقق کا یہ قول جو انہوں نے رسالہ ''قواعد العقائد'' میں لکھا ہے بہت سے علمائے شیعہ کے مخالف ہے، اس لیے کہ وہ لکھتے ہیں:

((اصولِ ایمان نزد شیعه سه چیزست تصدیق به وحدانیت خدا و تصدیق پیغمبری و تصدیق به امامت .))

''شیعوں کے نزدیک اصول ایمان تین چیزیں ہیں: خدا کی وحدانیت کی تصدیق، پیغمبری اور امامت کی تصدیق۔''

اور اکثر علماء نے لکھا ہے دین کے اصول پانچ ہیں، چنانچہ خود قبلہ و کعبہ نے اپنی کتاب ''ذوالفقار'' میں فرمایا ہے:

((از جمله [1] اصول مقرره پیش شیعه اثنا عشریه اصول دین ست که عبارت از توحید و عدل و نبوت و امامت و معاد باشد .))

''بارہ اماموں کے ماننے والے شیعوں کے نزدیک جملہ اصول مقررہ دین یہ ہیں، (۱) توحید، (۲) عدل و انصاف ، (۳) نبوت، (۴) امامت (۵) آخرت۔''

پس محقق صاحب نے دو اصول یعنی عدل اور معاد کو تو اُڑا ہی دیا اور پانچ کو چھوڑ کر تین کو اختیار کیا تو جب ان کو تین سے ایسی محبت تھی کہ اصول دین کے بھی تین ہی لکھے تو اگر تینوں خلفاء کو انہوں نے ''مخالفوه فسقة '' کہہ کر کفر سے خارج کر دیا تو کیا عجب ہے۔

علاوہ بریں یہ قول محقق صاحب کا جو انہوں نے رسالہ ''قواعد العقائد'' میں لکھا ہے درحقیقت ان کے اس مقولے کو جو تجرید میں لکھا ہے کچھ باطل نہیں کرتا، اس لیے کہ یہ قول کہ (اصول ایمان نزد شیعه سه چیز ست) یہ عام ہے اور وہ قول کہ "مخالفوه

[1] عبارت ''ذوالفقار'' مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۱۰۔۱۲

فسقة و محاربوه کفرة" خاص ہے،"وما من عام الا وقد خص "پس گویا وہ صحابہ جنہوں نے مخالفت کی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اگر کوئی کہے کہ جب تم مجتہد صاحب کی توجیہہ کو نہیں مانتے جو انہوں نے "مخالفوه فسقة" کی نسبت کی ہے تو تم کیوں ایسی توجیہہ کرتے ہو...... اس کا جواب یہ ہے کہ اس توجیہہ کی ہم سند رکھتے ہیں اور ایک دوسرے محقق شیعی کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے، یعنی قاضی نور اللہ شوستری مقولۂ محقق طوسی کی تائید میں فرماتے ہیں:

((حضرات شیخین با امیر المومنین علیه السلام حرب نه نموده اند بلکه بے زحمت قتال و تکلف استعمال سیف القتال و کثرت خیل الرجال حق اور ابطال نمودند و غصب خلافت رسول متعال از و نمودند.))

"حضرات شیخین نے امیر المومنین سے جنگ نہیں کی بلکہ بغیر شمشیر زنی کے لوگوں کو اپنا کر علیؓ کا حق باطل کر دیا اور خلافت رسولؐ کا حق علیؓ سے غصب کر لیا۔"

پس اگر ان کے نزدیک خلافت کا غصب کرنا خلفاء ثلاثہ کے کفر کا موجب ہوتا تو وہ کیوں کر غصب خلافت کو بے جنگ و جدال کے ثبوت میں عدم کفر مخالفین جناب امیرؓ کے بیان کرتے اور اگر مطلب قاضی نور اللہ کے اس قول کا اور کچھ ہو تو بیان فرمایئے۔ (فعلیکم البیان و علینا دفعه بالبرهان.)

اگر کوئی کہے کہ جس طرح پر تم توجیہہ کے لیے دوسرے محقق کی سند لائے اسی طرح پر جناب قبلہ وکعبہ بھی سند لائے ہیں بلکہ تم تو دوسرے شخص کی سند لائے قبلہ وکعبہ تو محقق طوسی ہی کی دوسری کتاب سے سند لائے ہیں...... اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ہم دونوں اپنی اپنی توجیہہ پر سند لائے ہیں مگر دونوں میں فرق ہے۔ ہماری توجیہہ مطابق لفظ اور عبارت اور معنی ظاہری محقق کے ہے اور سند سے اس کی تائید بصراحت ہوتی ہے اور قبلہ وکعبہ کی توجیہہ

مخالف لفظ اور عبارت اور ظاہری معنی محقق کے ہے اور سند سے بھی اس کی تائید بصراحت نہیں ہوتی۔ ہم نے جو معنی کہے وہ کھلے ہوئے ہیں اور صاف ظاہر ہیں اور قبلہ وکعبہ نے جو معنی بنائے ہیں وہ ایسے پیچیدہ ہیں کہ قواعد نحو وصرف سے اس کی مطابقت نہیں ہوتی اور اگر شک ہو تو کسی طالب علم عربی خواں کے سامنے دونوں کے معنی رکھ دو اور طالب علم بھی وہ ہو جو نہ سنی ہو نہ شیعہ اور اس سے پوچھو کہ کون سے معنی صحیح ہیں؟ تو ضرور وہ یہ کہے گا کہ یہی معنی صحیح ہیں جو یہ سنّی کہتا ہے اور جو معنی مجتہد صاحب فرماتے ہیں وہ ان لفظوں سے نہیں نکلتے۔ ایسے دقیق مضمون کو شاید امام سمجھیں گے اس لیے "سـر من رای" جا کر امام صاحب سے پوچھو پس جب تک امام صاحب ظاہر نہ ہوں اور مجتہد صاحب کی فہم وفراست اور جودتِ طبع کی تعریف کر کے ان کے بنائے ہوئے معنی کی تصدیق نہ کریں تب تک کوئی بھی ان کے معنی کو تسلیم نہ کرے گا۔

اس بحث کو ہم لکھ چکے اس لیے اب اس قول سے بحث کرتے ہیں کہ اسلام کا اطلاق اصحاب کبار اور خلفاء ابرار پر اصول شیعہ کے مطابق ہوتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ مجتہد صاحب اس کا اقرار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ منکر امامت کافر نہیں ہے، یعنی احکام کفر کے دنیا میں اس پر جاری نہیں ہیں، چنانچہ اس قول کو اوپر ہم نقل کر چکے اور "جواب ایضا لطافة المقال" سے اس کی تائید کر چکے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء شیعہ کے نزدیک موافق قول مجتہد صاحب کے تین درجے ہیں:

۱۔ ایمان جو پانچوں اصول توحید نبوت امامت عدل اور معاد کا قائل ہو۔

۲۔ کفر، جو ان پانچوں اصول کا یا سوائے امامت کے ایک کا بھی منکر ہو کہ نہ اس پر ایمان کا اطلاق ہوگا نہ اسلام کا۔

۳۔ اسلام، جو فقط امامت کا منکر ہو کہ وہ قیامت میں تو مثل کافروں کے ہوگا مگر دنیا میں اس پر کفر کے احکام جاری نہیں ہیں۔

غرض ان تین درجوں کے قائم کرنے سے یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر بھی کہنے کا موقع

رہے اور مسلمان کہنے کا بھی، یعنی جب ان کو توحید اور نبوت کے اقرار میں سچا اور اعمال حسنہ میں کامل اور دین میں پکا دیکھتے ہیں اور کسی طرح کا نقص ظاہری اعمال میں ان کے نہیں پاتے تو کہتے ہیں کہ وہ مسلمان تھے اور جب ان کو آیات فضیلت کے مصداق سے خارج کرتے ہیں اور ان کو برا کہتے ہیں تب فرماتے ہیں کہ وہ مومن نہ تھے، یعنی اصول دین میں اسے ایک اصول یعنی امامت کے منکر تھے اسی واسطے درمیان کفر اور ایمان کے ایک تیسر واسطہ قائم کیا اور اس کا نام ''اسلام'' رکھا۔

اب آگے سینے کہ جب یہ خیال کیا کہ جو شخص اس تفرقے کو سنے گا وہ ہنسے گا اور ایسے اصول قائم کرنے والوں کو احمق کہے گا، اس لیے کہ دین کے پانچ اصول تو قائم کیے اور پانچوں کو برابر کا درجہ دیا اور پھر چار اصول تو ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے چاروں کا یا ایک کا بھی کوئی انکار کرے وہ اسلام سے خارج ہو جائے اور کفر کا اس پر اطلاق ہو اور ایک اصول امامت ایسا ہو کہ جس کا منکر نہ کافر ہو نہ مومن بلکہ مسلم رہے اور وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہو تو یا تو یہ اصول امامت حقیقت میں اصول دین سے نہیں ہے فروع سے ہے یا اگر اصول دین سے ہے تو اس کا منکر بھی کافر ہے تو اس سفاہت کے جتانے کے لیے اس کی وجہ اور علت تحریر کرنے پر بحث کی اور اس کا سبب خاص بیان فرمایا ہے جس سے سوائے اس کے کہ سفاہت پر پردہ پڑے اس کی بیہودگی اور دوبالا ہوگئی، چنانچہ اب میں اس وجہ کو بیان کرتا ہوں اور اپنے قول کی تائید کرتا ہوں کہ جناب قبلہ وکعبہ ''ذوالفقار'' میں فرماتے ہیں:

((بنا بر ورود احادیث بسیار محققین امامیه در کتب خود تصریح نموده اند که مخالفین در عقبی حکم کفار دارند و هرگزاز جهنم بیرون نمی آیند ودریں دنیا نیز در احکام کفار شریك اندا ماچوں علام الغیوب می دانست که دولتِ باطل بر دولتِ حق پیش از ظهور قائم آلِ محمد غالب خواهد گردیدو شیعیان را معاشرت مواصلت و معاملت با مخالفاں

ضرور خواهد شد دریں دو لتهائ باطل احکام اسلام رابر ایشاں جاری گردانید که جان و مال ایشاں محفوظ بوده باشد و حکم به طهارت ایشاں به کنندو ذبیحه ایشاں را حلال دانند ودختر از ایشاں بخواهند و میراث بایشاں بد هندواز ایشاں بگیر ند و دیگر احکام اسلام بر ایشاں جاری کنند تابر شیعیانِ کار دُشوار نه شُود دردولتِ ایشاں و هر گاه حضرت صاحب الامر ظاهر شود حکم بت پرستاں رابر ایشاں جاری کندو درهمه احکام مثل سائر کفار باشند وایں تفضل خداست نسبت بحال شیعیان زیرا که فرقِ کفار بسیاراند اگر برسُنّیاں نیز دریں ایام احکامِ کفار جاری می گردید درامور مسطوره عسرتے برشیعیان می شد که مزیدی برآں متصورنیست .))

''بہ کثرت احادیث کے حوالہ سے شیعہ محققین نے اپنی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ مخالفین علیؓ بلحاظ آخرت کافر ہیں جو دوزخ سے ہرگز باہر نہ نکل سکیں گے اور اس دنیا میں بھی وہ کفار کے احکام میں شریک ہیں اور خدا کو معلوم تھا کہ امام صاحب الزمان کے ظہور سے پہلے حکومت حق پر باطل کی حکومت غالب آئے گی اور شیعوں کو اپنے مخالفین سے معاشرتی معاملات کرنے پڑیں گے، اس لیے باطل حکومت کرنے والوں کو مسلمان کہنے کے احکام جاری کر دیے تا کہ شیعوں کی جان و مال محفوظ رہے اور وہ سنیوں کو پاک کہیں ان کے ذبیحہ کو حلال سمجھیں، ان کی لڑکیوں سے شادی کریں، ان کو میراث دیں اور ورثہ لیں اور دوسرے احکام اسلام ان پر جاری کریں تا کہ شیعوں پر سنیوں کی حکومت میں دنیاوی کاروبار تنگ نہ ہوں اور جب امام صاحب الزمان کا ظہور ہو تو سنیوں پر بت پرستوں

کے احکام جاری کریں اور اس وقت سنیوں پر تمام کافروں کی طرح احکام جاری ہوں، شیعوں پر یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کیونکہ کافروں کے فرقوں کی اکثریت ہے، اگر اس زمانے میں سنیوں پر کافر ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو شیعوں پر دنیاوی عرصہ حیات اس قدر تنگ ہو جائے گا کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحیثیت اس کے خدا کو معلوم تھا کہ شیعی بے چارے ذلیل و خوار رہیں گے اور عزت اور دولت سنیوں کو ملے گی بس اگر سنیوں پر کفر کے احکام جاری کیے جائیں تو بے چارے شیعی روٹی کہاں سے پائیں گے اور ان کو کھانا کون دے گا اور چونکہ شیعوں کو بہ مجبوری سنیوں کی خدمت گزاری کرنی پڑے گی اور وہ سنیوں کے دست نگر رہیں گے، اگر سنیوں پر کفر کے احکام جاری کر دیے جائیں اور شیعی ان کو کافر کہنے لگیں تو سارے شیعیان پاک بھوکوں کے مارے مر جائیں گے اور سنی ان کا نان ونفقہ بند کر دیں گے بلکہ غصے میں آ کر کافر کہنے پر ان کو جان ہی سے مار ڈالیں گے اور اگر ایسا ہوا تو دین جعفری جاتا رہے گا اور کوئی خدا و رسولؐ کا نام لینے والا دنیا میں نہ رہے گا، گویا خدا کی عبادت حضرات شیعہ کے فنا ہوتے ہی دنیا سے موقوف ہو جائے گی اور چونکہ بے چارے شیعوں کی مظلومیت اور غربت پر خدا کو بڑا رحم ہے اور ان کے حال زار پر اس کو بہت توجہ ہے، اس لیے حضرات شیعہ کے طفیل خدا نے سُنّیوں کو دنیا میں کفر سے بچایا اور ان کو مسلمان رکھا مگر یہ اسی وقت تک ہے بہ نظر عنایت و مہربانی جب تک کہ امام صاحب الزمان پیدا ہوں جبکہ امام شیعوں کے غار ''سر من رای'' سے ظہور فرمائیں گے اور بعد چندیں ہزار سال سنیوں کے خوف سے نجات پائیں گے اسی وقت پر کیا ہی دارو مدار شیعوں کا ہے، سلطنت اور حکومت ان کی ہے، کسی کے ہاتھ میں عباس کا علم ہوگا، کسی کے دوش پر امام کا شدار رکھا ہوگا، کوئی ذوالفقار چومنے کے لیے دوڑا جاتا ہوگا، کوئی صوارم اور صمصام اپنی کھولتا ہوگا۔ کوئی زرارہ کی غول میں بھاگتا ہوگا، کوئی ہشام اور شیطان الطاق کو ڈھونڈتا ہوگا، پس اس وقت وہ دھوم دھام شیعوں کی ہوگی کہ لوگ محرم کی دسویں کو بھول جائیں گے اور یا امام یا امام کا غل آسمان پر پہنچا دیں گے تو جب ایسے زور وشور

کا امام شیعوں کا ہوگا اور کچھ بھی غرض شیعوں کی ان سے نہ رہے گی، پس اس وقت شیعوں کے امام پکار کر کہہ دیں گے کہ آج اسلام کا حکم تو موقوف ہوا کفر کے اعلانیہ اطلاق کرنے کا زمانہ آ گیا اب ہمارے شیعوں کو کوئی کام سنّیوں سے نہیں رہا، اس لیے کوئی آج سے کسی سنی کو مسلمان نہ کہے اور اسلام کا لفظ بھی زبان پر نہ لائے، اب ان کو کافر مطلق جانو اور نجس سمجھو اور بت پرستوں کے احکام ان پر جاری کرو نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھاؤ، نہ ان کے ہاتھ کا پانی پیو بلکہ اپنی اپنی ذوالفقار اور حسام نکال کر خوب ان کو قتل کرو، بہت دنوں تک انہوں نے ہمارے شیعوں کو دبایا اور صدہا برس تک ان سے تقیہ کرایا، انہیں کمبخت سنّیوں کے سبب سے ہمارے شیعوں کو جھوٹ بولنا پڑا بلکہ شیعہ کیسے خود ہم اماموں کو سچ بولنا مشکل ہو گیا اور بمجبوری ذو وجہین بننا پڑا بہت کچھ تکلیف ان کم بختوں نے ہم کو اور ہمارے شیعوں کو دی ہیں، اب خوب بدلہ لو اور مزے سے چین کرو، حکومت کا نقارہ بجاؤ، ذوق وشوق سے سلطنت کرو اور اپنے ہزار برس کے دلی غبار سنّیوں سے نکال لو...... پس اے سنّیو! خدا کے واسطے شیعوں کا شکر ادا کرو کہ انہی کی بدولت تم کفر سے بچے اور انہیں پر رحم کر کے خدا نے تم کو تا ظہورِ امام کافر نہ گردانا اور اسلام کے احکام تم پر جاری کیے ...... اگر شیعہ نہ ہوتے تو یہ لطف تمہارے حق میں خدا ہرگز ہرگز نہ کرتا۔

یہ وجہ جو جناب قبلہ و کعبہ نے عدم اطلاق لفظ کفر کی نسبت سنّیوں کے تا ظہور امام بیان فرمائی، اس سے بے شک سارے اعتراض دفع ہو گئے، سنّیوں کی سب شیخی جاتی رہی، بھلا کسی سنّی کی مجال ہے کہ اس پر کچھ اعتراض کرے اور اسی وجہ کو جو دلائل فلسفیہ سے بڑھ کر مدلل ہے ردّ کر سکے، بے شک ہم ہارے اور مجتہد صاحب جیتے۔

اس تقریر کا جس کی متانت اور استحکام پر اس کے الفاظ و معانی خود شاہد ہیں، ہمارے پاس کچھ جواب نہیں ہے۔ اے حضراتِ امامیہ! تم غور سے سنو اور اس وجہ کو دل میں جگہ دو کہ بہت بڑی باریک بات قبلہ و کعبہ نے فرمائی اور نہایت حکم کی تقریر تم کو سکھلائی ہے۔ مجتہد ہوں تو ایسے اور محقق ہوں تو ایسے کہ جن کی تقریر پر ہر شخص کی زبان سے ''آمَنّا و صَدَقنا '' کے

سوا دوسرا کلمہ نہ نکلے اور جن کی بات کو سوائے بجا اور درست کے کوئی ردّ نہ کر سکے:

اذا قالت ❶ حذام فصد قوھا

فانّ القول ما قالت حذام

جب میں نے صوارم میں مجتہد صاحب کو دیکھا تھا کہ انہوں نے ذوالفقار پر بڑا ناز کیا ہے اور اس کی تقریر و تحریر کو لاجواب تصور فرمایا ہے اور اس کی نسبت یہ بھی ارشاد کیا کہ اب تک کسی نے جواب نہیں لکھا تو مجھے ذوالفقار کے بالاستیعاب دیکھنے کا شوق ہوا تا کہ دریافت ہو کہ وہ حکیمانہ دلیلیں اور فلسفی تقریریں کیا حضرت نے اس کتاب میں بھر دی ہیں کہ کسی نے اس کا جواب نہیں لکھا۔ جب اس کو اوّل سے آخر تک دیکھا تو خدا گواہ ہے کہ میں مبالغے سے نہیں کہتا ہوں کہ اس کے برابر کیا باعتبار عبارت کے، اور کیا بلحاظ مضمون کے، اور کیا بخیال انتشار مطالب اور کیا بوجہ خلط مبحث اور تقریر لا طائل کے میں نے کسی عالم کی کتاب کو اس سے زیادہ پوچ لچر نہیں پایا اور نظر اُٹھا کر دیکھنے کے لائق بھی اسے تصور نہ کیا، اسی واسطے شاید اس وقت تک کسی نے اس کا جواب نہ لکھا ہوگا، اگر کسی کو شک ہو تو جس قدر تقریریں اس کتاب کی میں نقل کر چکا ہوں ان کو بخوبی دیکھے اور میرے کلام کی تصدیق کرے۔

اب میں خاص اس وجہ پر جو عدم اطلاق کفر کی نسبت سنّیوں کے مجتہد صاحب نے بیان کیا ہے کچھ دو ایک لطیفے لکھتا ہوں اور شیعوں کو سناتا ہوں جو شائق ہوں وہ سنیں کہ میں جو کہتا ہوں وہ بڑے کام کی بات ہے اور بہ مقتضائے ''تدان'' سننے کے قابل ہے بس ''ایھا المومنون'' غور سے سنو:

سخن ما شنیدنی دارد

جلوہ مفت ست دیدنی دارد

---

❶ حذام عرب میں ایک عورت تھی کہ جب وہ کچھ بات کہتی تو اس کے عاشق سنا کرتے تھے اور کچھ زبان سے نہ کہتے، اسی عورت کے حال میں کسی شاعر نے یہ شعر کہا: ''جب کوئی بات حذام کہے اس کی تصدیق کرو اور کچھ نہ بولو کیونکہ بات تو وہی ہے جو وہ کہتی ہے اس کی بات کو کون ردّ کر سکتا ہے۔'' ۱۲

''ہماری بات سننے کے لائق ہے مفت کا جلوہ ہے جو دیکھنا چاہیے۔''

اوّل یہ کہ خدا نے سنیوں پر اطلاق اسلام کے لیے صرف یہی وجہ قرار دی ہے کہ ''تا بر شیعہ کار تنگ نہ شود'' (یعنی شیعوں کا معاملہ تنگ نہ ہو جائے) تو اس خدا نے ان کے حال پر ذرا زیادہ رحم کیوں نہ کیا اور سارے بت پرستوں اور کافروں کو ان کا بھائی کیوں نہ بنا دیا اور ان کی خاطر سے جس طرح ایک اصول امامت کے انکار سے باوجودیکہ وہ صریح کفر ہے سنیوں پر اسلام کا اطلاق کیا، کس لیے ان کی خاطر سے پانچوں اصول کے منکر پر لفظ اسلام کا اطلاق نہ فرمایا اس لیے کہ اب اسلام کے معنی وہ تو باقی ہی نہیں رہے جو کہ قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں بلکہ یہ ایک اصطلاحِ جدید مقرر ہوئی ہے (ولا مساحة فى الاصطلاح) تو پھر جس طرح پر کہ باوجود کفر کے اور ''مخلد فى النار'' ہونے ان کے شیعوں کے اوپر مہربانی کر کے ان کے اوپر اسلام کا اطلاق کیا اسی طرح پر اور کافروں پر بھی اس لفظ کے اطلاق کی اجازت دیتا تاکہ شیعوں کا دائرہ کار اور بھی زیادہ وسیع ہو جاتا۔

دوسرے، شیعوں کی خاطر سے تا ظہور امام محرمات کو حلال کیوں نہ فرمایا؟ ''تا کار برشیعیان تنگ نہ شود'' جب ان کی خاطر پر ہی کفر و اسلام کا اطلاق ٹھہرا اور خدا نے اپنے آپ کو انہیں کے اختیار میں دے دیا تو مناسب تھا کہ ان کے لیے سب چیزوں کو حلال کر دیتا کہ وہ خوشی سے شراب ارغوانی کے جام کے جام اڑاتے اور زنان مہ پارہ کے ساتھ ہم بستر ہو کر خوب ذوق وشوق سے حرام کرتے، سارے دنیا کے مال و متاع کو ان کے لیے حلال کرتا کہ جس کے گھر سے جو چاہتے لے جاتے اور خوب لوٹ مار کر کے اپنی معیشت کے دائرے کو وسیع کرتے، سب جانوروں کو اگرچہ خوک ہی کیوں نہ ہو ان کے لیے حلال کر دیتا تاکہ وہ خوب مزے سے نوش فرماتے اور بے چارے کسی بات کی تکلیف نہ اٹھاتے، نماز کو ان کے اوپر سے ساقط کر دیتا، روزے کو ان پر واجب نہ فرماتا تاکہ بے چارے کسی بات کی ذرا تکلیف نہ پاتے۔ اگرچہ میں نے اپنے نزدیک اس کو نہایت ہی عجیب اور ناممکن تصور کر کے لکھا ہے مگر حقیقت میں بہت سی باتوں کو حضرات شیعہ نے اپنے لیے حلال کر رکھا ہے، دیکھو

پانچ نماز کے بدلے تین وقت ہی پڑھتے ہیں دو وقت کی تکلیف سے محفوظ ہیں، نکاح کی قید سے آزاد ہی ہو گئے ہیں، متعہ کی بدولت خوب چین سے جس کو چاہتے ہیں رات بھر کی اجرت دے کر اپنے صرف میں رکھتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن بہتر ہو کہ وہ امام کے ظہور تک شریعت کی سب قیدیں جو تھوڑی بہت رہ گئی ہیں اڑا دیں اور خاصے ملحد بن جائیں اور اگر کوئی اعتراض کرے تو اپنے قبلہ وکعبہ کا قول نقل کر دیں کہ ”این تفضل خداست نسبت بحال شیعیان . “

تیسرے: اگر حقیقت میں خدا نے صرف شیعوں کے حال پر رحم کر کے سنیوں کو ظاہری کفر سے بچایا تو قید زمانہ ظہورِ امام کی بے جا ہے بلکہ ظہور مجتہد کی قید کافی تھی اور خدا کو یہ کہہ دینا کافی تھا کہ جب تک کسی مجتہد کا ظہور نہ ہو تب تک یہ حکم ہے، ورنہ جب کسی خطے میں زمین کے اس قدر عزت شیعوں کو ہو جائے کہ مجتہد صاحب مسند اجتہاد پر بیٹھ جائیں اور دو چار ہزار دنیا طلب ان کے گرد حاضر ہو جائیں اور وہ سُنّیوں کے ردّ میں کتابیں بھی لکھنا شروع کر دیں تب یہ حکم موقوف کر دیا جائے، اس لیے کہ (اذا فات العلة فات المعلول) جب علت ختم ہو تو معلول بھی ختم ہو جاتا ہے۔ پس تعجب ہے کہ لکھنؤ اور ایران میں یہ حکم کیوں اب تک جاری نہ ہوا اور ظہور امام کے لیے وہاں کس کا انتظار رہا۔ جبکہ مجتہد صاحب نے ”ذوالفقار“ کو دارالسلطنت لکھنؤ میں لکھ کر مشتہر کیا تھا اس وقت تو ان کو ایسی بات زیبا نہ تھی اس لیے کہ جو زور تشیع کا ان کے وقت میں وہاں تھا اس سے زیادہ ہونا تو کبھی ممکن ہی نہیں ہے، اس لیے کہ ان کو لکھنؤ میں یہ حکم جاری کر دینا تھا لیکن حقیقت میں انہوں نے جاری کر دیا تھا گو کتاب میں صاف نہیں لکھا مگر سنیوں کے کفر اور نجاست کا فتویٰ دے دیا تھا، یہ حال لکھنؤ میں ہو گیا تھا کہ اگر کوئی سنی کسی شیعہ پاک کے فرش پر جاتا تو وہ اس وقت دریا پر اس کو دھونے کے لیے بھیج دیتا اور ان کے یہاں کے کھانے پینے کو حرام اور ناپاک سمجھتا۔ پس حقیقت میں حضرت کا یہ فرمانا:

((حکم بطهارت ایشاں بکنید و دیگر احکام اسلام بر ایشاں

جاری کنید .))

''ان کو پاک سمجھو اور ان پر اسلام کے احکام جاری کرو۔''

فقط کتاب کی زینت دینے کے لیے ہے نہ کہ عمل کرنے کے لیے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کے مجتہد ٹھیک عیسائیوں کے پوپ اور پادریوں کے مطابق ہیں، جس طرح وہ اپنے آپ کو معصوم جانتے ہیں اور شریعت کے سارے احکام کے ردّ و بدل پر اختیار رکھتے ہیں وہی حضرات مجتہدین کا حال ہے کہ احکام نبویؐ کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہیں جو چاہا وہ حکم دیا، جب چاہا کفر کا اطلاق کر دیا، جب چاہا اسلام کا حکم دیا، چونکہ خدائی ان کے اختیار میں ہے، اس لیے جو چاہیں سو کریں اور جو دل میں آئے وہ فرمائیں، قیامت کو اس کا حال معلوم ہوگا، ہم ہوں گے اور مجتہد صاحب کا گریبان۔

چوتھے: مجتہد صاحب نے اپنی تقریر میں میراث کے باب میں فرمایا:

((میراث بایشاں بدھند و ازیشاں بگیرند .))

''ان (سُنّیوں) کو میراث دیں اور ان سے میراث لیں۔''

اور نکاح کی نسبت کہا:

((دختر از ایشاں بخواھند اور براہ دیانت دختر بایشاں بدھند .))

''ان سے لڑکی لیں اور دیانت داری سے ان کو لڑکیاں دیں۔''

کے کہنے سے شرم فرمائی، گویا سنیوں کو لڑکی دینا جائز نہیں ہے کہ اس کی شناعت کا حال اس شخص پر ظاہر ہوسکتا ہے جو ہماری کتاب کے چند ورق الٹ کر بحث نکاح ام کلثومؓ کو دیکھے۔

یہ بحث جو میں نے لکھی اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مجتہد صاحب ایمان کا اطلاق اصحاب ثلاثہؓ پر نہیں کرتے بلکہ ان پر ''اسلام'' کا اطلاق کرتے ہیں اور اسی کے ثبوت میں بہت سی سندیں لاتے ہیں مگر حقیقت میں ان کا یہ قول بھی غلط ہے اور انہیں کے محققین اور محدثین نے اس کو باطل اور غلط قرار دیا ہے۔ پس تعجب ہے کہ حضرت مجتہد صاحب سے کہ نہ

اس کو دیکھا اور نہ اسے نقل کیا اور خلاف اپنے پیشواؤں کے ''اسلام'' کا اطلاق کیا۔ افسوس! ہے کہ اپنے تشیع میں بھی کامل نہیں ہیں اور اپنے اصول سے بھی اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور کتاب لکھنے پر مستعد ہیں اور ناحق اپنے اہل مذہب کو اپنی پوچ تقریروں سے اور رسوا کرتے ہیں۔ و نعم ماقیل:

((در کفر ھم کامل نه زناررا رسوا مکن .))

''کفر میں پکے نہیں ہو زنّار کو رسوا مت کرو۔''

اب اس قول کو سنیے جو علماء اعلام شیعہ نے اس باب میں لکھا ہے اور نہ وہ علماء مثل ملا عبداللہ کے ہیں جس سے حضرت مجتہد صاحب انکار کریں نہ وہ ایسے گمنام ہیں کہ جن کے نام سے واقف نہ ہوں بلکہ اس علامہ اور محقق کی سند پیش کرتا ہوں جس کے علم و اجتہاد کا انکار گویا امامت کا انکار ہے اور اس کے تقدس کا اقرار گویا دین کا چھٹا اصول ہے، وہ کون ہیں جناب فضیلت مآب جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول، فاضل محقق، خبیر مدقق جناب ملا باقر مجلسی علیہ الرحمہ کہ وہ حدیث ارتدادِ صحابہ کو ''کافی'' سے نقل کر کے فرماتے ہیں:

((بیان قوله علیه السلام من ان یرتد واعن الاسلام ای عن ظاهره والتکلم بالشهادتین الی قوله ولیاتے ان الناس ارتد وا الا ثلاثه لان المراد منها ارتد واوهم عن الدین واقعا وهذا محمول علی بقائهم علی صورة الاسلام و ظاهره و ان کانوا فی اکثر الاحکام الواقعیة فی حکم الکفار وقص هذا بمن لم یسمع النص علی امیر المومنین علیه السلام ولم یبغضه ولم یعاده فان من فعل شیئاً من ذلك فقد انکر قول النبی صلی الله علیه وسلم و کفر ظاهراً ایضا ولم یبق له شئی من احکام الاسلام ووجب قتله .))

''امام کے قول کی وضاحت کہ وہ (اصحاب) اسلام سے پھر گئے یعنی ظاہر اسلام

سے اور کلمہ پڑھنے سے، الیٰ قولہ، کہ تین کے علاوہ سب مرتد ہو گئے کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ وہ واقعی طور پر دین سے منحرف ہو گئے۔اور یہ اس پر محمول ہے کہ وہ اسلام کی صورت اور ظاہر پر باقی اور قائم تھے اگر چہ اکثر حقیقی احکام میں وہ کفار کے حکم میں تھے۔اور اسی سے سمجھ لو کہ جس نے امیر المومنینؓ کی امامت کی نص نہیں سنی اور ان سے بغض و عداوت نہ رکھی (تو وہ ظاہراً مسلمان ہے اور حقیقتاً کافر) اور اگر کسی نے ان سے بغض و نفرت رکھی تو تو اس نے نبی ﷺ کے قول کا انکار کیا اور ظاہراً بھی کافر ہو گیا اور اس کے لیے اسلام کے احکام باقی نہ رہیں گے اور اس کا قتل واجب ہے۔''

خلاصہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جن اصحاب نے پیغمبر خدا ﷺ نے نص خلافت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نہیں سنا اور نہ ان کے ساتھ دشمنی رکھی ان پر اسلام کے احکام جاری ہیں گو بہ سبب بیعت خلفاء کے اکثر حقیقی احکام میں کفار کے احکام میں داخل ہیں مگر جس نے نص نبوی کو سنا ہے یا حضرت علیؓ سے دشمنی رکھی ہے وہ ظاہر میں کافر ہو گیا اور کوئی حکم احکام اسلام سے اس کے حق میں باقی نہ رہا اور اس کا مسلمان کہنا جائز نہیں ہے اور اس کا قتل کر دینا واجب ہے۔

اگر کسی کو یہ شک ہو کہ ملا باقر مجلسی نے ایسا فرمایا ہوتا تو کیوں کر مجتہد صاحب پھر اس کے خلاف خلفاء پر اسلام کا اطلاق کرتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا کام اس روایت کی تصحیح کرنا ہے اور تمہارا کام ہے اس کا تصفیہ کرنا کہ مجتہد سچے ہیں یا ملا باقر مجلسی حق پر ہیں۔ہم نے جو کچھ لکھا ہے سو اس کی تصدیق ہم سے سنو کہ اسی حدیث کو صاحب "استقصاء الافحام" "منتهی الکلام" کے جواب میں نقل کر کے فرماتے ہیں:

((اگر غرض از نقل ایں عبارت محض اثبات ایں معنی ست کہ صاحب بحار ثلاثه و اتباع ایشاں را کافر مید اند پس البته ایں معنی بسروچشم مقبول است اصلاً جای استنکاف و

انکار نیست .))

''اگر اس عبارت کے نقل کرنے کی غرض یہ ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ اور ان کے متبعین کو صاحب ''بحار الانوار'' کافر جانتا ہے تو یہ معنی سر آنکھوں پر منظور و مقبول ہیں اور اس مضمون سے ہرگز کسی قسم کا عار اور انکار نہیں ہے۔''

اور بحار الانوار ترجمہ فارسی کی عبارت یہ ہے:

((ایں حکم یعنی بقای ظاهر اسلام مخصوص بکسی ست که از رسولِ خدا ﷺ نص بر خلافت امیر علیه السلام نشنیده و بغض وعداوت آنحضرت نداشته چه مرتکب ایں امور منکر قولِ پیغمبر ﷺ ست و بحسب ظاهر هم کافر ست و هیچك از احکام برای او ثابت نیست و قتلش واجب ست .)) انتهی بلفظه .

''یہ حکم یعنی ظاہری اسلام پر باقی رہنا اس شخص کے لیے ہے جس نے امیر المومنینؓ کی خلافت پر رسول اللہ ﷺ کی نص نہ سنی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت نہ رکھتا ہو، کیونکہ ان امور کا مرتکب پیغمبر ﷺ کے قول کا منکر ہے اور ظاہری اعتبار سے بھی کافر ہے اور اسلام کا کوئی بھی حکم اس کے لیے ثابت نہیں، اس کا قتل واجب ہے۔''

غرض کہ اگر حضرات شیعہ انصاف کریں اور تعصب و عناد کو دخل نہ دیں تو جناب قبلہ و کعبہ کے تقدس و دیانت پر افسوس کریں کہ حضرت نے سارے اقوال جو اس مقام کے مفید تھے نقل کیے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا:

((دَردارِ دُنیا احکامِ اسلام بر اینها جاری می شود گو در دارِ آخرت مخلد بنار خواهد بود .))

''دنیا میں تو ان (اصحاب رضی اللہ عنہم) پر اسلام کے احکام جاری ہوں گے لیکن

آخرت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں گے۔''

اپنے امام اور علامہ کے قول کو نقل نہ کیا جس سے اسلام ظاہری سے اطلاق کرنا بھی خلفاء پر نادرست ہے بلکہ کفر ہے۔ عجب حال ہے حضرات شیعہ کا کہ کسی بات پر ثابت قدم نہیں رہتے اور ایک کلمے پر قائم نہیں رہتے، کبھی کہتے ہیں کہ اصحاب وخلفاء مسلمان تھے ظاہر میں ان پر احکام اسلام کے جاری تھے، کبھی فرماتے ہیں کہ وہ کافر مطلق تھے اور ان کا قتل کرنا واجب تھا، خدا اس قوم کو اپنے عدل کا مزہ چکھائے اور جو کچھ خرابی دین محمدی کی انہوں نے کی ہے اس کا بدلہ لے۔

ایھا المومنون ! ذرا ''ذوالفقار'' کو اٹھا کر دیکھو کہ اس میں اجرای احکام ظاہری اسلام کا خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کس زور وشور سے دعویٰ کیا ہے اور پھر ''بحارالانوار'' اور ''استقصاء'' کو دیکھو کہ انہوں نے انکارِ کفر کس صفائی سے ظاہر کیا ہے اور اپنے اس اختلاف کی خود داد دو۔

((فاعتبر وایا اولی الابصار وانظر وا الی ھؤلاء الکبار لانھم فی کل وادیھیمون و فی کل تیه یتیھون تلك ایات الله نتلوھا علیك بالحق فبای حدیث بعد الله وایاته یومنون .)) [1]

جو کچھ ہم نے اب تک بیان کیا اس سے یہ ثابت ہوا کہ علماء شیعہ کفر و اسلام میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف ہیں، یعنی ان پر کچھ ''اسلام'' کا اطلاق کرتے ہیں اور اکثر کفر کا اطلاق کرتے ہیں وہ بھی صرف بہ نظر ترحم حال شیعیان علیؓ کے اور بیان میں کفر و اسلام کو برابر سمجھتے ہیں، اس لیے اب ہم اس سے بحث کرتے ہیں کہ ان پر کفر کا اطلاق کس وجہ سے ہے، آیا اس وجہ سے کہ وہ توحید کے منکر تھے، خدا کو ایک نہ جانتے تھے۔

---

[1] پس غور کروائے صاحبان بینائی اور دیکھوان بڑوں کی طرف تحقیق وہ لوگ ہر جنگل کے بیچ گھومنے والے ہیں اور ہر میدان کے بیچ پھرنے والے ہیں، یہ باتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک پھر کون سی بات کو اللہ اور اس کی باتیں چھوڑ کر مانیں گے۔۱۲

لات وعزیٰ کی عبادت کرتے تھے، ابوجہل وابولہب وغیرہ کے مثل بت پرست تھے۔ یا نبوت کے منکر تھے، پیغمبر ﷺ کو سچا نبی نہ جانتے تھے بلکہ اور کافروں کی طرح ایمان میں ان کی تکذیب کرتے تھے یا صرف امامت کے منکر تھے اور توحید و نبوت میں کامل تھے۔ پس ہم تینوں صورتوں سے علیحدہ علیحدہ علاحدہ بحث کرتے ہیں۔

بعض علماء شیعہ تینوں امروں کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حقیقت میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اوّل ہی سے ایمان نہیں لائے اور خدا کی توحید اور پیغمبر ﷺ کی نبوت کے سچے دل سے معتقد نہیں ہوئے۔ چنانچہ یہ امر شیعوں کے نزدیک مسلمات سے ہے اور اس پر سند لانے کی کچھ حاجت نہیں ہے اور خود مجتہد صاحب ''ذوالفقار'' میں جابجا "از [1] امر از ایمان بھرہ نداشت" کا لفظ تحریر فرماتے ہیں۔

اس کے جواب میں جو کچھ ہم کو لکھنا تھا وہ اوپر بحث ایمان شیخین رضی اللہ عنہم میں لکھ چکے اب انہی تقریروں کا اِعادہ نہیں کرتے لیکن علاوہ ان دلیلوں کے ان کے ایمان کو اور دلائل سے ثابت کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ جو دعویٰ نفاق کا بہ نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم کے حضرات شیعہ نے کیا ہے وہ باطل ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے منافق نہ ہونے کا اثبات دلائل سے:

دلیل اوّل:...... یہ تو ظاہر ہے کہ خلفاء ثلاثہ اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اجمعین ظاہر میں مسلمان تھے اور توحید و نبوت کا اقرار کرتے تھے، پس ان کے ظاہری ایمان سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا، باقی رہا یہ کہ دل میں توحید اور نبوت کے منکر تھے اور اس وجہ سے وہ منافق تھے تو اس کا ثبوت دینا چاہیے ورنہ ہر خارجی اور ناصبی جناب امیر علیہ السلام کی نسبت "وحاشا جنابهم عن ذالك" بھی کہہ سکتا ہے پس جس طرح پر تم ان خارجیوں کو جواب دو گے اور جس طرح سے جناب امیرؓ کے ایمان کو ثابت کرو گے وہی ہماری طرف سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں سمجھو۔

دلیل دوم:...... اگر صحابہ رضی اللہ عنہم منافق ہوتے جیسا کہ جابجا مجتہد صاحب اور ان کے

---

[1] (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) شروع سے ہی ایمان نہ لائے تھے۔۱۲

بزرگوں نے دعویٰ کیا ہے تو ضرور ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ ان سے بیزاری کرتے اور ان کو اپنے مشورے اور صلاح میں شریک نہ کرتے اور جہاں اور لڑائیوں میں ان کو اپنے ساتھ نہ لیتے اور ہجرت میں اپنا شریک نہ کرتے اور خدا بھی ان سے بیزاری کا حکم دیتا اور پیغمبر ﷺ کو ان کی صحبت سے منع کر دیتا اور ان کے اوپر جہاد کا حکم کرتا اور ان کو بدترین وقت کی حالت پر پہنچاتا، اس لیے کہ خدا نے منافقین کے حق میں ایسا ہی فرمایا ہے اور ایسا ہی کیا ہے اور افسوس ہے کہ جناب قبلہ وکعبہ نے ''ذوالفقار'' میں بعض ان آیات کو خود ہی نقل کر کے ہماری طرف سے جواب دیا ہے، چنانچہ جو آیتیں شاہ صاحب نے ''تحفہ'' میں فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم میں لکھی ہیں ان کے معارضے میں وہ آیتیں جو کہ منافقین کی شان میں ہیں جناب قبلہ وکعبہ نے پیش کیں اور یہ نہ خیال کیا کہ انہی آیتوں سے ان کا دعویٰ غلط ہوتا ہے اور خدا ان کو اپنے کلام سے جھوٹا کرتا ہے، چنانچہ منجملہ ان آیتوں کے ایک آیت یہ ہے:

﴿مِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ۝﴾

(سورۂ توبہ: ۱۰۱)

''بعض مدینے والے اڑ رہے ہیں نفاق پر تو ان کو نہیں جانتا ہم کو معلوم ہیں ان کو عذاب کریں گے دو بار پھر پھیرے جائیں گے بڑے عذاب میں۔''

اب خدا کے لیے اس آیت میں لفظ ﴿مِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ﴾ کا خیال کرو اور سوچو کہ اس آیت کا مضمون خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم جو کہ مکہ کے رہنے والے تھے کیوں کر صادق ہو گا۔ علاوہ بریں خدا اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ وہ دو مرتبہ عذاب دیے جائیں گے اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد عذاب دنیاوی ہے تو سوائے منافقین کے جن کا حال کھل گیا اور جو مارے گئے اور ذلیل ہو گئے اس آیت کا مضمون صحابہ کبار رضی اللہ عنہم پر کیوں کر صادق ہو گا۔ اس کے علاوہ آیت میں خدا فرماتا ہے کہ ﴿لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ﴾ تو ان کو نہیں جانتا بلکہ ہم جانتے ہیں، حالانکہ موافق اصول اور روایات شیعہ کے پیغمبر خدا ﷺ کو خلفاء ثلاثہ کے نفاق کا حال

معلوم تھا جیسا کہ ہم اوپر حدیث سے بروایت ''زادالمعاد'' نقل کر آئے ہیں اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ان کے نفاق کا حال حذیفہ رضی اللہ عنہ صحابی سے بھی کہہ دیا تھا۔

ایک دوسری آیت مجتہد صاحب معارضے میں فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کے اپنی ''ذوالفقار'' میں لکھتے ہیں:

﴿لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (سورۂ انفال: ٦٨)

''اگر نہ ہوتی ایک بات کہ لکھ چکا اللہ آگے سے تو تم کو پڑتا اسے لینے میں بڑا عذاب۔''

اس آیت کی ہم اوپر تشریح کر چکے ہیں مگر اب اور زیادہ تصریح کے ساتھ بیان کرتے ہیں...... یہ آیت درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ہے، اس لیے کہ بدر کی لڑائی کے فتح ہونے کے بعد بیشتر کافر قید ہوئے تو پیغمبر خدا ﷺ نے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کی نسبت کیا کیا جائے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قتل کیے جائیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فدیہ لیا جائے، چنانچہ حضرت نے فدیہ لیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔اس کی تصدیق خود مفسرین شیعہ کرتے ہیں۔

پہلا ثبوت: علامہ طبرسی اپنی تفسیر ''مجمع البیان'' میں فرماتے ہیں:

((قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یارسول الله كذبوك و اخرجوك فقدمهم واضرب اعناقهم ومكن عليًا من عقيل فيضرب عنقه و مكنى من فلان اضرب عنقه فان هٰؤلاء ائمة الكفر و قال ابوبكر اهلك وقومك خذ منهم فدية يكون لناقوة على الكفار قال ابن زيد فقال رسول الله ﷺ لونزل عذاب من السماء ما نجامنكم غير عمر بن الخطاب وسعد بن معاذ رضی اللہ عنہ.))

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر خدا ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہ! ان کافروں نے

آپ کو جھٹلایا اور آپ ﷺ کو مکے سے نکالا ان کی گردنیں مارنا چاہئیں، عقیلؓ کو علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کرو کہ وہ اسے مارے اور فلاں شخص کو میرے سپرد کرو کہ وہ میں اسے قتل کروں، کیونکہ یہ سب کفر کے پیشوا ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ سب آپؐ ہی کی قوم کے لوگ ہیں، ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینا چاہیے، چنانچہ وہ چھوڑ دیے گئے۔ ابن زید کہتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے کوئی نجات نہ پاتا۔"

دوسرا ثبوت:......کا شانی تفسیر "خلاصة المنهج" میں لکھتا ہے:

((روز بدر هفتادتن اسیر شدند حضرت درباب ایشان با اصحاب مشوره کرد ابوبکرؓ که از مهاجرین بود گفت یارسول الله صلی الله وآله وسلم اکابروا صاغرایں قوم اقارب و عشائر تو اند، اگر هر یك بقدر طاقت و استطاعت فدای بدهدباشد که روزے بدولت اسلام برسد......)) الخ

"بدر کے دن ستر (کافر) قید ہوئے، حضرت ﷺ نے ان کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، ابوبکرؓ نے جو کہ مہاجرین میں سے تھے کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہ چھوٹے بڑے آپؐ ہی کی قوم کے ہیں، اگر ہر ایک بقدر طاقت و حیثیت فدیہ دے دے اور وہ چھوٹ جائے تو ہوسکتا ہے کہ کسی دن اسلام لے آئیں۔"

اے مومنین! تم کو دل سے اپنے مجتہد صاحب کے تبحر اور فضیلت کی داد دینی چاہیے کہ معارضہ میں فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کے وہ آیت پیش کی جس سے اور بھی فضیلت خلیفہ ثانی کی ثابت ہوگئی، سچ ہے ((الحق يعلو ! ولا يعلى .)) شعر......

عدو شو سبب خیر گر خدا خواہد
خمیر مایۂ دوکان شیشہ گر سنگ ست

اس آیت کے معارضہ میں پیش کرنے سے ہم بھی دل و جان سے اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان کے تقدس اور فضیلت کی داد دیتے ہیں لیکن اگر ان کے کسی مقلد کو صرف تفسیر ''مجمع البیان'' کی ایک روایت پر سیری نہ ہو اور وہ اس کی تائید میں دوسری روایت کا طالب ہو تو بسم اللہ ہم دوسری سند اسی قول کی تائید میں ایک بڑے شیعی عالم فاضل کی پیش کرتے ہیں۔

تیسرا ثبوت:......ابن جمہور صاحب ''غوالی اللآلی'' جو اکابر امامیہ میں علم و فضل میں مشہور ہیں، روایت کرتے ہیں:

((ان النبی ﷺ اخذ سبعین اسیراً یوم البدر و فیهم العباس و عقیل بن عمه فا ستشار ابابکرؓ فیهم فقال و قومك و اهلك واستبقهم لعل الله یتوب علیهم وخذ الفدیة لقوی بها احبابك فقال عمر نبذوك و اخرجوك فعذبهم و اضرب اعناقهم فانهم ائمة الکفر ولا تا خذهم الفداء مکن علیًّا من عقیل و حمزة من العباس و مکنی من فلان و فلان فقال ﷺ ان الله یلین قلوب رجال حتی تکون الین من اللبن و یقسی قلوب رجال حتی تکون اشد من الحجارة فمثلك یا ابابکر مثل ابراهیم اذ قال فمن تبعنی فانه منی و من عصانی فانك غفور الرحیم و مثلك یا عمر مثل نوح اذقال رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ ثم ان شئتم قتلتم وان شئتم فادیتم ویستشهد منکم بعدتهم فقالوا بل ناخذ الفداء ما استشهد بعد تهم فاخذ کما قال صلی اللّٰه علیه واله وسلم .))

''نبی ﷺ نے بدر میں ستر لوگوں (کافروں) کو قیدی بنایا جن میں آپؐ کے چچا عباسؓ اور چچا زاد بھائی عقیلؓ بھی تھے۔ ابوبکرؓ سے ان کے بارے میں آپ ﷺ نے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا کہ یہ آپ کے گھر اور آپ کی قوم کے لوگ ہیں ان کو مارئیے مت، شاید اللہ ان کو ایمان کو توفیق دے دے، آپؐ ان سے فدیہ لے لیں اس سے آپ کو قوت ملے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے آپ کو چھوڑا اور (وطن سے) نکالا ان کو سزا دیجئے اور گردنیں مار دیجئے یہ کافروں کے پیشوا ہیں فدیہ نہ لیجیے عقیلؓ کو علی رضی اللہ عنہ کے اور عباسؓ کو حمزہؓ کے حوالے کیجیے اور فلاں فلاں کو مجھے دیجئے (تا کہ ان کو قتل کریں) حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دل دودھ سے زیادہ نرم کر دیتا ہے اور بعض کے دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت کر دیتا ہے۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے انہوں نے کہا تھا کہ جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے تو تو معاف کرنے والا رحم والا ہے۔ اور اے عمر! تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ! زمین پر کوئی کافر بسنے کے لیے نہ چھوڑ، پھر اگر تم چاہو تو قتل کر دو یا فدیہ لے لو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہم فدیہ لیں گے، چنانچہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا گیا۔''

اس علامہ کی تحریر کا جو بلفظہ نقل کی گئی اصل مطلب تو وہی ہے جو اوپر ''مجمع البیان'' سے منقول ہوا مگر اس عالم نے اتنا اور زیادہ کر دیا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی باتوں کو سن کر کہا کہ خدا کی شان ہے کہ بعضوں کے دلوں کو تو مثل دودھ کے نرم کر دیتا ہے اور بعضوں کے دلوں کو پتھر کی طرح سخت کر دیتا ہے اور یہ کہہ کر حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! تیری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے خدا سے کہا کہ جو میری اطاعت کرتا ہے وہ مجھ سے ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے سو بخشنے والا مہربان ہے اور اے عمر! تیری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے کہ انہوں نے خدا سے کہا کہ اے پروردگار!

زمین میں کسی کافر کو نہ چھوڑ۔

پس اے حضرات مومنین! جن کو تمہارے مجتہدین منافق کہتے ہیں وہ ایسے منافق تھے کہ اپنے باپ بھائیوں کو خدا کے لیے قتل کرنے پر مستعد تھے اور قتل کرتے تھے اور پیغمبر خدا ﷺ اُن کی تمثیل پیغمبروں سے دیتے تھے، شان ہے خدا کی کہ ایسے لوگوں کو منافق کہتے ہیں، منافق کچھ بھی شرم وحیا کا خیال نہ کریں اور جنھوں نے کفر ونفاق کی جڑ عرب سے کھودی انہیں کو کافر اور منافق کہیں:

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْا اِلَّا كَذِبًا﴾

(سورۂ کهف: ۵)

''کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔''

اگر اس روایت پر بھی سیری نہ ہو اور فارسی خواں شیعی کسی فارسی تفسیر سے اس روایت کی تصدیق چاہیں تو بفضلہٖ تعالیٰ وہ بھی حاضر ہے۔

چوتھا ثبوت:...... ''کنز العرفان'' سے شیعوں کے علامہ رازی نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کو ان لفظوں سے نقل کیا ہے:

((روایت ست کہ در روز بدر هفتاد تن اسیر گرفته بودند ازانجمله عباس و عقیل بودند حضرت رسالت صلی الله علیه وآله وسلم دربا ایشان باصحاب مشوره فرمود ابوبکرؓ گفت که اکابر و اصاغر ایں قوم اقارب و عشائر تو اند اگر هر یك بقدر طاقت و استطاعت فدائے بدهند باشد که روزے بهدایت برسند و حالا عددو مدد مسلمانان زیاده شود، عمرؓ گفت یارسول الله اینان تکذیب کردند تراوبیرون کردند اینها ائمه کفر اند همه رابفرمائی تاگردندزنند و مگیراز یشان فدیه عقیل رابعلی سپار و عباس رابحمزه و فلاں رابمن تاگردن

زنیم آنحضرت ﷺ فرمود کہ حق سبحان و تعالیٰ دلھائے مردم را آگاہ است کہ نرمی سازد و بمرتبہ کہ نرم تراز شیر ست و دیگر دلھامی باشد کہ سخت تراز سنگ است مثل تو اے ابابکرؓ ھمان مثل ابراھیم علیہ السلام ست کہ گفت ﴿فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ و مثل تو اے عمر ھمچو مثل نوحؑ ست وقتیکہ گفت ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ .))

”روایت ہے کہ جنگ بدر میں ستر آدمیوں کو مسلمانوں نے گرفتار کیا جن میں عباسؓ اور عقیلؓ بھی تھے، رسول اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ کیا جس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ قوم کے بڑے اور چھوٹے آپؐ کے رشتہ دار ہیں، اگر ہر ایک اپنی استطاعت کے بہ موجب فدیہ دے کر رہائی حاصل کریں تو امید ہے کہ یہ ایک دن یہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی، اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! ان لوگوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا اور آپ کو وطن سے نکالا۔ یہ کافروں کے سردار ہیں، ان سب کی گردنیں مارنے کا حکم صادر فرمایا جائے اور ان سے فدیہ نہ لیا جائے، عقیلؓ کو علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیجیے، عباسؓ کو حمزہؓ کے اور فلاں کو میرے سپرد فرمایے تا کہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں، اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ واقف ہے جو اپنے بندوں کے دل دودھ سے زیادہ نرم کر دیتا ہے اور اکثر دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت کر دیتا ہے اور اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو اے اللہ! تو بخشنے والا کرم پرور ہے اور اے عمر! تمہاری مثال نوح علیہ السلام کے مانند ہیں، جیسا کہ انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ! زمین پر کسی کافر کو بسنے کے لیے باقی نہ رکھ۔“

غرض کہ اے حضرات امامیہ! ذرا غفلت کی آنکھ کھولو اور اپنے قبلہ وکعبہ کے حال پر رحم کرو کہ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا اس سے الٹی فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کی ثابت ہوئی اور ساری محنت ان کی خاک میں مل گئی......اصل یہ ہے کہ ''ذوالفقار'' کی تالیف کی نسبت خود حضرت لکھ چکے ہیں کہ دس بیس روز کے عرصے میں تالیف کی تھی اور عجلت بہت فرمائی تھی اسی سے یہ خرابی ہوئی، اگر سوچ سمجھ کر لکھتے اور غور وتامل کو دخل دیتے تو ایسی غلطی کبھی نہ فرماتے اور فضیلت کی آیت کو معارضے میں پیش نہ کرتے، خیر اب تو جو کچھ ہوا سو ہوا اب بجز اس کے کہ حضرت شیعہ افسوس کریں اور دل میں شرمائیں کیا ہوتا ہے۔

اے حضرات! اسی لیے ہم نے اوپر کہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ زرارہ اور ہشام ہی کے اقوال کی سند لایا کرو، لِلّٰہ خدا کے واسطے قرآن مجید کی طرف توجہ نہ کرو اور اس کی آیتوں سے سند نہ لاؤ، اس لیے تم کو اس کے مطلب سے واقفیت نہیں ہے اور اس کے شان نزول سے آگاہ نہیں ہو اور اس کو قرآنِ محرف اور بیاضِ عثمانی رضی اللہ عنہ جانتے ہو، اگر ہمیشہ دیکھا کرو اور اس کے نظم پر غور کرتے رہو تو ایسا دھوکہ نہ کھاؤ ورنہ ایسے ہی مغالطے ہوں گے اور جس امر کے اثبات میں کوئی آیت لاؤ گے اسی سے اس کی تردید ہوگی، اس قرآن دانی پر شاہ صاحب مؤلف ''تحفہ'' کے جواب لکھنے کا ارادہ کیا بلکہ ان کا مقابل بننے پر اظہار عار وننگ فرمایا اور استاد کا یہ شعر جس کو ''صوارم'' میں خود حضرت نے لکھا ہے بھول گئے کہ: شعر......

مشو ہم پنجہ با من گرچہ سحر سامری داری
زبانم در سخن گفتن ید بیضاست می گویم

''ہم سے پنجہ نہ لڑانا، گرچہ سامری کا جادو رکھتے ہو، اس لیے کہ ہماری زبان بھی تو ید بیضا ہے۔''

میں اپنی بحث کو ختم نہیں کرتا ایک اور شبہے کو جو اکثر حضرات شیعہ کیا کرتے ہیں بیان کرتا ہوں کہ......بعضے حضرات کہا کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو ناصبی یہ تہمت کرتے ہیں کہ وہ شیخین رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کرتے تھے وہ ان کی تہمت ہے، یہ امر

کیوں کر ممکن ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ صاحب الوحی والالہام کسی سے مشورہ کریں۔اوراس ابلہ فریبی کی تقریر کوسن کر جہلاء گھبرا جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ سچ تو ہے کہ رسول مقبول ﷺ جن پر ہر معاملے کے لیے خداوحی بھیج دے اور جس سے سب باتیں جبرئیل علیہ السلام کہہ جائیں اور جن کی شان ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [1] (النجم: ٣، ٤) ہو وہ ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے صلاح لیں، بے شک یہ بات عقل کے خلاف اور قیاس سے باہر ہے اور ایسی تقریروں سے قرطاس وغیرہ کے مطاعن کو خوب رونق دیتے ہیں۔اس لیے میں ان حضرات سے کہتا ہوں کہ وہ اس آیت پر غور کریں جس کو مجتہد صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی برائی ظاہر کرنے کے لیے تحریر فرمائی ہے اور پھر ان کی تفسیروں کو دیکھو اور پھر دیکھو کہ اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنا ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اور ان مشورہ دینے والوں میں سب سے اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام ہے یا نہیں...... دیکھو اور پھر دیکھو اور خوب غور سے دیکھو کہ مشورہ کرنا رسول اللہ ﷺ کا ان سے اور ان کا حضرت ﷺ کو صلاح دینا تمہارے مفسرین کے قول سے ثابت ہوتا ہے یا کچھ اس میں فرق ہے۔﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ○﴾ [2] (الملك: ٦٧)

سبحان اللہ، سبحان اللہ! شیعوں کو ایسے لوگوں کی نسبت منافق کا لفظ کہتے ہوئے کچھ خدا کا خوف، رسول ﷺ کا لحاظ بھی ہوتا ہے یا نہیں اور قیامت کے مواخذہ سے بھی ڈرتے ہیں یا نہیں، جناب مجتہد صاحب نے ایسے صحابہ کبار کے منافق لکھنے میں یہ بھی خیال نہ کیا کہ آخر ایک روز انتقال کرنا ہے اور خدا کو جواب دینا ہے، جو کچھ ہم کتاب میں لکھتے ہیں اس کا خدا کو کیا جواب دیں گے، رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے جو ہم ان کے حواریین اور

---

[1] ترجمہ: ''اور نہیں بولتا اپنی چاؤ سے یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے اس کو۔''

[2] ترجمہ: پھر دوہرا کر نگاہ کو کہیں دیکھتا ہے شگاف، پھر دوہرا کر نگاہ دو دو بار الٹی آئے تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر۔'' (سورۂ ملک) ۱۲

اصحاب کو جن سے وہ مشورہ لیتے تھے، جن کو اپنا مصاحب بنائے ہوئے تھے، منافق کہتے ہیں، اگر یہ ڈر ہوتا اور اس پر یقین رکھتے ہوتے کہ قیامت کے دن جب ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جائیں گے اور ''ذوالفقار'' کی کفریات پر ملائکہ عذاب [1] ﴿اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا﴾ (الاسراء: ١٤) خدا کی طرف سے کہیں گے اس وقت کیا حال ہو گا، نہ ان کے مقلدین بچا سکیں گے، نہ ان کا اجتہاد کام آئے گا...... توبہ توبہ جان بوجھ کر یہ لوگ کفریات بکتے ہیں اور مراتب صحابہ رضی اللہ عنہم پر یقین رکھ کر اسی سے انکار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر وہ لغویات منہ سے نکالتے ہیں کہ جن کو سن کر کفار بھی الامان الامان! پکارتے ہیں...... حقیقت میں نہ یہ مبالغہ ہے، نہ تعصب ہے، امر حق کا اظہار ہے کہ جس طرح پر دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرقے نے اور خوارج نے خراب کیا ہے وہ کسی دوسرے نے نہیں کیا، وہ وہ باتیں دین میں داخل کیں کہ جن کو خدا کسی مسلمان کے کان تک نہ پہنچائے ان کے کفریات اور ہزلیات اور لغویات پر شیطان بھی حیران ہوگا اور وہ بھی ان کی شان میں کہتا ہو گا...... اگر کوئی حضرات شیعہ نہایت ہی غور کو داخل دیں اور قرآن مجید کی اس آیت کو مکرر سہ کر عینک لگا کر پڑھیں اور دو چار مجتہد جی ان کے مل کر یہ فرمائیں کہ خاص آیت میں تو ذکر مشورہ کرنے کا نہیں ہے، اس لیے ہم اسے نہیں مانتے اور جو تفسیریں تم نے بیان کیں ان کو بھی ہم قبول نہیں کرتے، اگر مشورہ لینے کا حکم خدا کا ہوتا تو آیت میں اس کا ذکر ہوتا...... جواب اس کا یہ ہے کہ قرآن کو ذرا اوّل سے آخر تک پڑھو اور دیکھو کہ خدا نے مشورہ کرنے کا ارشاد کیا ہے یا نہیں، چنانچہ اب ہم اسی آیت کو بیان کرتے ہیں۔

مسلمان نشنواد و کافر مبینا [2]

دلیل سوم:...... اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ

---

[1] ترجمہ: ''پڑھ لے لکھا اپنا تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔'' (سورۂ بنی اسرائیل) ۱۲

[2] مسلمان کو نہ سنے اور کافر کو نہ دیکھے۔۱۲

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔﴾ (سورہ آل عمران : ۱۵۹)

"بہ نسبت رحمت خدا کے تو ان پر نرم ہو گیا ہے اگر تو سخت ہوتا تو وہ تیرے پاس سے بھاگ جاتے، پس عفو کر ان سے اور استغفار کر ان کے لیے اور مشورہ کر ان سے۔"

خیال کرنے کی بات ہے کہ جناب احدیت کس قدر عنایت سے پیغمبر خدا ﷺ کو صحابہؓ پر رحم کرنے کا اور ان کے زلات وقصورات کو معاف کرنے کا اور ان سے مشورہ لینے کا حکم کرتا ہے اور اس سے کیسی کچھ خدا کی مہربانی صحابہؓ کی نسبت ظاہر ہوتی ہے۔ پس اس سے زیادہ اصحابؓ رسول ﷺ کی فضیلت کے لیے کون سی دلیل و برہان چاہیے اور آیاتِ خدا سے بڑھ کر کس کی شہادت ہم پیش کریں، اب ہم اس آیت کی تفسیر کو جو علماء شیعہ نے کی ہے بیان کرتے ہیں۔ علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں:

((فاعف عنهم مابينك وبينهم واستغفرلهم بينهم و بينى و قيل معناه فاعف عنهم فرارهم باحد واستغفرلهم من ذلك الذنب و شاورهم فى الامر اى استخراج رائهم واعلم ما عندهم۔ واختلفوا فى فائدة مشاورته ايا هم مع استغناء مايوحى عن تعرف صواب الراى من العباد على اقوال احدها ان ذلك على وجه التطيب لنفوسهم والتاليف لهم والرفع من اقدارهم لتبيين انهم ممن يوثق باقوالهم ويرجع الى ارائهم عن قتادة والربيع وابن اسحاق، وثانيها ان ذلك لتقتدى به امته فى المشاورة ولم يردها نقيصة كما مدحوا بان امرهم شورى بينهم عن سفيان بن عيينة و ثالثها ان ذلك الامرين لاجلال اصحابه وليقتدى امته فى ذلك عن الحسن و الضحاك ورابعها ان ذلك ليمتحنهم بالمشاورة ليتميز الناصح من الناس وخامسها ان ذلك فى امور الدنيا ومكائد

الحرب ولقاء العدوو فی مثل ذلك یجوز ان یستعین بآرائهم عن ابی علی الجبائی .)) انتهی بلفظه .

”یعنی خدا کے اس کہنے کا کہ معاف کران سے یہ مطلب ہے کہ جو تمہارے ان کے بیچ ہے اور اگر وہ اس میں کچھ چوک جائیں یا کچھ تیرا قصور کریں تو تو معاف کر، اوران کے لیے استغفار کر اس کا مطلب یہ ہے کہ جو معاملہ ہمارے اوران کے بیچ میں ہے اوراس میں وہ چوک جائیں یا گناہ کریں تو تو ان کی معافی کے لیے ہم سے استغفار کر، اور مشورہ کران سے اس کا مطلب یہ ہے کہ مشورہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رائے لے اور دیکھ کہ وہ کیا کہتے ہیں ......اور پھر یہ فقیر بیان کرتا ہے کہ مشورہ لینے کے فائدہ میں اختلاف ہے کہ باوجود مستغنی ہونے پیغمبر خدا ﷺ کے بوجہ وحی کے دریافت رائے صواب سے کسی بندہ سے مشورہ لینے کا کیوں حکم ہوا اوراس میں لوگوں نے بہت سے قول کیے ہیں۔“

پہلا قول: ......یہ کہ یہ حکم اس لیے ہے تا کہ اصحابؓ رسول کے دل خوش ہوں اوران کو محبت اور الفت پیدا ہو اوران کا مرتبہ بلند ہو اوران کی قدر ہو کہ یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جن سے رائے لی جاتی ہے۔ یہ قول ہے قتادہؒ، ربیعؒ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ کا۔

دوسرا قول: ......یہ ہے: تا کہ امت نبوی اس کی اقتدا کریں اوراس کو عیب نہ سمجھیں، جیسا کہ صحابہ رسول ﷺ کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ وہ جو کام کرتے تھے سو صلاح ومشورہ سے کرتے تھے، یہ قول ہے سفیان بن عینیہؒ کا۔

تیسرا قول: ......یہ ہے کہ اس سے دو فائدے منظور تھے، ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت دوسرے امت کی اقتدا اس بات میں۔ یہ قول ہے حسنؒ اور ضحاکؒ کا۔

چوتھا قول: ......یہ ہے کہ امتحان ہو جائے کہ دوست کون ہے اور دشمن کون۔

پانچواں قول: ......یہ ہے کہ یہ مشورہ لینے کا حکم امور دنیا میں اور لڑائی کی باتوں میں

ہے اور ایسی باتوں میں ان سے صلاح لینا جائز ہے۔ یہ قول ہے ابی علی جبائی کا۔فقط
اس تفسیر سے چند فائدے حاصل ہوئے:

۱۔ یہ کہ خدا اپنے پیغمبرؐ سے فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ بہ اِقتضائے بشریت تیرا قصور کریں تو تو خود انہیں معاف کر دے اور اگر میرا گناہ ان سے ہو جائے تو ان کے لیے مجھ سے استغفار کر، سبحان اللہ کیا مہربانی ہے خدا کی صحابہ رضی اللہ عنہم کے حال پر کہ ان کی خطاؤں کی عفو کرنے کے لیے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی سفارش کرتا ہے اور ان کے گناہوں کے خود معاف کرنے کے لیے اپنے پیغمبرؐ کو ان کے واسطے شفاعت کا حکم دیتا ہے۔ افسوس ہے شیعوں کے حال پر کہ وہ ایسے ہی لوگوں کو کافر اور منافق کہتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ جنگ احد کے فرار کا عفو اس سے ثابت ہوتا ہے جس پر بہت کچھ زبان درازی حضرات شیعہ کرتے ہیں۔

۳۔ یہ ثابت ہوا کہ صرف ان کے اظہار قدر و منزلت کے لیے خدا نے یہ حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کہ ان سے مشورہ کیا کرو...... اس تفسیر کی نسبت اگر بعض حضرات یہ فرمائیں کہ قتادہ وغیرہ اہل سنت تھے جس سے صاحب ''مجمع البیان'' نے ان اقوال کو نقل کیا ہے، اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اقوال مختلفہ کے نقل کرنے سے پہلے جو کچھ مفسر موصوف نے کہا ہے وہ تو کسی سے نقل نہیں کیا اور جن اقوال کو اس نے نقل کیا ہے وہ فوائد اور وجوہ میں مشورہ لینے کے ہیں، اگر تم کسی قول منجملہ ان اقوال کے نہ مانو تو ذرا بیان فرماؤ کہ خود صاحب ''مجمع الیبان'' کا کیا قول ہے اور پھر ﴿شاورھم فی الامر﴾ کے کیا معنی ہیں اور اس حکم دینے کے کیا فائدے ہیں۔

دلیل چہارم:...... یہ سب مسلمان جانتے ہیں کہ سب سے پہلی لڑائی بدر کی ہے اور جو لوگ اس دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ان کا بڑا رتبہ ہے، اس لیے کہ اللہ جل شانہ نے فرشتوں کو مدد کے لیے بھیجا اور آیات قرآنی نازل کر کے اپنے احسان کو ظاہر کیا اسی واسطے تمام اصحاب نبوی میں وہی لوگ بڑے رتبے کے شمار ہوتے تھے جو اس لڑائی میں شریک تھے......

اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ وہ اصحاب رضی اللہ عنہم جن کو حضرات شیعہ کافر اور منافق کہتے ہیں وہ اس لڑائی میں کس طرف تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا کفار کی طرف...... اگر کوئی شیعہ یہ ثابت کر دے کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ تھے اور وہ اس لڑائی میں شریک نہ تھے تو ہم ان کے دعویٰ کو تسلیم کرتے ہیں اور اگر ہم ثابت کر دیں کہ وہ عین معرکہ میں موجود تھے بلکہ خاص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے تو حضرات شیعہ کو چاہیے کہ وہ تشیع سے فارغ خطی لکھ دیں۔ اس لیے میں لڑائی کے شروع ہونے اور عین لڑائی کے وقت کا حال حملۂ حیدری سے نقل کرتا ہوں کہ ایسا متعصب کیا لکھتا ہے۔ لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے کا حال مؤلف موصوف اس طرح لکھتا ہے کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ مشرکین قریش لڑائی کے لیے آ رہے ہیں تب اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو اس وقت سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور جہاد پر آمادہ ہونے پر اپنی رغبت ظاہر کی، چنانچہ اس کے اشعار یہ ہیں:

پس از ایں خبر سید المرسلین ﷺ
یکے انجمن ساخت با اہل دیں
بفرمود آنکہ با صحاب خویش
کہ اے حق پرستان پاکیزہ کیش
بدانید کز کعبہ اہل جفا
کمر بستہ بر کین و پر خاش ما
رسیدند نزدیك آمد خبر
بیایند خود ہم بروز دگر
شمارا کنوں چیست تدبیر کار
کہ دشمن رسید از پئے کار زار
بپاسخ ابوبکر رضی اللہ عنہ از جائے خاست

وزاں پس عمر رضؓ نیز قد کرد راست
بگفتند یا سید المرسلیں
قدم پیش بگذار و مارا بہ بیں
کہ بادشمن دیں چہا می کنم
چہ ساں در پیت جاں فدا میکنم
وزاں پس زجا خاست مقداد نیز
بگفت اے حبیب خدای عزیز
بودتا بتن جان و در کف تواں
بیاریم شمشیر بر دشمناں
ازاں گشتہ خوش دل رسول خدا
بفرمود در حق ایشاں دعا
چنیں خواست پس بہترین بشر
کہ از راز انصار یا بد خبر
دگر بار فرمود کای دوستاں
چہ گوئید اندر حق دشمناں
زجا خاست ایں بار سعد معاذ
چنیں گفت از روی صدق و نیاز
کہ با جان و دل باہمیں عہد دست
بدست تو روز یکہ داد یم ہست
سرو مال و فرزند و خویش و تبار
ہماں روز کردیم بر تو نثار
پیمبر بر ایشاں نمود آفریں

بــراں صــدق و ایمــان اَنصــارِ دیں

''اس خبر کے (آنے کے) بعد حضور ﷺ نے مسلمانوں کی ایک میٹنگ کی، اپنے اصحابؓ سے اس وقت آپ نے کہا کہ اے پاکیزہ صفت حق پرستو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مکے کے ظالم ہمارے بیر اور دشمنی پر کمر بستہ ہیں، اطلاع ملی ہے کہ وہ قریب آچکے ہیں اگلے دن تک وہ آجائیں گے اب آپ حضرات کی کیا رائے ہے کیونکہ دشمن لڑائی کے لیے آرہا ہے، سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، کہنے لگے اے رسولوں کے سردار! آپ قدم آگے بڑھائیں، پھر ہمیں دیکھیں کہ دشمنانِ دین سے ہم کیا برتاؤ کرتے ہیں، کس طرح آپؐ پر اپنی جان فدا کرتے ہیں، اس کے بعد حضرت مقداد بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ محبوب خدا ﷺ جب تک بدن میں جان ہے دشمنوں پر تلوار چلاتا رہوں گا رسول اللہ ﷺ کا دل اس سے مسرور ہوگیا، ان لوگوں کے حق میں دعا فرمائی، خیر البشر ﷺ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ انصار کا نظریہ بھی معلوم ہونا چاہیے، دوبارہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے دوستو دشمنوں کے بارے میں کیا کہتے ہو، اس بار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پوری سچائی کے ساتھ فرمایا کہ جان و دل سے اسی عہد پر قائم ہیں جس پر آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، سر مال، اولاد اور عزیز و اقارب اسی دن (سے) آپ ﷺ پر نچھاور کر دیے ہیں، انصار کی اس سچائی اور ایمان پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو شاباش کہا۔''

پس اے حضرات امامیہ! ذرا منافقین کے ایمان اور جاں نثاری کو خیال کرو اور ان کے صدق اور اخلاص کو دیکھو سمجھو تو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسے منافق تھے کہ سب سے پہلے جاں بازی پر مستعد ہوئے اور سب سے پہلے پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ ہوئے اور اپنے اخلاص کو اپنے اعمال سے سب پر ظاہر کر دیا اور خدا کے حضور سے ''افــــضــــل

المہاجرین“ کا خطاب پایا......اے حضرات! پیغمبر خدا ﷺ کو مدینے کے منافقین نے جو شوکت اسلام کے بعد ظاہری کلمہ گو ہو گئے تھے ایسے ہی اخلاص کے جواب دیے ہیں اور وقت پر اسی طرح کا ساتھ دیا ہے اور رسول مقبول ﷺ نے ان منافقوں کے حق میں اسی طرح دعا اور آفریں کی ہے۔

مجتہد صاحب قبلہ اپنی [1] ”ذوالفقار“ میں منجملہ اور آیات کے جو اثبات فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کے معارضے میں پیش کی ہیں ایک یہ آیت لکھتے ہیں:

﴿فَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾

(سورۂ محمد: ۲۰)

”کہ جب سورت جہاد کی نازل ہوتی ہے تو جن کے دل میں بیماری ہے وہ تجھے اپنے پیغمبر بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔“

اس آیت کو گویا وہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں صادق سمجھتے ہیں:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ﴾ (سورۂ توبہ: ۲۰)

”جو یقین لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے انکار بڑا درجہ ہے اللہ کے پاس۔“

کی نسبت فرماتے ہیں:

((پس شك نیست دریں كه از صحابه كسانیكه ایمان داشتند و هجرت و جهاد به نیت صحیح كردند لالت بر فضیلت آنها داردو لیكن چوں ایمان غاصبین حق ولایت و هجرت اینها به نیت درست به ثبوت نرسیده استدلایدیں آیات بر

[1] ”ذوالفقار“، مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ۔۱۲۸۱ھ صفحہ ۶۴۔

فضیلت ایشاں وجھی نداد لاسیما نظر باینکه او سبحان و تعالیٰ مقارن ایں هر دو صفت، صفت جهادرانیز مذکور نموده و کیفیت جهاد ایشاں درجنگِ احد و خیبر و حنین اظهر من الشمس ست پس ایشاں را ازیں آیة بهره نخواهد بود بلکه ایشاں از مصداق قول او سبحانه تعالیٰ "و من یولهم یومئذٍ دبره...... الخ .)) حظ وافردارند .

''اس میں شک نہیں کہ صحابہ میں سے جو مسلمان تھے اور ہجرت و جہاد صحیح نیت سے کیا یہ (آیت) ان کی فضیلت کی دلیل ہے لیکن چونکہ حق ولایت غصب کرنے والوں کا ایمان اور ہجرت کی نیت کی درستگی کا ثبوت نہیں ہے تو ان آیات سے ان کی فضیلت پر استدلال صحیح نہیں، خاص طور پر اس امر کے پیش نظر کہ اللہ نے ان دونوں صفات کے ساتھ صفت جہاد کا بھی تذکرہ کیا ہے اور غاصبین حق ولایت کے جہاد کی کیفیت جنگ احد، خیبر وحنین وغیرہ میں روزِ روشن ہے، اس لیے ان کو ان آیات سے بہرہ مند نہیں کیا جاتا بلکہ یہ لوگ اللہ کے قول ''جن لوگوں نے آج کے دن پیٹھ پھیری......الخ'' کے مصداق ہیں۔''

پس کوئی شخص ''حملۂ حیدری'' کے ان اشعار کو حضرت کی قبر پر پڑھ دے کہ شاید ان کی روح کو خبر ہو جائے کہ ان کی ساری تقریر وتحریر انہیں کے ایک شاعر کے قول سے رد و باطل ہو گئی، بڑے قبلہ وکعبہ کی وفات کے بعد جب ان کے ولی عہد صاجزادے، یعنی دوسرے قبلہ و کعبہ مولوی سید محمد صاحب نے حملۂ حیدری کی اصلاح کی تھی اور اس کو تصحیح کر کے نظر ثانی فرمائی تھی تب امید تھی کہ شاید وہ ان اشعار کو دیکھ کر متنبہ ہوں گے اور اپنے والد ماجد کی تحریر پر خط نسخ کھینچ دیں گے مگر افسوس ہے کہ انہوں نے بھی دیانت کی آنکھ بند کر لی اور ''ذوالفقار'' کے اوپر ان اشعار کا حاشیہ نہ لکھ دیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اس جہاد میں جو کہ سب سے اوّل ہوا کس فریق میں تھے؟ منافقین کے یا مخلصین کے، اور انہوں

نے رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں سب سے اوّل لڑائی پر آمادگی ظاہر کی تھی یا کسی اور نے اور لڑائی کے وقت پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے یا نہیں؟

باقی رہا حال احد خیبر وغیرہ کی لڑائی کا کہ بار بار مجتہد صاحب کے قلم سے احد اور فدک اور قرطاس کا لفظ نکلتا ہے اور ہر سطر اور ہر صفحہ میں موقع اور بے موقع اسی کا نام آتا ہے، سو حضرات امامیہ ذرا صبر کریں، دوسرا حصہ مطاعن صحابہ کے جواب کا چھپنے دیں تب اس کی بھی حقیقت کھل جائے گی اور جو کچھ حضرت نے لکھا اس کا حال سب کو معلوم ہو جائے گا مگر اس وقت ایک آیت کو لکھ کر اس کا جواب دیتا ہوں کہ جنگ احد میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو لغزش ہو گئی تھی اس کو خدا قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے کہ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾

(سورۂ آل عمران: ۱۵۵)

”جو لوگ تم میں ہٹ گئے جس دن ٹھہریں دو فوجیں، سو ان کو ڈگما دیا شیطان نے کچھ ان کے گناہ کی شامت سے، اور ان کو بخش چکا اللہ، اللہ بخشنے والا تحمل رکھنے والا ہے۔“

پس اس کو خدا نے خود صاف کر دیا اس کے معاف کرنے کے بعد اس کا ذکر کرنا گویا خدا کی تکذیب کرنا ہے کہ اس کو بھی مجتہد صاحب نے ظاہر کر دیا اور خدا کو جھٹلا دیا، ونعوذ باللہ منہ۔ چنانچہ اسے ذوالفقار میں فرماتے ہیں:

((فرار صحابہ درروز احد متیقن وعفو ایشاں بحیثیتی کہ مطلق ماوای ایشاں درجھنم نہ باشد مشکوک، والیقین لایزول الابالیقین مثلہ.))

”جنگ احد میں صحابہ کا فرار (بھاگنا) امر واقعی ہے اور ان کی بخشش اس طرح کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ میں نہ ہوگا مشکوک ہے اور یقین تو یقین ہی سے ختم ہوتا ہے۔“

اب ذرا غور سے حضرت کے الفاظ کو جو ہم نے اوپر مختصراً نقل کیے ہیں دیکھنا چاہیے کہ خدائے جل شانہ تو صاف فرماتا ہے کہ ﴿لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ کہ ”میں نے ان کو معاف کر دیا“ اور حضرت فرماتے ہیں کہ عفو یقینی نہیں ہے۔اب جو شخص خدا کے قول کو بھی جھٹلا دے اور اللہ جل شانہ کے کلام میں بھی شک کرے اور اس کو یقینی نہ سمجھے کون ہے کہ پھر اس کو باایمان کہے گا اور ایسے منکر آیات قرآنی کو کون ہے جو دشمنِ خدا اور رسول نہ سمجھے گا...... عجب حال ہے ان حضرات کا کہ صرف اصحاب نبوی کی عداوت سے ایسے جاہل اور خداناشناش ہو گئے ہیں کہ ایسی صریح اور صاف آیاتِ الٰہی میں بھی شک کرتے ہیں۔ خیر اس وقت تو اس بحث کا موقع نہیں ہے، مطاعن کے باب میں ہم اس اعتراض کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے حضرات شیعہ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ

اب میں پھر جنگ بدر کا حال لکھتا ہوں، غرض کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے جو حال مہاجرین اور انصار کا تھا وہ تو ظاہر ہو گیا، اب میں عین لڑائی کے وقت کا حال اسی کتاب سے نقل کرتا ہوں...... اے مومنو! مؤلف موصوف لکھتا ہے کہ جب لڑائی کی صفیں آراستہ ہو گئیں اور لڑائی شروع ہونے کے قریب ہوئی تب پیغمبر خدا ﷺ نے بحضور کبریا دعا کی اور جو کچھ حضرت نے دعا میں فرمایا اس کا حال ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

جنگ بدر کے حال میں حملہ حیدری کے اشعار......

پس آورد رو سوی یزدانِ پاک
بنالید و مالید رو رابہ خاک
بگفت اے نمائندہ عدل و داد
فرستندہ انبیاء بر عباد
تو دانی کہ من رہنمائے قریش
بہ حکم تو بودم نہ بر رائے خویش
کشیدم بر ایشاں بہ حکم تو تیغ

مکن نصرت خویش از من دریغ
الٰهی اگر ایں چند تنے از عباد
که کردند حکم ترا انقیاد
بحکم تو بستند هر کس میاں
نه دیدند بیش و کم دشمناں
بمانند از فتح کو تاهم دست
بیابند ازدست دشمن شکست
بروئے زمیں تا قیامت دگر
نه گردد پر ستنده ای داد گر
بایں زاری و عجز رنجیده بود
که خواهش بفرمانِ حق درربود
دراں دم صفِ خشم نزدیك شد
زبس کرد خورشید تاریك شد
ابوبکرؓ نزد نبی داشت جای
بگفت اے بحق خلق را رهنمای
در آمد به تنگی سپاهِ ضلال
چه فرمای اکنوں برای قتال

”(آپ ﷺ نے) خدائے پاک کی طرف رخ کیا، روئے اور اپنا رخسار پاک زمین رکھ دیا، فرمایا: اے عدل و انصاف کے دکھانے والے، انبیاء کو اپنے بندوں پر بھیجنے والے تو جانتا ہے کہ ہم قریش کے رہنما ہیں، ہم تیرے حکم کے تابع ہیں اپنی رائے کے نہیں۔ ہم نے تیرے ہی حکم سے ان پر تلوار اٹھائی ہے تو اپنی مدد ہم سے نہ روک، الٰہی اگر تیرے یہ چند بندے جنہوں نے تیری

فرمانبرداری کی ہے تیرے حکم پر ہی سب تیار ہوئے ہیں اور دشمنوں کی کمی بیشی کو نہیں دیکھا ہے، اگر یہ فتح یاب نہ ہو سکے اور دشمنوں سے شکست کھا گئے تو قیامت تک دوبارہ روئے زمین پر اے خدا تیری عبادت نہ ہو سکے گی، اس الحاح وزاری سے رنج ٹپک رہا تھا کہ فرمانِ خداوندی سے خواہش پوری ہووے دشمنوں کی صف اس وقت نزدیک آ گئی اور ادھر سورج بھی ڈوب گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی تھے کہنے لگے: اے مخلوق کے رہنما! دشمنوں کی فوج نے گھیرا تنگ کر دیا ہے اب لڑائی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں:

کہاں ہیں ایمان کے کان اور انصاف کی آنکھ جو حضرات شیعہ اس مؤلف کے الفاظ کو دیکھیں اور سنیں اور اس کے مطلب کو سوچیں کہ ساری نفاق کی باتیں اور کفر کے کلمے خاک میں مل گئے اور ایمان بھی اور اخلاص بھی اور ہجرت بھی اور نصرت و یاری بھی سب کا مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی نسبت ثبوت ہو گیا۔‘‘

اے مسلمانو! خدا کے لیے دیکھو، اب اس سے زیادہ اصحاب نبوی کی فضیلت کیا ہوگی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں خدا سے عرض کرتے ہیں کہ خدایا ان چند آدمیوں نے صرف تیرے حکم سے جہاد پر مستعدی کی ہے، اگر ان کو شکست ہوئی اور یہ مارے گئے تو پھر قیامت تک کوئی تیری عبادت نہ کرے گا۔ پس اہل سنت اور کیا کہتے ہیں، انہیں باتوں پر اصحاب نبوی سے محبت کرتے ہیں اور ایسی ہی فضیلتیں ان کی بیان کرتے ہیں۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں یہ فرما دیں کہ یہی لوگ تیری عبادت پھیلانے اور تیرا نام بلند کرنے کے ذریعے ہوں گے، اگر یہ مارے گئے تو دین کا خاتمہ ہو جائے گا اور قیامت تک کوئی تیرا نام نہ لے گا تو کیوں کر ہم اہل سنت ان کو مومن اور مخلص نہ جانیں اور کس طرح صرف ایک عبداللہ ابن سبا یہودی کے بہکانے سے ایسے پاک لوگوں کو منافق کہہ کر ایمان سے دست بردار ہو جائیں...... اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھنا چاہیے کہ اس مقام پر بھی اس مؤلف کے قلم سے خدا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام لکھوا دیا اور وہ بھی ایسے موقع پر کہ جس سے قربت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ثابت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہی کھڑے تھے جیسا کہ مولف موصوف فرماتا ہے کہ: مصرع......

ابوبکرؓ نزد نبیؐ جائے داشت

اے یارو! کیا حملۂ حیدریہ کا مؤلف ناصبی اور سنّی ہے جس نے اپنے مذہب کی خاطر سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا اور اس کو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے محبت تھی جس کی وجہ سے اس نے ان کے حق میں یہ کچھ کہہ دیا۔ آخر کیا سبب ہے؟ خدا کے لیے اس کا کچھ سبب تو بتلاؤ، بھائیو، بجز اس کے دوسرا کوئی سبب نہیں ہے کہ قربت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایسی حاصل تھی کہ اس سے انکار کرنا اور ان کا نام نہ لکھنا درحقیقت آفتاب کو چھپانا تھا۔ باذل بے بدل کو مجتہد صاحب کی سی جرأت نہ ہوئی کہ وہ ایسی کھلی ہوئی بات کو چھپاتا اور جو بات تمام مہاجرین و انصار میں مشہور تھی اور جس کا شہرہ اس وقت سے اب تک ہے اس سے انکار کرتا...... اے مومنین! ذرا غور کرو کہ جو دعا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب رضی اللہ عنہم کی نسبت کی ہے اور ان کا جو حال انہوں نے خدا کے سامنے بیان کیا ہے اس سے بھی ان کا نفاق ثابت ہوتا ہے، کیا منافقوں کے حق میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے، کیا منافقوں کے حق میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر فتح نہ ہو گی تو خدایا تیری عبادت قیامت تک پھر کوئی نہ کرے گا۔ باوجود ایسی نص صریح ہونے کے جس کا ثبوت تمہارے ہی مذہب والوں کے کلام سے ہوتا ہے، تم ان کو کافر اور منافق کہتے رہو گے اور کیا ایسی باتوں کو سن کر بھی نفاق سے توبہ نہ کرو گے، اگر اس کے باوجود بھی تم ان کی نسبت نفاق کا اطلاق کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اصطلاح میں اخلاص اور ایمان اور قربت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی نفاق کے ہیں، پس لامشاحة فی الاصطلاح.

مجتہد صاحب بار بار اپنی کتاب ذوالفقار...... وغیرہ میں یہی فرماتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما اور ان کے متابعین کی نیت بخیر نہ تھی اور جب تک نیت بخیر ہونے کا حال معلوم نہ ہوا ثبات فضیلت کی مصداق سے ان کو کچھ حصہ نہیں ہے۔ اس لیے میں نہایت ادب سے عرض کرتا

ہوں کہ اگر خوارج لعنہم اللہ جناب امیر علیہ السلام کی نسبت یہی سوال کریں تو اے حضرات شیعہ! تم کیا جواب دو گے؟ اگر قرآن مجید سے ان کا نام نکال دو اور پھر ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام نہ نکال دیں تو بے شک تم سچے ہم جھوٹے، جب قرآن مجید میں تو کسی کا نام ہی نہیں ہے تو جس طرح تم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے باوجود ان کے ان فضائل اور درجات کے انکار کرتے ہو اسی طرح پر وہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے فضائل سے باوجود ان کے اعلیٰ مراتب کے انکار کرتے ہیں...... اب ذرا غور کرو کہ جب تم جناب امیر رضی اللہ عنہ کے فضائل کو ان کے اعمال اور حالات سے ثابت کرو گے اور ان کی صدق نیت کو جو کہ امر ناطق ہے ان کے اعمالِ حسنہ ظاہری سے ظاہر کرو گے وہی ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت ثابت کرتے ہیں۔ پس ذرا غور سے دیکھو کہ جس طرح پر تم آیت:

﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَ هُمْ رٰکِعُوْنَ○﴾ (سورۂ مائدہ: ۵۵)

"تمہارا رفیق وہی اللہ ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کی حالت میں (بھی وہی جایا کرتے ہیں)۔"

سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امانت ثابت کرتے ہو کیا اس کے برابر یہی ہمارا ثبوت صدق نیت کا ہجرت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت نہیں ہے، آیت ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ﴾ میں تو کوئی ایسی تمیز خاص کے باب میں نہیں ہے جیسے کہ آیت غار میں ہے کہ وہاں ﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ "جب کہنے لگا اپنے رفیق کو۔" کا صاف لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ مراد اس سے وہی یار ہے جو غار میں تھا اور غار میں ہونا سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دوسرے کا کسی کے قول سے بھی ثابت نہیں ہوتا، پس غور کرو کہ قرآن مجید سے تمہارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے یا ہمارا۔ ذرا دونوں کو ملا کر دیکھو اور انصاف کرو کہ کون اپنے دعوے میں غالب ہے اور کون ضعیف!

آ شانے کو شانے سے ملا دیکھ
قد میں ہمی کچھ بلند ہوں گے

قرآن کو جانے دو، اس کو بیاض عثمانی سمجھ کر اس کی سند نہ لو تو اپنی اور اپنے بھائیوں خوارج کی کتابوں پر نظر کرو، دیکھیں تم خوارج مخذولوں کی کتاب سے جناب امیرؓ کے کس قدر فضائل ثابت کرتے ہو......اور پھر ان کو گن کر علیحدہ کرو اور پھر ہم سے شمار کر کے اس سے تین حصے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل میں اپنی کتابوں کی سند لو۔ آخر جب ایک فرقہ خوارج کا دشمن اہل بیت ہو گیا اس نے کیا کیا نہیں کیا ہے جو کہ تم صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کرتے ہو، وہ بھی جناب امیرؓ کو ساری فضیلتوں کی آیتوں سے ویسا ہی خارج سمجھتے ہیں، (ونعوذ باللّٰہ من ھفواتھم) جیسا کہ تم خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو...... وہ بھی ساری مطاعن کی آیتوں کو ذات پاک سید الاولیاء کی نسبت صادق سمجھتے ہیں، جیسا کہ تم صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی نسبت، وہ بھی ساری خوبیوں سے جناب امیر علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اس طرح انکار کرتے ہیں جس طرح کہ تم اصحاب نبوی کی خوبیوں سے، وہ بھی ہزاروں اعتراض اور مطاعن جناب امیرؓ کی شان میں قائم کرتے ہیں جیسا کہ تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کی شان میں، وہ بھی اس برائی سے ان کے پاک نام کو لیتے ہیں، جیسا کہ تم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کو...... غرض کہ ایک ترازو میں اپنے آپ کو اور خوارج کو تولو دونوں کا پلہ برابر ہے، نہ تم کم ہو نہ وہ زیادہ، نہ تم زیادہ ہو نہ وہ کم ہیں۔

پس ذرا انصاف کرو کہ جب تم نے دشمنیٔ صحابہ کو اپنے معتقدات اور اصول دین میں قائم کر لیا تو تم ان کی فضیلت کا کیوں کر اقرار کرو گے، لیکن خدا کی شان ہے کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے تمہارے ہی مذہب کے عالموں اور محدثوں کی زبان سے بعض کلمے فضیلت کے ظاہر کر دیے اور کیسی باتیں ان کی قدر و منزلت کی تمہارے مؤرخین کے قلم سے نکال دیں کہ اگر وہ سب جمع کی جائیں تو نام بنام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی شان میں ہزار ہا احادیث و اقوال سے متجاوز ہوں گے اور جس سے ان

کے ایمان اور اخلاص اور جہاد اور امامت اور خلافت سب کا ثبوت اچھی طرح پر ہوگا، چنانچہ بطور نمونے کے میری اس چھوٹی سی کتاب میں سو حدیث واقوال اور اخبار سے زیادہ ہوں گے اور جس میں باقرار تمہارے محدثین کے ائمہ علیہم السلام کی زبان سے ان کی صدیقیت اور امامت اور فضیلت کا ثبوت ہوتا ہے۔ پس اس سب کو جب تم سنتے ہوتو کیا یہ خیال نہیں ہوتا کہ باوجود اس بغض وعناد کے جب ہمارے محدثین وعلماء کے اقوال سے ان کے فضائل ثابت ہوتے ہیں تو حقیقت میں وہ کیسے افضل ہوں گے۔ اگر حقیقت میں تم سوچ کر اور سمجھ کر رہ جاتے ہو اور بہ مقتضائے ”احزب النار علی النار“ کے ترک مذہب کو گوارا نہیں کرتے تو خیر مجبوری ہے اور اگر نہیں سمجھتے ہوتو پھر ایسی سمجھ کا کیا علاج...... خدا کی کتاب سے سمجھایا، مہاجرین وانصار کی شان میں آیاتِ بیّنات کو کھول کر دکھایا احادیث نبوی کو جو تمہاری ہی کتابوں میں ہیں نقل کر کے ان کی فضیلت کو ثابت کیا، اقوال ائمہ کرامؒ سے تمہارے ہی مذہب کے موافق ان کے ایمان اور مراتب کو ظاہر کیا، ان کے اعمال حسنہ کو بھی تمہارے مؤرخین وعلماء کی شہادت سے ثابت کر دیا۔ اور پھر جب تم کہو تو یہی کہو کہ نیت اصحاب رضی اللہ عنہم کی بخیر نہ تھی اور وہ منافق تھے تو سوائے خدا کے جس کی شان ہے کہ ﴿يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ”جسے چاہے ہدایت کرے اور جسے چاہے گمراہ کرے۔“ ہم تم کو ہدایت نہیں کر سکتے اور ہم کسی نسخے سے تمہاری بیماری کی دوا نہیں دے سکتے۔ ﴿لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ ”ہم کو ملنے ہیں ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام۔“ شعر......

ہمارا کام کہہ دینا تھا یارو
اب آگے چاہے تم مانو نہ مانو

غرض جو آیت ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ کو مجتہد صاحب نے معارضے میں پیش کیا تھا اس نے کس خوبی سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل کو ثابت کیا خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں باقرار علماء شیعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کچھ فرمایا سبحان اللہ، صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقص وعیب ثابت کرنے کے لیے جو سارے قرآن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت نے آیتیں نکالیں ان سے

بھی ان کی فضیلتیں ثابت ہوئیں۔ پس جو آیتیں خاص کر ان کی فضیلت میں ہیں ان کا حال اسی پر قیاس کرنا چاہیے کہ ان سے کیا کچھ فضیلت ان کی ثابت ہوئی ہوگی جو کہ تین آیتوں سے جن کا ذکر مجتہد صاحب نے کیا تھا بفضل فراغت ہوگئی اب میں ایک اور چوتھی آیت نقل کرتا ہوں جسے مجتہد صاحب نے اظہار معائب صحابہؓ کے لیے ''ذوالفقار'' میں نقل کیا ہے:

قولہ تعالیٰ:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (سورۂ انفال: ٦٧)

''کیا چاہیے نبیؐ کو کہ اس کے ہاں قیدی آئیں جب تک کہ نہ خون کرے ملک میں تم چاہتے ہو جنس دنیا کی اور اللہ چاہتا ہے آخرت اور اللہ زور آور اور حکمت والا ہے۔''

اس آیت کے لکھنے سے غرض حضرت کی یہ ہے کہ بعض لوگ پیغمبر خدا ﷺ کی نسبت کچھ اور خیال کرتے تھے اور حضرت کی تقسیم کو پسند نہ کرتے تھے...... پس اس سے یہ مطلب حضرت کا ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کہنے والے جن کے حق میں یہ سورت نازل ہوئی ہے وہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم یا صحابہ کبار رضی اللہ عنہم تھے، بلکہ جو مفسرین شیعہ کے اقرار سے اسی آیت سے اہل بدر کی جن کا حال ابھی ہم لکھ رہے ہیں فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ کاشانی ''خلاصۃ المنہج'' میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے:

((اگر نہ حکمے و فرمانے می بود از خدائے تعالیٰ کہ پیشی گرفتہ شدہ اثبات آں در لوحِ محفوظ کہ بے نہیٔ صریح عقوبت نہ فرمایدیا اصحاب بدر را عذاب نہ کند.))

''اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے طے شدہ امر نہ ہوتا جو کہ لوح محفوظ میں ثابت ہے کہ کہ بدر والوں کو عذاب نہ کرے گا۔''

پس اس آیت سے بھی اہل بدر کی صاف فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ خدا ان کے حق میں

وعدہ کر چکا ہے کہ ان پر عذاب نہ کرے گا تو ایسی آیت کو معرض مناظرہ میں اس وقت مجتہد صاحب کو پیش کرنا چاہیے تھا جبکہ پہلے اس کی تفسیر کو ملاحظہ کر لیا ہوتا آخر اس کی تفسیر سے بھی اہل بدر کی فضیلت ثابت ہوئی۔ اصحاب بدر کی فضیلت اور ان کی مغفرت کا وعدہ خدائے پاک کی طرف سے شیعہ مفسرین کے اقرار سے ایسا ثابت ہے کہ ان کو اس سے انکار کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، چنانچہ ہم اس کو تفاسیر شیعہ سے بخوبی اس روایت کے علاوہ ثابت کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ آیت:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ﴾

(سورۂ ممتحنہ: ۱)

''اے ایمان والو نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست۔''

کی شان نزول نزول میں مفسرین امامیہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص تھا حاطب بن ابی بلتعہ صحابی اس نے کفار مکہ کو بہ نظر حفاظت اپنے خویش و اقارب کے یہ لکھ بھیجا کہ پیغمبر خدا تم پر حملہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں سو تم بھی مستعد رہنا۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے اس کا حال معلوم ہوا، تب پیغمبر خداؐ نے پوچھا، اس نے جواب دیا کہ میں نے بوجہ ارتداد کے ایسا نہیں کیا ہے بلکہ اپنے اہل و عیال کی اعانت کی نظر سے...... پیغمبر خداؐ نے اس کا عذر قبول کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اجازت ہو تو میں اس کو قتل کروں کہ یہ منافق ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ اہل بدر سے ہے اور خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جو جنگ بدر میں شریک تھے مغفرت کا وعدہ کیا ہے اور ان کے حق میں فرمایا ہے ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ﴾ ''کو جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا۔'' پس امید ہے کہ خدا اس کے نامۂ سیاہ کو مغفرت کے پانی سے دھو دے۔

یہ خلاصہ ہے اس تقریر کا جو مفسرین امامیہ نے کی ہے۔ چنانچہ میں بلفظہ ''خلاصۃ المنہج'' سے جو کہ معتبر تفاسیر شیعہ سے ہے، اس کو نقل کرتا ہوں تا کہ کسی شیعہ کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو کہ شاید کچھ تحریف کر دی ہو گی، و ھو ھذہ:

((حضرت رسالت مآب ﷺ بطریق خفا عزیمت مکه داشت ساره کنیز ابی عمرو...... الخ .))

''حضرت رسالت مآب ﷺ نے خفیہ طور سے مکہ جانے کا ارادہ کیا، ابوعمرو کی کنیز سارہ آگے بڑھی......الخ''

اور اسی روایت کے مطابق اہل بدر کی مغفرت کا مضمون ہے، تفسیر ''مجمع البیان'' میں کہ مفسر موصوف لکھتا ہے:

((ومـا يدريك يا عمر لعل الله اطلع علىٰ اهل بدر فغفر لهم فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لكم .))

''کیا جانتے ہو تو تم اے عمرؓ شاید اللہ آگاہ ہوا اہل بدر پر، پس ان کو بخش دیا، پس کہا: کرو تو جو چاہو میں نے تم کو معاف کر دیا ہے۔''

اس روایت کا جواب جو علماء شیعہ دیتے ہیں اس کا حال سوال و جواب سے جو باہم منشی سبحان علی خان صاحب اور مولوی نور الدین کے ہوئے ہیں......ظاہر ہوتا ہے۔ منشی سبحان علی خان سوال کرتے ہیں:

((در تفسیر [1] مـذکور از ابتداء سوره ممتحنه در مطاوی بیان حـال حـاطـب بـن ابی بلتعه مسطورست که جناب رسالت پناه ﷺ بـحـق او فرمودند که اور ابحالش بگذارند و از اهل بدرست و بدریان را حق تعالیٰ وعدۂ مغفرت فرموده ، امید هسـت کـه نـامـۂ عصیان اورُابه آبِ مـغـفرت بشوید انتهی خـلاصـه ، حـالا عـرض مـن سـت که اصحاب ثلاثه هم از بـدریـان هستندمی باید که ایشان راهم بحال ایشان گزاشته شود و لعن و طعن بحق ایشان کرده نه شود .))

---

[1] مکاتیب سبحان علی خان صفحہ ۱۰۸ سطر ۶

''تفسیر ''مجمع البیان'' میں سورۂ ممتحنہ کے آغاز میں حاطبؓ بن ابی بلتعہ صحابی کی بابت تحریر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاطبؓ کے بارے میں فرمایا: اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، یہ اصحاب بدر میں سے ہے اور بدر والوں کو بخش دینے اور معاف کر دینے کا اللہ نے وعدہ کیا ہے امید ہے کہ ان لوگوں کے گناہوں کو وہ خود آبِ مغفرت سے دھوڈالے گا۔ اس بنا پر میں عرض کرتا ہوں کہ اصحاب ثلاثہ بھی بدری ہیں، اس لیے ان کو بھی ان کے حال پر رہنے دیا جائے اور ان پر ملامت نہ کی جائے۔''

اس کے جواب میں مولوی صاحب نہایت درد دینی سے لکھتے ہیں:

((قصّۂ حاطب برائے خلفاء ثلاثه بر اصول امامیه قیاس مع الفارق ست زیرا که روایاتِ جامعین اصول دلالت بران دارد که اینها هرگز با عتقاد قلب سوئے جناب ختمی مآبؐ مائل نبودند تمامی امور ایشاں از صلاح و تقوی هم در حیات شریف وهم بعد وفات مبنی بر سمعه وریا و اینها کلهم معتقدین کاهنین و منجّمین بودند بد لالت احادیث بخلاف حاطب که مثل اینها نبود الیٰ قوله پس عفوا حاطب مستلزم عفواز مشائخ سُنّیاں نیست ، علاوه گناهِ حاطب را ملاحظه فرمایند که فقط افشاء امریست بے آنکه فرموده باشند که ایں راز را هرگزفاش نه باید کرد و هر گاه دختران اوّل و ثانی بعد منع سِرِّ حضرت را فاش کردند و توبه شاں مقبول افتاد چنانچه از مجمع وغیره ظاهر ست پس عفو حاطب بطریق اولیٰ وآں هم برائے آنکه کفار قریش سرپرستی اهل و عیالش نمانید بخلاف حال کسانیکه جناب

ختمی مآب رابز هر کشتند و چند معصوم را شهید کردند و هزاران نسخ قرآن مجید رآباتش نهادند وآنچه باقی گزاشتند دراں هم دادِ تحریف دادند .))

''حاطب رضی اللہ عنہ کا قصہ خلفاء ثلاثہ کے حق میں اصول امامیہ کے پیش نظر قیاس مع الفارق کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اصول جمع کرنے والوں کی روایات اس امر کا ثبوت ہیں کہ یہ تینوں خلفاء نیک نیتی کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپؐ کی رحلت کے بعد ان تینوں کے صلاح وتقویٰ کے کام دکھائے اور ریاکاری پر منحصر رہے اور یہ سب در اصل کاہنوں اور نجومیوں کے معتقد تھے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور حاطب رضی اللہ عنہ کی کیفیت اُن سے جدا تھی، حاطب رضی اللہ عنہ کو معاف کر دینے سے سنیوں کے سرداروں کو معاف کرنا لازم نہیں آتا، حاطب رضی اللہ عنہ کا جرم فقط یہ تھا کہ اس نے راز فاش کیا باوجودیکہ یہ راز فاش نہ کرنے کی کوئی ممانعت نہ تھی اور جیسا کہ ان دونوں کی لڑکیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کیا تو ان کی توبہ قبول ہوگئی جیسا کہ مجمع وغیرہ نے لکھا ہے، اس لیے حاطبؓ کو معاف کر دینا بطریق اولیٰ درست تھا اس وجہ سے بھی کفار قریش اس کے اہل وعیال کی سرپرستی کریں، اس کے خلاف وہ لوگ جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر ہلاک کیا اور کئی معصوموں کو شہید کیا اور قرآن کریم کے ہزاروں نسخے نذر آتش کیے اور جو کچھ بچے تھے ان میں تحریف وتبدیلی کی۔''

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ چونکہ خلفاء ثلاثہ کا کوئی کام مکروفریب اور نفاق سے خالی نہ تھا، اس لیے بہ سبب عدم ایمان وہ اس فضیلت سے محروم ہیں جو کہ اہل بدر کو حاصل ہے اور یہ کہنا حقیقت میں مثل اس کہنے کے ہے کہ حضرات شیخین بدر میں شریک ہی نہ تھے یا بدر کی لڑائی فی نفسہ ہوئی ہی نہ تھی یا شیخین دنیا میں پیدا ہوئے تھے، یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ پیغمبری ہی نہیں

کیا کہ ایسے منکرین کا سوائے خدا کے کسی کے پاس کچھ جواب نہیں ہے۔

اس عبارت اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم کی نسبت بعض شیعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ خدا کسی سے وعدہ کرے کہ جو چاہو کرو ہم نے تم کو بخش دیا ہے اور ان کے واسطے محرمات کو حلال کر دیا ہے اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اللہ یعلم حیث یجعل رسالته کہ خدا کو ہر شخص کی خوب خبر ہے، وہ اپنے علم اور تقدیر کے موافق ہر کام کرتا ہے، جب اس کو اہل بدر پر اطمینان تھا، تب اس نے یہ ارشاد فرمایا...... اور الزامی جواب یہ ہے کہ ذرا اپنے یہاں کی ان روایتوں کو دیکھیں جو شیعوں کی مغفرت میں ہیں کہ جن میں صاف لکھا ہے کہ بس علیؓ کی دوستی کافی ہے کسی گناہ کے بمقابلہ اس کے پرسش نہیں ہے اس کو ہم اس کے مقام پر صدہا اقوال سے ثابت کریں گے۔ پس اسی طرح پر ذرا اصحاب بدر کے حال پر رحم کرو کہ اگر خدا نے بایں خیال کہ انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑا، اپنے وطن سے ہجرت کی، اپنے عزیزوں قریبوں سے قطع تعلق کیا، اپنے مال و دولت کو لٹایا، اپنی جان اور مال کو خدا کی راہ میں نثار کیا اور پھر اپنے بھائی بندوں کے قتل پر مستعد ہوئے اور ان کے مارنے میں خدا کی محبت کے مقابلہ میں کچھ بھی خوف نہ کیا اور جن کے مرتبے کو بڑھانے میں خدا نے ملائکہ کو ان کی مدد کے واسطے بھیجا اور سب سے پہلے لڑائی اسلام کی ان کے ہاتھوں سے فتح ہوئی اور اوّل معرکہ میں خدا نے ان کی ثابت قدمی اور جاں نثاری ظاہر کر دی اور اسلام کا غلبہ ان کے ہاتھ پر کیا اور آئندہ کو فتوحات اور اجراء اسلام کا دروازہ ان کی تلواروں سے کھول دیا اور سب کچھ ان کے عاشقوں، رسول ﷺ کے یاروں نے اس پاک ذات کی حضوری میں کیا جو خدا کا محبوب تھا اور جو سارے پیغمبروں کا سردار تھا، جس کی شفاعت سے بڑے بڑے کبیرہ گناہ ہوں کو خدا بخشے گا اور جس کی سفارش سے ان لوگوں کو جنہوں نے سوائے اقرار توحید و نبوت کے کوئی بھی نیک کام نہ کیا ہوگا اور جس کی ساری عمر محرمات کے ارتکاب میں گزری ہوگی بخش دے گا...... پس جب ایسے سردار اور دین و دنیا کے بادشاہ کے ساتھ ہو کر جو سپاہی اوّل لڑائی میں لڑتے ہوں اور ایسے خدا کے محبوب اور ممتاز کے

قدموں پر اپنی جانوں کے نثار کرنے پر سب سے اوّل آمادہ ہوئے ہوں اور نہ صرف منافقانہ مستعدی اور ظاہری آمادگی دکھلائی ہو بلکہ جو کہا ہو وہ کر دکھلایا ہو اور جن کے لڑنے پر پیغمبر خدا نہایت عجز و منت سے دعا کرتے ہوں کہ ابھی بے چارے ان چند غریبوں محتاجوں نے صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جانوں کو قربان کرنے کا ارادہ کیا ہے، ان کو فتح دینا یہی لوگ تیرا نام بلند کرنے کے ذریعے اور تیرا دین پھیلانے کے وسیلے ہیں، اگر ان کو فتح نہ ہوئی تو پھر قیامت تک کوئی تیری عبادت نہ کرے گا اور پھر خدا نے ان کے ہاتھ پر فتح بھی دی اور انہوں نے باوجود بہت قلیل ہونے کے کفار کی ایک فوج کو مٹا دیا اور بڑے بڑے نامی قریشی کافروں کو مثل ابوجہل وغیرہ کے تہہ تیغ کیا اور ان دشمنوں کو جنہوں نہایت ایذا اور مصیبت سے پیغمبر خدا ﷺ کو مکہ سے نکالا اور جن مردودوں نے کمال دکھ اور تکلیف سے خدا کے حبیب ﷺ سے اس کا گھر چھڑایا خاکِ مذلت پر لٹایا اور ان کے گوشت پوست زاغ و زغن کا لقمہ کر دیا اور جن کے اس غلبے سے کافروں کے کلیجے دہل گئے اور کفارِ قریش کے بدن کانپنے لگے اور بڑے بڑے سلاطین میں ان کے ایمان اور شوکت کا شہرہ ہو گیا تو پھر ایسی محنتوں، کوششوں اور ایمان اور اخلاص کے صلے میں خدا نے جو نکتہ نواز ہے اور جو اپنے رحم و کرم سے ایک عمل کے بدلہ میں ستر اور سات سو حصہ زیادہ ثواب دیتا ہے اور جو صرف اپنے فضل سے براہ بندہ نوازی صرف زبان و دل سے بغیر کسی عمل کرنے کے توبہ قبول کر لیتا ہے اور بہ موجب آیت کریمہ:

﴿يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ (سورۂ فرقان : ۷۰)

''بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں۔''

کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے، ان پاک لوگوں سے مغفرت کا وعدہ کر لیا اور ان کی شان میں اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم فرما دیا تو کیا مقام تعجب اور حیرت کا ہے...... کیا اے حضرات شیعہ! تم خدا کو رحیم نہیں جانتے، کیا تم اللہ جل شانہ کو نکتہ نواز نہیں سمجھتے، کیا وہ اپنے بندوں پر فضل نہیں کرتا، وہ ان کے اعمال سے ہزارہا حصہ زیادہ ثواب نہیں

دیتا......تو جب تمام آدمیوں کے ساتھ بلکہ گناہ گاروں کے ساتھ اور کافروں کے ساتھ اس کے رحم وکرم کا یہ حال ہو کہ اگر گبر صد سالہ اور مشرک ہفتاد سالہ جس نے اپنی ساری زندگی بت پرستی اور کفر میں ضائع کر دی ہو ایک دفعہ صدق دل سے کلمۂ شہادت پڑھ لے اور توحید و نبوت کا مقر ہو جائے تو خدا اس کے ایک لمحہ کے ایمان پر اس کے سو برس کے کفر وشرک بخش دیتا ہے تو پیغمبر خدا ﷺ کے یاروں اور رسول مقبولؐ کے اوپر جاں نثاروں کے حق میں بغیر دیکھے ان کے ایمان اور اخلاص اور ہجرت اور جہاد اور نصرت کے وعدہ مغفرت کا کیا تو کیا تم بعید از قیاس سمجھتے ہو......کیا تم نہیں جانتے کہ اکثر اعمال خاص کسی خاص وجہ سے زیادہ عزت اور عمدہ صلہ کے مستحق ہو جاتے ہیں......مثلاً: دنیا کے حال پر خیال کرو کہ اگر کوئی سپاہی کسی جمع دار کے ساتھ کسی چھوٹی لڑائی پر جائے اور فتح کر لے تو اس کیا عزت ہوگی اور اس کو جمع دار کے ساتھ لڑنے میں کیا انعام ملے گا اور بادشاہ کے ساتھ ہو کر لڑنے اور فتح ہونے پر کیا تغمہ ملے گا؟ اگر تم دونوں میں کچھ فرق نہیں کرتے اور دونوں حالتوں کو برابر سمجھتے ہو تو حقیقت میں تم خطاب کے لائق نہیں ہو اور اگر دونوں کے رتبے میں تمیز کرتے ہو تو پھر اس وعدے کو خدائی تغمہ کیوں نہیں سمجھتے جو کہ ایسی بڑی لڑائی کے صلہ میں ہو جو سید الانبیاء سند الاصفیاء محبوب کبریا شاہ ہر دوسرا کی معیت میں ہوئی۔

دیکھو حدیث شریف میں آیا کہ قیامت کے دن کچھ گناہ گار ایسے دوزخ میں پڑے رہیں گے جن کے گناہوں کی کثرت اور شدت سے انبیاء بھی بلکہ سید الانبیاء ﷺ بھی شفاعت نہ کریں گے تو خدا ان کے حال پر خود رحم کرے گا اور ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیج دے گا اور ان کی نورکی گردنوں میں نورکی تختی پر نور سے لکھ دے گا کہ (ھذا عُتَقَاءُ الرَّحمٰن من النیران) کہ یہ آزاد کیے ہوئے ہیں خدا کے دوزخ سے، جن کا نہ کوئی شفیع تھا نہ سفارشی۔ پس اگر خدا نے ان لوگوں کو جو کہ خاص اس کے بندے تھے اور جنہوں نے اپنے قصور کو ظاہر بھی کر دیا اور ان کے نیک کاموں کا نتیجہ بھی ظاہر ہو گیا، اپنے فضل سے دنیا میں نور کا تغمہ کہ (اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم) دے دیا تو سوائے کفار اور

فاسقین کے کون اس پر تعجب کر سکتا ہے اور کس کو خدا کی ذات سے اس بخشش پر تعجب ہو سکتا ہے۔ ذرا اُن روایتوں کو چند صفحے لوٹ کر دیکھو کہ پیغمبر خدا ﷺ نے جب جہاد پر آمادگی ظاہر کی اور مہاجرین و انصار سے پوچھا تو انہوں نے کیا جواب دیا اور پھر ان میں بھی سب سے اوّل کون بولا سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کون پہلے اٹھا اور کس نے پیغمبر خدا ﷺ کے قدم چوم کر یہ کہا کہ یا حضرتؐ ہم تو اوّل ہی جان و مال اپنا آپ ﷺ پر قربان کر چکے ہیں اور اپنا گھر بار آپؐ پر لٹا چکے، بھائی بندوں کو چھوڑا، یار دوستوں کو چھوڑا۔ اب ایک جان باقی ہے وہ بھی آپؐ پر نثار ہے اور ایک جان کیا ہزار جانیں ایسی یا رسول اللہ ﷺ آپ پر قربان ہیں۔ قطعہ:

میخواهم از خدا بد عاصد هزار جان
تـاصـد هـزار بـار بـمیرم برائے تو
مـن کیستـم که بهر تو جان را فدا کنم
اے صـد هـزار جان مقدس فدائے تو

”اے خدا! مجھے سو ہزار جانیں دے دے تا کہ تیرے واسطے سو بار مرسکوں، میں کون ہوں کہ تیرے واسطے جان فدا کروں تیرے لیے سو ہزار جانیں فدا ہیں۔“

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے نہ پائے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے بھی اپنی جاں نثاری کا شوق ایسا ہی بیان کیا۔ دیکھو تمہارے ہی مذہب کا مؤرخ ان اصحاب کبار کے ولولے اور شوق اور عشق اور آمادگی کو کن لفظوں سے لکھتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ جب پیغمبر خدا ﷺ نے سوال کیا تب، اشعار......

بپـاسُـخ ابـوبـکر از جـای خـاست
وزاں پـس عـمـر نیز قد کر دراست
بـگـفـتـند یا سید الـمـرسلینؐ
قـد پیـش بـگـذار و مـارا بـه بیں

کہ با دشمن دیں چھامی کنیم
چہ ساں در پیت جاں فدامی کنیم
بود تابہ تن جاں و در کف تواں
بیاریم شمشیر بر دشمناں
زجا خاست ایں بار سعد معاذ
چنیں گفت ازروی صدق و نیاز
کہ با جان و دل با همیں عهددست
بدست تو روزیکہ دادیم دست
سرومال و فرزند و خویش و تبار
هماں روز کردیم بر تو نثار

''پہلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا اے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آپ آگے بڑھیے اور پھر ہمیں دیکھئے کہ ہم دشمنوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں کس طرح آپؐ پر جان فدا کرتے ہیں، جب تک جسم میں جان اور ہاتھوں میں طاقت ہے دشمنوں پر تلوار چلاتے رہیں گے، اس مرتبہ سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور سچائی و نیاز مندی سے کہا کہ جان و دل سے اسی عہد پر قائم ہیں جس پر آپؐ کے ہاتھوں بیعت کی ہے، سر مال اولاد اورعزیز و اقارب اسی دن آپؐ پر قربان کر چکے ہیں۔''

پس جب ان اہل بدر کے شوق، محبت، ایمان اور اخلاص کا یہ حال تو تم صرف ایک اعملوا ما شئتم پر تعجب کرتے ہو اور ان وعدوں کو جو خدا نے ان کے واسطے جابجا قرآن مجید میں کیے ہیں کچھ خیال نہیں کرتے اس سے تو صرف مغفرت ثابت ہوتی ہے۔ ذرا قرآن مجید کھول کر دیکھو کہ مہاجرین وانصار کی شان میں خدا نے کیا کیا فرمایا ہے...... دیکھو......

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (سورۂ توبہ: ۱۰۰)

''اللہ راضی ان سے وہ راضی اس سے۔''

ان کی شان میں فرمایا ہے یا نہیں؟

﴿اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (سورۂ توبہ: ۱۰۰)

اللہ نے ان کے لیے باغ تیار کیے اس کے نیچے نہریں جاری۔''

ان کے حق میں کہا ہے یا نہیں؟

﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ (سورۂ توبہ: ۱۰۰)

''یہی تو بڑی کامیابی ہے۔''

ان کی نسبت قرآن میں آیا ہے یا نہیں۔

پس جو جو وعدے خدا نے ان سے کیے ہیں اس سے تو سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔تم ایک ہی وعدے پر تعجب کرتے ہو اور ان کی ساری خوبیوں سے چشم پوشی کر کے ان کے معائب تلاش کرتے ہو، اے یارو! ذرا انصاف کرو اور خدا کے لیے اپنے یہاں کی حدیث اور سیر کی کتابوں کو دیکھو کہ شیعیانِ کوفی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا کیا اور ان کی کیسی قدر کی اور کوفہ کے فضائل میں تمہارے یہاں کے محدثین کیا لکھتے ہیں وہی شیعیان کوفی تھے جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑا اور جنھوں نے ہمیشہ جناب امیرؓ کو رنجیدہ رکھا...... وہی کوفی تھے جنھوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا، جنھوں نے ان کے قدموں سے مصلیٰ تک نکال لیا، وہی کوفی تھے جنھوں نے اوّل حضرت مسلم کے ساتھ بیعت کی اور پھر وقت پر سب کے سب چنپت ہو گئے اور آخر بے چارے مسلم تن تنہا مع دو معصوم بچوں کے شہید ہو گئے۔ وہی کوفی تھے جنھوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور شوق و ذوق کے خط لکھے، چنانچہ بارہ ہزار خط شیعوں نے امام کو بھیجے اور جن کے سرنامہ پر یہی تھا کہ یہ خط علی رضی اللہ عنہ اور تمہارے شیعوں کی طرف سے ہے اور پھر ان خطوں میں کیسا اپنا شوق بیان کیا کہ کچھ بیان نہیں ہوتا، پس جب اس تمنا سے بلائیں اور نہایت اپنی آرزو ظاہر کریں کہ یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جلد تشریف لائیے اور اس خطہ کو رونق دیجیے، کوفہ کی زمین ہمہ تن چشم انتظار ہو رہی ہے، در و دیوار

سے خیر مقدم کی آواز آرہی ہے، ہر شخص کی زبان پر لبیک لبیک کی صدا ہے، ہر آدمی جمال باکمال کے انتظار میں محو ہو رہا ہے، ذرا جلد تشریف لایئے، ہم سب جاں نثاری کو حاضر ہیں پھر دیکھیے ہم کیا کرتے ہیں، اشعار......

سپاهی چون آشفقه پیلانِ مست
همه نیزه گرزو خنجر بدست
زتورأیت فتح افراختن
زما لشکر بیکراں ساختن
چو باتیغ آهنگ خون آورند
زسنگ آب و آتش برون آورند
چون تیر از کماں در کمیں آورند
سر آسماں برز میں آور ند

''مست ہاتھی کی طرح ہم آپ کے سپاہی ہیں سب نیزہ گرز اور خنجر لیے ہوئے ہیں آپ کے ذریعہ فتح کا جھنڈا بلند ہوگا، اس کے لیے ہمارا بے حساب لشکر تیار ہے جب تلوار سے لڑائی کا ارادہ کریں گے تو پتھر سے پانی اور آگ نکال لیں گے جب کمان سے تیر نشان پر لگائیں گے تو آسمان کا سرزمین پر لے آئیں گے۔''

جب حضرت امامؑ جائیں تو ایک بھی ساتھ نہ دے اور عذر وفریب کر کے یکہ وتنہا امام کو شہید کریں اور تین دن کا بھوکا پیاسا قتل کریں جس کے حال پر آسمان و زمین کو قیامت تک رقت ہے اور اس کے باوجود کوفہ کی وہ عزت بیان کی جائے کہ مکہ اور مدینہ کو بھی وہ عزت نہیں ہے، چنانچہ ملا باقر مجلسی ''تحفہ الزائرین'' میں لکھتے ہیں:

((در حدیث معتبر دیگر از حضرت امام جعفر صادق منقول است که حق تعالیٰ عرض کرد و لایت مارا بر هر اهل شهر پس قبول نه کردند مگر اهل کوفه .)) انتهی بلفظه

''ایک دوسری معتبر حدیث میں حضرت امام جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے ہماری ولایت کو ہر شہر والوں پر پیش کیا تو کسی نے قبول نہ کیا سوائے کوفہ والوں کے۔''

اس سے صاف ثابت ہوا کہ جو رتبہ خدا نے کوفہ کو دیا ہے اور اس کے رہنے والوں کو وہ نہ مکے کو ہے نہ مدینے کو بلکہ ایک حدیث میں امام زین العابدینؒ کی طرف سے ملا باقر مجلسی نے صاف لکھ دیا ہے کہ امام زین العابدینؒ فرماتے ہیں:

((بقدری جای پادر کوفه نزد من بهتر ست از خانه که در مدینه داشته باشم .))

''کہ کوفے کی ایک قدم رکھنے کی جگہ میرے نزدیک اس گھر سے بہتر ہے جو مدینے میں ہو۔''

یہ کوئی شبہ نہ کرے کہ کوفہ کے رہنے والے شیعہ نہ تھے اس لیے کہ بہ مقتضائے الحدیث بعضا یفسر بعضا خود قاضی نور اللہ شوستری ''مجالس المومنین'' [1] میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، ذرا اس کو سینے، عبداللہ بن ولید سے روایت ہے:

((گفت در زمان بنی مروان بخدمت امام جعفر علیه السلام رفتم آنحضرت از من ورفیقانِ من پر سید ند که شما چه کسانید گفتم از اهل کوفه ایم آنحضرت فرمودند در هیچ از يك بلاد ایں قدر دوست نداریم که در کوفه بعد ازاں فرمودند که ایتها العصابه ان الله هدا کم الامر جهله الناس و جتبمونا و ابغضنا الناس و بایعتمونا و خالقا الناس و وافقتمونا و کذبنا الناس و صد قتمونا فا حیا کم الله محیانا واما تکم مماتنا .))

[1] مجالس المومنین ترجمہ اردو صفحہ ۱۲۰، صفحہ ۱۲۱ ناشر اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ، کراچی۔

''میں ایک روز مروانیوں کے سلطنت کے زمانہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام نے پوچھا تم کہاں رہتے ہو، میں نے جواب دیا کہ کوفہ میں، حضرت نے فرمایا کہ کسی شہر میں ہمارے اتنے دوست نہیں ہیں جتنے کوفے میں اور پھر فرمایا کہ خدا نے تم کوفیوں کو اس بات کی ہدایت کی ہے، جس سے اور سارے لوگ جاہل رہے، تم کوفیوں نے ہم سے محبت کی اور سب نے ہمارے ساتھ دشمنی کی، تم کوفیوں نے ہماری بیعت کی اور سب نے مخالفت، تم نے ہمارا ساتھ دیا اور سب نے ہم کو جھٹلایا، تم نے ہماری تصدیق کی ہے۔ خدا تم کو ہماری زندگی پر جیتا رکھے اور ہماری سی موت پر تمہاری موت ہو۔''

اس حدیث کو کہیں کہیں قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں:

((بالجمله تشیع اهل کوفه حاجت به اقامت دلیل ندارد .))

''اہل کوفہ کے شیعہ ہونے پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔''

پس اے مومنین! اب دبیر اور انیس کے مرثیے جلاؤ اور کتاب خوانی موقوف کرو، اس لیے کہ جن کوفیوں کی تم شکایت کرتے ہو اور جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا وہ خاص اس کوفے کے تھے جہاں کے رہنے والے امام کے جان وجگر تھے اور جس کا رتبہ امام کے نزدیک مکہ مدینہ سے بھی زیادہ تھا اور جس کے رہنے والوں کی موت اور زندگی امام کی سی تھی۔ پس وہ کوفہ جس کی ایسی عزت ہو اور وہ کوفی جن کی یہ قدر ومنزلت ہو، مذمت کے لائق نہیں ہیں، ان کی شان میں مدح کے قصیدے کہو اور ان پر رحمت بھیجو، اس لیے کہ وہ کوفہ معیار تشیع ہے، کوفی ہونا شیعہ ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری تمہاری ''مجالس المومنین'' میں فرماتے ہیں:

((کوفی بودن شخصے دلیل تشیع است اگر چه ابو حنیفه کوفی باشد .))

''کسی شخص کا کوفی ہونا شیعہ ہونے کی دلیل ہے اگر چہ ابو حنیفہ کوفی ہے۔''

پس اے حضرات شیعہ! جن کوفیوں کے حالات آج کل تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے بھی جانتے ہیں اور جاہل لڑکے بھی ان کے حق میں اَلْکُوْفِیْ لَا یُوْفِیْ پڑھتے ہیں اور جن کے حالات مکروغدر اور بے وفائی کے محرم میں علی رؤس المنابر تمہارے چھوٹے بڑے سب بیان کرتے ہیں اور جن کا امام کو تشنہ کام شہید کرنا ہر آدمی پر ظاہر ہے اور اس شعر کا مضمون: شعر

از آب ہم مضائقہ کردند کوفیاں

خوش داشتند حرمتِ مہمان کربلا

''کوفیوں نے پانی بھی تنگ کر دیا کربلا کے مہمان کی اچھی عزت کی۔''

سب پر روشن ہے، ان کی شان میں ائمہ کرام کی ایسی ایسی تعریفیں تمہارے محدثین نقل کریں اور اس کو امام کی طرف نسبت دیں اور امام کی زبان سے ان کے حق میں یہ کلمہ کہ ''تم کو خدا ہماری سی زندگی اور ہماری سی موت دے۔'' نقل کریں اور کوفہ کی ایک مشت خاک کو مدینہ منورہ کی زمین سے بھی زیادہ امام کے نزدیک محبوب ہونا بیان کریں اور کوفیوں کو ائمہ کا محبوب اور دوست کہیں اور ائمہ کی دوستی کے سبب ان کو جنتی اور بہشتی جانیں اور پھر ان لغویات اور ہذیانات کو سن کر تمہارے ایمان کی رگ کو ذرا بھی جنبش نہ ہو اور تمہارے پاک دلوں کو کچھ بھی وسوسہ پیدا نہ ہو بلکہ ان کوفیوں کی حرکتوں کی ہر سال خود نقلیں کر کے مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِیْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ کا مضمون ادا کرو اور اپنے مجتہدین و محدثین کی نسبت ان روایاتِ کاذبہ اور اقوالِ مہملہ کے نقل کرنے پر کچھ غیرت ایمانی کا جوش نہ دکھلاؤ بلکہ سب کو جھوٹ ہو یا سچ، غلط ہو یا صحیح آمنا و صدقنا کہہ کر تصدیق کرو اور جب رسول ﷺ کے یاروں اور پیغمبر کے حواریوں کا نام آئے اور بدریوں کی نسبت مغفرت کا وعدہ کسی بے چارے سنی کی زبان سے سنو تو بس سنتے ہی سارے بدن کا خون جوش کرنے لگے اور تمام جسم تعصب کی آگ سے پھکنے لگے، تشیع کا وہ جوش ہو کہ رگ رگ مارے غصے کے پھول جائے، عداوت کا وہ غلیان ہو کہ سودا صفرا سب ایک ہو جائے، اس وقت سارے شیطانی وسوسے دل میں پیدا ہو جائیں، لفظ لفظ پر گرفت بات بات پر شبہ کرنے لگو۔

سبحان اللہ! اپنے کوفیوں کے برابر بھی بدریوں کا رتبہ نہیں سمجھتے اور ان کے حق میں جن باتوں اور جن قولوں کو صادق سمجھتے تھے ان کو پیغمبر ﷺ کے یاروں کے حق میں غیر صادق کہتے ہو۔ یہ کیسا ایمان ہے کہ نام تو رسولؐ کا لو اور کلمہ پڑھو عبداللہ بن سبا کا، ایمان تو تم کو نصیب ہو خلفاء کے طفیل اور شکر ادا کرو اس یہودی ملعون کا اور پھر پاک صاف بن کر سنیوں کے سامنے ہو کر مباحثہ کا قصد کرو اور خدا کی آیتوں اور رسول ﷺ کی حدیثوں اور ائمہ کے قولوں کو چند مفتری مکاروں کے مقابلہ میں جھٹلاؤ۔

بھائیو! یہ کیسا دین اور ایمان ہے، یا تو مسلمانی کو چھوڑو، پاک صاف یہودی بن جاؤ یا اگر مسلمان ہو تو مسلمانوں کے سے عقیدے رکھو، اس خرافات و اہیات مذہب پر جس کی بنا سراسر جھوٹ اور فریب پر ہے تبرا بھیجو، اس کے بانیوں پر لعنت کرو ورنہ ایسے دو لفظ ہیں چھوٹا چھوٹا کاذب چھوٹے چھوٹے منہ سے ایسا بڑا دعویٰ ایمان کا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مسلمان ہونا اور پھر رسول خدا ﷺ کے یاروں کو برا سمجھنا عجب ایمان ہے کہ جو لفظ ہی لفظ ہے جس کے کچھ معنی نہیں اور پوست ہی پوست ہے جس میں کچھ مغز نہیں سچ کہا ہے جس نے کہا ہے: شعر

وجدو منع بادہ اے زاہد چہ کافر نعمتے ست
دشمن می بودن و ہمرنگ مستاں زیستن

”مستی اور شراب سے روکنا اے زاہد کیسی نعمت کی ناشکری ہے، دشمن بھی ہو شراب کے اور مستوں کی سی زندگی بھی ہے۔“

غرض جو فضیلت خدا نے اہل بدر کو دی اور جس کا ثبوت قرآن مجید سے ہوتا ہے اور جس کا اقرار مفسرین شیعہ بھی کرتے ہیں اور جن کے اعمال بھی اس پر دلالت کرتے ہیں وہ کسی قدر ہم لکھ چکے اب اس کے مقابل میں ایک قول مجتہد صاحب ثانی کا جو ”مقالهٔ ثالثه“ میں اپنی کتاب کے لکھا ہے اور جس کا جواب ”ازالة الغين“ ہے نقل کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ حضراتِ شیعہ کے نزدیک ان کا درجہ کیسا ہے، مجتہد صاحب فرماتے ہیں:

((دعویٰ نفاق ایشاں و غدر اهل بدر .))

''ان کے نفاق کا دعویٰ اور اہل بدر کی دغا۔''

((ورضوان علی مدعا ماست ماھم ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۹)

''اور اللہ کی رضا مندی ہمارے مدعا کے مطابق ہے کہ دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے حالانکہ ناسمجھی میں وہ خود ہی کو دغا دیتے ہیں۔''

سبحان اللہ! کیا دین و ایمان ہے کہ کوفی تو اہل وفا ہوں اور اصحابِ بدر رضی اللہ عنہم اہل غدر ہوں۔ خدا اس قوم سے سمجھے اور ان کے کفریات کا بدلہ دے، نعوذ باللہ من ھفواتھم!

مجتہد صاحب قبلہ ''ذوالفقار'' میں آیات فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کے معارضے میں ایک اور آیت لکھتے ہیں، یعنی:

﴿اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ (سورہ منافقون: ٤)

''جب تو دیکھے ان کو اچھے لگیں تجھ کو ان کے جسم اور اگر بات کہیں تو سنے تو ان کی بات، کیسے ہیں جیسے کہ لگا دی لکڑی دیوار سے، جب کوئی چیخ ہو تو سمجھیں ہمیں پر بلا آئی، وہی ہیں دشمن، ان سے بچتا رہ، گردن مارے اللہ ان کی کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔''

مگر اس میں بھی مجتہد صاحب نے مغالطہ دیا اور تحریف سے کام لیا اور اخیر کی آیتوں کو چھوڑ کر بیچ میں سے ایک دو آیتیں لکھ دیں، اب میں ان کو لکھ کر اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ یہ آیت جو مجتہد صاحب نے فضیلت کے معارضہ میں پیش کی ہے یہ سورۂ منافقوں کی ہے جو کہ منافقین کی شان میں خدا نے نازل کی ہے اور شروع اس کا یہ ہے:

﴿اِذَا [1] جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ

---

[1] مجالس المومنین ترجمہ اردو صفحہ ۱۲۰، صفحہ ۱۲۱ ناشر اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ، کراچی۔

يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَo اِتَّخَذُوْٓا
اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَo
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَo
وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ
خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ
قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَo وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَo
سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ
لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَo هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا
تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَo يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ
رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَo﴾ (المنافقون : ١۔٨)

’’جب آئیں تیرے پاس منافقین، کہیں ہم قائل ہیں تو رسولؐ ہے اللہ کا، اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسولؐ ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر، پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ یہ لوگ جو کر رہے ہیں برے کام ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے، پھر مہر لگ گئی ان کے دل پر، سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے، اور جب تو دیکھے ان کو تو اچھے لگیں تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات، کیسے ہیں جیسے کہ لکڑی لگا دی دیوار سے، جو کوئی چیخے جانیں ہمیں پر بلا آئی، وہی ہیں دشمن ان سے بچتا رہ، گردن مارے ان کی اللہ، کہاں سے پھرے جاتے ہیں اور جب کہیے ان کو آؤ معاف کرا دے تم کو اللہ کا رسولؐ، مٹکاتے ہیں اپنے سر اور تو دیکھے

کہ وہ رکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں، برابر ہے ان پر تو معافی چاہے ان کی یا نہ معافی چاہے، ہرگز نہ معاف کرے گا ان کو اللہ، بے شک اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔ وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں، رسول اللہ کے یہاں تک کہ متفرق ہو جائیں، اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے ولیکن منافق نہیں سمجھتے۔ کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو۔ اور زور تو اللہ کا ہے اور اس کے رسولؐ کا اور ایمان والوں کا، لیکن منافق نہیں جانتے۔''

ان ساری آیتوں کے نقل کر دینے سے ہی مجتہد صاحب کا جواب ہو گیا اور جو مغالطہ اور دھوکہ حضرت نے دیا تھا وہ کھل گیا اور یہ معلوم ہوا کہ یہ آیتیں منافقوں کے بارے میں ہیں۔ مگر حضرات شیعہ سے کب امید ہے کہ وہ صرف قرآن مجید کے الفاظ اور اس کے معنی پر قناعت کریں۔ضرور ہے کہ وہ اس پر بھی ساکت (خاموش) نہ ہوں گے، اس لیے ہم انہیں کی تفسیر سے اس کی شان نزول بیان کرتے ہیں:

واضح ہو کہ تفسیر علی ❶ بن ابراہیم قمی میں جو کہ ابو جعفر ❷ کلینی کے استاذ تھے سورۂ منافقون

---

❶ تفسیر علی بن ابراہیم قمی روافض کی قدیم ترین تفسیروں میں ہے۔ بقول روافض اس کے مفسر ابوالحسن علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی گیارہویں امام حسن عسکریؒ کے شاگرد تھے، تیسری صدی ہجری کے ممتاز شیعہ علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ فہرست طوسی میں ان کی نسبت لکھا ہے علی بن ابراهيم بن هاشم القمی ابوالحسن ثقة فی الحديث ثبت معتمد صحيح المذهب۔ (فہرست طوسی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۰۹) یعنی علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی ابوالحسن حدیث میں ثقہ ہے پکا ہے معتمد ہے صحیح المذہب ہے۔

❷ ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحٰق کلینی الرازی ایران کے شہر رے کے قریب کلین نامی ایک دیہات میں بزمانہ حضرت امام حسن عسکریؒ لگ بھگ ۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ دوسرے اساتذہ کے علاوہ انہیں علی بن ابراہیم قمی اور علی بن محمد سمری آخری نائب خاص (امام فرضی) کی شاگردی کا شرف بھی حاصل تھا۔ روافض کے مذہب کی اساس اور بنیاد جن چار کتابوں (کتب اربعہ) پر ہے ان میں سب سے جامع اور مستند ترین کتاب ''الکافی'' انہیں کی تالیف ہے...... روافض کے خیال میں اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسے امام زمانہ کے نائبین کے عہد میں لکھا گیا ہے اور وہ بارہویں (فرضی) امام کی تصدیق شدہ بھی ہے۔ الفضل مطیع اللہ کے دور حکومت میں ۳۲۹ھ میں انتقال ہوا۔ (شیخ محمد اشرست)

کے نزول کا سبب اس طور پر لکھا ہے کہ ۷ ہجری میں جبکہ غزوۂ بنی المصطلق پر پیغمبر خدا ﷺ تشریف لے گئے جب وہاں سے لوٹے تو راہ میں ایک کنویں پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اجورہ دار نے جس کا نام جہجاہ تھا، انس بن سیار کو جو کہ انصار کا منہ بولا بھائی تھا مارا۔ عبداللہ بن ابی کو جو کہ مدینہ کا رہنے والا تھا یہ خبر ہوئی، اس کو ناگوار ہوا اور اپنے لوگوں، یعنی مدینہ والوں سے کہا کہ اسی لیے قریشیوں کا آنا نہیں چاہتا تھا، یہ سب تمہارے کام ہیں کہ تم نے ان مکے کے رہنے والوں کو اپنے گھروں میں اتارا اور اپنے مالوں کو ان پر خرچ کیا اور اپنی جانوں کو ان کے پیچھے تلف کیا اور اپنی بیویوں کو بیوہ، اپنے بچوں کو ان کی خاطر سے یتیم کیا، تب یہ ذلت ہوئی اگر تم ان کو نکال دیتے تو وہ دوسروں کے اوپر جا پڑتے اور یہ کہہ کر یہ کہا: ﴿لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ ”یعنی اگر ہم مدینہ واپس لوٹے تو عزت والا ذلیلوں کا نکال دے گا۔“ اس قوم میں ایک لڑکا موجود تھا جس کا نام زید بن ارقم تھا، اس نے پیغمبر خدا ﷺ سے یہ خبر کہہ دی، حضرت ﷺ کو اس بات کے سننے سے بڑا رنج ہوا اور انہوں نے کوچ کی تیاری کی کہ سعد بن عبادہؓ دوڑے آئے اور کہا کہ یارسول اللہ! یہ تو وقت آپؐ کے کوچ کرنے کا نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اپنے صاحب کی باتیں سنیں، انہوں نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! ہمارا صاحب تو آپ ﷺ کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہے۔ تب حضرت ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی گمان کرتا ہے کہ اگر مدینے کو لوٹے تو عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ تب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یا حضرت آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم عزت والے ہیں اور عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب ذلت والے ہیں۔

غرض یہ سن کر خزرج جو مدینہ والوں کا ایک قبیلہ ہے، عبداللہ بن ابی پر لعنت ملامت کرنے لگے، اس نے حلف کیا کہ میں نے تو کچھ نہیں کہا تو لوگوں نے کہا کہ اچھا پیغمبر صاحب ﷺ کے سامنے چل کر عذر کر، اس نے اپنی گردن جھکائی تب دوسرے دن صبح کو وہ پیغمبر ﷺ کے سامنے آیا اور حلف کیا (قسم کھائی) کہ میں نے کچھ نہیں کہا اور کہا کہ اَشْهَدُ

اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰه اور عذر کیا کہ زیدؓ نے میرے اوپر جھوٹی تہمت کی تھی۔ پھر لوگ زید رضی اللہ عنہ پر ملامت کرنے لگے، آخر خدا نے سورۂ منافقون نازل کی اور پیغمبر خدا نے وہ سورۂ اصحاب کو جمع کر کے سنائی۔ فقط

غرض کہ یہ قول ایک بڑے مفسر سے ثابت ہوا کہ یہ سورت عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کے بارے میں نازل ہوئی اور جناب قبلہ وکعبہ نے نہ معنی سمجھے نہ شان نزول پر خیال فرمایا، نہ اپنی تفسیروں کو دیکھا، بلکہ دیدہ و دانستہ کچھ آیتیں اوپر کی اڑادیں اور کچھ نیچے کی، بیچ میں کی دو آیتیں لکھ کر اصحاب رضی اللہ عنہم کی فضیلت کے معارضے میں پیش کیں...... اگر ایسا ہی معارضہ کرنا تھا تو جو آیتیں قرآن مجید میں بنی اسرائیل، فرعون اور نمرود اور شداد کی شان میں ہیں ان سب کو فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کی آیات کے معارضے میں لکھ دیتے تاکہ کتاب کا حجم بھی بڑھ جاتا اور حضرت کی قرآن دانی کا بھی لوگ اقرار کرنے لگتے۔

غرض کہ جناب قبلہ وکعبہ ان آیات کو لکھ کر فرماتے ہیں:

((وامثال ایں دیگر آیات ست پس لابدست کہ در جمع بین الآیات گفتہ شود کہ مورد آیات مناقب غیر مورد آیات ذم ست پس بعضے صحابۂ آنحضرتؐ عموماً ممدوح باشند و بعضے مذموم وایں عین مطلوبِ شیعیان است.))

''مندرجہ بالا آیات کی مانند اور بھی آیات ہیں اور ضروری ہے کہ جمع آیات کے بارے میں وضاحت کی جائے کہ آیات مناقب اور آیات مذمت جن کے بارے میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ الگ الگ ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ قابل تعریف اور بعض قابل مذمت ہیں اور شیعوں کا کہنا بھی یہی ہے۔'' (ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۶۴)

پس یہ وہم جناب قبلہ وکعبہ کو قرآن مجید کی آیات کے معنی نہ سمجھنے سے پیدا ہوا ہے، اس وہم کا علاج تفسیر اور شان نزول کا مطالعہ تھا، اگر حضرت شان نزول دیکھتے اور اپنی ہی تفسیروں

کو ملاحظہ فرماتے اور اگلی پچھلی آیتوں کو ملا کر غور کرتے تو حضرت یہ ضابطہ اور کلیہ جمع بین الآیات کا ارشاد نہ فرماتے۔ اس لیے کہ جو آیتیں کافروں اور منافقوں کی شان میں ہیں ان سے مہاجرین اور انصار و اصحاب نبوی کو کچھ تعلق ہی نہیں ہے اور یہ آیتیں جن میں کفر، نفاق اور دین میں سستی وغیرہ کا ذکر ہے وہ منافقوں کی شان میں ہیں جو اصحاب نبوی ﷺ میں داخل نہیں ہیں...... اصحاب نبوی اور منافقوں میں تناقض کی نسبت ہے نہ کہ توافق کی...... اس لیے ان آیتوں کا جو کہ اصحاب رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں ہیں ان آیتوں سے ملانا جو کہ منافقین کی مذمت میں ہیں درحقیقت جمع بین الآیات نہیں ہے بلکہ حضور جمع بین النقیضین ہے جو ہمارے نزدیک ممتنع اور آپ کے نزدیک ممکن ہے۔ پس اپنے لیے آپ گھر بیٹھے ایسی آیتوں کو جمع کیا کیجیے اور اپنے دل میں قاعدے بنایا کیجیے اور انہیں موضوع اور غلط اصول پر کسی کو خارج کسی کو داخل کیجیے۔ یہاں تو خدا کی ہدایت و ضلالت نے ہم کو اس جمع سے فارغ کر دیا جن کو چاہا مہاجرین و انصار میں داخل کیا جن کو چاہا منافقین میں شامل کیا۔

پانچویں دلیل صحابہ رضی اللہ عنہم کے منافق نہ ہونے کی:

جو شخص قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہو گا وہ مہاجرین اور انصار کی نسبت منافق کے لفظ کو ہرگز نہ بولے گا، اس لیے کہ قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں جس میں صاف یہ حکم ہے کہ منافقوں سے نہ ملو، ان سے راضی نہ رہو اور ان کو اپنے ساتھ جہاد میں نہ رکھو، ان کا کچھ عذر نہ سنو...... پس اگر مہاجرین اور انصار خصوصاً خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم منافق ہوتے تو کیوں پیغمبر ﷺ ان کو ذلیل نہ کرتے اور کیوں ان کو اپنی صحبت میں رکھتے اور کیوں ان سے صلاح و مشورہ لیتے اور کیوں ان کو اپنے ساتھ جہاد میں رکھتے...... چنانچہ جو دعویٰ میں نے کیا ہے اس کے ثبوت میں دو تین آیتوں کو لکھتا ہوں:

اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

پہلی آیت:

﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ

لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ○﴾ (التوبہ: ۱۴ تا ۹۶)

''بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب پھر کر جاؤ گے ان کی طرف، تو کہہ بہانے مت بناؤ، ہم نہ مانیں گے تمہاری بات، ہم کو بتا چکا ہے اللہ تمہارے احوال، اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام اور اس کا رسولؐ، پھر جاؤ گے اس چھپے اور کھلے جاننے والے کی طرف، سو وہ بتا دے گا تم کو جو کر رہے تھے۔ اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے پاس جب پھر جاؤ گے ان کی طرف تا کہ ان سے درگزر کرو، سو درگزر کرو ان سے، وہ لوگ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ ان کی کمائی کا، قسمیں کھائیں گے تمہارے پاس کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم راضی ہو گے ان سے تو اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے۔''

ان آیتوں سے چند باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ منافقوں کا عذر کرنا اور اس پر پیغمبر ﷺ کا یقین نہ کرنا۔

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کا ان کے حال سے آگاہ ہونا۔

۳۔ ان کا جلد سزا پانا اپنے اعمال کے بدلے میں۔

۴۔ پیغمبر ﷺ کو ان سے روگردانی کا حکم ہونا اور ان سے ملنے کی ممانعت۔

۵۔ کتنا ہی وہ حلف دیں کہ راضی ہو، ان سے راضی ہونے کی ممانعت۔

۶۔ ان کا مسلمانوں کی ہمیشہ ذلت چاہنا اور اسی فکر میں رہنا اور پھر خود ہی ان کا ذلیل ہونا۔

اب ان باتوں میں سے صرف ایک ہی بات کو مہاجرین اور انصار خصوصاً خلفائے ثلاثہؓ

سے مطابق کر دیجئے یا پیغمبر ﷺ کو باوجود ایسے احکام الٰہی کے اور نفاق خلفائے ثلاثہؓ کے ان سے روگردانی نہ کرنے پر پیغمبر ﷺ کی شان میں جو چاہے سو کہیے ہماری زبان سے تو کچھ بے ادبی کا کلمہ نہیں نکلتا اور عدول حکمی یا تقیہ کا ایسے پاک صاف کی نسبت اطلاق نہیں ہوسکتا۔

دوسری آیت:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾ (سورۂ توبہ: ۷۳)

''کہ اے پیغمبرؐ! جہاد کر کافروں سے اور منافقوں سے۔''

تو اگر منافقین و انصار منافق تھے تو اتنا ارشاد کر دیجئے کہ کب اور کس کے ساتھ پیغمبر خدا ﷺ نے ان پر جہاد کیا یا ان کے منافق ہونے کے باوجود پیغمبرؐ نے خدا کے حکم کی تعمیل نہ کی۔

تیسری آیت:

﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا﴾ (سورۂ توبہ: ۸۳)

''پھر اگر پھیر لے جائے اللہ تجھ کو کسی فرقہ کی طرف ان میں سے، پھر یہ رخصت چاہیں تجھ سے نکلنے کی تو تُو کہہ کہ ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ کسی دشمن سے۔''

اس آیت کے مطالعے کے بعد یہ فرما دیجئے کہ پیغمبر ﷺ اپنے ساتھ جہاد پر ان لوگوں کو جنہیں تم منافق کہتے ہو لے گئے یا نہیں؟ اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو چند ورق الٹ کر ''حملۂ حیدری'' کے اشعار جنگ بدر کے دیکھ لو۔

چوتھی آیت:

﴿یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ﴾ (سورۂ توبہ: ٦٤)

''ڈرا کرتے ہیں منافق کہ نازل نہ ہو ان پر کوئی سورت کہ جتائے اُن کو جو ان کے دل میں ہے تو کہہ ٹھٹھے کرتے ہو، اللہ کھولنے والا ہے جس چیز کا تم کو ڈر ہے۔''

اس آیت کو پڑھ کر ذرا یہ فرما دیجیے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ان لوگوں کے نفاق کو جنہیں تم منافق کہتے ہو کبھی ظاہر کیا اور لوگوں پر ان کا نفاق کھول دیا، یا نہیں اور سوائے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جس سے دروازہ بند کر کے نہایت آہستہ زبان دبا کر نفاق ظاہر کرنے کا حال آپ لوگ بیان کرتے ہیں کسی مجمع میں بھی ان کے نفاق کا حال حضرتؐ نے ظاہر کیا۔

غرض کہ اس کے مثل بہت سی آیتیں منافقوں کے حال میں ہیں جن کا لکھنا ضروری نہیں ہے، پس مسلمان کو اتنا سوچ لینا چاہیے کہ اگر مہاجرین و انصار منافق ہوتے تو پیغمبر ﷺ ان کے نفاق کو ظاہر کیوں نہ کرتے اور کیوں وہ ذلیل نہ ہوتے اور ان کے مارے جانے اور قتل ہونے اور ذلیل و رُسوا ہونے کا جو وعدہ خدا نے کیا تھا وہ کیوں پورا نہ ہوتا بلکہ برخلاف اس کے اور ان کی عزت ہوتی اور روم و شام اور ایران و مصر پر ان کو غلبہ ہوتا۔ استغفر اللہ! عجیب عقیدہ ہے شیعوں کا کہ نہ قرآن کے مطابق نہ حدیث کے۔

اب باقی رہے چند اعتراض جو خلفائے ثلاثہ اور مہاجرین و انصار کی نسبت حضرات شیعہ کرتے ہیں اور اس سے ان کے نفاق پر دلیل لاتے ہیں:

۱۔ احد اور حنین کی لڑائی کا معاملہ۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نفاق کا حال حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھنا۔

۳۔ صلح حدیبیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شک کرنا۔

۴۔ لیلۃ العقبہ کو قتل پیغمبر ﷺ کا ارادہ کرنا۔

۵۔ فدک کا غصب کرنا۔

۶۔ قرطاس (قلم و کاغذ) پیغمبر ﷺ کو نہ دینا۔

۷۔ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے خلافت کا غصب کرنا۔

۸ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھنا۔

اوراس کے مثل دوسرے اعتراضات جن کے نام ہر ورق اور ہر صفحہ میں مجتہد صاحب کے قلم سے ''ذوالفقار'' وغیرہ میں نکلے ہیں اور جن کا شافی جواب دینا ہم کو منظور ہے نہ کہ مجتہد صاحب کی طرح خلط مبحث کرنا اور گول مول بات کہہ کر آگے بڑھ جانا۔ اس لیے ان شاء اللہ تعالیٰ مطاعن صحابہ اور خلافت کی بحث میں اس تفصیل کے ساتھ یہ سب بیان کیے جائیں گے کہ جس کو دیکھ کر حضرات شیعہ بے اختیار کہنے لگیں:

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

(سورة بنی اسرائیل: ۸۱)

''یعنی حق آیا اور باطل گیا، باطل تو جانے ہی والا ہے۔''

غرض کہ اس مقام پر میں نے آیاتِ فضیلتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیان کر کے سب شیعوں کی طرف سے یہ بیان کیا تھا کہ وہ کہتے ہیں: جو آیتیں مہاجرین وانصار کی فضیلت میں ہیں یہ ان لوگوں سے متعلق ہیں جو کہ ایمان دار تھے اور اکثر اصحاب رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم ایمان نہ رکھتے تھے، چنانچہ اس سے میں نے یہ بحث کی کہ ایمان نہ رکھنے کے دو معنی ہیں:

۱۔ یہ کہ خدا اور رسول کے منکر تھے کہ ایسے شخص کو منافق کہتے ہیں، چنانچہ جو آیتیں اس کے معارضے میں مجتہد صاحب نے لکھی ہیں اس کا جواب ہو گیا اور بخوبی ثابت ہو گیا کہ وہ منافق نہ تھے۔

۲۔ یہ کہ وہ اصول موضوعۂ شیعہ میں سے ایک اصول ''امامت'' کے منکر تھے کہ اس وجہ سے وہ کافر تھے۔ اس کا بھی اجمالی جواب دے چکا کہ جب آیتیں نازل ہوئیں اور جس وقت خدائے جل شانہ نے ان کی تعریف کی اس وقت امامت اصول دین سے نہ تھی، اگر اس وقت امامت کا اصول دین سے ہونا ثابت کر سکو تو کرو (وفعلیکم بالبیان وعلینا وقفه بالبرهان.)

پس دو باتیں باقی رہ گئیں:

۱۔ یہ کہ پیغمبر خدا ﷺ کی وفات کے بعد وہ امامت کے منکر ہو گئے اور علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا حق چھین لیا۔

۲۔ اہل بیت سے عداوت رکھی اور ان کے حقوق غصب کیے کہ یہ امور بھی کفر ہیں۔ چنانچہ اس کا جواب میں بحث امامت اور مطاعن میں دوں گا اور ہر بات کو اس تفصیل سے لکھوں گا کہ نہ کسی شیعہ کی کوئی دلیل رہ جائے نہ کسی سنّی عالم کا جواب باقی رہے، یعنی وہ سوال و جواب جن کے سننے کے بغیر حالت منتظرہ باقی رہے، نہ یہ کہ جتنے دنیا میں شیعہ سنی ہوئے ہیں ان سب کی باتیں کہ یہ محال اور فضول بھی ہیں مگر ان شاء اللہ تعالیٰ اس صراحت سے لکھوں گا کہ صرف دیکھنے والے کو انصاف اور فیصلہ کرنا رہ جائے اور اکثر روایت کے دیکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ لیکن اس مقام پر وہ جوابات جو عام آیات فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم سے شیعہ دیتے ہیں اور جس میں سے کچھ اوپر مذکور ہوئے اور کچھ رہ گئے ہیں ان باقی ماندہ جوابوں کو بیان کر کے قرآن و حدیث ہی سے اس کا جواب دینا شروع کرتا ہوں:

﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (سورۂ اعراف: ۲۰۴)

"تو اس طرف کان رکھو اور چپ رہو شاید تم پر رحم ہو۔"

شیعوں کا دوسرا جواب آیاتِ فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم سے:

جو کچھ اوپر ہم نے بیان کیا اس میں صرف ہم نے شیعوں کا یہی جواب لکھا ہے کہ مہاجرین میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیت بخیر نہ تھی۔ اب سنیے کہ اس کے علاوہ اور کیا جواب دیتے ہیں...... شاہ صاحب "تحفہ" میں ملا عبداللہ کی تقریر کو نقل کرتے ہیں کہ ملا عبداللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے جو رضا مندی اپنی آیت:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾

(سورۂ توبہ: ۱۰۰)

"اور سابقون الاوّلون مہاجرین اور انصار میں سے۔"

میں مہاجرین اور انصار کی نسبت بیان کی ہے یہ صرف سبقتِ ہجرت ونصرت کی نسبت ہے اور خاص اس فعل سے وہ راضی ہوا مگر اس سے ان کا جنتی ہونا لازم نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کے واسطے اس رضا کا آخر تک باقی رہنا ضروری ہے اور آخرت تک رضا باقی رہنے کا حال خاتمے پر ہے...... اس تقریر کو لکھ کر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ تقریر قواعد اصول کی رو سے درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ خدائے جل شانہ نے مہاجرین وانصار کی ذات کی تعریف کی ہے اور چونکہ وصف عنوانی میں سبقت ہجرت ونصرت کا ذکر کیا، اس لیے یہ وصفت غلبۂ تعلق رضا کی ہوگی نہ کہ یہی وصف تعلق رضا کے...... اس کے جواب میں جناب مجتہد صاحب ''ذوالفقار'' میں فرماتے ہیں:

((هنوز باثبات نه رسیده که مراداز سبقت دریں جاسبقت فی الهجرت ست پس غایت مافی الباب علت رضا سبقت الی الاسلام یا سبقت الَی الموت یا سبقت الی الهجرت لا علی الیقین خواهد بود وایں علت مبهمه برائے تُو بهیچ وجه مفید نمی تو اند شد.))

''یعنی یہ سب تقریریں تو اس وقت کی جائیں کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ مراد السابقون الاولون من المهاجرین والانصار سے ہجرت میں سابق ہونا ہے حالانکہ یہی بات ہمارے یہاں صاف نہیں ہے کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ سے کیا مراد ہے آیا ہجرت کی سبقت یا اسلام کی سبقت یا موت کی سبقت، پس جبکہ علت مبہم ہے تو وہ کچھ مفید مطلب نہیں۔''

غرض کہ حضرت نے سارا قصہ ہی طے کر دیا کوئی جھگڑے کی بات ہی نہ رکھی، یعنی یہ سب فضیلتیں تو جب ثابت ہوں کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ کے کیا معنی ہیں؟ آیات ہجرت میں سبقت کرنے والے مراد ہیں یا کہ اسلام میں سبقت کرنے والے مقصود ہیں یا کہ موت پر سبقت کرنے والے، یعنی مردے مراد ہیں...... پس جب اسی میں شبہ ہے تو ایسی مبہم بات کی

سند کچھ مفید نہیں...... غرض کہ علت رضا کے مبہم ہونے کے سبب اس آیت سے کچھ کسی کی فضیلت ہی ثابت نہیں ہوتی اور یہ معنی جو حضرت نے فرمائے ہیں یہ بڑے غور و تامل کے بعد فرمائے ہیں، چنانچہ خود اس سے پیشتر فرما چکے ہیں:

((ایضاً آنچه بعد تامل و نظر دقیق ظاهر می گردو صفحه ۵۷ ذوالفقار تا قوله اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.))

''نیز غور فکر اور تامل کے بعد ظاہر ہوتا ہے صفحہ ۵۷ از ذوالفقار، اور جب شک و شبہ پیدا ہو جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔''

اب قبلہ و کعبہ اس تقریر کو اپنی مدلل کرتے ہیں اور منطقی دلائل سے اس امر کو ثابت فرماتے ہیں کہ مراد ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ سے موت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں، یعنی مردے جو مر چکے ہیں وہ مراد ہیں، کما یقول:

((وثانیاً اینکه علت رضائے مهاجرین وانصار از حق تعالیٰ مجرد هجرت و نصرت نمی تواند شد بلکه نظر دقیق حکم می کند که رضای آنها از حق تعالیٰ و تسلیم او امر و نواهی اوعلت هجرت و نصرت شده واین قرینه دیگر است براینکه مراد از سابقین سابقین الی الموت اند.))

''یعنی مہاجرین و انصار سے خدا کی رضا مندی کا سبب یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ فقط پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے سے یا رسولِ مقبولؐ کو مدد دینے سے وہ راضی ہو جائے بلکہ نظر دقیق حکم کرتی ہے کہ ان کا خدائے تعالیٰ سے راضی ہونا اور اس کے اوامر و نواہی کا بجا لانا ان کی ہجرت و نصرت کی علت ہے۔ پس یہ دوسرا قرینہ ہے کہ مراد ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ سے سابقین الی الموت ہیں، یعنی جو کہ مرنے میں سبقت اور پیش قدمی کر گئے اور سب سے پہلے مر گئے۔'' فقط

سبحان اللہ! کیا نظر دقیق ہے جناب قبلہ و کعبہ کی کہ کیا خوب معنی نکالے ہیں، حقیقت

میں بے چارے شاہ صاحب ایسی دقیق نظر کہاں سے لاتے جوان باریک نکتوں کو سمجھتے کہ مراد ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ سے مُردے ہیں...... خیر ہم نہایت شکرادا کرتے ہیں، مجتہد صاحب کا کہ مردے مہاجرین وانصار تو اس میں داخل رکھے اگر وہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ کے معنی یہی کہتے کہ حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے جنت سے ہجرت کی تھی۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جنہوں نے مدین کو ہجرت کی تھی تو ہم کیا کرتے، یا فرما دیتے کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ سے مراد جبرئیل ومیکائیل ہیں جو سب سے پہلے پیدا ہوئے ہیں تو ہمارا کیا بس چلتا...... بہرحال جب معنی ہی بنانا پڑے اور نظمِ قرآنی کا کچھ لحاظ نہ رہا تو پھر بے سروپا بات کہہ دینے والے سے کیا زور چل سکتا ہے۔ جو کچھ وہ رعایت کرے وہی احسان ہے۔

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ قبلہ وکعبہ نے بے دلیل یہ دعویٰ کیا ہے، اس لیے کہ بے دلیل بات کہنا جاہلوں کا کام ہے اور یہ شاہ صاحب کا حصہ ہے، حضرت کوئی بات بے دلیل و برہان کے زبان پر نہیں لاتے۔ چنانچہ اس دعویٰ کی دلیل میں فرماتے ہیں:

((وایں قرینہ دیگر است براینکہ مراد از سابقین اولین الی الموت اندچہ موت اھل جنت و مشاھدہ درجات را مد خلیہ تمام دررضائے آنھا از حق تعالیٰ ست .))[1]

''کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ کے لفظ سے وہ لوگ جو موت کی طرف سبقت کر گئے مراد لینے کا یہ دوسرا قرینہ ہے، اس لیے کہ جنت میں پہنچ جانا اور اپنے مراتب و درجات کا دیکھنا اور آرام سے بہشت میں چین کرنا ان سب باتوں کو بڑا دخل ہے کہ وہ لوگ خدا سے راضی ہوئے۔'' فقط

بے شک درست ہے جو لوگ زندہ ہیں وہ بہ سبب اس کے کہ نہ معلوم خدا جنت دے گا یا نہیں اور اگر دینے کا یقین بھی ہو تو بہ سبب دنیاوی تکالیف کے وہ خدا سے پورے پورے راضی نہیں ہو سکتے، جب مر گئے اور خدا نے ان کو بہشت نصیب کر دی اور آزادی سے جنتوں

[1] ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ، ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵۹ سطر ۴۔۱۲

کے لطف اٹھانے لگے تو وہ بخوبی خدا سے راضی ہو جائیں گے اور نصرت وہجرت کا سبب آپ اوپر لکھ ہی چکے ہیں کہ یہ ہے کہ وہ خدا سے راضی تھے تو اب کیا شک رہا کہ ﴿وَالسَّابِقُوْنَ﴾ سے وہی لوگ مراد ہیں جو آیت کے نازل ہونے سے پہلے مر چکے تھے...... بے شک جیسا دعویٰ تھا اس سے بہت بڑھ کر دلیل ہے، مجتہدوں اور مقدس لوگوں کے ایسے ہی دعوے اور ایسی ہی دلیلیں ہوتی ہیں...... زہے نصیب ایسے فرقے کے جس کے ایسے عاقل، ذکی اور ذہین مجتہد ہوں۔

چونکہ جناب قبلہ وکعبہ نے اپنی کتاب کو نہایت ہی مدلل اور مبرہن لکھا ہے، اس لیے صرف ایک دو دلیل ہی اپنے دعوے پر نہیں بیان فرمائیں بلکہ اپنے ہر ایک دعوے کو دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ کسی سنی کو اس کے رد کرنے کی جرأت نہیں ہے، چنانچہ اسی آیت کی نسبت جو تیسرا جواب دیا ہے اسے بھی میں لکھتا ہوں، حضرت فرماتے ہیں:

((ثالثاً اینکه غایت ما فی الباب آنکه از آیه علت بودن هجرت و نصرت درباب رضائے حق تعالیٰ از آنها ورضای آنها ازو تعالیٰ شانه، می تواند شدو علة اعم ست ازینکه تامه باشدیانا قصه استعمال علتِ ناقصه در کلام حق تعالیٰ واحادیث نبوی شیاع تمام دارد و اگر بسبب غباوتِ ذهن که داری دریں باب تامّل داشته باشی پس قرآن مجیدرا از اوّل بنظرِ بصیرت تلاوت کن و درآیات وعده وعید تامّل نماتا صدق ایں مقال واضح گردد.)) [1]

''سوم خلاصہ یہ کہ اس آیت سے ان کی ہجرت و امداد کی علت و دلیل اللہ سے خوش ہونا اور ان سے اللہ کی رضا مندی ہوسکتی ہے اور یہ علت وسبب عام ہے تام ہو یا ناقص، اور سبب وعلت ناقص کا استعمال کلام الٰہی اور احادیث نبوی ﷺ

[1] ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ، ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵۹ سطر ۶۔۱۲

میں عمومی طور پر پایا جاتا ہے، اگر تم بے انتہا کند ذہن ہونے کے باوجود ذرا سا غور و تامل کرو اور قرآن کریم کو اوّل سے آخر تک بہ غور پڑھو، جزا و سزا کی آیات پر غور کرو تو ہماری بات کی صداقت واضح ہو جائے۔

اس سے پایا گیا کہ گویا اللہ جل شانہ، ان کی ہجرت و نصرت سے تو راضی ہو گیا مگر یہ علت ناقص ہے، اس لیے ان کے سب کاموں سے راضی ہونا ثابت نہ ہوا...... افسوس ہے کہ ذرا مجتہد صاحب نظم قرآنی کو ملاحظہ نہیں فرماتے اور ترجمہ لفظی کو بھی نہیں دیکھتے اور تحریف معنوی خدا کے کلام میں فرماتے ہیں۔ بارِ خدایا تیرا کلام چیستان ہے یا یہ آیت پہیلی ہے یا کوئی معمہ ہے جس کے لیے ایسے ایسے خیالات کو حضرت قبلہ و کعبہ استعمال کرتے ہیں...... چار لفظ اس آیت کے ہیں ذرا اس کا ترجمہ کریں اور سمجھ لیں۔

اے مومنین! ذرا سنو کہ اس آیت کا لفظی ترجمہ وہی ہے جو میں بیان کرتا ہوں یا اور کچھ، اوّل آیت کے الفاظ سنو کہ یہ ہیں:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

(سورۂ توبہ: ١٠٠)

”اور آگے بڑھ جانے والے پہلے ہجرت کرنے والوں سے اور مدد دینے والوں سے اور وہ لوگ کہ پیروی کرتے ہیں ان کی نیکی کے ساتھ، راضی ہوا اللہ ان سے اور راضی ہوئے وہ اس سے اور تیار کیں ان کے واسطے بہشتیں چلتی ہیں ان کے نیچے نہریں، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ ہے مراد پانا بڑا۔“

اب خیال کرو کہ جو علتیں تامہ اور ناقصہ مجتہد صاحب ان صاف لفظوں میں پیدا کرتے ہیں یہ تحریف ہے یا نہیں اور اگر ایسی ہی علتوں کو خدا کے کلام میں دخل دیا جائے تو سارا قرآن بازیچہ طفلاں ہو جائے اور کسی آیت اور کسی حکم پر عمل کرنا جائز اور تصدیق کرنا ممکن نہ ہو۔ اللہ

جل شانہ تو صاف صاف فرماتا ہے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ کہ میں ان سے اور وہ مجھ سے راضی، حضرت فرماتے ہیں کہ یہی علت رضا مندی کی ناقص ہے، وہ سب باتوں سے راضی نہیں ہے بلکہ صرف ہجرت اور نصرت کے سبب سے راضی ہے اور گو حضرت نے صاف نہیں فرمایا مگر مطلب یہی ہے کہ غصب خلافت اور عداوت اہل بیت کے سبب سے ناراض ہے، اس لیے اے میرے بندو اس رضا مندی کو تام، یعنی پوری نہ سمجھنا اور اس سے مہاجرین وانصار کو اچھا نہ جاننا...... افسوس ہے کہ قبلہ وکعبہ نے یہ نہ فرمایا کہ قرآن میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی کو شک ہو اور میری آیتوں سے یہ مطلب کوئی نہ سمجھے تو مجتہد صاحب نے فرمایا کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ سے مراد ضرور مُردے ہیں، اس لیے کہ خدا ان کے حال سے خبر دیتا ہے کہ وہ خدا سے راضی ہوئے اور یہ امر معلوم ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ مناسب تھا کہ خدا فرماتا ﴿يَرْضَوْنَ﴾ یعنی مضارع کے صیغہ سے کہ وہ راضی ہوں گے خدا سے، چنانچہ حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

((زیرا که جناب حق سبحانه و تعالیٰ از حال ایشاں خبر می دهد که ایشاں از خدای خود راضی شدند و معلوم است که اگر اینها زنده می بودند مناسب ایں بود که حق تعالیٰ بصیغه مضارع که یرضون باشد ایں مطلب را اد انماید نه بصیغه ماضی .))❶

”اس لیے کہ اللہ ان کے حالات کی اطلاع دے رہا ہے کہ وہ اپنے خدا سے راضی ہوئے اور واضح ہے کہ یہ لوگ زندہ رہتے تو ضروری تھا کہ اللہ ماضی کے صیغہ کے بجائے مضارع کا صیغہ لاتا، یعنی راضی ہوں گے اور اس سے مطلب واضح ہو جاتا۔“

ا۔ پس اوّل تو یہ فرمانا حضرت کا کہ ”معلوم است که اگر اینها زنده می بوند“

---

❶ ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ، ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵۷ سطر ۱۹۔۱۲۔

ہم کو معلوم نہیں یہ جناب ہی کو معلوم ہوگا اور دنیا میں بندوں کا خدا سے راضی ہونا آپ ہی کے نزدیک بعید از قیاس ہوگا ورنہ ہم کو یہ معلوم کیا بلکہ یقین ہے کہ جتنے خاص بندے اللہ جل شانہ کے ہیں وہ اس دنیا میں بھی راضی ہیں اور کیسے ہی کچھ دکھ درد پائیں وہ راضی رہتے ہیں تو زندوں کی نسبت ﴿وَ رَضُوْا عَنْہُ﴾ کا مضمون آپ کو باعث تعجب ہوگا کیونکہ آپ حالت زندگی میں خدا سے راضی نہیں رہے، ورنہ ہم تو اسے یقینی جانتے ہیں۔

۲۔ یہ سب علتیں تامہ اور ناقصہ اور صیغہ ماضی مضارع کے احتمالات اور استدلال صرف بے چارے مہاجرین اور انصار ہی کی نسبت ہیں یا کہ اہل بیت علیہم السلام کی نسبت بھی۔ پس جو تقریریں آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کرتے ہیں اور جس طرح آیات فرقانی میں آپ مہاجرین وانصار کی فضیلت باطل کرنے کے لیے تحریفات اور احتمالات کرتے ہیں اگر خوارج ونواصب اہل بیت علیہم السلام کی نسبت کریں تو آپ کیا جواب دیں گے۔ جو آپ ان کو جواب دیں وہی ہماری طرف سے تصور فرمالیں۔

۳۔ مجتہد صاحب نے احتمالات کر کے ان آیتوں کے معنی بدلنے میں ایک بڑی خطا کی اور بوجہ اس کے کہ اس کتاب کے لکھنے میں بہت عجلت کی تھی ایک بہت بڑی بات بھول گئے کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ میں جناب امیر علیہ السلام بھی داخل ہیں اور ان کی فضیلت پر بھی یہی آیتیں سند لائی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ سب سے اوّل اور سابق ہیں اسلام میں اور ہجرت میں، پس جبکہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ سے مراد مردے ہیں اور کوئی زندہ اس میں داخل نہ رہا تو پھر جناب امیرؓ بھی اس سے خارج ہو گئے۔ بارخدایا تب شاید یہ کہیں کہ زندوں میں صرف وہی اس آیت کے مصداق ہیں اور باقی سب مردے مراد ہیں اور اگر کوئی تخصیص کی وجہ پوچھے تو پھر وہی اپنا شیوہ اختیار کریں اور اپنی تشیع پر آجائیں اور گالیاں دینا شروع کریں اور غبی، کودن اور احمق فرما کر اس کی بات نہ سنیں جیسا کہ اس مقام پر علت تامہ و ناقصہ کے نہ سمجھنے پر شاہ صاحب کی نسبت

فرماتے ہیں:

((اگر به سبب غباوت ذهن که داری دریں باب تامل داشته باشی پس قرآن مجید را از اوّل جز بنظر بصیرت تلاوت کن و در آیات وعده و وعید تامل نماتا صدق ایں مقال واضح گردد.)) ❶

''اگر اپنی کند ذہنی کے باوجود قدرے غور وفکر کرتے تو مناسب تھا قرآن کریم کو اوّل سے آخر تک بہ غور پڑھو، آیات جز اوسزا میں فکر کرو تا کہ ہماری بات کی صداقت واضح ہو جائے۔''

چوتھے: جناب قبلہ وکعبہ کا ماضی مضارع کے صیغوں سے بحث کرنا درحقیقت دائرۂ تشیع کو تنگ کرنا ہے، اس لیے کہ پھر بہت سی آیتیں فضیلت اہل بیت کی انہیں صیغوں کی بحث سے نکل جائیں گی اور ایسے اعتراض کرنے والوں کا جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ اس سے قواعد نحو وصرف کا نام ہی زبان پر نہ لائیے ورنہ اگر کوئی پوچھ بیٹھے:

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾

(سورۂ دھر: ۸)

''کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج، یتیم اور قیدی کو۔''

مضارع کے صیغے ہیں اور ماضی کے معنی میں لیے جاتے ہیں اس لیے کہ نذر پوری کر دینے اور تیموں، مسکینوں اور اسیروں کو کھانا کھلانے کے بعد یہ آیات جناب فاطمہ اور حسنین علیھم السلام کی شان میں نازل ہوئیں تو آپ کیا جواب دیں گے۔ اور اگر کوئی کہے:

﴿فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا﴾ (سورۂ دھر: ۱۲-۱۱)

''پھر بچایا ان کو اللہ نے اس دن کی برائی سے اور ملائی ان کو تازگی اور خوشی اور

---

❶ ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ۔

بدلہ دیا ان کو ان کے صبر کا جنت اور ریشمی پوشاک۔‘‘

سب صیغے ماضی کے ہیں اور معنی مضارع کے مراد لیے جاتے ہیں تو آپ کیا فرمائیں گے، پس اگر فرض بھی کیا جائے اور آپ کا قول تسلیم بھی کیا جائے:

((مناسب این بود که حق تعالیٰ بصیغه مضارع که یرضون باشد این مطلب را ادانماید نه بصیغه ماضی.))

’’مناسب یہ تھا کہ حق تعالیٰ اس مطلب کو مضارع کے صیغہ سے ادا فرماتا نہ کہ ماضی کے صیغے سے۔‘‘

تو اس کا جواب یہ ہے:

((حق تعالیٰ امرے را که یقینی و قطعی ست بصیغۂ ماضی ادامی نماید چنانکه در فضائل اهل بیت امرے راکه بعد از قیام قیامت ظهور خواهد یافت بصیغه ماضی ادا کرده حیث قال تبارك و تعالیٰ ﴿فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا.......الخ﴾ همچنیں رضای سابقین اولین از مهاجرین و انصار زیرا که در آخرت علو مرتبه خودرا دیده راضی خواهند شد بصیغه ماضی ادا کرده و برای این حکم فرموده که رضوا عنه.))

’’جو بات قطعی ہے اللہ اسے بصیغۂ ماضی ادا فرماتا ہے جیسا کہ فضائل اہل بیت کو جو قیامت میں ظاہر ہوں گے انہیں بصیغۂ ماضی ادا کرتے ہوئے فرمایا فواقھم ...... الخ کہ اللہ نے ان کو اس دن کی برائی سے بچایا اور ملائی ان کو تازگی اور خوشی۔ اس طرح مہاجرین و انصار میں سابقین اولین کی رضا مندی ہے کہ آخرت میں اپنے بلند رتبوں کو دیکھ کر راضی ہوں گے، اس کو ماضی کے صیغہ سے ادا کیا اور رضوا عنه فرمایا۔‘‘

اگر آپ کو ماضی ومضارع کے صیغوں میں شک ہو اور ایک سے دوسرے معنی مراد لینا آپ کے نزدیک خلاف فصاحت و بلاغت ہوں تو ذرا...... ''میزان الصرف'' اٹھا کر دیکھیے اور ''بداں اسعدک اللہ تعالیٰ'' کے معنی سوچیے کہ اس کے معنی ''نیک بخت کند'' ہیں یا ''نیک بخت کرد'' ہیں اور پھر غور کیجیے کہ صیغہ تو ماضی کا ہے اور معنی حال کے لیے جاتے ہیں تو اس شک کے دور کرنے کے لیے اس کا حاشیہ دیکھ لیجیے تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ کیوں ماضی کے صیغے سے حال کے معنی لیے جاتے ہیں اور اس کے بعد اگر انصاف ہے تو قصور کا اعتراف کیجیے ورنہ ایک روز تو اقرار کرنا ہی پڑے گا جس کا ذکر خدا نے بصیغۂ ماضی کیا ہے، حالانکہ ہنوز وہ روز نہیں آیا، کما قال سبحانہ تعالیٰ:

﴿وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ٥ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ (سورۂ ملک: ۱۰۔۱۱)

''اور بولے اگر ہم ہوتے سنتے یا بوجھتے، نہ ہوتے دوزخ والوں میں، سو قائل ہوئے اپنے گناہ کے، اب دفع ہوں دوزخ والے۔''

پس حضرات شیعہ کے تعصب وعناد بلکہ جہالت و نادانی کو دیکھنا چاہیے کہ صرف اصحاب نبوی کی عداوت سے قرآن مجید کی آیات کے ایسے معنی بناتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس سے خارج ہوئے جاتے ہیں اور ان پر بھی اس فضیلت کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ پس جبکہ شیعوں نے اپنے ہی پہلے امام کو اس آیت کے مصداق سے خارج کر دیا تو اگر ہمارے تین خلیفوں کو بھی نکال دیا تو جائے شکایت نہیں ہے۔

اس مقام پر یہ امر بھی لکھنا فائدے سے خالی نہیں ہے کہ جناب شاہ صاحب نے ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں فرمایا ہے کہ اگر مہاجرین و انصار کی نسبت ان آیتوں کے یہ معنی مراد لیے جائیں کہ خدا کی رضا مندی ان کی ذات سے متعلق نہیں ہے بلکہ ان کی صفت ہجرت ونصرت سے ہے اور کامل رضا مندی حسن خاتمہ پر موقوف ہے تو آیت موالات جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ثبوت کیا جاتا ہے، ان میں بھی تو یہی جرح ہوسکتی ہے کہ کہا جائے:

((ولایت شما بایں وصف متعلق ست یعنی اقامت صلوٰۃ و ایتاء زکوۃ درحالت رکوع و بقائی ایں وصف مشروط است به حسن خاتمه و کذا وکذا .))

''آپ کی ولایت کی صفت یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں حالت رکوع میں، اور اس وصف کا باقی رہنا حسن خاتمہ پر موقوف ہے۔''

اس کے جواب میں مجتہد صاحب فرماتے ہیں:

((اما آنچه دریں مقام در باب آیه ولایت به ترانهٔ بیهوده مترنم گرده پس از قبیل قیاسی ست مع الفارق چه امثال چنیں تقیّدات دور از کار در آیة ولایت خلاف اجماع اهل اسلام پس از معرض اعتبار ساقط باشد .))

''یہاں آیت ولایت کی تفصیل میں جن بیہودگیوں کے ترانے الاپے ہیں یہ صرف قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اس قسم کے دور از کار قیود آیت ولایت میں عائد کرنا اہل اسلام کے اجماع کے خلاف ہے، اس لیے ناقابل اعتبار ہے۔''

سوائے ان لفظوں کے حضرت نے کچھ نہیں لکھا اور گالی دے کر سکوت اختیار کیا اور یہ فرمانا کہ آیت ولایت میں ایسے احتمالات بعیدہ کرنا اہل اسلام کے اجماع کے خلاف ہے، باعث صد ہزار حیرت ہے، اس لیے کہ اگر اہل اسلام سے مراد صرف حضرات شیعہ ہیں تو یہ فرمانا مسلّم لیکن اگر اور سب فرقے اسلام کے مراد ہیں تو ان کے اجماع کا دعویٰ محض غلط ہے۔ ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾

اے حضرات امامیہ! ذرا اپنے مجتہدین کی توجیہات اور احتمالات پر خیال کرو، وہی احتمال مہاجرین و انصار کے حق میں تو جائز اور واجب سمجھا جائے اور وہی احتمال جناب امیرؓ کے حق میں ممتنع اور محال ہو...... اگر کہا جائے کہ یہ مقتضائے محبت و عداوت ہے تو ہم قبول کریں گے لیکن یہ بھی اس کے ساتھ عرض کریں گے کہ یہ مقتضائے ایمان و انصاف نہیں

ہے......اس جواب پر مجھے بہرام گور کی ایک حکایت یاد آئی کہ ایک مرتبہ اس نے تیر سے گور کا شکار کیا اتفاق سے تیر اس کے منہ پر ایسا لگا کہ منہ سی گیا۔ ایک لونڈی سے بہرام گور نے اپنی تعریف کی اس کی زبان سے نکل گیا کہ مشق اور تعلیم کے متعلق ہے۔ بہرام گور نے خفا ہو کر اسے نکال دیا۔ اس نے یہ مشق شروع کی کہ گائے کے بچے گود میں لے کر ہر روز دو وقت بالا خانہ پر چڑھ جائے۔ یہاں تک کہ جب وہ بچہ بڑا ہوا تب بھی مشق کے سبب وہ بالا خانے پر لے جایا کرتی یہ خبر بادشاہ نے سنی وہ بھی گیا، دیکھ کر کیا کہتا ہے کہ مشق و تعلیم سے متعلق ہے۔ تب لونڈی نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ جہاں پناہ آپ جب گور کو تیر سے شکار کریں تو وہ مشق سے متعلق نہ ہو اور جب میں اس سے بہت زیادہ حیرت انگیز کام کروں وہ مشق کے متعلق نہ سمجھا جائے، یہ کون سا انصاف ہے۔ کما قال شعر......

گفت شہ راند متے ست عظیم
گاؤ تعلیم گور بے تعلیم

وہی حال بعینہ مجتہد صاحب کا ہے کہ ایسی صریح اور صاف آیت میں جیسی کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ﴾ ہے علت تامہ اور ناقصہ کے احتمالات کریں اور ان کے علماء علت رضائے الٰہی کو فعل خاص کا مخصوص کہیں اور جب کوئی آیہ موالات سے معارضہ کرے جس میں صرف یہ ہے کہ ﴿يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کہ دیتے ہیں زکوٰۃ کہ دراں حالیکہ وہ رکوع میں ہوتے ہیں اور اس کے لفظوں سے کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ لوگ کون ہیں، صیغہ جمع کا ہے اور معنی واحد کے لیے جاتے ہیں اور زکوٰۃ کے معنی خیرات کے کہتے جاتے ہیں، اس لیے کہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اتنا مال نہ رکھتے تھے کہ زکوٰۃ ان پر واجب ہو اور پھر رکوع و سجود میں کسی دوسرے کی بات سننا گو وہ سائل اور محتاج ہی ہو نماز کے خلوص کے خلاف ہے۔ پس ان سب باتوں کے باوجود جب کوئی کہے کہ وہ احتمالات جو مہاجرین و انصار کی فضیلت والی آیات میں آپ کرتے ہیں وہ اس آیت میں ہو سکتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہت کچھ زیادہ...... تب فرمائیں کہ یہ بیہودہ ترانہ ہے اور

خلاف اجماع ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جب انسان انصاف، ایمان اور حیا کا پابند نہ رہے تب مختار ہے جو چاہے سو کہے۔

((اذا اَلقیت جلباب الحیا فقل ما شئت فان من لاحیاء له لاایمان له .))

''جس وقت گرایا تو نے حیا کی چادر کو، پس کہہ جو کچھ چاہے تو، پس بہ تحقیق وہ شخص جس کے پاس حیا نہیں اس کے پاس ایمان نہیں۔''

اب چوتھے معنی ﴿وَالسَّابِقُوْنَ﴾ کے سنیے جو مجتہد صاحب بیان فرماتے ہیں، حضرت ''ذوالفقار'' میں لکھتے ہیں:

((اقوال بعضے از علماء دلالت می کند که مراداز سبقت فی الهجرت مهاجرت بنی هاشم ست از مکه .))

بعض علماء کے اقوال سے ثابت ہے کہ سبقت فی الہجرت سے مراد بنی ہاشم کا مکہ سے ہجرت کرنا ہے۔''

لوگ حیران ہوں گے کہ مکے سے مکے میں کون سی ہجرت ہے، اس لیے میں اس کی تصریح کرتا ہوں کہ جب کفار نے حضرت ﷺ کو بہت ستایا تب شعب ابو طالب میں حضرت نے قیام فرمایا اور کئی برس تک وہاں رہے۔پس اس کا نام حضرت نے ہجرت رکھا ہے یعنی ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانا۔شاید یہ معنی اس لیے ہوئے ہوں تا کہ اپنے اور اپنے شیعوں کی نسبت بھی ہجرت کا اطلاق کر سکیں، اس لیے کہ حضرت یقیناً ایک دن میں سو جگہ بدلتے ہوں گے اور جب جگہ بدلنے ہی کے معنی ہجرت کے ہوئے تو بس حضرت اور حضرت کے شیعہ دن بھر سو سو دفعہ ہجرت کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

اور بعض علماء سے جن کا قول حضرت نے بیان کیا ہے ایک جناب قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث ہیں کہ وہ ''مصائب النواصب'' میں بجواب ''نواقض الروافض'' لکھتے ہیں:

((فـارطـمه صاحب النواقض تبعا للجمهور من ان ابابکر و

عمر کانا من المهاجرین السابقین الاولین انما هو تحریص و زور بل السابقون الاولون هم الذین هاجروا هجرة الاولی وهی هجرة رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی حصاره بمکة حین هاجرت قریش بنی هاشم مع رسول الله ﷺ فی شعب عبدالمطلب اربع سنین والا مة مجتمعة علی ان ابابکر و عمر لم یکونا معهم فی ذالك الموطن .))

"پس طعن کیا صاحب نواقض نے باتباع جمہور اس بات سے کہ بہ تحقیق ابوبکرؓ اور عمرؓ مہاجرین سابقین اولین میں سے اس کے علاوہ نہیں ہے کہ وہ حرص دلانا اور مکر ہے، بلکہ سابقین اولین تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلی ہجرت کی اور وہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت ہے حصار مکہ میں جب کہ قریش بنی ہاشم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی شعب عبدالمطلب میں چار برس اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اس جگہ ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھے۔"

یہ معنی ہجرت کے کہ مکے سے مکے ہی میں ہجرت کرنا ایسے بے معنی اور نئی اصطلاح ہے کہ ہنسنے والے کے لیے اس سے زیادہ کوئی لطیفہ نہ ملے گا...... میرے نزدیک مجتہد صاحب نے غلطی کی کہ مہاجرین و انصار سے آدمی مراد لیے اور ناحق معنی بنانے کی تکلیف اٹھائی مناسب تھا کہ سابقین مہاجرین سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام کو لیتے کیونکہ وہ سب سے اوّل سدرۃ المنتہیٰ سے ہجرت کر کے مکے میں آئے اور انصار سابقین سے مراد حضرت عزرائیل لیتے جنہوں نے بڑے بڑے دشمنوں کو پیغمبر ﷺ کی مدد کر کے ہلاک کیا۔اوران کی روحیں قبض کیں...... پس حقیقت میں صحیح اور کامل ہجرت حضرت جبرئیلؑ کی اور پکی اور پوری نصرت حضرت عزرائیلؑ کی ہے اور خدائے جل شانہ کے کلام سے اس مضمون کی بخوبی تصدیق بھی ہوتی ہے خصوصاً رضی اللہ عنہم و رضوعنہ کا مضمون تو ان پر ایسا ٹھیک صادق آتا ہے کہ کسی سنی جاہل کو کچھ جائے اعتراض نہیں رہتی...... اس لیے کہ سچی رضامندی خدا کی فرشتوں سے ہے

اور فرشتوں کی خدا سے جن کی شان ہے کہ وہ ذرا برابر خدائے جل شانہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتے اور فرشتوں میں سب سے سابق اور اوّل حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام ہیں۔تو کیا باعتبار لفظوں کے اور کیا بلحاظ معنی کے یہ مضمون ایسا چسپاں ہوتا کہ فرشتے بھی داد دیتے۔

پانچویں معنی والسابقون کے:

((یا هجرت ❶ به طرف حبشه که بمراتب پیشتر از هجرت مدینه بوده، پس دریں صورت ابی بکرؓ را شرف سبقت هجرت صوری هم نخواهد بود.))

''یا پھر حبشہ کی طرف ہجرت کرنا مراد ہے جو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے کافی پہلے ہوئی اس صورت میں بھی ابوبکرؓ کو صورتاً ہجرت میں سبقت کرنے کی بزرگی حاصل نہیں۔''

مجتہد صاحب نے تو فقط اس دعوے ہی پر قناعت فرمائی اور اتنا کہہ کر سکوت کیا لیکن صاحب ''تقلیب المکائد'' نے بجواب کید نودویم (۹۱) کے اس دعوے کو اپنے نزدیک مدلل بھی کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

((اصحاب ❷ ثلاثه از مهاجرین اولین نبودند چنانچه در صحیح بخاری مذکوراست **عن ابی موسیٰ قال بلغنا مخرج النبی و نحن بالیمن فخر جنا مهاجرین الیه...... الخ.**))

''اصحاب ثلاثہ مہاجرین اولین میں سے نہ تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے......ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکے سے نکلنے، یعنی ہجرت کی اطلاع ملی اور اس وقت ہم یمن میں تھے، چنانچہ ہم بھی ہجرت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے۔''

---

❶ عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ، ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵۷ سطر ۷۔۱۲

❷ اس حدیث کی شرح دیکھو۔منہ ۱۲

مؤلف موصوف نے ایک بہت بڑی حدیث نقل کرنے سے یہ فائدہ تصور کیا ہوگا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ خود اہل سنت کی صحیح بخاری سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ مہاجرین اولین سے نہ تھے...... لیکن یہ محض حضرت کی غلطی ہے، اس لیے کہ اس حدیث سے جس قدر ثابت ہوسکتا ہے وہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ اے اصحاب سفینہ تمہارے لیے دو ہجرتیں ہیں۔ اور یہ حضرت نے نہیں فرمایا کہ تمہی وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں ہو اور اس سے کوئی سنی انکار نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے حبشہ کی ہجرت کی وہ مہاجر نہیں اور نہ ان کے درجات اور مراتب میں کچھ جائے سخن ہے بلکہ وہ زمانہ تو پیغمبر ﷺ کا تھا، اس وقت کافروں کے خوف سے کسی ملک کو چلا جانا کیوں کر ہجرت میں داخل نہ ہوگا جبکہ قیامت تک ہجرت کا حکم اور ثواب باقی ہے اگر کلام ہے تو اس میں ہے کہ یہ آیت جس کا ذکر ہے، یعنی ﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ﴾ اس سے کون ہجرت کرنے والے مراد ہیں۔ آیا وہ جو حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے یا وہ جو کہ مکے سے مدینے کو آئے...... پس اس لمبی چوڑی حدیث میں اگر ایک لفظ بھی ایسا ہو کہ ﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ سے مراد مہاجرین حبشہ ہیں تو بے شک ہم تسلیم کریں۔

علاوہ بریں ہم حضرات شیعہ سے کہتے ہیں کہ جس طرح پر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم حبشہ کو ہجرت کر کے نہیں گئے اس طرح پر جناب امیرؓ بھی حبشہ کو نہیں گئے۔ پس جس دلیل سے اور جس وجہ سے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم مہاجرین اولین سے خارج کیے جاتے ہیں وہی وجہ حضرت امیرؓ کی نسبت بھی ہے۔ پس کیا وہ بھی خارج کر دیے جائیں گے اور ان کی نسبت بھی مہاجرین اولین کی فضیلت کا اطلاق نہ کرو گے، نعوذ بالله منها! پس جس طرح پر قبلہ حضرت مجتہد صاحب نے فرمایا:

((مراد [1] از ہجرت بطرف حبشہ بمراتب پیشتر از ہجرت مدینہ بودہ پس دریں صورت ابی بکرؓ را اشرف سبقت

---

[1] اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔

هجرت صوری هم نخواهد بود.))

''ہجرت سے مراد حبشہ کی طرف ہجرت ہے جو کہ ہجرت مدینہ سے کافی پہلے ہوئی تھی، لہٰذا اس صورت میں ابوبکرؓ کو تو ہجرت کا شرف صورتاً بھی حاصل نہ ہوگا۔''

کوئی خارجی ایسی تقریر کو جناب امیر علیہ السلام کی نسبت معارضے میں پیش کرے تو معلوم نہیں اس وقت کے لیے مجتہد صاحب نے کیا جواب سوچا ہے۔

چونکہ ہم مجتہد صاحب کے سارے تار و پود درہم برہم کر چکے، اس لیے اب اس آیت کے اصلی معنی لکھتے ہیں جو کہ مفسرین شیعہ نے اپنی تفسیروں میں بیان کیے ہیں تا کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ یہ تقریریں جو مجتہدین شیعہ نے کی ہیں لغو و پوچ ہیں یا کچھ اصلیت رکھتی ہیں۔علامہ طبرسی ''مجمع البیان'' میں لکھتے ہیں:

((لما تقدم ذكر المنافقين والكفار عقبه سبحانه بذكر السابقين الى الايمان فقال والسابقون الاولون اى السابقون الى الايمان والى الطاعات و انما مدحهم بالسبق لان السابق الىٰ الشئى تبعه غيره فيكون متبوعاً وغيره تابع له فهو امام فيه وداعٍ فيه الى الخير سبقه اليه و كذلك من سبق الى الشر يكون اسؤحالاً بهذه العلة من المهاجرين الذين هاجروا من كنافى المدينة والى الحبشة. والانصار اى و من الانصار الذين سبقوا نظرائهم من اهل المدينة الى الاسلام و من قراؤا والانصار برفع لم يجعلوا من السابقين و جعل السبق للمهاجرين خاصةً والذين اتبعواهم باحسان اى افعال الخير بالدخول فى الاسلام بعد هم وسلوك مناهجهم ويدخل فى ذلك من يجى بعد هم الى يوم القيٰمة رضى الله عنهم ورضوا عنه اخبر سبحانه انه رضى عنهم ورضوا عن الله كما لُه لما

اجزل لهم من الثواب على طاعاتهم و ايمانهم به ويقينهم واعدلهم جنات تجرى تحتها الانهار خالدين فيها ابدا يبقون ببقاء الله فقال ذلك الفوز العظيم اى الفلاح العظيم اى الذى يصعر من جنسه كل نعيم۔ و فى هذه الاية دلالة على فضل السابقين و مزيتهم على غير هم لما لحقهم من انواع المشقة فى نصرة الدين فمنها مفارقة العشائر والاقربين و منها مباينة المالوف من الدين و منها نصرة الاسلام و قلة العدو كثرة العدو و منهاالسبق الى الايمان والدعاء اليه .))

’’منافقین اور کفار کے ذکر کے بعد اللہ سبحانہ نے سابقین فی الایمان کا ذکر کیا، ارشاد فرمایا ﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ یعنی ایمان اور طاعات کی طرف سبقت کرنے والے اور اللہ نے ان کی اسی واسطے مدح فرمائی کہ جو کسی چیز کی طرف سبقت کرنے والا ہے اس کی دوسرے لوگ تابعداری کرتے ہیں تو وہ پیشوا ہوتا ہے اور دوسرے اس کی پیروی کرنے والے، پس وہ اس کام میں امام ہے اور اس کام میں نیکی کی طرف بلانے والا، اور ایسے ہی جو شخص برے کام کی ابتدا کرتا ہے وہ شخص اسی واسطے بدحال ہوتا ہے (یعنی اوروں کا خراب کرنے والا) مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ مہاجرین وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکے سے مدینے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی وَالْاَنْصَار اور انصار سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سبقت کی اپنے برابر والوں اہل مدینہ سے اسلام کی طرف جس شخص نے وَالْاَنْصَار کو پیش پڑھا اس نے انصار کو سابقین سے نہیں کہا اور فضیلت سابقیت کو مہاجرین کے واسطے خاص کر دیا، وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْاهُمْ بِاِحْسَان یعنی وہ لوگ جنہوں نے نیک کاموں میں مہاجرین و انصار کی تابعداری کی اور اسلام لانے میں اور ان کی راہوں پر چلے اور اس حکم میں داخل ہے جو شخص ایسا قیامت تک

ہوگا، رضی اللہ عنہم ورضواعنہ اللہ سبحانہ، نے خبر دی ہے کہ بے شک اللہ بہت راضی ہوا ان سے اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ کا راضی ہونا بہ سبب ان کی طاعتوں اور ایمان و یقین کے ہے اور ان کا راضی ہونا اس سبب سے کہ ان کے واسطے بڑا ثواب رکھا گیا۔ وَاَعَدَّلَهُمْ اور ان کے واسطے جنت مقرر کی گئی کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے، پھر اللہ سبحانہ نے فرمایا: یہ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ اس کے مقابل میں کل نعمتیں چھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔ اس آیت میں سابقین کے مقام ومرتبہ پر دلالت ہے کہ انہوں نے دین کی مدد میں طرح طرح کی مشقتیں جھیلیں جیسے خاندان اور رشتہ داروں کو چھوڑنا، اور اپنی پسندیدہ چیزوں کو خیر باد کہنا، اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کے باوجود دین کی مدد کرنا، ایمان لانا اور اس کی طرف دعوت دینا۔"

اس کے علاوہ دوسری تفسیر سنیے کہ صاحب "خلاصة المنهج" لکھتا ہے:

((السابقون الاولون یعنی پیشی گزید گان پشینیان ای آنها که سبقت گرفتند بر عامه مومنان در ایمان من المهاجرین از مهاجرین ای آنانکه از مکه هجرت کردند و بمدینه آمدند .))

"سابقون الاولون یعنی جن مہاجرین نے عام مسلمانوں کی بہ نسبت ایمان لانے میں سبقت کی اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ سے مدینہ آنے میں سبقت کی۔"

ان تفسیروں سے جو معنی مہاجرین کے معلوم ہوئے اور جو فضائل ان کے ثابت ہوئے اس کے لیے اس کا ترجمہ ہی کافی ہے، زیادہ لکھنا کچھ ضروری نہیں اگر اس پر بھی سیری نہ ہو تو میں دوسری آیت کی تفسیر سناتا ہوں جس میں ہجرت کا ذکر ہے، یعنی اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

(سورۂ توبہ: ۲۰)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں۔''

هَاجَرُوْا کے اخیر میں مفسر طبرسی ''مجمع البیان'' میں لکھتے ہیں:

((هَاجَرُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَوطَانِهِمْ يعنى من مكة الى المدينة .))

''ہجرت کی ان لوگوں نے اپنے ملکوں اور وطنوں سے، یعنی مکے سے مدینے کو۔''

شیعوں کا تیسرا جواب آیات فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کی:

بعض دانش مندوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے مہاجرین و انصار کی نسبت جو رضا مندی کا ذکر قرآن مجید میں کیا ہے اس سے سب مہاجرین و انصار مراد نہیں ہیں بلکہ خاص خاص۔ گو ظاہر میں کچھ تخصیص نہیں کی...... چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری اپنی ''مصائب'' میں فرماتے ہیں:

((بل هم يقولون اذشهادته تعالىٰ لهم بالرضا و من اتبعهم باحسان يمكن ان يكون خصوصاً من قول الله تعالىٰ و ان كان يخرج الكلام للعموم وهذا فى كتاب الله موجود من خطاب الخصوص وهمو عموم و من خطاب العموم وهو خصوص من استقام منهم دون من لم يستقم والنظر يدلنا علىٰ ان الله عزوجل انما رضى عمن استقام فى طاعته وان الجنة و عدها لمن سارع الى مرضياتة و تجتنب عن معاصيه و من خرج عن هذه الحال كان محالا ان يستحق الرضا من الله تعالىٰ فما لهم ايضا فى هذا الحال حجة .))

''بلکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ شہادت اللہ تعالیٰ ان کی رضا کے واسطے اور اس شخص کے واسطے جس نے ان کی تابعداری کی احسان میں ممکن ہے یہ کہ ہو خصوص اللہ تعالیٰ کے قول سے اگرچہ کلام عموم کے کیے لایا گیا ہے اور یہ کتاب اللہ میں

موجود ہے کہ خطاب خصوص سے اور وہ عام ہے اور خطاب عموم سے اور وہ خاص ہے، بتلاتی ہے ہم کو یہ بات کہ واسطے اس شخص کے کہ وہ مستقیم ہوا، اُن سے سوا اس شخص کے کہ نہ استقامت کی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے راضی ہوا جو اس کی اطاعت میں ثابت قدم رہا اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے جنت کا وعدہ کیا ہے جس نے اس کی خوشی کی طرف جلدی کی اور اس کے گناہوں سے بچا اور جو شخص اس حال سے خارج ہوا تو اللہ کی رضا کا مستحق ہونا اس کے لیے محال ہے، پس ان (سنّیوں) کے واسطے کیا چیز حجت ہے۔''

قاضی صاحب مؤلف ''نواقض الروافض'' سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ جو تم نے کہا کہ شیعوں کا قول ہے کہ یہ بشارتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے مثل خلافت غصب ہونے کے ہیں، سو یہ تمہارا افترا ہے شیعوں کا یہ قول نہیں ہے بلکہ صحابہ کی فضیلت کی آیتوں کا شیعی یہ جواب دیتے ہیں کہ مراد اس سے خاص خاص لوگ ہیں اور قرآن مجید میں ایسا بہت جگہ واقع ہے کہ کلام عام ہے اور مراد اس سے خاص ہیں یا کلام خاص ہے اور مراد اس سے عام ہے اور غور کرنے سے یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ خدا نہیں راضی ہوا مگر اس سے جو کہ اس کی اطاعت میں ثابت قدم ہوا اور جنت نہیں تیار کی گئی مگر اس کے لیے جو کہ اس کی مرضی پر چلا اور اس کے گناہوں سے بچا اور جو اس حال پر ثابت قدم نہیں رہا اور اس سے نکل گیا محال ہے کہ وہ خدا کی رضا کا مستحق ہو، پس سنیوں کے پاس حجت کیا ہے۔ فقط

اس تقریر کے اخیر پر قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ''الحمدللّٰہ'' ہم نے خوب مدلل تقریر کی اور سنیوں کے قول کو خوب رد کیا۔ مگر حقیقت میں یہ قول بھی ﴿كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً﴾ [1] محض دھوکہ ہے، چنانچہ اس کی غلطی میں چند وجہ سے ثابت کرتا ہوں۔

---

[1] ترجمہ ''جیسے ریت جنگل میں، پیاسا اس کو پانی سمجھے۔ (سورۂ نور) ۱۲۔

اوّل:...... قاضی صاحب نے اس امر سے انکار کیا کہ شیعوں کا یہ قول نہیں ہے کہ خلافت غصب کرنے کے بعد مہاجرین و انصار اس فضیلت سے مستثنیٰ ہو گئے، لیکن اس کے بعد وہ تقریر کی جس سے ثابت ہوا کہ حضرت بھی یہی کہتے ہیں اس لیے کہ خدائے جل شانہ، تو اپنی رضا مندی بیان کرتا ہے ہجرت و نصرت اور بیعت رضوان سے، اور یہ سب امور واقع ہو چکے تھے اور ان کے وقوع کے بعد یہ آیتیں انہیں افعال کی مقبولیت میں نازل ہوئیں۔ تو اب دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں یا یہ کہ خلفائے ثلاثہؓ اور دیگر مہاجرین و انصار نے یہ کام نہیں کیے، نہ انہوں نے ہجرت کی نہ انہوں نے نصرت و بیعت کی، تا کہ وہ لوگ اس بیعت سے مستثنیٰ ہو جائیں، یا یہ ثابت کیجیے کہ اس فعل کے بعد ان سے ایسے افعال ہوئے جن کے سبب سے وہ اس رضا مندی کے مستحق نہ رہے اور وہ فعل سوائے غصب خلافت اور عداوت اہل بیت کے دوسرا کوئی نہیں ہے تو اس سے وہی بات ثابت ہوئی جس کا انکار کیا تھا۔ لیکن بغیر ان دو امروں سے کسی ایک امر کے اقرار کرنے کے یہ بات کہ مہاجرین کی ہجرت کو بھی قبول کرنا، انصار کی نصرت کا بھی اقرار کرنا، اور بیعت رضوان کی شرکت کو صحیح جاننا اور ان آیتوں کو انہیں کاموں کے صلہ میں نازل سمجھنا اور پھر مہاجرین و انصار کو اس عموم سے خارج کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً......عقلاً اس لیے کہ جب خدائے جل شانہ کہے رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنه، کہ میں مہاجرین و انصار سے راضی ہوا اور وہ مجھ سے راضی ہوئے، اور اگر کوئی شک کرے کہ ہجرت و نصرت کے لیے ایمان شرط ہے اور مہاجرین و انصار ایمان نہ رکھتے تھے تو ان کے گمان و وہم کے باطل ہونے پر خدا دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ هَاجَرُوۡا وَ جٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا﴾ (سورۂ انفال: ٧٤)

''کہ جن لوگوں نے خدا اور رسولؐ کی تصدیق کی اور جو اپنے گھر مکہ چھوڑ کر مدینہ میں ہجرت کر آئے اور جنہوں نے اعلاء دین خدا کے لیے جہاد کیا اور جنہوں نے ان لوگوں کو اپنے یہاں پناہ دی اور پیغمبر خدا ﷺ کی مدد کی وہی لوگ سچے

ایمان والے ہیں۔‘‘

پس ایسی صریح آیتوں سے مہاجرین و انصار کو خارج کرنا نصوص قطعیّہ سے انکار کرنا ہے اس لیے کہ اس آیت میں خدائے تبارک و تعالیٰ یہ نہیں بیان کرتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے ان کو میں جنت دوں گا کہ یہاں بقائے حکم اور خصوص و عموم سے بحث کی جائے بلکہ یہاں تو ایک امر گذشتہ اور ایک گروہِ خاص کے ایمان سے خبر دیتا ہے اور ان کے مومن ہونے کی تصدیق کرتا ہے، اس لیے کہ کوئی شبہ نہ کرے اور اس طائفہ (جماعت) کی نسبت عموم و خصوص کی قید نہ لگائے اور اسی لیے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾(الانفال: ۷۴) کو فرمایا کہ وہی لوگ جنہوں نے نصرت کی، یعنی مہاجرین و انصار وہی سچے مومن ہیں۔ پس یہ جملہ خبر یہ ہے نہ کہ انشائیہ اور از قبیل اخبار ہے نہ کہ از قبیل امر و نہی۔ پس کسی طرح نسخ کا شبہ بھی اس میں نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اخبار میں نسخ واقع نہیں ہوتا۔ ورنہ جو قصے حضرت آدم عَلَیہِ السَّلام اور حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام اور حضرت یوسف عَلَیہِ السَّلام وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خدا نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں سب سے یقین جاتا رہے اور انجام اور خاتمے کے معلوم نہ ہونے کا احتمال کر کے ان پر یقین نہ رکھا جائے اور عموم و خصوص کی قید لگا کر سارے قرآن شریف میں تحریف کر دی جائے۔

پس باوجود ایسے صریح نصوص کے مہاجرین و انصار کو مومن نہ کہنا حقیقت میں ایسا ہے کہ جس طرح پر انبیاء کی نبوت اور اصحاب کہف کی فضیلت اور اخبار ماضیہ مذکورہ قرآن کی صحت سے انکار کرنا۔ کیونکہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ ہم اصحاب کہف کے ایمان کے قائل نہیں ہیں، اس لیے کہ معلوم نہیں کہ وہ قیامت میں نیکوں میں ہوں گے یا معاذ اللہ! دوسرے گروہ میں، اور یہ بھی ہم کو معلوم نہیں کہ ان کی نیت بخیر تھی یا نہیں اس لیے کہ (نیت امر یست باطنی) ’’یعنی نیت ایک باطنی معاملہ ہے۔‘‘ اور یہ بھی ممکن ہے کہ سب اصحاب کہف با ایمان نہ ہوں اس لیے کہ خدا کے کلام میں اکثر عموم و خصوص ہے کہ کلام عام ہوتا ہے اور مراد اس سے خاص ہوتی ہے۔ پس ایسے ملحد احمق کے جواب میں سواء اس کے کیا کہو گے کہ خدائے جل

شانہ، صاف ان کے حال کی خبر دیتا ہے کہ ﴿اِنَّھُمۡ فِتۡیَۃٌ آمَنُوۡا بِرَبِّھِمۡ وَزِدۡنٰھُمۡ ھُدًی﴾ ''کہ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی رہنمائی میں اضافہ کر دیا۔'' اور خدا ان کے ایمان و ہدایت کی جملۂ خبریہ میں صاف خبر دیتا ہے......تو ایسے نص قطعی میں احتمال کرنا اور ان میں عموم وخصوص کے شکوک پیدا کرنا خدا کے کلام سے انکار کرنا ہے، پس اسی طرح پر برائے مہربانی مہاجرین و انصار کے ایمان پر خیال کرو کہ خدائے پاک ان کے حق میں بھی صاف فرماتا ہے کہ ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ھَاجَرُوۡا وَ جٰھَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا﴾ (الانفال : ۷۴) اور یہ جملہ خبریہ ان کے ایمان کو بیان کرتا ہے۔ پس جب ایسی نص صریح سے کوئی انکار کرے اور پھر بھی انصار و مہاجرین کو مومن نہ کہے وہ ایسا ہی ہے جیسا اصحاب کہف کے ایمان کا منکر، اور ایسے نصوص صریح کا منکر ملحد اور مرتد ہے یا نہیں۔

﴿ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ مَنۡ یَّھۡدِ اللّٰہُ فَھُوَ الۡمُھۡتَدِ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا﴾ (سورۂ کہف : ۱۷)

''یہ اللہ کی قدرتوں سے ہے، جس کو راہ دے اللہ وہی راہ پر ہے اور جس کو وہ بچلا دے پھر نہ پاوے اس کو کوئی رفیق راہ پر لانے والا۔''

دلیل نقلی:......اگر اس تقریر سے بھی آپ کا اطمینان نہ ہو تو اپنے ہی مفسرین سے اس کلام کی تصدیق سنیے کہ علامہ طوسی ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ھَاجَرُوۡا﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((ثم عاد سبحانه اِلٰی ذکر المهاجرین والانصار و مدحهم والثناء علیهم فقال ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ھَاجَرُوۡا وَ جٰھَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ﴾ ای صدقوا الله ورسوله وهاجروا من دیارهم واوطانهم یعنی من مکة الی المدینة وجاهدوا مع ذلك فی اعلاء دین الله و الذین آووا ونصرو ای ضموهم الیهم ونصروا النبی اولیك هم المومنون حقا ای اولیك الذین

حقـقـوا ایـمـانهـم بـالهـجرة والنصرة بخلاف من قام بدار الشرك .)) انتهى بلفظه

"یعنی پھر خدا شروع کرتا ہے جو مہاجرین وانصار کے ذکر کو اور ان کی مدح کرتا ہے اور ان کی ثنا و تعریف فرماتا ہے کہ آمنوا "یعنی ایمان لائے، ایمان سے کیا مراد ہے ہے کہ تصدیق کی خدا کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور ھـاجروا مـن دیـار ھـم یعنی اپنے گھروں سے ہجرت کی یعنی مکے سے ہجرت کی اور مدینے کو آئے وجـاھدوا یعنی اتنی ہی تکلیف پر قناعت نہ کی بلکہ خدا کا دین بڑھانے کے لیے جہاد بھی کیا والـذیـن آووا ونـصروا سے کیا مراد ہے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ان گھر چھوڑنے والوں کو اپنے یہاں جگہ دی اور پیغمبر خدا ﷺ کی مدد کی، پھر خدا فرماتا ہے کہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ یعنی یہی لوگ جو کہ مہاجرین وانصار ہیں سچے مومن ہیں اور خدا نے فقط مومنون نہ کہا بلکہ آگے حقا کی قید اور بڑھا دی، اس حقا سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو ثابت کر دیا بہ سبب ہجرت اور نصرت کے بخلاف ان لوگوں کے جو دار الشرک میں رہ گئے۔"

پس اب کیا ایسی تصریح کے بعد بھی کسی کی زبان پر یہ لفظ آ سکتا ہے کہ مہاجرین وانصار مومن نہ تھے اور پھر بھی کوئی شخص جرأت رکھ سکتا ہے کہ یہ کہے کہ ہجرت سے مراد شعب ابو طالب کی ہجرت ہے یا ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ سے مراد موت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں یا اور کسی کو یہ قدرت ہو گی کہ اس کے سننے کے بعد عموم وخصوص کا نام کسی کے منہ سے نکلے گا۔

غرض کہ یہ کہنا شیعوں کا کہ رضا مندی کے لیے حسن خاتمہ کا حال معلوم ہونا ضروری ہے صرف دھوکہ ہے، اس لیے کہ یہ رضا مندی ہی حسن خاتمہ کی شاہد ہے۔ اس لیے کہ اگر خدا جانتا کہ اس گروہ کا خاتمہ نیک نہ ہو گا اور یہ فرقہ بعد میں مرتد ہو جائے گا اور علی رضی اللہ عنہ کی

خلافت غصب کرنے کے سبب اور فدک چھین لینے کے باعث کافر ہو جائے گا تو خدا پاک کے علم غیب سے بعید ہے کہ وہ پھر اپنی رضا مندی بیان کرتا اور ان کے ایمان کے لیے یہ لفظ کہہ کر ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ ’’کہ یہی لوگ جو مہاجرین و انصار ہیں سچے مومن ہیں۔‘‘ تصدیق کرتا جو شخص خدا کی نسبت ایسا خیال کرے وہ کافر ہے نہ کہ مسلمان۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ خدا نے کبھی کسی منافق کی بھی تعریف کی، کسی مرتد کی ثنا و صفت کی، کسی کافر کے کسی نیک کام کی ثنا وصفت کی، آخر بہت سے کافر گزرے ہیں کہ جو سخی تھے، انصاف بھی کرتے تھے مگر صرف اس وجہ سے کہ کافر تھے اور کفر کی وجہ سے جہنم کے مستحق، خدا نے ایک لفظ بھی ان کی تعریف میں نہ کہا اور اپنی رضا مندی سے ان کے کسی فعل کو منسوب نہ کیا، اس لیے کہ جب وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور آخر کار دوزخ میں بھیجنا ہو گا تو رضا مندی کا اظہار کرنا گویا تدلیس کرنا ہے اور دھوکہ دینا ہے نعوذ باللّٰہ من ھذہ ......پس اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہجرت یا نصرت یا بیعت سے راضی ہوتا اور باقی ان کے سارے کاموں سے یا اکثر کاموں سے ناخوش، یا ان کے کفر و نفاق کے سبب ان کو دوزخی کرنا ہوتا تو پھر یہ لمبی چوڑی تعریفیں ان کی اور ایسی اعلیٰ درجے کی ان کی ثنا وصفت کرنا کس نظر سے تھا، کیا خدا نے بھی تقیہ کیا تھا، یا معاذ اللہ ظاہر میں دل خوش کرنے کے لیے اور اپنا کام نکالنے کے لیے ان سے تدلیس فرمایا تھا، یا اس سے غلطی ہوگئی تھی کہ بے انجام سوچے ایسے فرقے کی جو آخر کو سب کے سب مرتد ہو گئے یا جیتے جی سب کے سب منافق تھے ان کی ثنا وصفت کی۔

اس سے زیادہ نہیں کہ اگر خدا کو صاف کہنا منظور نہ ہوتا تو یہ فرما دیتا کہ جن لوگوں نے ہجرت کی ہے اور جنہوں نے نصرت کی ہے یہ سب کے سب مومن اور اچھے نہیں ہیں اور سب سے میں راضی نہیں ہوں...... یا جو مرتے دم تک حقیقت میں ثابت قدم رہے گا اور جو علیؓ کی خلافت اور فاطمہؓ کا فدک نہ چھینے گا یا جو ان دردناک واقعات کے ظہور سے پہلے سبقت الی الموت کر جائے گا انہی کی نسبت میری رضا مندی ہے تاکہ کسی کو کچھ دھوکہ نہ رہتا...... نہ کہ بجائے اس کے اس سارے فرقے اور کل گروہ کی ہجرت اور نصرت ہی کی تعریف کرے اور

ان کی ہجرت ونصرت ہی کو ان کے ایمان کی حجت میں دلیل لائے۔

پس اے مومنین! ذرا آیات قرآنی پر غور کرو اور اس کا ماله و ماعلیه سوچو اور تدلیس وتقیہ اور بدا کو خدائے پاک کی جناب میں نسبت نہ کرو، معلوم نہیں کہ تم نے اپنے ذہنوں میں کس کو امام تصور کیا ہے، کس کو پیغمبر جانا ہے، کس کو خدا سمجھا ہے کہ کسی کی نسبت سچائی اور صفائی کا اعتماد نہیں کرتے، سب کی باتوں میں دغل فصل بیان کرتے ہو، جس طرح پر تم اپنے فرضی اماموں کی نسبت تقیہ کی تہمت کرتے ہو، بعینہ ویسے ہی اپنے خدا کی شان میں تدلیس اور بدا کو منسوب کرتے ہو، ورنہ ہمارے اماموں نے بھی ہمیشہ صاف صاف معاملہ رکھا، ہمارے سچے اور ایک خدا کی بات بھی ہمیشہ ایک ہی ہے......جس کو اس نے مومن جانا پیغمبر خدا ﷺ سے کہہ دیا کہ یہ مومن ہیں ان کو اپنے ساتھ رکھ، ان کو اپنا مصاحب بنا، ان سے مدد لے، ان کے گھروں میں آرام کر......جن کو منافق جانا ان کی نسبت صاف اپنے رسول سے کہہ دیا کہ ان کو بے ایمان سمجھ، کسی بات میں اپنا شریک نہ کر، کبھی اپنی صحبت میں ان کو نہ بٹھلا۔ چنانچہ خاص پیغمبر خدا ﷺ کے برتاؤ سے سب پر کھل گیا کہ کون منافق تھے اور کون مخلص تھے...... صحبت نبوی ﷺ حقیقت میں ایمان کی کسوٹی تھی۔ مگر ہمارے نزدیک وہ سچے ہیں اور تمہارے نزدیک جھوٹے، پس دو حال سے خالی نہیں یا یہ کہ پیغمبر خداؐ نے ان مہاجرین وانصار کے نفاق کو جانا یا ان کا نفاق آنحضرت ﷺ پر نہ کھلا۔ اگر ان کا نفاق کھل گیا تو ان کو اپنی صحبت میں رکھا یا نہیں؟ اگر کہو کہ رکھا تو منافق کو اپنی صحبت میں رکھنا کیا معنی اور اگر نہیں رکھا تو ساری حدیث اور تفسیر اور سیر اور تاریخ کی کتابوں کو گنگا جمنا میں ڈال کر میلادِ نبویؐ ہی سے انکار کرنے لگو اور سارے متواترات کے منکر ہو جاؤ اور اگر ان کا نفاق نہیں کھلا تو اوّل تو ان منافقین پر آفریں کرو کہ کیسے ہوشیار اور چالاک تھے کہ ابتدائے طلوع نیر نبوت سے غروب کے زمانے تک اپنے نفاق میں ایسے ہوشیار رہے کہ کبھی پیغمبر خدا ﷺ پر ان کا حال نہ کھلا اور آنحضرت ﷺ کو ان کے نفاق پر اطلاع نہ ہوئی، نہ جبرئیلؑ ان کی خبر لائے، نہ خدا نے ان پر وحی کی، (نعوذ بالله من ذالك)۔ اس کے بعد یہ خیال کرو کہ وہ منافقین کتنے تھے دو

چار تھے یا ہزار دو ہزار، پس اگر "ارتدت الصحابة کلھم الا ثلاثه" پر نظر گئی تو یہی ارشاد ہوگا کہ سوائے تین چار کے باقی سب کے سب منافق یا کافر تھے یا مرتد ہوگئے اور اگر ﴿یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا﴾ [1] پر خیال گیا تو کہو گے کہ اگرچہ منافق بھی بہت تھے مگر سچے اور پکے مومن بھی بارہ ہزار سے کم نہ تھے بلکہ منجملہ بارہ ہزار منافقوں پر غالب تھے یا منافق ان پر غالب تھے...... اگر یہ کہو کہ منافقوں پر غالب تھے تو تعجب ہے کہ باوجود غلبے کے پھر منافقوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جیتے جی نکال نہ دیا اور ان کو ذلیل وخوار نہ فرمایا...... اور پھر بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان منافقوں کا کسی نے مقابلہ نہ کیا اور وصیٔ برحق، امام مطلق کا دو تین کے سوا کسی نے ساتھ نہ دیا بلکہ خاص بضعۂ رسول سیدة النساء تین چار رات برابر گھر گھر پیادہ پا دوڑیں اور سارے مہاجرین وانصار سے مدد چاہی، عمامۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی دکھلایا، جامۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش کیا، حسنین رضی اللہ عنہما سے معصوم بچوں کے حال پر بھی ترحم کی خواہش کی اور خود بھی ایک دشمن کی لات کے صدمے سے مجروح ہوئیں اور ایک معصوم بچہ شکم مبارک ہی میں شہید ہوا اور دامادِ رسول کو بھی منافق گلے میں رسی ڈال کر کھینچتے لے چلے اور ادھر وہ خدا اور رسولؐ کا واسطہ دلاتے رہے اور اِدھر سیدۂ پاک دروازے سے اس حال زار کو دیکھ دیکھ کر "وابتاہ وا محمداہ" چلاتی رہیں اور داد بے داد کا غل ملائکہ نے سنا، اس ہنگامۂ قیامت کے دیکھنے کو سدرة المنتہیٰ سے فرشتے دوڑے اور ان منافقوں نے کیا جو کچھ کیا اور ان معصوموں پر گزرا جو کچھ گزرا اور پھر ایسی حالت میں کہ غیروں کو رحم آجاتا ہے، دشمنوں کے دل بھی نرم ہوجاتے ہیں، جس سے کچھ تعلق نہیں ہوتا وہ بھی مدد پر آمادہ ہوجاتا ہے، مظلوموں کو ظالم سے بچاتا ہے مگر ایسی مصیبت اور تکلیف کی حالت میں بھی باوجودیکہ بارہ ہزار سچے پکے مومن موجود تھے جس میں سے نہ کوئی جبری تھا نہ قدری نہ کوئی دشمنِ علیؓ تھا اور علاوہ ان کے تمام بنی ہاشم ہتھیار بند موجود تھے اور پھر بایں قوت وشوکت اور بایں شجاعت وصولت کوئی بھی ان بارہ ہزار میں سے، نہ بنی ہاشم میں سے ایک بھی حمایت کو اٹھا اور نہ کسی نے وصیٔ رسولؐ کی

[1] ترجمہ: "اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔" (سورۂ نصر)

مدد کی اور نہ کسی نے بضعۂ نبوی کی اعانت کی، سب کے سب بیٹھے تماشا دیکھتے اور ان منافقوں کو جن کے نہ دل میں ایمان تھا، نہ بدن میں قوت تھی، نہ جن کی قریش میں کچھ عزت تھی، نہ جن کو کسی قسم کی فضیلت تھی...... ہمیشہ پیغمبر خدا سے نفاق کرتے رہے، آنحضرت ﷺ کے مارنے کی تدبیریں سوچتے رہے، نہ کسی لڑائی میں کبھی تلوار نکالی بلکہ اپنی عمر بھر میں ایک پشتے کا خون بھی نہیں بہایا، مارنا کیسا، ساری لڑائیوں وقت پر فرار ہی اختیار کیا۔

پس ایسے لوگوں سے ان بارہ ہزار آدمیوں کا ڈرنا اور بنی ہاشم کا بھی چون و چرانہ کرنا دو حال سے خالی نہیں یا یہ کہ وہ بھی منافق تھے اور دشمن اہل بیت گو خود ظالم و غاصب نہ ہوں لیکن ظالموں اور غاصبوں کے معین ہونے میں تو کچھ کلام ہی نہیں اور جب وہ بھی منافق ٹھہرے تو پھر ایمان والے تین کے تین ہی رہ گئے......اور یا یہ جتنی باتیں ہم نے تمہاری طرف سے نقل کیں اس میں سے کوئی ثابت نہ ہوئی۔ نہ کسی نے کسی کا حق غصب کیا، نہ کسی نے کسی پر ظلم کیا بلکہ حق بہ حق دار دیکھ کر کسی نے مخالفت کسی کی نہ کی اور سب کے سب مہاجرین و انصار مومن اور مخلص تھے۔

پس اے حضرات شیعہ! سوائے ان صورتوں کے اور کوئی دوسری صورت ہی نہ تھی جس سے حفاظت ہو سکے۔ یا تو سب مہاجرین و انصار کو کافر کہو، منافق جانو اور یا سب کو مومن اور مخلص کہو و انـی لھم ذالك ......مگر کبھی یہ کہنا کہ سب منافق تھے اور کبھی فرمانا کہ بارہ ہزار باایمان صحابی تھے اور کبھی یہ ارشاد کرنا کہ پیغمبر خدا کے مرتے ہی سب مرتد ہو گئے اور کبھی یہ کہنا کہ بعد خلیفہ سوم کے پھر لوگ تائب ہو گئے تھے اور ایمان کی طرف رجوع ہو گئے تھے اور اس کے مثل ہر موضع اور ہر مقام پر رنگ بدلنا اور بات بات میں دورنگی کرنا عقل کے بھی خلاف ہے اور ایمان کے بھی اور حیا کے بھی مخالف ہے اور انصاف کے بھی...... کیا وہ لوگ جنہوں نے ساری عمر تو پیغمبر خدا ﷺ کی صحبت پائی اور تمام زندگی میں اپنی حضرت ؐ کی نصیحت سنی اور نمازوں میں حضرت کے شریک رہے اور جہادوں میں مارنے مرنے پر مستعد رہے وہ سب کے سب پیغمبر خدا ﷺ کے وفات فرماتے ہی مرتد ہو جائیں اور اگر کچھ لوگ رہ جائیں تو وہ

خاندان نبویؐ پر ایسا ظلم صریح ہوتا ہوا دیکھ کر نہ زبان کو منہ سے نہ ہاتھ کو آستین سے نکالیں......
اور پھر باوجود ایسے ارتداد ایسی صریح اور واجب القتل ہونے کے بعد پچیس برس کے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں تب پھر توبہ کریں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شریک ہوں۔ اور تم ان کی توبہ کو قبول کر لو اور ان کو باایمان کہو اور ان کو جنتی جانو...... کیا خوب عقیدے ہیں آپ کے اور کیا اچھی باتیں ہیں آپ کی جو آپ ہی کو زیبا ہیں۔ شعر......

ای دہانت زلب و لب زد ہاں شیریں تر
خندہ شیریں و سخن گفتن ازاں شیریں تر

یہ جو کچھ میں نے لکھا اس کے لفظ لفظ کی شرح باب امامت میں ہوگی اور اس اجمال کی تفصیل ایسی کی جائے گی کہ کسی شیعی کی زبان سے بجز بجا و درست کے کچھ اور نہ نکلے مگر اس مقام پر دو چار فقرے لکھتا ہوں تا کہ اس کا حال لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ اعلموا یاایھا الخلائق ھدا کم اللہ۔ شیعوں نے اوّل یہ دعویٰ کیا کہ خلافت حضرت امیرؓ کا حق تھا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی حیات میں اپنا خلیفہ کر دیا تھا مگر خلفائے ثلاثہ نے ان کا حق چھین لیا اور یکے بعد دیگرے خود خلیفہ بن بیٹھے اور خلافت کو اصول دین میں داخل کیا کہ اس کا منکر گویا توحید اور نبوت کا منکر ہے۔ پس اس اصول سے یہ نتیجہ نکالا کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کافر ہو گئے۔ ونعوذ باللّٰہ منہ۔ اور چونکہ ایک لاکھ آدمی سے زیادہ مسلمان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تھے اور جس میں سے ہزاروں مہاجرین و انصار اور بیعت الرضوان والے تھے، سبھوں نے خلیفۂ اوّل کی بیعت کی تو ان کی نسبت بھی ارتداد کا حکم قائم کیا اور سب کو معاذ اللہ کافر ٹھہرایا اور چونکہ اس کے لیے کسی امام کا قول چاہیے اس لیے اماموں کی طرف منسوب کیا کہ ائمہ کرام نے فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب اصحاب مرتد ہو گئے سوائے تین کے اور حضرت علیؓ ایسے مجبور ہو گئے کہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر چالیس جانباز میرے شریک ہوتے تو میں مقابلہ کرتا۔ جب سب اصحاب رضی اللہ عنہم کے ارتداد کا دعویٰ کیا اس وقت آیات کلام اللہ پر نظر کی تو دیکھا کہ وہ تو تمام مہاجرین و انصار کی مدح و ثنا سے بھرا ہوا

ہے اس لیے اس میں تاویلات بعیدہ کرنا شروع کیں، مہاجرین کے یہ معنی بنائے کہ مراد اس سے شعب ابوطالب کی ہجرت کرنے والے ہیں، یا حبشہ کے ہجرت کرنے والے، ”انصار“ سے یہ معنی لیے کہ وہی ساٹھ ستر آدمی مراد ہیں جو کہ اوّل اوّل مکہ معظّمہ میں پیغمبر خدا ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئے تھے اور ”سابقون“ کے معنی یہ بنائے کہ مراد ان سے وہ لوگ ہیں جو پیغمبر خدا کے سامنے ہی مر چکے تھے۔

جب یہ خیال کیا کہ آخر یہ سب تعریفیں اصحاب رضی اللہ عنہم کی جو خدا کی کتاب میں ہیں ان کا مصداق کسی کو کرنا چاہیے تو جہاں تک ہو سکا ان آیتوں کو صرف علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی شان میں قرار دیا اور جو کچھ خلافت کا وعدہ خدا نے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کیا تھا اس کو امام مہدی آخر الزماں کے عہد پر ٹالا اور جو شوکت ونصرت اور غلبۂ اسلام کا خدا نے قرآن مجید میں بیان کیا تھا اور جس کا ظہور خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ سے ہوا تھا اس کو امام صاحب کے ظہور پر ملتوی کیا...... باقی وہ آیتیں رہ گئی ہیں جن کا مصداق سوائے اصحابِ نبویؐ کے اور کوئی نہ ہو سکا تب یہ اقرار کیا کہ مراد اس سے وہ اصحاب ہیں جو ایمان پر ثابت قدم تھے اور جن کے اعمال بھی اچھے تھے...... اور بہت سی آیتوں کو جس میں کثرت اصحاب اور غلبہ اہل اسلام کا ذکر ہے دیکھ کر کوئی چارہ سوائے اس کے نہ پایا کہ تین کو چھوڑیئے اور دو چار ہزار اصحاب کی خوبیوں کا اقرار کیجیے۔ چنانچہ یہ سمجھ کر اور اہل سنت کی دار و گیر سے تنگ ہو کر اور کچھ خدا سے شرما کر آخر شیخ صدوق محمد بن بابو یہ قمی نے ”کتاب خصال“ میں یہ اقرار کیا کہ پیغمبر خداؐ کے بارہ ہزار اصحاب تھے جس میں سے آٹھ ہزار مدینے کے اور دو ہزار غیر مدینے کے اور دو ہزار آزاد اور رہا کیے ہوئے، جس میں نہ کوئی قدری تھا کہ جبر کا قائل ہو، نہ کوئی معتزلی تھا، نہ کوئی صاحب الرائی تھا بلکہ سب کے سب نہایت نیک اور پاک تھے، رات دن خدا کے خوف میں رویا کرتے اور خدا سے دعا کرتے کہ الٰہی قبل اس کے کہ ہم میدے کی روٹی کھائیں ہماری روح قبض کر لینا۔ لیکن اس میں بھی کیا ہوشیاری کی کہ بوجہ خلفائے ثلاثہ کے مکے والوں کا کچھ ذکر نہ کیا کہ وہاں کے بھی کچھ لوگ مسلمان تھے یا نہیں، گویا باوجود اس کثرت کے بھی ان بے چاروں

کو خارج ہی رکھا...... خیر بہر حال جب کسی سنی نے اعتراض کیا کہ عجب مذہب ہے تمہارا کہ اصحابِ نبویؐ کو جن کی تعریف سے قرآن بھرا ہوا ہے کافر اور مرتد کہتے ہو تو جواب میں وہی روایت پیش کر دی کہ ہم بارہ ہزار اصحاب کو با ایمان جانتے ہیں اور ساری آیتوں اور احادیث اور اقوال کے مصداق کے لیے ان بارہ ہزار کے ایمان کا اقرار کیا اور بعضوں نے یہ خیال کر کے کہ اگر کوئی ان کے نام پوچھ بیٹھے تو کیا جواب دیں گے ایک فہرست بھی تیار کی جس میں سو اصحاب کے نام لکھے مگر خدا کے فضل سے وہ فہرست بھی ایسی ہے کہ جس کے دیکھنے سے ہنسی آتی ہے۔ بعض تو وہ لوگ ہیں جو ہجرت کے وقت کافر تھے اور بعض وہ لوگ ہیں جو جنگ بدر میں کافر ہونے کے سبب سے پکڑ کے آئے تھے اور ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑا تھا اور بعض ایسے ہیں جو پیغمبر ﷺ کی وفات کے وقت شاید نابالغ ہوں گے اور بعض وہ ہیں جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذلیل وخوار فرمایا ہے یا خائن اور بددیانت کہا ہے۔ خیر بہر حال دکھلانے کے واسطے سو نام کی فہرست تیار کی اور باقیوں کی نسبت کہا کہ شیخ اعظم محمد بن حسن بن بابویہ قمی نے اسماء الرجال کی کتابیں تیار کی ہیں، اس میں بہت اصحاب کے نام ہیں مگر افسوس ہے کہ ناصبیوں نے جلا دیں اور اب ان کا پتہ نہیں چلتا۔

غرض کہ اب دو دعوے جو ایک دوسرے سے مخالف تھے حضرات نے کیے کہ ایک دعویٰ تو یہ کیا کہ سب اصحاب مرتد ہو گئے اور دوسرا دعویٰ یہ کیا کہ بارہ ہزار اصحاب نہایت نیک اور پاک تھے اور دونوں متناقض روایتوں پر جب اہل سنت نے اعتراض کیا تو اب ارتدت الصحابة کلهم عدول کے معنی بنائے کہ یہ جو امام نے فرمایا ہے کہ سب اصحاب سوائے تین کے مرتد ہو گئے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سب کافر ہو گئے بلکہ تین فریق ہو گئے تھے، ایک فریق تو صاف مرتد ہو گئے، یعنی دین سے پھر گئے اور بعض ضروریات اسلام کے منکر ہو گئے، ان کے ارتداد کا نام ارتداد دینی دیا گیا اور دوسرا فریق اخلاق حمیدہ اور صفات پسندیدہ کا تارک ہوا، یعنی جو افعالِ حسنہ، اعمالِ صالحہ اور خصوصی محبت اہل بیت کے ساتھ پیغمبر ﷺ کے زمانے میں رکھتے تھے اسے چھوڑ دیا اور حضرت سید المرسلین ﷺ کی ذریت کی نصرت

اعانت نہ کی اور اس کے ترک میں مداہنت کی، اس ارتداد کا نام ''ارتدادِ خلقی رکھا گیا......اور تیسرا فریق وہ قرار دیا گیا جس نے حقوق اہلِ بیت کو غصب کیا اور علی مرتضٰیؓ کا اور فاطمہ زہراؓ کا حق چھین لیا اور عترتِ نبویؐ کو ستایا اور اس کا نام ''ارتدادِ ایمانی'' رکھا، یعنی ایمان کو چھوڑ دیا گو ظاہر میں اسلام کا نام ان پر باقی رہا...... پس اس حکیمانہ تقریر سے دونوں مختلف حدیثوں یا روایتوں کو تطبیق دیا کہ جس حدیث میں کل صحابہ کے ارتداد کا ذکر ہے اس سے ارتدادِ دینی اور ارتدادِ ایمانی مراد ہے اور جس روایت میں بارہ ہزار اصحاب کا ذکر ہے وہ اس زمرہ میں داخل نہیں ہیں جن پر ارتدادِ دینی کا اطلاق ہے۔

اس کے بعد جب یہ خیال کیا کہ منجملہ ان تین فریق کے دو فریق تو حقیقت میں دین و ایمان سے محروم ہوئے ایک فریق رہ گیا جن کے ارتداد کا نام ''ارتدادِ خلقی'' رکھا گیا، ان پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے کیوں علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی اعانت نہ کی اور اس جم غفیر نے اہل بیت کی محبت کیوں چھوڑی اور ایسے ظلم صریح کو دیکھ کر معاندین کا مقابلہ نہ کیا؟ تب اکثر نے اس کا اقرار کیا حقیقت میں کوئی سچا اور کامل ایمان والا نہ رہا تھا۔اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چند شخصوں نے اعانت کا وعدہ کیا اور جناب امیرؓ نے ان کا امتحان لیا تو وہ بھی امتحان میں پورے نہ اترے۔ اس لیے حقیقت میں ترک اعانت اہل بیت سے وہ بھی مرتد ہو گئے اور صرف دو تین سچے رفیق رہ گئے مقدادؓ، سلمانؓ، ابوذرؓ اور بعضوں نے ان کو بھی اڑا دیا اور سچا دوست ایک مقدادؓ ہی کو قرار دیا۔ پھر جب خیال کیا کہ آخر تین خلیفوں کے بعد اصحاب نبویؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تو اگر وہ ان سے مخالف ہوتے تو کیوں چوتھی دفعہ ان کو خلیفہ کرتے، کیا کوئی چوتھا آدمی باقی نہ رہا تھا؟ تب یہ مضمون تراشا کہ یہ لوگ اوّل وہلہ میں مرتد ہو گئے تھے مگر تھوڑی مدت کے بعد بہ بدرقہ عنایت ایزدی حق کی طرف ہوئے اور انہوں نے توبہ کی اور ہدایت پائی اور اپنے حق اور راہِ راست پر ثابت قدم ہو گئے۔

لیکن یہ روایتیں اور حدیثیں کتب شیعہ میں ایک دوسرے سے مخالف ہیں کہ کسی کی تصدیق کرنی اصول شیعہ کے موافق محالات سے ہے، اس لیے کہ ان کے بڑے بڑے فقہاء

اور مجتہدین اسی کے معتقد رہے کہ جس نے نص نبویؐ کو سنا اور پھر منکر خلافت ہوا وہ اسلام سے خارج اور واجب القتل ہوگیا...... بہر حال گوشیخی کر کے بہت سی باتیں بنائیں اور دس پانچ ہزار کو اصحاب نبوی میں شمار کیا مگر بہ فحوائے ”ولا یصلح العطار ما افسده الدھر“ ❶ جو سلسلہ ایمان کا ان کے بزرگوں نے توڑا تھا وہ پھر نہ جڑ سکا اور اب تک اس بات کا کسی شیعہ سے جواب نہ ہوسکا کہ جو لوگ حقوق اہل بیت کے غصب کرنے والے تھے وہ تو صرف تین آدمی ہی تھے باقی جو ہوں گے وہ ان کے معین و مددگار ہوں گے، تو اگر ان کے معین و مددگار بہت نہ ہوتے تو وہ کیوں حق اہل بیت غصب کرنے پاتے اور اگر بہت تھے تو کچھ بھی ان کے مخالف تھے یا نہیں؟ اگر کچھ لوگ بھی مخالف نہ تھے تو وہی ”ارتدت الصحابۃ کلھم“ کا مضمون صادق آیا اور اگر دس پانچ ہزار آدمی بھی ان سے مخالف تھے تو پھر انہوں نے تلوار کا تلوار سے، زبان کا زبان سے، لشکر کا لشکر سے بہ مقتضاء ﴿السِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ ❷ مقابلہ کیوں نہ کیا۔

پس معلوم ہوا کہ ان خلفائے جور کے مخالفین بہت ہی کم تھے، اس لیے بعض روایات میں آیا ہے کہ علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سبھوں نے وصیت نبویؐ کو بھلا دیا اور ایمان کو چھوڑ دیا، کوئی بھی مجھے ایسا نظر نہ آیا تھا جس کے بھروسے پر میں مخالفین کا مقاتلہ کرتا۔ تو اس صورت میں وہ دعویٰ کہ بارہ ہزار افراد ایسے تھے جو رات دن روتے تھے، باطل ہوا، اس لیے کہ اگر دو چار ہزار بھی ان میں سے اس وقت تک زندہ ہوتے تو وہ کچھ مدد کرتے یا نہ کرتے، شاید ان کو رونے سے فرصت نہ ملی ہوگی اور گوشۂ عبادت سے نکلنا مناسب نہ تصور کیا ہوگا مگر وہ وقت جبکہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا روتی پھرتی تھیں اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر گھر مدد مانگتی پھرتی تھیں وہ وقت رونے کا اور گوشہ نشینی کا تھا یا کہ تلوار ہاتھ میں لے کر غاصبین کے مارنے کا اور ذریت نبویؐ کو ظلم و ستم سے بچانے کا......

---

❶ عطار اس چیز کو درست نہیں کرسکتا جس چیز کو زمانے نے بگاڑ دیا ہو۔۱۲

❷ ترجمہ: دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر۔“ (سورۂ مائدہ)

اگر کہا جائے کہ انہوں نے بعد میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا کہ آخر انہیں میں سے ہزاروں آدمی جنگ صفین میں مارے گئے اور ہزاروں آدمی معاویہ رضی اللہ عنہ امیر شام کے مقابلہ میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل ہوئے تو ان کی توبہ پر کیا بھروسا ہوسکتا ہے، اس لیے کہ جب اصل وقت پر انہوں نے دغا دی اور بضعۂ نبویؐ کو ظلم وستم سے نہ بچایا اور پچیس برس تک خلفاء جور کی بیعت کرتے رہے تو ان کے ایمان پر کیا اطمینان ہوسکتا ہے اور سوائے اس کے کہ یا ان کو ارتداد کی حالت پر رہنے دیا جائے یا ان کے ارتداد کا نام ہی نہ لیا جائے ان کی نسبت اوّل ایمان کی نسبت کرنا پھر بیچ میں مرتد بنانا پھر توبہ کر کے ایمان کا ان پر اطلاق کرنا اور طلاق رجعی کی طرح نکال دینا اور داخل کر لینا دین کو بازیچۂ اطفال بنانا ہے۔

غرض کہ اصحاب نبویؐ تو اس حیص بیص میں پڑ گئے اور اب تک پڑے ہوئے ہیں، کوئی سب کو کافر بناتا ہے، دو تین کو پکا ایمان والا کہتا ہے، کوئی بارہ ہزار کو با ایمان کہہ کر اپنی دینداری ظاہر کرتا ہے مگر ہر چند باتیں بناتے ہیں کوئی بات نہیں بنتی...... خیر اصحاب نبویؐ کو چھوڑو، اب خاص علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف خیال کرو کہ جناب امیرؓ کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ قبلہ ان کا بھی وہی حال ہے کہ جب انہوں نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کر لی تو ان کی بیعت سے خلافت کا ثبوت ہوگیا اور جب ثبوت خلافت ہوگیا تو مذہب تشیع باطل ہوا، اس لیے یہ مضمون تراشا گیا کہ حضرت علیؓ نے خوشی سے بیعت نہیں کی بلکہ جب یہ کیفیت ہوئی:

بدست عمر بودیک ریسماں
دگر درکف خالدؓ پہلواں
فگندند بر گردن شیر نر
کشیدند اور ابر ابوبکرؓ

''ایک رسی عمرؓ کے ہاتھ میں تھی دوسری خالدؓ پہلوان کے ہاتھ میں شیر نر (علیؓ) کی گردن میں وہ رسی ڈال کر ابوبکرؓ کے پاس گھسیٹ کر لے گئے۔''

یعنی کشاں کشاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے اور باوجودیکہ راہ میں بہت سے معجزات دکھائے گئے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر مبارک سے ہاتھ بھی نکال دیا اور ہاتف غیبی نے مرثیہ بھی پڑھا اور کسی نے کچھ نہ سنا تب بہ مجبوری حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔

جب مجبوری کے لفظ کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں نقص اور عیب خیال کیا کہ باوجود وہ خدا کے شیر تھے اور شجاعت و مردانگی میں نظیر نہ رکھتے تھے، ان کا مجبور ہونا کیسا، تب دوسرا مضمون تراشا گیا کہ پیغمبر خدا ان کو وصیت کر گئے تھے کہ تم خلفاء ثلاثہ سے مقابلہ و مقاتلہ نہ کرنا اس لیے حضرت رضی اللہ عنہ نے مقابلہ نہ کیا ورنہ اگر پیغمبر خداؐ کی وصیت نہ ہوتی تو پھر لوگ تماشا دیکھتے اور ذوالفقار علی کے جوہر نکلتے، مجبوری تھی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے خلاف علی مرتضیٰ کچھ مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔

جب یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ کہیں گے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی وصیت کیوں کی تھی کہ جس کے اوپر عمل کرنے سے دین ہی غارت ہوا اور خاندان نبویؐ تہہ و بالا ہو گیا اور کفار منصب خلافت کے غاصب ہو گئے، تو اس کے لیے ایک حدیث بنائی جس کا مضمون یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے خاص جبرئیل علیہ السلام کی معرفت اپنا نامہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نام اور حضرت جبرئیلؑ نے سب کو ہٹا کر رسول اور وصی کو وہ نامہ دیا اور دینے سے قبل بہت سے عہد لیے اور قسمیں لیں جب حضرت جبرئیلؑ کو اطمینان ہو گیا کہ ضرور اس پر عمل ہو گا تب چپکے سے وہ نامہ خدا کا دیا، اس میں لکھا تھا کہ تم خلفائے ثلاثہ کے مقابلہ میں تلوار نہ لینا، اس لیے حضرت علیؓ نے مقابلہ نہ کیا۔

اور جب یہ خیال ہوا کہ حضرت علیؓ نے امیر شام کے مقابلہ میں کیوں تلوار لی اور ہزاروں آدمیوں کو قتل کیا؟ تب اس نامہ میں یہ مضمون اور بڑھا دیا کہ امیر شام اور خوارج کے مقابلہ میں تلوار اٹھانا اور خوب گردنیں ان کی اڑانا۔ سبحان اللہ، کیا نامہ تھا اور کیا مضمون تھا کہ ایک فریق سے مقابلہ کا حکم، دوسرے سے سکوت و خاموشی کی وصیت، اختیار تھا کہ جو چاہتے اس نامہ میں اور بڑھا دیتے۔ شعر......

ایں سخن راچوں تو مبدا بودۂ
گر بیفزاید تو آں افزودہ

بہر حال جب کسی نے یہ پوچھا کہ خدا نے ایسی وصیت کیوں کی جس کا مضمون مختلف ہے؟ اس کا یہ جواب دیا کہ خدا کی حکمت خدا ہی جانے بندے کی کیا قدرت ہے جو اس کے اسرار اور حکمتوں سے واقف ہو، ایمان والوں کا کام ہے بے چون و چرا اس کی باتیں مان لینا نہ کہ اس کی حقیقت اور سبب کا پوچھنا اور اس کے واسطے ہزاروں آیات اور لاکھوں احادیث کی سند موجود ہے۔

خیر بہر حال اس نامے کی بدولت شجاعت بھی حضرت امیرؓ کی قائم رہی اور بیعت کا عذر بھی معقول ہو گیا اور خلافت بھی خلفائے ثلاثہ کی حق نہ ہونے پائی اور جب کسی سنّی جاہل نے اعتراض کیا کہ علی مرتضیٰؓ نے بیعت کیوں اختیار کی تمہارے نزدیک خلفاء ثلاثہ معاذ اللہ! مرتد تھے اور بیعت تو فاسق کی بھی حرام ہے۔ اردو کے مرثیہ پڑھنے والے بھی جانتے ہیں کہ اسی اسطے امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہ کی اور جب اس نے بیعت کرنے کے لیے لکھا تب آپؓ نے انکار کیا اور فرمایا: شعر......

سب جانتے ہیں بیعت فاسق حرام ہے
اس کا نہیں پیام اجل کا پیام

تو باوجودیکہ خود امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور سارا خاندان بھوکا پیاسا شہید ہوا مگر چونکہ یزید فاسق تھا حضرت نے اس کی بیعت نہ کی، تو اگر خلفائے ثلاثہ بھی فاسق ہوتے چہ جائے مرتد ہونے اور کافر ہونے کے، تو اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کس طرح بیعت کرتے؟ تو اس سے کہہ دیا کہ تم جاہل ہو، نہیں جانتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خدا کا ایک خاص نامہ آیا تھا اس میں نہایت تاکید کے ساتھ صبر کی اور عدم مقابلے کی وصیت تھی اور جب کسی نے کہا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں اس پر عمل نہ کیا؟ تب کہہ دیا کہ ان کے لیے دوسرا صحیفہ تھا، ان کو یہی حکم تھا کہ تم بیعت نہ کرنا شہید ہونا......تم سنّی خارجی دشمن اہل بیت ہو، تم

ائمہ کے حال سے کیا واقف ہو، یہ راز کی باتیں ہیں، انبیاء اور ملائکہ تو اس کے متحمل نہیں ہوئے، یہ خاص حصہ شیعوں اور کوفیوں کا ہے، ہر امام کے لیے خدا نے جدا صحیفہ بھیجا تھا اور سب باتیں جو ان کو کرنی چاہئیں وہ اس میں لکھی ہوئی ہیں، پس ہر امام کا اس پر عمل تھا۔ کیا ہمارے امام تمہارے خلیفہ سے تھے کہ جن کو سوائے خدا کے دوسرے سے کچھ پوچھنے کی حاجت ہوتی، سب علم ماکان و مایکون ان کو حاصل تھا، بلاواسطہ جبرئیلؑ کے خدا سے وہ باتیں کیا کرتے تھے اور سارے کام اور تمام افعال ان کے خدا کی اجازت سے اس کی مرضی کے موافق ہوتے تھے۔ پس جس طرح حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین تک سب اولوالعزم پیغمبروں کے جدا جدا صحیفے اور علیحدہ علیحدہ کتابیں خدا نے بھیجیں اسی طرح پر سب ائمہ کو جدا جدا صحیفے بھیجے، اسی واسطے ان کا عمل ایک دوسرے کے موافق نہ تھا۔ اگر ائمہ کے اختلافِ عمل پر تم کو شبہ ہو تو جو اختلاف پیغمبروں کی شریعتوں میں ہوا اس پر بھی شبہ کرو۔

بہرحال اس امر میں حضرات شیعہ بڑے موحد، صابر اور متوکل علی اللہ بن گئے، بے چون و چرا سارے افعالِ ائمہ کو ان کے صحائف آسمانی پر محمول کر دیا اور اہل بیت کے ساتھ اپنی دوستی پر اسی کو شاہد کیا۔

یہ حال تو ائمہ کا ہوا، اب باقی کیفیت خلفاء اور اصحاب کی سنیے کہ بعضوں نے تو ان کے اعمال حسنہ سے بھی انکار کیا اور کہا کہ کوئی نیک عمل کبھی ان سے صادر ہی نہیں ہوا اور بعضوں نے جب اس امر کو متواترات کا انکار خیال کیا تو اقرار کیا کہ بے شک وہ ظاہری اعمال کے بڑے پابند تھے اور روزہ نماز وغیرہ کے کامل مقید تھے، اور ان کے چال چلن ظاہر میں بہت ہی اچھے تھے مگر تا کہ اس سے ان کی فضیلت ثابت نہ ہو اور مستحق ثواب نہ ٹھہریں تو ''طینت'' کا مسئلہ ایجاد کیا، یعنی ائمہ کی طرف منسوب کر دیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ امام باقر علیہ السلام فرماتے:

''حق تعالیٰ سبحانہ (1) نے ایک پاک زمین پر سات دن تک شیریں پانی جاری کیا پھر ہمارے خمیر کو اس سے جدا کیا اور اس کی تلچھٹ سے شیعوں کی مٹی بنائی اور

پھر ایک دوسری ملعون زمین میں شور پانی اسی طرح جاری کیا اور اس سے ہمارے دشمنوں کا خمیر بنایا۔ پس اگر وہ سب الگ رہتے تو کبھی کسی شیعہ سے گناہ نہ ہوتا اور سب شیعی ہماری ہی طرح معصوم رہتے اور کسی سنّی ناصبی ہمارے مخالف سے کوئی نیک کام نہ ہوتا، سب ظاہری کافر رہتے، مگر خدا نے دونوں مٹیوں کو خلط ملط کر دیا اور کچھ پاک مٹی ناپاک مٹی میں مل گئی۔ اس لیے جو شیعی گناہ کرتے ہیں وہ سنیوں اور ناصبیوں کی ناپاک مٹی کا اثر ہے اور جو ناصبی اعمال صالحہ کرتے ہیں وہ اس پاک مٹی کا اثر ہے، مگر جب قیامت کا دن ہوگا اور خدا اپنا عدل ظاہر کرے گا تو جس کی مٹی سے جو عمل ہوا ہے وہ اس کو دے گا، شیعوں کے گناہ ناصبیوں کے سر پڑیں گے کیونکہ انہیں کم بختوں کی مٹی کے اثر سے ہوئے تھے اور ناصبیوں کے نیک کام سب شیعوں کو مل جائیں گے، اس لیے کہ انہیں کی پاک مٹی کی تاثیر سے ہوئے تھے...... راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے امام سے یہ سنا تو کہا میں قربان ہوں آپ کے یا حضرت، سنّیوں کے نیک کام سب ہم کو مل جائیں گے اور ہمارے گناہ سب ان کے سر پڑیں گے، امام نے فرمایا خدا کی قسم ہے ضرور بالضرور ایسا ہی ہوگا۔ راوی کہتے ہیں، میں نے امام سے پوچھا کہ یا حضرت، قرآن مجید میں بھی کچھ اس کا ذکر ہے امام نے فرمایا واہ وہ بھی کوئی بات ہے جو قرآن میں نہ ہو، دیکھو اس آیت کو کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے ﴿أُولَـٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ کہ خدا بدل دے گا ان کے گناہوں کو نیکیوں سے، اس کا یہی مطلب ہے۔"

غرض کہ اس مسئلہ طینت کی بدولت اصحاب نبویؐ اور تمام سنیوں کے اعمالِ حسنہ جو قیامت تک ہوں گے سارے شیعیان علیؓ کے حصے میں آگئے اور ان کی ہجرت اور نصرت اور

1 یہ عبارت ''علل الشرائع'' کی ایک طویل روایت کا خلاصہ ہے۔ ''علل الشرائع'' از شیخ صدوق م ۳۸۱ھ ترجمہ اردو ناشر نظامی پریس لکھنؤ صفحہ ۴۹۱ تا ۴۹۴۔ ۱۲

جہاد وغیرہ جس کی جا بجا خدا نے قرآن مجید میں تعریف کی ہے وہ گھر بیٹھے شیعوں کو مل گئے اور وہ بے چارے باوجود ان محنتوں اور کوششوں کے محروم اور بے نصیب رہے، (نعوذ باللہ من ھفواتھم) پس جو اہل سنت اصحاب نبویؐ کے اعمال پر بہت ناز کرتے تھے اور ان کی ہجرت ونصرت کو بار باران کی فضیلت میں بیان کرتے تھے ان کا تو منہ مسئلہ طینت سے بند کیا گیا۔اب باقی رہی ایک اور بات کہ خدا نے جا بجا قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ جو منافق ہیں وہ ذلیل وخوار ہوں گے اور قتل کیے جائیں گے اور مارے جائیں گے اور اصحاب نبوی باوجودیکہ منافق تھے۔(ونعوذ باللّٰہ من ذلك) خلیفہ ہوئے اور ان کی عزت وشوکت زیادہ ہوئی تو خدا کا یہ وعدہ پورا نہ ہوا، پس یا خدا کو جھوٹا کہنا لازم آتا تھا یا اصحاب کے نفاق سے انکار کرنا پڑتا تھا اس لیے بہ مقتضائے مصرع:

ہم لعل بدست آیدوہم یار نہ رنجد

خدا کا کلام بھی سچا ہو اور اصحابِ نبوی کا نفاق بھی قائم رہے ''رجعت'' کا مسئلہ بنایا گیا۔

رجعت (1) کا مسئلہ یہ ہے کہ جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تب پیغمبر ﷺ زندہ ہوں گے اور سارے اچھے اور پاک لوگ زندہ ہوں گے اور حضرت خاتون جنتؓ زندہ ہوں گی، حضرت علیؓ زندہ ہوں گے اس وقت خلفائے ثلاثہ قبروں سے نکالے جائیں گے اور ان پر مقدمہ دائر ہوگا، ایک طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا دعویٰ پیش کریں گے کہ میری خلافت

---

(1) شیعی عقائد واعمال کے بیان میں ''تحفۃ العلوم'' اردو زبان میں ایک قدیم ترین کتاب ہے اس میں اس ''عقیدہ رجعت'' کا بیان ان مختصر الفاظ میں کیا گیا ہے: ''اور ایمان لانا رجعت پر بھی واجب ہے، یعنی جب امام مہدی ظہور و خروج فرمائیں گے اس وقت مومن خاص اور کافر اور منافق مخصوص زندہ ہوں گے اور ہر ایک اپنی داد وانصاف کو پہنچے گا اور ظالم سزا وتعزیر پائے گا۔'' تحفہ العلوم صفحہ ۵

ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہور کتاب ''حق الیقین'' کے صفحہ ۱۳۹ پر ابن بابویہ قمی کی علل الشرائع کے حوالہ سے امام محمد باقرؒ سے روایت نقل کی ہے: ''چونکہ قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کندیا براو حد بزند و انتقام فاطمہ ما از و بکشد'' (حق الیقین صفحہ ۱۳۸) ''جب ہمارے قائم (یعنی مہدی) ظاہر ہوں گے تو وہ (معاذ اللہ) عائشہ رضی اللہ عنہا کو زندہ کر کے ان کو سزا دیں گے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقام ان سے لیں گے۔'' ۱۲ (شیخ محمد فراست)

غصب کی دوسری جانب سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مدعی ہوں گی کہ مجھے مجروح کیا، حسن کو شہید کیا، باغ فدک کو چھینا...... غرض کہ بعد ثبوتِ کامل یہ حکم ہو گا کہ یہ لوگ درخت سے لٹکائے جائیں اور ان کو پھانسی دی جائے...... اور کیا کہا جائے ایسی خرافات اور واہیات باتیں ان مردودوں نے لکھی ہیں کہ جن کے دیکھنے سے مسلمان کے بدن پر لرزہ ہوتا ہے...... غرض کہ ان کے نزدیک اس وقت خدا کا وعدہ پورا ہو گا اور تب ان کی ذلت کامل ہو کر لوگوں پر ان کے نفاق کا حال کھلے گا اور پھر اس مسئلہ رجعت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ فرقہ حقہ اثنا عشریہ کے عقائد خاص سے ہے اور سب فرقے اس پاک اور نیک عقیدے سے بے نصیب ہیں۔

ان سب باتوں کے علاوہ ایک بہت بڑی مصیبت اس مذہب پر یہ تھی کہ جناب امیرؓ سے لے کر گیارہویں امام تک سب کے سب ظاہر میں اسی روش پر تھے اور رہے جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی اور ہمیشہ ان کے اوصاف و محامد بیان کیے اور جب کسی نے پوچھا تب ان کی تعریفوں میں نہایت ہی مبالغہ کیا بلکہ خود جناب امیرؓ برابر پانچوں وقت کی نمازیں انہیں کی اقتدا میں ادا کرتے رہے اور لڑائیوں اور جہادوں میں ان کو مشورہ دیتے رہے نہ اسی زمانے میں جبکہ خلفائے ثلاثہ مسند خلافت پر تھے بلکہ ان کے پیچھے بھی ان کے ثنا خواں رہے اور اپنے عہد خلافت میں بھی جبکہ ان کو مکمل قوت و اقتدار حاصل تھا خلفائے سابقین کی تعریف و توصیف کرتے رہے اور یہ کہ خلفائے سابقین نے جو احکاماتِ جور جاری کیے تھے ان کو بھی ختم نہیں کیا نہ فدک وارثانِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لوٹایا، نہ تراویح جیسی بدعت کو موقوف کیا، نہ متعہ کو حلال قرار دیا...... اس مصیبت سے چھٹکارے کا حل یہ سوچا کہ ایسی بات پیدا کرنی چاہیے کہ باوجود اس موافقتِ ظاہری کے ائمہ کرام کی مخالفت صحابہ سے قائم رہے اور مذہب شیعہ کی جڑ مضبوط کی جائے تب ایک نہایت ہی سچا اور صاف اور عمدہ و دلچسپ اصول قائم کیا یعنی ظاہر کا باطن سے مخالف ہونا اور جھوٹ بولنا مگر چونکہ یہ لفظ نہایت ثقیل اور مکروہ تھا، اگر اسی کو عقیدہ میں داخل کرتے تو جو سنتا وہ اس لفظ کے سنتے ہی نفرت کرتا، اس لیے اس کی حقیقت کو ایک خوبصورت اور خوشنما لفظ کے پردے میں ظاہر کیا اور جھوٹ بولنے اور ظاہر کے باطن سے

مخالف ہونے کا نام تقیہ ❶ رکھا اور اس کو ہمارے سوالوں کا جواب اور کل شبہات وشکوک کا حل ٹھہرایا......مگر افسوس ہے کہ یہ نہ خیال کیا کہ صورت اصلی لباس سے بدل نہیں سکتی اور کسی شے کی حقیقت الفاظ کے تبدیل کرنے سے متغیر نہیں ہوسکتی، جھوٹ کا کچھ ہی نام کیوں نہ رکھو، جب اس کے معنی کہو گے اس کی برائی ظاہر ہو جائے گی، خواہ نام اس کا تقیہ رکھو، خواہ اصول دین میں اسے داخل کرو۔شعر......

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت رامی شناسم

اب غرض کہ تقیے کو اصول دین میں سے قائم کرنے کے لیے کسی امام کی سند چاہیے، اس لیے کہ حضرات امامیہ اہل سنت تو نہیں ہیں کہ جو قیاس واستحسان کو دین میں دخل دیں، خدا کے فضل سے ان کے سارے عقیدے اور کل اصول ائمہ کرام کے فرمائے ہوئے ہیں اور ان کی احادیث کی کتابیں ناصبیوں کی طرح بے اعتبار تو نہیں ہیں کہ جو اور جس زید وعمرو نے چاہا احادیث نبوی کی تصحیح کر دی اور ان کا نام صحیح اور سنن رکھ لیا بلکہ حضرات امامیہ محدثین نے جو

---

❶ اصول کافی میں ''تقیہ'' کا ایک مستقل باب ہے اسی باب کی مندرجہ ذیل روایتیں تقیہ کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں:''عن ابی عمیر الاعجمی قال قال لی ابو عبداللہ علیہ السلام یا ابا عمیر تسعة اعشار الدین فی التقیة ولا دین لمن لاتقیة له والتقیة فی کل شئی الافی النبیذ و المسح علی الخفین'' (اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۴۸۲)

''ابوعمیر عجمی راوی ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا اے ابوعمیر دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے اور تقیہ ہر چیز میں ہے سوا نبیذ پینے کے اور موزوں پر مسح کرنے کے۔''

''ابوبصیر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کا دین ہے، میں نے (تعجب سے) کہا کہ اللہ کا دین ہے، امام نے فرمایا کہ ہاں، خدا کی قسم اللہ کا دین ہے بہ تحقیق یوسف علیہ السلام پیغمبر نے کہا کہ اے قافلے والوتم چور ہو حالانکہ انہوں نے کچھ چرایا نہ تھا اور بہ تحقیق ابراہیم پیغمبر نے کہا تھا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ اللہ کی قسم وہ بیمار نہ تھے۔'' امام فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے چوری نہیں کی تھی اس کو چور کہا گیا یہ تقیہ ہے۔ ایک شخص بیمار نہ تھا اس نے اپنے کو بیمار کہا اسی کا نام تقیہ ہے اور اسی کو تمام دنیا جھوٹ کہتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تقیہ کے معنی ہیں جھوٹ بولنا۔ (شیخ محمد فراست)

کتاب حدیث کی لکھی اسے لفظ بلفظ امام کو سنا دیا اور جب ان کے حضور سے اس کی صحت ہوگئی بلکہ جب ائمہ کرام سے دستخط مہر کرا لی تب اس کو جاری کیا تا کہ لوگوں کا عمل ٹھیک ٹھیک اماموں کی طرح ہو...... پس اس واسطے تقیے کی تعریف میں اماموں کی طرف سے حدیثیں بنانا شروع کیں اور نہ صرف اس کے جواز پر قناعت کی بلکہ اس کے وجوب اور اس کی فضیلت میں ایسی حدیثیں قائم کیں کہ روزہ نماز کے ثواب بھی تقیے کے ثواب کے مقابلہ میں نیست و نابود ہوگئے۔ حقیقت میں تقیے کو دین کا ایک عمدہ اصول ٹھہرایا اور ''التقیة دینی و دین آبائی'' کی حدیث ائمہ کی زبان سے نقل کر کے تقیے کے منکر کو کافر بنایا، یہاں تک کہ صاحب ''نواقض الروافض'' نے غلطی سے لکھا کہ شیعی کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقیے کے سبب سے اسلام لائے تھے تو قاضی نور اللہ شوستری ''مصائب النواصب'' میں نہایت خفا ہو کر کہتے ہیں کہ یہ ''ناصبی جھوٹا ہے، کوئی شیعہ یہ بات نہیں کہہ سکتا اس لیے کہ تقیہ ابرار اور پاک لوگوں کا دین ہے، کیوں کر ممکن ہے ک ابوبکر صدیقؓ تقیہ کرتے اور پاک اور ابراروں میں داخل ہوتے۔''

غرض تقیہ ابراروں اور اماموں کا دین ٹھہرایا گیا اور تقیے کے صدقے میں سنیوں کی دارو گیر سے کامل طرح پر نجات پائی، ناصبیوں کے سارے اعتراض اور کل دلیلیں ان کی خاک میں مل گئیں، بڑی بڑی فضیلت کی حدیثیں اماموں کی زبان سے شیعوں کی کتابوں سے سنیوں نے نکالیں اور اپنے خلفاء کی بزرگی اور فضیلت پر سند لائے اور اپنے نزدیک شیعوں کو لاجواب کرنا چاہا مگر ایک ایک ادنی طالب علم بلکہ جاہل شیعہ نے جواب دے دیا کہ یہ حدیث امام نے تقیے کے سبب سے فرمائی ہے، اور بڑے بڑے متکلمین اور فقہاء کو سنیوں کے ایسی دلیل سے ایک ایک لڑکے نے چپ کرا دیا، حقیقت میں جو فائدہ مذہب تشیع کو تقیے کے سبب سے ہوا ہے اور جو حفاظت ان کی اس روش سے ہوئی ہے وہ کسی دوسرے عقیدے سے نہیں ہوئی ہے۔

کسی جاہل نے خوب لطیفہ کہا ہے کہ تقیے کو تشیع سے وہ نسبت ہے جو تار برقی کو آہنی سڑک سے ہے کہ اگر تار برقی نہ ہو تو ریل کا چلنا بند ہو جائے اور ایک گاڑی دوسری سے ٹکر کھا

کر ٹوٹ جائے۔ درحقیقت برقی تار ہی سے گاڑیوں کی حفاظت ہے۔ اسی طرح پر تقیے کا حال ہے کہ اگر تقیے کا اصول مذہب شیعہ میں نہ ہوتا تو مذہب ہی خاک میں مل جاتا اور ایک قول کی دوسرے قول سے اور ایک فعل کی دوسرے فعل سے اور ایک حدیث کی دوسری حدیث سے تناقض اور تخالف کے سبب سے مطابقت نہ ہوسکتی اور سب کا جھوٹ اور غلط ہونا کھل جاتا...... پس نہایت ہی ذکی اور ذہین تھا وہ شخص جس نے مذہب تشیع کو ایجاد کیا کہ جھوٹ کو جھوٹ سے بچایا، تقیے کی وہ گرم بازاری ہوئی اور اس عقیدہ باطل کو ایسی رونق دی گئی کہ امام اوّل سے لے کر امام آخر الزمان تک سب کی زبان سے اس کی فضیلت میں احادیث نقل کی گئیں اور تقیہ کرنے والوں کے بڑے درجے مقرر کیے گئے، شیعوں کو خدا نے تقیہ کی بدولت سب آفتوں سے بچایا اور تقیے پر ثواب کا وعدہ کر کے خدا نے اپنے شیعوں پر بڑا فضل کیا کہ سنیوں کے ساتھ گوشت پلاؤ کھائیں اور جب تک ان کے دستر خوان پر کاسہ لیسی کریں تب تک خوب چکنی چپڑی باتیں زبان سے کہیں اور ان کی خوب لمبی چوڑی ثنا وصفت کریں اور خلفاء ثلاثہؓ اور اصحاب کبارؓ کی نہایت مبالغے سے تعظیم وعزت بجا لائیں اور ﴿ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ﴾ ❶ کا مضمون ادا کریں اور جب گھر آئیں اور خاص یاروں کا مجمع ہوا اور دروازہ بند کر کے دیکھ لیں کہ کوئی منھم (ان ناصبیوں میں سے) تو نہیں ہے اس وقت بہ فحوائے ﴿ ❷ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴾ کے خوب قہقہے اڑائیں اور اپنی دھوکہ دہی اور نفاق کی خود ہی تعریف کریں اور پھر تبرا شروع کریں ایک اپنے اوپر لعنت کرے دوسرا بیش باد کہے اور بہ موجب احادیث اور اقوال ائمہ کے دونوں حالتوں میں اپنے آپ کو مورد ثواب جانیں، سنی کے سامنے جو جھوٹ اور نفاق کی باتیں کہیں اس پر تو بہ سبب تقیے کے اور گھر آ کر جو تبرا کہیں اس پر بہ سبب لعنت کے ایک ایسے ثواب کے مستحق ہوئے کہ جو ہزار نماز وروزہ میں نہ پاتے اور اگر خدانخواستہ کوئی

---

❶ ترجمہ: ”جب ملاقات کریں مسلمانوں سے کہیں ہم مسلمان ہوئے۔“۔ (سورۂ بقرہ)

❷ ترجمہ: ”اور جب اکیلے جائیں اپنے شیطانوں کے پاس کہیں ہم ساتھ ہیں تمہارے ہم تو ہنسی کرتے ہیں۔“ ١٢

گناہ ہو گیا تو پھر اس کا بھی کچھ غم نہیں، اس لیے کہ یہ مسئلہ طینت کا موجود ہے، سنیوں کا روزہ نماز کیا ہوگا اس کا ثواب انہیں تو مل ہی نہیں سکتا اور ﴿مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ﴾ ❶ تو خدا نے فرمایا ہی نہیں ہے وہ بھی آخر شیعوں ہی کے واسطے ہے۔ پس ایسے عقیدوں پر اپنے مذہب کی بنا قائم کی اور الحاد و زندقہ کا نام تشیع رکھا اور اپنے آپ کو مصداق ﴿فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ ❷ کا بنایا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان اصول وعقائد کو دیکھ کر آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے، حیرت کی مہر سمجھ کے منہ پر لگ جاتی ہے، دیکھنے والا حیران وششدر رہ جاتا ہے کہ الٰہی تشیع دین ہے یا الحاد، یہ معاملہ کیا ہے کہ ایسے اصول جس کی سفاہت کسی پردے میں چھپانے سے چھپ نہیں سکتی اور ایسے عقیدے جن کی بیہودگی خود اسی سے ظاہر ہوتی ہے، جس کے بطلان پر نہ کسی دلیل کی حاجت، نہ کسی برہان کی ضرورت، کیوں کر ایسے فرقے نے قائم کیے ہیں، جس کو خدا نے آدمی بنایا ہے اور جس کو اوروں کی طرح عقل بھی دی ہے اور پھر طرہ یہ ہے کہ ان اصولوں پر خوش ہیں، ان عقیدوں پر نازاں ہیں اور اپنے آپ کو ائمہ کرام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنا بوجھ ذریات نبویؐ کے سر پر رکھتے ہیں، (وحاشا جنابهم عن ذالك)۔

حقیقت میں ان کے اصول وعقائد لکھ کر خدا کا یہ کلام یاد آتا ہے کہ:

﴿لَہُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ بِہَا ۫ وَ لَہُمۡ اَعۡیُنٌ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ بِہَا ۫ وَ لَہُمۡ اٰذَانٌ لَّا یَسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ﴾

(سورۂ اعراف: ۱۷۹)

''جن کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں ان سے سنتے نہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے گئے گزرے۔''

علاوہ تقیے کے ایک تقیے کی دم بھی شیعوں کے بزرگوں نے قائم کی تھی جسے اب حضرات شیعہ

---

❶ ترجمہ: ''جس نے کی بھلائی سو اپنے واسطے۔'' (سورۂ حم سجدہ: ۴۶)

❷ ترجمہ: ''ان کے دل میں آزار ہے پھر زیادہ دیا اللہ نے ان کو آزار اور ان کو دکھ کی مار ہے۔'' (سورۂ بقرہ: ۱۰)

نے ضرورت نہ رہنے کے سبب کاٹ ڈالا ہے اور تقیے کو دُم بریدہ کر دیا، وہ دم کیا تھی بدا......
اس کا حال یہ ہے کہ جب حضرات شیعہ کے پیشوا اور اس مذہب کے سرپرست ائمہ کرام کی خدمت میں جاتے اور بیٹھتے اور پھر باہر آتے تو اپنے اور یاروں سے کہتے کہ آج امام نے فرمایا ہے کہ اب بہت جلد سلطنت شیعوں کو ملتی ہے اور چند روز کے بعد ان کی حکومت ہوتی ہے اور جب وہ میعاد ہو جاتی، کسی وعدے کا کچھ ظہور نہ ہوتا اور لوگ کچھ شبہ کرتے تو وہ حضرت کہتے کہ امام نے فرمایا ہے کہ خدا کو بدا ہوا ہے، یعنی اب اس نے وقت بدل دیا اور اپنی پہلی تجویز کو بدل دیا۔ اور جب کوئی امام کے سامنے ان پیشواؤں کے حالات بیان کرتا تو امام اس سے بیزاری ظاہر کرتے اور لعنت کرتے اور (قاتله الله وخذله الله) فرماتے اور پھر کوئی شخص ان لوگوں سے بیان کرتا تو بہت ہنستے اور قہقہے لگاتے اور کہتے کہ امام نے خیرات نورہ کا تمہارے ساتھ عمل کیا، سننے والا حیران رہتا کہ بھائی خیراتِ نورہ کیا ہے؟ تب کہتے کہ تقیہ۔

غرض کہ جب کسی کو شبہ ہوتا کہ ائمہ ان کو برا کہتے ہیں، ان پر لعنت کرتے ہیں، ان کو شیطان بتاتے ہیں تب اس کے شبہ کو تقیے سے دور کرتے کہ حضرت نے تقیہ کیا ہے تم نہیں جانتے ہو تقیہ۔

تقیہ ابراروں اور اماموں کا دین ہے، خدا کے پاس جگہ قیامت میں صرف تقیے کی بدولت ملے گی...... اور جب وہی حضرات کسی سے امام کے طرف سے کچھ وعدہ کرتے اور وہ وعدہ پورا نہ ہوتا تو کہہ دیتے کہ خدا کو بدا ہوا، یعنی اپنی رائے بدل دی اور جب کوئی کچھ شک کرتا تو کہتے کہ تم نہیں جانتے ہو اس میں مصلحت تھی اور خدا کی مصلحت کو سوائے خدا یا امام کے کوئی نہیں جانتا، اور کیا تعجب کرتے ہو بدا پر، وہ ایک قسم نسخ کی ہے، دیکھو شریعتوں میں خدا نے احکام بدل دیے اور ایک کو دوسرے حکم سے منسوخ کر دیا یا نہیں، پس چپ رہو، خدا کی باتوں میں چوں چرا نہ کرو۔

جب بعض شخصوں کو بہت ہی شبہ ہونے لگا کہ وہ کیسا خدا ہے جو آج کچھ کہتا ہے اور

جب وقت آتا ہے تب پورا نہیں کرتا اور بدا کو نسخ سے کیا علاقہ، نسخ تو یہ ہے کہ ایک حکم کسی وقت دیا اور کسی چیز کو کسی قوم یا کسی وقت کی ضرورت سے حلال کیا اور پھر اس حکم کو کسی وقت ضرورت کے سبب سے بدل دیا اور حرام کو حلال کر دیا مگر یہ خدا نے نہیں کیا کہ پیغمبر صاحب سے کوئی خبر کہی ہو یا کسی فتح کا وعدہ کیا ہو اور پھر اس کو پورا نہ کیا ہو تو اگر امام نے یہ بات خدا کی طرف سے کہی ہوتی یا خدا نے ان سے یہ وعدہ کیا ہوتا، اس لیے اس شبہے کو دور کرنے کے لیے ان بزرگواروں نے دو لوحیں قائم کیں، ایک لوح محفوظ، دوسری لوح محو واثبات۔ اور یہ کہا کہ خدا نے دو لوحیں رکھی ہیں اور سب کچھ اس میں لکھ دیا ہے جو کچھ ٹھیک ہونے والا ہے وہ تو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوتا...... دوسری لوح محو واثبات، کہ اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے خدا بدلتا رہتا ہے...... پس وہ فرق جو امام کے قول میں ہوا وہ بہ سبب لوح محو واثبات کے ہوا کہ اس میں خدا نے پہلے کچھ لکھ دیا پھر اس کو محو کر کے دوسری بات اور امام نے پہلی بات سے خبر دی، ان کو کیا معلوم تھا کہ خدا اس کو بدل دے گا اور جب کسی نے یہ کہا کہ یہ بات سمجھ کے خلاف ہے اور دوسری لوح کے مقرر کرنے سے کیا فائدہ ہے تب وہ جواب دیا جو مجتہد صاحب نے ''صوارم'' میں دیا ہے:

((وازاں جملہ ہر گاہ آنکہ انبیاء و اوصیاء خبر دھنداز ''کتاب محو واثبات'' وبعد ازاں خبر دھند بخلاف آں بندگاں راواجب باشد اذعان نمودن بآں وچوں ایں اذعان بر نفس بسیار دشوار است موجب مزید اجر آنہا گردد، **فان افضل الاعمال احمزھا و بھا امتاز المسلمون الذین فازوا بدرجات الیقین عن الضعفاء الذین لیس لھم قدم راسخ فی الدین .**))

''اور اس کے منجملہ واقعہ یہ ہے کہ جب ''لوح محو واثبات'' دیکھ کر انبیاء اور وصی کسی بات کی اطلاع دیتے ہیں اور پھر اس کے خلاف کوئی بات کہتے ہیں تو لوگوں کو لازم آتا ہے کہ اس کے موافق سر تسلیم خم کریں اور چونکہ اس آخری حکم پر

یقین کرنا بہت دشوار ہے اسی لیے اس کا ثواب زیادہ ہے۔'

کہ یہ بات کہ ایک دفعہ انبیاء اور اوصیاء کچھ بات فرمائیں اور پھر اس کے برخلاف بندوں سے ہیں اس کا بھی یقین کرنا واجب ہے اور اسی یقین کرانے کے لیے خدا نے دوسری لوح محووا ثبات قائم کی ہے اور چونکہ ایسا یقین نفس پر بہت دشوار ہے، اس لیے زیادہ ثواب کا موجب ہے، اس لیے کہ جو عمل سب سے زیادہ ترش ہوتا ہے وہی سب سے افضل ہے اور اسی سبب سے مسلمان اوروں سے ممتاز ہوئے ہیں اور ایسی ہی باتوں پر یقین کرنے سے یقین کے درجات پر پہنچے ہیں اور ان لوگوں سے جو کہ دین میں راسخ اور مضبوط نہیں ہوتے ہیں جدا ہوتے ہیں...... غرض کہ بدا پر یقین کرنا ہزاروں درجات اور ثواب کا باعث ٹھہرا اور اس پر یقین نہ کرنا نقص ایمان کی دلیل ٹھہرا، بلکہ بدا کو خدا نے اسی واسطے تجویز کیا ہے کہ اس پر یقین اور شبہ کرنے سے ایمان کا امتحان ہوا۔

اب خیال کیجیے کہ حضرات شیعہ کے بزرگواروں نے کس خوبی اور ہوشیاری سے دین کے اصول قائم کیے ہیں اور کیا کیا اچھے عقیدے تجویز کیے ہیں...... اس بدا کے حقیقی معنی سے گو مجتہد صاحب نے ''صوارم'' میں بظاہر انکار کیا ہے مگر جو کچھ انہوں نے لکھا اس سے اور زیادہ ثبوت ہوا، چنانچہ اس شبہے کو کہ ائمہ کرام اس بات کا جو ہونے والی نہ تھی کیوں وعدہ کیا کرتے تھے کس خوبی سے رفع کرتے ہیں۔ حضرت قبلہ وکعبہ ''صوارم'' میں فرماتے ہیں:

((وازاں جملہ ایں اخبار موجب تسلیہ مومنین کہ انتظار فرج اولیاء اللہ و غالب شدن حق می کشندمی شود چنانچہ ایں معنی درباب قصۂ نوح و درباب فرج اہل بیت مروی گشتہ چہ اگر ازاوّل شیعیان راخبرمی دادند آنھارا باینکہ ممکن است کہ حاصل شود فرج آل محمد عنقریب و منظور ازیں اخبارایں بود کہ تا شیعیان بر دین خود ثابت بمانند و بر

❶ ''صوارم'' صفحہ ۷۹ مطبوعہ بندر کلکتہ ۱۲۱۸ء

انتظار کشیدن مثاب شوند و بعد ازینکه جناب مولانا مجلسی درباب تائید ایں احتمال و مناسب ایں مقاله دوسته روایت ذکر نموده گفته فمعنی قوله علیه السلام ما عند الله بمثل البداء این ست که ایمان ببداء از اعظم عبادات قلبیه ست به جهت صعوبت آں و معارض بودن آں بو ساوس شیطانی و بجهت آنکه اقرار ببداء در حقیقت اقرار ست باینکه **"لهٗ الخلق وله الامر"** وایں کمال توحید ست و یا معنی ایں حدیث این ست که اعظم اسباب دواعی ست بطرف عبادت جناب رب العالمین .)) انتهی

منجملہ اس کے یہ ہے کہ یہ روایات مومنین کی تسلی کا سبب ہیں کہ اولیاء اللہ کے آنے اور حق کے غالب ہونے کا انتظار کریں جیسا کہ نوح کے قصہ میں اور اہل بیت کی کشادگی کے بارے میں مروی ہے کیونکہ اس میں شیعوں کو خبر دی ہے کہ عنقریب آلِ محمد کا ظہور ہوگا......اور ان روایات کا مقصد یہ تھا کہ شیعہ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں اور انتظار پر ان کو ثواب ملے، مزید یہ کہ علامہ مجلسی نے اس کی تائید میں دو تین روایتیں ذکر کی ہیں۔ پس امام کے اس قول کا مطلب کہ ''اللہ کے نزدیک بدا جیسی کوئی (بڑی) چیز نہیں ہے'' یہ ہے کہ بدا پر ایمان لانا دل کی عظیم عبادتوں میں سے ہے، اس کی سختی اور وساوس شیطانی سے معارض ہونے کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ بداء کا اقرار حقیقت میں اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ ہی کے لیے خلق و امر کا اختیار ہے اور یہی کمال توحید ہے یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے والے بڑے اسباب میں سے یہ ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کلمۂ حق اور سخن راست جناب قبلہ و کعبہ اور ملا باقر مجلسی نے یہ

فرمایا ہے اپنی ساری عمر میں ایسا سچ کلمہ دوسرا زبان سے ارشاد نہ کیا ہوگا۔ جو کچھ ان بزرگواروں نے فرمایا اس پر دل سے ان کا شکر کرنا چاہیے کہ صاف صاف کہہ دیا کہ اگر امام شیعوں سے جھوٹے وعدے نہ کرتے اور ان کو وعدوں پر نہ ٹالا کرتے تو اکثر شیعہ دین سے پھر جاتے اور مذہب پر ثابت قدم نہ رہتے۔ پس ایسی دورنگی باتوں کے کہنے سے غرض یہ تھی کہ لوگ شیعہ بنے رہیں ورنہ اگر ایک ہی دفعہ امام کہہ دیتے کہ ہزار دو ہزار برس تک شیعوں کو غلبہ نہ ہوگا تو بس نا اُمیدی سے شیعوں کی جان ہی نکل جاتی اور مایوس ہو کر گھر بیٹھ رہتے اور خاک پاک کا کنٹھا اور عقیق کی انگوٹھی اور سجدہ گاہ امام کے دروازے پر رکھ کر سب کے سب چنپت ہو جاتے، وہاں جو خاص خاص با ایمان شیعی تھے مثل حضرات زرارہ اور ہشام اور شیطان الطاق وغیرہ کے وہ یکہ وتنہا بے یار و مددگار رہ جاتے، پس اس جماعت کو جو صرف جھوٹے وعدہ سے حضرات زرارہ وغیرہ نے درہم برہم نہ ہونے دیا اور اپنی ہوشیاری سے ضرورت وقت کے مناسب فوراً ہی ایک عقیدہ نیا اور ایک اصول جدید بنا لیا اور امام علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا، ورنہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھے گا اور بداء کو خدا کی طرف منسوب کرے گا۔ قیامت تو یہ ہے کہ فقط منسوب کرنے پر کفایت نہ کی بلکہ موافق اپنی عادت کے کہ جس بات کو شروع کیا اس کو انجام تک پہنچایا۔ اس مسئلہ بداء کی وہ فضیلت بیان کی کہ آخر امام کی طرف منسوب کر دیا، امام علیہ السلام فرماتے ہیں "ما عبداللّٰہ بمثل البداء" کہ جیسی بداء کے سبب خدا کی عبادت ہوتی ہے ایسی کسی دوسرے سبب سے نہیں ہوتی۔ سبب اس کا ظاہر ہے کہ جب شیعوں سے کہہ دیا کہ بہت جلد تم کو سلطنت ملتی ہے، ان بے چاروں نے دنیا کی طمع میں حضرات زرارہ وغیرہ کے حضور میں حاضر باشی شروع کی، خاک پاک کی سمرنوں اور چٹائی کی جانمازوں اور مٹی کی سجدہ گاہوں کو لے لیا اور خوب رگڑ رگڑ کر پیشانیوں کو داغا اور ﴿فیوخذ بالنواصی والاقدام﴾ کا مضمون ادا کیا، جب وہ وعدہ پورا نہ ہوا اور دن گزر گئے اور کچھ ظہور نہ ہوا تب مایوس ہو کر زرارہ وغیرہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا، اس نے اِدھر اُدھر جا کر دو چار روز کے بعد کہہ دیا کہ امام فرماتے ہیں کہ خدا کو بداء ہوا، یعنی اس

نے وقت بدل دیا مگر تم پھر عبادت کرو اور خوب تبرے کہو اور اپنے اوپر لعنت بھیجو، دیکھو خدا بہت ترقی دیتا ہے۔

غرض کہ اسی طرح پر چند احمقوں، بے وقوفوں کو اپنے دام تزویر میں رکھا، کبھی تقیے سے بہکایا، کبھی بداء کہہ کر دم میں رکھا، کبھی طینت کا مسئلہ ملا کر ان کو خوش کر دیا۔ یہ کرتے کرتے آخر دین محمدی میں رخنہ ڈال ہی دیا اور ایک فرقے کو اپنا ساتھی کر لیا۔ پس ہوا جو کچھ کہ ہونے والا تھا اور دین بگڑ گیا جیسا کہ اس نے سمجھا تھا۔(فقد استحوذ علیھم الشیطان واستغواھم الطغیان)۔

و کل احد منھم بعاجل حظ مشغوفا

فصاریری المعروف منکرا والمنکر معروفا

''ان میں کا ہر ایک اپنے فوری نفع کا دل دادہ ہے، تو اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھتا ہے۔''

غرض کہ اے حضرات شیعہ! تم اپنے مذہب کے اصول وعقائد پر غور کرو اور اس کے حسن و قبح کو دیکھو اور اگر پھر بھی نہ سمجھو تو خیر اختیار ہے تقیہ کرو، رجعت کی امید پر بیٹھو، بداء کا الزام ذات باری پر لگاتے رہو، طینت کا مسئلہ یاد کر کے خوب شوق و ذوق سے گناہوں میں مصروف رہو، اس لیے کہ جتنے اگلے پچھلے سُنّی گزرے ہیں اور جتنی عبادتیں انہوں نے کی ہیں وہ تو آخر تمہیں کو ملیں گی اور آخر تمہارے گناہوں کا بار تو ہم کو اٹھانا ہی پڑے گا۔ بس پھر عبادت کی محنت اٹھانی اب تم کو فضول ہے۔ مصرع

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

❀❀❀❀

تقریر دل پذیر چکیدۂ خامۂ ناظم رنگین خیال ناثر عدیم المثال سباح بحرز خار نکتہ دانی گلچین بوستان زارو بیان وبدائع ومعانی بزمرۂ شعرائے ہمعصر فائق محمد مرتضٰی بیگ عُرف مرزا مچھو بیگ عاشق حرسہ اللّٰہ تعالٰی

سبحان اللہ! پاک ہے وہ بے نیاز جس نے اپنے حبیب کے خادم جاں نثاروں کی شان میں ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡ عَنۡہُ﴾ ارشاد فرما کے ان کا مرتبہ ظاہر کیا اور ہر مخالفین کے حق میں ﴿خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ﴾ کے اشارے سے اچھے برے کو علیحدہ کر دیا، سچا ہے وہ نبی جس نے (اَفۡضَلُ النَّاسِ بَعدَ النَّبِیِّ) کی حدیث سے ترتیب خلافت وافضلیت بیان کر دی۔ ہٹ دھرمی کا ذکر نہیں، حق شناسوں کے لیے کوئی بات شک وشبہ کی نہ باقی رہی، سب سے بڑھ کر تو یہ کام کیا کہ اپنے سچے دین کی حفاظت کا پورا پورا وعدہ اپنے خدا سے لے لیا، اس وقت کسی بزرگ کا یہ قول وردزبان ہے باقی داستان ہے:

الٰہی ویا احکم الحاکمیں الٰہی ویا اکرم الاکرمیں
فصلِّ علی سیّد المرسلیں وصلِّ علی شافع المذنبیں
فصلِّ علی آلہٖ الطاہریں وصل علی صحبہٖ الصالحیں

بعد حمد خدا ونعت سرور انبیاء بندۂ سراپا خطا محمد مرتضٰی عاشق آل نبی خادم اصحاب محمدی حق شناسوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ کیوں حضرات انصاف کیجیے دین محمدیؐ کی بھی کیا بنا ہے کہ ابتدا سے تا ایں دم بلکہ تا بقائے عالم دشمنان خدا نے کیسا کیسا چاہا اور چاہتے ہیں کہ اس چمکتے ہوئے چراغ کو پھونک کر بجھائیں، حق ناحق آتش افروزی کر کے شعلۂ فساد بڑھائیں، لیکن وہ قدرتی نور دباں برق طور اور سوا تجلی دکھاتا ہے۔ ذرا دال نہیں گلتی، اسی

کوکے سے خود انہیں کا دل جل کے سارا حوصلہ پست، وضوشکست ہو جاتا ہے، مجال کیا ہے کہ زبان ہلائیں اور منہ کی نہ کھائیں، ادھر ذرا گردن اٹھائی ادھر سر کوبی ہوئی، قدرتی سکندری کھائی، جہاں چار قدم دوڑ کے چلے کہ چو پٹ گرے، دون کی لیتے ہی چھکے چھوٹتے ہیں اور رنج والم سے ماتم کے بہانے سینہ کوٹتے ہیں...... یوں تو صدہا برس سے کیسی کیسی قلعی کھلی ساری شیخی کرکری ہوئی، لیکن اس ہنگام میں اخیر زمانہ دنیا کی فکر دوزخ کے دھندے سے نجات ہی نہیں، عاقبت کا خیال کیسا، قیامت کا قرب چودہویں صدی، ابھی ابھی سے نفسی نفسی کا ترجمہ اپنی اپنی پڑی ہے۔ دینیات کا علم پھر اس میں کمال بالکل خواب وخیال ہے، جو بات ممکن نہیں محال ہے لیکن یہ فقط ہماری خام خیالی ہے، مردانِ خدا سے اب بھی دنیا کب خالی ہے چنانچہ تفصیل اس اجمال کی معاینہ کتاب لا جواب جز دوم ''آیات بینات'' تصنیف عالم علم معقول ومنقول حامی دین خدا و رسول، سرآمد متکلمین، سلطان المناظرین، واقف اسرار خفی و جلی، عالی جناب والا خطاب نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید محمد مہدی علی خاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ معتمد پولیٹیکل فنانس سرکار آصفی سے ہوتی ہے۔ اللہ اللہ کس متانت کی تقریر، کس زور وشور کی تحریر ایک دریا ہے کہ موجیں مارتا ہے۔ نمونۂ قدرت خدا بہ تائید غیبی نہیں تو کیا ہے، ایسی کثرت کار وضیق اوقات میں جو بات ہے شرح وبسط کے ساتھ ہے، حتی الوسع کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، مخالف ہی کے قول سے منکرین کے زعم باطل کو توڑا ہے، عبارت کی پاکیزگی پر درود پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مناظرے میں باوجود سخت کلامی مدعی نے اپنی تہذیب ہاتھ سے نہ جانے دی، ادب سے کام لیا ہے، سحر بیانی اس کا نام ہے کہ شیریں بیانی کی میٹھی چھری سے دشمن کا کام تمام ہے۔ ماشاء اللہ زور قلم کی ادنیٰ سی یہ بات ہے جس وادی میں قدم رکھا میدان اپنے ہاتھ ہے۔ لطف تو یہ کہ جو دعویٰ ہے با دلیل، بایں ہمہ مطلب کثیرہ عبارت قلیل، جو بات ہے لا جواب، جو فقرہ ہے انتخاب۔ بلاغت ایسی کہ ذرا سا نکتہ ایک دفتر، فصاحت کا بیان طاقت سے باہر۔ خدا شاہد یہ طرز تحریر بہت مشکل ہے، معقولیت کے یہ معنی کہ دشمن اپنے ہی قول سے قائل ہے۔ حافظہ وہ کہ سارا علم مناظرہ ازبر، نگاہ اتنی وسیع

کہ دشمن کا کتب خانہ پیش نظر۔ یہ فقط کرامت صحابہ کرامؓ ہے، نہیں یہ اعجاز قتی انسان کا کام ہے۔جیسا دل چاہتا ہے ویسی پوری تعریف اس مختصر میں کب ہوسکتی ہے۔ساتھ ہی اس شخص کی محنت و جانفشانی کی تعریف کرنی چاہیے جس نے اس کے چھاپنے اور شائع کرنے میں کوشش کی ہے خاص فائدہ عام و عقبیٰ کا نیک کام سمجھ کے نہ کسی طمع و لالچ سے، وہ کون، یعنی جوان صالح فخر خاندان، حافظ قرآن، جیبی وشفیقی حافظ عبدالواجد خاں ...... خلف الصدق برگزیدۂ خدا پابند شریعت مصطفےٰ درویش صفت و فرشتہ خصلت وحید الزماں جناب محمد عبدالواحد خاں صاحب مالک و مہتمم مطبع مصطفائی جانشین جنت مکاں محمد مصطفےٰ خاں اسکنہ اللہ فی فردوس الجنان۔ پہلی جلد باجازت حضرت مصنف ۱۳۰۱ء میں دوبارہ چھپوا کے شائع کی جو حضرات شائقین علم دین کی نظر سے گزری ہوگی۔ دوسری جلد، یعنی جزو دوم کے لیے کیسا کیسا اہتمام کیا، زمین وآسمان ایک کردیا لیکن کسی طرح وہ نسخہ دستیاب نہ ہوتا تھا، بارے جناب مخدومی و مکرمی منشی سید محمد ممتاز علی صاحب پیش کار کلکٹری بنارس رئیس قصبہ سندیلہ ملک اودھ نے بہزار کوشش وجہد جناب منشی سید برکت علی صاحب سررشتہ دار کمشنری بنارس پنشن یافتہ سرکار سے جن کے پاس ایک مسودہ کٹا کٹا دستی حضرت مصنف کا تھا حاصل کیا اور نقل واصل دونوں نسخے حافظ صاحب موصوف کے نام روانہ کیے۔ اب اس محنت کو دیکھنا چاہیے کہ حافظ صاحب موصوف نے بعد نظر ثانی و اجازت مصنف بصحت کمال صفائی و پاکیزگی سے طبع کیا۔ در حقیقت جیسی محنت حضرت مصنف نے اس کی تصنیف میں کی ہے، اس سے کسی قدر کم حافظ صاحب موصوف کو بھی مشقت کرنی پڑی۔شکر ہے خدا کا جس نے اس محنت کی راحت دی اور دوسری جلد بھی چھپ گئی...... اب خدا سے دعا ہے کہ اس کے مصنف اور جن سے یہ نسخہ دستیاب ہوا وہ اور جس نے بہزار کوشش اسے چھاپا اور شائع کیا ہے ان سب کے لیے۔

عمر و اقبال و آبرو ہو زیاد

بحمد و آلہ الامجاد

❀❀❀❀

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَکْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ

آیاتِ بیّنات

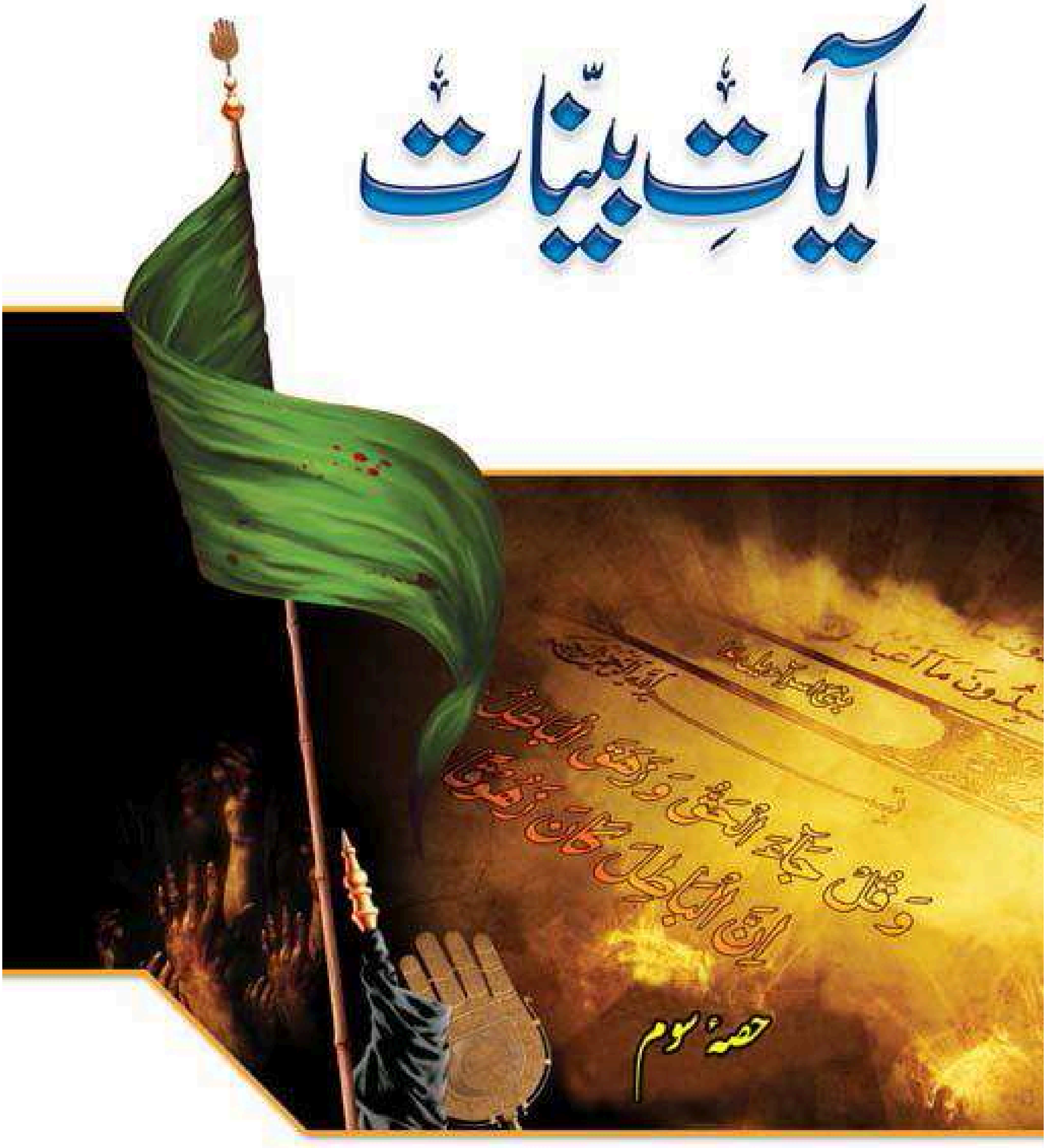

نواب محسن الملک سید محمّد مہدی علی خان

تمہید فدک

اگر چہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل کو خدا کی شہادت، رسول کی گواہی اور اماموں کے اقوال سے پایۂ ثبوت تک پہنچا دینے کے بعد مطاعن کا ذکر کرنا اور اس کی تردید پر متوجہ ہونا ضروری ہے۔مگر اس خیال سے کہ حضرات شیعہ نے اس کے متعلق ہماری روایتوں اور اقوال کو سنداً پیش کیا ہے، اور عوام کو اپنی کتابوں کا نام سن کر اور اپنے یہاں کی روایتیں دیکھ کر خلجان پیدا ہوتا ہے اور شک وشبہ کرنے لگتے ہیں، اس لیے ہمارے علماء نے اسے ضروری خیال کیا کہ ان مطاعن کی تردید کی جائے اور مغالطہ اور دھوکہ کا وہ لباس جو اس قسم کے اقوال اور روایتوں کو پہنایا گیا ہے دور کر دیا جائے اور اصلی حقیقت ان کی بیان کر دی جائے۔ ہم بھی علمائے کرام کی تقلید میں مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم سے بحث کرتے ہیں اور چونکہ ان مطاعن میں فدک اور قرطاس کی بہت شہرت ہے، اس لیے سب سے اول انہی دو بحثوں کو ہم لکھتے ہیں، مگر قبل اس کے کہ اصل بحث کی طرف متوجہ ہوں چند مقدمات کا لکھنا ضروری اور مفید سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ وماتوفیقی الاباللّٰہ۔

❁❁❁❁

پہلا مقدمہ

کوئی نبی، کوئی امام اور کوئی بزرگ کسی مذہب میں، بلکہ کوئی نامور آدمی کسی قوم میں ایسا نہیں ہوا جس پر معاندین نے اعتراض نہ کیے ہوں اور اس کی نیک باتوں اور عمدہ کاموں کو عداوت کی نظر سے دیکھ کر برا نہ جانا ہو اور ان کے دوستوں کے دلوں میں شبہ پیدا کرنے کے لیے ان کی بعض غلطیوں اور لغزشوں کو نہایت آب وتاب سے بیان کر کے اسے ان کی بدنیتی سے منسوب نہ کیا ہو۔ یہودیوں کو دیکھو کہ وہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیسے طعن کرتے ہیں۔ان کی ولادت کی نسبت اپنی ناپاک زبانوں سے کیا کچھ کہتے ہیں۔ان کے معجزات کو کس طرح سحر وافسوس سے منسوب کرتے ہیں۔ اور ان کے حواریوں کو کیسا مکار، جاہل ودغا باز جانتے ہیں۔عیسائیوں کو دیکھو کہ وہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات پر عیاری اور طمع دنیاوی کی کیسی تہمتیں لگاتے ہیں اور آپ جیسے متمم مکارم اخلاق کی نسبت کیسی زبان درازی کرتے ہیں، یہاں تک کہ عیاذاً باللہ ایسے ہادی اور دنیا کے رہنما کو گمراہ کنندۂ عالم سمجھتے ہیں۔خوارج ونواصب پر خیال کرو کہ وہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو کیسا برا جانتے ہیں۔ جناب امیر المومنین اور حضرت سیدۃ النساء اور حضرت حسنین علیہم السلام کو جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے تھے اور خدا اور اس کے محبوب کے پیارے، انہیں کو معاذ اللہ کافر کہتے ہیں ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ [1] اور ان سے عداوت رکھنے اور ان پر تبرا کرنے کو ذریعہ نجات خیال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان اشقیا میں سے بعض نے ابن ملجم ملعون کی شان میں جو اشقی الاولین والاخرین تھا، قصیدے لکھے اور جناب امیر کے شہید کرنے کو افضل ترین عبادت جانا۔جیسا کہ عمران بن حطان جو خوارج کا سردار اور

[1] کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔۱۲ پارہ ۱۵ سورۂ کہف رکوع اوّل۔

ان کا بڑا شاعر تھا ابن ملجم کی نسبت کہتا ہے:

یا ضربة تقی ما ارادبها الا
لیبلغ من ذی العرش رضوانا
انی لاذکره حینا فاحسبه
او فی البریة عند الله رضوانا

”یعنی کیا اچھی ضرب ہے ایک مرد متقی (ابن ملجم) کی جس سے کوئی غرض اس کی سوائے اس کے نہ تھی کہ صاحب عرش بریں کی خوشنودی حاصل کرے۔ میں جب اسے یاد کرتا ہوں تو ساری خلق سے اس کے ثواب کا پلہ خدا کے نزدیک بھاری پاتا ہوں۔“

غرض کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ دشمن ہنر کو عیب سمجھتا ہے:

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

یہی حال حضرات شیعہ کا ہے۔ تعصب اور تقلید خیالات سے انصاف اور غور کا مادہ گویا ان سے سلب ہوگیا ہے اور زبانی محبت اہل بیت کے غلو سے ان کے قدم جادۂ اعتدال سے نکل گئے ہیں۔ وہ صحابہ کی کوئی خوبی اور کوئی صفت نہیں دیکھتے، ان کی اچھی بات بھی ان کو بری معلوم ہوتی ہے اور ان کے ہنر بھی انہیں عیب نظر آتے ہیں۔

اگر کوئی تعجب کرے کہ باوجود آیات و احادیث اور اقوال ائمہ کے کیوں کر ایک فرقہ مسلمانوں کا صحابہ کے فضائل کا منکر ہوا! تو اسے چاہیے کہ یہود و نصاریٰ، نواصب اور خوارج کے حال پر نظر کرے۔ کیا وجہ ہے کہ یہودی آنحضرت ﷺ کی تعریف توریت میں دیکھتے تھے اور آپ کی آمد کے منتظر تھے اور آپ کو ایسا پہچانتے تھے ﴿كَمَا يَعْرِفُونَ اَبْنَآءَ هُمْ﴾...... ”جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“......مگر جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو دشمن ہو گئے اور آپ کی صفات کے چھپانے اور آپ کی نسبت غلط الزام لگانے میں کوئی دقیقہ عداوت کا باقی

نہ رکھا۔ اور کیا سبب ہے کہ عیسائی اس کے باوجود کہ انجیل میں جناب سرور کائنات علیہ التحیات والصلوٰۃ کی بشارت بتفصیل نام دیکھتے اور ﴿یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے سن چکے تھے اور دن رات اپنی کتاب میں اسے پڑھتے تھے، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو ان بشارتوں کو چھپانے اور انجیل کی آیات کی جن میں آپ کا نام اور خبر تھی غلط تاویلیں کرنے لگے اور اپنے نبی کے قول سے پھر گئے۔ اور کیا باعث ہے اس کا کہ خوارج باوجود اس بات کے جاننے کے کہ اہل بیت کرام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جان وجگر ہیں، قرآن اور حدیثیں ان کی فضیلتوں سے بھری ہوئی ہیں، ان کے دشمن ہو گئے اور جو بہترین خلق خدا تھے ان کو نعوذ باللہ سب سے برا جاننے لگے، یہاں تک کہ ان پر کفر وفسق کے الزام لگانے سے بھی باز نہ رہے۔ پس جو سبب ان گمراہ فرقوں کی گمراہی کا ہے وہی سبب حضرات امامیہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے عداوت رکھنے اور ان پر عیوب لگانے کا ہے:

اذا لم یکن للمرء عین صحیحة

فلا غر وان یرتاب والصبح مسفر

''جب آدمی کی آنکھ صحیح نہ ہو تو اگر وہ روشن صبح کا انکار کر دے تو کوئی حیرت نہیں۔''

❁❁❁❁

دوسرا مقدمہ

وہ باتیں جو حقوق اہل بیت کے غضب سے متعلق امامیہ بیان کرتے ہیں، اگر صحیح سمجھی جائیں تو اسی سے تمام مہاجرین و انصار اور کل اصحاب نبویؐ کا اسلام، ایمان اور اخلاق، بلکہ انسانی صفات سے بے بہرہ ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ شیخین کو غصب حقوق سے باز رکھتے اور اہل بیت اطہار پر ظلم کرنے میں ان کے شریک و معین نہ ہوتے یا دیدہ و دانستہ اعانت آل رسول سے چشم پوشی نہ کرتے تو دو شخص اور چند ان کے ساتھی کیسے ایسی جرأت کر سکتے تھے اور ان کو اپنے ظلم و ستم میں کس طرح کامیابی حاصل ہو سکتی تھی، رہا تمام مہاجرین و انصار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اسلام اور ایمان و اخلاق سے بے بہرہ سمجھنا، گویہ حضرات امامیہ کا منتہائے مقصود ہے، مگر ان خوفناک نتائج پر غور نہیں کرتے جو اس بات کے ماننے سے پیدا ہوتے ہیں، بلکہ اسے صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذات تک محدود سمجھ کر اس کے دعویٰ کرنے میں کچھ پس و پیش نہیں فرماتے۔ مگر وہ شخص جسے خدا نے تھوڑی سی بھی سمجھ دی ہے اور جس کے قوائے عقلی تعصب و تقلید کے بوجھ میں دب نہیں گئے، ضرور ان خوفناک نتیجوں کے خیال سے ڈرے گا اور اسلام پر اس کا نہایت ہی برا اثر دیکھ کر الامان الامان پکارے گا۔ اس لیے کہ قرآن کے کلام الٰہی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤید من اللہ ہونے کا بڑا ثبوت جو کچھ دیا جاتا ہے اور جسے زندہ معجزہ کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ قرآن نے لوگوں کے دلوں پر بہت بڑا روحانی اثر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے عرب کی حالت میں عظیم تبدیلی پیدا ہوگئی۔ قرآن مجید لوگوں کے دلوں کی تسخیر اور روحانی اور اخلاقی تعلیم کی وہ قوت تھی، جس نے حیرت انگیز ربانی کرشمے دکھائے اور دائم الاثر حقانی نتیجے پیدا کیے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جس کلام کے ایسے عظیم الشان، قوی اور قائم نتیجے ہوں وہ بلاشبہ خدا کا کلام ہے۔ اور

آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کی نسبت یہی دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب دنیا ایک عجیب روحانی سکتے کے عالم میں تھی۔ اور آپ ﷺ ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کچھ سامان نہ تھا۔ اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمے کی گئی جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط کاریوں اور وحشیانہ اعمال و بداخلاقی، نفاق اور جنگ جوئی کے کسی قسم کی اخلاقی خوبی نہ رکھتی تھی، مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب وغریب تاثیر کی کہ اس سے ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں۔ برسوں کے بھٹکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور مدتوں کے سوئے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پڑے، جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے، جو کافر تھے وہ ایمان لے آئے، جو بت پرست تھے وہ بت شکن بن گئے، جو گمراہ تھے وہ خدا کی راہ دکھانے لگے، جاہلانہ حمیت اور وحشیانہ عصبیت کا ان میں نام نہ رہا۔ خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں جاتی رہیں۔ دماغ غرور ونخوت سے خالی ہو گئے اور ان کے دل صبر وتوکل، حلم و بردباری، زہد و پرہیز گاری اور جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے آپ کی تعلیم اور ہدایت نے ایک ایسا گروہ خدا پرست، پاک طبیعت، راست باز، نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا جن کی کوششوں سے شرک و بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ نمائے عرب میں گونج رہی تھی بند ہو گئی اور اس کے بدلے ایک بے چون و بے چگون، بے شبہ و بے نمون خدا کی منادی پھیل گئی، بتوں نے عدم کا راستہ لیا، بت خانوں کا نشان مٹ گیا، آتش کدے ٹھنڈے پڑ گئے، تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا، اوہام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [1] اور اس سے اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ آپ حقیقت میں سچے رسول اور خدا ہی کی طرف سے مؤید تھے، ورنہ انسان کا کام نہ تھا کہ وہ ایسا انقلاب عظیم عرب کی روحانی اور اخلاقی حالت میں پیدا کر دیتا اور ایسے جنگجو اور ستم پیشہ لوگوں کو جو بات بات پر لڑتے اور جھگڑتے تھے اخوت کے ایک رشتے میں باندھ دیتا اور ان کی پشتینی عداوتوں اور کینوں سے ان کے

[1] آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ، بے شک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا۔ موضح پ ۱۵ بنی اسرائیل۔

دلوں کو ایسا صاف کر دیتا کہ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہتا، بلکہ دنیا میں ان کو اخلاق اور انسانیت کا نمونہ بنا دیتا۔

قرآن مجید کے اس حیرت انگیز نتیجے اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کی ایسی عجیب وغریب تاثیر کو دیکھ کر منکرین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ درحقیقت یہ بات بشری قدرت سے خارج تھی۔ چنانچہ کوئی ان میں سے کہتا ہے کہ وہ پیغام جو آپ لائے وہ ایک سچا اور حقیقی پیام تھا، جس کا مخرج وہی ہستی تھی جس کی تھاہ کبھی کسی نے نہیں پائی۔

کوئی لکھتا ہے کہ قرآن ہی کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ عرب کے رہنے والے ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو۔ متعصب سے متعصب عیسائیوں میں سے سخت متعصب یہ اقرار کرتا ہے کہ دین مسیحی کی ابتدا سے آنحضرت ﷺ کے وقت تک کبھی حیات روحانی ایسی برانگیختہ نہ ہوئی تھی جیسی کہ اسلام کی تعلیم سے ہوئی۔ مگر قرآن کی یہ دائم الاثر تاثیر اور آنحضرت ﷺ کی صحبت و ہدایت کا یہ غیر زوال پذیر اثر اسی وقت تک مانا جا سکتا ہے جبکہ ہمارے عقائد کے موافق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خصوصاً مہاجرین وانصار سب سے اول ایمان لانے والے، اسلام میں پکے، اخلاق میں انسانیت کا نمونہ، پاک دلی اور نیک نیتی اور راست بازی میں کامل مانے جائیں۔ مگر شیعوں کے اصول کے مطابق یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ عجیب وغریب انقلاب جو آپ کی صحبت و ہدایت سے صحابہ کی حالت میں ہوا تھا عارضی تھا اور وہ اثر جو قرآن کی تعلیم نے ان پر کیا تھا ناپائیدار تھا، وہ دل جو وحی والہام کی برکت سے پاک ہو گئے تھے جلد ارتداد کی گندگی سے ملوث ہو گئے تھے، اور وہ لوگ جو شمع نبوت کے پروانے تھے اسلام اور ایمان کو جلد خیر باد کر بیٹھے۔ وہ خدائی روشنی جس نے سیکڑوں دل روشن کر دیے تھے جلد بجھ گئی۔ وہ نفاق وکفر کا حجاب جو ان کے دل سے اٹھ گیا تھا پھر ان کے دلوں پر پڑ گیا اور مشکوٰۃ نبوت کی وہ شعاعیں جو مہاجرین وانصار کے دلوں پر پڑی تھیں جلد زائل ہو گئیں۔ اور وہ خدائی آواز جو یاران نبی نے دل کے کانوں سے سنی تھی جلد بند ہو گئی۔ ایسی حالت میں، میں نہیں سمجھتا کہ وہ عظیم اور حیرت انگیز نتیجے جو خدا کے کلام کے پیش کیے جاتے ہیں اور وہ عجیب تاثیر آپ کے

وعظ و ہدایت کی جس کی دنیا میں دھوم ہے کیوں کر صحیح سمجھی جائے گی اور اسلام کی وہ خوبی جس کا غلغلہ زمین سے آسمان تک پہنچا ہوا ہے کہاں باقی رہے گی ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ ''کہاں پھرے جاتے ہو۔'' (موضح پ ۱۰ سورۂ توبہ رکوع ۵)

شیعوں کے اس خیال کے مطابق اگر خدا کے کلام کو دیکھیں تو معاذ اللہ! وہ جھوٹا نظر آتا ہے۔ اور جن کے محامد و صفات اس میں بیان کیے گئے ہیں وہ بدترین خلائق پائے جاتے ہیں۔ جب ہم خدا کے کلام پر نظر کرتے ہیں تو اسے اس خیال کے مطابق پاتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسبت ہمارا ہے اور اپنی خوبیوں سے ان کو متصف پاتے ہیں جن کا ہم ان کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں خدا ان کے ایمان اور عبادت کی نسبت فرماتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾

(سورۂ فتح: ۲۹)

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زور آور ہیں اور آپس میں نرم دل ہیں تم ان کو دیکھتے ہو رکوع اور سجدے میں کہ چاہتے ہیں اللہ سے اس کا فضل اور اس کی رضا مندی۔''

کہیں ان کی شان میں کہتا ہے:

﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ (سورۂ فتح: ۲۹)

''نشانی ان کی ان کے منہ پر ہے سجدے کے اثر سے، یہی مثل ہے ان کی توریت اور انجیل میں۔''

کہیں ان کی نسبت اپنی رضا مندی ان لفظوں سے ظاہر کرتا ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًاؕ﴾ (سورۂ توبہ: ۱۰۰)

''جو لوگ کہ پہلے مہاجر و انصار ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے ان کا اتباع اچھی طرح کیا ان سب سے اللہ راضی ہے اور وہ سب اللہ سے راضی ہیں اور خدا نے مہیا کی ہیں ان کے لیے جنتیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

کہیں ان کے مصائب اور تکلیف پر صلہ دینے کی بشارت اس طرح سناتا ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۹۵)

''جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے وطنوں سے نکالے گئے اور میری راہ میں وہ تکلیف دیے گئے اور انہوں نے جہاد کیا اور مارے گئے ان سے ان کی برائیاں دور کر دوں گا اور ان کو جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔''

کہیں ان کے ایمان کی تصدیق فرما کر ان کو مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ ان لفظوں سے فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ﴾

(سورۂ انفال: ۷۴)

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور نصرت کی، یہی لوگ ہیں سچے ایمان والے، انہی کے لیے ہے مغفرت اور رزق کریم۔''

کہیں ان کی فضیلت تمام انبیاء کی امتوں پر ان لفظوں سے ظاہر فرماتا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾(سورۂ آل عمران: ۱۱۰)

''تم ہو بہترین امت کہ چن لیے گئے ہو آدمیوں میں سے،تم بھلی بات کا حکم کرتے ہو اور بری بات سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔''

کہیں ان کے مصائب اور تکلیف پر انہیں خلافت کا وعدہ دے کر یوں تسلی فرماتا ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (سورۂ نور: ۵۵)

''اللہ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ وہ ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں۔''

کہیں ان کی قلت سے کثرت پر پہنچنے کی ان دل خوش کن لفظوں سے تمثیل دیتا ہے:

﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (سورۂ فتح: ۲۹)

''جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط ہوئی، پھر موٹا ہوا اور اپنی نال پر کھڑی ہوگئی خوش معلوم ہوتا ہے کھیتی والوں کو تا کہ جلا دے ان سے کافروں کو۔''

کہیں ان کی کثرت پر:

﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًاO﴾ (سورۂ نصر: ۲)

''داخل ہوتے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔''

اور ان کے غلبہ ونصرت پر:

﴿وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا O وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاO﴾ (سورہ فتح: ۱۸،۱۹)

''اور پہنچائے گا ان کو فتح قریب اور بہت سی غنیمت کہ وہ لیں گے اس کو اور اللہ

عزیز وحکیم ہے۔''

فرما کر دنیا میں اسلام کی خوبی اور استحکام کا اشتہار دیتا ہے۔لیکن اگر شیعوں کے عقیدے سچ ہیں۔ اور ان کے خیالات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسبت صحیح ہیں تو ان آیتوں کی تکذیب لازم آتی ہے اور اگر یہ صرف اہل بیت کی شان میں سمجھی جائیں یا ان کی نسبت جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انتقال کر گئے تھے، یا ان کی شان میں جوحسب زعم شیعہ پچیس برس تک مرتد رہ کر پھر امیر المومنین کے شریک ہو گئے تو اس سے گویا خدا کے کلام میں تحریف معنوی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

((وكيف يجوز لا حد من المسلمين ان يتكلم بمثل هذا ويبدل كلام الله من تلقاء نفسه و يحرفه عن موضعه ، فيا حسرة عليهم لما لايتفكرون فى هذه الايات اليس فيهم رجل رشيد .))

''کسی مسلمان کے لیے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ اس طرح کی بات کرے اور اللہ کے کلام کو اپنی طرف سے بدل دے اور اس میں تحریف کر دے، ان پر افسوس ہے کہ وہ ان آیات میں غور کیوں نہیں کرتے ! کیا ان میں ایک آدمی بھی سمجھ دار نہیں ہے۔''

اگر ہم آیات قرانی اور مذہبی خیالات سے درگزر کریں اور صرف انسانی عقل کو کام میں لائیں تو شیعوں کے عقیدے کے موافق مذہب اسلام سب مذہبوں سے زیادہ کمزور، اور اس کے بانی کے وعظ و ہدایت کا اثر دیگر مذاہب کے پیشواؤں کی بہ نسبت زیادہ ضعیف معلوم ہو۔ کیونکہ جب ہم اس بات کو مانیں کہ وہ لوگ جنھوں نے بلاواسطہ قرآن سنا اور جبرئیل علیہ السلام کا آنا دیکھا اور آپ کی صحبت کا فیض حاصل کیا اور سب سے اول ایمان لائے ،آپ کے بعد بھی ساری عمر اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ میں صرف کرتے رہے، وہ سب کے سب اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ اپنے پیشوا کے انتقال فرماتے ہی بدترین افعال کی طرف جھک پڑے اور دیانت وصداقت

کے وہ اخلاقی جوہر جس سے ان کے دل مزین اور مزیب ہو گئے تھے، ان کے سینوں سے یک لخت جاتے رہے۔تو ہم اس کے سوا کیا نتیجہ اس سے نکال سکتے ہیں کہ مذہب اسلام جو بہترین مذہب کہا جاتا ہے سب مذہبوں میں ذلیل اور امت محمدی جو سب امتوں میں افضل سمجھی جاتی ہے، دیگر امتوں سے بدتر ہے، اس لیے کہ جب ہم دوسرے مذہبوں پر نظر ڈالتے ہیں یہاں تک کہ بدھ، ہنود، جین اور پارسی فرقہ کے ابتدائی معتقدین کے حالات سنتے ہیں تو ہم کسی مذہب میں یہ نہیں دیکھتے کہ ان مذاہب کے ابتدائی معتقدین نے اپنے پیشواؤں کی ہدایت اور نصیحت کو اس قدر جلد بھلا دیا ہو اور ان کے احکام سے ایسی سرتابی کی ہو جیسے کہ اسلام کے ابتدائی ماننے والوں کی نسبت شیعہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ جب ہم مشرکین اور کفار کے مذہب میں یہ مثال نہیں پاتے اور ان کے طبقۂ اولیٰ کو اپنے رہنما کے بتائے ہوئے راستے سے ایسا بھٹکتا اور گمراہی کے قعر میں ایسا گرتا ہوا نہیں دیکھتے تو شیعوں کے قول کے موافق اس قسم کی ضلالت اور بداخلاقی اور بداعمالی کو اسلام ہی کے پہلے طبقے میں پاتے ہیں۔تو سوا اس کے کیا چارہ ہے کہ ان کے اصول کے موافق مذہب اسلام کو قدرت کے اس عام قاعدے سے بھی مستثنیٰ سمجھیں اور اس کے بانی کے وعظ و ہدایت کو ایسا کمزور و ضعیف مانیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں میں سے سوا تین چار کے کسی پر وہ اپنا اثر قائم نہ رکھ سکا اور نہ بجز چند عزیزوں اور دو چار اغیار کے کسی کو ارتداد اور رجعت الی الکفر سے روک سکا۔

یہ وہ باتیں ہیں کہ مسلمان تو ایک طرف، مخالفین اسلام بھی غلط سمجھتے ہیں۔ ان کو بھی صحابہؓ کے حالات نے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ وہ اس کو نہ صرف پکا مومن سمجھیں بلکہ حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کے اصحاب وحوارین پر بھی فضیلت دیں۔

فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم بہ شہادت سر ولیم میور مؤرخ نصرانی:

اگر کوئی شخص ان تحریروں کو دیکھے جو منکرین نبوت نے باوجود انکار نبوت کے اسلام کی نسبت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق کی ہیں تو بے اختیار اس کے دل سے یہی آواز نکلے گی

کہ ان مسلمانوں سے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو مرتد و کافر اور منافق سمجھتے ہیں وہی زیادہ منصف اور سمجھ دار ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت غیر متعصّبانہ رائے ظاہر کرتے ہیں۔ دیکھو سر ولیم میور جیسے متعصب عیسائی کیا لکھتے ہیں کہ واقعات نے ان کو کس چیز کی تحریر پر مجبور کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب ''لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کی جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ ہجرت سے تیرہ برس پہلے مکہ ایک ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا، مگر ان تیرہ برسوں میں کیا ہی اثر عظیم پیدا ہوا کہ سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے عقائد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے، اسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے، اسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے اور حسنات و خیرات اور پاک دامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے، اب انہیں شب و روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا اور یہ کہ وہی رازق ہماری ادنیٰ حوائج کا بھی خبر گیراں ہے، ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں، ہر ایک امر متعلقہ زندگانی میں اور اپنی جلوت و خلوت کے ہر ایک حادثے اور تغیر میں اسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر اس نئی روحانی حالت کو جس میں خوش حال اور حمد کناں رہتے تھے، خدا کے فضل خاص و رحمت بااختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کیے ہوئے خذلان (خرابی) کی نشانی جانتے تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ان کی ساری امیدوں کا ماخذ تھے، اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے اور ان کی ایسی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے جو ان کے رتبہ عالی کے لائق تھی، ایسے تھوڑے ہی زمانے میں مکہ اس تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا جو بلا لحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپے مخالف و ہلاکت تھے۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا اور گویا ایسا کرنا ان کی مصلحت تھی مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کے بردباری سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔ ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنا گھر بار چھوڑا لیکن ایمان عزیز سے اپنا منہ نہ موڑا اور جب تک کہ یہ طوفان مصیبت فرد ہوئے حبش کو ہجرت کر گئے۔ پھر اس تعداد سے زیادہ آدمی کہ ان میں نبی بھی شامل تھے۔ اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو جو ان کی نظر میں تمام روئے زمین پر

سب سے زیادہ مقدس تھا چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر آئے اور یہاں بھی اسی جادو بھری تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے، تیار کر دی۔

فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم بشہادت گاڈفری ہینگس مؤرخ نصرانی:

ایک دوسرا عیسائی فاضل گاڈفری ہینگس اپنی کتاب موسوم بہ ''اپالوجی فرام محمدؐ'' میں لکھتا ہے کہ ''باوجودیکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی سوانح عمری میں ایسے حالات ہیں جن میں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے لیکن بہت سے ایسے ہیں جن میں بالکل اختلاف ہے، مثلاً: عیسیٰ علیہ السلام کے اوّل بارہ مریدوں کو ناتربیت یافتہ وکم رتبہ مانا گیا ہے، بخلاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اول مریدوں کے کہ بجز اس کے غلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت تھے۔ اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے تو اس زمانے میں جو کچھ انہوں نے کام کیے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں اول درجے کی لیاقتیں تھیں اور غالبًا ایسے نہ تھے کہ بآسانی دھوکہ کھا جاتے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے اول مریدوں کی کم رتبگی کو مویشم صاحب دین عیسائی کی خوبی سمجھتے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو میں بہ مجبوری مُقر ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اول محققین میں سے ہوتے تو مجھ کو بھی اطمینان کامل ویسا ہی ہوتا، پس اس سے ثابت ہے کہ ایک ہی شے مختلف شخصوں کو کیسی مختلف معلوم ہوتی ہے۔

مؤرخ گبن کا بیان:

بڑے مشہور مؤرخ گبن نے بیان کیا ہے کہ ''پہلے چاروں خلیفوں کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے۔ ان کی سرگرمی و دل دہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت و اختیار پا کر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائے فرائض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں۔ پس یہی لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی جلسے کے شریک تھے جو پیشتر اس سے کہ اس نے اقتدار حاصل کیا، یعنی تلوار پکڑی اس کے جانب دار ہو گئے۔ یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزاد ہوا اور جان بچا کر اپنے ملک سے چلا گیا۔ ان کے اول ہی اول تبدیلی مذہب کرنے سے ان کی سچائی ثابت

ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی قوت معلوم ہوتی ہے۔

اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارہ کی اور سرگرمی سے اس کے پابند ہوئے۔ اور یہ سب امور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوئے ہوں جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلہ فریب اور سخت عیاری کے لیے ہوں جو ان کی تربیت کے بھی خلاف ہو، اور ان کی ابتدائی زندگی کے تعصّبات کے بھی مخالف ہو، اس پر یقین نہیں ہوسکتا یہ خارج از حیطۂ امکان ہے۔

عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد ﷺ کے مسائل نے اس درجہ نشۂ دینی اس کے پیروکاروں میں پیدا کیا کہ جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروکاروں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور اس کا مذہب اس تیزی کے ساتھ پھیلا جس کی نظیر دین عیسوی میں نہیں، چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سے عالی شان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آ گیا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لے گئے تو اس کے پیروکار بھاگ گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجے میں چھوڑ کر چل دیے۔ اگر بالفرض اس کی حفاظت کرنے کی ان کو ممانعت تھی تو اس کی تشفی کے لیے تو موجود رہتے اور صبر سے اس کے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اس کے محمد ﷺ کی پیروی کرنے والے اپنے مظلوم پیغمبر ﷺ کے گرد و پیش رہے اور اس کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر کل دشمنوں پر اس کو غالب کر دیا۔“...... انتہی قولہ۔

کیسی حالت بدل جائے اور کس قدر اصلاح مذہبی حالات میں حضرات امامیہ کے ہو جائے اگر وہ اس بات کو یاد رکھیں جس کے یاد رکھنے کی نصیحت یہ عیسائی مؤرخ اپنے بھائی عیسائیوں کو کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے زیادہ دل کے قوی اور ایمان میں زیادہ پکے اور اخلاص میں زیادہ ثابت اور اپنے نبی کی حفاظت میں جان کے قربان کرنے والے تھے۔ مگر افسوس کہ وہ ان تاریخی واقعات کو جنہیں منکرین اسلام تک مانتے ہیں، نہیں مانتے اور اسلام کے ان نتائج سے جس سے اس کی عظمت اور صداقت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے انکار کرتے ہیں۔

سر ولیم مؤرخ پھر اپنی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' میں جہاں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین اور مہاجرین و انصار کے حالات کا مقابلہ کیا ہے، لکھتے ہیں کہ ''جس زمانے تک مقابلہ کرنا ممکن ہے ان میں تکلیفات کی برداشت کرنے اور دنیوی لالچوں کے قبول نہ کرنے میں دونوں (حضرت مسیح اور آنحضرت) برابر ہیں، لیکن محمدؐ کے تیرہ برس کے موعظہ نے بمقابلہ کل زمانہ زندگی کے ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جو ظاہر میں لوگوں کی نظر میں بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ مسیح کے تمام پیرو کار خوف کی آہٹ معلوم ہوتے ہی بھاگ گئے اور ہمارے خداوند کی تعلیم نے ان پانچ سو آدمیوں کے دل پر جنہوں نے ان کو دیکھا تھا، خواہ کیسا ہی گہرا اثر پیدا کیا مگر ظاہر میں اس کا کچھ نتیجہ دکھائی نہیں دیا۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنی خوشی سے اپنا گھر نہیں چھوڑا اور نہ سیکڑوں نے مسلمانوں کی طرح بالاتفاق مہاجرت اختیار کی، اور نہ ویسا پرجوش ارادہ ہی کسی سے ظاہر ہوا جیسا کہ ایک غریب شہر (یثرب) کے نومسلموں نے اپنے خون کے عوض اپنے پیغمبر کے بچانے میں کیا۔

بیان تحریری سر ولیم میور:

یہ چند روایتیں جو کہ اوپر ہم نے نقل کیں وہ عام مہاجرین، انصار اور اصحاب نبویؐ کی نسبت تھیں۔ اب ہم بالتفصیل اس رائے کو بیان کرتے ہیں جو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی نسبت سر ولیم میور نے ظاہر کی ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت وہ اپنی کتاب موسوم بہ ''ازلی خلافت'' میں یہ لکھتے ہیں:

> ''آخری دم تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ کی صفائی اور طاقت کا مطلع مکدر نہ ہونے پایا، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دن باریابی دی اور معاملات کی نازک صورت کو جانچ کر عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے ایک دستہ فوج تیار کر کے عراق روانہ کر دیں۔ بیماری کی حالت میں زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیدار زینت کے متعلق ان اشعار کا مضمون ان کی زبان پر جاری رہا۔ (یہ ترجمہ سر ولیم میور کی کتاب سے انگریزی اشعار کا

نظم میں کیا گیا ہے)

کون ایسا ہے یہاں جو حشمت و مال و متاع
اپنے وارث کو نہیں جاتا ہے چھوڑ انجام کار
ایک دن اس شخص کا بھی مال لوٹا جائے گا
جس نے ہو کر بے دھڑک کی ہے بہت سی لوٹ مار
لوٹ کر آ جائے گا اک دن سفر سے بالضرور
گر مسافر نے سفر کوئی کیا ہے اختیار
موت کے رستے سے لیکن لوٹنا ممکن نہیں
سخت جاں فرسا ہے اور ہیبت بھرا یہ راہ گزار

ایک شخص نے جو آپ کے بستر مرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، زمانۂ جاہلیت کے ایک شاعر کے کچھ اشعار مناسب حال پڑھے آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کہ ایسا مت کہو بلکہ یوں کہو:

﴿وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنۡتَ مِنۡهُ تَحِيۡدُ۝﴾

(سورۂ ق: ۱۹)

''اور آئی بے ہوشی موت کی تحقیق یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا تھا۔''

آخری کلام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور انہیں ایک طول طویل نصیحت کی اور فرمایا کہ یہ میری آخری وصیت ہے کہ درشتی اور سختی کو نرمی اور لینت کے ساتھ ملائے رکھنا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان پر غشی کا عالم طاری ہونے لگا، اور نزع کے وقت کو قریب پہنچتا دیکھ کر ان الفاظ کو زبان پر لا کر جاں بحق تسلیم ہوئے ''یا اللہ! ایسا کر کہ میں سچا مومن مروں۔ یا اللہ! مجھے ان لوگوں کے گروہ میں اٹھا جن کو تو نے برکت بخشی ہے۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو برس اور تین مہینے عہد حکومت کے بعد ۲۲، اگست ۶۳۴ء کو رحلت فرمائی۔ آپ کی خواہش کے بموجب غسل میت انہیں ان کی بی بی اسماءؓ اور آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ

نے دیا۔ تکفین آپ کی انہی کپڑوں میں ہوئی جو وفات کے وقت وہ پہنے ہوئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا کہ نئے کپڑے زندوں کے لیے موزوں ہیں اور پرانے کپڑے جسم بے جان کے لیے، جسے کیڑوں کا لقمہ ہونا ہے۔ جن اصحاب رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم ﷺ کے جنازے کو کندھا دیا تھا وہی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جنازہ بردار ہوئے۔ انہیں اس مزار میں دفن کیا جس میں رسول اللہ ﷺ آرام فرما تھے۔ خلیفہ مغفور کا سر اپنے آقا کے بازو کے برابر تکیۂ زن تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ جنازے کو بہت دور نہیں جانا تھا، صرف مسجد نبوی کا صحن طے کرنا تھا کیونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسی مکان میں انتقال فرمایا جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے رہنے کے لیے اپنے مکان کے سامنے تجویز فرمایا تھا اور جہاں سے مسجد نبوی کے کشادہ صحن پر نگاہ پڑتی تھی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے کا اکثر حصہ اسی مکان میں بسر کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد چھ مہینے تو البتہ پہلے کی طرح زیادہ تر سنخ میں ان کا قیام رہا جو مدینے کے نواح میں واقع ہے۔ یہاں پر ان کا مسکن ایک سادہ سا مکان تھا جو کھجور کے تختوں سے پٹا تھا، اس مکان میں وہ اپنی بی بی حبیبہ کے اعزاء واقارب کے ساتھ رہتے تھے۔ حبیبہ سے ان کی شادی اس وقت ہوئی جبکہ وہ مدینے میں تشریف لائے تھے۔ ان کی وفات پر ان کی یہ بی بی حاملہ تھیں اور تھوڑے عرصے بعد ان کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

ہر صبح ابو بکر رضی اللہ عنہ سوار ہو کر پیادہ پا مسجد نبوی کی طرف جہاں رسول اللہ ﷺ اپنی حین حیات میں فرمانروا رہے تشریف لے جاتے تھے تاکہ امور مملکت کو انجام دیں۔ اور ان کی غیر حاضری میں عمر رضی اللہ عنہ ان کے قائم مقام ہوتے تھے، ہاں جمعہ کے دن جبکہ کوئی خطبہ یا وعظ کہنا ہوتا تھا تو وہ دوپہر تک گھر میں رہتے تھے۔ اس دن وہ اپنے سر اور داڑھی کو خضاب لگاتے تھے اور لباس کے پہننے میں ذرا زیادہ احتیاط اور صفائی کو مدنظر رکھتے تھے، اس سیدھے سادے مکان میں اپنے اوائل عمر کی سادگی اور روکھی پھیکی طرز زندگی کو اختیار رکھا، گھر کی بکریوں کے لیے چارہ آپ خود لاتے تھے اور ان کا دودھ آپ خود دوہتے تھے۔ اول اول تو آپ نے اپنے خانگی اخراجات کی کفالت کے لیے تجارت کا سلسلہ جاری رکھا، مگر جب آپ کو معلوم ہوا کہ

ایسا کرنے سے انتظام سلطنت میں فرق آتا ہے تو آپ نے اور سب کاموں کو چھوڑ دینا اور اپنے گھر کے خرچ کے لیے چھ ہزار درہم سالانہ کی رقم قبول کرنا منظور فرمالیا۔

چونکہ سخ مسجد نبوی سے بہت فاصلے پر واقع تھا اور مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے سلطنت کے امور طے ہوتے چلے آتے تھے، اس لیے آپ نے یہاں نقل مکان کرلیا اور ساتھ ہی بیت المال کو بھی یہیں لے آئے۔ اسلام کا بیت المال ان دنوں میں بہت سادہ ہوتا تھا۔ نہ تو اس کے لیے پہرہ اور چوکیدار کی ضرورت ہوتی تھی، نہ حساب کے دفتر کی احتیاج۔ خراج کی آمدنی غرباء میں تقسیم کردی جاتی تھی یا سامان جنگ اور اسلحہ پر صرف ہوتی تھی، مال غنیمت اور سونا چاندی، خواہ وہ گاؤں سے آتا یا اور کہیں سے، آتے ہی یا آنے کے بعد دوسری صبح کو تقسیم کردیا جاتا۔ اس تقسیم میں سب کا حصہ برابر ہوتا تھا، نومسلم اور دیرینہ مسلم ذکور و اناث، غلام و احرار سب مساوی حصے کے مستحق ہوتے تھے۔ بیت المال اسلام پر ہر مومن عرب کا ایک سا دعویٰ ہوتا تھا۔ جب کوئی یہ کہتا کہ اسلام پہلے قبول کرنے کے باعث مجھے ترجیح حاصل ہے اور اس لیے مجھے زیادہ حصہ ملنا چاہیے تو ابو بکرؓ فرماتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اللہ ہی ان لوگوں کو جنھوں نے ترجیح حاصل کی ہے دوسری دنیا میں نیک اجر عطا فرمائے گا۔ یہ انعام و اکرام محض موجودہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی وفات پر عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کو کھلوایا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک دینار باقی ہے جو شاید بالاتفاق تھیلیوں میں سے گر پڑا تھا یہ دیکھ کر سب کے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور انھوں نے آپ کے لیے دعائے مغفرت مانگی اور برکت بھیجی۔ آپ نے بیت المال میں سے جو کچھ بطور وظیفہ لیا تھا اسے بھی آپ کی کانشینس نے روانہ رکھا، لہٰذا وفات کے وقت آپ نے حکم صادر فرمایا کہ بعض حصص آراضی جو میری ملکیت سے ہیں فروخت کی جائیں اور جو قیمت وصول ہو اس میں سے بقدر اس روپے کے جو میں نے بیت المال میں سے لیا ہے بیت المال میں واپس داخل کر دیا جائے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طبیعت نہایت ہی حلیم اور نرم واقع ہوئی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ ایسا

اور کوئی شخص نہیں جس پر لوگ اپنی جان اس شوق سے نثار کر دیں گے جیسی ابو بکر رضی اللہ عنہ پر۔

آپ ایسے نرم دل تھے کہ لوگوں نے آپ کو ''ٹھنڈی سانس بھرنے والا'' کا خطاب دے رکھا تھا۔ باستثنا ایک دفعہ کے جبکہ آپ نے ایک مفسد قزاق کو آگ میں جلوا دیا اور جس کا آپ کو ہمیشہ افسوس رہا، اور کوئی بے رحمی آپ سے ظہور میں نہیں آئی۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زندگی دربار میں بھی اسی سادگی اور قناعت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ آپ کے دربار پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے:

گیرو دار حاجب ودرباں دریں در گاہ نیست

تزک و احتشام اور عظمت و شان جو درباروں کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہوا کرتے ہیں ان کے دربار میں نام کو بھی نہ تھے۔ امور مملکت کے طے کرنے میں وہ نہایت مستعد اور سرگرم تھے۔ وہ اکثر راتوں کو اکیلے نکل جایا کرتے تاکہ محتاجوں اور ستم رسیدوں کی حاجت براری اور شنوائی کریں اور عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ انہیں ایک اندھی غریب بیوہ کا پرسان حال پایا جس کی حاجت براری کے لیے خود تشریف لائے تھے۔ محکمہ عدالت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ مگر روایت ہے کہ سال بھر کے عرصے میں مشکل سے دو مدعی بھی مقدمے کے لیے نہیں آئے۔ ریاست کی مہر پر الفاظ ((نعم القادر اللّٰہ)) کندہ تھے۔ خط و کتابت کا کام علی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ زید رضی اللہ عنہ (رسول اللہؐ کے میر منشی اور جامع قرآن) اور عثمان رضی اللہ عنہ سے یا اور کسی اہل قلم سے جو وقت پر پاس ہوتا مدد لیا کرتے تھے۔ اعلیٰ عہدوں اور اعلیٰ فوجی خدمتوں کے لیے اپنے نائبوں کے انتخاب میں آپ نے کبھی طرفداری یا رعایت کو مدنظر نہیں رکھا، اور چال چلن کے اندازہ لگانے میں ان کی رائے ہمیشہ سلیم اور صائب ہوتی تھی۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ میں عزیمت اور استقلال کی کچھ کمی نہیں ہوتی تھی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کے زیر کمان فوج روانہ کرنا اور مشرک قوموں کے برخلاف مدینہ کو محفوظ رکھنا اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ آپ تن تنہا تھے اور چاروں طرف گویا ایک کالی گھٹا چھا رہی تھی اس عزم اور جرأت کا شاہد ہے جو فتنہ و فساد کی آگ بجھانے اور بغاوت کے فرو کرنے میں بہ نسبت کسی بات کے زیادہ کارآمد

ثابت ہوا۔ ابو بکرؓ کی قوت کا راز وہ ایمان راسخ تھا جو آپ حضرت محمد ﷺ پر لائے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خلیفۂ خدامت کہو میں تو رسول خدا کا خلیفہ ہوں۔ آپ کو ہمیشہ یہی سوال مدنظر رہتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ کا کیا حکم تھا۔ یا اس وقت وہ ہوتے تو کیا کرتے۔ اس سوال کے جواب پر عمل کرتے وقت وہ سر مو تجاوز نہ فرماتے تھے، اور اس طرح پر آپ نے شرک اور بت پرستی کو پائمال کر دیا اور اسلام کی بنیاد استوار قائم فرمائی۔ آپ کا عہد مختصر تھا مگر رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نہیں ہوا جس کا اسلام کو ان سے زیادہ ممنون اور مرہون احسان ہونا چاہیے۔ چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں رسول اکرم ﷺ کا اعتقاد نہایت راسخ طور پر متمکن تھا اور یہی عقیدہ خود رسول اکرم ﷺ خلوص اور سچائی کی ایک زبردست شہادت ہے، لہٰذا میں نے آپ کی حیات وصفات کے تذکرے کے لیے کچھ زیادہ جگہ وقف کی ہے۔

اگر حضرت محمد ﷺ کو ابتدا سے اپنے کذاب ہونے کا یقین ہوتا تو وہ کبھی ایسے شخص کو دوست اور عقیدت مند نہ بنا سکتے جو نہ صرف دانا اور ہوش مند تھا بلکہ سادہ مزاج اور صفائی پسند بھی تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نفسانی عظمت وشوکت کا کبھی خیال نہیں آیا۔ انہیں شاہانہ اقتدار حاصل تھا اور وہ بالکل خود مختار تھے، مگر وہ اس طاقت اور اقتدار کو صرف اسلام کی بہتری اور کافۂ انام کے فائدہ پہنچانے میں عمل میں لائے گئے۔ ان کی ہوش مندی اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ خود فریب کھالیں، اور خود وہ ایسے متدین تھے کہ کسی کو دھوکہ نہ دے سکتے تھے۔'' انتھٰی قولہ.

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نسبت سر ولیم میور یہ لکھتے ہیں:

''۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو عمر رضی اللہ عنہ نے ساڑھے دس سال کی عہد حکومت کے بعد انتقال فرمایا۔ ❶ رسول اللہ ﷺ کے بعد سلطنت اسلام میں سب سے بڑے شخص عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ کیونکہ یہ انہی کی دانائی اور استقلال کا ثمرہ تھا کہ ان دس سال کے عرصے میں شام، مصر اور فارس کے علاقے جن پر اس وقت سے اسلام کا

❶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ذی الحجہ ۲۳ مطابق ۳ نومبر ۶۴۴ء بروز بدھ فجر کی نماز میں حملہ ہوا، ۲۹ ذی الحجہ ۲۳ھ کو شہادت ہوئی اور تدفین یکم محرم ۲۴ھ بروز ہفتہ عمل میں آئی۔

قبضہ رہا ہے، تسخیر ہو گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مشرک اقوام کو مغلوب تو کر لیا تھا لیکن ان کے عہد میں افواج اسلام صرف شام کی سرحد تک ہی پہنچی تھیں۔ عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت ان کے قبضے میں صرف عرب تھا۔ مگر جب آپ نے انتقال فرمایا تو آپ ایک بڑی سلطنت کے خلیفہ تھے جو فارس، مصر، شام اور بنٹائن اپنے سلطنت کے بعض نہایت ہی زرخیز اور دلکش صوبوں پر مشتمل تھی۔ مگر باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہونے کے آپ کو کبھی اپنی فراست اور قوت فیصلہ کی متانت کے میزان میں پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب سے اپنے آپ کو ملقب نہیں کیا۔ دور دراز صوبوں سے لوگ آتے اور مسجد نبوی کے صحن کے چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں۔ حالانکہ شہنشاہ، یعنی خلیفہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری کا نقشہ کھینچنے کے لیے صرف چند خطوط کی ضرورت ہے۔ سادگی اور پابندی فرائض ان کے اصول کے اعلیٰ ارکان تھے۔ اپنی تمام خدمت کے بجا لانے میں کسی کی رعایت نہ رکھنا اور سرگرمی سے کام لینا آپ کا خاصہ ہو گیا تھا اور اس بڑی جواب دہی کا بار آپ کو ایسا گراں معلوم ہوتا تھا کہ بسا اوقات آپ فرماتے:

کاش کہ مادر نہ زادے مر مرا

''اے کاش! بجائے اس کے میں گھاس کا تنکا ہوتا۔'' آپ کا مزاج ناص بور اور جلد مشتعل ہو جانے والا تھا اور ایام جوانی میں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری حصہ میں بھی آپ انتقال کے سخت مؤید اور حامی خیال کیے جاتے تھے۔ تلوار کو نیام سے نکالنے کے لیے آپ ہر وقت تیار رہتے تھے اور آپ ہی نے جنگ بدر کے خاتمے پر یہ مشورہ دیا تھا کہ تمام قیدیوں کو تہ تیغ کیا جائے۔

لیکن عمر اور رتبے نے ان کے مزاج کی تندی اور درشتی کو حلم سے بدل دیا تھا۔ عدل اور انصاف ان میں بحد کمال تھا، اور سوائے اس سلوک کے جو آپ نے غیر فیاضانہ اشتعال کے ساتھ خالد رضی اللہ عنہ سے کیا اور وہ بھی اس لیے کہ آپ کو خالد رضی اللہ عنہ کی وہ نامعقول حرکت ان سے ایک مغلوب دشمن سے بدسلوکی کرنے میں سرزد ہوئی نہایت قابل نفریں معلوم ہوئی اور کسی ایسے فعل کا آپ سے ظہور میں آنے کا پتہ نہیں چلتا جس سے بے انصافی یا ظلم مترشح ہو۔

فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب آپ نے بلا رو رعایت کیا اور مغیرہ رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزوں ہوا۔ سلطنت کی متفرق قوتیں اور جماعتیں جو مختلف الاغراض اور مختلف المقاصد تھیں، آپ کی قوت اور دیانت پر کامل بھروسا رکھتی تھیں اور آپ کے تنومند بازو نے قانون کے قواعد کو جاری اور سلطنت کو نہایت عمدگی سے سنبھالے رکھا۔

بصرہ اور کوفہ کی مخاصمت آئین مقامات کے گورنروں کے تغیر و تبدل میں آپ کی کچھ کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی بدوؤں اور قریش کی متضاد دعاوی پر آپ نے ایک دباؤ ڈالے رکھا اور انہوں نے اسلام میں آپ کی حین حیات میں کبھی فتنہ برپا کرنے کی جرأت نہ کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو زیادہ ممتاز تھے انہیں آپ اپنے پاس مدینے میں رکھتے تھے جس کی وجہ کچھ تو بلاشبہ یہ تھی کہ صلاح و مشورہ سے آپ کو تقویت دیں اور کچھ اس لیے (جیسا کہ آپ کا قول تھا) کہ ”میں نہیں چاہتا کہ ان کو اپنے سے کم رتبہ دے کر ان کی شان و عزت میں فرق لاؤں۔“

ہاتھ میں تازیانہ لے کر آپ مدینے کی گلیوں اور بازاروں میں پھرا کرتے اور جو قصور وار ہوتا اسے وہیں سزا دیتے۔ یہ بات ضرب المثل ہوگئی تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ کا تازیانہ دوسرے کی تلوار سے زیادہ خوفناک ہے۔ مگر بایں ہمہ آپ نہایت نرم

دل تھے اور بے شمار واقعات آپ کے حلم اور مہربانی کے مذکور ہیں۔ مثلاً: بیواؤں اور یتیموں کی حاجت براری کرنا۔ ایک مثال ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ قحط کے سال میں عرب میں سفر کر رہے تھے، آپ کا گزر ایک نادار غریب عورت پر ہوا جو بچوں کے لیے ہوئے چولھے کے پاس بیٹھی تھی اور بچے بھوک کے مارے بلبلا رہے تھے، چولھے پر ایک خالی ہنڈیا بچوں کی تسلی کے لیے بے چاری عورت نے چڑھا رکھی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا تو آپ بھاگتے ہوئے دوسرے گاؤں میں گئے۔ گوشت اور روٹی لائے۔ گوشت خود ہنڈیا میں چڑھایا اور خوب سا کھانا پکا کر بچوں کو کھلایا اور انہیں ہنستا کھیلتا چھوڑ کر تب آگے روانہ ہوئے۔'' انتھیٰ قولہ .

مجھے امید ہے کہ ناظرین حق پسند ان تحریروں کو دیکھ کر تسلیم کریں گے کہ ان واقعات نے عیسائیوں تک کو اسلام کی تعریف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مکارم اخلاق اور محامد و اوصاف کے ظاہر کرنے پر مجبور کیا ہے، مگر تعجب ہے کہ خود اسلام کے مدعی ان واقعات سے انکار کریں اور عموماً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اسلام اور اخلاق سے بے بہرہ بتائیں۔ افسوس انسان کیسا ہی دانش مند اور عالم ہو مگر مذہبی تعصب اور آبائی تقلید اس کو سچ بات کے قبول کرنے اور کم سے کم اس کے اقرار کرنے سے ہمیشہ مانع ہوتی ہے۔ آفتاب کو دیکھتے ہیں کہ روشن ہے مگر اس کا اقرار نہیں کرتے۔ آنکھوں پر کچھ ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ اسے دیکھتے ہی نہیں۔ بعینہ یہی حال حضرات امامیہ کا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسلام اور ان کا اخلاص آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہے، قرآن بہ آواز اس کا اشتہار دے رہا ہے، اسلام کے دشمن تک اس کی تصدیق کر رہے ہیں، مگر وہ ہیں کہ اپنے تعصب اور ضد پر قائم ہیں اور ایک لاکھ چودہ ہزار اصحاب نبوی کے مرتد اور منافق کہنے میں سرگرم بلکہ اس پر نازاں ہیں۔

کیا اسلام کی بنیاد صرف اس بات سے مضبوط اور مستحکم مانی جاسکتی ہے کہ تیئیس برس کی مدت میں جو کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان اور اخلاص کی تعلیم پر فرمائی۔ اور جس خدائی

قوت اور آسمانی مدد سے آپ نے لوگوں کو ہدایت کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اپنی وفات کے بعد قریب سوا لاکھ آدمی...... اسلام کے نام لینے والے چھوڑے مگر ان میں چند عزیزوں کے سوا چار آدمیوں سے زیادہ کوئی سچا مسلمان اور پکا مومن اور دل سے خدا اور رسول کا ماننے والا اور ان کے حکموں پر چلنے والا نہ تھا۔ باقی نہ صرف منافق اور ایمان سے بے بہرہ تھے بلکہ ایسے ظالم سفاک سنگ دل، بے رحم تھے کہ آپ کے وفات فرماتے ہی سب نے اسی سردار کے گھر کو لوٹنا شروع کیا جس کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی تھی۔ اور اسی کی اولاد پر ظلم کرنے لگے جن سے محبت رکھنا اور جن کی اطاعت کرنے کا انہوں نے بارہا اقرار اور دعویٰ کیا تھا اور ظلم بھی ایسے کیے کہ کبھی چشم فلک نے نہ دیکھے تھے۔ اس قسم کے خیالات سے جو خود مسلمانوں کا ایک طبقہ رکھتا ہے، منکرین نبوت کو اس بات کے کہنے کا موقع ملے گا کہ رسالت کا مقصد صرف دنیاوی سلطنت کا قائم کرنا تھا اور لوٹ مار کر طمع اور امارت اور ریاست کی حرص نے ایک گروہ خود غرض، بدنفس، طماع اور حریصوں کا اس کے بانی کے اردگرد جمع کر دیا تھا۔ ان ہزاروں آدمیوں کے دلوں پر جو رات دن پیغمبر خدا ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے نہ قرآن کی تعلیم کا کچھ اثر ہوا تھا نہ خدا کے رسول ﷺ کے وعظ و نصیحت نے ان پر کچھ تاثیر کی تھی۔ نہ بانی اسلام اور اسلام کے ماننے والوں میں کوئی رشتہ اخلاص اور اطاعت و ایمان اور محبت کا، جیسا کہ کسی سچے پیغمبر اور اس کے ایمان لانے والوں میں ہوتا ہے قائم تھا بلکہ دونوں اپنے اغراض کے حاصل کرنے میں سرگرم اور مستعد تھے اور دو مختلف اور متناقض قوتیں اپنے اپنے مقاصد کے پورا کرنے میں کام کرتی تھیں۔ سردار تو یہ چاہتا تھا کہ جو سلطنت اور ریاست اس کی قوت بازو سے قائم ہو وہ اسی کے گھر میں رہے کسی دوسرے کا تسلط نہ ہونے پائے۔ اور اس کے ساتھی اس فکر میں تھے کہ ان کی محنت اور کوشش کا صلہ خود ان کو حاصل ہو، اور ریاست کی مسند پر اپنے سردار کے بعد خود قابض ہوں۔

میرا یہ کہنا حقیقت میں نہ مبالغہ ہے نہ شیعوں کے عقائد پر بے جا الزام لگانا، بلکہ ان واقعات اور حالات سے جن کو حضرات امامیہ سچ سمجھتے ہیں اور جن پر ان کے مذہب کی بنیاد

قائم ہے یہی نتیجہ نکلتا ہے، ان کے خیال کے موافق سوا اس کے اور کیا بات معلوم ہوتی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کی آرزو بعثت کے روز سے وفات کے وقت تک یہ تھی کہ جناب امیران کے بعد خلیفہ ہوں اور الیٰ یوم القیامہ نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ دینی اور دنیاوی سلطنت پر انہیں کے خاندان کا قبضہ رہے۔ چنانچہ شیعوں کے اعتقاد کے موافق اس آرزو کو آپ نے طرح طرح سے ظاہر کیا اور اس کے لیے کوئی دقیقہ سعی اور کوشش کا اٹھا نہ رکھا۔ کوئی موقع خلوت میں اور جلوت میں، سفر میں اور حضر میں، صلح اور جنگ میں، صحت میں اور بیماری میں ایسا نہیں چھوڑا جس میں اپنی یہ خواہش اشارتاً یا صراحتاً ظاہر نہ فرمائی ہو اور خدا کے احکام اور اس کے پیام اس کے متعلق نہ سنائے ہوں اور اس حکم کے ماننے والوں کے فضائل اور ان کے لیے انواع و اقسام کے ثواب اور اس سے عدول کرنے والوں کے معائب اور ان کے واسطے طرح طرح کے عذاب بیان نہ کیے ہوں۔ یہاں تک کہ آخری کوشش آپ کی وہ تھی جو خم غدیر میں ظاہر فرمائی کہ ایک لاکھ آدمیوں کے مجمع میں اس کا اعلان صاف صاف لفظوں میں فرما دیا اور جناب امیر کی امارت اور خلافت کا اشتہاد دے کر سب سے اقرار لے لیا۔ اور اپنے سامنے اپنی جانشینی کو ہر طرح سے مستحکم اور قوی کر دیا۔ چنانچہ اس پر مبارک سلامت کی آوازیں بھی چاروں طرف سے بلند ہوگئیں اور خوشی کے شادیانے بھی بج گئے مگر اللہ رے بغض و نفاق اور اتفاق صحابہ کا کہ تین چار آدمیوں کے سوا ایک نے بھی اس کا خیال نہ رکھا اور کسی نے بھی امیر المومنین کی خلافت اور امارت کا جو اس زور وشور سے قائم کی گئی تھی اقرار نہ کیا۔ بلکہ آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی سب کے سب اس عہد سے پھر گئے۔ اور اس پر غضب یہ ہے کہ اصل واقعہ کے واقع ہونے سے بھی ناواقفیت جتانے لگے۔ سب نے کچھ ایسا اتفاق کر لیا کہ گویا وہ مہتم بالشان واقعہ واقع ہی نہ ہوا تھا اور خم غدیر میں علیٰ رؤوس الاشہاد بر سر منبر آپ نے اپنی جانشینی کا اعلان فرمایا ہی نہ تھا۔ اس تمام واقعات کی یادگار میں اگر کسی کی زبان پر کچھ باقی رہا تو صرف آپ کا یہ ارشاد کہ ((انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله و عترتی)) [1] اور

[1] میں چھوڑنے والا ہوں تم میں دو بھاری چیزیں ایک کتاب اللہ دوسری اپنی عترت۔

اس تمام تقریر میں اگر کسی نے اقرار کیا تو صرف آپ کے اس قول کا کہ ((من کنت مولاہ فعلی مولاہ)) اس کا مقصود اور ما حصل بیان کیا تو صرف یہ کہ ان سے محبت رکھنا اور ان کی خاطر داری کرنا چاہیے۔ مگر اس پر بھی عمل نہ کیا اور بجائے محبت کے کھلم کھلا عداوت ظاہر کرنے لگے اور پرانے کینے اور پشتینی رنج کے بدلے لینے لگے اور رسول خدا ﷺ کی وصیت کو بھلا دیا اور قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔ اور جو عہد کیے تھے انہیں توڑ دیا۔ اور اس طرح وہ دین سے خارج ہو گئے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں رسالت اور شریعت پر کیا اطمینان رہے گا۔ اس لیے کہ یہی لوگ جن کے اخلاق اور خصائل ایسے برے تھے وہی اسلام کے ارکان تھے۔ انہی کے سلسلے سے ہم کو قرآن پہنچا، انہی کے ذریعہ سے ہم کو رسول خدا ﷺ کے حالات معلوم ہوئے، اور انہی کے وسیلے سے وحی کا آنا اور جبرئیل علیہ السلام کا نازل ہونا اور پیغمبر خدا ﷺ کا ملکوتی صفات سے متصف ہونا ثابت ہوا تو کیا تعجب ہے ایسے بد دین اور بد اخلاق، ستم پیشہ، سفاک، نا خدا ترس، بدعہد بد باطن بدطینت، طماع اور حریص لوگوں نے باہم سازش کر کے دنیا کمانے اور خلق خدا لوٹنے کے لیے کسی کو سردار بنا لیا ہو۔ اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس کے جھوٹے حالات مشہور کر دیے ہوں۔ اور اس کے نام سے جھوٹے احکام جاری کیے ہوں اور جھوٹے قواعد اور ضوابط بنائے ہوں۔ اور لوگوں کو دام میں پھنسانے کے لیے اس کی نبوت اور رسالت کو شہرت دے دی ہو۔ اور قرآن کو چند لائق فصیح و بلیغ لوگوں سے لکھوا کر اس کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ کیونکہ جس گروہ کا یہ حال ہو کہ بد اخلاقی کے علاوہ سازش میں بھی ایسے پکے ہوں کہ جو بات عمر بھر ان کا سردار بیان کرتا رہا اور جس کے لیے ہمیشہ قرآن کا نازل ہونا بیان فرماتا رہا اور جس کی تاکید سراً و جہراً ہمیشہ ان کا پیشوا کرتا رہا ہو اور اپنی وفات سے چند روز پہلے اس کا اعلان ستر ہزار یا ایک لاکھ چودہ ہزار آدمیوں کے سامنے اس طرح کر دیا ہو کہ زمین ملک و فلک، شجر و حجر، جن و انسان سب نے سنا ہو اور نہایت فصیح و بلیغ اور پر زور اور پر جوش خطبے میں آخری حجت پوری کرنے کے لیے جانشینی کا

مسئلہ پورے طور پر کر دیا ہو اور سب کے سامنے خم غدیر میں اپنے جانشین کی خلافت کی بیعت بھی لے لی ہو اور خدا نے آیت ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾ [1] کی مہر بھی خلافت کی سند پر کر دی ہو۔ باوجود اس کے ایسے متواتر اور غیر پوشیدہ رہنے والی بات کو انہوں نے چھپا ڈالا۔ اور اس پر عمل کرنا بیک طرف اس کے ہونے اور اس واقعہ کے وقوع میں آنے سے ہی انکار کر دیا اور ایسی امامت کی نسبت جو نہایت شد و مد کے ساتھ قائم کی گئی تھی، نص جلی بلکہ نص خفی سے بھی منکر ہو گئے۔ تو ایسے لوگوں سے جن کی سازش انسانی فطرت کے خلاف ہو اور جو ایسی متواتر اور مشہور بات کو جو ستر ہزار آدمیوں کے سامنے ہوئی ہو پوشیدہ رکھ سکتے ہوں، کیا بعید ہے کہ انہوں نے رسالت کے نام سے ایک جھوٹا کارخانہ کھڑا کیا ہو اور بے بنیاد باتوں کو مشہور کر کے کسی کو رسول اور نبی بنا لیا ہو۔ اور اگر ہم تسلیم بھی کریں کہ رسول خدا ﷺ خود ان سے بیزار تھے اور ان کے احکام و شریعت جاری کرنے والے ان کے اہل بیت اور چند خاص لوگ تھے، تو ایسے لوگ اتنے کم تھے کہ ان کی تعداد عشرات کے درجے سے بھی زیادہ نہیں تھی اور ان کے ذریعہ سے جو کچھ لوگوں کو معلوم ہوا وہ انہی لوگوں کے ذریعہ سے جو مہاجرین و انصار اور اصحاب نبوی کہلاتے تھے۔ اور جبکہ ان کی یہ کیفیت تھی کہ جو چاہتے وہ ظاہر کرتے اور جو چاہتے وہ جاری کرتے اور ان میں سے چند لوگوں کا رعب و داب ایسا تھا کہ باقی تمام لوگ ان کی اطاعت کرتے یا ان کے دھوکہ میں آ جاتے تھے تو جس طرح ان سے یہ ہو سکا کہ انہوں نے بہ سبب حسد یا عداوت کے امیر المومنین کے امامت کی نص جلی کو چھپا ڈالا اور حقوق اہل بیت کے غصب کرنے کے لیے جھوٹی حدیثیں بنا کر لوگوں کو اپنا ساتھی کر لیا، بھی ان سے ہو سکتا تھا کہ شریعت کو بدل دیا ہو اور جو کچھ پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہو اس کے خلاف شہرت دی ہو، قرآن میں کمی زیادتی کر دی ہو، نمازیں بڑھا گھٹا دی ہوں، حج و زکوٰۃ کے اصلی احکام چھپا کر اپنی مرضی کے موافق بتا دئے ہوں اور اگر یہ باتیں جائز سمجھی جائیں اور کیوں نہ جائز سمجھی جائیں، اس لیے کہ جن باتوں کو ہم بالفرض

---

[1] آج میں پورا دے چکا تم کو تمہارا دین، اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا۔

والتسلیم بیان کرتے ہیں، شیعوں کے عقائد میں داخل ہیں تو انجام اس کا سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ شرع پر سے بھروسا اٹھ جائے گا اور اسلام کی کوئی بات بھی وثوق اور یقین کے قابل نہ رہے گی۔

اگر شیعہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بداخلاق اور مرتد سمجھ کر اس نتیجہ پر راضی ہیں تو خیر، وہ جانیں اور ان کا خدا۔ مگر اسلام پر اعتقاد رکھنے والے کے بدن پر صرف اس خیال سے لرزہ آتا اور الحذر الحذر پکارتا ہے اور اسلام کے ساتھ ان خیالات کا جمع ہونا ناممکن سمجھتا ہے۔

❀❀❀❀

تیسرا مقدمہ

اگر فدک کے غصب کرنے اور جناب سیدۃ النساء پر ظلم وستم کرنے کی وہ روایتیں صحیح مانی جائیں جو اس باب میں حضرات امامیہ بیان کرتے ہیں تو اس سے حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر اور تمام بنی ہاشم پر جو شجاعت اور عصبیت اور غیرت وحمیت میں ضرب المثل تھے، سخت الزام آتا ہے، اور ان کے مقابلہ بلکہ مقاتلہ نہ کرنے اور نہایت عاجزی اور بے کسی سے تمام باتوں کے برداشت کرنے پر حیرت ہوتی ہے، اس لیے کہ جو ظلم وستم حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا پر کیے گئے وہ کچھ معمول نہ تھے، نہ اس پر صبر وتحمل کرنا شرعاً وعقلاً اور اخلاقاً وعرفاً قابل ستائش تھا۔ بلکہ اس کا روکنا اور مقابلہ کرنا واجبات میں سے تھا۔ اگر صرف فدک غصب کرلیا جاتا یا مال کو وہ چھین لیتے تو اس پر صبر ہوسکتا تھا، مگر جبکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو جسمانی ایذائیں پہنچائیں، انہیں طمانچے لگائے، اور لاتیں ماریں، اور محسن کو شہید کیا اور بعد سیدہ کی وفات کے ام کلثوم کو غصب کیا تو یہ وہ باتیں ہیں جن پر سکوت کرنا ہرگز جائز نہیں ہوسکتا۔

اس کا جواب حضرات امامیہ چند طرح سے دیتے ہیں:

ایک یہ کہ جو کچھ آپ نے عمل کیا اس پر آپ مجبور تھے، اس لیے کہ خدا کا حکم یہی تھا اور آپ کو خدا کی طرف سے اسی بات کی وصیت تھی اور وصیت بھی ایسی شدید اور سخت کہ آپ اس سے انحراف نہیں کرسکتے تھے۔ اس لیے کہ اصول کافی کلینی کتاب الحجۃ صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۳۰۲ء میں صریح روایت موجود [1] ہے کہ جبرئیل علیہ السلام خدا کی طرف سے ایک لکھا

---

[1] اصل عبارت یہ ہے: حدثنی موسیٰ بن جعفرؑ قال قلت لابی عبداللہؑ الیس کان امیر المومنین کاتب الوصیۃ و رسول اللہ صلعم اطمعل علیہ و جبریل و الملائکۃ المقربون علیہم السلام شہود قال فاطرق طویلا ثم قال یا ابا الحسن قد کان ماقلت و لکن حین نزل برسول اللہ الامر نزلت الوصیۃ من عند اللہ کتابا مسجلا انزل بہ جبریل مع امناء اللہ تبارک و تعالیٰ من الملائکۃ فقال جبریلؑ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ⇦⇦⇦

ہوا نامہ جس پر مہریں تھیں اور جس کے ساتھ ملائکہ مقربین تھے، آنحضرت ﷺ کے پاس لائے اور کہا کہ اے محمد! سب آدمیوں کو باہر کر دو اور سوائے تمہارے اور تمہارے وصی علی بن

⇦⇦⇦ باخراج من عندك الا وصيك يقبضهما منا وتشهد نا بدفعك اياها اليه ضامنالها يعنى عليا فامر النبى باخراج من كان فى البيت ماخلا عليا وفاطمة فيما بين السر والباب فقال جبريل يا محمد ربك يقرئك السلام ويقول هذا كتاب ماكنت عهدت اليك و شرطت عليك و شهدت به عليك و اشهدت به عليك ملائكتى و كفى بى يا محمد شهيد اقال فار تعدت مفاصيل النبى و قابل يا جبريل ربى هوالسلام و منه السلام واليه يعود السلام صدق عزوجل و برهات الكتاب فدفعه اليه و امره بدفعه الى امير المومنين فقال له اقراه وقراه حرفا حرفا فقال يا على هذا عهد ربى تبارك و تعالىٰ الى و شرلحه الى وامانته و قدبلغت و نصحت و اديت فقال على و انا اشهدلك بابى انت و امى بالبلاغ و النصيحة و التصديق على ما قلت و يشهد لك به سمعى و بصرى و لحمى ودمى فقال جبريلؑ و انا لكما على ذالك من الشاهدين فقال رسول الله يا على اخذت وصيتى و عرفتها وضمنت الله ولى الوفاء بما فيها فقال على نعم بابى انت و امى على ضمانهما وعلى الله دعونى و توفيقى على ادائها فقال رسول الله يا على انى اريدان اشهد عليك بموافاتى بهايوم القيامة فقال على نعم اشهد فقال النبى ان جبريل و ميكائيل فيما بينى و بينك الآن و هما حاضران معهما الملائكة المقربون لاشهد هم عليك فقال نعم ليشهدو اوانا بابى و امى اشهد هم فاشهد هم رسول الله صلعم و كان فيما اشترط عليه النبى با مر جبريلؑ فيما امر الله عزوجل ان قال له يا على تفى بما فيها من موالاة من والى الله ورسوله و البراء ة و العداوة لمن عادى الله ورسوله والبراء ة منهم على الصبر منك على كظم الغيظ و على ذهاب حقك و غضب خمسك و انتهاك حرمتك فقال نعم يا رسول الله فقال امير المومنين والذى خلق الجنة وبراء النسمة لقد سمعت جبريل يقول النبى يا محمد! عرفه انه ينتهك الحرمة وهى حرمة الله و حرمة رسوله صلعم و على ان تخضب لحيته من رأسه بدم عبيط قال امير المومنين فصعقت حين فهمت الكلمة من الامين جبرئيل حتىٰ سقطت على وجهى و قلت نعم قبلت ورضيت و ان انتهك الحرمة وعطلت السنن و مزق الكتاب و هدم الكعبة و خضبت لحيتى من رأسى بدم عبيط صابراً محتسباابداً حتى اقدم عليك ثم دعى رسول الله فاطمة و الحسن و الحسين واعلمهم مثل ما اعلم امير المومنين فقالوا مثل قوله فتختمت الوصية بخواتيم من ذهب لم يمسه النارو دفعت الى امير المومنينؑ فقلت لابى الحسن بابى انت و امى! لاتذكر ما كان فى الوصية فقال سنن الله و سنن رسوله فقلت اكان فى الوصية يوتيهم وخلافهم على امير المومنين فقال نعم والله شيئا شيئا و حرفا اما سمعت قول الله عزوجل انا نحن نحى الموتى و نكتب ماقد مواوآثارهم و كل شيئى احصيناه فى امام مبين والله لقد قال رسول الله لامير المومنين و فاطمة اليس قدفهمتنا ماقدمت به اليكما و قبلتماه فقالا بلى مقبوله و صبرنا على ماسائنا و غاظنا۔

ابی طالب کے کوئی دوسرا نہ رہے تا کہ وہ فرمان الٰہی ہم سے لیں اور آپ کا وصی ہمیں گواہ کرے کہ آپ نے وہ نامہ ان کو دے دیا اور وہ ضامن ہوں کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے۔

اس پر عمل کریں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سب لوگوں کو باہر کر دیا سوائے علی بن ابی طالب کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پردے میں بیٹھی ہوئی تھیں جب گھر اغیار سے خالی ہو گیا اس وقت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمدؐ! آپ کا پروردگار آپ کو سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ وہ نامہ ہے کہ جس کا شب معراج وغیرہ میں، میں نے وعدہ کیا تھا اور آپ سے شرط کی تھی اور آپ نے ملائکہ کو اس بات پر گواہ کیا تھا گو کہ میں گواہی کے لیے کافی تھا۔ یہ الفاظ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سن کر حضرت خوف الٰہی سے کانپنے لگے۔ اور آپ کے بدن کے اعضا پر لرزہ پڑ گیا اور کہا کہ اے جبرئیل! میرا خدا تمام نقصوں سے پاک ہے اور اس نے اپنے عہد کو وفا کیا ہے۔ اب آپ وہ نامہ دیجئے، جبرئیل علیہ السلام نے وہ نامہ آپ کو دیا اور کہا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے حوالہ کرو، پیغمبر خدا نے اس کے موافق جناب امیر کو دیا اور فرمایا کہ پڑھو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اسے حرف بحرف پڑھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خدا کا عہد ہے اور اس کی شرط ہے جو مجھ سے لی ہے اور اس کی امانت ہے جو مجھے دی ہے اور میں نے اسے پہنچا دیا اور جو کچھ امت کی خیر خواہی تھی اسے عمل میں لایا اور خدا کی رسالت ادا کی۔ حضرت امیر نے بھی اس کی تصدیق کی اور کہا کہ میرے کان آنکھ اور گوشت وخون اس پر گواہ ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ میں بھی ان باتوں کا گواہ ہوں جو تم دونوں نے کیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے علی! تم نے یہ وصیت مجھ سے لی اور اسے سمجھ لیا اور اس کی ضمانت کرتے ہو خدا کے واسطے کہ ایسا ہی کرو گے اور اس عہد پر پورے پورے طور پر عمل آور ہو گے۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اس کا ضامن ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ اس پر عمل کروں گا اور خدا مجھے اس پر عمل کرنے کی یاری اور توفیق دے۔ پھر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اے علی! میں چاہتا ہوں کہ اس پر تم سے گواہی لوں کہ جب قیامت کے دن تم میرے پاس آؤ تو وہ گواہ گواہی دیں کہ میں نے تم پر حجت تمام کر دی۔

حضرت امیر نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام اور یہ ملائکہ مقربین جو اس کے ساتھ آئے ہیں اس پر گواہ ہیں، پیغمبر خدا نے ان کو گواہ کیا۔

اور منجملہ ان باتوں کے جن پر جبرئیل علیہ السلام نے خدا کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرط لی تھی کہ اے علی! اس بات کو قبول کرتے ہو اور اس پر عمل کرو گے کہ جو خدا اور رسول کا دوست ہے، اس سے دوستی کرنا اور جو ان کا دشمن ہے اس سے دشمنی کرنا اور جو حق تمہارے چھینے جائیں اور تمہارا خمس غصب کیا جائے اور تمہاری حرمت ضائع کی جائے تو ان سب پر صبر کرو گے اور غصہ نہ کرو گے۔ جناب امیر نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! پھر حضرت امیر نے فرمایا: قسم ہے اس خدا کی جس نے مخلوق کو پیدا کیا! میں نے جبرئیل سے یہ سن لیا جو انہوں نے آپ سے کہا کہ ان کو آپ آگاہ کر دیں کہ ان کی حرمت کو برباد کریں گے، حالانکہ ان کی حرمت حرمت خدا اور رسول ہے اور ان کی ریش مبارک ان کے سر کے خون سے رنگین کریں گے۔ اور یہ کہہ کر حضرت امیر نے فرمایا کہ جب میں نے یہ کلمے جبرئیل سے سنے تو میں بیہوش ہو گیا اور منہ کے بل گر پڑا اور کہنے لگا کہ ہاں یا رسول اللہ! میں نے اسے قبول کیا اور میں راضی ہوا گو وہ میری حرمت کی ہتک کریں اور آپ کی سنت کو معطل۔ اور خدا کی کتاب کو پارہ پارہ اور کعبہ کو خراب اور میری داڑھی سر کے خون سے رنگین کریں، ہر حال میں صبر کروں گا اور اس کے جزا کی امید سوائے پروردگار کے کسی سے نہ رکھوں گا جب تک کہ مظلوم اس کے پاس آؤں۔ پھر حضرت رسول خدا نے فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان کو بھی آگاہ کیا جس طرح پر کہ حضرت امیر کو کیا تھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اس کے بعد اس وصیت نامے پر بہشت کی مہروں سے مہر کی جن کو آگ نے نہ چھوا تھا اور پھر وہ مہر شدہ نامہ حضرت امیر کے سپرد کر دیا۔ حضرت امام موسیٰ بن جعفر جب یہاں تک فرما چکے تو راوی نے پوچھا کہ آیا اس وصیت میں یہ بھی لکھا تھا کہ منافقین خلافت کو غصب کریں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں قسم خدا کی جو کچھ انہوں نے کیا سب اس میں لکھا تھا کیا تم نے نہیں سنا خدا کا یہ کلام ﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ۚ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ

مُّبِيْنٍ﴾ (سورۂ یٰس : ۱۲) ❶ پھر رسول خدا ﷺ نے کہا کہ اے علی و فاطمہ! تم سمجھے جو میں نے تم سے کہا اور اسے قبول کیا اور اس پر عمل کرو گے ان دونوں نے کہا ((بلی و صبرنا علی ما ساء نا و غاضنا))...... کہ ہاں ہم نے قبول کیا اور صبر کریں گے جو کریں گے جو کچھ کہ ہم کو ایذا پہنچے گی اور جو رنج دیا جائے گا۔

ہم اس جواب کو تسلیم کر لیتے اگر ہم کو اس کے خلاف کوئی عمل حضرت امیر المومنین اور جناب سیدہ کا معلوم نہ ہوتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو حضرات امامیہ نے جناب امیر کو صبر و سکوت اور تحمل و برداشت کے درجے کو اعلیٰ درجے پر پہنچانے کے لیے خدا کا تحریری اور مہری وصیت نامہ پیش کیا۔ اور اس سے گویا ان تمام جاہلانہ اعتراضات کے جواب دے دیے جو سنی ناصبی اپنی بے وقوفی اور جہالت سے کر سکتے تھے کہ حضرت امیر نے باوجود شجاعت اور عصبیت کے ایسے مظالم کو کیوں جائز رکھا، اور بضعۂ رسول پر ایسی تکلیفیں دیکھ کر کیوں سکوت اختیار کیا۔ اور دوسری طرف بعض مواقع پر وہ روایتیں بیان کی ہیں جن سے گو شیر خدا کی حیدری صولت اور غضنفری سطوت اچھی طرح ثابت ہوتی ہے، مگر خدا کا مہری اور دستخطی وصیت نامہ باطل ہوا جاتا ہے اور مثل دیگر روایات کے اس قسم کی روایتوں کا تناقض دیکھنے والے کو خلجان میں ڈالتا ہے۔

چنانچہ منجملہ ان روایات کے ایک یہ ہے کہ جب فدک ❷ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کارندے کو موقوف کر دیا اور اس کی جگہ اشجع کو مقرر کیا اس شخص نے رعایا کو ستایا اور وہ حضرت امیر کے پاس فریادی آئے تو حضرت امیر کو ایسا غصہ آیا کہ چند عزیزوں اور ہمراہیوں کے وہاں گئے اور اس کو بلا کر قتل کرا دیا اور خالد بن ولید سے اسی موقع پر ایسی گفتگو کی کہ ان کے بدن پر لرزہ آ گیا اور انہوں نے منت سماجت کر کے پیچھا چھڑایا۔

---

❶ ہم ہیں جو جلاتے ہیں مردے اور لکھتے ہیں جو آگے بھیجا اور ان کے پیچھے نشان رہے اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل ہیں۔

❷ یہ روایت بحث دعویٰ فدک میں نقل کی گئی ہے وہاں دیکھیں۔

اس موقع پر آپ نے خلیفۂ وقت کا خیال کیا نہ خالد سے جنگ ہونے کا اندیشہ فرمایا، بلکہ اپنا ہاشمی دبدبہ اور قریشی جوش اور حیدری سطوت اور اسد اللّٰہی ہیبت ایسی دکھائی کہ نہ صرف خالد بلکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ بھی دم بخود ہو گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جب علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں مشغول ہوں تم ان کو قتل کر دینا، مگر عین نماز میں سلام پھیرنے سے قبل، ابوبکر نے کچھ سوچ سمجھ کر خالد کو منع کر دیا اور دوسرے موقع پر اس کام کو محول رکھا اور جب علی رضی اللہ عنہ سلام سے فارغ ہوئے تو علی رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا تم اس کام کو پورا کرتے جو تم سے کہا گیا ہے۔ انہوں نے کہا بلاشک اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں انگلیوں سے ایسا دبایا کہ قریب تھا ان کی آنکھیں نکل پڑیں مگر لوگوں کی شفاعت سے آپ نے انہیں چھوڑ دیا، لیکن خالد ایک دوسرا موقع ڈھونڈتے اور چاہتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ اگر اتفاقاً کہیں مل جائیں تو انہیں قتل کر دیں اور آخر انہیں ایسا موقع ملا مگر شیر خدا نے خالد رضی اللہ عنہ کی جس طور پر خبر لی اور جس طرح ان کو اپنے ارادے کی سزا دی وہ ''بحارالانوار'' اور ''ارشاد القلوب'' میں منقول ہے، چونکہ بغیر کل قصے کے نقل کرنے کے ناظرین اس کا لطف نہیں اٹھا سکتے اس لیے ہم اسے بجنسہ نقل کرتے ہیں۔

ملا باقر مجلسی کتاب الفتن میں لکھتے ہیں کہ'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر خالد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کہیں کو روانہ کیا۔ سب لوگ نکل کر مدینے سے باہر آ گئے، خالد مسلح تھے اور ان کے آس پاس شجاع لوگ تھے، جن کو حکم دیا تھا کہ جو خالد کہیں وہ کریں، اتنے میں خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اپنی زمین مزروعہ پر سے تنہا بے ہتھیار آ رہے ہیں، جب قریب پہنچے تو اس وقت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک لوہے کا گرز تھا انہوں نے گرز اٹھا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر مارنا چاہا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ سے چھین کر خالد بن ولید کی گردن میں لپیٹ دیا اور ہار کر طرح پہنا دیا۔ تب خالد ابوبکر کے پاس لوٹ کر آئے لوگوں نے ہر چند اس کے توڑنے کے ذریعے پیدا کیے لیکن یہ ٹوٹ نہ سکا، اس کے بعد بہت سے لوہاروں کو بلایا ان

سب نے کہا کہ بغیر آگ میں گلانے کے اس کا نکلنا ممکن نہیں ہے اور اس سے ان کے مر جانے کا اندیشہ ہے۔ جب لوگوں نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اس سے نجات دے سکتے ہیں۔ جیسے انہوں نے ان کی گردن میں اس کو ڈال دیا ہے اور خدا نے تو ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے نرم کر دیا تھا۔ تب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سفارش کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے پکڑ کر گرز کا ایک ایک ٹکڑا الگ کر دیا۔'' (1)

ارشاد القلوب میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے زمانۂ خلافت میں بیٹھے ہوئے تھے اور دن خوب چڑھ گیا تھا کہ اچانک خالد بن ولید مخزومی ایک ایسے لشکر کے ساتھ آئے جس کا غبار بلند تھا اور اس لشکر کے گھوڑے بکثرت ہنہنا رہے تھے کہ ایک چکی کا پاٹ خالد کی گردن میں لپٹا ہوا ہے خالد رضی اللہ عنہ سامنے آتے ہی اپنے گھوڑے سے اتر کر مسجد کے اندر آ گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کھڑے ہوئے، لوگوں نے اپنی آنکھیں ان کی طرف بلند کیں کہ اس کے دیکھنے سے خوب خوف معلوم ہوا۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو قحافہ کے بیٹے! انصاف کر اس لیے خدا نے تجھ کو ایسی جگہ بٹھایا ہے جس کے تو لائق نہیں ہے اس جگہ پر تو اسی طرح بلند ہوا ہے جیسے پانی پر مچھلی ابھر آتی ہے وہ تب ہی ابھرتی ہے کہ جب اس میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے طائف سے اپنے لوٹنے کی کیفیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ملنے کی کیفیت کے بعد یہ بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ میرے حلقوں پر مارا اور مجھے گھوڑے سے نیچے اتار لیا اور مجھ کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور حارث بن کلاہ ثقفی کی چکی منگائی اور اس کا موٹا سا پاٹ اٹھایا اور میری گردن کھینچ کر دونوں ہاتھوں سے اس پاٹ کو گردن میں لپیٹ دیا اور وہ ایسا لپٹتا جاتا تھا جیسے گرم کی ہوئی لاکھ، اور سب میرے ہمراہی کھڑے ہوئے تھے ان سے کچھ نہ ہو سکا۔ خدا ان کو سزا دے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا دیکھتے تھے جیسے اپنے

(1) بحارالانوار صفحہ ۹۶، کتاب الخرائج والجرائح مطبوعہ ممبئ صفحہ ۱۲۳، از قطب الدین راوندی۔

ملک الموت کو۔ اس کی قسم جس نے آسمانوں کو بغیر تھونیوں کے بلند کیا کہ قریب سو آدمیوں کے بلکہ زیادہ نہایت مضبوط عرب لوگ اس پاٹ کے علیحدہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے لیکن ان سے وہ جدا نہ ہو سکا۔ تب لوگوں کے عاجز ہونے سے معلوم ہوا کہ اس نے جادو کیا ہے یا اس میں فرشتے کی قوت ہے۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پھر قیس بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اس چکی کے پاٹ جدا کرنے کے لیے بلایا مگر قیس سے بھی جدا نہ ہو سکا اور خالد رضی اللہ عنہ اسی حالت سے کہ پاٹ ان کی گردن میں پڑا ہوا تھا مدتوں تک مدینے میں پھرتے رہے چند روز کے بعد پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی سفر سے آئے ہیں اور ان کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہے اور چہرہ سرخ ہے۔ یہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن سراقہ باہلی کو اور اشوش بن اشجع ثقفی کو بھیجا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس مسجد میں بلا لاؤ۔ وہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور پیام دیا کہ ابو بکر تم کو ایک خاص امر کے لیے بلاتے ہیں جس کے سبب سے ان کو رنج ہے، وہ چاہتے ہیں کہ آپ مسجد نبوی میں ان کے پاس چلیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اس کا کچھ جواب نہیں دیتے جس کے لیے ہم آئے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارا برا طریقہ ہے، مسافر پہلے اپنے مکان کو جاتا ہے پھر کسی سے ملتا ملاتا ہے۔ بہر حال وہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے لوٹ آئے اور پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے، ان میں خالد بن ولید بھی تھے۔ ان کو دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو سلیمان! تمہاری گردن میں کیا عمدہ ہار ہے۔ اور پھر ان دونوں میں دیر تک کدورت آمیز گفتگو ہوتی رہی۔ تب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اس لیے نہیں آئے ہیں۔ ہم تم سے کہتے ہیں کہ خالد کی گردن میں سے اس لوہے کو کھول دو اس کے بوجھ سے ان کو تکلیف ہے اور ان کے حلق پر اس کا اثر ہو گیا ہے اور تم نے تو اپنے سینے کی سوزش بجھا لی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں سینے کی سوزش بجھانا چاہتا تو تلوار میں بیماری کا پورا علاج تھا اور یہ لوہا جو اس کی گردن میں ہے اس کو جدا نہیں کر سکتا اس کو خالد خود جدا کر لیں یا تم لوگ اس کو جدا کر لو۔

بہر حال بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہما اور عامر بن اشجع اور عمارہ رضی اللہ عنہما وغیرہ نے التجائیں کیں، لیکن کسی کا کہنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور آخر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کے واسطے اور اپنے بھائی مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے خالد پر رحم کر کے یہ لوہا علیحدہ کر دو۔ جب اس طرح پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ شرمندہ ہو گئے، کیونکہ ان میں حیا بہت تھی، تب خالد کو اپنی طرف کھینچا اور اس طوق کا ٹکڑا توڑ کر اپنے ہاتھ پر لپیٹتے جاتے تھے وہ موم کی طرح لپٹتا جاتا تھا، پہلے ٹکڑے کو انہوں نے خالد کے سر پر مارا اور پھر دوسرے کو جب ان کے سر پر مارا تو خالد نے کہا یا امیر المومنین، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو نے اس لفظ کو ناخوشی سے کہا ہے، اگر تو اس کو نہ کہتا تو میں تیسرے ٹکڑے کو تیرے نیچے سے نکالتا اور وہ ایسے ہی لوہے کو برابر توڑتے رہے یہاں تک کہ سب کو کھول دیا۔ سب حاضرین تکبیر اور تہلیل کرنے لگے اور ان کی قوت سے سب کو تعجب ہوا۔

ایک اور موقع پر غالب علیٰ کل غالب، مطلوب کل طالب، امیر البررۃ، قاتل الکفرۃ، شیر خدا، علی المرتضیٰ نے وصیت کے خلاف اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی حمایت میں اپنی ہاشمی قوت اور قریشی دبدبہ دکھایا اور تلوار لے کر قتل و جہاد پر مستعد ہو گئے اور یہ وہ موقع ہے جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کا پرنالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکلوا دیا [1] اس لیے کہ جب وہ جمعہ کی نماز کو

---

[1] یہ روایت عماد الاسلام میں اس طور پر لکھی ہے: فلما كان بعد ايام دخل عليه الباس فقال يارسول الله قد علمت ما بينى و بينك من القرابة والراخم الماسة وانا ممن يدين الله بطاعتك فاسأل الله تعالىٰ ان جعل لى بابا الى المسجد اشرف به على من سواى فقال صلی اللہ علیہ وسلم يا عم ليس لى الىٰ ذالك سبيل قال فميز ابا يكون من دارى الى المسجد اشرف به الى القريب والبعيد فسكت النبى صلی اللہ علیہ وسلم وكان كثير الحياء لا يذرى ما يعيد من الجواب خوف من اللّٰح تعالىٰ وحياء من عمه فحبط جبريل فى اطال على النبىؐ و قد علم الله نبيه ما فى نفسه من ذالك فقال يا محمد ان الله يامرك ان تجيب سوال عمك و امرك ان تنصب له ميزاباً الى المسجد كما اراد فقد علمت مافى نفسك و قداجبت الىٰ ذالك كرامة لك و نعمة منى عليك و علىٰ عمك العباس فكبر النبى صلی اللہ علیہ وسلم و قال ابى الله الا كرا متكم يا بنى هاشم و تفضلكم علىٰ الخلق اجمعين ثم قام و معه جماعة من الصحابة و العباس بين يديه حتىٰ صار علىٰ سطح بيت العباس فنصب له ميزاباً الى المسجد وقال معاشر المسلمين ان الله قد شرف عمى العباس بهذا ⇦⇦⇦

جایا کرتے تو اس پرنالے کے پانی سے ان کے کپڑے خراب ہو جاتے حالانکہ یہ پرنالہ بحکم خدا خاص آنحضرت ﷺ نے لگا دیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ عمر نے اس پرنالے کو اکھڑوایا ہے اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی پھر اسے لگائے گا تو میں اس کی گردن ماردوں گا۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ پر تکیہ کیے ہوئے بیماری کی حالت

⇦⇦⇦المیزاب فلا توذوننی فی عمی فانه بقیة الا باء والا جداد فلعن الله من آذانی فی عمی اوبخسه حقه اوعان علیه و لم یزل المیزاب علیٰ مدة ایام النبی ﷺ و خلافة ابی بکر و ثلاث سنین من خلافة عمر بن الخطاب فلما کان فی بعض الایام و عمك العباس و مرض مرضاً شدیداً وصعدت الجاریة تغسل قمیصه فجر الماء من المیزاب الی صحن المسجد فا نال بعض الماء ثوبه مرقعته الرجل فغضب غضباً شدیداً وقال لغلامه اصعد واقلع المیزاب فصعد الغلام فقلعه ورمی به الی سطح العباس و قال والله لئن رده احدالی مکانه لاضر بن عنقه فشق ذالك علی العباس ودعی بولدیه عبدالله و عبیدالله و نهض یمشی متوکیا علیهما و هو یرتعد من شدة المرض و سارحتی دخل علی امیر المومنین فلما نظر الیه امیر المومنین انزبح لذالك و قال یا عم ما جاء بك و انت علی هذه الحالة فقص علیه القصة و ما فعل معه عمر من قلع المیزاب و تهدده لمن یعیده الی مکانه و قال له یا بن اخی انه قد کان لی عینان انظر بهما فمضت احد یهما وهی رسول الله ﷺ و بقیت الاخری وهی انت یا علی وما انی اظن اظلم ویزول ماشر فنی به رسول الله ﷺ و انت لی فانظر فی امری فقال له یا عم ارجع الی بیتك فتری ما یسرك الله ان شاالله تعالیٰ ثم نادی یا قنبر علی بذی الفقار فتقلده ثم خرج الی المسجد و الناس حوله و قال یاقنبر اصعد ورد المیزاب الی مکانه فصعد قنبر فرده الی موضعه و قال علی و حق صاحب هذا القبر و المنبر لئن قلعه قالع لاضر بن عنقه و عنق الامرله بذالك و اصلبته فی الشمس حتی ینفذا وافبلغ ذلك عمر بن الخطاب فنهض و دخل المسجد و نظر الی المیزاب و هو فی موضعه فقال لا یغضب احد ابا الحسن فیما فعله و تکفرعنه عن الیمین فلما کان من الغداة مضی علی بن ابی طالب الی عمه العباس فقال له کیف اصبحت یا عم قال بافضل النعمة ماد مت لی یا ابن اخی فقال له یاعم طب نفسك و قرعیناً فو الله لو خاصمنی اهل الارض فی المیزاب لخصمتهم ثم لقتلتهم بحول الله وقوته ولاینا لك ضم و غم فقال العباس فقبل بین یمینه و قال یا ابن اخی ما خاب من انت ناصره فکان هذا فعل عمر بالعباس عم رسول الله ﷺ و قد قال فی غیر موطن وصیة منه فی عمه ان عمی العباس بقیة الاباء والا جدا دفا حفظونی فیه کل فی کنفی و انا فی کنف عمی العباس فمن آذاه فقد آذانی و من عاداه فقد عادانی فسلمه سلمی وحربه حربی وقد آذاه عمر فی ثلاث مواطن ظاهرة غیر خفیة منها قصة المیزاب ولولا خوفه من علی علیه السلام لم یترکه علیٰ حاله۔ انتهی بلفظه، ازالة الغین۔

میں لرزتے کانپتے حضرت امیر کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں دو آنکھیں رکھتا تھا، ایک تو جاتی رہی، یعنی پیغمبرؐ اور دوسری باقی ہے، یعنی تم۔ اور میں نہیں گمان کرتا کہ تمہاری زندگی میں، میں مصیبت میں پڑوں۔ جناب امیر نے فرمایا کہ آپ آرام سے گھر میں تشریف رکھئے اور دیکھتے رہیے کہ کیا ہوتا ہے، یہ کہہ کر آپ نے قنبر کو حکم دیا کہ اے قنبر! ذوالفقار حاضر کرو، اور آپ ذوالفقار حمائل فرما کر اور چند آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر مسجد میں تشریف لائے اور قنبر کو حکم دیا کہ اے قنبر چڑھ جاؤ اور میزاب (پرنالے) کو اپنی جگہ پر لگا دو، قنبر نے ایسا ہی کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم کھاتا ہوں صاحب قبر و منبر، یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اگر کسی نے اس پرنالے کو پھر اپنی جگہ سے نکالا تو میں اس کی اور حکم دینے والے کی گردن مار دوں گا اور جلتی ہوئی دھوپ میں صلیب پر چڑھا دوں گا۔ یہ خبر عمر کو پہنچی وہ مسجد میں آئے اور دیکھا کہ میزاب پھر اپنی جگہ پر لگا ہوا ہے مگر دیکھ کر کچھ نہ کر سکے اور ڈر کے مارے صرف یہ کہنے لگے کہ خدا نہ کرے کہ کوئی ابوالحسن کو غصہ میں لائے۔ صبح کے وقت امیر المومنین نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آج کیسی گزری؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک تم زندہ ہو میں چین و آرام سے ہوں۔ اس پر جناب امیر نے فرمایا کہ اے چچا، قسم ہے خدا کی! اگر تمام اہل زمین اس میزاب کے معاملے میں مجھ سے جھگڑا کریں تو میں سب کا مقابلہ کروں اور سب کو ماروں۔ آپ بے فکر رہیے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ جس کے تم مددگار ہو اسے کیا غم ہے۔

ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے و مقاتلے کے لیے آمادہ ہونا بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا [1] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] یہ مضمون ناسخ التواریخ جلد ۱۴ حالات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مطبوعہ بمبئی کے صفحہ ۱۴۱ میں اس طرح پر لکھا ہے:
بامداداں ابو بکر و عمرو گرو ھے از مہاجر و انصار بردر سرائے علی حاضر شدند تابر فاطمہ نماز گزارند مقداد بن اسود گفت فاطمہ رادوش با خاك سپرد ند عمر روئے بابوبکر آورد الم اقل لك انهم سیفعلون ذالك گفت نگفتم چنیں خواهند کرد عباس گفت فاطمہ وصیت کرد که شما بروے نماز نه گزارید **فقال عمر** لاتتر کون یابنی ھاشم حسد کم القدیم لنا ابداً ان ھذہ الضغائن التی فی ⇦⇦⇦

نے رات ہی میں آپ کو دفن کر دیا۔ اس کی صبح کو ابو بکر وعمر اور کچھ مہاجرین و انصار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے تا کہ جنازہ کی نماز پڑھیں، مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فاطمہ کو کل رات ہی دفن کر دیا۔ عمر نے ابوبکر کی طرف منہ کر کے کہا کہ ((الم اقل لك انهم سيفعلون ذالك)) کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ یہ ایسا ہی کریں گے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت یہی تھی کہ تم ان پر نماز نہ پڑھو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے

⇦⇦صدور کم لن تذهب والله لقد همت ان ابنشها فاصلی علیها فقال علی والله لورمت ذالك یابن صهاك لارجعت الیك یمینك لئن سللت سیفی لاغمده دون از هاق نفسك، عمر گفت اے بنی هاشم ایں حقد حسد دیرینه که از مادر خاطر دارید هرگز ترك نخواهید کردوایں کبد و کینه که در سینه نهفته دارید هیچ گاه بیروں نخواهید گذاشت سوگند باخدائے اگر بخواهم اوراازقبر برآرام و بروے نماز گزارم، علی گفت اے پسر ضهاك سوگند باخدائے اگر ایں قصد کنی دست راست تو باتو بازنه گردد چه اگر شمشیر برانگیزم تا خون تو نریزم جائے در غلاف ندهم عمر دانست که علی سوگند خویش راراست کنددم فروبست۔ در خبراست که مهاجر و انصار در بقیع غرقد انجمن شدندوچهل قبر یافتند که همگان همانند بودند و قبر فاطمه شناخته نمی شداز مردماں ناله و نحیب بر آمدویك دیگر را مورد ملامت ساختند و بسرزنش و شناعت گرفتند و گفتند پیغمبر شما جز دخترے مخلف نگذاشت واوبمرد ومدفون گشت و حاضر نشدید و نماز بروے نگذاشتید و قبر اور انشنا ختیدچه بے حمیت مردم که شمائید بعضے از بزرگان قوم گفتند زنان مسلمین حاضر ندایں قبور رابنش می کنند چند که فاطمه رادریا بند انگاه بروے نمازمی کنیم و دیگر باوبخاك سپاریم و قبراوشناخته میگردداین خبر با امیر المومنین بردند آنحضرت چوں شیر خشمناك از خانه بیروں شدچشمهائے مبارکش گونه طیر خوں دهاشت در گهائے ودرجشن و آگنده از خون بودو جامه اصغر که خاص روز مقاتله و یوم کریه بوددر برداشت با حمائل ذوالفقار طی طریق می فرمودند تادر بقیغ در آمد مردماں یك دیگر راهمی آنها نمودند که اینك علی بن ابی طالب ست که بایں صفت می نگرید درمی رسد و سوگند یادمی کند که اگر کسے ایں قبورسنگی راجنبش می دهدایں جماعت راتا برآخر باتیغ درمی گزرانم ایں وقت عمر با گروهے آنحضرت راد یدار کرد **وقال له مالك یا ابالحسن والله انبش قبر هاونصلین علیها، فضرب علی بیده الی جوامع ثوبه فهزه ثم ضرب به الارض وقال له یابن اسودا ماحقی فقد ترکته مخافت ان یرتد الناس عن دینهم داما قبر فاطمه فوالذی نفس علی بیده لئن رمت و اصحابك بشئی من ذالك لاسقینا الارض من دماء کم فان شئت فاعرض یا عمر فتلقاه ابوبکر فقال یا ابالحسن بحق رسول الله و بحق من فوق العرش الاخلبت عنه فانا غیر فاعلین شیئا تکرهه۔**

بنی ہاشم! اپنے پرانے کینے تم نہیں چھوڑتے قسم خدا کی اگر ہم چاہیں تو قبر سے نکال کر فاطمہ رضی اللہ عنہا پر نماز پڑھیں یہ سن کر اسد اللہ غضب میں آئے اور فرمانے لگے کہ اے پسر ضحاک، قسم ہے خدا کی! اگر تم ایسا ارادہ کرو تو پھر تم اپنے آپ کو نہ پاؤ اس لیے کہ اگر میں تلوار نکالوں تو جب تک تمہارا خون نہ بہالوں پھر اسے میان میں نہ کروں۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ سمجھ کر کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی قسم ضرور پوری کریں گے چپ ہو گئے اور کچھ نہ بولے۔ اور اسی خبر کو دوسرے طور پر یوں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر دیا تو مہاجرین و انصار بقیع میں گئے وہاں چالیس قبریں ایک قسم کی پائیں اور ان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر پہچانی نہ جاتی تھی۔ اس میں بعض کہنے لگے کہ ہم ان سب قبروں کو کھود کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نعش باہر نکالیں گے اور نماز پڑھیں گے۔ جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ مثل شیر خشم ناک گھر میں سے آئے، آپ کی آنکھیں غصے سے سرخ تھیں اور گردن کی رگوں پر خون۔ اور وہ زرد جامہ کہ خاص لڑائی کے دن آپ پہنا کرتے تھے، پہنے ہوئے اور ذوالفقار حمائل کیے ہوئے بقیع میں تشریف لائے۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھتے ہو کس جوش اور کس حالت سے علی آرہے ہیں اور قسم کھالی ہے کہ اگر کسی نے ایک پتھر بھی قبر سے اٹھایا تو تمام جماعت کو از اول تا آخر قتل کر دوں گا۔ پھر جب عمر رضی اللہ عنہ مع اور لوگوں کے آپ کے سامنے آئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا ابوالحسن! آپ کو کیا ہو گیا ہے، ہم تو فاطمہ کو قبر سے نکال کر جنازہ کی نماز ضرور پڑھیں گے۔ آپ نے یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کے کپڑے پکڑ کر ان کو ایسی جنبش دی کہ وہ زمین پر گر پڑے اور زمین پر گرا کر آپ نے کہا کہ اے سیاہ لونڈی کے بچے! خلافت جو میرا حق تھا تم نے لے لیا اور میں کچھ نہ بولا اس خیال سے کہ لوگ مرتد ہو جائیں گے اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، لیکن قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں علی کی جان ہے! اگر تم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کھودنے کا ارادہ کیا تو زمین کو تم لوگوں کے خون سے سیراب کر دوں گا۔ اب اگر چاہتے ہو تو آگے بڑھو اور قبر کو ہاتھ لگاؤ۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپ کو قسم دلائی کہ اے ابوالحسن! آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور عرش کے پیدا کرنے والے کی قسم ہے عمر کو

چھوڑ دیجئے، ہم کوئی کام ایسا نہ کریں گے جو آپ کو ناگوار خاطر ہو۔ اس پر جناب امیر نے ان کو چھوڑ دیا اور لوگ چلے گئے اور علی اپنے گھر کو تشریف لے آئے۔

یہ روایتیں اگرچہ جناب امیر المومنین کی شجاعت و ہمت اور غیرت وحمیت اور اسد اللّٰہی کی شان کے مطابق ہیں اور اس سے آپ کا سطوت وجلال بلاشبہ ثابت ہوتا ہے لیکن اسی کے ساتھ خدا کا بھیجا ہوا وصیت نامہ هَبَاءً مَّنْثُورًا ہوا ہوجاتا ہے اور وہ اقرار اور عہد جو جناب امیر نے رسول خدا سے کیا تھا اور جس پر جبرئیل و میکائیل اور ملائکہ مقربین کی گواہی ہوئی تھی کہ میں صبر کروں گا اگرچہ میری حرمت کو ہتک کریں، اور میرا ننگ و ناموس برباد ہو، اور خانہ کعبہ خراب کیا جائے، باطل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ گوان مواقع پر جہاں عقلاً وشرعاً غیظ و غضب ظاہر کرنے کی ضرورت تھی آپ نے ایسا تحمل فرمایا جو انسانی طاقت سے باہر ہے مگر دوسرے موقعوں پر جو بمقابل اس کے نہایت ہی خفیف تھے آپ نے ایسی اسد اللّٰہی دکھائی کہ زمین و آسمان پرلرزہ پڑ گیا اور تمام مہاجرین و انصار کانپ اٹھے اور فقط غیظ وغضب کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ بعض موقعے پر ذوالفقار کے جوہر دکھانے اور خون بہانے سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔

یہ مختلف حالتیں جناب امیر کی جو مختلف روایتوں سے شیعوں کی پائی جاتی ہیں، ہماری انسانی سمجھ سے باہر ہیں۔ درحقیقت یہ ان اسرار امامت سے ہیں جن کو نہ فرشتے سمجھ سکے نہ انبیاء اولوالعزم، پھر دوسرے لوگ کیونکر سمجھ سکتے ہیں۔ ہم اگر کچھ سمجھ سکتے ہیں تو صرف یہ کہ یہ روایتیں محض بے بنیاد ہیں اور ہر موقع اور ہر محل کے مناسب بنائی گئی ہیں اور الف لیلیٰ کی کہانیوں اور امیر حمزہ کی داستانوں سے کچھ کم نہیں ہیں اور اگر عقل کو ذرا بھی دخل دیا جائے تو خدا اور اس کے رسول اور ائمہ کی شان سے یہ تمام باتیں نہایت بعید معلوم ہوتی ہیں اور ہرگز قیاس میں نہیں آتا کہ جس خدا نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ رسالت کے لیے مامور فرمایا ہو اور جس نے صیانت اسلام اور حفاظت مسلمین کے لیے سیف و سنان سے کام لینے کا حکم دیا ہو وہ خلیفہ بلافصل اور وصی رسول اور ابوالائمہ اور اسد اللہ کو تاکید پر تاکید کرے کہ خلفاء کی مخالفت

نہ کرنا اور وہ کیسے ہی ظلم وستم کریں یہاں تک کہ اہل بیت نبوی کے ناموس برباد کریں، خانہ کعبہ کو ڈھا دیں، قرآن کو پارہ پارہ کریں مگر چوں نہ کرنا۔ اول تو اسلام کے اصول اور خدا کی عام ہدایتوں اور رسول خدا کے طرز عمل اور امامت کے مقصود سے اس وصیت کو کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی، بلکہ یہ وصیت سراسر اس کے مخالف پائی جاتی ہے۔ اور بالفرض یہ وصیت صحیح ہو اور جس شان سے اور جس اہتمام سے وصیت نامہ بھیجا گیا کہ جبرئیل علیہ السلام پر بھی خدا نے اطمینان نہ کیا شاید یہ خیال ہو کہ وہ کچھ بدل نہ دیں لکھا یا عرش سے نازل کیا اور اس لیے کہ کوئی کھول نہ لے اور قرآن کی طرح اس میں تحریف نہ کر دے، اس پر مہریں بھی جنت کی لگائی گئیں اور ملائکہ مقربین حفاظت کے لیے اس کے ساتھ کیے گئے اور پیش کرنے کے وقت سوائے وصئ رسول کے تمام لوگ خواہ وہ اہل بیت ہی میں سے ہوں ہٹا دیے گئے اور بجز علی رضی اللہ عنہ کے کوئی حاضر نہ رکھا گیا، اور پھر اس کی تمہید ایسے لفظوں سے جبرئیل امین نے شروع کی کہ رسول خدا کانپ اٹھے اور ایک ایک جوڑ آپ کے بدن کا ہلنے لگا اور پھر جب علی مرتضیٰ وصیٔ رسول اور شیر خدا نے اسے سنا تو مارے دہشت اور خوف کے زمین پر گر پڑے اور بیہوش ہو گئے۔ اور خداوند تعالیٰ کو اس وصیت نامے کی شدت اور سختی اور غیر ممکن التعمیل ہونے پر خود اس قدر خیال تھا کہ فقط رسول خدا کا کہہ دینا اور جناب امیر کا اقرار کر لینا کافی نہ سمجھا بلکہ جبرئیل و میکائیل اور ملائکہ مقربین کی اس پر شہادت لی اور بغیر شہادت لیے اس اقرار کے وفا کرنے کے عہد کو کافی نہ خیال کیا جبکہ ایسے اہتمام سے اس وصیت نامہ پر عہد لیا گیا، اس کی تعمیل غصب فدک اور غصب خلافت پر محدود رہی اور دیگر مواقع پر اس کا کچھ خیال نہ رکھا گیا نہ وہ عہد پورا کیا گیا۔ یہ عہد تو ایسا سخت تھا کہ غصہ کرنے کی بھی اجازت نہ تھی اور بڑے سے بڑے واقعات پر چون و چرا کرنے کی ممانعت تھی، مگر کس آسانی سے اس کے خلاف کرنا اور اس عہد کا توڑنا بیان کیا جاتا ہے، خفیف سے خفیف معاملات پر نہ صرف اظہار غیظ وغضب پر جناب امیر نے کفایت فرمائی بلکہ ذوالفقار علی سے بھی کام لیا اور کام لینے کا ڈر دکھایا اور ان عہود و مواثیق کا جن پر ملائکہ عرش بریں کی شہادت تھی کچھ خیال نہ کیا۔

افسوس ہے کہ اس قسم کی روایتیں بیان کرنے اور ہر موقع کے لیے ایک روایت گھڑ لینے سے بجز مذہب کی ہنسی کرانے اور خدا اور رسول پر تہمت لگانے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور ان روایتوں کا تناقض اور اختلاف ان کا کذب اس طرح پر ظاہر کر دیتا ہے کہ دوسرے کو اس کی تردید اور تکذیب کی وجہ پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پھر یہ بات بھی خیال میں نہیں آتی کہ اس وصیت نامے کا مضمون کلاً یا جزءاً کیسے ظاہر ہوا اور کس طرح راویوں کو معلوم ہوا کہ اس مہری اور دستخطی وصیت نامہ کا یہ مضمون تھا جو اوپر بیان کیا گیا۔ اس کے مضمون کا افشاء کرنا بدعہدی تھا اور اس لیے یہ نہیں مانا جا سکتا کہ ائمہ نے کسی سے اس کا ذکر کیا ہو۔ اس لیے کہ جیسا کہ روایت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا یہ وصیت نامہ ایک رازِ سر بستہ تھی اور اس کے پوشیدہ رکھنے اور کسی پر ظاہر نہ ہونے کے لیے خدا کی طرف سے خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ اول یہ کہ وہ لکھا ہوا تھا اور سوائے خدا کے کوئی دوسرا اس کا لکھنے والا نہ تھا، دوسرے سربمہر تھا اور گو جبرئیل امین اور ملائکہ مقربین اسے لائے اور کوئی اندیشہ اس کے مضمون کے ظاہر ہونے کا نہ تھا جس کے لیے مہر کی ضرورت ہوتی مگر مزید احتیاط سے اس پر جنت کی مہر لگائی گئی تھی اور پھر جب جبرئیل امین رسول خدا کے پاس پہنچے تو سب کو ہٹا دیا اور خدا کی طرف سے اول یہی حکم سنایا کہ سوائے علی رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ رہنے پائے، البتہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پس پردہ بیٹھی ہوئی تھیں اور ان سے بھی آخر یہ عہد لیا گیا تھا۔ جب ایسی پوشیدہ کاروائی اس وصیت نامے کے متعلق کی گئی تو اس وصیت نامے کا مضمون کس نے فاش کیا اور حضرات امامیہ تک کیسے پہنچا۔ جناب امیر یا فاطمہ رضی اللہ عنہا یا حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت تو کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا کہ وہ ایسے سرمکتوم اور وصیت مختوم کو کسی پر ظاہر کر دیں۔ اور ان کے بعد یہ وصیت نامہ صرف ائمۂ کرام کے ہاتھ میں رہا، وہ بھی اس کے اخفاء پر ویسے ہی مامور تھے، جیسا کہ جناب امیر۔ پھر امام موسیٰ کاظمؒ یا امام جعفر صادقؒ نے کسی شخص سے گو وہ ان کے شیعیان خالص میں سے ہی کیوں نہ ہو کس طرح ظاہر کیا اور کیونکر ایسی عہد شکنی گوارہ کی۔

غرض کہ یہ روایت ایسی لطیف اور دل کش اور دل خوش کن ہے کہ اس کے جس پہلو کو

دیکھئے عجیب تماشا نظر آتا ہے اور جس بات پر نظر کیجئے تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔

جناب امیر نے جس طرح پر اس وصیت نامے پر عمل کیا اس کا حال تو ناظرین کو معلوم ہو گیا اب سنئے کہ جناب سیدہ نے کہ وہ بھی اس کے عمل کرنے پر مامور تھیں کس طرح تعمیل کی۔اس کا حال یہ ہے کہ کافی میں عبداللہ بن محمد جعفی [1] نے امام باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کی کہ ان دونوں اماموں نے فرمایا: ''جب ہوا جو کچھ ہونے والا تھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عمر کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ اے ابن خطاب، واللہ! اگر مجھ کو یہ پسند نہ ہوتا کہ بے گناہ بھی مصیبت میں پڑ جائیں گے تو میں خوب جانتی ہوں کہ اگر خدا پر قسم کھا بیٹھوں گی تو وہ میری دعا فوراً قبول کرے گا۔'' اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس خیال سے کہ بے گناہ بھی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بددعا نہیں کی۔مگر صبر کے درجے پر بھی قدم ثابت نہیں رکھا، اس لیے کہ غیر محرم کا گریبان پکڑ کر کھینچنا حضرت سیدہؓ کی شان سے نہایت بعید ہے اور اسی وجہ سے ہم اس روایت کو غلط کر سکتے ہیں۔

ایک روایت میں اس سے بڑھ کر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا [2] حسنین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر فریاد کے لیے مرقد مبارک پر پہنچیں۔حضرت امیر نے سلیمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جاؤ دختر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر لو میں دیکھتا ہوں کہ مدینے کی دیواریں ہلنے لگی ہیں اور اگر وہ بالوں کو کھول اور گریبان کو پھاڑ کر رسول کی قبر پر فریاد کریں گی تو فوراً مدینہ معہ اس کے رہنے والوں کے زمین میں دھنس جائے گا اور لوگوں کو بالکل مہلت نہ ملے گی۔پس سلیمان رضی اللہ عنہ فوراً ان کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ حضرت امیر نے فرمایا ہے کہ آپ واپس جائیں اور صبر کریں اور اس امت پر عذاب کا باعث نہ بنیں۔فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر انہوں نے کہا ہے تو اچھا میں لوٹ جاتی ہوں اور صبر کروں گی۔اور ایک دوسری روایت میں حضرت امام جعفر صادقؒ سے یہ

---

[1] اصول کافی صفحہ ۲۱۹ مطبوعہ نولکشور ۱۳۰۲ھ یا ابن خطاب لولانی اکرہ ان یصیب البلاء لاذنب لہ لعلمت انی ساقسم علی اللہ ثم اجدہ سریعۃ الاجابۃ۔

[2] یہ روایت حق الیقین میں ہے جو چاہے اصل سے مقابلہ کرے ضرورت نقل اصل عبارت کی معلوم نہ ہوئی۔

منقول ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بال کھولنے کا ارادہ کیا تو سلمان کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس موجود تھا اور بخدا میں نے دیکھا کہ مسجد کی دیواریں جڑ سے اکھڑ گئیں اور اتنی اونچی ہو گئیں کہ ان کے نیچے سے آدمی گزر سکتا تھا، پس میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ سیدۂ من و خاتونِ من خدا نے تمہارے والد بزرگوار کو جملہ عالم کے لیے رحمت بنایا تھا عذاب کے نزول کا سبب مت بنو۔ اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مسجد کے باہر چلی گئیں اور دیواریں اپنی جگہ پر آ گئیں۔ دیواروں کے بلند ہو جانے اور اپنی جڑ چھوڑ دینے اور پھر اپنی اصلی حالت پر آنے جو خاک اڑی اس کی گرد ہماری ناکوں میں پہنچی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ نے اپنی طرف سے نہ صبر فرمایا اور نہ وصیت کا کچھ ذکر کیا اور نہ اس کی رعایت کی ترحماً للناس یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے سے یا سلمان رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے سے اپنے ارادے سے باز رہیں اور لوگوں کے ہلاک کرنے اور عذاب نازل کرنے کی دعا نہ کی۔ اگر وصیت کی روایت صحیح ہوتی تو جناب سیدہ رضی اللہ عنہا خود ہی صبر فرماتیں اور اس قسم کا ارادہ ہی نہ کرتیں۔ یا وصیت کو یاد کر کے اس ارادے سے باز رہتیں نہ کہ دیگر وجوہ سے۔

علاوہ بریں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو [1] صحابہ رضی اللہ عنہم کا ظلم دیکھ کر صبر کر چکے تھے اور محزون اور مظلوم بیٹھے رہتے تھے، مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے اس سکوت اور خانہ نشینی کو اپنا حق طلب نہ فرمانے کو پسند نہ کرتی تھیں اور اس پر غصہ کیا کرتیں۔ یہاں تک کہ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا امیر المومنین سے اس بات پر رنج

---

[1] چون آنحضرت راد ستیاری و پامردی نبوددل بر صبر نهاد و محزون و مظلوم به نشست یك روز چنان افتاد که فاطمه از تقاعد امیر المومنین ودر طلب حق خویش اظهار زجرتے می فرمود گاه بانگ اذان بالا گرفت و مؤذن گفت **اشهدان محمد ارسول الله فقال لها ایسرك زوال هذا النداء من الارض قالت لاقال فانه لا اقول لك** چون بانگ اذان فرار سید و نام رسول خدا گوش زد فاطمه گشت، علی فرموددوست داری که ایں نام از زبانها مهجور افتد عرض کرد دوست ندارم فرمودمن بیم دارم که چوں دست بشمشیر کنم یکباره مرد ماں مشرك شوند۔ از ناسخ التواریخ صفحه ۵۲ جلد ٤)

کا اظہار کر رہی تھیں کہ یکا یک مؤذن نے اذان دی اور اشھدان محمدا رسول اللّٰہ کی آواز سنائی دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا ایسرك زوال ھذا النداء من الارض قالت لا . قال فانه لااقول لك کہ کیا آپ اس بات کو پسند کرتی ہیں کہ یہ نام زبان پر نہ آئے اور یہ ندا سنائی نہ دے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا نہیں، تب آپ نے فرمایا کہ اسی کا تو مجھے خوف ہے کہ اگر میں اپنے حق کے لیے مقابلہ اور مقاتلہ کروں تو خوف ہے کہ یکبارگی سب آدمی مشرک ہو جائیں۔

سب سے بڑھ کر جو چیز وصیت کی روایت کو باطل کرتی ہے وہ جناب امیر المومنین کا خطبۂ شقشقیہ ہے۔ اور یہ وہ خطبہ ہے جس کو امامیہ قرآن مجید کے برابر سمجھتے ہیں اور اس کی صحت میں شبہ کرنا گویا قرآن مجید میں شبہ کرنا خیال کرتے ہیں، اس میں حضرت امیر فرماتے ہیں کہ ((اما واللہ لقد تقمصها فلان وانه ليعلم ان محلی منها محل القطب من الرحی ينحدر عن السيل ولا يرقى الی الطير فسدلت دونها ثوبا و طويت عنها كشحاو طفقت ان ارتئی بين ان اصول بيد جذاء و اصبر علی طخية عمياء يهرم فيها الكبير و يشيب فيها الصغير ويكدح فيها مومن حتی يلقی ربه فرأيت ان الصبر علی هاتالا حجی فصبرت و فی العين قذی وفی الحلق شجی .))...... جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت لے لی باوجودیکہ وہ خوف جانتے تھے کہ نظام خلافت کا مدار مجھ پر ہے اور تمام علوم اور حکمتیں اور تدبیرات اور تصرفات مجھ سے خلق پر ایسے نازل ہوتے ہیں جس طرح کسی بلند پہاڑ سے پانی گرتا ہو، میرے کمالات کو کوئی نہیں پہنچ سکتا اور اس کی طلب سے ہاتھ کھینچا اور اس کی طرف التفات نہ کیا کیونکہ میں نے اس معاملہ میں خوف فکر کی اور اچھی طرح اس پر غور کیا کہ دو کاموں میں سے مجھے ایک کام کرنا چاہیے یا تو کٹے ہوئے ہاتھ سے حملہ کرنا، یعنی بے معاون و ناصر کے ان سے مقابلہ کرنا یا صبر و شکیبائی اختیار کر کے چپ رہ جانا۔ اور صبر بھی اس تاریکی کی حالت پر جس میں امور خلافت مشتبہ ہو رہے ہوں اور لوگ قعر ضلالت میں مثل

اندھوں کے گر رہے ہوں۔ اور نیز ایسے زمانے تک کہ جس میں جوان بوڑھا اور بچہ جوان ہو جائے اور مومن رنج و مصیبت اٹھاتا رہے یہاں تک کہ اپنے خدا سے ملے۔ ان دورایوں پر جب میں نے غور کیا تو مجھے بھی مناسب معلوم ہوا کہ اس شدت وظلمت میں صبر کرنا قرین عقل ہے۔ اس لیے میں نے صبر کیا اور منازعت اور محاربے کو چھوڑا حالانکہ میری آنکھوں میں خار کھٹکتا تھا اور یہ حالت دیکھ کر میرا عیش منغض ہوتا تھا۔

علامہ فتح اللہ شرح فارسی نہج البلاغہ میں فسدلت دونھا ثوباً اوراس کے بعد کے فقروں کے ترجمہ اور شرح میں لکھتے ہیں:

پس فروگذاشتم نزد آں خلافت جامه صبر راودست از طلب آں بازداشتم ودرنوردیدم ازاں تهی گاه راو بیك جانب شدم یعنی اعراض نمودم ازاں و اصلا التفات بجانب اونکردم ودرایستادم بفکر کردن درامر خود وجولان دادن فکر میان آنکه حمله آرام بدست بریده۔ ایں کنایه ست از عدم معاون و ناصر چه در ملازمت اوبیش ازد و ازده کس نبودند۔ یا صبر نمایم و شکیبائی پیشه کنم برظلمتے که متصف بصفت کوری ست۔ وایں کنایه ست از شدت التباس درا مور خلافت که خلق بآں مهتدی نمیشوند بحق وابواسطه آں دروادی ضلالت می افتند مثل کوری که بآں راه نبرندو در چاه هلاکت افتند وآں چناں ظلمتے که به نهایت پیری میر سد درآں بزرگ سال و بحال پیری میر سد درآں خورد سال بسبب عدم انتظام امور معاش و تعب ورنج میکشند درآں مومن بجهت سعی و اجتهاد در حصول حق ودفع فساد نمیر سد بآں تابرسد به پروردگار خود وچوں حال بریں

منوال بود پس دیدم که صبر کردن دریں شدت ظلمت اقرب ست بعقل واولی والیق ست بآں بسبب انتظام اسلام بواسطه عدم معاون و کثرت معاند پس صبر کردم و ترك منازعت و محاربه نمودم در حالتے که در چشم من خاشاك بود و غبارازاں ایذامی یافتم و متاذی می شدم ودرگلوا ستخواں گرفته بود که ازاں منغض بود عیش من ایں هر دو فقره کنایت انداز شدت غصه و غم و مرارت صبر و الم. ......انتهی بلفظه.

''خلافت اول میں میں نے جامہ صبر پہن لیا اور مطالبہ سے ہاتھ کھینچ لیا اور ادھر التفات نہ کر کے ایک جانب ہو بیٹھا اور ادھر سے اعراض کر کے اس جانب بالکل توجہ نہ دی اور غور وخوض کیا کہ کٹے ہوئے ہاتھ سے حملہ کیا جائے جبکہ میرا کوئی ہمدرد و مددگار نہیں ہے اور اس وقت آپ کے پاس بارہ آدمیوں سے زیادہ نہ تھے یا پھر یہ کروں کہ صبر و شکیبائی اختیار کروں اس ظلمت پہ جس میں تاریکی ہے اور یہ کنایہ ہے اس کیفیت کا کہ اس تاریک حالت میں جنگ کرنے کی بہ نسبت صبر کروں جس میں امور خلافت مشتبہ ہو رہے ہیں اور ان سے مخلوق کو ہدایت حاصل نہ ہوگی اور لوگ وادی گمراہی میں رہ کر ہلاکت کے گڑھے میں گر رہے ہوں اور یہ تاریکی کا زمانہ اتنا طویل نظر آرہا ہے کہ اقتصادی بدحالی اور خراب انتظام کے سبب جوان بوڑھے اور بچے جوان ہو جائیں گے رفع فساد و حصول حق کے لیے مومن کی کوشش کرتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو جائیں گے۔ ان حالات میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ اس سخت تاریک دور میں صبر کرنا ہی قرین عقل و مناسب ہے، اس طرح اسلام کو ٹھیک رکھ سکتا ہوں اور حالت یہ ہے کہ دوست ندارد اور دشمنوں کی کثرت ہے، اس لیے میں نے صبر کیا جنگ وجدال

نہیں کیا حالانکہ یہ سب امور میری آنکھ میں اس طرح کھٹک رہے تھے جن سے میری زندگی منغض اور برباد تھی۔ یہ دونوں فقرے شدت غم وغصہ اور صبر ورنج کی کیفیات کو بطور کنایہ ظاہر کرتے ہیں۔''

ابن میثم بحرانی وطفقت بین ان اصول کسی شرح میں فرماتے ہیں:'' یریدانی جعلت اجیل الفکر'' یعنی جناب امیر کا مقصود یہ ہے کہ امر خلافت کی تدبیر میں میں نے اپنی رائے کو دونقیضوں کے درمیان میں پایا، یا تو یہ کہ جو لوگ میرے سوا امامت کے غاصب ہیں ان سے لڑوں یا امامت کو چھوڑ دوں۔ اور ان دونوں باتوں میں بڑا خطرہ دیکھا، اس لیے کہ کٹے ہوئے ہاتھ سے، یعنی بے معاون ومعین کے مقابلہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں علاوہ اپنے نفس کو ایذا دینے کے نظام مسلمین کو بے فائدہ تشویش میں ڈالنا ہے، اور اس کو چھوڑ دینے میں حق و باطل کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ اور معاملات کا التباس اور اختلاط میں پڑ جانا اور اس کا دیکھنا نہایت تکلیف دہ ہے۔ پھر آپ نے اپنی ترجیحی رائے کا اظہار دوسرے امر کے اختیار کرنے یعنی امامت سے صبر کرنے اور اس کے چھوڑ دینے پر آپ نے اس قول سے فرمایا کہ امامت پر صبر کرنے کو میں نے زیادہ اچھا خیال کیا اور انتظام اسلام کے لیے زیادہ مناسب جانا تا کہ دین قائم رہے اور اس کے قواعد قانون مستقیم پر جاری رہیں اور امور خلق کا انتظام جو شارعین کا مقصود ہے، بنا رہے۔ اور بے یار و مددگار کے آپ کا لڑنا امامت کے قائم رہنے کے لیے مفید نہ تھا، کیونکہ اگر لڑائی ہوتی تو اس سے مسلمانوں کے امور پراگندہ ہو جاتے اور ان کی ایک بات بنی نہ رہتی اور ان میں فتنہ وفساد بڑھتا، اس لیے کہ اسلام کی محبت اکثر لوگوں کے دلوں میں راسخ نہ ہوئی تھی اور ابھی وہ حلاوت اسلام سے واقف نہ ہوئے تھے اور منافق اور اعداء اور مشرکین اپنی نہایت قوت کے ساتھ اقطار عالم اور مسلمانوں میں موجود تھے۔ تو باوجود ان حالات کے مشاہدہ کرنے کے امامت کے لیے لڑائی منازعت پر جسارت کرنا کسی طرح ممکن نہ تھا اور صبر کرنا اور امامت کے لیے نہ لڑنا، اگرچہ اس میں بھی آپ کی رائے کے موافق دین کا خلل اور اپنے مقصود کے برخلاف تھا، اس لیے کہ اگر آپ امامت پر قائم ہوتے تو

انتظام وقوام دین پوری طرح پر ہوتا۔مگر یہ خلل بہ نسبت اس خلل کے جو امامت کے لیے لڑائی کرنے اور آپ کی طلب امامت میں ہوتا کم ہے۔ کیونکہ بعض برائی دوسری برائی سے آسان ہوتی ہے۔

فقط ان الفاظ سے جو جناب امیر نے اس خطبہ میں فرمائے وصیت کی روایت کی پوری پوری تردید ہوتی ہے۔اس لیے کہ آپ نے مقابلہ اور مقاتلہ سے اس لیے ہاتھ نہیں اٹھایا کہ اس کے نہ کرنے کی وصیت تھی، اور نہ اس خلافت کے معاملے میں آپ کے لیے خدا کی طرف سے کوئی ہدایت تھی، کیونکہ اس خطبہ میں آپ صاف صاف فرماتے ہیں کہ میں نے دونوں پہلو پر نظر کی اور دونوں میں خرابیاں پائیں، مگر ترک منازعت کو زیادہ آسان پایا اور مقابلے میں اسلام کی خرابی دیکھی اور اس لیے آسان تر خرابی، یعنی ترک منازعت کو اختیار کیا۔پس یہ فیصلہ آپ نے صرف اپنی رائے سے کیا اور جس طرح ایک دانش منداور دوراندیش، نیک طینت، خیر خواہ خلق اور بےنفس و بےغرض آدمی معاملات کے ہر ایک جانب اور ہر ایک پہلو کو دیکھ کر آسان اور اسہل چیز کو اختیار کرتا ہے، آپ نے بھی ترک مخالفت کو اختیار کیا۔اگر خدا کا حکم ہوتا اور آپ کے لیے کوئی خاص وصیت خدا کی طرف سے ہوتی تو پھر رائے اور قیاس کو دخل دینے کی نہ ضرورت تھی اور نہ دخل دینا جائز تھا کیونکہ خدا کے حکم اور وصیت میں رائے اور قیاس کا کیا کام ہے۔پس اس خطبے سے جس کو حضرات امامیہ جناب امیر کا معتبر ترین کلام سمجھتے ہیں اور جس کے کسی ایک لفظ اور ایک حرف میں شک نہیں رکھتے وصیت نامے کی روایت غلط ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو آپ کی خلافت ہونے سے انتظام دین زیادہ مستحکم ہوتا مگر دوسروں کے خلیفہ ہو جانے سے بھی اسلام کا انتظام قائم رہا اور لوگ مسلمانی پر ثابت قدم رہے اور منافقین اور اعداء اور مشرکین کی قوت کا اثر اسلام پر نہ پڑنے پایا۔

دوسری وجہ جناب امیر کے مقابلہ اور مقاتلہ نہ کرنے اور ہر طرح کے ظلم وستم سہنے کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے اعوان وانصار نہ تھے اور گو کوئی شخص کیسا ہی شجاع، دلیر، باہمت اور باغیرت ہو مگر اس کا ساتھ دینے والے اور اس کی اعانت ومدد کرنے والے لوگ نہ ہوں تو

اس اکیلے سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔اگر جناب امیر کا ساتھ دینے والے اہل بدر کی تعداد کے برابر بھی ہوتے تو آپ بلاشبہ مقابلہ اور مقاتلہ کرتے۔اور معاون و انصار کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تمام مہاجرین و انصار اور سارے اصحاب پیغمبر خدا ﷺ کے وفات پاتے ہی مرتد ہو گئے تھے۔ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں بحوالہ رجال کشی امام محمد باقر سے یہ روایت لکھی ہے:

''تمام آدمی بعد نبی کے مرتد ہو گئے سوائے تین شخص اور وہ مقداد بن الاسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم تھے۔'' ان تین میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے،مگر ایک اور روایت میں اخیر کو ان کا نام بھی مرتدین سے خارج کیا گیا ہے۔

ابو بکر جفری نے امام محمد باقرؒ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بجز تین شخصوں سلمان، ابوذر و مقدادؓ کے سب مرتد ہو گئے تھے، میں نے کہا کہ عمار کا کیا حال ہوا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہلے انہوں نے حق سے عدول کیا تھا،لیکن پھر حق کی طرف رجوع کر گئے۔ اس کے بعد امام نے فرمایا کہ اگر تو ایسا شخص چاہتا ہے کہ جس نے بالکل شک نہ کیا ہو اور اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہ آیا ہو تو صرف مقداد ہیں۔اور سلیمان رضی اللہ عنہ کے دل میں عارضی یہ بات آئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اسم اعظم ہے،اگر وہ اس کو اپنی زبان سے نکال دیں تو سب مخالف زمین میں دھنس جائیں اور یہ بات بھی ٹھیک تھی...... پھر اسی روایت میں آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ اس کے بعد ابوساسان انصاری اور ابوعمرہ اور شبیرہ تین آدمیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا...... غرض کہ جن لوگوں نے حضرت امیر کا حق پہچانا وہ سات آدمی تھے۔(بحار الانوار کتاب الفتن صفحہ ۴۶۔۴۷)

عبدالملک بن اعین سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں:''میں نے امام جعفر صادقؑ سے صحابہ کے ارتداد کے متعلق سوال کرنا شروع کیا اور برابر سوال کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے آپ سے کہا کہ اس صورت میں تو سبھی ہلاک ہو گئے۔امام نے فرمایا کہ ہاں بخدا اے ابن اعین! سب ہلاک ہو گئے۔میں نے کہا کہ کیا جو شرق کے رہنے والے تھے وہ بھی اور جو غرب کے رہنے والے تھے وہ بھی ہلاک ہوئے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں خدا کی قسم! سوائے

تین کے سب ہلاک ہو گئے۔لیکن بعد کو ابو ساسان ، عمار اور شبیرہ اور ابو عمرہ آ ملے تھے اور سب مل کر سات شخص ہو گئے تھے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابو بکر کی بیعت کے بعد مہاجرین و انصار نے جناب امیر سے بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر ثابت قدم نہ رہے، جیسا کہ ابو بصیر نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ اس کے بعد مہاجرین و انصار حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ ہی امیر المومنین اور خلافت کے مستحق ہیں ، آپ ہاتھ بڑھائیے، ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کل سر کے بال منڈوا کر میرے پاس آؤ، مگر سوائے سلیمانؓ ، مقدادؓ اور ابوذرؓ کے کسی نے بال نہ منڈائے، اور پھر دوسری مرتبہ آئے اور بیعت کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی، پھر حضرت نے وہی فرمایا اور پھر بھی انہوں نے اس کی تعمیل نہ کی۔راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت سے پوچھا کہ کیا عمار رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں داخل نہ تھے جنہوں نے حضرت کے حکم کی تعمیل کی تھی؟ فرمایا: نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ عمار بھی مرتدین میں داخل ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اس کے بعد حضرت علی کی طرف سے لڑے۔ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ گو وہ اس وقت مرتد ہو گئے تھے مگر بعد میں حضرت علی کا ساتھ دینے اور ان کی طرف سے لڑنے کے سبب ان کا ایمان قائم رہا۔

اور کافی میں ابو الہیثم بن تیہان سے روایت ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے مدینے میں لوگوں کے سامنے ایک خطبہ پڑھا جس میں حمد کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے اور یہ فرمایا کہ آپ نے اپنی پیغمبری کا کام پورا کیا اور رہنمائی کے راستے مقرر کیے، اے لوگو! جن کو فریب دیا گیا اور وہ فریب میں آ گئے اور فریب دینے والے کے مکر کو پہچان گئے اور جان بوجھ کر اسی پر اڑے رہے اور سوئے نفس کا اتباع کرتے رہے حق ان کے لیے ظاہر ہوا لیکن وہ اس سے باز رہے اور کھلا ہوا راستہ ان کے سامنے تھا اور وہ اس سے پھر گئے۔اس ذات کی قسم جس نے دانے کو اگایا اور بچے کو پیدا کیا! اگر تم علم کو معدن علم سے حاصل کرتے اور شیریں پانی پیتے اور نیکی کو توقع سے نیکی کا ذخیرہ کرتے اور صاف صاف راستے اختیار کرتے اور کھلے

ہوئے حق کے راستے پر چلتے تو صاف صاف راستے تم پر کھل جاتے اور تمہارے لیے نشانیاں ظاہر ہو جاتیں اور اسلام تمہاری نظر میں روشن ہو جاتا، خوشی اور مزے سے تم کھاتے اور کوئی شخص تم میں سے تنگ حال نہ ہوتا، اور کوئی مسلمان اور وہ شخص جس سے عہد کیا گیا ہوتا ستم رسیدہ نہ ہوتا۔ لیکن تم لوگ ظلم کے راستے پر چلے اس واسطے باوجود فراخی کے دنیا تم پر تاریک ہوگئی اور علم کے دروازے تمہارے سامنے سے بند ہو گئے، تم نے اپنی خواہشوں سے گفتگوئیں کیں اور اپنے دین میں مختلف ہو گئے، اور بغیر علم کے دین الٰہی میں فتوے دیے اور کج طبع لوگوں کا تم نے اتباع کیا، انہوں نے تم کو گمراہ کر دیا اور تم نے اماموں کا ساتھ چھوڑا، انہوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ تم عنقریب اپنی بوئی ہوئی چیزوں کو قطع کرو گے اور اس کی ناگواری معلوم کرو گے جو تم نے گناہ کیے ان کا ناگوار مزہ چکھو گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو اگایا اور بچے کو پیدا کیا! بے شک تم جانتے ہو کہ میں تمہارا صاحب اور حاکم اور عالم ہوں، میں وہ شخص ہوں کہ تمہاری نجات میرے علم پر موقوف ہے، تمہارے پیغمبر سرور عالم ﷺ کا وصی ہوں، تمہارے پروردگار نے مجھے منتخب کیا ہے، عنقریب آہستہ آہستہ وہ مصیبتیں تم پر نازل ہوں گی جن کا وعدہ کیا گیا ہے اور پہلی امتوں پر وہ نازل ہو چکی ہیں۔ واللہ! اگر میرے پاس طالوت کے ساتھیوں کے برابر یا اہل بدر کی تعداد کے برابر لوگ ہوتے تو میں تم کو تلوار سے ایسا مارتا کہ تم سب حق کی طرف رجوع کرتے اور صدق کی طرف متوجہ ہوتے، اس وقت میں بندوبست کرتا اور لطف اور نرمی سے کام لیتا۔ اے بار خدایا! تو ہم میں حق بات کا فیصلہ کر دے، تو سب حاکموں میں بہتر ہے۔

اس خطبے کے پڑھنے کے بعد حضرت علیؓ مسجد سے باہر آئے اور ان کا گزر ایک بکریوں کے گلّے پر ہوا جس میں تیس بکریاں تھیں، تب حضرت علیؓ نے کہا کہ اگر میرے پاس ان بکریوں کی تعداد کے برابر خدا اور رسول کے خالص دوست ہوتے تو میں اکلۃ الذبان کے بیٹے (ابوبکر) کو حکومت سے نکال دیتا۔ پھر شام کے وقت تین سو ساٹھ آدمیوں نے مر جانے پر ان سے بیعت کی، حضرت علیؓ نے کہا: تم صبح کے وقت مقام احجار الزیت میں (نام مقام

قریب مدینہ) سر منڈوا کر آؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سر منڈا لیا لیکن ان لوگوں میں سے سوائے ابوذر، مقداد، حذیفہ اور عمار کے کسی اور کو سر منڈا ہوا نہ پایا۔ سب کے اخیر میں سلمان آئے، پھر حضرت علیؓ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: بار خدایا! ان لوگوں نے ہم کو کمزور پا لیا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت ہارون علیہ السلام کو کمزور پا لیا تھا، بار خدایا تو ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو ہم چھپاتے ہیں اوان کو بھی جن کو ظاہر کرتے ہیں، کوئی چیز زمین و آسمان کی تجھ پر مخفی نہیں ہے، تو مجھ کو اسلام پر موت دے اور نیک لوگوں سے مجھ کو ملا دے۔ قسم ہے بیت اللہ کی اور حج کے لیے بیابان میں نکلنے والے کی اور مزدلفہ کی کہ اگر مجھ کو اس عہد کا خیال نہ ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے لیا تھا تو میں مخالفوں کو موت کی خلیج تک پہنچا دیتا اور میں ان پر موت کی بدلی موسلا دھار پانی برساتی اور گرجتی ہوئی بھیجتا اور بے شک بہت جلد ان کو معلوم ہو جائے گا۔

عمر بن ثابت سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبیداللہ سے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو سب لوگ مرتد ہو گئے صرف تین مسلمان رہے سلمان، مقداد اور ابوذر۔ اور نیز روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چالیس آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انہوں نے کہا: واللہ! ہم تمہارے بعد کسی کی کبھی اطاعت نہیں کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کیا وجہ؟ انہوں نے کہا کہ روز غدیر ہم نے تمہارے حق میں سنا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا تم ایسا کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کل تم میرے پاس سر منڈا کر آ جاؤ۔ ابو عبداللہ نے کہا کہ بجز ان تینوں کے کوئی نہیں آیا۔ ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ عمار بن یاسر ظہر کے بعد آئے تو ان کے سینے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ مارا اور فرمایا: ابھی وقت نہیں آیا کہ تم غفلت کی نیند سے جاگو۔ جاؤ مجھ کو تمہاری کوئی حاجت نہیں ہے، تم نے سر منڈانے میں تو میرا کہنا مانا نہیں، لوہے کے پہاڑوں سے جنگ کرنے میں تم میرا کیا کہنا مانو گے، تم چلے جاؤ مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں۔

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے تین کے سب لوگ مرتد ہو گئے تھے، مگر کافی

میں ایک روایت ہے جو اس کے مخالف ہے، اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف مرتد ہو جانے کے خیال سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حقوق کا دعویٰ نہیں کیا اور ترحماً للناس تمام مصائب اپنے اوپر گوارا کیے۔ زرارہ نے امام باقرؒ سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: جب لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور کیا جو کچھ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو رحم دلی کی وجہ سے اپنی طرف نہیں بلایا، ان کو اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اسلام سے پھر جائیں اور بت پرستی کرنے لگیں اور کلمۂ شہادت ترک کر دیں۔ بلکہ آپ کو یہی پسند ہوا کہ لوگ اسلام سے مرتد نہ ہوں، اور اپنی حالت پر قائم رہیں۔ اس لیے جن لوگوں نے قصداً آپ کی بیعت نہیں کی تھی اور لوگوں کی دیکھا دیکھی بغیر علم اور بغیر عداوت امیر المومنین کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی وہ لوگ اس بیعت کی وجہ سے کافر نہیں ہو سکتے اور نہ دائرۂ اسلام سے نکل سکتے ہیں۔ اسی واسطے حضرت علیؓ اپنی حالت کو چھپا گئے اور بہ اکراہ خود بھی بیعت کر لی۔ چونکہ یہ حدیث بالکل منافی اور مناقض احادیث سابقہ کے ہے کیونکہ ان سے تمام مسلمانوں کا مرتد ہونا ثابت ہوتا ہے، اور اس حدیث سے حضرت علیؓ کا دعویٰ نہ کرنا اور مقابلہ نہ فرمانا صرف اس خیال سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو اندیشہ تھا کہ ایسا کرنے سے لوگ مرتد ہو جائیں گے۔ اس لیے جناب ملا باقر مجلسی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسلام سے مرتد نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر اسلام کی پابندی کریں اور کلمہ پڑھتے رہیں، اس لیے کہ امت کی بھلائی اسی میں تھی کہ وہ اسلام پر باقی رہیں تا کہ مدتوں کے بعد ان کو یا ان کی اولاد کو حق کے قبول کرنے اور ایمان میں داخل ہونے کا موقع مل سکے۔ اس صورت میں یہ قول اس قول کے منافی نہیں ہے کہ صرف تین ہی آدمی مرتد ہونے سے بچ گئے تھے، اس لیے کہ مرتد ہونے کے وہاں یہ معنی ہیں کہ انہوں نے عموماً دین کو فی الحقیقت چھوڑ دیا تھا، اور یہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ ان میں اسلام کی صورت باقی تھی اگرچہ وہ اکثر احکام واقعی کے لحاظ سے کافروں کے حکم میں داخل تھے۔ اور یہ بھی ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے حضرت علیؓ کی امامت کی نص کو نہ سنا ہو اور اسے حضرت علی سے بغض و عداوت نہ ہو، مگر جس شخص نے ان باتوں میں

سے کوئی ایک بات بھی کی وہ گویا پیغمبر کے قول کا منکر ہو گیا اور ظاہر میں بھی کافر اور اسلام کے احکام میں سے کوئی حکم اس کے لیے باقی نہ رہا اور وہ واجب القتل ہے۔

جناب عمدۃ المتکلمین وزبدۃ المتاخرین مولوی سید حامد حسن صاحب قبلہ استقصاء کی جلد دوم میں بھی اسی کی تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

((حدیث ارتدت الصحابة کلهم الاثلاثه: وامثاله هرگز اهل حق محمول برردت شرعی و کفر ظاهری نمی سازند چنانچه در عبارت بحارکه آنفاً منقول شد صریح مذکورست که مرادازارتدا ددریں احادیث ارتد اددردین واقعی ست یعنی نه ارتداد ازدین و ظاهر بالجمله مراداز ارتد اددرا مثال ایں احادیث ارتداد بمعنی عام ست که منافی اسلام ظاهری نیست ودر معنی عام ارتداد همه ها داخل می تو اندشد هم مرتدین شرعی وهم کسانیکه بر اسلام ظاهری باقیماند ندواز ایمان بدررفتند.))

”ارتدت الصحابه...... الخ (تین کے علاوہ سارے صحابہ مرتد ہو گئے تھے) گو اہل حق ارتداد شرعی اور ظاہری کفر پر محمول نہیں کرتے، جیسا کہ ”بحارالانوار“ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ احادیث ارتداد میں ارتداد سے مراد دینی ارتداد ہے نہ ظاہری اسلام کے منافی نہیں اور اس عام ارتداد میں یہ سب داخل ہو سکتے ہیں، چاہے وہ مرتدین شرعی ہوں یا وہ لوگ جو ظاہری اسلام پر تو باقی رہے اور ایمان سے نکل گئے۔“

پھر اس کے آگے مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں:

((وتوضیح مقام اینست که ارتداد رادو معنی ست یکے عام ویکے خاص، اما ارتداد عام پس بمعنی لغوی ست یعنی

برگشتن از چیزے واین معنی شامل ست جمیع انواع ارتداد را، خواہ ارتداد از اخلاق حسنه و عادات جمیله و امثال ذالك۔ واما ارتداد خاص پس ارتداد شرعی ست یعنی برگشتن از اسلام و اختیار کردن کفر که موجب جریان احکام کفار در دار دنیا بر صاحب آں تواندشد.))

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ارتداد کے دو معنی ہیں ایک عام دوسرا خاص، ارتداد عام کے معنی ہیں کہ کسی چیز سے پھر جانا اور یہ معنی عام اقسام کے ارتداد پر حاوی اور شامل ہیں، عام اس سے کہ اسلام سے ارتداد ہو یا ایمان سے یا اخلاق حسنہ کا ترک ہو یا عمدہ عادات وخصائل سے کنارہ کشی۔ ارتداد خاص کے معنی ہیں ارتداد شرعی، یعنی اسلام سے پھر جانا اور کفر اختیار کر لینا اور ایسے شخص پر دنیا میں کافروں جیسے احکام جاری ہو سکتے ہیں۔"

اس کے بعد جناب ممدوح نے خلفائے ثلاثہ کی نسبت دونوں قسم کے ارتداد کا دعویٰ کیا ہے اور فرمایا ہے "فان کفر هم وارتداد هم واضح لا سترة فيه" (ان کا کافر و مرتد ہونا ایسا واضح ہے جس پر کوئی پردہ نہیں ہے)

غرض کہ حضرات امامیہ نے ارتداد کی دو قسمیں کی ہیں: ارتداد حقیقی، یعنی ظاہراً و باطناً مرتد ہو جانا، اس میں خلفائے ثلاثہ کو نعوذ باللہ من ذالک اور سامعین نص کو شریک کیا ہے، اور دوسری ارتداد باطنی، یعنی بظاہر اسلام پر قائم رہنا، اور اس میں ان لوگوں کو داخل کیا ہے جنہوں نے بغیر علم اور عداوت جناب امیر کے، دھوکہ میں آ کر یا ان لوگوں کی دیکھا دیکھی خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی، اور پھر اس قسم کے لوگوں کو جبکہ وہ جناب امیر کے شریک ہو گئے مسلمانوں اور مومنین میں داخل کر لیا ہے۔

اول تو یہ تقسیم ہماری سمجھ میں نہیں آتی، اس لیے کہ ارتداد اصلی یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول اور ماجاء به النبی ﷺ سے انکار کیا جائے، اور ایسا انکار صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت

ثابت نہیں، خصوصاً خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور ان کے اعوان و انصار کی نسبت۔ اس لیے کہ ان کے اسلام ظاہری پر قائم رہنے کی تصدیق خود حضرات امامیہ کے اکثر اقوال سے ہوتی ہے، جیسا کہ علم الہدیٰ صاحب مغنی کے جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ کہنا قاضی کا کہ (جس طرح امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید سے مخالفت کی اور اس کی برائیاں ظاہر کیں، جناب امیر کو بھی چاہیے تھا کہ اپنے مخالفین سے مخالفت کرتے اور نکیر یعنی اعتراض اور انکار ظاہر کرتے، اور لوگوں کو اس کے خلاف برانگیختہ فرماتے) بعید از صواب ہے، اس لیے کہ جو خوف یزید سے تھا مثل اس خوف کے نہیں تھا جو خلفاء سے کیا جاتا، اس لیے کہ یزید فسق و فجور کا اعلان کرتا اور دینداری سے بے پروا تھا اور سب جانتے تھے کہ اس میں خلافت اور امامت کی اہلیت نہیں ہے اور کوئی شرط شرائط امامت میں اس میں نہیں پائی جاتی، بخلاف خوف کرنے کے ایسے شخص سے جو مقدم قوم ہو اور حسن ظاہر میں متصف، اور جم غفیر اسے امامت کے لائق جانتے ہوں بلکہ اس کے رتبے کو خلافت سے بڑھ کر سمجھتے ہوں، پس قیاس ایک کا دوسرے پر قیاس مع الفارق ہے...... اس میں جناب علم الہدیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت ان باتوں کو تسلیم کیا ہے کہ وہ مقدم اور معظم قوم تھے اور حسن ظاہری سے متصف، اور امامت کو لوگ ان کے رتبے سے کم سمجھتے تھے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

((و كيف يكون الخوف من مظهر الفسق و الخلاعة و لا شبهة فى ان امامته ملك و غلبة وانه لا شرط من شرائط الامامة فيه كالخوف من مقدم معظم جميل الظاهر برى اكثر الامة ان الامامة دونه وانها ادنى منازله و مالجمع بين الامرين الا كالجامع بين الضدين.))

”جو خوف یزید سے تھا جو کہ فسق و فجور کا اعلان کرتا تھا اور اس کی امامت بادشاہت اور غلبہ تھا اور شرائط امامت میں سے کوئی شرط اس میں نہیں تھی، اس خوف کی طرح نہیں جو بزرگ اور مقدم قوم ہو اور حسن ظاہر میں متصف اور

جم غفیر اس کے رتبے کو خلافت سے بڑھ کر سمجھتے ہوں، پس ایک کا قیاس دوسرے پر قیاس مع الفارق ہے۔"

اور محقق جیلانی فتح السُّبُل میں لکھتے ہیں:

((سبب دیگر در تقویت حسن ظن مردم بعاقدین بیعت آں شدکه آنها نفوس خودرا از اموال باز داشتند و شیوه زهددر دنیا پیش گرفتند و رغبت بدنیا وزینت آنرا ترك كردند وقناعت بقليل و اكل خش و لباس كر هاس ملك خود ساختند در حالتی که اموال برائے ایشاں حاصل و دینارو کرده بودندو آنرا درمیان قوم قسمت می کردندو خودراباں اصلاً آلوده نمی کردند پس دلهائے مردم بایشاں مائل شدوایشاں رادوست داشتند وظنون مردم بایشاں نیك شدو هر کس را که درباره ایشاں شبه در خاطر بود یا توقفے داشت باخود گفت که اگر ایشاں بهوائے نفس مخالفت نص پیغمبر کرده بودند بایست اهل دنیا باشند و ترك دنیا و لذات نکنند تا خسران دنیا و آخرت هرد و برائے ایشاں نباشد و اینها اهل عقل ورای صحیح اندچگونه خسران دنیا و عقبیٰ هر دورا پسندیده باشند پس فعل ایشاں صحیح ست و کسی راشکے در صلاح ایشاں باقی نماندوا اعتقاد بولایت ایشاں کردند و افعال ایشاں پسندیدند......))انتهی بلفظه

"لوگوں کو پختہ گمان تھا جس کی وجہ سے انہوں نے بیعت کی کہ انہوں نے اپنی ذات کو دولت دنیاوی سے باز رکھا، دنیا میں زاہدوں کا شیوہ اختیار کیا، اور دنیا اور دنیاداری سے رغبت نہ کی اور تھوڑے پر ہی قناعت کی، سوکھی غذا اور موٹا لباس

اختیار کیا، اس دور خلافت میں جبکہ دولت و وزران کے قبضے میں تھا اور یہ لوگ آمدہ مال کو قوم میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور اس میں سے کوئی جبہ خود نہ لیتے تھے اور سرکاری مال سے خود کو انہوں نے بالکل بھی آلودہ نہ کیا، اس کی وجہ سے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو گئے اور ان کو دوست رکھنے اور ان سے نیک گمان کرنے لگے اور جن لوگوں کو ان خلفاء کی بابت شک و شبہ تھا یا بیعت کرنے میں انہوں نے توقف کیا تھا، انہوں نے اپنے دل میں کہا: اگر ان خلفاء نے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی مخالفت کی ہوتی تو یہ لازماً دنیا دار ہوتے اور لذت دنیا و دولت ترک نہ کرتے اور دنیاوی و اخروی ذلت ان کے لیے نہیں ہے اور یہ واضح ہے کہ چونکہ یہ خلفاء عقلمند اور صائب الرائے ہیں، اس لیے دنیاوی اور اخروی نقصان دونوں کو پسند نہیں کرتے، اس لیے بھی ان کے افعال صحیح و درست ہیں اور کسی شخص کو ان کی صلاحیت کے بارے میں شک و شبہ باقی نہ رہا اور لوگ ان کی ولایت و خلافت کے معتقد ہو گئے اور ان کے اعمال و افعال کو بنظر پسندیدگی دیکھا۔“

پس یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ خلفاء اور ان کے اعوان و انصار نے اسلام کو اس معنی میں ترک کر دیا کہ وہ خدا اور رسول کے منکر ہو گئے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امامت جو علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا حق تھا نہ دی، اور نہ صرف منکر امامت بلکہ غاصب امامت ہو گئے۔ اس لحاظ سے ان کو شیعہ اپنے اصطلاحی ارتداد کے مطابق مرتد کہیں تو کہیں، مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ دوسرے صحابی جن کی تعداد ہزاروں سے کچھ کم نہ تھی اور جو جناب امیر کے زمانے میں ان کے شریک ہوئے کیوں شروع میں علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے پھر گئے اور ان کی اعانت و مدد نہ کی؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ دھوکہ میں آ گئے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ امامت کا معاملہ پیغمبر خدا ﷺ نے اس اعلان کے ساتھ طے کیا تھا اور اس کا اس خوبی سے اشتہار دیا تھا کہ کسی کو کوئی موقع عذر کا یا دھوکے میں آنے کا باقی نہ رہا تھا۔ خم غدیر

میں صاف صاف لفظوں میں ستر ہزار آدمیوں کے سامنے آپؐ نے علیؓ کو امام بنایا اور ان کو اپنا ولی عہد کیا اور سب سے بیعت لی اور سب نے مبارک باد دی، اور پھر پیغمبر خدا ﷺ نے اس عہد پر قائم رہنے والوں کے ثواب کے درجے اور اس سے پھر جانے والوں کے عذاب جو خدا نے مقرر کیے ہیں وہ بھی صاف صاف بتا دیے اور خدا پر ایمان لانے اور اسے معبود مطلق سمجھنے کی طرح امامت کے مسئلے کو بھی اسلام اور ایمان کے لیے لازمی قرار دیا۔ ایسی صورت میں سوائے دیوانوں اور بے سمجھ بچوں کے کوئی جاہل اور بدوی بھی دھوکے میں نہیں آسکتا تھا۔ نہ ایسی نص جلی اور خبر متواتر بلکہ مشاہدے سے انکار کر سکتا تھا، بجز ان لوگوں کے جن کو ایمان اور اسلام سے بہرہ نہ ہو اور جن کو حرص دنیا نے غصب خلافت پر آمادہ کیا ہو یا ان غاصبوں کا ساتھ دینے کو اپنے لیے مفید سمجھتے ہوں۔ اور ان تمام صورتوں میں جس طرح پر خلفاء اور ان کے معاون و انصار شیعوں کے اصول کے مطابق دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اسی طرح پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور سارے مسلمان جنہوں نے خلفاء کا ساتھ دیا اور ان کی خلافت پر بیعت کی اور کسی کا کوئی عذر مقبول نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اگر انہوں نے کوئی نص بھی نہ سنی ہوتی، تاہم جناب امیر نے علی رؤوس الاشهاد (سب کے سامنے) اپنی خلافت کا دعویٰ کیا اور خلفاء کو غاصب اور ظالم ٹھہرایا اور سب سے مدد مانگی اور حسنین رضی اللہ عنہما اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لیے لیے گھر گھر پھرے، کوئی دقیقہ اپنے حق کے مطالبے کا بقول شیعوں کے باقی نہ رکھا۔ ایسی صورت میں کسی کو دھوکہ میں آنے کا موقع باقی نہ تھا اور نہ ان کا یہ عذر قابل سماعت ہوسکتا ہے۔

اور بالفرض اگر خلافت اولیٰ میں دھوکے سے بیعت کر لینے کا عذر قبول بھی کر لیا جائے تو دوسری اور تیسری خلافت میں غاصبین خلافت سے بیعت کرنے اور ان کی خلافت ماننے کے لیے کیا عذر ہوسکتا ہے، بجز اس کے کہ تمام مہاجرین اور کل مومنین و مسلمین اس زمانے کے سوائے تین کے مرتد قرار دیے جائیں، شیعوں کے اصول کے مطابق کسی طرح ان کا اسلام ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور اس لیے اگر حضرات امامیہ اس دعوے پر ثابت قدم رہتے اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو سوائے تین چار کے خواص ہوں یا عوام، مکی ہوں یا مدنی، حضری ہوں یا بدوی

مرتد مانتے اور کسی کو کسی عذر سے خارج نہ کرتے تو بھی مقابلہ اور مقاتلہ نہ کرنے اور ظلم وستم سہنے کی وجہ کچھ خیال میں آتی، مگر تعجب یہ ہے کہ اس بات پر بھی تو حضرات امامیہ ثابت قدم نہیں رہتے بلکہ اپنی شوکت اور اپنے مذہب کے حامیوں کی کثرت اور عظمت دکھانے کے لیے وہ روایتیں بیان کرتے ہیں جس سے یہ تمام اقوال باطل ہو جاتے ہیں اور ان لوگوں کی جو اسلام اور ایمان پر ثابت قدم رہے بہت بڑی تعداد معلوم ہوتی ہے اور نیز بہت سے قبیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی اور مددگار پائے جاتے ہیں۔

چنانچہ ''ریاض السالکین شرح صحیفۂ سجادیہ'' میں صدر الدین حسنی حسینی روضۂ چہارم میں جہاں حضرت امام زین العابدین کی اس دعا کا ذکر ہے جو آپ نے اصحاب رسول پر کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابی موجود تھے۔ اور بحوالہ کتاب ''الخصال رئیس المحدثین'' کے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ بارہ ہزار پیغمبر کے اصحاب جن میں سے آٹھ ہزار مدنی اور دو ہزار غیر مدنی اور دو ہزار طلقا میں سے ایسے تھے جن میں نہ کوئی قدری تھا نہ خارجی، نہ معتزلی نہ صاحب الرائے، رات دن رویا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قبل اس کے کہ ہم خمیری روٹی کھائیں خدایا ہماری روح قبض کر لے۔ اور اوس، خزرج، بنو حنیف، ہمدان، مذحج، ربیعہ، مضر، ازدا، وائل، خزاعہ اور طی یہ سب قبیلے شیعان علی رضی اللہ عنہ میں سے تھے اور ایسے صادق العقیدہ کہ جن کے خلوص، عقیدت اور مددگاری ونصرت کا خود جناب امیر نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف کی ہے۔

چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری ''مجالس المومنین'' کی مجلس دوم میں جس کا عنوان ہے ''مجلس دوم دربیان حال طائفہ چند که به تشیع مشهور و در سلك ایمان مذکوراند'' فرماتے ہیں کہ اوس اور خزرج دو بڑے قبیلے انصار کے ہیں کہ ان کا حال غایت اشتہار کی وجہ سے محتاج اشتہار نہیں ہے اور اخلاص خصوصاً سعد بن عبادہ خزرجی اور ان کی اولاد امجاد کا نسبت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے سب پر ظاہر ہے۔ چنانچہ ''شارح دیوان مرتضوی'' قاضی میر حسین شافعی کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ جب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ متوجہ حرب

معاویہ رضی اللہ عنہ ہوئے تو نوے ہزار آدمی ہمراہ تھے، ان میں سے آٹھ سو انصار اور نو سو اہل بیعت رضوان سے تھے اور جن کی نسبت حضرت علیؓ نے فرمایا:

الاوس و الخزرج القوم الذین هم
اووا فاعطوا فوق ماوهبوا

''یعنی اوس اور خزرج اس قوم کے لوگ ہیں کہ جن لوگوں کو اپنے یہاں پناہ دیں تو ان کے ساتھ اپنی استطاعت سے زیادہ سلوک کرتے ہیں۔''

اور قبیلہ ہمدان کی نسبت حضرت امیر المومنین نے فرمایا:

ونادی ابن هندذ الکلاع و یخصبا
وکنده فی لحم وحی جزام
تیممت الهمدان الذین هم
اذا ناب امر جنتی و سهامی
جزی الله الهمدان الجنان فانهم
سهام العدی فی کل یوم خصام
فلوکنت بوابا علی باب الجنة
لقلت لهمدان ادخلی بسلام

''کہ جب انب ہندہ، یعنی معاویہ نے ذوالکلاع اور یخصب اور کندہ کے قبیلوں کو بلایا، میں نے ہمدان کے قبیلوں کو پکارا، کیونکہ وہی لوگ ہیں کہ سخت وقت پر میری تلوار اور ڈھال ہیں۔ خدا قبیلہ ہمدان کو اس کے صلہ میں جنت دے کہ وہی ہر لڑائی کے دن دشمنوں کے تیر رہے ہیں، اگر میں جنت کا دربان ہوں گا تو ہمدان سے کہہ دوں گا کہ بے دھڑک چلے آؤ۔''

اور قبیلہ ازد کی نسبت حضرت امیر المومنین نے فرمایا ہے:

الازد سيفـى عـلـى الاعداء كلهم
وسيف احـمـد مـن دانـت له العرب
قـوم اذانـا جـاه واو فـواوان غـلبوا
لا يـجـمـعـون ولا يدرون مـا الهرب

ان اشعار کا ترجمہ قاضی صاحب نے فارسی میں یہ کیا ہے:

یاران من اند اہل شمشیر ہمہ
مائل بخدا از جہاں سیر ہمہ
معنی گریختن ندانند کہ چیست
باشند بروز حرب چوں شیر ہمہ

''ہمارے دوست ہیں جو شمشیر باز ہیں دنیا سے آسودہ اور خدا کی طرف مائل ہیں، جو بھاگنے کے معنی نہیں جانتے کہ کیا ہیں، لڑائی کے دن سب شیر کی طرح ہو جاتے ہیں۔''

اور نیز حضرت امیر المومنینؓ کا اصل شعر قبیلہ ازد کی نسبت نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں ہے:

((کـه حـضـرت امير المومينين علی می فرمايدائے جماعت ازدبـدرستيـكه من ازهمه شما خوشنودم و شما سرهائے كار خـلافـت مـن آيـد هرگزنا اميد نشويداز راحت و آمرزيدن و خـدا نـگـاه دار دايشـان را از هـر جـا كه روند۔ پاكيد شمادر حاليكه تو آيد چناں كه پاكست اول شماو خار چيده نشود از سر شاخ انگور .))

''حضرت علی کا ارشاد ہے کہ گروہ قبیلہ ازد میں تم سے راضی وخوش ہوں تم میری خلافت کے قیام کے کوشاں ہونا امید نہ ہو راحت اور بخشش سے تم جہاں جاؤ اللہ تمہاری حفاظت کرے۔ کرے موجودہ حالت میں بھی اس طرح پاک رہو جیسے

کہ پہلے پاک تھے اور انگور کی شاخ پہ کانٹے نہیں ہوتے جو الگ کیے جائیں۔"

کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تعریفیں جو قبائل انصار کی مجالس المومنین میں بیان کی گئی ہیں، یہ چونکہ انساب سمعانی وغیرہ کتب عامہ سے لی گئی ہیں، شیعوں کے مقابلے میں پیش نہیں ہوسکتیں۔اس لیے کہ قاضی نوراللہ نے ان تمام قبائل کو مخلصین اور شیعان علی میں داخل سمجھ کر ان اقوال کو اس کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور ایسی حالت میں یہ اقوال حضرات امامیہ پر اسی طرح حجت ہو سکتے ہیں جس طرح خودان کے مؤرخین کے اقوال۔اور ایسی حالت میں یہ اقوال حضرات امامیہ پر اسی طرح حجت ہو سکتے ہیں، جس طرح خود ان کے مؤرخین کے اقوال۔اور اس سے غرض اصلی قاضی نوراللہ کی یہی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ شیعان علی کچھ کم نہ تھے، اور بہت سے قبائل جناب امیر کے حامی اور مددگار تھے۔لیکن اگر حضرات امامیہ قاضی نوراللہ شوستری کی تحریر کو رد کر دیں اور اسے نہ مانیں اور جن قبائل کا شیعان علی میں سے ہونا انہوں نے بیان کیا ہے اسے غلط سمجھیں اور ان کو بھی اعدائے اہل بیت میں سے شمار کریں، تاہم وہ اسے تو رد نہیں کر سکتے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار صحابی پیغمبر خدا ﷺ کے بعد موجود تھے۔اور اس کو بھی تکذیب نہیں کر سکتے کہ بارہ ہزار صحابی حسن اعتقاد کی صفت سے موصوف تھے اور رات دن خدا کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، اگر یہ سب کے سب تین چار کے سواء مرتد ہو گئے تھے تو بس اسلام پر فاتحہ پڑھنا چاہیے اور کسی کے سامنے اسلام کی خوبی کا نام نہ لینا چاہیے۔مگر اس بات کا کہ حضرت علیؓ کی حمایت میں نہ صرف عام صحابہ تھے بلکہ ان کے ساتھ بڑا لشکر جرار مہاجرین و انصار و تابعین باحسان کا تھا، حضرات امامیہ انکار ہی نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کا ثبوت ان کتابوں سے ہے جن کو مثل خدا کی کتاب کے حضرات امامیہ صحیح سمجھتے ہیں۔دیکھو نہج البلاغہ [1]۔جناب امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں: "تم نے اپنے خط میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے بیچ میں شمشیر آبدار کے سوا اب دوسری چیز فیصلہ کرنے والی نہیں ہے، اس نے مجھے بہت ہنسایا اور نہایت متعجب کیا۔کیا کبھی بنو عبدالمطلب دشمنوں سے

---

[1] نہج البلاغہ حصہ دوم صفحہ ٦٢٧ مطبوعہ لاہور ١٩٨١ء۔

خائف ہوئے ہیں اور تلوار سے ڈرے ہیں بلکہ وہ اس جنگل کے شیر ہیں اور میدان جنگ کے مرد۔ اب تم دور مت سمجھو اسے کہ جسے تم طلب کرتے ہو وہ تمہیں طلب کرے اور جسے تم دور سمجھتے ہو وہ تمہارے پاس پہنچے، یعنی میں تمہاری طرف آرہا ہوں ایک ایسے لشکر جرار اور فوج بے شمار کے ساتھ، اور اس لشکر بے شمار میں کون ہیں وہ مہاجرین و انصار اور تابعین باحسان ہیں کہ جن کا گروہ قوی اور جن کا غبار بلند ہے اور جو موت کے پیراہن پہنے ہوئے ہیں اور جو خدا کی موت کو سب سے زیادہ چاہتے اور اس کی آرزو رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ ہیں زریہ بدریہ اور سیوف ہاشمیہ، یعنی اہل بدر کی اولاد اور شمشیر ہائے ہاشمی۔ چنانچہ اس خط کے الفاظ کا فارسی ترجمہ جو ملا فتح اللہ نے کیا ہے یہ ہے:

((ویاد کرده درنامه خود آنکه نیست مراد نه مر اصحاب مرانزد تو مگر شمشیر آبدار پس هر آئینه بخنده آوردی مراو یاران مراپس از اشك فرو آوردن بایس گفتار یعنی هر که شنیداین گفتار ترا از مومنین خندید ازروی تعجب بعداز گریستن ایشاں بردین بجهت تصرف بے وجه تودارد۔ کجا یافته شدند پسران عبدالمطلب که از دشمناں واپس رفتگاں بوده باشنداز جهت جبانت و بشمشیر ترسانیده شده باشندو هراساں چه ایشاں شیر بیشه رجولیت اندواز روباه صفتاں چه اندیشه دارند، پس درنگ کن اند کے تاملحق شود بصف جنگ جمل بن بدر، وایں مثلی ست برائے وعید اعداء الحرب۔ وقائل آں جمل بن بدرست واومردے بوداز قشیر که شتراں اور ابغارت برده بودند اور درمیان هیجا رفت بدلاوری وشتران خودا باز ستداز اعداء۔ پس زود باشد که طلب کندترا کسیکه طلب میکنی اور او نزدیك شدبتو آنچه

دوری می جوئی ازو، ومن شتابنده ام بجانب تو در لشکر عظیم بے شماراز مهاجرین و انصار وتابعان به نیکوئی که سخت ست انبو هے ایشان مرتفع ست غبار ایشاں، گویند که نود هزار کس بودندودر برکنند گاں پیراهن هائے مرگ را، ایں کنایه ست اززرهاو جو شنها که دربر داشتند همچون پوشش اکفان دوست ترین ملاقات کردن ایشاں ست بررحمت پروردگار خود به تحقیق که همراهست ایشان رازریه بدریه یعنی فزندان بدری خونخوار وسیوف هاشمیه یعنی شمشیر هائے هاشمی آتشبار......)) انتهیٰ[1]

''تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان شمشیر آبدار فیصلہ کرے گی، تمہاری اس تحریر سے مجھے اور میرے دوستوں کو ہنسی آئی اور تعجب ہوا، یعنی اسلام پر تمہارے تصرف بے جا کرنے کے سبب تعجب کے رونے کے بعد ہنسی آئی، کیا کبھی اولاد عبدالمطلب دشمنوں کے مقابلے سے واپس ہوئی ہے، کیا کبھی بزدلی دکھائی اور کیا کبھی خائف و ترساں ہوئے؟ یاد رہے کہ ہمارے بزرگ مرد میداں اور شیر ہیں اور لومڑی صفتوں سے کوئی خوف نہیں رکھتے، تھوڑی دیر ٹھہرو تا کہ جمل بن بدر جنگ میں دشمنوں کو ہیبت ناک کرنے کی، یہ جمل بن بدر کا قول ہے جو قشیری تھا، جس کے اونٹ لوگ بھگا لے گئے تھے وہ فوراً ہی دشمنوں میں پہنچا اور جواں مردی سے ان کو دشمنوں سے چھڑا لیا، اب قریب سمجھو یہ کہ تم جسے طلب کر رہے ہو وہ تمہیں طلب کرے اور جسے تم دور سمجھ رہے ہو وہ تمہارے پاس پہنچے، اوراس عظیم الشان فوج کے ساتھ جس میں مہاجرین وانصار اورتابعین ہیں، جلد تر تمہاری طرف آرہا ہوں یہ فوج بے انتہا نیک کردار ہے ان کی سواریوں وغیرہ کا غبار بلند ہے یہ نوے ہزار جوان مردکفن پوش زرہ و جوش

وغیرہ جیسے اسلحہ سے لیس ہیں اور پروردگار کی رحمت حاصل کرنے کے لیے اللہ کو پیارا ہو جانا ان کی سب سے بڑی خواہش ہے، یادرہے کہ میرے ساتھ یہ وہ لوگ ہیں جو اہل بدر کی اولاد اور آتش بار ہاشمی تلواروں والے ہیں۔''

جبکہ خود جناب امیر المومنین مہاجرین و انصار و اصحاب و تابعین کے ایک لشکر جرار کا اپنے ساتھ ہونا بیان کرتے ہیں اور ان کے ثبات قدم اور شجاعت و مردانگی اور جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور شارحین نہج البلاغہ نوے ہزار آدمیوں کا اس وقت آپ کے ساتھ ہونا بیان کرتے ہیں، تو کیوں کر سمجھ میں آئے کہ یہ لوگ مسلمان نہ تھے اور ان کے دل ایمان کے نور سے اور اہل بیت کی محبت سے خالی تھے۔ یا کسی زمانے میں کسی سبب سے وہ مرتد یا اہل بیت کے دشمن ہو سکتے تھے، یا کسی کے دھوکہ میں آکر وصی ٔرسول کا ساتھ چھوڑ سکتے تھے۔ کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفائے سابقین کی خلافت کو قبول نہ کیا ہوتا اور ان کو غاصب اور مرتد جانا ہوتا تو وہ اپنے مقابلے اور مقاتلے کا ارادہ نہ فرماتے اور اگر ارادہ فرماتے تو کیا ایسے جانباز اور جاں نثار جن کی تعریف اس خط میں جناب امیر نے کی ہے وہ جناب امیر کا ساتھ نہ دیتے اور ان کے دشمنوں سے مقابلہ نہ کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت پر آمادہ نہ ہوتے۔ مگر یہ بات ہے کہ درحقیقت جناب امیر نے نہ ان خلفاء کو غاصب تصور کیا نہ ان کے ساتھ مقابلے اور مقاتلے کا ارادہ فرمایا بلکہ جو کچھ ہوا اسے تسلیم کیا اور مثل دوسروں کے خود بھی خلفائے سابقین کی مدد دینے میں معین اور شریک رہے اور مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے اتفاق کو ہمیشہ رضائے الٰہی کے مطابق سمجھا۔ اور یہ خیال ہمارا کچھ قیاسی نہیں بلکہ خود جناب امیر علیہ السلام کے ان بیانات پر مبنی ہے جو آپ نے کیے اور جس پر اپنی خلافت کی حقیقت پر استدلال کیا۔

کیا حضرات امامیہ اس خط پر غور نہیں فرماتے جو جناب امیر نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا؟ چنانچہ آپ کے الفاظ جو نہج البلاغہ میں منقول ہیں وہ یہ ہیں:

((ومن كتاب له عليه السلام الى معاوية انه بايعنى القوم

الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیه فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یردو انما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموه اما ماکان ذالك الله رضی فان خرج من امرھم خارج بطعن اوبدعة ردوه الیٰ ماخرج منه فان ابی قاتلوه علی اتباعه غیر سبیل المومنین وولاه ماتولی .))

''کہ مجھ سے انہی لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی اور انہی شرائط پر کی ہے جن پر ان سے کی تھی، لہٰذا نہ تو حاضر کے لیے حق باقی رہ گیا ہے کہ بیعت میں اختیار سے کام لے اور نہ غیر حاضر کو حق ہے کہ بیعت سے روگردانی کرے، شوریٰ تو صرف مہاجرین وانصار کے لیے ہے اگر انھوں نے کسی آدمی کے انتخاب پر اتفاق کرلیا اور اسے امام قرار دے دیا تو یہ اللہ کی اور پوری امت کی رضا مندی کے لیے کافی ہے، اب اگر امت کے اس اتفاق سے کوئی شخص اعتراض یا بدعت کی بنا پر خروج کرتا ہے تو مسلمان اسے حق کی طرف لوٹا دیں گے جس سے وہ خارج ہوا ہے انکار کرے گا تو اس سے جنگ کی جائے گی کیونکہ اس نے مومنوں کی راہ سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے اور خدا اسے اس کی گمراہی کے حوالے کر دے گا، اور اے معاویہ! میں بہ قسم کہتا ہوں کہ اگر تو نفس سے ہٹ کر عقل سے کام لے تو مجھے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بالکل بری الذمہ پائے گا اور جان جائے گا کہ میرا اس خون سے دور کا بھی لگاؤ نہیں یہ اور بات ہے کہ تو اپنے مطلب کے لیے تہمتیں تراشے خیر جو کرنا ہے کرتا رہ۔''

(نہج البلاغہ حصہ دوم صفحہ۔۶۰۳ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

شارحین نہج البلاغہ کا یہ کہنا کہ یہ خطاب آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کے خیال

کے مطابق کیا تھا جو خلافت کو شوریٰ پر مبنی سمجھتے تھے یا یہ کہ مدارات اور تقیہ کے طور پر آپ نے یہ لکھا تھا، صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اول تو کوئی لفظ اس خیال کے ثبوت اور تصدیق کے متعلق پایا نہیں جاتا اور اگر آپ کی خلافت پر نص ہوتی تو اس کے اظہار کا یہ موقع تھا اور آپ کے دعوے کے لیے وہ ایک عمدہ اور قوی دلیل تھی اور آپ اپنے حق پر ہونے کے ثبوت میں یہ فرما سکتے تھے کہ میری خلافت منصوص ہے اور علیٰ رؤس الاشہاد پیغمبر خدا ﷺ غدیر خم میں مجھے اپنا خلیفہ کر گئے تھے۔ اس صحیح اور قوی دلیل کو تو آپ نے چھوڑ دیا اور اس بات سے استدلال کیا جس کو آپ غلط اور جھوٹ جانتے تھے اور جس سے خلفائے سابقین کی خلافت غصبی کی حقیقت کا ثبوت ہوتا تھا۔ ان ھذا لشیئٌ عجاب .

رہا یہ خیال کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اس استدلال کو نہ مانتے، اس لیے جھوٹی اور غلط بات سے ان کے عقیدے کے موافق آپ نے استدلال فرمایا، قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس لیے کہ آخر وہ لوگ پیغمبر خدا ﷺ کی تصدیق فرماتے تھے اور ان میں نص کے سننے والے بھی موجود تھے، بالفرض اگر وہ نہ مانتے تو آپ کے ساتھ جتنے مہاجرین اور انصار اور نوے ہزار آدمی تھے وہ تو آپ کی تصدیق فرماتے اور جب کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ جان دینے اور خون بہانے پر آمادہ تھے اور اپنے قول کو اپنے عمل سے ثابت کر رہے تھے تو کیا وہ آپ کے حق میں نص خلافت کی تصدیق نہ کرتے اور اس دلیل کو اپنے مخالفین کے سامنے پیش کرنے سے باز رہتے۔ بلکہ اگر ایسی نص صریح ہوتی تو حامیان جناب امیر بالضرور اسی کو آپ کے ساتھ دینے کے لیے اپنے حق پر ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے اور کہتے کہ ہم نے جو ان کا ساتھ دیا ہے وہ صرف پیغمبر خدا ﷺ کے حکم کی تعمیل ہے اور جو کچھ ہم کرتے ہیں اور ان کے ہمراہ ہو کر اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں وہ اسی لیے ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے جن پر ہم ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے ہم کو ہدایت کی ان کے حکم کو پورا کریں اور ان کے مقرر کیے ہوئے امام کے ساتھ دینے پر اپنا اسلام اور ایمان دکھائیں۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے استدلال کو اور قوت ہوتی اور ایک ایسے گروہ کثیر کی بات کے انکار پر ہمراہیان معاویہ رضی اللہ عنہ کو

جرأت نہ ہوتی۔

پس ایسے استدلال کو چھوڑ نا اور جھوٹی اور غلط بات کو سند میں پیش کرنا درحقیقت جناب امیر کی عصمت بلکہ صداقت میں شک پیدا کرنا ہے۔ رہا تقیہ تو اس کا موقع اور محل ہی کیا تھا، اس لیے کہ اگر وہ روایتیں حضرات امامیہ کی صحیح ہیں جن میں صحابہ کی برائیاں برسرِ منبر اور علی رؤس الاشہاد جناب امیر نے بیان کیں تو پھر خوف کس کا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی غلط اور جھوٹی تعریفیں کرتے اور مہاجرین اور انصار کی شان میں ایسے تعریف کے فقرات لکھتے۔ غرض کہ اگر عقل سلیم کو دخل دیا جائے تو اس میں کچھ شبہ نہیں رہتا کہ جناب امیر بھی خلافت کو غیر منصوص سمجھتے تھے اور مہاجرین و انصار کبھی ان کے مخالف نہ تھے اور خلافت مہاجرین و انصار اور اہل حل وعقد کے اتفاق پر مبنی تھی۔ جب آپ کا وقت آیا تو مہاجرین وانصار نے آپ سے بیعت کی اور آپ کو خلیفہ قرار دیا اور آپ کی مدد کرنے میں سعی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ اور اسی سے ہر غیر متعصب منصف اس بات کو تسلیم کرے گا کہ اگر لوگوں نے آپ کا حق چھینا اور فدک کو غصب اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم وستم کیا ہوتا تو بلاشبہ حضرت امیر مقابلے اور مقاتلے پر آمادہ ہوتے اور وہ لوگ جنھوں نے آپ کی خلافت میں آپ کا ساتھ دیا ضرور آپ کے ساتھ ہوتے، اور جس طرح امیر شام کے مقابلے میں اپنی جانیں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قربان کیں اس سے بڑھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دیتے، ان پر ظلم وستم کرنے والوں سے مقابلہ کرتے اور اہل بیت کے ساتھ اپنی محبت دکھاتے۔ اور اس سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ وہ روایتیں جن میں ظلم وستم کے واقعات نہایت مبالغے سے بیان کیے گئے ہیں بے اصل اور غلط ہیں۔

علاوہ ان امور کے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا، یہ بات بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دو بڑے گروہ، ایک مہاجرین دوسرے انصار۔ مہاجرین کی نسبت حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ انھیں جناب امیر سے اس لیے عداوت تھی کہ ان کے عزیز وقریب اکثر جہادوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے اور اسی بات کا رنج ان لوگوں کے دلوں میں چلا آتا تھا۔ اسی لیے مہاجرین نے آپ کا ساتھ نہ دیا اور آپ کے حقوق غصب

کرنے والوں کے ساتھ ہو گئے، یہ بات بچوں کے ہنسنے کے لائق ہے۔اس لیے کہ اول تو تنہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی جہاد کرنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ صرف ایک انھوں نے ہی سب لوگوں کو قتل کیا تھا بلکہ خود مہاجرین نے اپنے عزیزوں اور قریبوں کو چھوڑ دیا تھا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہو کر اپنے خویش واقارب کے قتل کرنے میں دریغ نہ کیا تھا۔ علاوہ بریں جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا اور جن کو جہاد میں مارا وہ سب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کیا۔ اس لیے چاہیے تھا کہ مہاجرین سب سے زیادہ جناب سرور کائنات سے عداوت رکھتے اور انہیں کی رسالت کے منکر ہوتے نہ یہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اپنی جانیں نثار کرتے اور شمع نبوت پر پروانہ وار قربان ہوتے رہتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنہوں نے صرف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اور ان کی مدد کے لیے مہاجرین کے خویش واقارب کو قتل کیا عداوت رکھتے۔ اس کے سوا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل بھی کیا تو مہاجرین کے خویش و اقارب کو کیا تھا، انصار کے گروہ میں سے تو کوئی ایسا نہ تھا جس کے عزیز اور رشتہ داروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہو۔ پھر ان کو آپ کے ساتھ عداوت رکھنے کا کیا سبب ہے۔ کیونکہ جو علت عداوت کی بیان کی جاتی ہے وہ انصار میں موجود ہی نہ تھی بلکہ انصار کا وہ معزز فرقہ ہے کہ جس کو اپنی وفات کے اخیر وقت تک جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے رہے اور ان کی نصرت و مدد کا شکریہ ادا فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے انصار کی شان میں فرمایا کہ یہ میری عیال وفرزند ہیں اور ان کے ساتھ نیکی کرنے اور اچھی طرح سے پیش آنے کی آخری دم تک وصیت فرمائی۔ ایسے لوگوں کو جناب امیر کے ساتھ خاص محبت اور ایک خصوصیت ہونی چاہیے تھی نہ کہ دشمنی اور عداوت۔

کیا حضرات امامیہ اپنے یہاں کی ان روایتوں کو ملاحظہ نہیں فرماتے جن میں انصار کے فضائل اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ ذرا تفسیر ''منہج الصادقین'' اور ''مجمع البیان'' طبرسی ہی اٹھا کر دیکھئے کہ اس میں خود مفسرین امامیہ نے کیا لکھا ہے:'' یہ موقع نہیں ہے کہ میں تمام روایتیں اس کے متعلق یہاں نقل کروں، صرف ایک

روایت منہج الصادقین کہ بیان کرتا ہوں۔'' (مفسر منہج الصادقین)

﴿لَقَدْ نَصَرَ كُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ﴾ (سورۂ توبہ: ۲۵)

''مدد کر چکا اللہ تم کو بہت میدانوں میں اور حنین کے دن۔''

کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حنین و اوطاس کی غنیمت سے پیغمبر خدا ﷺ نے مؤلفۃ القلوب کو حصہ دیا اور مہاجرین کو زیادہ اور انصار کو کم۔ اس تقسیم سے انصار غمگین اور رنجیدہ ہوئے اور بعض کہنے لگے کہ پیغمبر ﷺ نے تمام غنیمت کا مال اپنی قوم کو دیا اور ہم کو محروم کیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کے سننے سے نہایت رنج ہوا اور انصار کو جمع کر کے فرمایا کہ تم دوزخ کے کنارے پر تھے خداوند تعالیٰ نے میرے واسطے سے تم کو اس سے نجات دی کیا یہ سچ نہیں ہے، سب نے کہا یارسول اللہ! یہ سچ ہے، اسی طرح آپ نے چند اور باتیں فرما کر یہ کہا کہ تم بھی اس کے جواب میں کہہ سکتے ہو کہ میں تنہا آیا تھا اور تم نے میری مدد کی اور میں خائف تھا تم نے امان دی اور یہ لوگ میری تکذیب کرتے تھے، تم نے تصدیق کی۔ انصار رضی اللہ عنہم یہ بات سن کر رونے لگے اور ہائے ہائے کرنے لگے اور پیغمبر خدا ﷺ کے پاؤں پر گر کر کہنے لگے یا رسول اللہ! تن و جان و مال ہمارا آپ پر قربان ہو ہمارا مال بھی آپ کے اختیار میں ہے، اگر آپ چاہیں اپنی قوم کو عطا فرمائیں اور جو کچھ آپ کی نسبت ہم لوگوں میں سے بعض نے کہا ہے وہ بے ادب اور ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں اور اب وہ تو یہ کرتے ہیں آپ ان کے لیے استغفار فرمائیے تب آپ نے ہاتھ دعا کے لیے اٹھایا اور فرمایا:

((اللهم اغفر الانصار وابناء الانصار و ابناء ابناء الانصار يامعشر الانصار اماترضون ان ينصرف الناس بالشاة والغنم وفى سهمكم رسول الله قالوا بلى يارسول الله! رضينا بالله وعنه وبرسوله فقال الانصار كرشى[1] وعيبتى لوسلك الناس

---

[1] كرش عيال وفرزندان خورد يقال هم كرش منشورة اى صبيان صغار، والعيبة يقال عيبة فلان اذا كان موضع سره ۱۲ منتهى الارب.

وادیا وسلك الانصار شعبا لسلکت شعب الانصاره.))

(ص ۱۰، ج ۲، طبع ایران)

''اے اللہ! انصار کو اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کو معاف فرما، اے انصار کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ اورلوگوں کے حصے میں مویشی اور بکریاں ہوں اور تمہارے حصے میں خدا کا رسول، انصار کہنے لگے کہ ہاں ہم راضی ہیں خدا سے اور اس کے رسول سے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ انصار میری عیال وفرزند اور صاحب اسرار ہیں، اگر لوگ کسی راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر تو میں اسی راہ پر چلوں گا جس پر انصار چلے ہوں۔''

مجمع البیان طبرسی میں اسی روایت میں یہ الفاظ اور بیان کیے گئے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

((ولولا الهجرة لكنت امرأ من الانصار اللهم ارحم الانصار وابناء الانصار وابناء ابناء الانصار فبكى القوم حتىٰ اخضبت لحاهم.))

''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی ایک آدمی منجملہ ان کے ہوتا اور پھر آپ نے یہ دعا کی کہ خدایا رحم کر انصار پر اور ان کے بیٹوں اور ان کے پوتوں پر، یہ سن کر انصار رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔''

احتجاج طبرسی [1] میں ابوالفضل محمد بن عبداللہ شیبانی سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ اپنی وفات کے قریب مرض کی حالت میں فضل بن عباس اور ان کے غلام ثوبان پر سہارا لگائے ہوئے نماز کے لیے آئے اور بعد نماز کے مکان کو واپس تشریف لے گئے اور ثوبان سے کہا کہ تم دروازے پر بیٹھے رہو اگر کوئی انصار میں سے آئے تو انہیں اندر آنے سے منع نہ کرنا اور پھر آپ پر غشی طاری ہوگئی، اتنے میں انصار آئے اور کہا کہ ہم پیغمبر خدا ﷺ کے پاس جانا

[1] احتجاج طبرسی حصہ اول صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۲ مطبوعہ ایران ۱۴۲۴ء۔

چاہتے ہیں، حاجب نے جواب دیا کہ اس وقت آپ پر غشی طاری ہے اور ازواج مطہراتؓ آپ کے پاس ہیں، یہ سن کر انصار رونے لگے، جب رسول خدا ﷺ نے ان کے رونے کی آواز سنی پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب میں عرض کیا گیا کہ انصار ہیں، آپ یہ سن کر علی اور عباس رضی اللہ عنہما پر سہارا لگا کر باہر تشریف لائے اور یہ خطبہ فرمایا:

((یا معاشر الناس انه لم یمت نبی قط الا خلفت ترکة و قد ترکت فیکم الثقلین کتاب الله واهل بیتی فمن ضیعهم ضیعه الله الاوان الانصار کرشی و عیبتی التی آوی الیها وانی اوصیکم بتقوی الله والاحسان الیهم فاقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسیئهم .))

"یعنی اے لوگو! کسی نبی نے دنیا سے انتقال نہیں کیا جس نے کچھ ترکہ نہ چھوڑا ہو، میں تمہارے واسطے ترکہ میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں، اللہ کی کتاب اور اپنے اہل بیت کو جو انہیں چھوڑ دے گا اللہ اسے خراب کر دے گا اور خبر دار یہ انصار میرے عزیز اور میرے چھوٹے بچوں کے موافق ہیں اور میرے بھروسے کے لوگ اور میرے محرم اسرار (راز دار) ہیں، میں تم کو اللہ کے خوف اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کرتا ہوں جو ان میں نیک ہیں ان کی نیکی قبول کرو اور جن سے خطا ہو ان سے درگزر کرو۔

یہ آپ کے آخری الفاظ ہیں جو انصار رضی اللہ عنہم کی شان میں فرمائے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر کہ جو پیغمبر خدا ﷺ کو خدا کا رسول سمجھیں اور اس پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں اور ان کلمات کو آپ کی زبان مبارک سے خود ہی نقل فرمائیں، اور پیغمبر خدا ﷺ کی طرف سے انصار کی شان میں ایسی وصیت بیان کریں اور پھر ان کو مرتد اور دشمن اہل بیت اور خارج از دائرۂ ایمان قرار دیں۔ کیا کوئی آدمی ایک لحظہ کے لیے مان سکتا ہے کہ یہ انصار کا گروہ جس کو رسول خدا ﷺ نے اپنے عیال فرزندان خورد کہا ہو، وہ جناب امیر سے عداوت رکھیں گے

اور بلا سبب ان کا ساتھ چھوڑ کر دوسروں کے شریک ہوں گے اور نص جلی سن سن کر اپنے گروہ میں سے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کا ارادہ کریں گے اور جناب امیر کی شان میں جو نص جلی تھی اسے ایسا بھلا دیں گے کہ کسی وقت اس کا ذکر بھی زبان پر نہ لائیں اور اسے ایسا نسیا منسیا کر دیں کہ کسی موقع پر اس کا خیال نہ رکھیں۔ حاشاثم حاشا۔

اس کے جواب میں قاضی نوراللہ شوستری نے ''احقاق الحق'' میں یہ فرمایا ہے کہ انصار [1] نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں جو نص ہے اسے سنا تھا اور آپس میں اس کا ذکر کیا تھا لیکن انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اسے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بطور حجت کے بوجہ اس شبہ کے پیش نہیں کیا

---

[1] اصل عبارت یہ ہے: و اما خامسا فلان قوله فلو كان الانصار سمعوه غير مسموع لانهم سمعوا ذالك النص و تذاكر وه فيما بينهم لكنهم لم يجعلو اذا لك اليوم حجة على ابى بكر بشبهة اوقعها اولياءِ ابى بكر وغيره فى قلوب الناس من ان علياً قد تقاعد عن تصدى الخلافة والتزم البيت و امسك عن احياءِ هذلميت فان المذكور فى المعتبر من كتب السيد والتواريخ انه لماتو فى رسول الهل واشتغل على مع اصحابه من بنى هاشم وغير هم بتجهيز النبى و تعزيته معتقداً ان احد لايطمع فى هذا الامرمع وجوده اوقع بعض المنحر فين عن على فى قلوب الناس انه قد تقاعد عن تصدى الخلافة يشدة ماصابه من مصيبة النبى وسكن قربته مشتغلا بالحزن والتعزية فجاء خزيمة بن ثابت الانصارى و قال لقومه من الانصار ماسمعه من حال على وذكر انه لابد ممن على هذا لا مروليس سواه قرشى يليق بذالك فخاف الانصار ان يشتد عليهم البلية ويلى هذاالامر قرشى فظ غليظ يتقم منهم للثارات الجاهلية والا ضغان البدوية فتوجهوا ابى سعد بن عباده سيده الانصار وحضر وسقيفة ملتمساً منه قبول الخلافة فابى سعد عن ذالك لمكان على وانه المنصوص بالخلافة عن الله تعالىٰ ورسوله فلما سمع قريش بذالك وكانو امنتهرين للفرصة والسوافى الامروعجلوا فى البيعة لابى بكر فبادرواالى السقيفة لتسكين نائرة الانصار والتمسوابيعة ابى بكر بالطوع والا جبار فقال لهم الانصار اذاتر كتم فعل الله ورسوله فليس احد مناومنكم بعد على بن ابى طالب اولى من غيره فمنا امير و منكم امير فابى ابوبكر و اصحابه عند ذالك محتجين فى ذالك بان الائمة من قريش وابى سعد عن قبول امارا تهم متمسكابان النص لذالك غير هم فاضطرب الحال الى ان مال قلب بشر بن سعد بن ثعلبه الانصارى زعمالا بن عباده الى ترجيح جانب قريش و موافقتهم فقوى امر قريش و بادر عمرالى صفق يده على يدابى بكر و بايعه هو و جماعة من اضرابه فتنة كما اخبر عنه هو بعد ذالك بقوله كانت بيعة ابى بكر فلتة و قى الله شرهاعن المسلمين۔ ١٢ احقاق الحق صفحه ٦٥ ۔

جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دوستوں وغیرہ نے لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کا خیال چھوڑ دیا ہے اور وہ گھر میں بیٹھ رہے ہیں اور ان لوگوں نے جو علی سے منحرف تھے اس وقت جبکہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اوروں کے دلوں میں یہ بات جما دی کہ آپ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی مصیبت کا ایسا اثر ہوا ہے کہ آپ نے خلافت کا ارادہ ترک کر دیا ہے اور آپ نے خانہ نشینی اختیار کی ہے، چنانچہ خزیمہ بن ثابت انصاری آئے اور اس نے جو علی رضی اللہ عنہ کا حال سنا تھا وہ اپنی قوم سے کہا اور یہ بھی ذکر کیا کہ خلافت کے لیے کوئی ہونا چاہیے اور علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی قریشی ایسا نہیں جو اس کے لائق ہو۔ اس وقت انصار کو خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ان پر بلوہ زیادہ ہو جائے اور خلافت کا متولی کوئی ایسا درشت خو قریشی ہو کہ ان سے جاہلیت کے خونوں اور بدر کے کینوں کا بدلہ لے، اس خیال سے وہ سعد بن عبادہؓ سردار انصار کے پاس آئے اور سقیفہ میں آکر ان سے خلافت کے قبول کرنے کے لیے کہا، سعد نے بوجہ علی رضی اللہ عنہ کے موجود ہونے کے انکار کیا اور یہ کہا کہ وہی اللہ اور رسول کی طرف سے منصوص بالخلافت ہیں۔ قریش نے یہ بات سنی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا اور انصار سے طوعاً و کرہاً ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے التماس کیا، تب انصار نے کہا کہ جب تم اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کو ترک کرتے ہو تو، ہم میں اور تم میں علی بن ابی طالبؑ کے بعد کوئی اور اولیٰ نہیں۔ اس لیے ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے یاروں نے اس سے انکار کیا اور یہ حجت بیان کی کہ امام قریش ہی میں سے ہوگا۔ الی آخر القصة .

علامہ ابو السعادات حلی نے شرح دعائے صنمی قریش میں یہ روایت کی ہے کہ سقیفہ [1]

---

[1] وروی الشیخ الفاضل ابوالسعادات الحلی فی شرح دعائے صنمی قریش انه اجتمع ابوبکر و عمر و ابوعبیده و اخوانهم فی سقیفة بنی ساعدة یطلبون الحکم والبیعة من غیر اکثرات باهل البیت و بنی هاشم و کل واحد من هولاء الثلاثة یرجو الحکم والا مرلنفسه و یعطفه علی صاحبه فانکر علیهم الانصار واصروا علی الدفاع والا متناع واحتجوا علیهم بما قال رسول الله فی علی من التوکید فی امامته فی مواطن شتی وامرایاهم بالتسلیم علیه با مارة المومنین فقال ابوبکر قد کان ذالك ⇦⇦⇦

کے دن ابوبکر و عمر اور ابوعبیدہ ہر ایک اپنے لیے امارت چاہتا اور بظاہر دوسرے کا نام لیتا تھا، اس پر انصار نے انکار کیا اور یہ اصرار تمام اس سے مخالفت کی اور رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے باب میں اوران کی امامت کے لیے جو کئی مواقع پر تاکیدیں فرمائی تھیں اس سے احتجاج کیا اور یہ کہ رسول اللہ نے ان کو حکم دیا ہے کہ امارت مومنین کو علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں ایسا ہی تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس قول سے اسے منسوخ فرما دیا ہے: ہم وہ اہل بیت ہیں کہ خدا نے ہم کو نبوت سے سرفراز کیا اور دنیا کو ہمارے لیے ناپسند فرمایا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے نبوت اور خلافت کو جمع نہیں کرے گا، عمر و رضی اللہ عنہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی تصدیق کی اور علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھ رہنے اور تجہیز و تکفین میں مشغول رہنے کی یہی وجہ بیان کی کہ علی رضی اللہ عنہ جانتے ہیں کہ خلافت ان سے محول ہو چکی ہے۔ اس پر انصار نے کہا: ((منا امیر و منکم امیر ......)) انتہیٰ[1]

ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انصار جناب امیر کے مخالفین میں سے نہ تھے، نہ خود خلافت کے خواہاں، اور جو ارادہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کیا تو وہ صرف دھوکہ تھا اور علی رضی اللہ عنہ کی نسبت جو نص انہوں نے سنی تھی اسے انہوں نے چھپایا نہیں تھا بلکہ اسے سقیفہ بنی ساعدہ میں پیش کیا تھا اور اس سے جناب امیر کی خلافت کا استحقاق بتایا تھا، مگر جب ان کو یہ دھوکہ دیا گیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرط غم سے خلافت کا ارادہ چھوڑ دیا ہے تب انہوں نے کہا کہ ایسی حالت میں

⇦⇦⇦ لکن نسخه النبی بقوله انا اهل البیت کر منا الله واصطفانا بالنبوة ولم یرض لنا بالدنیا وان الله لایجمع لنا النبوة والخلافة فصد قاه عمر و ابوعبیدة فی ذالك وعللا قعود علی فی بیته والا شتغال بتجهیز النبی دون تصدی امر الخلافة بعلمه بتحویل الامر عنه فقالت الانصار اذا لانرضی والله بامارة غیرنا علینا منا امیر و منکم امیر فذکروا عن رسول الله الائمة من قریش و شبهوالا مرعلی الانصاروسائر الامة و قطعوابذالك حجتهم واخذو ابیعتهم ولمافرغ علی و اصحابه عن تجهیز النبی ودفنه و تکلموا فی ذالك اعتذروا تارة بان الناس بایعوا ولم یکن لهم علم بانك تنازعهم فی الامرونكث البیعة الواقعة یورث مفاسد بین المسلمین وخلاه فی ارکان الدین و تارة بانهم ظنوا انك لشدة مصیبة النبی طرحت الخلافة والا مارة فاتفق اصحاب رسول الله علی تفویض الامرالی ابی بکر ای غیر ذالك من الاعذار الذی یسجیئ مع جوابهافی المواضع لائق بها ۱۲، احقاق الحق صفحه ٦٥۔

ہم کسی دوسرے قریشی کی امامت منظور نہ کریں گے اور اسی لیے مجالس المومنین میں اوس و خزرج دونوں قبیلہ انصار کو خاص شیعان علی میں سے شمار کیا ہے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مدعی امامت کو جناب امیر اور ان کی اولاد امجاد کے مخلصین خاص میں داخل فرمایا ہے، جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری فرماتے ہیں:

((الاوس و الخزرج دو قبیلہ بزرگ انداز انصار که حال ایشان از غایت اشتهار حاجت باظهار ندارد و اخلاص این دو طائفه خصوصا سعد بن عباده خزرجی و اولاد امجاد اونسبت بحضرت علویه مرتضویه غایت ظهور دارد.))

”اوس اور خزرج یہ انصار کے دو بڑے قبیلے ہیں جن کی جواں مردی وغیرہ کے اظہار کی ضرورت نہیں ان دونوں جماعتوں خاص کر سعد بن عبادہ خزرجی کی اولاد کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بے انتہا خاص خلوص تھا۔“

پس اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ درحقیقت مقابلے و مقاتلے کا ارادہ کرتے اور اپنے حقوق کے لیے غاصبین کی مدافعت چاہتے تو کیا انصار ان کی اعانت نہ کرتے اور ان کا ساتھ نہ دیتے؟

انصار کی کیفیت اور ان کے ایمان اور اسلام کی حقیقت اور اہل بیت کرام کے ساتھ محبت کی حالت تو یہ ہے کہ جس کو ہم حضرات امامیہ کی روایتوں سے دکھا چکے، رہا دوسرا گروہ قریش کا جن میں مہاجرین داخل ہیں اور جن کو حضرات امامیہ اسلام اور ایمان دونوں سے خارج سمجھتے ہیں خصوصاً حضرات شیخین اور ان کے خاص معاونین کو، اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم خلیفہ ہوئے اور ان کے زمانۂ خلافت میں اسلام نے بہت ترقی کی اور انہی کے عہد میں بہت کثرت سے جہاد ہوئے اور انہی کے ہاتھوں کسریٰ اور قیصر کے ملک مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ یہ وہ واقعات ہیں کہ ان کا کوئی انکار ہی نہیں کرسکتا۔ فرق یہ ہے کہ حضرات امامیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان سے بے بہرہ تھے اور منافق اور مرتد۔ اور جو کچھ ان کے زمانے میں ہوا اس سے ان کا ایمان اور اسلام

ثابت نہیں ہوتا، بہت سے ظالم اور دنیا دار بادشاہ ہوئے ہیں کہ باوجود ان کے فاسق و فاجر ہونے کے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کفار کے ملک میں اسلام پھیلا، اس لیے ان کی لڑائیاں مثل اور دنیا طلب بادشاہوں کے دنیاوی لڑائیوں میں داخل ہیں نہ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں۔ اور ہم اہل سنت والجماعت ان کے جہاد اور فتوحات کو ان کی خلافت کی حقیقت کی دلیل سمجھتے ہیں اور بموجب خدا کے اس وعدے کے کہ:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (سورة النور: ۵۵)

''کہ اللہ نے ایمان اور عمل صالح والوں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین میں خلافت دے گا۔''

ان فتوحات کو خدا کی بشارت اور وعدے کے موافق خیال کرتے ہیں۔ اب یہ امر دیکھنا باقی ہے کہ آیا حضرات امامیہ کی مستند اور معتبر کتابوں اور ائمہ کرام کے اقوال سے ہمارا اعتقاد صحیح ثابت ہوتا ہے یا حضرات امامیہ کا؟ اس کے لیے ہم ایک حدیث کافی کی پیش کرتے ہیں جس سے حضرات امامیہ کے تمام معتقدات جو خلفائے راشدین کی نسبت ہیں هَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہو جاتے ہیں اور خلفائے راشدین کا ایمان اور اعمال حسنہ سے متصف ہونے کا ثبوت ایسا ہوتا ہے کہ اس کا کوئی معقول جواب ہی نہیں دے سکتے۔

وہ حدیث یہ ہے کہ فروع کافی [1] میں (باب من یجب علیه الجهاد و من لایجب) میں ابوعمیر زبیری نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے [2] کہ میں نے امام

[1] فروع کافی کتاب الجهاد مطبوعه لکهنؤ صفحه ۶۰۹۔ الشافی ترجمه اردو فروع جلد ٤ صفحه ۵٤۷ تا ۵٤۸۔

[2] اصل حدیث یہ ہے: عن علی بن ابراهیم عن ابیه عن بکیر بن صالح عن القاسم بن یزید عن ابی عمیر الزبیری عن ابی عبدالله قال قلت اخبر نی عن الدعاء الی الله والجهاد فی سبیله اهو بقوم لایحل الالهم ولا یقوم الامن کان منهم ام هو مباح لکل من وعد الله عزوجل و آمن برسول الله ﷺ و من کان کذافله ان یدعوا الی الله عزوجل والی طاعته وان یجاهد فی سبیله فقال ذالك لقوم لایحل ⇦⇦⇦

سے پوچھا کہ خدا کی طرف بلانا اوراس کی راہ میں جہاد کرنا کسی خاص قوم سے مخصوص ہے یا ہر موحد اور مومن اس کا مجاز ہے؟ آپ نے جواب دیا: نہیں، وہ ایک خاص لوگوں سے مخصوص ہے اور کوئی دوسرانہیں کرسکتا، میں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ

⇦⇦⇦الا لهم و لا يقوم بذالك الامن كان منهم قلت من اولئك قال من قام بشرائط عزوجل فى القتال والجهاد على المجاهدين فهوالماذون له فى الدعاء الى الله عزوجل و من لم يكن بشرائط الله عزوجل فى الجهاد على المجاهدين فليس بمادون له فى الجهاد ولا الدعاء الى الله حتى يحكم الله فى نفسه ما اخذ الله عليه من شرائط الجهاد قلت فبين لى يرحمك الله تعالىٰ قال ان الله تبارك و تعالىٰ اخبر فى كتابه ادعاء اليه و وصف الدعاة اليه فجعل ذالك لهم درجات يعرف بعضها بعضا ويستدل بعضها على بعض فاخبرانه تبارك و تعالى اول من دعا الى نفسه فدعا الى طاعته و اتباع امره فبدا بنفسه فقال والله يدعوا الى دارالسلام ويهدى من يشاء الى صراط مستقيم، ثم ثنى برسوله فقال ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتى هى احسن يعنى بالقرآن ولم يكن داعيا الى الله عزوجل من خالف امر الله ويدعواليه بغير ما امر فى كتابه والدين امر لايدعى الابه وقال فى نبى ﷺ وانك لتهدى الى صراط مستقيم يقول يدعو ثم ثلث بالدعاء اليه بكتابه ايضا فقال ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم اى يدعو و يبشر المومنين، ثم ذكر من اذن فى الدعاء بعده و بعد رسوله فى كتابه فقال و لتكن منكم امة يدعون الى الخير و يامرون بالمعروف و ينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون، ثم اخبر عن هذه الامة وممن هى وانها من ذرية ابراهيم و من ذرية اسماعيل من مكان الحرم ممن لم يعبد وغير الله قط الذين وجبت لهم الدعوة دعوة ابراهيم و اسماعيل من اهل المسجد الذين اخبر عنهم فى كتابه انهم اذهب عنهم الرجس وطهر هم تطهيرا الذين وصفنا هم قبل هذافى صفة امة ابراهيم الذين عنا هم الله تبارك و تعالىٰ فى قوله ادعوا الى الله على بصيرة اناومن اتبعنى يعنى اول من اتبعه على الايمان به التصديق له و بما جاء به من عند الله عزوجل منه الامة التى بعث فيهاو منها و اليها قبل الحق ممن لم يشرك بالله قط و لم يلبس ايمانه بظلم و هوا لشرك ثم ذكر اتباع نبيه ﷺ و اتباع هذه الامة التى وصفهافى كتابه بالامر بالمعروف و النهى عن المنكر وجعلها داعية اليه واذن له فى الدعاء اليه فقال يا ايها النبى حسبك الله و من اتبعك من المومنين ثم وصف اتباع نبيه من المومنين فقال عزوجل محمد رسول الله والذين معه اشد آء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدايبتغون فضلا من الله ورضوانا سيما هم فى وجوههم من اثر السجود و ذالك مثلهم فى التوراة ومثلهم فى الانجيل وقال يوم لايخزى الله النبى والذين آمنوا معه نور هم يسعى بين ايديهم و بايما نهم يقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انك على كل شئى قدير يعنى اولئك المومنين فقال قدا فلح المومنون ثم حلا هم و و صفهم كيلا يطمع فى اللحاق بهم الامن كان منهم فقال فيما حلا هم و و صفهم الذين ⇦⇦⇦

لوگ جن میں وہ شرائط موجود ہوں جو خدا نے مجاہدین اور داعین الی اللہ کے مقرر فرمائے ہیں، اور جن میں وہ شرائط نہ پائے جائیں نہ اسے دعوت الی اللہ کی اجازت ہے نہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ماذون ہے۔تب میں نے کہا کہ ان شرائط کو بیان فرمائیے، آپ نے

⇦⇦⇦ هم فی صلاتهم خاشعون والذین هم عن اللغو معرضون الی قوله تعالیٰ اولئك هم الوارثون الذین یرثون الفردوس هم فیها خالدون، ثم حلا هم و وصفهم کیلا یطمع فی اللحاق بهم الامن کان منهم فقال فیما حلا هم به و وصفهم و قال فی وصفهم و حلیتهم ایضا الذین لا یدعون مع الله الها آخر الآیة ثم اخبر انه اشتری من هولاء المومنین و من کان علی مثل صفتهم انفسهم واموالهم بان لهم الجنة یقاتلون فی سبیل الله فیقتلون و یقتلون و عداً علیه حقافی التوراة والانجیل و القرآن ثم ذکر و فائهم له بعهده و مبایعته فقال و من اوفی بعهده من الله فاستبشر وا ببیعکم الذی بایعتم به و ذالك هوالفوز العظیم فلما نزل هذه الآیة ان الله اشتری من المومنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة قام رجل الی النبی ﷺ فقال یا نبی الله ارائنك الرجل یاخذسیفه فیقتل حتی یقتل الاانه یقترف من هذه المحارم اشهید هو ما انزل الله عزوجل التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناهون عن المنکر والحافظون لحدود الله و بشر المومنین، ففسر النبی ﷺ المجاهدین من المومنین الذین هذه صفتهم و حلیتهم بالشهادة والجنة و قال التائبون من الذنوب العابدون الذین لایعبدون الا الله ولا یشرکون به شیئا الحامدون الذین یحمدون الله علی کل حال فی الشدة والرخاء السائحون وهم الصائمون الراکعون الساجدون الذین یواظبون علی الصلوات الخمس الحافظون لها والمحافظون علیها برکوعها وسجودها والخشوع فیها وفی اوقا تها الآمرون بالمعروف بعد ذالك والعاملون به والناهون عن المنکر ولامنتهون عنه قال فبشر من قتل و هو قائم بهذه الشروط بالشهادة والجنة ثم اخبر تبارك و تعالی انه لك یا مربا لقتال الاصحاب هذه الشروط فقال عزوجل اذن للذین یقاتلون بانهم ظلمواوان الله علی نصر هم لقدیر الذین اخرجوا من دیار هم بغیر حق الا ان یقولواربنا الله و ذالك ان جمیع مابین السمآء والارض لله عزوجل ولرسوله ولا تباعه من المومنین من اهل هذه الصفة فیما کان من الدنیا فی ایدی المشرکین و الکفار والظلمة والفجار من اهل الخلاف لرسول الله ﷺ والمولی عن طاعتها مما کان فی ایدیهم ظلموا فیه المومنین من اهل هذه الصفات و غلبو هم علیه ما افاء الله علی رسول فهو حقهم افاء الله علیهم ورده الیهم وانما معنی الفئی کلما ساء الی المشرکین ثم رجع مما قدکان علیه اوفیه فمارجع الی مکانه من قول اوفعل فقد فاء مثل قول الله عزوجل فان فاؤا فان الله غفور رحیم ای رجعوا ثم قال وان عز موا الطلاق فان الله سمیع علیه و قال ان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فان بغت احد اهما علی الاخری فقاتلوالتی تبغی حتیٰ تفی الی امر الله ای یرجع فان فائت ای رجعت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان الله ⇦⇦⇦

فرمایا: خدائے عزوجل نے اس کے درجے مقرر کیے ہیں، اول خدائے تعالیٰ نے اپنی طرف اس دعوت کا بیان فرمایا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝﴾(یونس : ۲۵) ''کہ اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

⇦⇦⇦ يحب المقسطين يعنى بقوله تفى ترجع فذاك الدليل على ان الفئى كل راجع الى مكانه قد كان عليه اوفيه و يقال للشمس اذازالت قدفائت الشمس حين تفى الفئى عندرجوع الشمس الى زوالها وكذالك ما افاء الله على المومنين من الكفار فانما هى حقوق المومنين رجعت اليهم بعد ظلمهم ايا هم فذالك قوله اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا ماكان المومنون احق به منصروانما اذن المومنين الذين قاموا بشرائط الايمان التى وصفنا ها وذالك انه لايكون ماذوناله فى القتال حتى يكون مظلوما ولا يكون مظلوما حتى يكون مومنا ولا يكون مومنا حتى يكون قائما بشرائط الايمان التى شرط الله عزوجل على المومنين و المجاهدين فاذا تكا ملت فيه شرائط الله عزوجل كان مومنا واذا كان مومنا كان مظلو ماواذا كان مظلو ما كان ماذونا فى الجهاد بقوله عزوجل اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصر هم لقدير الآية وان لم يكن مستكملا بشرائط الايمان فهو ظالم ممن يبغى و يجب جهاده حتى يتوب وليس مثله ماذونا فى الجهاد والدعاء الى الله عزوجل لانه ليس من المومنين المظلومين الذين اذن لهم فى القتال فلما نزلت هذه الآية اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا فى المهاجرين الذين اخرجهم اهل مكة من ديار هم واموالهم احل لهم جهاد هم بظلمهم ايا هم وان لهم فى القتال فقلت فهذه الآية نزلت فى المهاجرين بظلم مشركى اهل مكة لهم فما بالهم فى قتال كسرى و قيصر و من دونهم من مشركى قبائل العرب فقال لوكان انما اذن لهم فى قتال من ظلمهم من اهل مكة فقط لم يكن لهم فى قتال جموع كسرى و قيصر و غير اهل مكة من قبائل العرب سبيل لان الذين ظلمو هم غير هم وانما اذن لهم فى قتال من ظلمهم من اهل مكة لاخراجهم ايا هم من ديار هم واموالهم بغير حق ولوكانت آلاية انما عنت المهاجرين الذين ظلمهم اهل مكة كانت الآية مرتفعة الغرض عمن بعد هم اذلم يبق من الظالمين والمظلومين احدو كان فرضا مرفوعا عن الناس بعد هم و ليس كما ظننت ولا كما ذكرت و لكن المهاجرين ظلموا من جهتين ظلمهم اهل مكة باخراجهم من ديار هم واموالهم فقاتلو هم باذن الله تعالىٰ لهم فى ذالك و ظلمهم كسرى و قيصر و من كان دونهم من قبائل العرب والعجم بما كان فى ايديهم مما كان المومنون احق بهم منهم فقد قاتلو هم باذن الله عزوجل لهم فى ذالك والحجة هذه الآية يقاتل مومنو كل زمان وانما اذن الله عزوجل للمومنين الذين قاموا بما وصف الله عزوجل من الشرائط التى شرطها الله على المومنين فى الايمان والجهاد و من كان قائمابتلك الشرائط فهومومن وهو مظلوم وما ذون له فى الجهاد بذالك المعنى ومن كان على خلاف ذالك فهو ظالم و ليس من المظلومين و ليس بماذون له فى القتال ولا بالنهى عن المنكر والا مر ⇦⇦⇦

سیدھی راہ دکھاتا ہے۔" بعداس کے پیغمبر خدا ﷺ کو دعوت کے لیے ارشاد کیا: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ (النحل: ۱۲۵)...... "کہ بلاؤ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے اور مجادلہ کروان سے اچھے طریقے سے۔" پھر ایسی قوم کو دعوت کی اجازت دی ہے جو نیک ہوں اور

⇦⇦⇦ بالمعروف لا نه ليس من اهل ذالك ولا ماذون له فى الدعاء الى الله عزوجل لا نه ليس هذا كمثله و امر بدعائيه ولا يكون مجاهد امن قد امر المومنون بجهاده اوا ضطر الجهاد عليه و منعه منه ولا يكون داعيا الى الله عزوجل من امر بدعاء مثله الى التوبة والحق والامر بالمعروف والنهى عن المنكر ولايا باالمعروف من قدامران يومر ولا ينهى عن المنكر من قدامر ان ينهى فمن كانت قدتمت فيه شرائط الله عزوجل التى وصف بها اهلها من اصحاب النبى ﷺ و هو مظلوم فهو ماذون فى الجهاد و كما اذن لهم لان حكم الله عزوجل فى الاولين والا خرين وقرائضه عليهم سواء لا من علته او حادث يكون والا ولون والآخرون ايضا فى منع الحوادث شركاء والفرائض عليهم واحدة يسأل الآخرون من اداء الفرائض عما يسئل عنه الاولون ويحاسبون عما به يحا سبون و من لم يكن على صفته من اذن له فى الجهاد من المومنين و ليس من اهل الجهاد و ليس بما ذون له فيه حتى يفى بما شرط الله عزوجل عليه فاذ اتكاملت فيه شرائط الله عزوجل على المومنين و المجاهدين فهو من الماذ و نين لهم فى الجهاد فليتق الله عزوجل عهد و لا يغتر بالا نالى التى نهى الله عزوجل عنها من هذه الاحاديث اكاذبة على الله التى تكذبها القرآن و يتبرأبه منها و من حملها اوروايتها ولايقدم على الله عزوجل بشبهة لا يقد ر بها فانه ليس وراء المعترض للقتل فى سبيل الله منزلة يوتى الله من قبلها وهى غاية الاعمال فى عظم قدرها فليحكم امراء لنفسه ويسرها كتاب الله عزوجل و يعرضها عليه فانه لااحداعرف بالمرء من نفسه فان وجدها قائمة بما شرط الله عليه فى الجهاد فليقدم على الجهاد وان علم تقصير فليصلحها و ليقمها على مافرض الله عليها من الجهاد ثم ليقدم بها وهى طاهرة مطهرة من كل د نس يحول بينها و بين جهاد ها يقول لمن ارادالجهاد و هو على خلاف ماو صفنا من شرائط الله عزوجل على المومنين والمجاهدين لايجاهد و ولكن يقول قد علمنا كم ماشرط الله عزوجل على اهل الجهاد الذين با يعهم واشترى منهم انفسهم واموالهم بالجنان فيصلح امر اما علم من نفسه من تقصير عن ذالك وليقضها على شرائط الله فان رأى انه و فى بهاو تكاملت فيه فانه ممن اذن الله عزوجل فى الجهاد و ان ابى لايكون مجاهداً على مافيه من الاصرار على المعاصى والمحارم والا قدام على الجهاد بالخبط والعمى والقدوم على الله عزوجل بالجهل والروايات اكاذبة فلقد عمرى جاء الاثر فيمن فعل هذالفعل ان الله عزوجل ينصر هذا الدين باقوام لاخلاق لهم فليتق الله عزوجل امراء واليحذران يكون منهم فقد بين لكم ولا حذركم بعد البيان فى الجهل ولا قوة الا بالله حسبنا الله عليه توكلنا واليه المصير. (ازالة الغين جلد دوم صفحه ۱۰۵ تا ۱۰۹)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوں، جیسے فرمایا:﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۰۴) ”یعنی تم میں ایسے لوگ ہونے چاہئیں کہ جو بھلی بات کی دعوت دیں اور اچھی بات کا حکم کریں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں۔“ پھر اس امت سے ان لوگوں کو ماذون بہ دعوت فرمایا ہے جو ذریت ابراہیم علیہ السلام اور ذریت اسماعیل علیہ السلام سے ہوں حرم کے رہنے والوں میں سے جنہوں نے سوائے خدا کے کبھی کسی کی عبادت نہ کی ہو اور جن کی نسبت فرمایا ہے:((اذهب عنهم الرجس وطهر تطهيرا)) ”کہ ان سے نجاست کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا۔“ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں کو دعوت کا اذن دیا گیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت خدا نے فرمایا ہے:﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ (سورۂ محمد: ۲۹) ”یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان والے ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں نرم ہیں تو ان کو رکوع اور سجدے میں دیکھتا ہے کہ وہ اس سے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں سجدوں کے اثر سے ان کی پیشانی پر نشانی ہے، یہ مثل ہے ان کی توریت اور انجیل میں۔“ پھر ان مومنین کی صفت بھی بیان کی تا کہ جو لوگ اس صفت سے موصوف نہ ہوں ان میں شامل ہونے کی توقع نہ کریں اور وہ صفت یہ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝﴾ (سورۂ مؤمنون: ۲، ۳)

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (سورۂ الفرقان: ۶۸)

”کہ وہ لوگ اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں اور لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔“

”اور اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں شامل کرتے ہیں۔“

پھران لوگوں کو اس میں داخل کیا جوان مومنین کی سی صفات رکھتے ہوں، جیسے فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

(سورۂ التوبہ: ۱۱۱)

”اللہ نے مومنین سے ان کی جانیں اور مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں پھر ماریں اور مارے جائیں، یہ خدا پر وعدہ ہے سچا جو توریت، انجیل اور قرآن میں مذکور ہے اور کون ہے اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا تو تم اپنے اس بیع سے جس کا تم نے اس سے معاملہ کیا ہے! بشارت حاصل کرو اور یہی ہے بڑی مراد کو پہنچنا۔“

جب آیت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ ”نازل ہوئی تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پیغمبر خدا ﷺ سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص تلوار لے کر میدانِ جہاد میں لڑے یہاں تک کہ مارا جائے مگر وہ مرتکب محرمات ہو کیا وہ بھی شہیدوں میں داخل ہوگا؟ اس وقت خدا نے یہ آیت نازل کی: ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (سورۂ التوبہ: ۱۱۲) ”پھر آپ نے اس کی تفسیر فرمائی کہ شہادت اور جنت کے لائق گناہوں سے توبہ کرنے والے اور سوائے خدا کے دوسرے کی عبادت کے لیے سر نہ جھکانے والے اور تنگی اور فراخی میں خدا کے شاکر اور روزہ رکھنے والے اور برابر نماز پنج گانہ پڑھنے والے اور امر معروف اور نہی منکر بجالانے والے اور یہی لوگ مبشر بشہادت و جنت ہیں۔“ پھر خدائے عزوجل نے خبر دی کہ جہاد کا حکم نہیں دیا گیا مگر انہی لوگوں کو جن میں یہ شرائط پائے جاتے ہوں اور فرمایا: ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ

ظُلِمُوۡا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُۨ o نِ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ﴾ (سورۃ الحج: ۳۹، ۴۰) ''کہ اجازت دی گئی ان کو جن سے لوگ لڑتے ہیں اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور یہ کہ اللہ ان کو مدد دینے پر قادر ہے، وہ لوگ لڑتے ہیں اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور یہ کہ اللہ ان کو مدد دینے پر قادر ہے وہ لوگ ہیں کہ اپنے شہروں سے ناحق نکالے گئے اس قصور میں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے، یہ اس لیے کہ جو کچھ آسمان زمین میں ہے خدا، رسول اور رسول کے متبعین کے لیے ہے اور جو کچھ دنیا میں مشرکین کفار اور ظالمین و فاجرین کے ہاتھ میں ہے وہ سب مومنین کے لیے ہے۔ اور جہاد کی اجازت ان مومنین کو جو موصوف ان شرائط سے ہوں نہیں دی گئی مگر انہی کو جو مظلوم ہوں اور مظلوم نہیں ہوتا مگر مومن اور مومن نہیں ہوسکتا مگر وہ جو جامع ہو ان شرائط کا جو مجاہدین کے لیے قرار دی گئی ہیں اور جو شخص شرائط ایمان میں کامل نہ ہو وہ خود ظالم ہے اور اس پر مومنین کو جہاد واجب ہے اور اس کو اللہ کی طرف سے جہاد کی اجازت نہیں ہے۔ اور جب کہ آیت: ﴿اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا﴾ ''نازل ہوئی تو ان لوگوں کو جہاد کا حکم دیا گیا، راوی کہتا ہے کہ میں نے امام سے پوچھا کہ آیت ﴿اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ ..... الخ﴾ ''ان مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی جن پر مشرکین مکہ نے ظلم کیا تھا پس جن لوگوں نے مشرکین مکہ کے سوا دوسرے قبائل عرب سے جہاد کیا اور کسریٰ و قیصر سے جہاد کیا ان کا کیا حال ہوگا؟ اس لیے کہ انہوں نے کچھ مہاجرین پر ظلم نہ کیا تھا بلکہ ظالم تو اہل مکہ تھے۔ اور اگر فقط مراد مہاجرین سے ہوتی تو متاخرین اس حکم سے خارج رہتے، اس لیے کہ متاخرین کے وقت نہ ظالمین مکہ میں سے کوئی رہا نہ مظلومین میں سے، امام نے فرمایا کہ یہ بات وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مہاجرین دو طرف سے مظلوم ہیں، ایک اہل مکہ سے دوسرے کسریٰ و قیصر سے، کیونکہ سلطنت مہاجرین کا حق تھا، پس مہاجرین کا جہاد کسریٰ و قیصر پر بھی خدا کے حکم سے تھا۔ اور اسی دلیل سے ہر زمانے کے مومنین جہاد کر سکتے ہیں، لیکن اذن جہاد انہی لوگوں کو ہے جو جامع شرائط ہوں تا کہ ایمان اور مظلوم اور ماذون ہونا پایا جائے اور جو ایسا

نہیں ہے وہ ظالم ہے نہ مظلوم، نہ داعی نہ مجاہد، بلکہ مومنین مامور ہیں کہ اس سے قتال کریں۔ انتھی ملخصاً.

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسریٰ و قیصر پر بھی جہاد بحکم خدا ہوا تھا اور مہاجرین جنہوں نے جہاد کیا وہ ماذون من اللہ تھے اور اس حدیث میں یہ بیان بھی کر دیا گیا ہے کہ ماذون بہ جہاد نہیں ہوتے مگر مومنین جو متصف بصفات ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ .... الخ﴾ (التوبہ : ۱۱۲) کے ہوں اور جب کہ مہاجرین کسریٰ و قیصر کے جہاد پر ماذون من اللہ تھے تو امام کے بیان سے ان کا ان صفات سے متصف ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ ثبوت ایسا ہے کہ اس سے انکار ہی نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مہاجرین کسریٰ و قیصر پر جہاد کرنے والے تھے اور اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ امام نے اس جہاد کو ماذون من اللہ فرمایا اور اس کی وجہ اور دلیل بیان کی۔ اگر ان کا جہاد بلا اذن خدا ہوتا تو راوی کے سوال کے جواب میں امام یہ فرماتے کہ یہ جہاد نہ تھا اور نہ وہ لوگ جہاد کے لیے ماذون تھے، برعکس اس کے امام نے ان کا ماذون من اللہ ہونا اور ماذون من اللہ ہونے کہ دلیل صاف صاف لفظوں میں بیان کی اور چونکہ ماذون من اللہ جہاد کے لیے نہیں ہو سکتے، الا وہ لوگ جو ایمان اور اعمال حسنہ کے جامع ہوں۔ اس لیے منطقی دلیل سے صاف یہ نتیجہ نکلا کہ امام نے ان مہاجرین کو جنہوں نے کسریٰ و قیصر پر جہاد کیا تھا مومن اور جامع شرائط جہاد قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے جواب میں علمائے امامیہ کو بڑی دقت پیش آئی اور کچھ جواب اس کا بن نہیں آیا۔ مجتہد صاحب "تشھید المبانی" میں بجواب مولوی حیدر علی صاحب کے اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

((نہایت آنچہ ازیں حدیث ظاھر می شوداین ست کہ مہاجرین ماذون بجہاد کسریٰ و قیصر بودند و حقیت خلافت خلفاء ازاں اصلاً مستفادنمی شود زیرا کہ دراحادیث

معتمده اهل سنت وارد شده که جناب رسالت مآب مسلمین راخبر تسلط خلفاء جورداده و امر باطاعت آنها نموده بود......)) انتهی

''یعنی اس حدیث سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مہاجرین کسریٰ و قیصر کے جہاد کے لیے ماذون تھے، مگر اس سے خلفاء کی خلافت کی حقیقت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ سنیوں کی حدیثوں کی کتابوں میں آیا ہے کہ پیغمبر خداﷺ نے خلفائے جور کے تسلط کی خبر دے کر ان کی اطاعت کا حکم فرمایا تھا۔''

اس حدیث سے اتنا تو ثابت ہوا کہ جناب مجتہد صاحب کو اس حدیث کی صحت میں کلام نہیں ہے، نہ اس کے مضمون میں کچھ عذر ہے اور ہمارے مقصود کے لیے یہی کافی ہے۔ آئندہ ناظرین حدیث خود غور کر کے اس کا تصفیہ کر سکتے ہیں کہ مجتہد صاحب کے جواب سے ہمارا دعویٰ جو اس حدیث کی دلیل پر مبنی ہے ثابت ہوتا ہے یا باطل۔ اور چونکہ انہوں نے کوئی جواب اس کا نہ پایا نہ مہاجرین کے کسریٰ و قیصر پر جہاد سے انکار کر سکے نہ ان کے ماذون من اللہ ہونے پر اعتراض فرما سکے اور نہ ماذون من اللہ ہونے کے لیے جو شرائط امام نے فرمائے اس کے انکار کی جرأت کر سکے جب کوئی راستہ نہ ملا تو اہل سنت کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے لگے مگر اس سے نفس حدیث کا مطلب کیوں کر باطل ہوسکتا ہے۔ مانحن فیہ میں یہ بحث نہیں ہے کہ سنیوں کی روایتوں کے مطابق خلفائے راشدین خلفائے جور تھے، یا خلفائے برحق، بلکہ بحث طلب امر یہ ہے کہ اس حدیث سے ان مہاجرین کا جنھوں نے کسریٰ و قیصر پر جہاد کیا ماذون من اللہ ہونا اور ماذون من اللہ ہونے کی وجہ سے ان کا صاحب اعمال صالحہ ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اور اس ثبوت کی تردید نہیں ہوسکتی جب تک دو بدیہی باتوں سے انکار نہ کیا جائے ایک مہاجرین کے جہاد کرنے سے کسریٰ اور قیصر پر، دوسری امام کے اس ارشاد سے کہ مہاجرین جہاد کے لیے ماذون من اللہ تھے، اگر حضرات امامیہ کو یہ جرأت ہو کہ وہ فرما سکیں کہ مہاجرین نے جہاد نہیں کیا نہ کسریٰ و قیصر کا ملک مہاجرین کے قبضے میں آیا بلکہ ان پر

جہاد کرنے والے ایران کے شیعہ یا لکھنؤ کے مومن تھے تو خیر ہم خود اپنے دعویٰ کی غلطی تسلیم کر لیں گے، یا یہ کہہ سکیں کہ امام نے مہاجرین کو ماذون من اللہ ہونا بیان نہیں کیا بلکہ ممنوع من الجهاد ہونا فرمایا تھا تب بھی ہمارا دعویٰ اور دلیل دونوں باطل ہوسکتی ہیں۔ واذ لیس فلیس .

چونکہ مجتہد صاحب بھی اسے خوب سمجھ گئے تھے کہ ان کا جواب نہایت کمزور ہے، اس لیے جناب نے اس حدیث کا ایک اور جواب دیا ہے، اس سے بھی زیادہ عمدہ اور زیادہ مدلل اور ناقابل تردید ہے، وہ یہ ہے کہ یہ جہاد جناب امیر کے مشورے اور مرضی مبارک سے ہوا تھا، پس گویا ماذون بہ جہاد جناب امیر تھے اور انہی کے اذن سے مہاجرین نے کسریٰ و قیصر پر جہاد کیا تھا۔ ہم بھی اس جواب کی داد دیتے ہیں تا کہ دیکھنے والوں کو ہماری طرف بدگمانی نہ ہو۔ اور جناب مجتہد صاحب کی طرف ایسے پاکیزہ جواب دینے میں کوئی شبہ نہ کرلے ہم اصل عبارت ''تشئید المبانی'' کی لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے:

((ودریں مقام سرے دیگر ست که تعرض بآں پر ضروروآں اینست که خلیفه ثانی بلکه خلفائے ثلاثه چون برائے العین مشاهده بودند که جناب ولایت مآب افضل و اعلم صحابه ست لهٰذا دراکثر امور عظام مثل جهاد و اجرائے حدود وغیره بطریق مشوره مرضی مبارك جناب امیر دریافت می نمودند چنانچه ایں امر برمتتبع خبیر ظاهر و روشن ست و کلام صدق نظام خلیفه ثانی لولا علی لهلك عمر و معضلة لا ابا حسن لها که در کتب معتمده اهل سنت وارشده نیز دلالت صریح براں دار دودر خصوص جهاد فارس ، فاضل دهلوی نیز مشوره نمودن خلیفه ثانی بآں حضرت مذکور ساخته پس بریں تقدیر ماذون بودن مهاجرین و انصار برائے

جہاد فارس و شام وغیرہ مستغنی عن البیان ست و آنچہ جناب امام جعفر صادق درباب اذن آنہا فرمودہ بسبب اذن واذن جناب امیر بودنہ سبب حقیت خلافت ثلاثہ .)) انتہی

''یہاں ایک دوسرے نکتے کی بات ہے جس سے روگردانی نہیں کی جاسکتی، اور وہ یہ کہ خلیفہ دوم بلکہ تینوں خلفاء نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا کہ جناب علی تمام صحابہؓ میں افضل اور عالم ہیں، اس لیے بڑے بڑے کاموں، مثلاً: جہاد اور سزا دہی وغیرہ میں جناب علیؑ کی مرضی بطریقہ مشورہ معلوم کرتے تھے اور یہ سب پر واضح ہے اور خلیفہ دوم کا کلام صدق نظام ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے'' سنیوں کی معتبر کتابوں میں موجود ہے، اور یہ صریح دلالت ان سے مرضی اور مشورہ کی ہے، اور فاضل دہلوی نے حضرت عمرؓ کا حضرت علیؑ سے جنگ فارس پر مشورہ کرنا تحریر کیا ہے، اس لیے مہاجرین و انصار کا جہاد فارس و شام وغیرہ میں ماذون و اجازت یافتہ ہونے کو مزید بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور امام جعفر صادق نے باب اجازت میں فرمایا ہے کہ جنگ کے لیے جناب امیر کی اجازت ہوئی تھی اور استحقاق خلافت ثلاثہ کے لیے کوئی اجازت نہیں ہوئی۔''

جناب قبلہ وکعبہ کے جواب سے بجائے اس کے کہ ہمارا دعویٰ ضعیف ہو اور قوی ہوتا ہے، اس لیے کہ بموجب منطق کی شکل اول کے اس حدیث کا صغریٰ و کبریٰ یہ ہوتا ہے کہ مہاجرین ماذون بہ جہاد تھے اور ماذون بہ جہاد نہیں ہوتے، مگر وہی لوگ جو جامع شرائط ایمان اور مورد آیت ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ .... الخ﴾ (سورۃ التوبہ: ۱۱۲) کے ہوں، پس اس کا نتیجہ نکلا کہ مہاجرین مومن اور جامع شرائط اور داخل زمرہ ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ .... الخ﴾ کے تھے۔ وھذا ھوا المقصود.

اگر جناب قبلہ وکعبہ اس حدیث سے انکار فرماتے یا اس کے جواب میں یہ کہتے کہ مہاجرین ماذون من اللہ نہ تھے تب البتہ ہمارا دعویٰ باطل ہوتا۔ مگر مولانا ممدوح نے اس بات

کو کہ مہاجرین ماذون من اللہ تھے نہ صرف تصدیق کیا بلکہ اسے اورقوی کر دیا۔ اس لیے کہ آپ فرماتے ہیں کہ وہ جناب امیر کی طرف سے ماذون تھے، اس لیے کہ خلفاء ایسے امور میں جناب امیر سے مشورے لیتے اور آپ کی مرضی مبارک دریافت کرتے اس لحاظ سے خلفاء کا اذن در پردہ بلکہ درحقیقت اذن جناب امیر تھا اور جناب امیر کے اذن کو خدا کا اذن سمجھنا چاہیے، اب ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر مہاجرین جامع ان شرائط کے نہ ہوتے جو مجاہدین کے لیے ضروری ہیں تو حضرت امیر ان کو جہاد کا اذن نہ دیتے اور صلاح مشورہ لینے والوں سے علیحدہ رہتے اور ان کے جہاد کو فتنہ و فساد اور انہی کو واجب القتال سمجھتے، جیسا کہ اس حدیث کا منشا ہے۔

اور جناب قبلہ و کعبہ کا یہ ارشاد کہ اس سے خلافت ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت ثابت نہیں ہوتی، نہایت حیرت انگیز ہے، اس لیے کہ جو لوگ ان شرائط کے جامع ہوں جو اس حدیث میں مذکور ہیں، یعنی ایمان میں کامل اور اعمال حسنہ سے متصف اور ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ﴾ میں داخل تو بالضرور وہ خدا اور اس کے رسول کی مرضی پر چلنے والے ہوں گے اور اہل بیت سے محبت رکھنا اور ان کو مدد دینا اور ان کے مخالفین اور اعداء سے بیزار رہنا ان کا فرض ہوگا اور یہ فرض اسی وقت پورا ہوتا ہے جبکہ ہمارے اعتقاد کے موافق خلفائے ثلاثہ اگر مہاجرین رضی اللہ عنہم سے افضل نہ مانے جائیں، تاہم کم سے کم ان کے برابر اور ان کے زمرے میں تو ضرور شمار ہوں، ورنہ کیا وہ لوگ جو ایمان اور حسن اعمال میں کامل ہوں ایسے شخصوں کی سرداری اور امامت کو تسلیم کریں گے جو ایمان سے بے بہرہ اور حسن عمل سے بے نصیب اور منافقین اور مرتدین میں داخل اور اہل بیت کے دشمن، ان کے حقوق کے اور بضعۂ رسول کے ایذا دینے والے ہوں؟ ایسے لوگوں کی اطاعت تو وہی لوگ کریں گے جو کہ ان کی طرح منافق یا مرتد اور ایمان سے بے بہرہ ہوں۔ اور چونکہ اس حدیث نے مہاجرین رضی اللہ عنہم کا جہاد کے لیے ماذون من امیر المومنین و من اللہ ہونا ثابت کر دیا۔ اور ماذون من اللہ ہونے سے ان کے ایمان اور اعمال اور تمام صفات حسنہ کا ثبوت ہوگیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ایسے گروہ کے

سرداراورخلیفہ بھی ایمان اوراعمال اورتمام صفات حسنہ سے متصف اور ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ﴾ میں داخل تھے۔والحمد للّٰہ علی ذالك .

مہاجرین کا اس حدیث سے جہاد کے لیے ماذون من اللہ ہونا تو خود جناب قبلہ وکعبہ کے جواب سے ثابت ہوگیا۔اب ہم ایک اور روایت پیش کرتے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو جہاد خلفائے ثلاثہؓ کے زمانے میں ہوئے اور جو ملک انہوں نے فتح کیے ان کی بشارت پیغمبر خدا ﷺ نے پہلے ہی دے دی تھی، اوران کی فتوحات کو اپنی فتوحات سے تعبیر فرمایا تھا۔ابن بابو یہ روایت کرتے ہیں کہ جنگ احزاب میں جس کو''جنگ خندق'' بھی کہتے ہیں حضرت سلمان فارسی کی صلاح سے خندن کھودی گئی، خندق کھودتے قوت ایک ایسا سخت پتھر نکلا کہ کدال اس پر کچھ کام نہیں کرسکتا تھا اور نہ وہ ٹوٹتا تھا،حضرت ﷺ کواس کی اطلاع دی گئی اورآپ نے دست مبارک میں کدال لے کر اس پتھر پر ایک ضرب لگائی، اس سے ایک روشنی نکلی اورآپ نے اسے دیکھ کرفرمایا کہ اللہ اکبر! شام کی کنجیاں خدا نے مجھے دیں اور قسم ہے خدا کی! اس کے سرخ محل میں دیکھ رہا ہوں پھر دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر اس سے ٹوٹا، آپ نے فرمایا اللہ اکبر خدا نے فارس ملک کی کنجیاں مجھے دے دیں اور قسم ہے خدا کی! مدائن کے سفید قصر کو میں دیکھ رہا ہوں اور جب تیسری چوٹ لگائی اور وہ پتھر ٹوٹ گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھے دیں اور قسم ہے خدا کی کہ صنعاء کے دروازے کو میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ روایت [1] صفحہ ۳۷۶ حیات القلوب کی دوسری جلد مطبوعہ نولکشور اور ناسخ التواریخ کی کتاب دوم جلد اول مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۱۶ میں نقل ہے اور

[1] چون ایں خبر بحضرت رسول رسید اصحاب خود راطلبید و بایشان مشورت کرد هفتصد نفربودند پس سلمان گفت یارسول الله جماعت قلیل در مطادله و مبارزه در برابر جماعت کثیر نمیتو اند ایستاد حضرت فرمود پس چه کنیم سلمان گفت خندق می کنیم بردر خود که حجا بے باشد میان تو وایشان که ایشان ازهر جانب بر سر مانیایندو جنگ از یك جانب باشد و مادر بلا د عجم وقتیکه لشکر گرانے متوجه مامی شد چنیں می کردیم که جنگ از موقع معینے واقع شود پس جبریل بر حضرت رسول نازل شد و گفت رائے سلمان صوابست وبآں عمل می باید کرد حضرت ⇦⇦⇦

اخیر روایت کے الفاظ یہ ہیں:

⇦⇦⇦فرموده زمیں راپیمیودند از ناحیه احد تا برابح و مربست گام و با سے گام رابجماعتے از مهاجران و انصار داد که حفر نمایند و امر کرد که بیلها و گلنکها آوردند و حضرت خود ابتدا کرد در حصه مهاجران کلنگے برداشت و خودمی کند حضرت امیر المومنین خاك رانقل می کردتا آنکه عرق کرده مانده شدو فرمود که عیشے نیست مگر عیش آخرت خداوندا بیا مرزا نصار و مهاجران راوچون مردم دیدند که حضرت خود متوجه کندن گردید اهتمام بسیار کردند در کندن و خاك را نقل می کردند، چون روز دوم شد بامد ادآمدند بر سر خندق و حضرت در مسجد فتح نشست و صحابه مشغول کندن شدندنا گاه بسنگے رسید که کلنگ بران کار نمیکر د پس جابر بن عبدالله انصاری رانجدمت حضرت فرستادند که حقیت حال را عرض نماید، جابر گفت که چون مسجد فتح رفتم دیدم که حضرت برپشت خوابیده است دردائے مبارك رادرزیر سر گزاشته واز گرسنگی برشکم خود سنگے بسته است گفتم یارسول الله سنگے در خندق پیدا شده که کلنگ دران اثر نمیکند پس بر خاست و بسرعت روانه شدچون بآن موضع رسید آبے طلبیدوازاں آب وضو ساخت و کف آبے دردهان حکمت نشان کردو مضمضه نمود و برآن سنگ ریخت پس کلنگ راگرفت و ضربتے بران سنگ زد که ازاں برقے ساطع شدواز برق قصر هائے شام رادیدیم پس بارد گر کلنگ راز دو برقے ساطع شد که قصر هائے مدائن رادیدم پس بارد گر کلنگ راز دو برقے لا مع شد که قصر هائے یمن رادیدم پس فرموده ایں مواضع را که برق بر آنهاتا بید شما فتح خواهید کرد مسلماں را از استماع ایں بشات شاد شدند و خدارا حمد کردند و منافقاں گفتند که وعده ملك کسری و قیصر میدهد واز ترس بردر خود خندق میکند پس حق تعالیٰ آیت قل اللهم مالك الملك رابرائے تکذیب و تادیب منافقاں فرستاد۔ و ابن بابو یه روایت کرده است که چون کلنگ اول راز دسنگ شکست فرمود که الله اکبر کلید هائے شام راخدا بمن داد بخدا سوگند که قصر هائے سرخ آن رامی بینم پس کلنگ دیگر زد و ثلث دیگر را شکست و گفت الله اکبر که کلید هائے ملك فارس رابمن داد و خدا سوگند که الحال قصر سفید مدائن رامی بینم وچون کلنگ سوم راز دو دهاقے سنگ جدا شدگفت الله اکبر کلید هائے یمن بمن داد ند و بخدا سوگند که دروازه هائے صنعاء رامی بینم۔ وکلینی بسند معتبر روایت کرده است از حضرت صادق که کلنگ را از دست امیر المومنین یا سلمان گرفت ویك ضربت زد که سنگ بس پاره شد فرمود که فتح شدبر من در ایں ضربت گنجهائے کسری و قیصر پس ابوبکر و عمر با یکدیگر گفتند که نمیتوا نیم از ترس بقضائے حاجت بردیم داد وعده ملك بادشاه عجم و بادشاه روم بمامی دهد۔

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۳۷٦)

((بـالـجـمـلـه درایام حفر خندق قطعه از سنگے سخت پدید شد که مردم از شکستن آن بے چاره گشتند و سلمان ایں خبر بـرسـول خدا برداشت جابر بن عبدالله انصاری گوید دریں هـنـگام رسول خدا در مسجد فتح بر پشت خوابیده بود واز شدت جوع سنگ برشکم مبارك بسته داشت چه سه روز می رفـت کـه هیچ کس بطعامے دست نیافت بایں همه چوں ایں قـصـه بشـنـیـد متین برگرفت و بخندق در آمد براء بن عازب گـویـد چوں بامتین بر سرسنگ آمد فرمود بسم الله وبضرب نـخستیں یك ثلث آن سنگ رابیفگند و گفت الله اکبر و برقے از سـنـگ جستـن کـرد پیـغـمبـر فرمود مفاتیح شام مرادادند سوگند باخدای که شام رابا قصور احمر مشاهدت می کنم و در ضـربـت دوم ثـلـث دوم رافـرود آوردوهم برقے بجست فـرمـود الـله اکبر مفاتیح فارس مرادادند سوگند باخدای که قـصـورا بیض مـدائـن رامـی نگرم و در ضربت سیم سنگ رابـجـمـلـه پـراگـنده ساخت و نیز برقے جهیدو رسول خدا فـرمود الله اکبر مفاتیح یمن بهره من افتاد سوگند باخدائیکه ابواب صنعاء نظاره کنم و درهرکرت مردم با پیغمبر موافقت می کردند و بانگ تکبیر برمی داشتند آنگا روئے باسلمان کرد و صـفـت کـوشك مدائن رابتمامت باز گفت سلمان عرض کـردید سوگند خدای که ترا فرستاده ایں همه صفت کو شك مـدائـن سـت و گـواهـی مـی ده کو تو رسول خدای پیغمبر فـرمـود بـعـد از مـن سـت مـن ایں ممالك بکشایند و دفائن

کسریٰ و قیصر رانفقه دهند .))

''خندق کھودنے کے زمانے میں خندق میں ایک ایسا پتھر نکلا کہ جس کے توڑنے سے لوگ عاجز آگئے، چنانچہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کی اطلاع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بوقت اطلاع رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مسجد فتح میں چت سو رہے تھے اور بھوک کی وجہ سے آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا کیونکہ تین دن سے آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا، آپ نے یہ ماجرا سنا تو کدال لے کر خندق میں آئے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کدال لیے ہوئے جب پتھر کے پاس آئے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس پر ضرب لگائی جس سے اس پتھر کا ایک تہائی حصہ گر پڑا، آپ نے اللہ اکبر کہا اور اس پتھر میں سے ایک شرارہ نکلا تو آپ نے فرمایا کہ مملکت شام کی کنجیاں مجھے دی گئیں اور بخدا شام کے سرخ محل دیکھ رہا ہوں، پھر دوسری ضرب میں باقی ایک تہائی پتھر کٹ کر گرا اور اس میں سے بھی برقی روشنی نمودار ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا: فارس کی کنجیاں مجھے دی گئیں اور بخدا! مدائن کے سفید محل میں دیکھ رہا ہوں، پھر تیسری ضرب میں باقی ماندہ پتھر کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اس مرتبہ بھی اس میں سے بجلی نکلی اور آپ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا: یمن کی کنجیاں ہمارے لیے رکھ دی گئی ہیں اور بخدا! صنعاء کے دروازے میں دیکھ رہا ہوں اور حالت یہ تھی کہ ہر ضرب پر جب آپ اللہ اکبر فرماتے تو دوسرے لوگ بھی آپ کی آواز کے ساتھ ہی اللہ اکبر کہتے تھے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدائن کے محلات کی پوری صفات سنائیں تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! جس نے آپ کو سچا رسول بنایا ہے واقعی مدائن کی یہی صفات ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ برحق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس پر ارشاد عالی ہوا ہمارے بعد ہمارے امتی ان تمام ممالک کو فتح کریں گے اور قیصر و کسریٰ

کے خزانے خرچ کریں گے۔'' (ناسخ التواریخ، کتاب جلد اول مطبوعہ ایران ۲۱۶)

اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے شام، فارس اور یمن کے فتوحات کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ میری امت کے لوگ اور مسلمان اسے فتح کریں گے اور نیز ان فتوحات کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور ارشاد کیا کہ خدا نے ان ملکوں کی کنجیاں مجھے عنایت کیں۔ اگر خلفاء کی خلافت باطل ہوتی اور وہ اور ان کے ساتھ دینے والے اور ان کے حکم پر لڑنے والے جن کے ہاتھ پر یہ ملک فتح ہوا منافق یا مرتد ہوتے اور دائرۂ اسلام سے خارج، تو کیا پیغمبر خدا ﷺ ان کے فعل کو اپنی طرف منسوب کرتے اور ان کی فتوحات کو اپنی فتوحات سمجھتے؟ اس کے جواب میں مجتہد صاحب ''تشئید المبانی''میں فرماتے ہیں:

((نہایت آنچه ازیں روایت ثابت می شود ایں ست که ملك شام و یمن وغیره در قبضه اسلام خواهد آمد وازاں ظاهر نمی شود که کسانیکه درایام حکومت آنها ایں ممالك در قبضه خواهد آمد خلیفه بحق خواهند بود زیرا که از جمله احادیث معتمده اهل سنت ست که **"ان الله یؤید هذا لدین بالرجل الفاجر"** پس اگر قوت دین ورواج شرح متین در عهد احدے دلیل حقیت ا باشد لازم آید حقیت خلافت هر بادشاه فاجر و جابر"وهو خلاف مزعوم المجیب)) انتهی

''انجام کار اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ممالک شام و یمن وغیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں گے لیکن اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جن اشخاص کی حکومت میں ان ممالک پر اسلامی قبضہ ہوگا وہ سچے اور خلیفہ برحق ہوں گے کیونکہ سنیوں کی کتاب میں یہ معتبر حدیث ہے کہ اللہ ایک فاجر کے ذریعہ اسلام کی تائید کرے گا اس کے مدنظر اگر اسلامی قوت اور شریعت کا رواج کسی کے زمانے میں اس حاکم کے حق وحقیت کی دلیل تسلیم کی جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ

ہر ایک فاجر و ظالم بادشاہ خلافت کا حق دار و مستحق ہے، حالانکہ یہ بات مجیب کے گمان کے خلاف ہے۔''

اس جواب میں مجتہد صاحب نے پہلی حدیث کے موافق جو ابھی اوپر بیان ہو چکی، پھر اہل سنت کی حدیث کو پیش کیا، حالانکہ ان کو اس روایت کے متعلق جواب دینا چاہیے تھا جو کچھ جواب انہوں نے دیا اس سے بحمد اللہ تعالیٰ اس روایت کی تصدیق ہو گئی اور سنیوں کی پیش کردہ حدیث سے مجتہد صاحب کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اس لیے کہ جب اس روایت میں یہ لکھا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے تین دفعہ یہ فرمایا کہ خدا نے فلاں ملک کی کنجیاں میرے ہاتھ میں دیں اور ہر مرتبہ خوش ہو کر تکبیر فرمائی، پس اگر خلفاء فاجر ہوتے تو کیسے پیغمبر خدا ﷺ اپنے مبارک ہاتھ کو ان کا ہاتھ کہتے اور کس طرح خوش ہو کر بشارتاً اصحاب سے خطاب فرماتے کہ ''خدا نے یہ ملک مجھے دیا اور میری امت کے ہاتھ سے فتح ہوگا۔'' کیا وہ پاک رسول ﷺ جس کے ہاتھ کو خدا نے اپنا ہاتھ کہا ہو اور جس کی شان میں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ [1] فرمایا ہو ان فاجرین کے افعال پر جنہوں نے دین کو بدل دیا اور اہل بیت نبوی کے حقوق غصب کر لیے اور جو فسق و فجور کے درجے سے گزر کر مرتد اور کافر ہو گئے بلکہ ایسے لوگوں کی نسبت جن کو شیعہ حضرات کبھی مسلم اور مومن سمجھتے ہی نہیں اور ابتدا ہی سے ان کو منافق سمجھتے ہیں، اظہار بشارت فرمائیں اور ان کے مساعی جمیلہ سے جو ملک فتح ہوں اور اسلام ترقی پائے اس پر فخر و مباہات کریں؟ اور اس پر بھی تعجب ہے کہ جس حدیث سے اہل سنت کی جناب قبلہ و کعبہ نے استمساک فرمایا ہے وہ بھی ان کے مفید مطلب نہیں۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے بعد خلفاء ہوں گے، یعنی خلفائے حق اور اس کے بعد امراء ہوں گے اور اس کے بعد ملوک جابر۔

پس سنیوں کی حدیث کے مطابق اس حدیث کا اطلاق خلفائے کرام پر ہو ہی نہیں سکتا۔

---

[1] جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے، اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے۔ موضح پارہ ۲۶ سورۂ فتح رکوع اوّل۔

اوراگراس طرح پراحادیث کی معنوی تحریف کی جائے اوراس کے مصداق کو غلط ٹھہرایا جائے تو جوحدیثیں امام مہدی کی شان میں ہیں کہ ان سے دین کوتقویت ہوگی اور وہ ساری دنیا میں اسلام پھیلائیں گے، اس کی نسبت بھی خوارج اس حدیث کو جوکہ شیعوں کے یہاں بھی منقول ہے یہی کہہ سکتے ہیں اورنعوذ باللہ! حضرت امام مہدی کے زمانے کےفتوحات پربھی ((ان اللہ یؤید ھذا لدین بالرجل الفاجر)) کہہ کراپنے نامۂ اعمال کوسیاہ کرسکتے ہیں۔ پس جوجواب حضرات امامیہ ان کودیں اسی کو ہماری طرف سے بھی سمجھیں۔

انصاراورمہاجرین دوگروہ کی نسبت ہم ثابت کر چکے کہ وہ مومنین خاص اورمخلصین با اختصاص سے تھے۔ اوران جوابات سے جوعلمائے امامیہ نے دیے ہیں یہ بات ہم ظاہرکر چکے ہیں کہ ان روایات کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ تاویل جومعنوی تحریف کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔فرماتے ہیں: البتہ مہاجرین وانصار کی شان میں جواحادیث ہیں اس سے خلفائے راشدین کی نسبت بھی ایسی احادیث شیعوں کی کتابوں میں موجود ہیں جس سے ان کا ایمان اوراخلاص میں اورمومنین کی صفات سے متصف ہونا، بلکہ اسلام میں ان کا بڑا درجہ ہونا اوران کی وفات سے اسلام کوسخت نقصان پہنچنا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ ان میں سے بعض روایتیں ہم حصہ اوّل کے جزء اوّل میں اس کتاب کے بیان کر چکے ہیں، اوربعض مختلف موقعوں پر دوسرے جزء میں بیان کی ہیں اور کچھ اس وقت بیان کرتے ہیں۔

نہج البلاغہ میں امیرالمومنین کے وہ اقوال منقول ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے خیالات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت نہایت اعلیٰ درجے کے تھے، وہ ان کوعرب کا مرجع اورقطب سمجھتے تھے اوران کی سلامتی کوغنیمت جانتے تھے اوران کو دوستانہ صلاح اورمشفقانہ مشورے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فارس کی لڑائی پرخودتشریف لے جانے کا ارادہ کیا اور جناب امیر سے مشورہ لیا تو آپؑ نے یہ فرمایا کہ [1] اسلام کی نصرت اور

---

[1] یہ خطبہ ایسا مشہور ہے کہ ہم کواس کے الفاظ کےنقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابن میثم بحرانی نے جواس کی شرح میں لکھا ہے وہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۳۰۶ میں لکھا ہے: وقولہ فکن قطباً شروع فی ⇦⇦⇦

عدم نصرت فوج ولشکر کی کمی وبیشی پر موقوف نہیں ہے یہ خدا کا دین ہے جسے وہ خود ہی غالب کرتا ہے اور اسلام کا لشکر اسی کا لشکر ہے جس کی خود ہی اعانت اور امداد فرماتا ہے، یہاں تک کہ اسلام اس حد کو پہنچا اور دنیا میں پھیل گیا۔ اور ہم سے اللہ نے وعدہ کیا ہے اور خود ہی اس کا پورا کرنے والا اور اپنے لشکر کی مدد دینے والا ہے۔ اور خلیفہ بمنزلہ اس دھاگے کے ہے جس

⇦⇦⇦الرائی الخاص بعمر فاشار علیه ان یجعل نفسه مرجعا للعرب تئول الیه و تدور علیه و استعار له لفظ القطب ولهم لفظ الرحی ورشح بالاستعارة فکنے بذالك عن جعل العرب وربةِ دونه و حیطة له ولذالك قال واصلهم دونك نارالحرب لانهم ان سلمواو غنموا فذالك الذی ینبغی وان انقهر واکان هو مرجعا لهم وسندا یقوی طنورهم به بخلاف شخوصه بهم فانهم ان ظفر وا فذالك وان انقهر والم یکن لهم ظهر یلجاون الیه کما سبق بیانه و قوله فان کان شخصت الی قوله فیك بیان للمفسدة فی خروجه بنفسه من و جهین احد هما ان الاسلام کان فی ذالك الوقت غضا دو قلوب کثیر من العرب ممن اسلم غیر مستقرة بعد فاذا انصاف الی من لم یسلم منهم و علموا خروجه و ترکه للبلاد کثر طمعهم و هاجت فتنتهم علی الحرمین و بلاد الاسلام فیکون ماترکه وراء ہ اهم یطلبه و یلتقی علیه الفریقان من الاعداء الثانی ان الا عاجم اذا اخرج الیهم بنفسه طمعوا فیه و قالوا المقالة فکان خروجه محر صالهم علی القتال وهم اشد علیه کلبا واقوی فیه طمعا، قوله فاماذکرت من سیر القوم الخ فهوانه قال له ان هو لاء الفرس قد قصدو المسیر الی المسلمین و قصد هم ایا هم دلیل قوتهم وانا اکره ان یغز ونها قبل ان نغزوهم، فاجابه ان کان کرهت ذالك فان الله تعالیٰ اشد کراهیة و اقدر علیك علی التغیر والا زالة، وهذا الجواب یدور علی حرف و هوان مسیرهم الی المسلمین و ان کان مفسدة الاان القاء ہ لهم بنفسه فیه مفسدة اکبر واذا کان کذالك فینغبی ان یدفع العظمی و یکل دفع المفسدة الاخری الی الله تعالیٰ فانه کان لهاومع کراهیة لها فهوا قدر علی ازالتها. یعنی تم قطب ہو کر رہو۔ یہ اس رائے خاص کا شروع ہے جو عمر کو آپ نے دی اس کہنے سے آپ نے عمر کو یہ بتلایا کہ تم اپنے آپ کو عرب کے لیے مرجع بناؤ کہ تمہاری طرف عرب لوٹ کر آیا کریں۔ یہاں آپ نے عمر کے لیے لفظ قطب کا استعارہ کیا، اور عرب کے لیے چکی کا۔ مقصود اس کنایہ سے آپ کا یہ ہے کہ عرب تمہارے لیے احاطہ ہے، اس لیے کہ عرب اگر سلامت اور غنیمت لے کر پھرے تو یہ تو مقصود ہی ہے اور اگر مغلوب ہوئے تو تم ہی ان کے مرجع ہو گے، بخلاف ان کے ساتھ تمہارے جانے کے کہ اگر انہوں نے فتح پائی تو بہتر، اگر مغلوب ہوئے تو کوئی ملجاء ایسا نہ رہے گا جس کی طرف وہ لوٹ کر آئیں، جیسا کہ پہلے اس کا بیان ہو چکا، پھر آپ بیان کرتے ہیں کہ اگر تم قتال کو گئے تو اس میں دوطرح کی خرابیاں ہوں گی: اول یہ کہ اسلام ابھی تک پھیلا نہیں اور عرب کے جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں ان کے دل ابھی تک ٹھکانے نہیں لگے، ⇦⇦⇦

میں موتی پرو دیے گئے ہوں کہ ان کی لڑی اسی وقت ثابت رہ سکتی ہے جب تک کہ وہ دھاگا سلامت رہے، اگر وہ ٹوٹ جائے تو موتیوں کے سب دانے بکھر جائیں اور پھر جمع نہیں ہو سکتے۔ آج کل عرب اگرچہ کم ہیں لیکن بوجہ اسلام کے زیادہ اور بہ سبب اجتماع کے غالب ہیں۔ تم قطب ہو کر رہو اور عرب کو گھیرے رہو تمہارے بغیر عرب میں لڑائی کی آگ بھڑک اٹھے گی، کیونکہ اگر تم اس زمین سے چلے جاؤ گے تو عرب اطراف و جوانب سے تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور جن چیزوں کو تم پیچھے چھوڑ جاؤ گے وہ زیادہ اہم اور نازک ہو جائیں گی بہ نسبت اس کے جس کے لیے جاتے ہو، کیونکہ عجمی جب تمہارا جانا دیکھیں گے تو کہیں گے کہ عرب اتنے ہی تھے اور زیادہ دلیری اور طمع کریں گے، اور تم جو یہ کہتے ہو کہ اہل فارس مسلمانوں پر چڑھ کر آئے ہیں تو خدائے تعالیٰ کو تم سے بھی زیادہ ان کا چڑھ کر آنا برا معلوم ہوتا ہے اور جس بات کو وہ برا جانتا ہے اس کے دور کرنے پر وہ قادر ہے، اور تم نے جوان کی کثرت بیان کی تو ہم پہلے جہاد کچھ کثرت کے بھروسے پر نہیں کیا کرتے تھے بلکہ خداوند تعالیٰ کی مدد اور نصرت

⇦⇦⇦ پس اگر تم ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے اور عرب کو معلوم ہو گا کہ تم یہاں نہیں ہو اور اپنے شہروں کو تم نے چھوڑ دیا ہے تو ان کی طمع بڑھ جائے گی اور بلاد مسلمین حرمین پر ان کا فتنہ زیادہ ہو جائے گا، تو جو چیز اپنے پیچھے چھوڑتے ہو وہ زیادہ اہم ہو جائے گی بہ نسبت اس کے جو آئندہ ہے اور اس کی طلب میں جاتے ہو اور تم پر دونوں فریق اعداء کے مل کر حملہ کریں گے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ عجمیوں کی طرف جب تم خود خروج کرو گے تو ان کو طمع ہو گی تو وہ بہت سی بیہودہ بکواس کریں گے اور یہ تمہارا خروج ہی ان کو قتال پر آمادہ کرے گا اور وہ تم سے قتال پر بدخوئی اور طمع میں زیادہ قوی ہیں، (اما ما ذکرت من سیر القوم...... الخ) کا مطلب یہ ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ اہل فارس مسلمانوں پر حملہ کرنے کا قصد کر رہے ہیں اور ان کا قصد کرنا ہی ان کی قوت کی دلیل ہے اور مجھے یہ بات بری معلوم ہوتی ہے کہ وہ ہم پر چڑھ کر آئیں پہلے اس سے کہ ہم ان پر چڑھائی کریں آپ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر تم کو یہ بات بری معلوم ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو تم سے زیادہ بری معلوم ہوتی ہے اور وہ تم سے زیادہ زائل کرنے پر قادر ہے، یہ جواب صرف ایک بات پر ختم ہوتا ہے وہ یہ کہ اگرچہ اہل فارس کا مسلمانوں پر چڑھائی کرنا مفسدے کی بات ہے لیکن تمہارا خود ان کی لڑائی کے لیے جانے میں زیادہ فائدہ ہے، جب یہ بات ہے، تو تم کو لازم ہے کہ بڑے مفسدے کو دفع کرو اور دوسرے مفسدے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو کہ وہ اس کے ازالہ پر خوب قادر ہے۔

کے بھروسے پر نہج البلاغہ میں ایک خط حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے بنام معاویہ رضی اللہ عنہ کے منقول ہے جس کا آغاز یہ ہے (فارادقومناقتل نبینا الخ) اس کی نسبت ابن میثم بحرانی اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ اس خط کا ایک جزو ہے جو جناب امیر نے معاویہ کو ان کے خط کے جواب میں لکھا تھا اور جس میں انہوں نے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو طلب کیا تھا اور یہ بھی اس میں لکھا تھا کہ مسلمانوں میں سب سے برتر پہلے خلیفہ تھے، پھر دوسرے، پھر تیسرے۔ اور جناب امیر پر یہ طعن کیا تھا کہ تم نے سب پر حسد کیا اور سب سے باغی رہے اور ہمیشہ خلافت کی طمع میں سرد آہیں بھرتے رہے اور بیعت کو تم ہمیشہ ٹالتے رہے یہاں تک کہ جس طرح نکیل پکڑ کر زبردستی اونٹ کھینچا جاتا ہے تم کھینچے گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ خط معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی کے ہاتھ جناب امیر علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ اس کے جواب میں آپ نے ایک طولانی خط لکھا جس میں خلفاء کی متعلق یہ جواب تھا:

((و ذكرت ان الله اجتبى له من المسلمين اعوانا ايدهم به فكانوا فى منازلهم عنده على قدر فضائلهم فى الاسلام وكان افضلهم فى الاسلام كما زعمت و انصحهم الله ولرسوله الخليفة الصديق و خليفةالخليفة الفاروق ولعمرى ان مكانهما فى الاسلام لعظيم و ان المصاب بهما لجرح فى الاسلام شديد يرحمهما الله و جزا هما الله با حسن ما عملا .))

”کہ تم یہ جو کہتے ہو کہ خدا نے رسول خدا کے لیے مسلمانوں میں سے ایسے اعوان و انصار دیے ہیں جنہوں نے آپ کی تائید کی اور وہ لوگ اپنے اپنے درجے کے موافق اسلام میں خاص مرتبہ رکھتے ہیں اور ان میں سے افضل جیسا کہ تم نے گمان کیا اور سب سے بڑھ کر نصیحت کرنے والے خدا اور رسول کے لیے خلیفہ صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے خلیفہ فاروق رضی اللہ عنہ تھے، میں بھی اپنی جان کی قسم

کھا کر کہتا ہوں کہ ان دونوں کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے اور ان کے صدمے، یعنی وفات اسلام کے لیے بہت سخت مصیبت ہے خدا ان دونوں پر رحم کرے اور ان کے اعمال کا انہیں نیک بدلہ عنایت کرے۔“

نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر باغیوں نے ہجوم کیا تو جناب امیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ لوگوں نے مجھے سفیر بنا کر آپ کے پاس بھیجا ہے، مگر نہیں جانتا کہ آپ سے کیا کہوں، میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جو تم نہ جانتے ہو اور کوئی شے ایسی نہیں بتا سکتا جو تم نہ سمجھتے ہو، تم وہی جانتے ہو جو ہم جانتے ہیں، کسی چیز میں ہم نے تم سے سبقت نہیں کی جو ہم تمہیں بتا دیں، تم نے وہ سب دیکھا ہے جو ہم نے دیکھا اور تم نے وہ سب سنا ہے جو ہم نے سنا، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ویسی ہی صحبت پائی جیسی کہ ہم نے، نہ ابن ابی قحافہ تم سے بڑھ کر تھے نہ ابن خطاب تم سے زیادہ مستحق، کیونکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہو اور ان کی دامادی کا شرف رکھتے ہو جو ان کو حاصل نہیں تھا۔ پھر اس کے بعد اور باتیں کیں اور ان کو سمجھایا۔ مگر ہمارا مطلب اس وقت ان الفاظ کی نقل سے ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر نے کسی بات میں اپنے آپ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں فرمایا بلکہ صاف صاف کہا کہ جو میں جانتا ہوں وہی آپ جانتے ہیں، جو میں نے دیکھا ہے وہی آپ نے بھی دیکھا ہے جو میں نے سنا ہی آپ نے بھی سنا اور جو عزت صحبت نبوی کی مجھے حاصل ہے وہی آپ کو بھی۔ چنانچہ آپ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

((والله ما ادری ما اقول لك ما اعرف شيئا تجهله ولا ادلك على امر لا تعرفه انك لتعلم ما نعلم والله ما سبقناك الى شئ فنخبرك عنه ولا خلونا بشیء فنبلغکه و قدرأیت کما رأینا وسمعت كما سمعنا وصحبت رسول الله ﷺ كما صحبنا وما ابن ابی قحافة ولا ابن خطاب باولى بعمل الحق منك و انت اقرب رسول الله ﷺ وشيجة رحم و قدنلت من صهره

مالم ینالا.))

(نہج البلاغۃ حصہ اول صفحہ ۴۴۹۔۴۵۰ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

''خدا کی قسم! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں، میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس سے آپ ناواقف ہوں، نہ میں کسی ایسے امر کی طرف آپ کی راہنمائی کرسکتا ہوں جسے آپ نہ جانتے ہوں، جو آپ جانتے ہیں وہی ہم جانتے ہیں، کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے ہم پہلے سے جانتے ہوں کہ اس سے آپ کو باخبر کریں نہ کسی بات میں ہم آپ سے جدا ہوئے کہ اب آپ کو وہ بتا دیں جس طرح ہم نے دیکھا، اسی طرح آپ نے دیکھا جس طرح ہم نے سنا اسی طرح آپ نے سنا، جس طرح ہم نے سنا اسی طرح آپ نے سنا، جس طرح ہم رسول اللہ ﷺ کے شرف صحبت سے مشرف ہوئے اسی طرح آپ بھی ہوئے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ سزاوار نہیں تھے کیونکہ باعتبار قرابت آپ رسول اللہ ﷺ سے ان دونوں کے مقابلے میں نزدیک تر ہیں، بلاشبہ آپ نے رسول اکرم ﷺ کی دامادی کا شرف (دو) مرتبہ حاصل کیا ہے جو انہیں نہیں ملا۔''

یہ اقوال جناب امیر کے اور وہ روایتیں ائمہ کرام کی جو اوپر ہم نے امامیہ کی معتبر کتابوں سے نقل کی ہیں غالباً دیکھنے والوں کو اس باب میں کچھ شبہ باقی نہیں رہے گا کہ مہاجرین و انصار خدا اور رسول کے ممدوح تھے اور خلفائے راشدین کے مناقب اور محامد ائمہ کی زبان پر جاری تھے اور ان کے حسن اعمال کا صلہ خدا سے چاہتے تھے اور ان پر رحمت بھیجتے تھے، کیا وہ لوگ جن کی نسبت حضرت امیر نے فرمایا: ((ھو ولعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بھما الجرح فی الاسلام شدید)) ''کہ میری جان کی قسم! ان دونوں کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے اور ان کی وفات اسلام کے لیے سخت مصیبت ہے۔'' ایمان سے خارج اور اسلام سے بے نصیب تھے اور کیا وہ خلفاء جن کے حق میں علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ((یرحمهما الله و جزاهما الله باحسن ماعمل))...... ’’کہ خدا ان دونوں پر رحم کرے اور ان کے اعمال کا انہیں نیک بدلہ عنایت کرے۔‘‘ کہہ کر دعا کی ہو غاصب اور ظالم خیال کیے جاسکتے ہیں اور بجائے رحمت بھیجنے کے ان کی شان میں کسی قسم کے بے ادبانہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نکل سکتے ہیں، اور کیا وہ داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس کی نسبت جناب امیر نے ((والله ما سبقناك الى شى وقدرأيت كما رأينا و سمعت كما سمعنا وصحبت رسول الله كما صحبنا و انت اقرب رسول الله))...... ’’کہ نہ ہم کسی بات میں آپ سے جدا ہوئے جس طرح ہم نے دیکھا اسی طرح آپ نے دیکھا جس طرح ہم نے سنا اسی طرح آپ نے سنا، جس طرح ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرف صحبت سے مشرف ہوئے، اسی طرح آپ بھی ہوئے، آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں۔‘‘ فرمایا: وہ نعوذ باللہ منافق اور کافر تھے اور وہ انصار جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الانصار ((کرشی و عیبتی)) فرمایا اور ((ولو سلك الناس واديا و سلك الانصار شعبا لسلكت شعب الانصار))...... ’’کہ اگر سارے لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسری راہ پر چلیں تو میں انصار کی راہ پر چلوں۔‘‘ ارشاد کیا ہو اور جن کے حق میں ((اللهم اغفر الانصار و ابناء الانصار و ابناء ابناء الانصار))...... ’’اے اللہ انصار اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کی مغفرت فرما۔‘‘ دعا میں فرمایا ہو اور وہ مہاجرین رضی اللہ عنہم جن کو امام نے جہاد کے لیے ماذون من اللہ فرمایا ہو اور جن کو ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ﴾ ’’یعنی توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، خدا کا شکر ادا کرنے والے اور روزہ رکھنے والے۔‘‘ میں شمار کیا ہو، شیعوں کے عقائد کے مطابق مرتد ہو گئے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو ایسے لوگوں نے بھلا دیا ہو اور اہل بیت سے پھر گئے ہوں اور کسی نے جناب امیر کا جو وصی برحق اور خلیفہ بلافصل تھے ساتھ نہ دیا ہو۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ سوائے اس حالت کہ جبکہ انسان مذہبی تعصب کے جوش میں آکر عقل وفہم کو خیر باد کہہ دے اور بدیہیات کے انکار میں کچھ پس و پیش نہ کرے، ہوش و

حواس کی حالت میں کسی انسان کی زبان سے نہیں نکل سکتے ہیں نہ کسی سمجھ دار آدمی کے خیال میں آسکتی ہیں۔ اگر اس قسم کے خیالات اور اقوال کی قباحت کسی کے خیال میں نہ گزرے تو اسے مرفوع القلم سمجھ کر اس کے حق میں دعا کرنی چاہیے کہ خدا سمجھ عطا کرے اور سفسطہ اور بدیہیات کا پردہ اس کے دل اور آنکھوں سے اٹھا دے۔

❀❀❀❀

چوتھا مقدمہ

علمائے امامیہ نے مطاعن صحابہ کے ثابت کرنے میں اکثر وہ روایتیں ہمارے یہاں کی پیش کی ہیں جو جھوٹی ہیں یا ضعیف۔ اور ان کتابوں سے استدلال کیا ہے جو غیر مستند اور نا معتبر ہیں۔ جب ہمارے علماء نے اس قسم کی روایتوں کی تکذیب کی اور ایسی روایتوں کے پیش کرنے اور ایسی کتابوں سے استدلال کرنے کو ناجائز اور دھوکہ قرار دیا تو اس پر عموماً علمائے امامیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ سنیوں کی یہ عادت ہے کہ جب کوئی ایسی روایت ان کی کتابوں سے پیش کی جائے جس سے ان کے اصول میں خلل واقع ہو اور جس کا جواب ان سے نہ بن پڑے تو یا اس روایت کی تکذیب کرتے ہیں یا اسے ضعیف کہہ دیتے ہیں، اور اس کتاب کے مؤلف پر تشیع یا میلان تشیع کی تہمت لگا کر اپنے فرقے سے خارج کر دیتے ہیں، اور اگر بوجہ شہرت ایسا نہ کر سکیں تو کبھی یہ کہہ کر مطعون بنا کر اس کی روایت کے تسلیم میں سو حیلے نکالتے ہیں۔ چنانچہ اس اعتراض کو قاضی نور اللہ شوستری [1] اور مجتہدین لکھنو اور جناب مولوی حامد حسین صاحب نے اپنی اپنی کتابوں میں بہت زور وشور سے بیان کیا ہے۔

[1] جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں فرماتے ہیں کہ بہت بری عادتوں سے سنیوں کی اور ان کی بے شرمیوں اور فضیحت کن باتوں سے یہ ہے کہ جب امامیہ کوئی آیت جو فضائل اہل بیت میں نازل ہوئی ہے پیش کرتے ہیں اور ان روایتوں سے جو خود سنیوں نے بیان کی ہیں سند لاتے ہیں تو اسے کبھی ضعیف کہہ کر کبھی مخالف کی بناوٹ بتا کر کبھی تخصیص وتعمیم کی قیدیں لگا کر اور کبھی بیہودہ تاویل کر کے رد کرتے ہیں کانھم مفوضون فی الدین موکلون فی تشریع الشرع السید المرسلین و لم یسمعوا کلام رب العالمین حیث قال قتل الخراصون الذین ھم فی غمرۃ ساھون و اما اقل حیاء ھم واکثر اعتداد ھم فای خیر فی ذالك وای جمیل یترقب من ھذا الخلف لایرحمھم اللہ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم۔ صاحب استغاثہ فرماتے ہیں: بالجملہ مقاصد گونہ استعجاب ست از انصات دشمنے ایں حضرات کہ خود بعبارات و ھفوات چنیں کسان کہ انتساب ایشاں ھم باھل حق ثابت نیست احتجاج و استدلال می نمایند و بوجدمی آیند وخوداز ⇦⇦⇦

درحقیقت یہ اعتراض ان کا صحیح نہیں ہے کیونکہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں تمام علماء اور کل مصنفین پاک عقیدہ، عالی دماغ، اور محقق گزرے ہوں نہ کسی مذہب کی تمام کتابیں ایسی ہیں جو معتبر اور مستند اور مذہبی مباحثوں میں قابل استدلال ہوں بلکہ ہر مذہب میں مذہبی عقائد کے ساتھ رسوم اور اوہام اور الہامی اقوال اور صحیح اخبار کے ساتھ قصص اور حکایات ملے جلے پائے جاتے ہیں اور ہر مذہب میں دنیا طلب یا فاسد العقیدہ یا کم علم لوگوں کی وجہ سے صحیح روایتوں کے ساتھ جھوٹی باتیں بھی مشہور ہوگئی ہیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں صدہا فرقے ہوگئے اور ہزارہا بلکہ لکھوکھا عالم گزرے اور ہر فرقے نے اپنے مذہبی عقائد کی تائید اور اپنے اصول مذہب کی حمایت میں کتابیں تصنیف کیں اور ان میں سے بہت سے ایسے ہوئے جنھوں نے اپنی دلیلوں کو تقویت دینے کے لیے روایتوں کا بنانا اور بانی مذہب اور بزرگان ملت کی طرف سے وضعی اقوال کا منتشر کرنا شروع کیا اور امتداد زمانہ اور ترقی اختلاف سے یہ عادت ایسی بڑھ گئی کہ ہر فرقے میں معتبر کتابوں کے ساتھ نا معتبر کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہوگیا ہے، ہمارے یہاں بھی ہزارہا عالم گزرے ہیں اور ہزارہا کتابیں تصنیف ہوئیں، مگر سب عالم نہ ایک درجے کے تھے اور نہ سب کتابیں ایک قسم

⇦⇦⇦ غایت جسارت و عدم استحیاء احتجاج را بکلام و مرویات اکائر ائمه دین خود قبول ندارندو بسمع اصغا جاند هند بلکه از مزید عناد یا بے بصیرتی آن علماء راگا هے رافضی و شیعی قطعاو حتما قرار دهندو گاهے مجهول و غیر معروف گویندو گا هے غیر معتبر و نا معتبر پنداند و مجروع مطروع بودند شان ظاهر سازند چنانچه ثعلبی راباآں همه جلال اوصاف و امامت مفسرین تضعیف و توهین سازند و مرویات اور اعتبارے ند هندو بجولے نخرندو پرده ناموس اور ابقدح و جرحش بدر ندوابن مغازلی رابا وصف ظهور محدثیت مجهول دانند وابن الصباغ مالکی سنی راتوهین و تضعیف کنند و ابن حبان راز از اصحاب صحاح و ائمه متبحرین ایشانست مطروح و متروك گویند و احتجاج بکلامش جائز ندارندو یحییٰ بن سعید بآں همه جلالت و امامت گویند که هیچ مردست و طبرسی راساقط الاعتبار سازند بلکه تهمت رفض بروگزار ند واز قبول روایات حاکم سر باز زنند و شهرستانی راهم مائل برفض و تشیع قرار دهند و اخطب خوارزم را از پایه اعتبار و اعتماد ساقط سازند۔ ۱۲

کی ہیں۔بعض عالم ایسے ہوئے ہیں جو تحقیق کے اعلیٰ درجے پر پہنچے، اور بعض ایسے ہوئے جو دھوکے اور غلطی کے عمیق گڑھے میں گرے۔کسی نے نیک نیتی سے حق کی تحقیق میں بہت کوشش کی، کسی نے نفسانی خواہشوں یا غلط رایوں یا دنیا طلبی کے خیال سے اظہار باطل میں تامل تک نہ کیا اور جھوٹ کو سچ سے جدا کرنے میں تکلیف نہ اٹھائی، اور پھر بعض ایسے بھی ہوئے جو حقیقت میں فاسد عقیدے رکھتے تھے اور تسنن کا لباس پہن کر ہمارے علماء میں داخل ہو گئے اور لوگوں نے ان کی ظاہری حالت اور ان کے علم و کمال کو دیکھ کر ان کے اقوال اور روایتوں کے لینے میں دھوکہ کھایا۔غرض یہ ہے کہ جب ایسے مختلف الخیال اور مختلف المراتب مصنف ہوئے ہوں تو ان سب کی نقل روایت کا ذمہ دار ہمارا مذہب نہیں ہوسکتا اور نہ ہر شخص کی تصدیق صرف اس وجہ سے کہ وہ عالم اور مصنف تھے کی جا سکتی ہے۔ہاں مذہب ضرور اس بات کا ذمہ دار ہے جو اس کتاب میں لکھی ہو جس کی شان ہے:

﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۝﴾ (حٰم السجدہ: ۴۲)

''اس پر جھوٹ کا دخل نہیں نہ آگے سے نہ پیچھے سے، اتاری ہے حکمتوں والے اور سب خوبیوں والے کی۔''

یا اس مبارک منہ سے نکلی ہو جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم: ۳،۴)

''اور نہیں بولتا اپنی خواہش سے یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے۔''

پس جو کچھ ہمارے یہاں کی کتابوں سے ہمارے مقابلے میں پیش کیا جاتا ہے وہ ہم پر حجت نہیں ہوسکتا تا آنکہ وہ کوئی آیت آیات قرآنی سے یا کوئی صحیح حدیث احادیث نبوی سے سالم عن المعارض و محفوظ عن الشذوذ نہ ہو۔مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے اس کے حضرات امامیہ کے پیش کردہ روایتوں کا ماخذ یا کتب تاریخ ہیں یا تفاسیر یا غیر مستند حدیث کی کتابیں اور ان تینوں قسم کی روایتوں کا حال یہ ہے۔

تاریخ کی کتابوں کی نسبت جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے بجز اس کے کچھ نہیں، کہا جاتا کہ اگرچہ بڑے لائق مسلمان مؤرخوں نے کثرت سے تاریخ کی کتابیں لکھی ہیں مگر وہ لغو اور باطل روایات اور وہمیات اور قصص و حکایات سے بھری ہوئی ہیں اور سوائے چند ابتدائی تاریخوں کے باقی تواریخ کی کتابوں میں جو روایتیں لکھی گئی ہیں ان میں نہ اسناد درج ہیں نہ روایت کا سلسلہ بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہو کہ اس کے بیان کرنے والے سچے ہیں یا جھوٹے، مذہب حق پر ہیں یا اہل بدعت، اور اگر کہیں سلسلہ کا روات کا مذکور بھی ہے تو تنقیح سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر روایتوں کے بیان کرنے والے غیر معتبر مشتبہ اور مجہول تھے۔ متقدمین میں سے بڑے نامور مؤرخ مثل واقدی وغیرہ کے جو امام المؤرخین کہلاتے ہیں خود ان کی کتابیں بیہودہ اور غلط روایتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور متاخرین کا تو یہ حال ہے کہ وہ صرف انہیں کی بیان کی ہوئی روایتوں اور کہانیوں کے نقل کرنے والے ہیں۔ انہوں نے جو پوچ اور لچر روایتیں اور واہی تباہی کہانیاں پچھلی کتابوں میں دیکھیں یا ادھر ادھر سے سنیں انہیں ہم تک پہنچا دیا، نہ ان کے ماخذ کو تحقیق کیا نہ ان کے مطالب کو غور سے و تامل سے دیکھا۔ خصوصاً ان مؤرخین نے جو پہلے سے کسی رائے یا کسی مذہب کے معتقد یا اس طرف مائل تھے، انہوں نے بمقتضائے طبیعت کے اپنی رائے اور مذہب کے موافق جن خبروں کو سنا قبول کر لیا اور ان کا اعتقاد اور میلان ان کی بصیرت کی آنکھ کا پردہ ہو گیا اور وہ جھوٹی بات کے قبول کرنے اور اس کے نقل کرنے کی مصیبت میں پڑ گئے اور راویوں پر خوش اعتقادی اور حسن ظن کی وجہ سے اعتماد کرنے اور ان کے حالات کی تحقیق نہ کرنے سے اس مصیبت کو عام اور پورا کر دیا۔ انہوں نے نقل کرنے والوں اور راویوں پر ایسا بھروسا کیا کہ نہ تنقیح روایت کے اصول کا لحاظ کیا نہ درایت کے قواعد کو کام میں لائے، اگر راویوں نے خود دھوکہ کھایا یا سمجھ کی غلطی سے وہ مطلب صحیح ادا نہ کر سکے اس کو بھی بجنسہٖ نقل کر دیا اور بے احتیاطی اور شہرت کی خواہش اور اہل ہوا و بدعت کے اختلاط نے تواریخ کی کتابوں کو قصے اور کہانی بنا دیا۔ یہ قول ابن خلدون کا محتاج دلیل نہیں ہے بلکہ تاریخ کی کتابیں اور ان کے قصص و حکایات اس پر شاہد ہیں۔ مگر

باوجود اس کے حضرات امامیہ نے اس قسم کی تاریخوں سے اکثر روایتیں نقل کی ہیں اور انہی بیہودہ اور غلط اخبار کو ہمارے مقابلے میں پیش فرمایا ہے۔ جیسا کہ دعویٰ ہبہ فدک میں تاریخ اعثم کوفی اور تاریخ آل عباس اور معارج النبوت اور حبیب السیر وغیرہ کتابوں سے غلط سلط روایتیں نقل کر کے ہبہ فدک کے دعویٰ کو ثابت کرنا چاہا ہے مگر محققین کے نزدیک اس قسم کی روایتیں معمولی واقعات میں بھی کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتیں نہ کہ ایسے معاملات میں ان سے استدلال کیا جائے جو ان اصول وعقائد پر مؤثر ہوں جو قرآن مجید اور احادیث مشہورہ سے ثابت اور مسلم ہوں۔

تواریخ کی کتابوں کے علاوہ تفاسیر میں جو اقوال اور اخبار درج ہیں ان کو بھی حضرات امامیہ نے مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم کے ثابت کرنے میں بطور سند کے پیش کیا ہے۔ مگر کسی روایت کا تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہونا اس کی صحت کو ثابت نہیں کرتا، کیونکہ تفسیر کی کتابیں بھی مختلف طبیعت کے آدمیوں کی لکھی ہوئی ہیں اور ان میں صحیح اور غلط قوی اور ضعیف اخبار ہر قسم کے درج ہیں، کما قال ابن تیمیه......:

((كتب التفسير التى ينقل فيها الصحيح و الضعيف مثل تفسير الثعلبى والواحدى والبغوى و ابن جرير و ابن ابى حاتم لم يكن مجرد رواية واحد من هولاء دليلا على صحته باتفاق اهل العلم فانه اذا عرف ان تلك المنقولات فيها صحيح و ضعيف فلابد من بيان ان هذا المنقول من قسم الصحيح دون الضيف .))

''یعنی تفسیر کی کتب میں صحیح وضعیف روایتیں منقول ہیں جیسے ثعلبی اور واحدی، بغوی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی تفسیریں، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ صرف ان لوگوں کا کسی روایت کو روایت کر دینا دلیل صحت نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ جب یہ معلوم ہے کہ جو ان میں منقول ہے وہ صحیح اور ضعیف دونوں ہیں تو اس کے

ساتھ ضرور ہے کہ یہ بیان کر دیا جائے کہ یہ منقول روایت صحیح ہے ضعیف نہیں۔“

اور علامہ عبدالرؤف فتاویٰ فیض القدیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں:

((قال ابن الكمال كتب التفسير مشحونة بالاحاديث الموضوعة .))

”ابن الکمال کا قول ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں موضوع احادیث بھری ہوئی ہیں۔“

پس جب تک کوئی روایت یا خبر یا حدیث ایسی نہ پیش کی جائے جو اصول روایت اور درایت کی رو سے صحیح ہو تب تک کوئی قول کسی مفسر کا اور کوئی روایت کسی تفسیر کی صرف اس بنا پر کہ وہ تفسیر میں درج ہے قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔

تفسیر کے سوا اکثر حدیث کی کتابوں سے بھی حضرات امامیہ روایتیں پیش کرتے ہیں، مگر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حدیث کی کتابیں بھی اعتبار وصحت کے لحاظ سے ایک درجے کی نہیں ہیں۔سوائے صحاح ستہ کے جتنی کتابیں حدیث کی کہلائی جاتی ہیں ان کی نسبت محققین کا یہ قول ہے کہ عموماً ان کی حدیثیں نہ قابل عمل ہیں نہ لائق نقل۔مگر ان لوگوں کے لیے جو اسماء الرجال سے واقف اور علل احادیث سے آگاہ اور بڑے محقق ہیں کہ وہ ان میں سے متابعات اور شواہد لے سکتے ہیں، اور یہ بھی ان مسانید اور جوامع اور مصنفات کا حال ہے جو بخاری ومسلم کے زمانے سے پہلے اور ان کے بعد تصنیف کی گئیں اور جن میں صحیح اور حسن، ضعیف اور معروف، غریب اور شاذ، منکر اور خطا، صواب اور ثابت اور مقلوب سب بھری ہوئی ہیں۔مثل مسند ابوعلی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، طیالسی، کتب بیہقی، طحاوی اور طبرانی کے کہ ان کے مصنفین کا یہ ارادہ تھا کہ جو کچھ پائیں جمع کر دیں، نہ اس کی تنقید کریں اور نہ تہذیب وتخلیص، بلکہ یہ کام دوسروں کے لیے چھوڑ دیں۔ان کے علاوہ حدیث کی وہ کتابیں ہیں کہ جن کے مصنفوں نے زمانہ دراز کے بعد تصنیف کا ارادہ کیا اور جو کچھ صحاح ستہ میں نہ پایا اسے جمع کیا اور جو مسانید اور جوامع چھپے پڑے تھے ان میں

سے روایتیں لے کر اکٹھا کر دیں اور یہ حدیثیں اس قسم کی تھیں جو لوگوں کی زبانوں پر جاری تھیں، مگر محدثین نے ان پر اعتناء نہیں کی اور ان کو نہیں لیا۔ اور ان میں سے اکثر حدیثیں غیر محتاط اور بکنے والے واعظ بیان کرتے تھے، اہل ہوا اور اہل بدعت اور ضعفاء نقل کرتے رہتے تھے، یا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے آثار اور بنی اسرائیل کے اخبار اور حکماء اور واعظین کے کلام تھے جن کو راویوں نے سہواً یا عمداً احادیث میں ملا دیا، یا وہ معانی جو کتاب وسنت کے اشارات سے سمجھے گئے تھے ان کو عمداً احادیث قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان، کامل ابن عدی، خطیب، ابونعیم اور جوزقانی اور ابن عساکر اور ابن نجار اور دیلمی اور مسند خوارزمی میں پائی جاتی ہیں۔ ان کتابوں کا یہ حال ہے کہ سب سے عمدہ اور صحیح حدیثیں ان کی وہ ہیں جو ضعیف ہیں اور سب سے بدتر وہ ہیں جو موضوع اور مقلوب یا منکر ہیں اور انہیں کتابوں کا مادہ کتاب موضوعات ابن جوزی میں ملتا ہے۔

اس قسم کی حدیثوں کے علاوہ اور وہ حدیثیں ہیں جو فقہاء، صوفیہ اور مؤرخین وغیرہم کی زبانوں پر تھیں اور ان کے سبب سے مشہور ہوگئیں جن کی کوئی اصل پہلے طبقوں میں نہیں پائی جاتی اور انہی احادیث اور روایتوں میں سے وہ حدیثیں ہیں جن کو ان لوگوں نے جو دین میں بے باک اور باتوں میں زبان دراز تھے اس طور پر حدیثوں میں ملا دیا اور ان کے ایسے قوی اسناد بیان کیے جن میں جرح ممکن نہیں اور ایسے بلیغ کلام میں نقل کیا جس کا صادر ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید نہیں۔ ان لوگوں کے اس فریب سے اسلام میں بڑی مصیبت پیدا ہوگئی اور جھوٹے اقوال حدیثوں میں مل گئے۔ اس قسم کی حدیثیں جن کتابوں میں درج ہیں وہی کتابیں شیعوں اور معتزلیوں کی دستاویز ہیں کہ وہ اپنے عقیدوں کے اثبات اور اہل حق کے الزام دینے کے لیے انہیں کتابوں کی روایتیں پیش کرتے ہیں۔ اور جو محقق نہیں ہیں وہ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

ان سب باتوں پر ایک خرابی اور مستزاد ہوئی کہ بعض شخصوں نے مغالطہ کے لیے حدیث کا علم حاصل کر کے احادیث صحاح کی روایت کرنی شروع کی، مگر اسی درمیان میں اپنے عقائد

باطلہ کو اسی اسناد سے جو انہوں نے یاد کر رکھے تھے روایت کر دیا اور اکثر محدثین نے دھوکہ کھایا۔ جیسا کہ جابر جعفی اور ابو القاسم سعد بن عبداللہ الشعری قمی سے ہوا ہے، یہ ایسے ہوشیار استاد تھے کہ حقیقت میں تو شیعہ تھے مگر بہت سے محدثین کو دھوکہ دیا اور غلط حدیثوں کو صحیح حدیثوں کی صورت میں بنا کر ان کو ان کی صحت کا یقین دلا دیا یہاں تک ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے جابر جعفی کی حدیثوں کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا۔ یا اصلح نامی ایک شیعہ کی جس نے سنیوں کی بیخ و بن اکھاڑنے کی تدبیر کی تھی یحیٰی بن معین سے محقق نے توثیق کی، اور اس پر اعتماد کیا۔ یہاں تک کہ آخر کار تحقیق کے بعد یہ حال کھلا اور ان کا فریب ظاہر ہوا۔ لیکن چونکہ وہ روایتیں ان کی حدیث کی کتابوں میں لکھ دی گئیں، اس لیے اکثر آدمیوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور حدیث کا نام سن کر ان کے اعتقاد میں خلل پڑتا ہے اور واقع میں نہ وہ حدیث ہے اور نہ قول پیغمبر ﷺ۔ بلکہ ایک مغالطہ دینے والے مفتری کا لطیفہ ہے۔

اس قسم کے لوگوں میں ابن ابی الحدید معتزلی [1] بھی ہے کہ وہ اعتزال کے ساتھ تشیع کا

---

[1] زبدۃ المجتھدین مرزا محمد باقر موسوی بن حاجی زین العابدین نے اپنی کتاب روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات مطبوعہ ایران ۱۳۰۷ء میں ابن ابی الحدید کے ترجمے میں یہ لکھا ہے: عبدالحمید بن ابی الحسین بهاء الدین محمد بن محمد بن الحسین بن ابی الحدید المدائنی الحکیم الاصول المعتزلی المعروف بابن ابی الحدید صاحب شرح نهج البلاغة المشهور هومن الکابر الفضلاء المتبعین و اعاظم النبلاء المتجرین موالیا لاهل بیت العصمة و الطهارة وان کان فی ذی اهل السنه والجماعة منصنفا غایة الانصاف فی المحاکمة بین الفریقین و معترفا فی ذالك المصاف بان الحق ید ورمع والد الحسنین و ابن ابی الحدید مع تسننه قدیتوهم عن شرحه تشیعه و بالمیثم بالعکس و کان مولده فی غرة ذی الحجة سنة ست و ثمانین و خمس ماة فمن تصانیفه شرح نهج البلاغة عشرین مجلداً، و قداحتوی هذا الشرح علی مالم یحتوی علیه کتاب من جنسه صنفه لخزانة کتب الوزیر موید الدین بن علقمی ولما فرغ من تصنیفه انقذه علی یداخیه موفق الدین ابی المعالی فبعث له بماة الف دینار و خلعه سنیة و فرس فکتب الی الوزیر هذه الابیات:

یارب العباد رفعت صنیعی، وطللت بمسکبی و بللت ریقی، وزیغ الاشعری کشفت عنی، فلم اسلك بنیان الطریق، احب الاعتزال و ناصر یه، ذوی الالباب و النظر الدقیق، واهل العدل والتوحید ابلی، نعم و فریقهم ابدا فریقی، و شرح النهج لم ادرکه الا، بعونك بعد مجتهد وضیق تمثل، ان بدأت ⇦⇦⇦

بھی جامع تھا۔اس نے ابن علقمی وزیر معتصم باللہ کے خوش کرنے اوراس کے کتب خانے کے لیے شرح نہج البلاغہ لکھی اوراس میں گمنام کتابوں اور غیر محقق مصنفوں کی تصنیفات سے وہ جھوٹی اور نامعتبر روایتیں چن چن کر جمع کیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطعون اور مورد ملام ٹھہریں اور شیعوں کے اعتراضات اور عقائد کو تقویت ہو۔ ابن علقمی اس کا بڑا مربی اور دوست تھا۔اس نے اس کتاب کے صلہ میں ایک لاکھ دینار اور بہت بڑا خلعت فاخرہ ابن ابی الحدید کو دیا۔اور یہ ابن علقمی معمولی شیعہ نہ تھا بلکہ ایسا غالی شیعہ اور سنیوں کا دشمن تھا کہ اس نے صرف مذہبی تعصب کی وجہ سے عباسی خلافت کو غارت کیا اور ہلاکو خاں کو پوشیدہ دعوت دے کر بغداد پر حملہ کرنے کے لیے بلایا اور خلیفہ کو دھوکہ دے کر اس کے پاس لے گیا اور اسے مع علماء اور امراء کے شہید کرا دیا۔ابن ابی الحدید کی کتاب اگرچہ نہایت جامع اور عالمانہ ہے اور خود ابن ابی الحدید نہایت قابل اور بڑا ادیب تھا، مذہب تشیع کا حامی تھا کسی غالی اور متعصب شیعہ نے بھی اپنے مذہب کے لیے غالباً اس قدر مواد بہم نہ پہنچایا ہوگا جیسا کہ ابن ابی الحدید نے ان کے لیے مادہ جمع کر دیا۔اسی کی وہ کتاب ہے کہ اس کے زمانے سے لے کر اب تک اسی سے حضرات امامیہ روایتیں پیش کرتے ہیں اور استناد و استدلال فرماتے ہیں اور ایسے اہل بدعت ومخالف مذہب کو سنیوں کے اکابر علماء میں سے قرار دے کر اس کی روایتوں کو ہمارے مقابلے میں پیش کرتے ہیں۔شروع زمانے سے لے کر اب تک جس کتاب کو شیعوں کی اٹھا کر دیکھئے اکثر مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم میں ابی الحدید ہی کی کتاب کا حوالہ ہوگا اور اسی کی جھوٹی اور غلط روایتیں ہمارے مقابلے میں پائی جائیں گی، چنانچہ ہماری اس کتاب کے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق جو روایتیں اہل سنت کے نام سے پیش کی گئی ہیں، ان کا بڑا حصہ اسی ابن ابی الحدید کی کتاب سے لیا گیا ہے۔

⇦⇦⇦ به لعینی، اتم کذروة الطورالسحیق، فتم یحس عینك وهونائی، من الیعوق اوبیض العنوق، بآل العلقمی ورت زناری، وقامت بین اهل الفضل سوتی، فکم ثوب انیق نلت منهم، ونلت بهم وکم طرف عتیق، ادام لله دولتهم وانحی علی اعدائهم بالخنفقیق۔

مگر روایت اور درایت کے اصول کو جاننے والے اور حدیثوں کی صحت اور غلطی کے پرکھنے والے دھوکہ نہیں کھا سکتے اور وہ وضعی حدیثوں اور جھوٹی روایتوں کو اسی طرح رد کر سکتے ہیں جس طرح صراف کھوٹے کو کھرے سے جدا کرتا ہے، اس لیے کہ محدثین نے ہر حدیث کے متعلق سند بیان کرنے اور راویوں کے نام لکھ دینے سے قیامت تک ہر شخص کے لیے تنقیح، تحقیق کا دروازہ کھول دیا ہے، اور جھوٹ اور سچ میں تمیز کر دینے کا ذریعہ مہیا کر دیا ہے۔ اس لیے جو حدیث یا روایت ہمارے سامنے پیش کی جائے گی تو ضروری ہے کہ ہم اول اس بات پر نظر کریں کہ وہ حدیث ازروئے اصول روایت صحیح ہے یا نہیں، اگر ہم کو معلوم ہو کہ اس حدیث کے بیان کرنے والوں میں سے کوئی ایک راوی بھی جھوٹا یا غیر معتبر ہے یا اہل بدعت جس نے اپنے مذہب کی حمایت میں اس حدیث کو روایت کیا ہو تو ہم اسے نہ مانیں گے اور نہ اس سے مخالف کا استدلال کرنا جائز ہوگا۔

اس لیے کہ حدیث اور روایت خبر ہے اور خبر میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اور کذب کا احتمال دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بیان کرنے والے ثقہ، متدین اور صادق القول ہوں۔ پھر اگر وہ خبر اتنی سندوں اور اتنے طریقوں سے بیان کی گئی ہو کہ عادتاً ان کا اجتماع کذب پر محال ہو، اور ابتدا سے انتہا تک اس کے راوی ان معائب سے پاک ہوں جن سے روایت میں خلل اور شبہ پیدا ہوتا ہے تو وہ خبر صحت کے اعلیٰ درجے میں سمجھی جائے گی، اور اسی قسم کی خبر کو ''متواتر'' کہتے ہیں اور صرف اسی قسم کی حدیثیں مفید علم و یقین ہوتی ہیں اور ان پر اعتقاد کی بنیاد قائم ہوسکتی ہے ((وھو الذی یضطر الانسان الیه .)) مگر اس قسم کی حدیثیں بہت کم ہیں، جیسا کہ ابن صلاح نے کہا ہے:

((مثال المتواتر علی التفسیر المتقدم یعز وجوده الا ان یدعی ذالك فی حدیث من کذب علی متعمد افلیتبوا مقعده من النار .))

''اس متواتر کی مثال جو تفسیر پر مقدم ہے بہت کم ہے، ہاں، حدیث ((من کذب

علی …… الخ)) کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔‘‘

اور وہ خبر اتنی سندوں اور اتنے طریقوں سے بیان نہ کی گئی ہو مگر اس کے راوی نہایت ثقہ اور نہایت معتبر اور متدین ہوں۔ اور کم سے کم دو طریقوں سے بیان کی گئی ہو تو اس میں بھی صدق کی جانب کو غلبہ ہوگا اور ایسی خبر اصطلاح میں مشہور کہی جاتی ہے۔ اور وہ روایت ماننے کے قابل ہوگی۔ اور اگر وہ خبر اتنے طریقوں اور اتنی سندوں سے جس پر متواتر اور مشہور کا اطلاق ہو سکے بیان نہ کی گئی ہو تو وہ اگر متصل السند غیر معلل ہو اور اس کے راوی ضابطہ اور متصف بہ صفات وثوق ہوں تو گو وہ مفید علم و یقین نہ ہوگی بلکہ اس سے صرف افادۂ ظن ہوگا، مگر اسے بھی صحیح سمجھیں گے اور اس پر عمل کرنا جائز ہوگا، لیکن اصول اعتقادات میں بوجہ اس کے کہ اعتقاد کے لیے یقین ضروری ہے وہ بناء اعتقاد نہ ہوگی۔ اور جس حدیث کے سب راوی چھوڑ دیے گئے ہوں یا کوئی راوی چھوڑ دیا گیا ہو اور اس کا چھوڑ دینا بیان کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، یا کوئی راوی بوجہ من وجوہ الطعن مطعون ہو تو وہ حدیث مطعون سمجھی جائے گی۔ اس لیے کہ اس میں احتمال اس بات کا ہے کہ جو راوی چھوڑ دیا گیا ہے، شاید صحابی ہو یا تابعی۔ اور اگر تابعی ہے تو احتمال ہے کہ وہ ضعیف ہو یا ثقہ۔ سوائے اس کے اگر کوئی راوی ایسا ہو جو جھوٹا ہے یا حدیث کو جان بوجھ کر جھوٹی روایت کرتا ہے یا متہم بہ کذب ہو، یعنی گو خود حدیث کو عمداً بنا کر نہ روایت کرتا ہو مگر اس کا جھوٹ اور طرح پر معلوم ہو یا کثرت سے غلطی کرتا ہو، یا محتاط نہ ہو، یا غفلت کرتا ہو، یا فاسق ہو، یا وہمی، یا اس کی مخالفت ثقات سے پائی جاتی ہو، یا اہل بدعت سے ہو، یا حافظہ کا اچھا نہ ہو۔ ایسے راوی کی بیان کی ہوئی حدیث اعتماد کے قابل نہ ہوگی۔ بلکہ اگر وہ مطعون بہ کذب ہو تو وہ حدیث موضوع ہے۔ اور اگر وہ متہم بہ کذب ہے تو وہ حدیث متروک ہے، اور اگر وہ روایت میں بہت غلطی یا غفلت کرتا ہو یا اس کا فسق ظاہر ہوا ہو تو وہ حدیث منکر ہو اور جو مبہم ہو تو اس کی حدیث غیر مقبول ہے۔ اس لیے کہ قبول خبر کی شرط راوی کی عدالت ہے۔ اور جب اس کا نام مبہم ہو اور معلوم نہ ہو کہ کون ہے تو اس کی عدالت کیوں کر معلوم ہو سکتی ہے اور کیوں کر اس کی خبر قبول کی جا سکتی ہے؟ اس لیے مرسل حدیث علی

الاصح قبول نہیں کی جاتی۔

احادیث اور اخبار کے متعلق عموماً اور مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق خصوصاً یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس کا راوی مذہب حق اہل سنت کا مخالف نہ ہو، اس لیے کہ گو ہم اہل بدعت کو کافر نہیں کہتے اور نہ اپنے مذہب کے مخالف کسی مسلمان پر تکفیر کا حکم لگاتے ہیں اور در صورت ضابط اور متقی اور صادق ہونے کے اہل بدعت کی روایت کو قبول کرتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کی روایت اور خبر اس کی بدعت اور اس کے اعتقاد فاسد کی داعی اور موید نہ ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بدعت اور فاسد اعتقاد کی تزئین اور ترویج کی روایتوں کو تحریف کرتا اور اپنے مذہب کے موافق بنالیتا ہو۔ ایسی حالت میں جو روایت اس کے مذہب اور اعتقاد اور بدعت کو تقویت دیتی ہو علی العموم قبول نہیں کی جائے گی۔

ہماری کتاب کے ناظرین دیکھیں گے کہ اکثر روایتیں مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم اور فدک کے متعلق انہی لوگوں سے مروی ہیں جو متہم بہ تشیع تھے، یا مذہب تشیع میں غالی۔ اور گو ان کے بوجہ اور طرح سے معتبر ہونے کے محدثین نے ان کی روایتوں کو قبول کیا ہے، مگر جو روایتیں ایسی ہیں کہ جس سے ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہو وہ عقلاً اور نقلاً کسی طرح سے قبول کے لائق نہ ہوں گی۔ پھر اصول درایت کے لحاظ سے بھی حدیث قابل تنقیح ہے۔ اگر درایت کی کسوٹی پر وہ کامل المعیار نہ اترے تو ایسی حدیث بھی قابل قبول نہ ہوگی۔ جیسا کہ تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ ''جو حدیث عقل یا نقل یا اصول کے خلاف پائی جائے گی وہ موضوع تصور ہوگی۔'' فتح المغیث میں لکھا ہے [1] کہ ابن الجوزی نے کہا ہے: جو حدیث عقل کے مخالف

[1] قال ابن الجوزی و کل حدیث رایته یخالف العقول اوینا قض الاصول فاعلم انه موضوع فلا یتکلف اعتباره ای لاتعتبر رواته ولا تنظر فی جرحهم اویکون ممایدفعه الحسن و المشاهدة اومباینا لنص الکتاب اوالسنة المتواترة اوالاجماع القطعی حیث لایقبل شی من ذالك التاویل اویتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر وهذالا خیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرفیة و من رکنه المعنی لاتا کلوا القرعة حتی تذبحوا ولذاجعل بعضهم ذالك دلیلا علی کذب راویه و کل هذا من القرائن فی المروی و قدتکون فی الراوی کقصة غیاث مع المهدی و حکایة سعد بن ⇦⇦⇦

ہے یا اصول کے برخلاف، اس کو موضوع جانو۔ اس کے راویوں کی جرح و تعدیل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس جس حدیث میں ایسا بیان ہو جو حس اور مشاہدہ کے برخلاف ہے، یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے ایسا مخالف ہو کہ کسی تاویل صحیح سے مطابق نہ ہو سکے، یا اس کے معنی رکیک اور سخیف ہوں، یا راوی ایسی حدیث میں منفرد ہو جو اوروں کے پاس نہیں ہے اور جس کے مضمون کا جاننا تمام مکلفین کو نہایت ضروری ہے، یا ایسے عظیم الشان واقعہ کا بیان ہو جس کے نقل کرنے کی بہت سے لوگوں کو ضرورت ہے، یا ایسا بیان ہو جسے اتنی بڑی جماعت نے جھٹلا دیا ہے کہ جس کا جھوٹ پر اتفاق کرنا محال ہو اور ان کا دوسرے کی تقلید کرنا عادتاً ناممکن ہے تو یہ سب قرینے روایت کے موضوع ہونے کے ہوئے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم نے عجالہ نافعہ میں فرمایا ہے:

((علامات وضع حدیث و کذب راوی چند چیزاست، اول آنکہ خلاف تاریخ مشہور روایت کند، دوم آنکہ راوی رافضی باشد و حدیث در طعن صحابہ روایت کند و یاناصبی باشد وحدیث در مطاعن اہل بیت باشد **وعلی ھذا القیاس**، سوم آنکہ چیزے روایت کند کہ برجمیع مکلفین معرفت آں و عمل براں فرض باشدو او منفرد بود بروایت، چہارم آنکہ وقت دحال قرینہ باشد برکذب او، پنجم آنکہ

⇦⇦⇦ظریف الماضی ذکر هماواختلاف المامون بن احمد الردی حین قیل له الاتری الشافعی و من تبعه بخر اسان ذالك الكلام القبيح حكاه الحاكم فی المدخل، قال بعض المتاخرین و قدرأیت رجلاقام یوم الجمعة قبل الصلوٰة فابتدأ لیورده فسقط من قامة مغشیا علیه اوانفراده عمن لم یدركه بما لم یوجد عنه غیر هما اوانفراده بشی مع كو نه فیما یلزم المكلفین علمه و قطع العذرفیه كما قرره الخطیب فی اول الكفایه اوبامر جسم یتو فرالدوا عی علی تقله كحصر العدد للحاج عن البیت اوبما صرح بتكذیبه فیه جمع كیثر یمتنع فی العادة تواطئهم علی الكذب وتقلید بعضهم بعضاً۔ فتح المغیث صفحه ۱۱٤۔

مخالف مقتضائے عقل و شرع باشد و قوعد شرعیه آن راتکذیب نمایند، ششم آنکه در حدیث قصه باشداز امر حسی واقعی که اگر بالحقیقه متحقق می شد هزاران کس آنرا نقل می کردند، هفتم رکاکت لفظ و معنے، مثلاً لفظے روایت کندکه بر قواعد عربیه درست نشود یا معنی که مناسب شان نبوت ووقار نبا شد هشتم افراط درو عید شدید بر گناه صغیر یا افراط دروعده عظیم بر فعل قلیل نهم آنکه بر عمل قلیل ثواب حج و عمره ذکر نماید، دهم آنکه کسی را از عاملان خیر ثواب انبیاء موعود کند، یاز دهم خود اقرار کرده باشد بوضع احادیث .))

’’موضوع احادیث اور راویوں کے جھوٹے ہونے کی چند نشانیاں ہیں، پہلے یہ کہ مشہور تاریخ کے خلاف روایت کرے، دوسرے یہ کہ راوی رافضی ہو اور صحابہؓ پر طعن کی روایت کرے یا ناصبی اور خارجی ہو اور اہل بیت کو مطعون کرنے کے لیے حدیث روایت کرے، تیسرے یہ کہ وہ اپنی روایت میں بالکل منفرد ہو اور وہ روایت بیان کرے جس سے تمام مکلفین کو اس روایت کے تحت عمل کرنا فرض ہو جائے، چوتھے یہ کہ اس راوی کے جھوٹے ہونے پر حال و قرینہ موجود ہو، پانچویں یہ کہ اس کی یہ روایت عقل و شریعت کے خلاف ہو اور اصول شریعت اس روایت کو جھوٹ بتائیں، چھٹے یہ کہ حدیث میں کسی امر حسی کو بطور مشاہدہ اس طرح بیان کیا جائے کہ اگر وہ درحقیقت صحیح ہوتا تو ہزاروں آدمی اسے بیان کرتے، ساتویں یہ کہ روایت لفظی طور پر بھی اس طرح رکیک ہو کہ عربی قواعد کے لحاظ سے صحیح نہ ہو یا پھر وہ روایت بلحاظ معنی شان اور وقار نبوت کے مناسب نہ ہو، آٹھویں یہ کہ کسی گناہ صغیرہ پر سخت ترو عید یا کسی چھوٹے سے کام پر اجر عظیم

کا وعدہ ہو، نویں یہ کسی چھوٹے سے کام پر حج وعمرہ کے برابر ثواب کا ذکر ہو، دسویں یہ کہ کسی اچھے کام کرنے والے کو انبیاء کے برابر ثواب کا وعدہ ہو اور گیارہویں یہ کہ راوی خود احادیث وضع کرنے کا اقرار کرتا ہے۔“

امام سخاوی نے فتح المغیث میں ابن جوزی سے حدیث کے موضوع ہونے کی یہ نشانیاں لکھی ہیں: ”اوّل وہ حدیث کہ عقل اس کے مخالف ہو اور اصول کے متناقض ہو، دوم ایسی حدیث کی حس اور مشاہدہ اس کو غلط قرار دیتا ہو، سوم وہ حدیث جو کہ مخالف ہو قرآن مجید یا حدیث متواتر اجماع قطعی کے، چہارم جس میں تھوڑے کام پر وعید شدید اجر عظیم کا وعدہ ہو، پنجم رکاکت معنی اس روایت کی جو بیان کی گئی، ششم رکاکت یعنی سخافت راوی کی، ہفتم منفرد ہونا راوی کا، ہشتم منفرد ہونا ایسی روایت میں جو تمام مکلفین سے متعلق ہو۔ نہم بڑی بات ہو جس کے نقل کرنے کی بہت سی ضرورتیں ہوں، دہم جس کے جھوٹ ہونے پر ایک گروہ کثیر متفق ہو۔“

یہ درایت کے اصول جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بیان کیے ہیں کچھ ان کے خالی خیالات نہیں ہیں، نہ انہوں نے قائم کیے ہیں بلکہ اکثر ہمارے محققین کا اسی پر عمل رہا ہے۔ اور جبکہ کوئی حدیث قرآن مجید یا عقل یا اصول اور عقائد مسلمہ کے مخالف پائی گئی ہے تو اسے مجروح اور مطروح قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ امام رازی نے فرمایا ہے: بعضوں نے پیغمبر خدا ﷺ سے اس حدیث کو روایت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں جھوٹ بولے مگر تین مرتبہ، تو میں نے جواب دیا کہ ایسی حدیثوں کو نہیں ماننا چاہیے تو کہنے والے نے براہ انکار کہا کہ اگر ہم نہ مانیں تو راویوں کی تکذیب لازم آتی ہے، اس پر میں نے جواب دیا کہ اگر ہم مانیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تکذیب کرنا پڑتی ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکذیب کی نسبت سے بچانا بہتر ہے چند نامعتبر آدمیوں کی طرف جھوٹ کے منسوب ہونے سے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ابومطیع بلخی نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں اس حدیث کی نسبت جو لوگوں نے روایت کی ہے کہ جب کوئی مومن زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے سر سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ قمیض بدن سے۔ آیا اس حدیث کے راویوں کی آپ تصدیق کرتے

ہیں یا شک یا تکذیب فرماتے ہیں؟ اگر تصدیق کرتے ہیں تو آپ کا اعتقاد مثل خوارج کے ہوا جاتا ہے، اور اگر آپ شک کرتے ہیں تو خوارج کے قول میں شک رہتا ہے، اور اگر آپ تکذیب کرتے ہیں تو ان بہت سے آدمیوں کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے اس حدیث کو بسند آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے؟ تو امامؒ نے جواب دیا کہ میں ان سب راویوں کی تکذیب کرتا ہوں اور میرا ان لوگوں کو جھٹلانا اور ان کے قولوں کا رد کرنا پیغمبر خدا ﷺ کی کچھ تکذیب نہیں ہے، اس لیے کہ قول پیغمبر تکذیب یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں پیغمبر خدا ﷺ کے قول کو نہیں مانتا، لیکن جبکہ وہ یہ کہے کہ میں ہر بات پر جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے ایمان رکھتا ہوں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ کوئی بات پیغمبر خدا ﷺ نے قرآن کے خلاف نہیں فرمائی تو یہ حقیقت میں پیغمبر کی تصدیق اور قرآن کی تصدیق ہے اور اس سے تنزیہ اور پاکی آنحضرت ﷺ کی مخالفت قرآن سے ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر پیغمبر خدا ﷺ قرآن کے خلاف کچھ کہتے تو خدا کب چھوڑتا، اور کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا کا نبی ایسی بات کہے جو خدا کی کتاب کے مخالف ہو، اور جو خدا کی کتاب کا مخالف ہو وہ کیسے خدا کا نبی ہوسکتا ہے۔ پس یہ حدیث خلع ایمان کی زنا سے جو لوگوں نے روایت کی ہے قرآن کے خلاف ہے۔ پس ایسے آدمیوں کے قول کو رد کرنا جو پیغمبر خدا ﷺ کی طرف ایسی بات کو منسوب کریں جو قرآن کے مخالف ہو پیغمبر کی بات کا رد کرنا نہیں ہے اور نہ ان کی تکذیب ہے بلکہ حقیقت میں وہ رد ہے اس کے قول کا جو کہ پیغمبر خدا ﷺ کی طرف سے ایک باطل بات کو نقل کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ پر تہمت لگاتا ہے۔ اور ہم پیغمبر ﷺ کی ہر بات کو خواہ ہم نے سنی ہو بسر وچشم قبول کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ وہ بات ایسی ہی ہوگی جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے، لیکن اس طرح پر ہم یہ شہادت دیتے ہیں کہ کوئی بات آنحضرت ﷺ نے قانون کے خلاف نہیں فرمائی، نہ کسی ایسی چیز کا حکم دیا جسے خدا نے منع کر دیا ہو نہ کسی ایسی چیز کو جدا کیا جس کے ملانے کا اللہ نے حکم کیا ہو اور نہ کسی چیز کی ایسی صفت بیان کی جو خدا کے بیان کے مخالف ہو۔ اور ہم شہادت

دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ہر قول خدائے عزوجل کے قول کے موافق تھا اور اسی لیے خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

یہ نہ خیال کیا جائے کہ حدیث کی غیر معتبر کتابوں میں جو روایتیں درج ہیں انہی پر یہ اصول مستعمل ہوں گے بلکہ حدیث کی تمام کتابوں پر اس کا اطلاق ہوگا۔ اس لیے کہ صحاح میں جتنی حدیثیں درج ہیں وہ سب صحت کے ایک درجے پر نہیں ہیں بلکہ ان کے درجات مختلف ہیں جیسا کہ خود ان کتابوں کو دیکھنے اور ان کی شروحات کے ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ بخاری اور مسلم جو اصح الکتب سمجھی جاتی ہیں ان کی نسبت بھی کہا گیا ہے کہ ((انہ صحیح علی ظن مصنفه و غلبة ظنه و امام السهو و النسیان فمن لوازم طبع الانسان)) اور نیز ان کی بعض حدیثوں اور بعض راویوں میں کلام کیا گیا ہے، جیسا کہ محققین نے بیان کیا ہے کہ بخاری نے چار سو اور کچھ اوپر تیس آدمیوں سے روایت کی ہے جو مسلم میں نہیں ہیں، اور ان میں سے اسی شخص ایسے ہیں جن کے ضعف کی نسبت کلام کیا گیا ہے، اور چھ سو بیس آدمیوں سے امام مسلم نے روایت کی ہے جو بخاری میں نہیں ہیں، اور ان میں ایک سو ساٹھ آدمی ایسے ہیں جن کے ضعیف ہونے کی نسبت گفتگو کی گئی ہے۔ اور عکرمہ نے جو روایت ابن عباسؓ سے کی ہے وہ بھی بخاری میں داخل ہیں اور مسلم میں ابوالزبیر عن جابر اور سہیل عن ابیہ اور علاء بن عبدالرحمٰن عن ابیہ اور حماد بن سلمہ عن ثابت سے جو روایتیں ہیں ان کے راوی ضعیف خیال کیے گئے ہیں۔ اور ایسی حدیثیں جن میں کوئی علت پائی گئی ہے وہ صحیحین میں دو سو دس ہیں، ان میں سے بخاری کی حدیثیں اسی سے کم ہیں، باقی مسلم کی حدیثیں ہیں (دیکھو مقدمہ فتح الباری) اسی لیے ملا علی قاری نے کتاب رجال میں لکھا ہے:

((وما یقوله الناس ان من روی له الشیخان فقد جاز القنطرة هذا ایضا من التجاهل فقدروی مسلم فی کتابه عن اللیث عن ابی مسلم وغیره من الضعفاء فیقولون انماروی عنهم فی کتابه للاعتبار والشواهد المتابعات و هذا لا یقوی لان

الحفاظ قالوا الا عتبار امو ریتعرفون بها حال الحديث و كتاب مسلم التزم فيه الصحة فكيف يتعرف حال الحديث الذى فيه بطرق ضعيفة الى قوله وروى مسلم ايضا حديث الاسراء فيه و ذالك قبل ان يوحى اليه و قد تكلم الحفاظ فى هذه القصة و بينوا ضعفها الى قوله و قد قال الحافظ ان مسلما لما وضع كتابه الصحيح عرضه على ابى ذرعة فانكر عليه و تغيظ و قال سميته الصحيح و جعلته مسلما لا هل البدع وغيرهم انتهى . و الحاصل انه صحيح على ظن مصنفه و غلبة ظنه و اما السهو والنسيان فمن لوازم طبع الانسان و قدابى الله الا ان يصحح كتابه بقوله ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾))

’’لوگ جو یہ بات کہتے ہیں کہ شیخین (بخاری ومسلم) نے جن سے روایت کی ہے وہ بہت اعلیٰ درجے کے لوگ ہیں، یہ بھی جہالت ہے دیکھو مسلم نے اپنی کتاب میں لیث سے انہوں نے ابومسلم وغیرہ سے روایت کی ہے۔ جو ضعیف ہیں۔لوگ کہتے ہیں کہ ان سے اس لیے روایت کی ہے تا کہ اعتبار اور شہادت ہوجائے، یہ مضبوط بات نہیں ہے، حفاظ کہتے ہیں کہ اس سے حدیث کا حال معلوم ہوتا ہے اور مسلم میں صحت کا التزام کیا گیا ہے۔لہٰذا ان حدیثوں سے جو ضعیف طرق سے مروی ہیں حدیث کا حال کیسے معلوم ہوسکتا ہے...... امام مسلم نے تو حدیث معراج کو قبل وحی آنے کے روایت کیا ہے، حفاظ حدیث نے اس قصے پر اعتراض کیا ہے، اور اس کے ضعف کو ظاہر کیا ہے...... حافظ کا قول ہے کہ امام مسلم نے جب اپنی کتاب صحیح مسلم لکھی تو اس نے ابوزرعہ کو دکھایا ابوزرعہ نے اسے ناپسند کیا اور غصہ بھی ہوئے اور کہا کہ تم نے اس کا نام صحیح رکھا ہے جب کہ

اسے اہل بدعت وغیرہ کے لیے ایک ہتھیار بنا دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ اپنے مصنف کا گمان کے لحاظ سے صحیح ہے۔''

لیکن سہواور نسیان کا امکان ہے، کیونکہ یہ انسانی لوازمات میں سے ہے۔ ہاں، اللہ کی کتاب (قرآن) بے شک صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔اور صاحب ''ازالة الغین'' نے بھی فرمایا ہے:

((از کتب محدثین چناں بوضوح می انجامد که بعد از تحقیق در صحت یعنی روایات صحیح بخاری کلام است و هم چنیں در بعضے روایات صحیح مسلم، و قبل ازیں گزشته که آں روایات که اهل حدیث در صحت آں قیل و قال دارند هر چند اقل قلیل ست مگر در صحیح ثانی زیاده تر از اول ست و بریں قدرا اکتفانمی تواں کردزیرا که افاده بن اثیر در صدر جامع الاصول جائیکه فرع ثالث در طبقات مجروحین قرار داده ست دلالت براں دارد که بعضے از وضاعین خود اقرار کرده اند که حدیث فدك ساخته بر مشائخ بغداد خواندیم همه ها قبول کردند مگر ابن ابی شبیه علوی که او بعلت جعل و افترا پی برد هرگز قبول نکرد، عبارت آں مقام این ست.))

''کتب محدثین کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تنقید و تحقیق کے بعد صحیح بخاری کی روایات میں کچھ کلام ہے اور اسی طرح صحیح مسلم کی بعض روایات میں بھی ہے اور قبل اس کے لکھا جا چکا ہے کہ جن روایات کی صحت کے بارے میں اہل حدیث نے قیل و قال کی ہے اگرچہ ان کی تعداد کم ہے مگر صحیح مسلم کی بہ نسبت صحیح بخاری

میں زیادہ قیل و قال ہے، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ افادہ ابن اثیر صدر جامع الاصول کو مجروح قرار دیا گیا ہے اور بعض خود ساختہ احادیث بنانے والوں نے خود اقرار کیا ہے کہ شیوخ بغداد کے سامنے ہم نے اپنی خود ساختہ حدیث فدک پیش کی جسے انہوں نے قبول کر لیا، البتہ ابن ابی شیبہ علوی وہ شخص ہے جس نے اس کی جعل سازی اور افترا پردازی کے سبب اسے قبول نہیں کیا۔''

جس کی عربی عبارت یہ ہے:

((ومنهم قوم و ضعوا الحديث لهوى يدعون الناس اليه فمنهم من تاب عنه و اقر على نفسه، قال شيخ من شيوخ الخوارج بعدان تاب ان هذا الاحاديث دين فانظر وا من تاخذون دينكم فان كنا اذا هوينا امرا صبرنا ه حديثا، و قال ابو العينا وضعت انا والجاحظ حديث فدك واد خلناه على الشيوخ بغداد فقبلوه الاابن ابی شيبة العلوى فانه قال لا يشبه آخر هذا الحديث اوله و ابى ان يقبله تم بلفظه .))

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں جہاں کہ شیخ ابن صلاحؒ کے اس قول کو کہ تمام حدیثیں صحیحین کی قطعی الصدور ہیں، رد کیا ہے یہ کہا ہے:

((هذالذی ذكر الشيخ فی هذا الموضع خلاف ما قاله المحققون والا كثرون فانهم قالوا احاديث الصحيحين التی ليست بمتواترة انما يفيد الظن فانها احادو الاحادا نما يفيد الظن على ماتقررو لا فرق بين البخاری و مسلم وغير هما فی ذالك الى ان قال ولا يلزم من اجماع الامة على العمل بما فيهما اجماعهم على انه مقطوع بانه كلام النبی صلى الله

عليه وسلم .))

''یعنی شیخ ابن صلاح نے جو یہاں ذکر کیا ہے وہ اکثر محدثین و محققین کے خلاف ہے، اس لیے کہ محققین کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں متواتر نہیں ہیں، بلکہ احاد ہیں اور احاد سے ظن کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اس باب میں بخاری و مسلم وغیرہ سب کتب احادیث میں کچھ فرق نہیں، یہاں تک کہ امام نوی نے کہا ہے کہ صحیحین کی حدیثوں پر عمل کرنے پر جو امت نے اجماع کیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت کا اس پر بھی اجماع ہے کہ وہ احادیث قطعی الصدور اور آنحضرت ﷺ کا قطعی کلام ہے۔''

اسی لیے جو حدیث صحیح بخاری و مسلم میں لکھی ہو اور وہ شریعت اسلام میں کسی ثابت شدہ چیز کے مخالف ہو وہ بالاتفاق وہم راوی کے اعتبار سے باطل ہوگی یا ماول، جیسا کہ علامہ رشید الدین خاں مرحوم نے شوکت عمریہ میں لکھا ہے:

((چیزے کی مخالف ما ستقر فی شریعة الاسلام ست باتفاق شیعه و سنی یا محکوم علیه بطلان ست بجهت وهم راوی یا ماول ست چنانچه امام نوی در شرح صحیح مسلم در شرح ایں حدیث (حدیث صحیح مسلم که ظاهر او دلالت بر قدح بعضے احصاب کبار دارد) نقلا عن القاضی عیاض مازنی می فرماید و اذا انسدت طرق تاویلها نسبنا الکذب الی رواتها .))

''جو چیز اسلام میں ثابت شدہ چیزوں کے خلاف ہو وہ بالاتفاق شیعہ وسنی یا تو وہم راوی کے اعتبار سے ہے یا اس میں تاویل کی جائے گی، جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں جو بعض اکابر صحابہ کی برائی پر دلالت کرتی ہے، قاضی عیاض مازنی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اس کی

تاویل ہو سکے تو ہم اس کذب کو راویوں کی طرف منسوب کریں گے۔"

اور اگرچہ صحیحین میں ان کے جامعین بخاری و مسلم نے جہاں تک کہ انسانی طاقت سے ہوسکتا ہے صحیح حدیثوں کے جمع کرنے میں بے انتہا کوشش فرمائی ہے اور اسی لیے تمام کتابوں میں ان کا درجہ اعلیٰ اور افضل ہے، مگر آخر وہ بھی بشر تھے اور اپنے اقران و امثال سے تصحیح حدیث میں گوشے سبقت لے گئے، اس لیے جائے تحقیق محققین و اجتہاد مجتہدین باقی ہے۔ جیسا کہ منتہی الکلام میں لکھا ہے:

((آخر ایں بزرگاں ہم از جملہ بشر بودہ اند گو در تصحیح حدیث بغایت قصوی کو شیدہ باشند سیما محمد بن اسمٰعیل بخاری کہ او دریں امور گوئے سبق از اقران و امثال ربودہ لیکن باز ہم جائے اجتهاد مجتهدین باقی ست۔ مگر یادنداری کہ دربارہ چندے از رواتش بعضے از علماء و فقهاء بحث دارند شارحین در جواب آں وجوهے نقل می کنند کہ بعضے ازاں خالی از غرابت نیست.))

"یہ تمام بزرگ بھی انسان تھے اگرچہ انہوں نے تصحیح احادیث میں بے انتہا کوشش کی خاص طور پر محمد بن اسمٰعیل بخاری نے تصحیح احادیث میں اپنے ہم عصروں کی بہ نسبت زیادہ کوشش سے کام لیا ہے، تاہم اجتہاد مجتہد کی جگہ باقی ہے۔ اور تمہیں یاد ہوگا کہ بعض فقہاء و علماء نے ان کی روایات پر بحث کی ہے اور شرح لکھنے والوں نے ان اعتراضات کے جواب میں جو اسباب لکھے ہیں وہ بہت عجیب و غریب ہیں۔"

اور یہ امر بعید از قیاس بھی نہیں ہے، اس لیے کہ وضعی حدیثوں کے علاوہ اور بھی قدرتی اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے روایات میں اختلاف پڑنا اور ان کی صحت میں شک ہونا ممکن الوقع ہے، چنانچہ اس کے آٹھ اسباب محققین نے بیان کیے ہیں۔ (۱) حدیث کے مطلب کی

غلط فہمی۔ (۲) حدیث کے معنی سمجھنے میں دو راویوں کے باہم اختلاف، یعنی ایک ہی حدیث کے ایک نے کچھ معنی سمجھے اور دوسرے نے کچھ۔ (۳) حدیث کا مطلب لوگوں سے صاف صاف بیان کرنے کی عدم قابلیت۔ (۴) چوتھے راوی کے حافظے کا قصور، کہ یا تو اس سے کسی حدیث کا کوئی جز چھوٹ گیا یا دو حدیثیں باہم خلط ملط ہوگئیں۔ (۵) پانچویں راوی کا کسی جز حدیث کی تفصیل کا بیان کرنا اس غرض سے کہ سننے والا بآسانی اسے سمجھ جائے لیکن سننے والے نے از راہ غلطی اس تفصیل کو بھی حدیث کا جز سمجھا۔ (۶) راوی نے اپنی گفتگو میں جناب پیغمبر خدا ﷺ کے چند کلمات بیان کیے اور سننے والوں نے اس کے تمام کلمات کو حدیث سمجھ لیا۔ (۷) وہ اختلاف جو زبانی روایات کے سلسلے سے خود بخود عارض ہوتا ہے۔ (۸) مختلف حالات جن میں کہ راوی نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا یا کچھ فرماتے سنا تھا یا کرتے دیکھا تھا۔

اسی لیے اصول فقہ میں یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے:

((العقل شاهدبان خبر الواحد العدل لايوجب اليقين لان احتمال الكذب قائم وان كان مرجوحا والالزم القطع بالنقيضين عند اخبار العدلين بهماوان خالف خبر الواحد جميع الاقيسة لايقبل عندنا و ذالك لان النقل بالمعنى[1] كان مستفيضا فيهم فاذا قصر فقه الراوى لم يومن من ان يذهب شى من معانيه فيد خله شبهة زائدة تخلوا عنها القياس .))

---

[1] واما كلامه ﷺ فيستدل منه بما ثبت انه قاله على اللفظ المروى و ذالك نادر جدا نما يوجدفى الاحاديث القصار على قلة ايضا فان الغالب الاحاديث مروى بالمعنى و قدتدا ولتها الا عاجم والمولدون قبل تدوينها فردو ها بما ادت اليه عباراتهم فزادو اونقصوا وقد مواوا كروا وبدلوا الالفاظ بالفاظ و لهذاترى الحديث الواحد فى القصة الواحدة مرويا على اوجه شتى بعبارات مختلفة و من ثم انكر على ابن مالك اثبات القواعد النحوية بالفاظ الواردة فى الحديث قال ابو حبان فى شرح التهسيل قد اكثر هذا المصنف من الاستدلال بما وقع فى الاحاديث على اثبات القواعد الكلية فى لسان ⇦⇦⇦

اور چونکہ اخبار میں شک کرنا بظاہر عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم پر شبہ کرنا سمجھا جاتا ہے، اس لیے عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت ہمارے محققین نے کہا ہے:

((فان قیل عدالة جمیع الصحابة ثابتة بالآیات والا حادیث الواردة فی فضائلهم فقلنا ذکر بعضهم ان الصحابی اسم لمن استشهر بطول صحبة النبی علی طریق المتتبع له والا خذمنه و بعضهم انه اسم لمومن رای النبی ﷺ سواء طالت صحبته

⇦⇦⇦ العرب ومارایت احد امن المتقدمین والمتاخرین سلك هذه الطریقة غیره علی ان الواضعین الاولین لعلم النحو المستقرئین للا حکام من لسان العرب کابی عمر و بن العلاء عیسی بن عمر و الخلیل و سیبویه من ائمة البصریین و الکسائی والفراء و علی بن مبارك الاحمرو هشام الضریر من ائمة الکوفیین لم یفعلو اذالك و تبعهم علی هذا المسلك المتاخرون من الفریقین و غیر هم عن نحاة الاقالیم کنحاة بغداد و اهل الاندلس و قدجری الکلام فی ذالك مع بعض المتاخرین الاذکیاء فقال انما ترك العلماء ذالك لعدم و ثوقهم ان ذالك لفظ الرسول ﷺ اذلو و ثقوابذالك لجری مجری القرآن فی اثبات القواعد الکلیة و انما کان ذالك لا مرین احد هما ان الرواة جوز و االنقل بالمعنی فتجد قصة واحدة قدجرت فی زمانه ﷺ لم تنقل بتلك الا الفاظ جمیعا، نحوماروی من قوله زوجتکها بما معك من القرآن ملکتها بما معك خذها بما معك وغیر ذالك من الالفاظ الواردة فی هذا القصة، فنعلم یقینا انه ﷺ لم یلفظ بجمیع هذه الالفاظ بل لانجزم بانه قال بعضها اویحتمل انه قال لفظا مراد فالهذا الالفاظ غیرها فاتت الرواة بالمرادف و لم تاتا بلفظه اذالمعنی هوا لمطلوب ولا سیما مع تقادم السماع و عدم ضبطه بالکتابة والا تکال علی الحفظ فالضابط منهم من ضبط المعنی واما ضبط اللفظ فبعید جدالا سیمافی الاحادیث الطوال و قال سفیان الثوری ان قلت لکم انی احد ثکم کما سمعت فلاتصدقونی انما هوا المعنی و من نظر فی الحدیث ادنی نظر علم الیقین انهم انمایرون بالمعنی و قال ابوحبان انما امنعت الکلام فی هذه المسئلة لئلا یقول المبتدی ما بال النحویین یستدلون بقول العرب وفیهم المسلم و الکافر ولا یستدلون بماروی فی الحدیث ینقل العدول کا البخاری و مسلم و امتالهما فمن طالع ماذکرناه ادرك السبب الذی لاجله لم یستدل النحاة بالحدیث انتهی کلام ابن حبان و قال ابوالحسن بن الصائغ فی شرح الجمل تجویز الروایة بالمعنی هوا لسبب عندی فی ترك الائمة کسیبویه الاستشهاد علی اثبات اللغة بالحدیث و اعتدوافی ذلك علی القرن و صریح النقل عن العرب ولولا تصریح العلما بجواز النقل بالمعنے فی الحدیث لکان الاولی فی اثبات فصیح اللغة کلام النبی ﷺ لانه افصح العرب۔ (الاقتراح للسیوطی از ۱۹ تا ۲۱)

ام لا الا ان الجزم بالعدالة مختص بمن اشتهر بذالك والباقون كسائر الناس فيهم عدول و غير عدول .))

''اگر کہا جائے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت ان آیات اور احادیث سے ثابت ہے جو ان کے فضائل میں آئی ہیں تو ہم کہیں گے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے حضور کی لمبی صحبت اٹھائی ہو اور آپ کا تابعدار رہا ہو اور آپ سے اکتساب کیا ہو۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ صحابی وہ مومن ہے جس نے حضور کو دیکھا ہو چاہے لمبی مدت صحبت میں رہا ہو یا نہیں، ہاں، عدالت انہی کے ساتھ خاص ہے جو صحبت کے ساتھ مشہور ہیں اور باقی دیگر عام لوگوں کی طرح ہیں ان میں عادل بھی ہیں اور غیر عادل بھی۔

اخبار احادیث کی نسبت جبکہ عقلاً اور نقلاً یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ وہ مفید یقین نہیں ہیں تو ضرور ہے کہ جو خبر کتاب یا سنت مشہورہ اور اجماع امت کے معارض ہو وہ ان خیالات کے لحاظ سے جو اوپر بیان کیے گئے راویوں کے غیر مشتبہ ہونے کی صورت میں بھی مقبول نہ ہوں گی، اس لیے کہ یقین ظن سے زائل نہیں ہوسکتا۔

((فكيف يعتبر خبر الواحد فى معارض الكتاب و السنة المشهورة و اجماع الامة و كل حديث يخالف كتاب الله فانه ليس بحديث الرسول وانما هو مفترى وكذالك كل حديث يعارض دليلا اقوى منه فانه منقطع عنه عليه السلام لان الادلة الشرعية لايناقض بعضها بعضا وانما تناقض من الجهل المحض .))

''کتاب وسنت مشہورہ اور اجماع امت کے مخالف کسی خبر واحد کا کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے، ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے خلاف ہو وہ حدیث رسول نہیں بلکہ موضوع (گڑھی ہوئی) ہے، اسی طرح وہ حدیث جو اپنے سے قوی دلیل کے

خلاف ہو وہ آپ سے منقطع ہوگی، کیونکہ دلائل شرعیہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہوتے تناقض اور اختلاف تو نری جہالت ہے۔‘‘

یہ بات بھی ذہن نشیں کرنے کے لائق ہے کہ رواۃ کی جرح و تعدیل صرف اخبار شرعیہ کی صحت کے لیے ضروری ہے تاکہ اس سے اس خبر کی صحت پر ظن ہو جائے اور تکالیف شرعیہ ظنی اخبار پر واجب ہوسکتی ہیں لیکن واقعات اور مسائل عقلیہ میں جرح و تعدیل کی بھی ضرورت نہیں ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ وہ خبر فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ اگر اس کا محال ہونا ثابت ہو تو تعدیل و تجریح فضول ہے، یہاں تک کہ اگر ایسی خبر متواتر بھی ہو تو وہ موجب یقین نہ ہوگی، جیسا کہ تلویح میں کہا گیا ہے:

((ثم المتواتر لابدان یکون مستندا الی الحس سمعا اوغیرہ حتی لواتفق اھل اقلیم علی مسئلة عقلیة لم یحصل لنا الیقین حتی یقوم البرھان وقال ابن خلدون فی مقدمة تاریخه ولایرجع الی تعدیل الرواۃ حتی یعلم ان ذلك الخبر فی نفسه ممکن او ممتنع و اماذا کان مستحیلا فلا فائدۃ للنظر فی التعدیل والتجریح و لقدعد اھل النظر من المطاعن فی الخبر استحالة مدلول اللفظ و تاویله ان یاول بما لا یقبله العقل و انما کان التعدیل و التجریح ھوالمعتبر فی صحة الاخبار الشرعیة لان معظمھا تکالیف انسانیة اوجب الشارع العمل صدقھا اوصحتھا من اعتبار المطابقة فلذالك وجب ان ینظر فی امکان و قوعه وصارفیھا ذالك اھم من التعدیل و مقدما علیه اذفائدۃ الانشاء مقتبسة منه فقط و فائدۃ الخبر منه و من خارج بالمطابقة واذا کان ذلك فالقانون فی تمیز الحق من الباطل فی الاخبار بالا مکان والا ستحالة ان ننظر فی اجتماع

البشری الذی ھوا لعمران و نمیز مایلحقه من الاحوال الذالته
و بمقتضی طبعه و ما یکون عارضا لا یعتدبه .))

’’پھر خبر متواتر کے لیے ضروری ہے کہ وہ حسی طور پر معتبر ہو اگر کسی عقلی مسئلہ پر پورے ملک کے لوگ متفق ہو جائیں تو اس سے یقین حاصل نہیں ہو گا جب تک کہ اس پر دلیل قائم نہ ہو، ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں کہا ہے کہ راویوں کی تعدیل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ فی نفسہ وہ خبر ممکن یا ممتنع ہے، لیکن اگر وہ خبر محال ہو تو جرح و تعدیل سے کوئی فائدہ نہیں، اہل علم کے نزدیک خبر کے لیے اگر لفظ کا مدلول اور تاویل محال اور عقل کے خلاف ہو تو یہ عیب شمار ہوتا ہے جرح و تعدیل اخبار شرعیہ کی صحت میں معتبر ہے کیونکہ اکثر تکالیف انسانیہ جن پر شریعت نے عمل کرنے کو واجب قرار دیا ہے جب ان کے صدق کا گمان حاصل ہو اور ظن کی صحت کا طریقہ عدالت اور ضبط کے ذریعہ راویوں پر اعتماد ہے اور واقعات کے سلسلے کی خبروں میں صدق وصحت کے لیے مطابق ہونا معتبر ہے، اس لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کا وقوع ممکن بھی ہے یہ بات اس میں تعدیل سے زیادہ اہم ہے اور اس سے مقدم ہے۔‘‘

غالباً اخبار اور روایتوں کے متعلق جو کچھ ہم نے لکھا ہے اسے دیکھ کر حضرات امامیہ یہ فرمائیں کہ اگر تواریخ، تفسیر اور حدیث کی کتابوں کا یہ حال ہے کہ ان میں لکھی ہوئی کوئی خبر ایسی نہیں ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو، اور کوئی خبر احاد مفید یقین نہیں ہے اور بہت سی حدیثیں لوگوں نے بنا کر مشہور کر دیں ہیں تو پھر سنیوں کی کسی کتاب کا کچھ اعتبار نہ رہے گا اور چونکہ انہیں کتابوں پر خصوصاً احادیث کی کتب پر ان کے مذہب کا مدار ہے اور شریعت کی بنیاد اس پر قائم ہے تو خود سنیوں کے بیان سے وہ بنیاد منہدم ہوتی ہے اور وہ خود اپنی کتابوں کو آپ غلط بتاتے ہیں، چنانچہ بعض علمائے امامیہ نے یہی لکھا ہے اور صاحب استقصاء نے بھی جابجا

صراحتاً اور ارشارتاً یہ طعنہ کیا ہے۔مگر یہ کہنا ان کا صحیح نہ ہوگا، اس لیے کہ کوئی کتاب قرآن مجید کی طرح آسمان سے تو نازل ہوئی نہیں اور جبرئیل امین علیہ السلام خدا کی طرف سے لائے نہیں اور صاحب الوحی نے اسے وحی فرمایا کہ ہم تک پہنچایا نہیں، اس لیے کوئی کتاب، کتاب اللہ کی طرح صحت و یقین کے درجے پر پہنچ نہیں سکتی، کتاب اللہ کے بعد جہاں تک انسان کی کوشش سے ممکن ہے وہاں تک صحیح حدیثوں کے جمع کرنے میں اور وضعی حدیثوں کے قبول نہ کرنے میں صحاح ستہ کے مصنفین نے کوشش کی اور تابہ امکان بشری صحیح حدیثوں کو جمع کیا، خصوصاً امام بخاری و مسلم نے اور خاص کر امام بخاری نے اور اسی لیے علماء کے گروہ کثیر نے اس کی صحت کو تسلیم کیا اور اسے کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے زیادہ صحیح سمجھا۔مگر یہ امر کہ اس کی ہر حدیث مفید یقین ہو یا کوئی راوی اس کا مشتبہ نہ ہو ایسا دعویٰ کرنا گویا ان کی کتاب کو خدا کی کتاب کے برابر سمجھنا ہے اور اگر باوجود کمال زحمت اور تکلیف کے جو انہوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں اٹھائی اگر بعض ضعیف حدیثیں ان کی کتاب میں درج ہوگئیں یا بعض ایسے راویوں کی روایت انہوں نے قبول کی جن میں کلام کیا گیا ہے تو اس سے ان کی شان میں کچھ فرق نہیں آسکتا اور ان کی کتابیں جس قدر و منزلت کے لائق ہیں اس میں کمی نہیں ہوسکتی، نہ اس سے کوئی شبہ ان کی کتاب پر ہوسکتا ہے، اور نہ باوجود موجود ہونے کے ایسی معتبر کتابوں کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری مذہبی کتابیں اعتماد اور اعتبار کے لائق نہیں ہیں۔ بلکہ جو شدت اور سختی حدیثوں اور اخبار کے قبول کرنے اور اس کی صحت کی تحقیق اور تنقیح میں ہمارے محدثین نے فرمائی ہے اور جس صفائی اور زور کے ساتھ غلط اخبار اور ضعیف احادیث اور زید و عمر کی کتابوں پر جرح کی ہے اس سے اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ مذہب کے پکے اور نیت کے پاک، صداقت کے جویاں، حق کے متلاشی اور باطل سے متنفر اور مذہب کی بنیاد مستحکم اصول پر قائم کرنے والے تھے۔ اگر ہم انہیں روایتوں کی تحقیق اور اخبار کے قبول کرنے میں ایسا سخت نہ پاتے اور ان کا تساہل اور تسامح مذہبی روایتوں میں دیکھتے تو ہمارا یقین اپنے مذہب کے استحکام پر ایسا نہ ہوتا جیسا کہ اب ہے۔ ہمارے محدثین اور محققین کی تحقیق اور تنقیح نے ہم پر

یہ ثابت کر دیا کہ ہمارا مذہب ایسی مستحکم بنیاد پر قائم ہے جس میں کسی طرح خلل نہیں آ سکتا۔
﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾

لیکن کیا حال ہوگا حضرات امامیہ کے مذہب کا اگر بعض وضعی حدیثوں اور غلط روایتوں کے ہونے سے کسی مذہب کی تمام کتابیں غلط اور اس کے تمام محدثین اور مجتہدین غیر معتبر سمجھے جا سکتے ہیں، اس لیے کہ جب اسی نظر سے ہمارے علماء نے اپنے یہاں کی کتابوں کو دیکھا ہے وہ اپنے یہاں کی کتابوں کو دیکھیں گے، اگر ہمارے یہاں سے بڑھ کر ان کے یہاں کی کتابیں زیادہ قابل اعتراض نہ سمجھی جائیں تو کسی حالت میں اس سے کم تو نہ ہوں گی بلکہ اگر ادب ملحوظ نہ ہو تو بہت بڑا حصہ ان کی حدیثوں کی کتابوں کا خصوصاً جو امامت سے متعلق ہے صرف قرآن اور عقل کی مخالفت کی وجہ سے غیر قابل اعتبار ثابت کیا جا سکتا ہے، مگر میں ادب کے دائرے سے قدم باہر رکھنا اور اپنے اثنا عشری دوستوں کو اس کے بیان سے رنجیدہ اور شرمندہ کرنا پسند نہیں کرتا، اس لیے ضروری باتوں پر اکتفا کرتا ہوں اور یہ بات دکھاتا ہوں کہ کتابوں کے غیر معتبر ہونے، اور جھوٹی حدیثوں کے بنانے، اور ائمہ پر تہمت لگانے اور راویوں کے حالات تحقیق کرنے، اور جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھنے اور اخبار احاد کے مفید یقین نہ ہونے اور ان اخبار کے جو مخالف قرآن، عقل اور عقائد مسلمہ کے ہوں قابل قبول نہ ہونے اور دیگر باتوں کے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے کی نسبت علماء امامیہ نے کیا فرمایا ہے۔

ملا علی طہرانی کتاب "توضیح المقال فی علم الرجال" میں حدیثوں اور راویوں کے متعلق یہ فرماتے ہیں:

((المراد بالحديث ماينتهي سلسلة سنده الى النبي ﷺ اواحد المعصومين .)) (توضيح المقال صفحه ٢)

"مراد حدیث سے وہ ہے جس کی سند کا سلسلہ رسول خدا ﷺ یا کسی امام تک منتہی ہو۔"

چونکہ ❶ احکام شرعی کا استنباط موقوف ہے احادیث کے دیکھنے پر اس لیے ضروری ہے کہ احادیث کی صحت کی تحقیق کی جائے تاکہ اس سے مسائل کا استنباط اوراس پر عمل کرنا جائز ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ سب حدیثیں ایسی نہیں ہیں، اور ان کی صحت کا علم موقوف ہے راویوں کے حالات دریافت کرنے ،یعنی علم الرجال کے جاننے پر۔

اور ❷ یہ بات بھی معلوم ہے کہ ہماری حدیثوں میں بہت سی جھوٹی اور موضوع ہیں، پیغمبر خدا ﷺ نے فرما دیا تھا کہ میرے بعد بات بنانے والے بہت ہوں گے اور حضرت صادقؒ سے روایت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک امام کے اوپر جھوٹ لگانے والے ہوں گے۔ اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ ہم اہل بیت سچے ہیں مگر جھوٹ بولنے والوں اور جھوٹ لگانے

---

❶ وعلى كل واحد فوجه الحاجة الى هذا العلم استنباط الاحكام الواجب علينا او كفايةً موقوف فى ازمانـنا او مطلقا على النظر فى الاحاديث لوضوح عدم كفاية غير هاوغناه عنها فلا بد من معرفة المعتبر منها الذى يجوز الاستنباط منه والعمل عليه حيث تعرف ان جميعها ليست كذلك ولاريب فى حصول هذه المعرفة بالمراجعة الى علم الرجال وهذا مما لانزاع فيه. (توضيح المقال صفحه ٣)

❷ ورابعها ان من المعلوم الوارد على طبقة اخبار مستفيضة ان فى رواياتنا كانت جملة من الاخبار الموضوعة ففى النبوى المعروف ستكثر بعد القالة على و فى المروى عن الصادق ان لكل رجل منا رجلا يكذب عليه و فى الآخر عنه انا اهل البيت صادقون لاتخلو من كذاب يكذب علينا فيسقط صدقنا بكذبه و فى الآخران المغيرة بن سعيدوس فى كتب احاديث ابى احاديث لم يحدث بها ابى فاتقوا لله ولا تقبلوا علينا ما خالف قول ربنا وسنة نبينا و عن يونس انه قال وافيت العراق فوجدت فيها قطعه من اصحاب ابى جعفر و اصحاب ابى عبدالله متواخرين فسمعت منهم واخذت كتبهم و عرضتهم من بعدى على ابى الحسن بن الرضا فانكر منها احاديث كثيره ان تكون من اصحاب ابى عبدالله و قال ان ابا الخطاب كذب على ابى ابى عبدالله لعن الله على ابا الخطاب و كذلك اصحاب ابى الخطاب يد لسون من هذه الاحاديث الى يومنا هذا فى كتب اصحاب ابى عبدالله فلا تقبلوا علينا خلاف القرآن و فى جمله من الاخبار العلاجية ان ما خالف القرآن و فى بعضها ما خالفه و خالف السنة انى ما قلته و فى الآخر الا مربضرب مخالفه وجه الجد ارالى غير ذالك من الاخبار الواردة فى هذالمضمار فنقول ان اخراج الموضوعة عمافى ايدينا من الاخبار غير معلوم وادعاءه كماياتى غير مسموع فى العمل بالجميع من غير تميز الموضوع عن غيره بالمقدور قبيح بل منتهى عنه بهذا الاخبار. ١٢ (توضيح المقال صفحه ٤)

والوں سے جو ہم پر جھوٹ لگاتے ہیں، خالی نہیں ہیں اور ہماری سچائی اس کے جھوٹ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور مغیرہ بن سعید نے میرے والد بزرگوار کے اصحاب کی کتابوں میں ایسی جھوٹی حدیثیں ملا دیں جن کو کبھی میرے والد نے بیان نہیں کیا تھا۔ پس خدا سے ڈرو اور جو قول ہمارا خدا کے کلام اور نبی کی سنت کے خلاف پاؤ اسے مت مانو۔ اور یونس سے روایت ہے کہ میں نے عراق میں امام باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب کو پایا اور ان سے حدیثیں سنیں اور ان کی کتابوں کو لیا اور اس کے بعد حضرت امام موسیٰ رضا کے روبرو پیش کیا، آپ نے بہت سی حدیثوں سے انکار فرمایا اور کہا کہ ابوالخطاب نے امام جعفر صادقؑ پر بہت جھوٹ لگایا ہے، خدا اس پر لعنت کرے اور اسی طرح ابوالخطاب کے رفقاء حدیثوں سے اب تک فریب دیتے ہیں اور امام جعفر صادق کی کتابوں میں ملا دیتے ہیں، پس جو کچھ قرآن کے خلاف ہو اسے ہماری طرف سے نہ سمجھو اور نہ اسے قبول کرو اور جو چیز قرآن اور سنت کے مخالف ہو اسے دیوار پر مارو۔

مؤلف کتاب اسے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ موضوع حدیثوں کا ہونا تو ہماری کتابوں میں اس سے پایا جاتا ہے اور یہ بات کہ ان کتابوں میں سے موضوع حدیثیں نکال دی گئی ہیں، معلوم نہیں ہوتا اور اس کا دعویٰ کرنا قابل سماعت نہیں ہے، پس بغیر تمیز کرنے موضوع حدیث کے صحیح احادیث سے سب پر عمل کرنا نہ صرف قبیح ہے بلکہ ممنوع ہے۔

راویوں کے حالات دریافت کرنا اور علم الرجال سے واقف ہونا، اس لیے ضروری ہے کہ اکثر [1] یا تمام حدیثوں میں احتمال وضع موجود ہے گو یہ احتمال بعض حدیثوں میں قرائن خارجیہ کے سبب سے بہت کم ہے لیکن اس احتمال کے دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام حدیثوں میں رفع شک کے لیے اس علم کی طرف رجوع کیا جائے۔

راویوں کے حالات دریافت کرنے اور علم الرجال سے واقف ہونے کے لیے مؤلف

---

[1] ان احتمال الوضع قائم فی اکثر الاخبار و جمیعها و ان ضعف فی بعض القرائن خارجیة فلا بدمن الرجوع فی الجمیع۔ ۱۲ توضیح المقال صفحه ٤۔

موصوف نے جہاں اور بہت سی دلیلیں بیان کی ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ❶ اگلے اور پچھلے علماء کی سیرت سے پایا جاتا ہے کہ وہ رجال پر کتابیں لکھتے تھے اور اس کی تدوین و تنقیح کرتے تھے اور ان کتابوں حاصل کرتے اور اپنے مطالعے میں رکھتے تھے اور راویوں کے حالات

❶ ومنها ان سيرة العلماء قديما وحديثا على تدوين كتب الرجال و تنقيحها و تحصيلها باشتراء واستكتاب و على مطالعتها و الرجوع اليهافى معرفة احوال الرواة والعمل بهافى الاعتداء برجال و الطعن فى آخرين والتوقف فى طائفة ثالثة حتىٰ ان كثير امنهم كانت له مهارة فى هذا العلم كا لصدوق والمفيد والطوسى وغيره هم من مشائخ الحديث بل ربما امكن ان يقال اهتمام المتقدمين فيه كان از يد من المتاخرين واى عاقل يرضى بكون ذالك كله لغوا مكر وها اوحراما فليس الالا فتقاراليه بل ربما يظهر من عدم ارتكابهم مثل ماذكر بالنسبة الى سائر مايتوقف عليه الفقه ان الافتقاراليه اشدواعظم ولعله كذلك بعد سهولة اكثر ذالك فى حقهم و فى زمانهم دون الرجال كيف و به يعرف ما هوا الحجة فى حقهم عن غير هاومنه يحصل الاطمنان اوالظن المستقر بما استفيد من الاحكام عن الاخبار و حيث ان المفضل فى الافتقار النافى له على الاطلاق شاذ نادر بل غير معلوم القائل ظهر ان الافتقار على الاطلاق و بتقرير آخران ما سمعت منهم خصوصاً بعد ملاحظة ما فى كتب الاصول من الاتفاق على اشتراط فى الاجتهاد يكشف قطعيا عن بنائهم على الافتقاراليه واشتراطه فى الاستنباط و عن رضا المعصوم بذلك و هل ينقص هذا من الاجماعات المتكررة فى كلما تهم فاما مخالفته من مرفلا تقدح فيه لوضوح فساد شبهاتهم كمايأتى و بسبقهم بالا جماع والسيرة ولحوقهم عنه و منها ان سيرة الرواة والمحدثين الى زمن تاليف الكتب الاربعة بل الى تاليف الثلاثة المتاخرة الوافى والوسائل والبحار على الالتزام بذكر جميع الرجال وجميع الاسانيد حتىٰ ان لواحد اسقطهم او بعضهم فى مقام اشار اليهم فى مقام آخر كمافى الفقيه والتهذيبين من التصريح بانه للتحرزعن لزوم الارسال والقطع والرفع المنافية للاعتبار و من المعلوم ان ذلك كله لان يعرفهم الراجع الى كتبهم و يجتهد وا فى احوالهم على حسب مقدوره فيميز الموثوق الجائز اخذالرواية عن غير والالزم اللغوية فيعلم الافتقار والكشف عن الاشتراط كمافى ثانى تقرير الوجه السابق فلوكان بنائهم على اعتبار مافيها من غير ملاحظة احوال الرواة للاخذمن الاصول الاربع مأة او غيره من القرائن الاعتبار او لقطع بالصدورلكان تطويل الكتب بذكر الجميع لغوا مكروها او محرما وقدمر بطلان نفى الافتقار فى الجملة فثبت الافتقار المطلق و يويد هذا الا لتزام من تاخر بالرجوع الى الرجال و توصيف بعض الاخبار باالصحة والوثوق والا عتبار و تضعيف بعض آخر و عدم اكتفاء بعضهم بتوصيف غيره و ان كان باعرف منه بالرجال بل الخلاف بينهم فى كثير من التصحيحات والتضعيفات واضح معلوم للمراجع الى كتبهم۔ ١٢ توضيع المقال صفحه ٥ .

دریافت کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے۔تو کیا کوئی سمجھ دار آدمی اس بات کو مانے گا کہ یہ فعل ان کا لغو یا مکروہ یا حرام تھا۔ بلکہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس علم کی طرف احتیاج بہت زیادہ اور راویوں کے حالات سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔اور کیوں نہ ہو، اسی سے اطمینان یا ظن حاصل ہوتا ہے، ان احکام پر جو احادیث سے مستنبط کیے جاتے ہیں۔اور نیز محدثین کی سیرت میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ رواۃ کا سلسلہ ہر حدیث کے متعلق بیان کرتے ہیں اور ابتدا سے تا زمانہ تالیف کتب اربعہ انہوں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ ہر حدیث کے تمام راویوں کو نام بنام بیان کریں یہاں تک کہ اگر کوئی بیچ میں سے چھوڑ دیا گیا ہو تو اس کا دوسری جگہ ذکر کر دیں تا کہ ارسال، قطع اور رفع جو صحت حدیث اور اعتبار کے منافی ہے ظاہر ہو جائے اور اس سے ان کا احتراز ثابت ہو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ سب صرف اس لیے وہ کرتے تھے کہ جو ان کی کتابوں کی طرف رجوع کرے اور ان کے حالات کو اپنی مقدور کے موافق دریافت کرے تو وہ تمیز کرے کہ کون سا راوی ایسا ہے جس کی روایت لینے کے لائق ہے اور کون سا چھوڑنے کے قابل۔اگر یہ مقصود نہ ہوتا اور راویوں کے حالات دریافت کرنے کے بعد حدیثوں کی کتابوں کی تدوین کی ضرورت نہ رہتی تو محدثین کی یہ ساری کارروائی لغو اور فضول ثابت ہوتی ہے، اور اگر رواۃ کے احوال دیکھے بغیر ان چارسو کتابوں سے جو حدیث پر لکھی گئی ہیں حدیثوں کا لینا کافی سمجھا جاتا یا ان کی صحت پر یقین ہوتا تو کتابوں میں راویوں کے ناموں کا لکھنا اور اس طرح پر کتابوں کا پڑھانا لغو اور مکروہ، بلکہ ممنوع اور حرام ہو جاتا۔

مؤلف کتاب موصوف نے ان اعتراضات کو بھی بیان کیا جو حدیث کی کتابوں کو معتبر اور ہر حدیث کو بغیر رجوع تحقیق حالات رواۃ کے قابل عمل سمجھتے ہیں اور ان کی دلیلوں کا ذکر کر کے اس کا جواب دیا ہے، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ [1] علم الرجال کے ضرورت اور

---

[1] احدها ان المعلوم بالتواتر والا خبار المحفوفة بقرائن القطع انه كان داب القدماء فى مدة تزيد على ثلاث مأة سنه ضبط الاحاديث و تدوينها فى مجالس الائمة وغير هاو كانت هممهم على تاليف ما يعمل به الطائفة المحققة و عرضه على الائمة و قد استمر ذلك الى زمن تاليف الكتب الاربعة حتى ⇦⇦⇦

احتیاج کے منکرین یہ کہتے ہیں کہ یہ بات بتواتر اور بقرائن یقینیہ معلوم ہے کہ تین سو برس تک قدماء کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ احادیث کو جمع اور ائمہ کی مجالس میں اس کی تدوین کرنے اور جن حدیثوں پر اہل حق ❶ یعنی ہمارا فرقہ عمل کرتا اس کے ضبط کرنے میں اپنی ہمتیں صرف

⇦⇦⇦ بقيت جملة منها بعد ذلك و هذه الاربعة منقولة من تلك الاصول المعتمدة بشهادة اربا بها الثقات و لغايت بعد تاليفهم من غير هامع تمكنهم منها و من تميز ما هوا المعتبر عن غيره غاية التمكن مع علمهم بعدم اعتبار الظن فی الاحكام الشرعية مع التمكن من العم والتبين والمعلوم من و ثقاتهم و جلالتهم عدم التقصير فی ذلك كيف و اهل التواريخ لايا خذون القصص من كتاب اوشخص غير معتمد مع التمكن من الاخذ عن المعتمد فماظن بهؤلاء المشائخ العظام و على فرض اخذ هم من غير الكتب المعتبرة كيف يدلسون بل يشهدون بصحة جميع مانقلوه و كونه حجة بينهم و بين ربهم. ١٢ (توضيح المقال صفحه ٧ـ)

❶ وثانيها ان مقتضى الحكمة الربانية و شفقة الرسول والائمة لايضيع من فی اصلاب الرجال من الامة و يتركو احبارى يلتجؤن الى التشبث بظنون واقبة و غير هابل يمد لهم اصول معتبرة يعملون بها فی الغيبة كما هوا لواقع و المعلوم بالتتبع فی احوالهم و التامل فی الاحاديث الكثيرة الدالة على انهم امروا اصحابهم بكتابة مايسمعونه منهم تاليفه والعمل به ففی الغيبة والحضور بالنص عليها بقولهم سياتی زمان لايستانسون فيه الابكتبهم و فی الاحاديث الكثيرة الدالة على اعتبار تلك الكتب والامربالعمل بها وعلى انها عرضت على الائمة فمد حوهاومد حواصاحبها وقدنص المحقق بان كتاب يونس بن عبدالرحمن و كتاب الفضل بن شاذان كا ناعنده و ذكر علماء الرجال انهما عرضا عليهم فما لظن بار باب الاربعة و قد صرح الصدوق مواضع بان كتاب محمد بن حسن الصفاء يشتمل على مسائل و جوابات العسكری كان عنده بخطه الشريف وكذاكتاب عبدالله بن على الجلبی المعروض على الصادق ثم رأينا هم يرجحون كثيرا حد يثا مرويافی غير الكتاب المعروض على الحديث الذی فيه وهذالايتجه الابانهم جازمون بكونه فی الاعتبار وصحة الصدور كالكتاب المعروض و يقرب من ذلك ماترى من الشيخ وغيره الى زمان الاصطلاح الجديد من طرح كثير من الاخبار الصحيحة بهذا الاصطلاح والعمل كثير مما هو ضعيف عليه و كثير ما يعتمدون على طرق ضعيفة مع تمكنهم من طرق صحيحة كما صرح به صاحب المنتقی وغيره وهذا ظاهری فی صحة تلك الاخبار بوجوه آخر ودال على عدم العبرة بالاصطلاح الجديد و حصول العلم بقوله الثقة ليس بمنكر ولا ببدع فقد نص صاحب المدارك وغيره على انه يتفق كثير اصول العلم بالوقت من اذان لثقة الضابط العارف حيث لم يكن مانع من العلم و بمثله صرح كثير من علمائنافی مواضع كثيرة وثالثها الوجه الكثير الاخير ⇦⇦⇦

کرتے اور اسے ائمہ کو سناتے اور یہ عمل کتب اربعہ کی تالیف کے زمانے تک جاری رہا اور یہ چار کتابیں حدیث کی انہی اصول سے منقول ہیں اور جن کے اعتماد پر انہوں نے شہادت دی ہے اور غیر معتبر کو معتبر سے جدا کر دیا ہے اور باوجود اس بات کے جاننے کے کہ احکام شرعیہ میں ظن کا اعتبار نہیں ہے بلکہ علم اور یقین کا ہونا لازمی ہے اور باوجود معلوم ہونے ان کی وثاقت و جلالت کے کیوں کر گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان کتب اربعہ کے جامعین احادیث صحیحہ کے جمع کرنے میں تقصیر کرتے اور جبکہ مؤرخین کسی قصے کو غیر معتبر کتاب اور غیر معتبر شخص سے اپنی تاریخ کی کتابوں میں نہیں لیتے تو ان بزرگانِ دین کی نسبت کیوں کر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیثوں کو جمع کرنے میں تقصیر کرتے اور اور درصورت فرض کرنے میں اس بات کے کہ انہوں نے غیر معتبر حدیثیں لیں کیوں کہ تدلیس کرتے اور اس بات کا دعویٰ فرماتے کہ جو کچھ انہوں نے نقل کیا ہے وہ سب صحیح ہے اور وہ ان کی کتاب ان کے اور خدا کے بیچ میں حجت

⇦⇦⇦من الوجوه المتقدمة للاسترابادی و فیه التصریح بحصول القطع العادی من شهاداتهم کالعلم بان الجبل لم ینقلب ذهبا و قال انه لاتفاق الشهادات وغیره ذلك اولی من نقل ثقته واحد کالمحقق والشهیدین فتوی من فتاوی ابی حنیفة فی کتابه مع انانری حصول العلم لنا بذالك من النقل المذکور فکیف لایحصل بشهادة الجماعة و ذکر ایضا انه لو لم یجز لنا قبول شهاداتهم فی صحة احادیث کتبهم لما جاز لنا قبولهافی مدح الرواة توثیقم فلایبقی حدیث صحیح ولا حسن ولا موثق بل یبقی جمیع اخبارنا ضعیفة واللازم باطل فکذا الملزوم والملازمة ظاهرة بل الاخبار بالعدالة شکل و اعظم و اولی بالاهتمام من الاخبار بنقل الاحادیث من الکتب المعتمدة فان ذلك امر محسوس والعدالة امر خفی عقلی یعسر الاطلاع علیه ولا مضر لهم عن هذاالالتزام عند الانصاف و ذکر ایضاان علمائنا الاجلاء الثقات اذ جمعوا احادیث و شهدوا بثبوتهاو صحتهالم یکن دون من اخبارهم بانهم سمعوها من المعصوم لظهور علمهم و صلاحهم و صدقهم و عدالتهم فی انه مع امکان العمل بالعلم لم یعملوا بغیره ففی الحقیقة هم ینقلونها عن المعصوم و قدوردت روایات کثیرة جدافی الامر بالرجوع الی الرواة الثقات معه اذا قالواان اخبر من المعصوم و لیس هذا من القیاس بل عمل بالعموم و قال ایضاانهم کانواثقات حین شهادتهم و جب قبولها لکونها عن محسوس و هوالنقل عن الکتب المعتمدة والا کانت احادیث کتبهم ضعیفة باصطلاحهم فکیف یعملون بها۔ ۱۲. (توضیح المقال صفحه ۷۔)

ہے۔اس اعتراض اور ان دلیلوں کا یہ جواب دیا ہے کہ ان [1] باتوں سے احادیث کا قطعی الصدور ہونا ثابت نہیں ہوتا۔اس لیے کہ کم سے کم احتمال سہو اور غفلت......کا تو باقی رہتا ہے، کیونکہ حدیث کے راوی اور اصول اور جو کتابیں ان سے لی گئی ہیں ان کے مؤلف معصوم نہ تھے اور یہ بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی رجال کے حال کی احتیاج باقی رہتی ہے، اس لیے کہ ان حدیثوں میں متناقض حدیثیں موجود ہیں مثل تقیہ کی حدیثوں کے اور اس لیے رجوع رجال کے حالات کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

پھر مؤلف موصوف یہ فرماتے ہیں کہ جامعین [2] حدیث نے یہ نہیں کہا کہ جو کچھ انہوں نے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، یعنی جتنی حدیثیں اس میں لکھی ہیں وہ سب مفید علم ہیں بلکہ ان کے نزدیک صرف مفید یقین ہو یا نہ ہو۔اور نیز جامعین حدیث سب متفق نہیں ہیں کل حدیثوں کے جمع کرنے میں، مثلاً: کلینی نے بہت سی حدیثیں چھوڑ دی ہیں ان کے بعد متاخرین نے نقل کیا ہے اور اس پر بڑھایا ہے۔اور ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیثوں کے جمع کرنے میں اور اس کی تنقید اور تصحیح میں بہت زحمت اٹھاتے تھے، ایسے لوگ کیوں کر ان

[1] و نقول فی المقام الثانی اجمالا ان ماذ کرفی هذالوجه با جمعه غیر مفید القطع بالصدورانه لا اقل من قیام احتمال السهو و الغفلة لوضوح عدم عصمة الرواة والمؤلفین للاصول والکتب الماخوذة منها و مع التسلیم فلایو جب الغنی عن الرجال علی الاطلاق لوضوح وجود الاخبار المعارضة فی جملة هذه الاخبار کا خبار التقیة و من المعلوم المدلول علیه بالاخبار العلاجیة منها وغیر ها توقف تمیز الراجح المعتبر منها علی مراجعة الرجال فاین الغنی المدعی علی کل حال۔ ۱۲ ۔ (توضیح المقال صفحه۹)۔

[2] ونقول تفصیلا و ان کان ایضا جملیا انا نمنع الصغریٰ والکبریٰ کما اشرنا الی منعهما فی الاجمال ففی الوجه الاول فی الصغریٰ ان حصول القطع من المتن فی غایة الندرة کذا من الاعتقاد و علی فرضه علی ندرة لایلازم حصوله فی غیره والا فتقا ر فی الغالب کاف بل هوالمدعی و کذا من کون الراوی ثقة لمنع حصول القطع للراوی الثقة لعدم لزومه لا فی الروایة ولا فی العمل فلعل اخذها ممن یثق به تعبدنا اوقلنا خاصا او مطلقا ولی تسلیمیه محصولا لا یستلزمه لنا الاحتمال السهو والنسیان والذهول عن القرینة او خفائها کما اوقع فی کثیر من الرواة فروعهم بقوله لیس کما ظننت اولیس کما تذهب اوماارك بعد الابهنا۱۲ . (توضیح المقال صفحه ۹)

حدیثوں کو جو مفید علم ہوں چھوڑ دیتے جن کو ان کے بعد کے لوگوں نے جمع کیا۔ پھر صدوق کو دیکھئے کہ وہ حدیث کی تصحیح اور تضعیف اکثر اپنے شیخ ابن الولید کی تصحیح وتضعیف پر اعتماد کر کے کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کا یہ قول ہے جس حدیث کو میرے شیخ نے صحیح کہہ دیا ہے وہ میرے نزدیک بھی صحیح ہے اور جسے اس نے صحیح نہیں کہا وہ ہمارے نزدیک متروک ہے۔ بھلا خیال کرو کہ ان اخبار میں جو مفید علم ہوں دوسرے کی تصحیح وتضعیف پر اعتماد کرنے کو کیا دخل ہے اور صرف ان کے شیخ کی تصحیح وتضعیف سے کیوں کر حدیث کے صحت اور ضعف پر یقین ہو سکتا ہے اور وہ حدیثیں جو مفید علم ہوں صرف ان کے شیخ کے ضعیف کہہ دینے سے کیوں کر ردّ کی جاسکتی ہیں۔

جناب مولانا دلدار علی صاحب نے ''صوارم'' میں اخبار واحادیث کے متعلق اپنے مذہب کا یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ فرقہ حقہ امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ اصول اور اعتقادات میں یقین حاصل کرتے ہیں اور ظن اور تقلید کو اصول دین میں جائز نہیں رکھتے اور دلائل عقلیہ سے یقین حاصل کرنے کے بعد بجہت مزید اطمینان اور ترقی مدارج یقین کے بطور تائید اور دیگر فوائد کے سمعیات متواترہ کو، یعنی ان اخبار کو جو لفظاً یا معناً متواتر ہوں ذکر کرتے ہیں، گو وہ راوی فاسد العقیدہ ہو۔ اوراسی وجہ سے جناب شیخ لطائفہ نے راویان فاسد العقیدہ کے اخبار پر عمل کیا ہے اور خبر واحد کو گو بواسطہ ثقات مروی ہو اعتقادات میں حجت اور کافی نہیں سمجھتے اور فروع میں چند ہمارے بعض علماء نے یہ اختیار کیا ہے کہ ہر مسئلہ کا اجتماعی یا مستفاداز متواتر یا ماخوذاز کتاب ودلیل عقول ہونا ضروری ہے۔ لیکن ہمارا عمل اس پر ہے کہ اگر خبر آحاد ہو اور راوی اس کے ثقہ ہوں اور دیگر شرائط اس میں پائی جاتی ہوں تو خبر آحاد پر بھی عمل واجب ہے۔ پھر جناب موصوف نے اپنے مذہب کا یہ اصول بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی خبر بظاہر خلاف ہو اس امر کے جس پر اجماع منعقد ہوا ہو، تو ضروری ہے وہ خبر یا ماول ہوگی یا مطروح۔ اوراسی اصول کی بنا پر وہ ان روایات کو جو زرارہ اور ہشام وغیرہ کی مذمت میں ہیں مردود اور غلط سمجھتے ہیں، جیسا کہ فرماتے ہیں:

''بلاشبہ کچھ حدیثیں ہمارے مذہب میں ایسی ہیں کہ جن سے ایسے بزرگوں کا

مقدوح ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ راوی اس قسم کے اخبار کے ضعیف اور مجروحین تھے اور نیز اس قسم کی حدیثیں ان حدیثوں کے معارض ہیں جو نہایت قوی ہیں اور جن پر امامیہ کا اجماع ہے، اس لیے ہمارے علماء نے اس قسم کی حدیثوں کو معرض اعتبار سے ساقط سمجھا ہے۔‘‘

اور پھر یہ فرماتے ہیں:

’’عقل اس بات پر شاہد ہے کہ باوجود اخبار جرح کے کہ جو ایسے بزرگوں کے حق میں بیان کی گئی ہیں، ہمارے علماء کے عقیدے میں جوان بزرگوں کی جلالت وشان کے بابت تھے کچھ خلل نہ ہوا اور کسی نے باوجود مشاہدہ کثرت اختلاف کے ان کا خلاف نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ان کی بزرگی اور کمال کا آفتاب ان کی نظروں میں روشن تھا، ورنہ اگر فرقہ حقہ امامیہ سو آدمیوں کو مثل ہشام وغیرہ کے ابوالخطاب کی طرح فاسد العقیدہ شمار کریں تب بھی ان کے عقائد حقہ کی بنیاد میں جو حجج قاہرہ اور براہین باہرہ پر قائم ہے خلل نہیں ہوسکتا۔ اور چونکہ ہم امامت اور فضائل علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد کے ثابت نہیں کرتے ہیں، مگر خدا کی کتاب سے جس کی صحت ضرورت اسلام سے ہے یا احادیث متفق علیہا سے یا عقلی دلائل سے، پس اگر ہشام اور محمد بن مسلم جیسے ہزار آدمی بالفرض ملحدین اور فاسقین سے ہوں تب بھی ان کے اعتقاد میں کچھ خلل نہیں آ سکتا۔‘‘

پھر فرماتے ہیں:

’’کم ہی کوئی مذہب ایسا ہوگا کہ بعض روایات بے اصل یا ماول اس مذہب میں نہ ہوں، پس دیندار دانش مندوں کو چاہیے کہ ایسی حالت میں کوئی قاعدہ اور ضابطہ رکھتے ہوں جس سے اثنائے جدال اور مخاصمہ میں باہر نہ آ جائیں اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ احتجاج اور الزام خصم پر اس بات سے کریں جو اس کے مذہب کے خلاف اس مذہب کی کتابوں میں لکھا ہو، اور اس مذہب کے راوی اور علماء

نے جو کچھ بیان کیا ہو وہ مسلم الثبوت طرفین کا ہو، یا یہ کہ اس کا ثبوت تو اتر پر کہ جس میں جھوٹ کا احتمال اہل انصاف کے نزدیک نہ پایا جائے۔“

جناب موصوف ”حسام“ میں اخبار آحاد کی نسبت فرماتے ہیں:

((خبر واحدا گر بے معارض هم باشدظنی ست در اصول اعتقادیات بآں تمسك نبا يد كرد بلكه نزد محققين شيعه اماميه مثل ابن ادريس و شريف مرتضى و اكثر قدمائے ايشاں قابل احتجاج نيست و متاخرين ايشاں هميں مذهب را اختيار كرده اندو هذا اخبار احادر را در دلائل نشمرده بلكه رد آنرا واجب دانسته . (خصوصاً در اعتقادات ، حسام .))

”خبر واحد اگر بے معارض کے بھی ہوتب بھی ظنی ہے، اعتقادات کے اصول میں اس سے تمسک کرنا جائز نہیں ہے بلکہ محققین شیعہ امامیہ کے نزدیک مثل ابن زہرہ اور ابن ادریس اور شریف مرتضٰی اور اکثر قدماء کے وہ قابل احتجاج نہیں اور متاخرین نے اسی مذہب کو اختیار کیا ہے اور اسی لیے انہوں نے اخبار احاد کو دلائل میں شمار نہیں کیا ہے بلکہ اس کے رد کو ضروری سمجھا ہے خصوصاً اعتقادات میں۔“

اوران احادیث کی تردید یا تاویل کی نسبت جو ادلۂ شرعیہ کے مخالف ہوں آپ فرماتے ہیں:

((وآنچه دریں باب ازائمه دين نقل می كنند همه زور و بهتان ست و از موضوعات دروغ گويان ويااينكه گوفرموده باشند لكن واجب التاويل ست نظر بايں كه كه معارض ست بآن چه از ادله شرعيه كه اقوى ازان ست .)) (حسام صفحه ٦)

”جو کچھ اس بات میں ائمہ دین سے منقول ہے وہ سب جھوٹ اور بہتان ہے اور دروغ گوؤں کے موضعات سے ہے اور یا یہ کہ ائمہ نے فرمایا ہو گا لیکن اس کی کوئی تاویل ضرور ہو گی، اس لیے کہ یہ خبر معارض ہے ان ادلۂ شرعیہ کے جو اس

سے قوی ہیں۔“

پھر صفحہ ۱۴ میں فرماتے ہیں:

((هیچك فرقه هالكه ضاله نخواهد بود كه يكے از آيات و احاديث نبويه بحسب ظاهر موافق مسلك اونبا شد پس اگر مجرد و جود معارض دليل بطلان مذهب شود بايد كه مذهب اسلام بالمره باطل باشدو مستحق طعن و تشنيع از قبل كفار و ملاحده شود آرے باوجود قوت معارض اگر كسے جانب ضعيف او اختيار نمايد البته مورد طعن و تشنيع اور امی تواں ساخت.)) (حسام صفحه ١٤)

”کوئی ہلاک ہونے والا اور گمراہ فرقہ ایسا نہ ہوگا کہ کوئی آیت اور حدیث نبوی ظاہراً اس کے مذہب کے موافق نہ ہو، پس اگر صرف معارض کا پایا جانا بطلان مذہب کی دلیل ہوتو لازم آتا ہے کہ مذہب اسلام بالکل باطل ہو اور ملحد و کفار کی جانب سے مستحق طعن و تشنیع ہو، اگر کوئی باوجود قوت معارض کے جانب ضعیف کو اختیار کرے تو اس کو مورد طعن و تشنیع کر سکتے ہیں۔“

پھر صفحہ ۲۵ میں فرماتے ہیں:

((بالجمله دانستی كه بناء اعتقادات اماميه بر اخبارا حادنيست پس ابن بابو يه دركتاب اعتقادات خودروس اعتقادات اماميه را كه بنا بر آيات و احاديث متواتره و اجماع اهل بيت وادله عقليه به ثبوت پيوسته مذكور ساخته در كتب احاديث موافق داب محدثين اخبار احادرا بهر قسم كه ماثور گشته مندرج فرموده ولازم نيست كه محدثين آنچه روايت كنند مطابق آن هم اعتقاد داشته باشند.))

''غرض کہ تم کو معلوم ہو گیا کہ امامیہ کی بنا اعتقادات اخبار آحاد پر نہیں ہے، ابن بابویہ نے اپنی کتاب ''اعتقادات'' میں اعتقادات امامیہ کے اصول کو جن کی بنا آیات و احادیث متواترہ اور اجماع اہل بیت اور ان ادلہ عقلیہ پر ہے جن کا ثبوت ہو گیا ہو، مذکور کیا ہے اور کتب احادیث میں موافق عادت محدثین کے اخبار احاد کو جس طرح پر کہ مأثور ہوئی ہوں درج فرمایا، اور یہ امر لازمی نہیں ہے کہ محدثین جو کچھ روایات کریں اس کے موافق وہ اعتقاد بھی رکھتے ہوں۔''

پھر صفحہ ٦٢ میں فرماتے ہیں:

((بدانکه ورود احادیث مختلفة الظواهر مخصوص بیهچ یك از فرق اهل اسلام که ارباب کتب احادیث و اخبار باشند نیست و نظر به همیں علماء اهل اسلام طریق جمع بین الاحادیث المختلفةو وجوه ترجیح احد الخبر ین المتعارضین رابر حدیث دوم در کتب اصول وغیره مدون و بیان ساخته اندپس اگر بمجر دایرادروایات مختلفه ابن بابویه محل طعن و تشنیع باشد کافیه محدثین اهل اسلام باید محل طعن و تشنیع باشند.)) (حسام)

''وارد ہونا ایسی احادیث کا جو ظاہر میں مختلف ہیں مخصوص کسی ایک فرقے اہل اسلام سے کہ جن کے پاس کتب احادیث و اخبار ہوں نہیں ہیں، اس لیے کہ علماء اسلام نے احادیث مختلفہ کا طریق جمع اور وجوہ ترجیح دو حدیثوں متعارض کو دوسری حدیث پر کتب اصول وغیرہ میں مدون اور بیان کر دیا ہے، پس اگر ابن بابویہ کا مجرد روایات مختلف کا بیان کرنا محل طعن و تشنیع ہو تو تمام محدثین اہل اسلام محل طعن و تشنیع کے ہونا چاہئیں۔''

پھر صفحہ ٣٨ میں فرماتے ہیں:

((هیچك محدثین عامه و خاصه التزام ایں ننموده که در هر کتاب حدیث آنچه روایت کند برطبق مدلول ظاهری آں معتقد و عامل هم باشد بلکه در صورت تعارض حدیث باادله شرعیه گو آں حدیث راروایت کرده باشد بمقتضائے آں چه ازادله شرعیه راجح می باشد بمقتضائے آں عمل می کند.)) (حسام)

''کسی نے محدثین میں سے عام و خاص کے یہ التزام نہیں کیا کہ جو کچھ کتب حدیث میں روایت کرے اس کے مدلول ظاہری کے مطابق معتقد اور عامل بھی ہو بلکہ درصورت تعارض حدیث کے ادلۂ شرعیہ کے ساتھ گو اس کے حدیث کو خود روایت کیا ہو جو کچھ بہ مقتضائے ادلۂ شرعیہ کے راجح ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔''

جناب مولانا سید محمد مجتہد ضربت حیدریہ میں فرماتے ہیں:

''متکلمین و مجتہدین امامیہ [1] اصول دین میں دلائل قطعیہ پر اعتماد کرتے ہیں اور

---

[1] سوال اول که مصدرست بقول وے ازاں جمله آنکه حکم بموضوع بودن احادیث قدح هشامین که در کافی کلینی که یکے از اصول اربعه شیعه ست موجودست الخ جواب علی نهج الصواب آنکه ایں سوال متبنی است برعدم درك طریقه انیقه متکلمین و مجتهدین امامیه چه ایشاں و اصول دینیه متینیه بر دلائل قطعیه اعتماد می کنند و بس و ظن و تقلید رادراں جائز و سائغ نمی دانند پس در اصول دینیه اعتماد براخبارا حادنمی نمایند و صحاح و حسان و موثقات ضعاف دریں مادره یکساں ست امادر فروع دینیه پس اعتماد شاں در ضروریات دین و مذهب بر قطع ست و بس **لا علی اخبار الا حاد ودر غیر** آں برظن ست نه مطلق ظن **بل ما حصل من الادلة الاربعة کتابا اوسنة اواجماعا اوعقلا ولا عبرة عند هم بالقیاس المنهدم الاساس ولا بمحض الرای واجتهاد الناس** و در صورت تعارض ادله شاں بر ترجیح بعض علی بعض ست و انماء ترجیح و مناشی آں متکثر و منشعب بشعب کثیره ست که استقصائے آں دریں مقام مخرج کلام از مانحن فیه ست و بالجمله یکے از مرجحات نظر در سندو حال رجال ست پس بر تقدیر تعارض صحیح با ضعیف و عدم الخبار ضعف آں بعمل اصحاب وغیره **من القرائن به ترجیح صحیح علی الضعیف** می پردازند و بر تقدیر عدم تعارض و وجداں خبرے ضعیف السندا گرآں خبر منجر الضعف بعمل اصحاب باشد فلاریب فی الاعتماد علیه وعکذا ⇦⇦⇦

بس، ظن وتقلید اس میں روا اور جائز نہیں رکھتے اور اصول دین میں اخبار احاد پر اعتماد نہیں کرتے اور اس باب میں سب قسم کی حدیثیں صحیح ہوں یا حسن، قوی ہوں یا ضعیف برابر ہیں۔ اور فروع دین میں ان کا اعتبار ضروریات دین و مذہب کی باتوں میں یقین پر ہے اور بس، نہ اخبار آحاد پر، اور سوائے اس کے ظن پر مگر نہ مطلق ظن پر بلکہ جو چار دلیلوں میں سے کسی ایک دلیل سے وہ ظن حاصل ہوا ہو، یعنی کتاب وسنت یا اجماع یا عقل۔ اور درصورت تعارض کے صحیح کوضعیف پر ترجیح

⇦⇦⇦ لوحف بقرائن عاضدة لها و هم چنیں اگر آں خبر مسوق باشد برائے بیان یکے از مستحباب چه مسامحه درادله سنن شائع کما بین فی محله و اگر منجر بعمل نیست و نه مسوق برائے بیان سنن بس یا موافق اصول خواهد بود کاصل البرائة والا ستصحاب والضحوی وغیره ذلك یا مخالف آں **علی الاول یعتمد علیه ویحتج الیه علی الاظهر و علی الثانی** حکمش آئل وراجع بتعارض خواهد بودورجوع بمر حجات لازم و اگر اصلے دردست نخواهد بود وحدیث ضعیف بلا معارض دراں صورت نیز عمل براں سائغ علی کلام فیه الحاصل قطعیت صد در هر واحد از اخبار کتب اربعه غیر مدعی وغیر ثابت و حالش نزد ایشاں مثل حال اخبار صحاح سته سنیه نیست که اگر طلاق حلق براں خورد طلاقش واقع نشود **قال فضل روز بهان اما صحاحنا فقد اتفق العلماء علی ان کل ما عدا من الصحاح سوی التعلیقات فی الصحاح السنة لو حلف الطلاق ا نه من قول رسول الله او من فعله و تقریره لم یقع الطلاق و لم یحنث** ۔ انتهی و عمل فرقه حقه بر اخبار کتب خود نه برسبیل غض بصر عن المعارضات و الترجیحات می باشد بلکه بعد نقر و بحث اطراف و جوانب آں را از مزیفات و مرجحات و حال رواة ملاحظه نموده در محل اعتماد اعتماد می نمایند ودر مقام جرح و طرح طرح و جرح و در جائے تاویل تاویل ولا ینحصر وجوه ترجیحهم و عملهم فی وجه و سبیل و احاطه ابن مقاصد علیه بر کسیکه در تدرب فن اجتهاد روز رابشب نیا وده و شباب رابشئیب مبدل نساخته حیلے عسیر ولا یا تیك مثل خبیر و چوں راویاں مثالب هشامین و من یحذ وحذو فهما مخالف اجماع فرقه حقه و معارض بروایات متواترة است لا محاله محتمل الطرح یا مائول باشدنه ایں که قطعا جزما کسے حکم بوضع و طرح آں نموده باشد کما یلمح الیه صدر کلام الفاضل المجادل و ازیں معنی لازم نمی آید که جمیع مرویات رواة قدح شاں مطروح گرددا گرچه داعی الی الوضع و باعث الی الطرح دراں مفقود باشد چنانچه وجوب تاویل در بعض آیات منافی ادله قطعیه ست مثل آیته کریمه **ید الله فوق ایدیهم** و امثال آں مستلزم وجوب تاویل در جمیع ظواهرات نیست ۱۲ .

(ضربت حیدریه ۳۶۲_ ۳۶۳)

دیتے ہیں اور تعارض نہ ہونے کی حالت میں اگر خبر ضعیف اصحاب مذہب کے عمل کے موافق ہو تو اس پر بھی اعتماد کر لیتے ہیں اور یقینی ہونا ہر ایک خبر کا اخبار کتب اربعہ سے (یعنی حدیث کی ان چار کتابوں سے جو ان کے یہاں صحاح سمجھی جاتی ہیں) نہ ثابت ہے اور نہ اس کا دعویٰ کیا گیا ہے اور ہمارے یہاں کی حدیث کی ان چار کتابوں کا حال سنیوں کی صحاح ستہ کے اخبار کے موافق نہیں ہے کہ اگر کوئی ان کی صحت پر حلف کرے تو طلاق واقع نہ ہو، اور نہ فرقہ حقہ امامیہ کا عمل اپنی حدیثوں پر معارضات اور ترجیحات سے قطع نظر کر کے ہے۔ بلکہ بعد غور اور بحث اور ملاحضہ اطراف وجوانب اور دریافت حالات راویوں کے ہے، اور ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد وہ اعتماد کے محل پر اعتماد کرتے ہیں اور جرح اور طرح کے مقام پر جرح وطرح کرتے ہیں اور جہاں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تاویل، اور ان کی ترجیح اور عمل کے وجوہ ایک راہ اور ایک سبب پر منحصر نہیں ہیں اور جو روایتیں مثل معائب ہشامین کے مخالف اجماع فرقہ اور معارض روایات متواترہ کے ہیں لامحالہ وہ محتمل الطرح یا ماؤل ہوں گی۔''

جو روایتیں قدح اور طعن میں ہشامین کے کافی میں مذکور ہیں باوجودیکہ اس کے راوی امامیہ ہیں اور کلینی نے ان سے روایتیں کی ہیں، مگر وہ روایتیں ان لوگوں کے معائب میں ہیں جن کو حضرات شیعہ بزرگانِ ملت اور امام کے خاص رفقاء میں سے سمجھتے ہیں، اس لیے ایسی روایتوں کو بغیر جرح وقدح کرنے، راویوں کے متروک بلکہ موضوع قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ جناب مجتہد صاحب نے عقیدہ سیزدہم کے جواب کے اخیر میں فرمایا ہے:

((هر گاه امامیه باوجود عدم احتیاج بطرف وثاقت هشام و مومن الطاق وباوجود ایں روایات مثالب مثل ابو الخطاب و مغیره و عثمان بن عیسیٰ و نظرائے ایناں ایشاں را انکاشتند دلیل قوی ست کہ ایں روایات یا موضوع اند کہ

حسادواعدائے هشام وغیره بنا بر قرب و منزلت که ایشان را پیش جناب ائمه بود بافته اندیا ایں که جناب ائمه بنا بر صیانت نفس خود و جانهائے ایشان مثل حضرت خضر نسبت بسفینه در نظر مخالفین ایشان معیوب ساخته اندو قرینه بریں هر دو محمل اینکه اجل امثال چنیں کسان که اسناد مذهب باطله بطرف آنها شده باوجود انکه غرض ایشان صحیح بودو لیکن عوام معنی و مرادایشان نفهمیده اند، انتهی کلامه .)) (ضربت حیدریه ۳۳۹)

''یہ قوی دلیل ہے اس بات کی کہ یہ روایتیں یا موضوع ہیں یا کہ ہشام وغیرہ کے حاسدوں اور دشمنوں نے بہ سبب اس قرب و منزلت کے جو کہ انہیں ائمہ کی جناب میں تھا، بنا لیا ہے یا یہ کہ جناب ائمہ نے اپنی حفاظت کے لیے ان پر یہ عیب لگا دیے ہیں جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو مخالفین کی نظر میں عیب دار کر دیا تھا۔ اور ان دونوں باتوں کا قرینہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی بہت سی مثالیں ہیں کہ باطل مذہب کی نسبت ان کی طرف ہوگئی ہے، حالانکہ ان کی غرض صحیح تھی، لیکن عوام ان کی مراد نہ سمجھ سکے۔''

اور شیخ ابوجعفر طوسی نے تہذیب میں باب الوصیت بالثلث میں فرمایا ہے:

((اذاوجدت عنهم بانهم فعلوا فعلا يخالف ما ستقر فى شريعة الاسلام فينبغى ان يحكم ببطلانها او حملها على وجه فى الجملة يطابق الصحيح من الاخبار وان لم نعلمه على التفسير .))

''ائمہ سے کوئی روایت ایسی بیان کی جائے کہ انہوں نے کوئی فعل کیا ہے جو مخالف ہواس چیز کے جو شریعت اسلام میں ثابت اور مقرر ہے، پس چاہیے کہ وہ

روایت باطل سمجھی جائے یا وہ اس وجہ پر فی الجملہ محمول کی جائے جو اخبار صحیحہ کے مطابق ہو اگر چہ اس کی تفسیر معلوم نہ ہو۔''

راویوں کے وہم اور غلطی کی نسبت باوجود ان کے ثقہ ہونے کی شیخ طوسی تہذیب میں جابجا تصریح فرماتے ہیں، جیسا کہ باب الرجوع فی الوصیت میں کہا ہے: ((قال محمد بن الحسن ما یتضمن هذا الخبر من قوله ان اوصى به كله فهو جائز و هم من الراوى.)) اور ''کتاب الوقف'' میں لکھتے ہیں کہ: ((قال محمد بن الحسن ماتضمن هذاالخبر من قوله يعنى صاحب الدار حين ذكر ان رجلا جعل لرجل سكنى دارله فانه غلط من الراوى.)) اوراسی طرح بہت سے مواقع پر لفظ ((يجوز ان يكون الراوى وهم اور لفظ انما اشتبه الامر على فلان)) کہتے ہیں۔

کسی عالم کا مجرد قول قابل سند نہ ہونا بھی علمائے شیعہ تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ بجواب اس امر کے کہ قاضی نور اللہ شوستری نے ہارون اور مامون کو زمرۂ شیعہ اثنا عشریہ میں قرار دیا ہے۔ جناب مولانا سید مجتہد صاحب ضربت حیدریہ میں فرماتے ہیں:

((اما آنچه از كلام سيد نور الله ، نور الله مرقده مستفادمى شود كه جناب ايشاں بتشيع آنها قائل بوده اند پس اولا آنكه تقليد شاں غير لازم و درباب امثال ايں گونه امور غير مطع فان الحق احق بالاتباع خصوصاً نظر بريں كه همت جناب سيد ممدوح بسوى توسيع دائره تشيع چناں مصروف بوده و تكثير سواد ايں فرقه آں چناں مطمح نظر داشته كه مثل سيد شريف جرجانى و علامه دوانى راهم محاط محيط آن دائره گردنيده مانند منصور دانقى شقى رانيز دريں شاں بتكلف گردانيده.))

''سید نور اللہ کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ہارون رشید اور مامون

رشید خلفاء وقت کو شیعہ کہا ہے۔اس میں پہلی بات یہ ہے کہ ان کی تقلید لازمی نہیں اور اس قسم کے مسائل میں ان کی اتباع ضروری نہیں ہے کیوں کہ صرف حق ہی کی اتباع اور پیروی کی جاتی ہے، اور سید نور اللہ کا شیعیت کے دائرہ میں توسیع کرنا مطمح نظر تھا، اور اسی نظریہ کے تحت انہوں نے سید شریف جرجانی اور علامہ دوانی کو بھی اسی دائرہ میں شمار کیا ہے، اور منصور دانقی شقی کو بھی کھینچ تان کر اسی دائرہ میں لے لیا ہے۔''

رسائل شیخ مرتضٰی مطبوعہ ایران میں اختلاف اور وضع احادیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ کہنا شیخ کا (1) کہ ائمہ کے اصحاب نے اصول وفروع بطریق یقین کے ان سے لیے ہیں، یہ ایک دعویٰ ہے کہ جس کا عدم ثبوت واضح ہے۔ کیوں کہ کم سے کم اس پر یہ امر شاہد ہے کہ ائمہ کے اصحاب اصول وفروع میں اختلاف رکھتے تھے، اور اسی لیے اکثر اصحاب ائمہ نے جب ان سے

---

(1) ثم ان ماذكر من تمكن اصحاب الائمة من اخذ الاصول والفروع بطريق اليقين دعوے ممنوعة واضحة المنع و اقل ما يشهد عليها ما علم بالعين والا ثر من اختلاف اصحابهم صلوٰت الله عليهم فى الاصول والفروع ولذاشكے غيره واحد من اصحاب الائمة اليهم اختلاف اصحابه فاجابو هم تارة بانهم قدر القوا الا اختلاف بينهم حقنالدمائهم كما فى رواية حريز وزاره و ابى ايوب الجزارواخرى اجابو هم بان ذلك من جهة الكذابين كمافى رواية الفيض بن المختار قال قلت لابى عبدالله جعلنى الله فداك ماهذا الاختلاف الذى بين شيعتكم قال واى الاختلاف يا فيض فقلت له انى اجلس فى حلقهم بالكوفة واكا داشك فى اختلافهم فى حديثهم حتى ارجع الى الفضل بن عمر فيوقضنى من ذلك على ماتستريح به نفسى فقال اجل كماذكرت يا فيض ان الناس قداولعوا با لكذب علينا كان الله افترض عليهم ولا يريد منهم غيرانى احدث احد هم بحديث فلا يخرج من عندى حتىٰ يتاوله عن غير تاويله و ذلك لانهم لايطلبون بحديثنا و بحسبنا ما عند الله تعالیٰ و كل يحب ان يدعى راسا و قريبا منها رواية داوو د بن سرحان واستثناء القميين كثير امن رجال نو ادرالحكمة معروف و قصة ابن ابى العوجاء انه قال عند قتله قدوست فى كتبكم اربعة آلاف حديث مذكورة فى الرجال و كذا ماذكره يونس بن عبدالرحمن من انه اخذ احاديث كثيرة من اصحاب الصادقين ثم عرضها على ابى الحسن الرضاء فانكر منها احاديث كثيرة الى غير ذلك مما يشهد بخلاف ما ذكره۔ ۱۲.

(فوائد الاصول المعروف بحجية الظن المشهور بالرسائل للشيخ المرتضیٰ الانصارى التسترى صفحه ٦٨ مطبوعه ايران۔)

ان کے اصحاب کے اختلاف کی شکایت کی تو ائمہ نے کبھی ان کو یہ جواب دیا کہ ہم نے خود یہ اختلاف ان میں ڈالا ہے تا کہ ہم اپنی جان بچائیں جیسا کہ حریز اور زرارہ اور ابوایوب جزار کی روایت میں آیا ہے اور کبھی یہ جواب دیا کہ یہ اختلاف دروغ گوؤں کی وجہ سے ہے جیسا کہ فیض بن مختار کی روایت میں ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے، اس اختلاف کا جو آپ کے شیعوں میں ہے کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کون سا اختلاف؟ فیض کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں کوفہ کے محدثین کے حلقے میں بیٹھتا ہوں تو مجھے ان کے اختلاف احادیث میں شک ہوتا ہے، پھر میں فضل بن عمر کے پاس آتا ہوں تو وہ مجھے اس امر سے آگاہ کرتے ہیں جس سے میرا نفس اطمینان پا جاتا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں جیسا تم کہتے ہو بات یوں ہی ہے، لوگوں نے ہم پر جھوٹ بولنے کی بہت زیادتی کر رکھی ہے، گویا خدا نے جھوٹ کو ان پر فرض کر دیا ہے اور ان سے سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں چاہتا۔ جس کسی سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے جدا بھی نہیں ہوتا کہ اس کی تاویل اصل تاویل کے علاوہ گڑھ لیتا ہے۔ اور یہ بات اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کو ہماری حدیث اور ہماری محبت سے اللہ مطلوب نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ وہی رئیس ہو کر پکارا جائے۔ اور اسی کے قریب داؤد بن سرحان کی روایت ہے۔ اور نوادر حکمت کے رجال میں سے بہت سے لوگوں کو قمین کا استثنا کرنا معروف ہے۔ اور ابن ابی العوجاء کا قصہ یہ ہے کہ اس نے اپنے قتل ہونے کے وقت کہا کہ میں نے تمہاری کتابوں میں چار ہزار حدیثیں ملا دی ہیں، جو رجال میں مذکور ہیں۔ اور ایسے ہی یہ ہے کہ یونس بن عبدالرحمٰن ذکر کرتے ہیں کہ میں نے اصحاب صادقین میں سے بہت سی حدیثیں لی ہیں اور پھر ان کو ابوالحسن امام رضا کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے بہت سی حدیثوں سے انکار کیا، اور سوا اس کے اور بہت سے شواہد ہیں جو شیخ کے اس ذکر کرنے کے خلاف ہیں۔

اس کتاب میں جہاں اثبات حجیت خبر واحد میں عقلی دلائل کا بیان ہے، کتابوں کے لکھے ہوئے پر بغیر سماعت کے بھروسا نہ کرنے اور نیز احادیث کے بنانے، وضع کرنے اور جھوٹی

حدیثوں کو کتابوں میں لکھ دینے کی نسبت لکھا ہے کہ اس ☜ میں شک نہیں کہ جو شخص احوال

❶ وهو ان لاشك للمتبع فى احوال الرواة المذكورة فى تراجمهم فى كون اكثر الاخبار بل جلها الاشذرونذرصادرة عن الائمة و هذا يظهر بعد التامل فى كيفية اهتمام ارباب امكتب من مشائخ الثلاثة و من تقدمهم فى تنقيح ما ادعوه فى كتبهم و عدم الاكتفاء با خذ الرواية من كتاب و ايد اعها فى تصانيفهم حذرا من كون ذلك الكتاب مدسوسافيه من بعض الكذابين فقد حكى عن احمد بن محمد بن عيسى انه جاء الى الحسن بن و شاد طلب منه ان يخرج اليه كتابا لعلاء بن ذرين و كتابا لابان عثمان الاحمر فلما اخرجهما قال احب ان سمعها قال ماعجبك اذهب فاكتبهما فقال له رحمك الله ما عليك اذهب فاكتبهما واسمع من بعد فقلت له لا امن امن الحدثان فقال لو علمت ان الحديث يكون له هذالطلب لاستكثرت منه فانى قد ادركت فى هذالمسجد مأة شيخ كل يقول حدثنى جعفر بن محمد و عن محمد و يه بن نوح ا نه وقع وعنده وفاتر فيه احاديث ابن سنان فقال ان تكتبوا ذلك فانى كتبت عن محمد بن سنان ولكن لاروى لكم عنه شيئا فانه قال قبل موته كلها حد ثتكم فليس بسماع ولا برواية و انما وجدته فانظر كيف احاطوافى الرواية عمن لم يسمع من الثقات و انما وجد فى الكتب و كفاك شاهد ان على بن الحسن بن فضال لم يرو كتب ابيه الحسن عنه مع مقابلتها عليه و انما يرو يها عن اخويه احمد و محمد عن ابيه واعتذر عن ذلك بانه يوم مقابلته الحديث مع ابيه كان صغير السن ليس له كثير معرفة بالروايات فقرأما على اخويه ثانيا والحاصل ان الظاهر الحصار مدار هم على ايداع ماسمعوه من صاحب الكتاب اوممن سمعه منه فلم يكونوايودعون الاماسمعوا ولوبو سائط من صاحب الكتاب ولوكان معلوم الانتساب مع اطمينانهم بالوسائط و شدة و ثوقهم بهم حتى انهم ربما كانو ايتبعونهم فى تصحيح الحديث ورده كما اتفق للصدوق بالنسبة الى شيخه ابن الوليدؒ و ر بما كانوا لايثقون بمن يوجد فيه قدح بعيد المدخليه فى الصدق ولذاحكى عن جماعة منهم التحرز عن الرواية عمن يروى من الضعفاء و يعتمد المراسيل وان كان ثقته فى نفسه كما اتفق بالنسبة الى البرقى هل يتحرزون عن الرواية عمن يعمل بالقياس مع ان عمله لادخل له بروايته كما اتفق بالنسية الى الاسكافى حيث ذكر فى ترجمته انه كان يرى القياس فترك رواياته لا جل ذلك و كانوا يتوقفون فى روايات من كان على الحق فعدل عنده وان كانت كتبه و رواياته حال الاستقامة حتى اذن لهم الامام اوتائبه كماسئلوا العسكرى عن كتب فضال وقالوا ان بيوتنا منها ملاء فاذن لهم وسئلوا الشيخ ابالقاسم بن روح عن كتب ابن غدا فرالتى صنفها قبل الارتداد عن مذهب الشيعة حتى اذن بهم الشيخ فى العمل بها والحاصل ان الامارات الكاشفة عن اهتمام اصحابنا فى تنقيح الاخبار فى از منة المتاخرة عن زمان الرضا اكثر من ان يحصى و يظهر للمتتبع والداعى الى شدة الاهتمام مضافا الى كون تلك الروايات اساس الدين و بها قوام شريعة سيد المرسلين ﷺ ولهذا قال الامام فى شان جماعة من الرواة لولاهولاء لاندرست آثار النبوة وان الناس لايرضون بنقل مايوثق به فى كتبهم المؤلفة لرجوع من ياتى اليهافى امور الدين على ما اخبر هم الامام بانه ياتى على الناس زمان هرج لايا نسون الابكتبهم ⇦⇦⇦

روایت مذکورہ کا تتبع کرے تو وہ اکثر اخبار بلکہ کل کو سوائے شاذ و نادر کے ائمہ سے صادر ہونا نہ پائے گا، اور یہ بات اس وقت معلوم ہوگی جب کہ اخبار کے ہم تک پہنچنے اور ارباب کتب، یعنی مشائخ ثلاثہ اور جوان سے پہلے ہیں ان کے اہتمام کی کیفیت میں تامل کرے کہ جو کچھ انہوں نے اپنی کتب میں لکھا ہے اس کی کیا کچھ تنقیح کی ہے اور صرف کتاب سے دیکھ کر روایت کے لینے پر اکتفا نہیں کیا اور نہ اسے اپنی تصانیف میں داخل کیا اس خوف سے کہ اس کتاب میں بعض کذاب لوگوں نے کچھ ملا دیا ہو۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ کی یہ حکایت ہے کہ وہ حسن بن شاد کے پاس آئے اور ان سے علاء بن ذرین اور ابان بن عثمان بن احمر کی کتابیں طلب کیں، جب حسن نکال کر لائے تو احمد نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان کا سماع کروں تو حسن نے جواب دیا کہ تمہیں ایسی جلدی کیا ہے ان کو لے جاؤ اور لکھ لو۔ اور پھر یہ کہا کہ خدا تم پر رحم کرے تم ان کو لے جاؤ اور لکھو اور جو شخص میرے بعد ہو اس سے پڑھ لینا۔ احمد نے کہا: میں نے ان سے کہا یہ جھوٹ سے مامون نہیں ہیں، حسن نے کہا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حدیث کی ایسی طلب ہوگی تو میں بہت سی حاصل کر لیتا۔ میں نے اسی مسجد میں سو شخصوں کو دیکھا ہے کہ وہ سب یہ کہتے تھے کہ مجھ سے جعفر بن محمد نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ اور حمدو یہ ایوب بن نوح سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس کئی دفتر آئے جن میں ابن سنان کی حدیثیں تھیں۔ ایوب نے کہا کہ اگر تم لوگ جو چاہو لکھ لو میں نے خود محمد بن سنان سے لکھی ہیں لیکن میں ان کی روایت تم سے نہ کروں گا، اس لیے کہ اس نے اپنے مرنے سے پہلے کہا تھا کہ جس قدر حدیثیں میں نے تم سے بیان کی ہیں ان میں نہ سماع ہے اور نہ روایت، بلکہ میں نے ان کو لکھا ہوا پایا تھا۔ دیکھو روایت کرنے میں اس شخص سے جس نے ثقات سے نہیں سنا بلکہ کتابوں میں لکھا پایا

⇦⇦⇦ و علی ما ذکرہ الکلینیؒ فی دیباجۃ الکافی عن کون کتابہ مرجعا لجمیع من یاتی بعد ذلک ماتنبھوا لہ ونبھھم علیہ الائمۃ عن ان الکذابۃ کا نوایدسون الاخبار الکذوبۃ فی کتب اصحاب الائمۃ کما یظھر من الروایات الکثیرۃ منھا نہ عرض یونس بن عبدالرحمن علی سیدنا ابی الحسن الرضا کتب جماعۃ من اصحاب الباقر و الصادق فانکر منھا احادیث کثیرۃ ان یکون من احادیث ابی عبداللہ وقال ان ابا الخطاب کذب علی ابی عبداللہ کذلک اصحاب ابی الخطاب یدسون الاحادیث الی یومنا ھذا فی کتب اصحاب ابی عبداللہ۔ ۱۲

کیسی احتیاط کرتے تھے۔اور ایک شاہد تم کو یہ کافی ہے کہ علی بن حسن بن فضال اپنے باپ کی کتابوں کو اپنے باپ سے نہیں روایت کرتے باوجودیکہ انہوں نے باپ کے ساتھ مقابلہ کیا تھا، بلکہ اپنے بھائیوں احمد اور محمد سے اور وہ باپ سے روایت کرتے ہیں۔اور علی نے اس کا یہ عذر بیان کیا کہ جس روز انہوں نے حدیث کا مقابلہ اپنے باپ کے ساتھ کیا تو وہ صغیر سن تھے، اور ان کو روایت کی معرفت اچھی طرح سے نہ تھی، اس لیے انہوں نے دوبارہ اپنے بھائیوں سے پڑھا۔غرض کہ یہ ظاہر ہے کہ محدثین کا دار و مدار حدیث کا خود صاحب کتاب سے سننے پر ہے یا اس پر جس نے صاحب کتاب سے سنا ہو۔پس وہ حدیث کو نہ بیان کرتے تھے مگر جب تک کہ خود نہ سنا ہوتا اگرچہ سننا صاحب کتاب سے کئی واسطوں سے ہو۔اور نیز یہ کہ جس شخص کی نسبت سننے کی صاحب کتاب سے معلوم ہوتی تھی اس پر ان کو اطمینان اور نہایت وثوق ہوتا تھا، یہاں تک کہ ان واسطوں کا اتباع تصحیح حدیث اور تردید میں کرتے تھے جیسا کہ صدوق کو اپنے شیخ ابن ولید کے ساتھ اتفاق ہوا اور کبھی وہ ان واسطوں پر وثوق نہ کرتے تھے۔اگر کچھ بھی قدح ان میں معلوم ہوتا اور ان کے صدق میں کچھ بھی مدخلیت قدح کو ہوتی، اسی لیے ایک جماعت محدثین سے منقول ہے کہ وہ روایت نہ کرتے تھے ایسے شخص سے جو ضعفاء سے روایت اور مرسل پر اعتماد کرتا ہو، اگرچہ وہ فی نفسہ ثقہ ہو۔جیسے کہ برقی کی نسبت اتفاق ہوا، بلکہ ایسے شخص سے بھی روایت کرنے میں احتراز کرتے تھے جو قیاس پر عمل کرتا ہو، باوجودیکہ یہ معلوم ہے کہ عمل کو روایت میں کچھ دخل نہیں، جیسے اسکافی نسبت اتفاق ہوا جہاں کہ اس کے ترجمے میں ذکر کیا ہے کہ وہ قیاس کو جائز سمجھتے تھے تو اس سبب سے ان کی روایات چھوڑ دی گئیں۔اور ایسے شخصوں کی روایات میں توقف کرتے تھے جو پہلے مذہب حق پر تھے اور پھر اس سے عدول کر گئے اگرچہ ان کی روایات و کتب حالت استقامت کی ہوتیں، یہاں تک کہ ان کی اجازت امام یا نائب امام دین جیسے امام عسکری سے لوگوں نے کتب بنی فضال کا حال پوچھا اور یہ کہا کہ ہمارے گھر اس کی کتابوں سے بھرے پڑے ہیں تو انہوں نے ان کو اجازت دی، اور شیخ ابو القاسم بن روح سے کتب ابن غدافر کا حال دریافت کیا جن کو اس نے مذہب شیعہ

سے مرتد ہونے سے قبل تصنیف کیا تھا، شیخ نے ان کو اس پر عمل کرنے کی اجازت دی۔غرض یہ ہے کہ اخیر زمانہ میں، یعنی زمانہ امام رضا علیہ السلام سے جو کچھ اہتمام ہمارے علماء نے تنقیح اخبار میں کیا ہے اس کی امارات بے تعداد ہیں اور تتبع کرنے والے کو ظاہر ہوسکتی ہیں۔اور اس شدت کا اہتمام کا باعث یہ تھا کہ یہ روایت اساس دین اور قوام شریعت سید المرسلین ﷺ ہیں، اسی لیے امام نے ایک جماعت روایت کی شان میں کہا ہے کہ ''اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو آثار نبوت مٹ جاتے۔'' اور لوگ نہیں پسند کرتے ہیں غیر معتبر روایتوں کا لکھنا اپنی مؤلفہ کتب تواریخ میں جن میں جھوٹ واقع ہونے سے نہ دینی ضرر ہے نہ دنیوی۔ پس وہ لوگ کیسے پسند کریں گے ایسے امر کو اپنی ان کتب میں جو مؤلف ہیں امور دین میں رجوع خلائق کے واسطے۔ باوجودیکہ امام نے خبر دی ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ حرج کا آئے گا کہ وہ سوائے کتابوں کے اور چیز سے مانوس نہ ہوں گے۔اور کلینی نے اپنی کتاب کافی کے دیباچہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ میری کتاب بعد کو سب لوگوں کو مرجع ہوگی۔ محدثین نے ان کو متنبہ کیا اور محدثین کو ائمہ نے کہ کذاب لوگ اصحاب ائمہ کی کتب میں جھوٹی احادیث ملا دیں گے جیسے کہ اکثر روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے، جس میں سے ایک یہ ہے کہ یونس بن عبدالرحمٰن نے سیدنا ابوالحسن رضا کے سامنے اصحاب باقر و امام صادقؒ کی کتابوں کو پیش کیا تو آپ نے ان میں سے بہت سی احادیث کا انکار کیا اور کہا کہ یہ احادیث ابوعبداللہ کی نہیں ہیں اور فرمایا کہ ابوالخطاب نے ابوعبداللہ پر جھوٹ لگایا، اور اسی طرح پر آج تک اصحاب ابوالخطاب ابوعبداللہ کی کتابوں میں حدیثیں ملا دیتے ہیں۔

اور ان روایات میں سے ایک یہ ہے کہ[1] ہشام بن حکم سے مروی ہے کہ اس نے سنا کہ ابوعبداللہ کہتے تھے کہ مغیرہ بن سعد لعنہ اللہ جان بوجھ کر میرے باپ پر جھوٹ لگاتا ہے اور

---

[1] ومنهاما عن هشام بن حكم انه سمع ابا عبدالله يقول كان المغيرة بن سعدلعنه الله ويتعمد الكذب على ابى و يا خذكتب اصحابه و كان اصحابه المستترون با صحاب ابى يا خذون الكتب من اصحاب ابى فيد فعونها الى المغيرة لعنه الله فكان يدس فيها الكفر والزندقة و يسندها الى ابى عبدالله الحديث ورواية الفيض بن مختار المتقدمة فى ذيل كلام الشيخ الى غير ذلك من الروايات فظهر مماذ كرنا ان ما علـم اجـما لا من الاخبار الكثيرة من وجود الكذابين و وضع الاحاديث فيها فهوانما كان قبل ⇦⇦⇦

ان کے اصحاب کی کتابیں لیتا ہے اوراس کے اصحاب میرے باپ کے اصحاب کے ساتھ لگے رہتے تھے کہ میرے باپ کے اصحاب سے کتابیں لیتے اور مغیرہ لعنہ اللہ کو دے دیتے اور وہ ان میں کفر وزندقہ ملا دیتا اوراس کو ابوعبداللہ کی طرف منسوب کر دیتا۔اورایک روایت فیضان بن مختار کی ہے جو پہلے شیخ کے کلام کے ذیل میں گزر چکی ہے سوا اس کے اور بہت سی روایتیں ہیں۔ ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس سے ظاہر ہوگیا کہ اخبار کثیرہ کا حال جو مجملاً معلوم ہوا تو کذابین اور وضع احادیث سے خالی نہ تھا۔اور یہ امر قبل زمانہ اصحاب ائمہ کے تدوین حدیث اور رجال کے تھا اور جھوٹے اخبار کا ہونا معلوم ہونے سے کل احادیث کا قطعی الصدور یا ظنی الصدور ہونے کا جو دعویٰ ہے وہ باطل ہوتا ہے اور ہم جس کے درپے ہیں وہ نہیں باطل ہوتا، یعنی اکثر یا کثیر احادیث کے صادر ہونے کا دعویٰ علم اجمالی ہے بلکہ یہ دعویٰ بدیہی ہے۔

اختلاف اور جھوٹ اور وضع احادیث کے علاوہ تقیے کے عقدے نے حضرات امامیہ کے یہاں کی حدیثوں کو ایسی مشتبہ حالت میں کر دیا ہے کہ بجز اعتقاد محض کے عقل کو اس میں دخل نہیں ہے نہ کوئی عقلی اصول اس قسم کی حدیثوں کی تکذیب اور تصدیق کے لیے قرار دیا جا سکتا ہے، چنانچہ شیخ مرتضٰی موصوف اپنے رسائل میں جس کا عنوان ہے: خاتمة فی التعادل والترجیح. لکھتے ہیں کہ ابن جمہور نے [1] غوالی اللاٰلی میں علامہ سے روایت کی ہے کہ

⇦⇦⇦زمان مقابلة الحدیث و تدوین علی الحدیث و الرجال بین اصحاب الائمة مع ان العلم لوجود الاخبار المکذوبة انماینافی دعوی القطع بصدور الکل التی ینسب الی بعض الاخبار یین او دعوی الظن بصدور جمیعها ولا ینافی ذلک مانحن بصدده من دعوی العلم الاجمالی بصدور اکثر ها او کثیر منها بل هذه دعوی بدیهیه۔ ۱۲ (فرائد الاصول صفحه ۹۵)

[1] الثانی ماروا ه ابن ابی الجمهور الاحسانی فی غوالی اللآلی عن العلامة مرفوعا الی زرارة قال سئلت ابا جعفر فقلت جعلت فداک یاتی عنکم الجزان والحدیثان المتعارضان فبا یهما آخذ فقال یازرارة خذ بما یقول اعدلهما عندک واوثقهمافی نفسک فقلت انهما معاعد لان مرضیان موثقان فقال انظر ما وافق منهما العامة فاترکه و خذ بما خالفهم فان الحق فیما خالفهم قلت ربما کا ناموافقین لهم او مخالفین فکیف اصنع قال اذن فخذ بمافیه الحائطة واترک الآخر قلت فانهما معاموافقان للا احتیاط اور مخالفان له فیکف اصنع فقال اذن فتخیر احد یهما و تاخذبه ودع الاخر ۱۲۔ (رسائل شیخ صفحه ۴۲۹۔ ۴۳۰)

زرارہ کہتے ہیں: میں نے امام باقر سے پوچھا کہ میں آپ کے اوپر فدا ہوں آپ کی طرف سے دو خبریں اور حدیثیں متعارض اور مختلف بیان کی جاتی ہیں ہم کس کو صحیح سمجھیں اور کس پر عمل کریں؟ امام نے فرمایا کہ اے زرارہ! اس پر عمل کرو جو تمہارے اصحاب میں مشہور ہو اور شاذ و نادر کو چھوڑ دو۔ پھر میں نے پوچھا کہ یا سیدی! اگر دونوں مشہور اور ماثور ہوں تو؟ آپ نے فرمایا کہ اس حدیث کو مانو جو تمہارے نزدیک ان دونوں حدیثوں کے راویوں میں سے عادل اور ثقہ تر نے بیان کی ہو۔ تب میں نے کہا کہ اگر دونوں راوی عدل و ثقاہت میں برابر ہوں تو ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ دیکھو کہ ان میں سے کون سی حدیث سنیوں کے موافق ہے۔ جو موافق ہے اسے چھوڑ دو اور جو ان کے مخالف ہو اسے صحیح سمجھو۔ کیونکہ حق ان کی مخالفت میں ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اگر دونوں حدیثیں سنیوں کے موافق یا دونوں ان کے مخالف ہوں تو کیا کروں؟ فرمایا کہ جس میں احتیاط ہو اس پر عمل کرو۔ پھر میں نے پوچھا کہ اگر احتیاط میں دونوں برابر ہوں تو کیا کروں؟ فرمایا کہ اس میں تجھ کو اختیار ہے جسے چاہے لے جسے چاہے چھوڑ دے۔

اور صدوق نے امام ابوالحسن رضا سے ایک لمبی حدیث میں روایت کیا ہے کہ مختلف

---

(1) الثالث ماروا ه الصدوق باسناده عن ابی الحسن الرضا فی حدیث طویل قال فیه مما ورد علیکم من حدیثین مختلفین فاعرضو هما علی کتاب الله فما کان فی کتاب الله موجود احالا او حراما فاتبعوا ماوافق الکتاب و مالم یکن فی الکتاب فاعر ضو هما علی سنن رسول الله ﷺ فما کان فی السنة موجودا منهیا عنه نهی حرام او مامورا به عن رسول الله ﷺ امر الزام فاتبعوا ماوافق نهی النبی ﷺ وامره وما کان فی السنة اعافة او کراهة ثم کان الخبر خلافه فذلك رخصة فی ما عافه رسول الله ﷺ او کرهه و لم یحرمه و ذلك الذی یسع الاخذ بهما جمعا اوبایهما شئت وسعك الاختیار من باب التسلیم والاتباع والردالی رسول الله ﷺ و مالم تجد وه فی شئی من هذه الوجوه فردوا الینا علمه فخن اول بذلك ولا تقولوا فیها بآرائکم و علیکم بالکف و التثبت والواقوف وانتم طالبون باحثون حتی یا تیکم البیان من عندنا۔ والرابع ما ان رسالة القطب الراوندی بسنده الصحیح عن الصادق اذ اورد علیکم حدیثان مختلفان فاعر ضو هما علی کتاب الله فما وافق کتاب الله فخذوه وما خالف کتاب الله فذروه وان لم تجدو همافی کتاب الله فاعر ضوا علی اخبار العامة فماوافق اخبار هم فذروه وما خالف اخبار هم فخذوه۔ الخامس بسنده ایضا عن الحسین السیرے قال قال ابو عبدالله ان ⇦⇦⇦

حدیثوں کی نسبت امام نے فرمایا کہ ان کو خدا کی کتاب سے ملاؤ جو اس کے موافق ہو اس پر عمل کرو اور اگر خدا کی کتاب میں نہ پاؤ تو سنن رسول ﷺ پر رجوع کرو۔ پس جو کچھ اس میں ممنوع ہو اسے حرام سمجھو اور جو اس کے موافق ہو اس پر عمل کرو۔

اور اسی کتاب میں ابی عمر کنانی سے ایک روایت لکھی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا: اے ابوعمر! اگر میں تجھ سے کوئی بات کہوں یا کوئی فتویٰ دوں اور پھر اس کے بعد تو میرے پاس آئے اور اسی بات کو پوچھے اور میں برخلاف اس کے جو پہلے بیان کیا تھا اور مخالف اس کے جس کا فتویٰ پہلے دیا تھا تجھ سے کہوں تو تو کس پر عمل کرے گا اور کسے صحیح سمجھے گا؟ تو ابوعمر نے کہا کہ آپ کی آخر بات کو اور اخیر فتویٰ کو صحیح سمجھوں گا۔ امام نے فرمایا: ہاں یہی ٹھیک ہے اے ابوعمر! اللہ انکار کرتا ہے سوائے اس کے کہ وہ چھپ کر عبادت کیا جائے قسم ہے خدا کی!

⇦⇦⇦ اوردعليكم حديثان مختلفان فخذو ابما خالف القوم۔ السادس بالسند عن الحسن بن بالجهم فى حديث قلت له يعنى العبد الصالح يروى عن ابى عبدالله شئى ويروى عنه الرضا خلاف ذلك قبا يهما نا خذ قال خذبما خالف القوم و ما وافق القوم فاجنبه۔ السابع بسند ه ايضا عن محمد بن عبدالله قال قلت الرضا كيف نصنع بالخبرين المختلفين قال اذ اورد عليكم خبران مختلفان فانظروا ما خالف منهما العامة فخذوه و انظر وا مايوافق اخبار هم فذروه۔ ١٢۔

(رسائل شيخ مرتضىٰ صفحه ٤٣٠)

❶ الثامن ماعن الاحتجاج بسنده عن سماعة بن مهران قال قلت لابى عبدالله يرد علينا حديثان واحد يا مرنا بالا خذبه والآخر ينها نا قال لا تعمل بواحد منهما حتى تلقى صاحبك فتسئل قلت لا بدان نعمل بواحد منهما قال خذ بما خالف العامة۔ التاسع ما عن الكافى بسنده عن المعلى بن جنس قال قلت لابى عبدالله اذا اجاء حديث عن اولكم و حديث عن آخر كم بايهما ناخذ قال خذوابه حتى يبلغكم عن الحى فان بلغكم عن الحى فخذوا بقوله قال ثم قال ابو عبدالله انا والله لاندخلكم الافيما يسعكم۔ العاشر عنه بسنده والى الحسين بن المختار و عن بعض اصحابنا عن ابى عبدالله قال ارأيتك لوحدثتك بحديث العام ثم جئتنى من قابل فحد ثتك بخلافه بايهما كنت تاخذ قال كنت آخذ بالا خير فقال لى رحمك الله تعالىٰ۔ الحادى عشر مابسنده الصحيح ظاهرا عن ابى عمر والكنانى عن ابى عبدالله قال يا ابا عمرو ارأيت لوحد ثتك بحديث اوافتيك بفتيا ثم جئت بعد ذلك تسئلنى عنه فاخبرتك بخلاف ما كنت اخبر تك اور افتيك بخلاف ذلك باهيما كنت تاخذ قلت باحد ثهما وادع الآخر قال قداصبت يا ابا عمر و ابى الله الا ان يعبد سرا امام والله لئن فعلتم ذلك انه لخير لى ولكم ابى الله لنافى دينه الا التقية۔ ١٢ (رسائل شيخ مرتضىٰ انصارى مطبوعه ايران صفحه ٤٣٠)

اگر تم ایسا کرو تو یہی تمہارے اور میرے حق میں بہتر ہے۔ خدا انکار کرتا ہے ہمارے لیے اپنے دین میں مگر تقیے کو...... انتہٰی[1]۔

ان اقوال سے جو ہم نے حضرات امامیہ کی معتبر کتابوں اور مستند عالموں کے نقل کیے یہ بات بخوبی ثابت ہوئی ہے کہ ان کی حدیثیں مختلف اور متعارض ہیں اور لوگوں نے اماموں پر بہت تہمت کی ہے اور ان کے نام سے ہزاروں جھوٹی حدیثیں بیان کی ہیں اور ہزار ہا غلط روایتیں کتابوں میں فریب سے لکھ دی ہیں اور ان کے محقق عالموں اور مشہور محدثین نے صرف کتابوں میں لکھے ہوئے پر اعتبار نہیں کیا جب تک کہ اس کو صاف کتاب سے بواسطہ یا بالواسطہ نہیں سنا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ باوجود اس قسم کے اختلاف اور تعارض کے اور باوجود موجود ہونے ہزار ہا وضعی حدیثوں کے اور باوجود باقی ہونے احتمال غلطی اور وضع کے موجودہ حدیثوں میں حضرات امامیہ نے اپنے یہاں کی حدیث کی مستند اور معتبر کتابوں کو شریعت اور مذہب کی بنیاد قرار دیا ہے، اور اصول و فروع میں ان سے استناد کیا ہے اور اختلاف اور تعارض رفع کرنے کے لیے درایت کے اصول قرار دیے ہیں اور ان اصول میں سب سے عمدہ سنیوں کی مخالفت اور تقیہ ہے۔ ایسی حالت میں میں نہیں سمجھتا کہ حضرات امامیہ کو کس طرح زیبا ہوگا کہ وہ سنیوں کی کتابوں پر اعتراض کریں اور ان کو صرف اس خیال سے کہ جھوٹی حدیثیں لوگوں نے بنا لی تھیں تمام حدیثوں کو غیر قابل اعتبار قرار دیں اور باوجود اس تحقیق و تنقیح کے جو راویوں کے حالات کے متعلق ہمارے محدثین نے کی ان کی مساعی جمیلہ سے قطع نظر کر کے ان کی کتابوں کو عموماً مشتبہ اور غلط قرار دیں اور صرف اس خیال سے کہ انہوں نے اپنے یہاں وضع احادیث کو تسلیم کیا ہے اور ایسی حدیثوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور اسی کی غلطی اور وضع کو ظاہر کر دیا سنیوں پر یہ اعتراض کریں کہ وہ اپنی کتابوں کو خود غیر قابل اعتبار بتاتے ہیں اور اپنے مذہب کی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کرتے ہیں ایسی حالت میں اور ایسے اعتراض پر بجز اس کے اور کچھ مجھ سے کہا نہیں جاتا کہ جو شخص شیش محل میں رہتا ہوا سے چاہیے کہ سنگین عمارت میں رہنے والے پتھر نہ پھینکے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دونوں فریق کی روایتوں کا حال قریب قریب برابر ہے اور دونوں کے یہاں صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف حدیثیں موجود ہیں اور دونوں کے یہاں تنقیح روایت اور تصحیح حدیث کے لیے درایت کے قواعد مقرر ہیں تو کوئی فریق ایک دوسرے ان حدیثوں اور روایتوں کو اپنے دعوے کے ثابت کرنے میں پیش نہیں کرسکتا، جس سے فریق مخالف کے اصول وعقائد اور مسائل اجماعی میں خلل پیدا ہو، اور اس طرح پر عمل کرنے سے گویا الزامی دلائل کے پیش کرنے کا باب بند ہو جاتا ہے۔سنی جو حدیثیں صحابہ کے فضائل میں شیعوں کی کتابوں سے پیش کرتے ہیں ان کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہیں یا خلاف اجماع اور خلاف اصول مسلمہ کے ہیں، اس لیے وہ ہم پر حجت نہیں ہوسکتیں۔اسی طرح شیعہ مطاعن صحابہ میں جو روایتیں اور حدیثیں سنیوں کی پیش کرتے ہیں وہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں یا غلط ہیں یا ضعیف یا مخالف اجماع امت اور اصول مسلمہ کے ہیں، اس اعتراض کو ہم تسلیم کرتے اور کہتے ہیں کہ بلاشبہ اس قسم کی الزامی دلیلیں کافی نہیں ہیں اور اس سے کسی فریق کا دعویٰ بمقابل دوسرے فریق کے بلحاظ اس کے اصول کے ثابت نہیں ہوتا۔مگر ہمارا استدلال شیعوں کی روایتوں سے نہ اس لیے ہے کہ ہم اس کو حقیقتاً اپنے دعوے کے اثبات کے لیے ضروری سمجھتے ہیں بلکہ اس قسم کا استدلال الزامی ہے کہ جس طرح وہ ہماری بعض ضعیف روایتوں سے استدلال کرتے ہیں، ہم ان کی صحیح اور قوی حدیثوں سے اسی کو باطل کرنا چاہتے ہیں اور یہ طریقہ بھی متاخرین کا ہے۔اور انہوں نے شیعوں کے طرز پر اختیار کیا ہے۔ورنہ ہمارے متقدمین صرف قرآن مجید اور عقل سلیم سے اپنے عقائد اور دعاوی کو ثابت کرتے آئے ہیں اور الزامی جواب سے احتراز کرتے رہے ہیں اور ہم نے اپنی اس کتاب میں گو الزامی جواب دینے کا طریقہ اختیار کیا ہے، مگر صرف اس لیے کہ حضرات امامیہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے اعتراض خود ان کی روایتوں سے باطل نہیں ہوتے، ورنہ ہم نے قرآن مجید اور عقلی دلائل کو صحابہ کے فضائل ثابت کرنے اور ان پر جو الزام شیعوں نے لگائے ہیں ان کے دور کرنے میں مقدم سمجھا ہے اور انہیں کو جابجا بیان کیا ہے اور ہم نہایت دعوے سے کہہ

سکتے ہیں کہ اگر الزامی جوابات کا طریق بند کر دیا جائے تو ایک لحظہ کے لیے حضرات امامیہ سنیوں کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے اور قرآن مجید اور عقل سلیم سے وہ اپنے دعوے کو صحابہ کے مطاعن کے متعلق ثابت نہیں کر سکتے۔

آشانے کو شانے سے ملا دیکھ
قد میں ہمیں کچھ بلند ہوں گے
خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں
تاسیہ روشود ہر کہ درد غش باشد

❀❀❀❀

پانچواں مقدمہ

اگرچہ اسلام میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے اور اصول فروغ میں باہم ان کے اختلاف ہے۔مگر عموماً یہ اختلاف رائے اور سمجھ کی غلطی اور فلسفہ کے اسلام میں داخل ہونے اور آیات قرآنی میں تاویل کرنے پر مبنی ہے۔کسی نے ان مختلف فرقوں میں سے صحابہ کرامؓ یا اہل بیت علیہم السلام سے مخالفت نہیں کی اور نہ ان کو مورد لعن وطن بنایا، مگر دو فرقوں کے ایک امامیہ دوسرے خوراج۔ ان کا اختلاف صحابہ یا اہل بیت کی عداوت پر ختم ہوتا ہے اور اس کا اصلی سبب خلافت کا مسئلہ ہے۔اس مسئلہ کو اصول دین میں داخل کرنے سے یہ دونوں فرقے جادۂ اعتدال سے متجاوز ہو گئے۔ایک نے اہل بیت کا دامن پکڑ کر صحابہ کرامؓ کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا۔اور دوسرا فرقہ خوارج کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اتنا جھکا کہ اہل بیت کو ملامت کا نشانہ بنایا۔اوران پر لعن طعن کرنے کو عین اسلام قرار دیا۔اسی مسئلہ خلافت کی بنیاد پر حضرات امامیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہاں تک عداوت پیدا کی کہ ان کو اسلام اور ایمان سے بھی بے بہرہ قرار دیا، اور آپ قرآنی اوران کے مساعی جمیلہ سے جو اسلام کے لیے کیں، چشم پوشی کی۔اوراسی عقیدے نے ان کو ان روایتوں کے بنانے اور ماننے پر مجبور کیا جو صحابہ کے معائب اور مطاعن کے متعلق ہیں مگر ہم کو اسی کا افسوس نہیں ہے کہ اس عقیدۂ امامت نے ایک فرقے کو صحابہ کا مخالف بنا دیا بلکہ حیرت اور افسوس اس پر ہے کہ اس عقیدے نے انبیاء اور ائمہ کرام کی اولاد کو بھی طعن و ملامت سے محفوظ نہ رکھا اور حسد، بغض اور انکار امامت نے انبیاء اور اکثر خاندان اہل بیت کو اسی طرح پر قابل الزام اور مورد طعن بنا دیا، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنایا تھا، فرق اتنا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عداوت کا اظہار اوران کی برائیوں کا اعلان صاف طور پر کیا جاتا ہے اور انبیاء اور خاندان اہل بیت کی نسبت ضعیف تاویلیں کی جاتی

ہیں اوران کی عصمت اور بزرگی کا زبانی اقرار باقی ہے، ورنہ اگرغور سے دیکھا جائے تو اس مسئلۂ امامت نے نہ انبیاء کو چھوڑا اور نہ سوائے معدودے چند ائمہ کے باقی خاندان نبوت کو طعن و ملامت سے محفوظ رکھا۔کوئی ائمہ پر حسد کرنے کی وجہ سے مطعون بنایا گیا،کوئی انکار امامت کے سبب سے کافر ٹھہرا،کوئی دعویٰ امامت کی وجہ سے کفر وفسق کے درجے پر پہنچا غرض کہ ایک صحابی کی مخالفت کا ہم کیا افسوس کریں۔جس طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں مسئلہ امامت کے تیروں کا سبب کونشانہ پاتے ہیں۔

گھائل تری نظر کا بنوع دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندہ در گاہ ہی نہیں

اول انبیاء کا حال سنیے کہ حضرات امامیہ کمال فخر سے کہا کرتے ہیں کہ جوعقیدہ انبیاء کی بزرگی اورفضیلت اوران کی پاکی اورعصمت کا ہم رکھتے ہیں کوئی دوسرا فرقہ اہل اسلام کا اس میں ہمارا شریک نہیں ہے۔اور یہ عزت خاص شیعان پاک کو نصیب ہے کہ حضرات انبیاء کے دامن عصمت کو ہرطرح کے گناہ صغیرہ وکبیرہ اور ہرقسم کے عیب و برائی سے پاک سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ فاضل محقق نے حسام میں کہا ہے:

((تمام اهل اسلام اتفاق دارند بریں که درباب عصمت انبیاء آنچه امامه مبالغه می دارند هیچ یك از فرق اهل اسلام آن قدر ندارد وزیرا که امامیه منفر داند باینکه می گویند انبیاء ازاول عمر تا آخر از گناه صغیر و کبیره عمداً و سهواً منزه می باشند بخلاف دیگران وقال بعض افاضلهم که اهتمام شیعیان آل عبادرباب تنزیه انبیاء واوصیا از اول عمر تا آخر عمر از جمیع گناهان صغیره و کبیره بحدی است که هیچ فرقه راغیر ایشان حاصل نیست حتیٰ اینکه اجتهادر اهم برزمره انبیاء واوصیا جائز نمی دارند فضلاً عن وقوع

الخطافی الاجتهاد .))

''تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ عصمت انبیاء کے بارے میں شیعہ جس قدر مبالغہ سے کام لیتے ہیں اتنا مبالغہ اسلام کا کوئی دوسرا فرقہ نہیں کرتا اور صرف شیعوں کا مسلک یہ ہے کہ تمام انبیاء اول سے آخر تک ہر قسم کے گناہ صغیرہ وکبیرہ سے قصداً وسہواً ہر طرح پاک وصاف تھے اور دوسرے فرقے اس امر کے خلاف ہیں اور ان کے بعض فاضل حضرات کا بیان ہے کہ شیعان آل عبا نے انبیاء اور اوصیا کو ابتدائی عمر سے انتہائی عمر تک ہر قسم کے گناہ صغیرہ وکبیرہ سے اس حد تک منزہ ومعصوم ثابت کرنے کا اہتمام کیا ہے کہ اتنا اہتمام کسی دوسرے فرقے نے نہیں کیا، یہاں تک کہ انبیاء واوصیا کے لیے اجتہاد کو بھی جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اجتہاد میں غلطی ہونے کا امکان پایا جاتا ہے۔''

مگر جب ان کے مذہب کی کتابوں کو دیکھتے اور ان کے ائمہ کی احادیث سنتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیب جس کو مشرک اور کافر بھی بدترین عیبوں میں سے جانتے ہیں بلکہ جس کو ملحد اور لامذہب بھی اخلاقی برائیوں بلکہ ذلیل ترین خصائل میں شمار کرتے ہیں، اسے وہ انبیاء کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بایں دعویٰ عصمت وطہارت ان کو مرتکب کبائر سمجھتے ہیں، و نعوذ بالله من ذالك۔ چنانچہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی شان میں جو احادیث ائمہ کی طرف سے بیان کی ہیں وہ ذرا گوش دل سے سنیے۔

محمد بن بابویہ نے ''عیون اخبار الرضا'' میں علی بن موسیٰ رضا سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے آدم کو مسجود ملائکہ ہونے اور جنت میں داخل ہونے کی بزرگی دی تو انہوں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں بزرگ ترین مخلوقات ہوں، پس اللہ جل شانہ نے ندا کی کہ اے آدم! اپنے سر کو اٹھا اور دیکھ میرے عرش کے پائے کو، پس آدم نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھا کہ لکھا ہے ((لا الہ الا اللہ محمد رسول الله علی ولی الله امیر المومنین وزوجته فاطمة سيدة نساء العلمين والحسن والحسين سيدا

شباب اهل الجنة)) ’’یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، علی اللہ کے ولی امیر المومنین ہیں اور ان کی بیوی فاطمہ دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔‘‘ تب حضرت آدم نے کہا کہ الٰہی یہ کون ہیں؟ خدا نے جواب دیا کہ یہ تیری ذریت ہیں اور تجھ سے بہتر ہیں اور تمام میری خلق سے افضل تر ہیں اور یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ جنت اور نہ دوزخ اور نہ آسمان اور نہ زمین کو، لیکن خبر دار رہنا اے آدم! ان کو حسد کی نگاہ سے نہ دیکھنا اگر ایسا کیا تو میں تجھے اپنے جوار سے نکال دوں گا۔ پس دیکھا آدم نے ان کو بہ نظر حسد، پس مسلط ہوا ان پر شیطان یہاں تک کہ کھایا انہوں نے اس درخت سے کہ منع کیا تھا خدا نے اس سے۔

یہ کوئی خیال نہ کرے کہ یہی ایک حدیث حضرت ابوالبشر جد امجد کی شان میں امام علی بن موسیٰ رضا سے نقل فرمائی ہے بلکہ وہ حدیث بھی سنیے جس میں دادا کے گناہ میں دادی کو بھی شریک کیا ہے۔

’’معانی الاخبار‘‘ میں بہ سند مفصل بن عمر حضرت عمر حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب آدم و حوا علیہما السلام نے عرش پر آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ اور حسنین کا نام نور سے لکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ اے پروردگار! ہمارے کیا بزرگ ہیں ان کا مرتبہ اور کیسے محبوب ہیں یہ لوگ تیرے۔ تب خدا نے فرمایا کہ اگر یہ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا، یہ لوگ میرے علم کا خزانہ اور میرے اسرار کے امانت دار ہیں، اے آدم و حوا ڈرتے رہنا کہ ان کو بہ نظر حسد نہ دیکھنا اور ان کے مرتبے اور ان کی منزلت کی تمنا نہ کرنا، نہ میری نافرمانی اور عصیان میں داخل ہو گے اور تب تم دونوں ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ پس شیطان نے ان دونوں کو وسوسہ دیا اور فریب میں لایا کہ آخر انہوں نے بہ نظر حسد ان پنجتن کی طرف دیکھا، اس لیے آدم و حوا دونوں معزول ہو گئے۔

جناب اجتہاد مآب مولوی دلدار علی صاحب حسام میں بجواب مولانا و سیدنا شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ کے اس حدیث کی نسبت دو جواب دیتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ حدیث

احادیث صحاح سے نہیں ہے کہ اس پر اعتقاد کرنا اوراس کی تصحیح کرنا ضروریات دین سے ہو۔ دوسرے یہ کہ حسد دوقسم پر ہے ایک بمعنی غبطہ اور دوسرے بمعنی استدعاء زوال نعمت۔اول مباح ہے اور دوسرا مذموم۔پس کیوں آدم کا حسد اول قسم پر محمول نہ کیا جائے اور حسد کی اس تقسیم پر ہی حضرت قبلہ وکعبہ نے کفایت نہیں فرمائی بلکہ بخاری کی ایک حدیث کونقل کر کے سنیوں کا منہ بھی بند کرنا چاہا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

((اما حدیث حسد حضرت آدم که در کتب امامیه مروی گشته و اسباب تشنیع ناصب عداوت عترت طاهره بر شیعیان اهل بیت گردیده پس از جمله احادیث صحاح نیست۔ تا اعتقاد کردن بآں و تصحیح نمودن آں از جمله ضروریات نزد امامیه باشد۔ وایضاً گویا بگوش ایں ناصب عداوت عترف نرسیده که حسد برد و قسم ست یکی بمعنی غبط ست۔ و دوم حسد بمعنی استد عازوال نعمت۔ اول مباح ست و دوم مذموم، ومی دانم که اگر بمجر دادعائے ایں تقسیم اکتفانمایم ناصب عترت طاهره تکذهب خواهد نمو ولهذابذکریك حدیث صحاح ایشاں که دلالت صریح دار و برآنچه ادعا نموده ام پرواز و دهن اور ایایں تقریب می دوزم که گفته انددهن سگ به لقمه دوخته به۔ **(ویساغ بعد ذلك ان یقال فی حقه فبهت الذی کفر کانه التقمه الحجر)** وآں ایں ست که بخاری روایت نموده از ابوهریره ﷺ **قال لاحسد الا فی اثنین رجل اتاه الله القرآن فهو یتلوه آناء اللیل والنهار فسمعه جار له فقال لیتنی اوتیت مثل ماوتی فلان فعملت مثل ما یعمل ورجل آتاه الله ما لا فهو ینفقه**

فی حقه فقال رجل لیتنی اوتیت مثل ما اوتی فلان فعملت مثل ما یعمل وبتفاوت یسیر قریب این مضمون حدیث دیگرست که آں را بخاری و مسلم و ترمذی روایت کرده اند پس چرا جائز نباشد که حسد حضرت آدم ازیں قبیل بوده باشدو چگونه چنیں نباشدو حال ایں که مفضل بن عمر که ناصبی آن رامذ کور ساخته متضمن کلمه وحملها علی تمنی منزلتهم است درقوت تفسیر معنی حسدست لیکن چوں غبطه هر چند مباح ست امابنظر علو منزلت و شرف مرتبت جناب عترب سید المرسلین غبط ایشاں از قبیل ترك اولی ست لهٰذا حق سبحان تعالیٰ علی حسب جری العادة الالهیه حضرت آدم را معاتب ساخته و ایضاً حسد بمجرد ایں که بمقتضائے بشریت عارض وما دامیکه بمقتضائے آں کار کند آدمی گنه گار براں نمی شود، چنانچه دریں معنی احادیث ازائمه عترت ماثور گشته وایضا معلوم ست که حضرت آدم متمسك گرویده بکلماتیکه تفسیر آں بنا بر احادیث بسیار با سماء آل عباشده پس بایں قرینه بدیں حسند بمعنی غبطه که از قبیل ترك اولی بوده .))

''آدم کا حسد کرنا جو شیعہ کتابوں میں درج ہے اور سنیوں نے اس حدیث کو آدم علیہ السلام سے شیعوں کا عداوت رکھنا سبب بتایا ہے تو یہ حدیث احادیث صحاح نہیں ہے کہ اس پر لازماً عقیدہ رکھا جائے اور اس کی صحت کو ضروریات دین گردانا شیعوں کے لیے لازمی نہیں ہے۔ اور شیعوں کے دشمن سنیوں کے کان میں یہ بھنک تک نہیں پڑی کہ حسد کی دو قسموں سے ایک غبطہ ورشک ہے اور دوسرا

حسد، جس کے معنی ہیں زوال نعمت کی استدعا کرنا، پہلا یعنی رشک کرنا مباح ہے اور دوسرا یعنی حسد کرنا مذموم اور قبیح ہے، اور میں جانتا ہوں کہ اگر اسی تقسیم پر اکتفا کروں تو سنیوں کی تکذیب ہو جاتی ہے، اس کے ماسوا ان کی صحاح میں کی ایک حدیث لکھنا چاہتا ہوں تاکہ سنیوں کے منہ بند کر دوں جیسا کہ مقولہ ہے ''کتے کا منہ ایک نوالہ سے بند کرنا اچھا ہے'' اور یہ حدیث بخاری میں ابو ہریرہ کی زبانی درج ہے اور اسی حدیث کے مضمون کے موافق دوسری احادیث بھی بخاری، مسلم وترمذی میں موجود ہیں، اس لیے کس طرح ممکن ہے کہ حضرت آدم کا حسد اس قسم کا نہ ہو، اور پھر حالت یہ مفضل بن عمر سنی نے اس واقعہ کو آدم کے منزلت کی تمنا کے برابر قرار دیا ہے اور تفسیر اس کی حسد ہے، اگرچہ رشک کرنا مباح ہے اور رسول اللہ کی عترت کا مرتبہ بلند ہے، اس لیے ان پر رشک کرنا ترک اولیٰ سے ہے، اور اسی لیے اللہ نے آدم کو معتوب کیا اور چونکہ حسد کرنا انسان کی عادت ہے اور جب تک آدمی اس کے موافق کام نہ کرے گناہ گار نہیں ہوتا، جیسا کہ اس بارے میں ائمہ کی احادیث موجود ہیں اور یہ امر بھی معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو کلمات کہے ان کی تفسیر اسمائے آل عبا کی احادیث میں بہ کثرت موجود ہے، اس لحاظ سے بھی یہ حسد غبطہ کے معنی میں ترک اولیٰ کے قبیل سے ہوگا۔''

مگر حضرت قبلہ کی اس تقریر سے وہ داغ جوان کے بزرگوں نے حضرت ابو البشر پر لگایا ہے وہ دور نہیں ہوا، اس لیے کہ اگر اس حدیث کے صحاح میں نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ صحاح اربعہ، یعنی کلینی، وتہذیب، واستبصار، ومن لایحضرہ الفقیہ میں نہیں ہے تو اس سے عدم صحت لازم نہیں آتی۔ صدہا حدیثیں ہیں جو سوا ان چار کتابوں کے دوسری کتابوں میں منقول ہیں اور جن کو حضرات امامیہ صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ راوی اس کا ضعیف ہے یا سلسلۂ روایت میں کوئی نقص ہے تو اس کا بیان فرمانا تھا، مگر حضرت بیان فرماتے تو کیا فرماتے؟ اس لیے کہ یہ حدیث عیون اور معانی الاخبار سی معتمد کتابوں میں ہے جس کے مؤلف کی سچائی

اور صداقت اس کے لقب سے ظاہر ہے، ((فانه صدوق)) اور وہ خود صحاح اربعہ میں سے ایک کتاب کا مصنف ہے اور پھر اس حدیث کو بہ سند صحیح ائمہ معصومین سے روایت کیا ہے، ایسی حدیث کی صحت کا انکار کرنا جو متصل بہ امام معصوم ہو اور اس کے راویوں میں سے کوئی مجروح و مقدوح نہ ہو غالباً قابل تسلیم نہ ہوگا اور خود قبلہ و کعبہ نے اسی کتاب حسام اور دیگر کتابوں میں بہت سی حدیثیں عیون اور معانی الاخبار سے نقل کی ہیں اور ان کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کیا ہے، ایسی حالت میں بغیر کسی اور قسم کے ثبوت کے یہ کہہ کر کہ ایں حدیث از جملہ احادیث صحاح نیست پیچھا چھڑانا اگر جائز ہو تو پھر سنیوں کی کسی خبر کو جو مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ہو باوجود راویوں کے ضعف کے ثبوت پیش کرنا درست نہ ہوگا۔ مگر صاحب استقصاء الافحام نے اس حدیث کی صحت کو قبول کیا ہے اور قبلہ و کعبہ کے کلام کی توجیہ ان لفظوں سے فرمائی ہے:

((غرض آنجناب از انکار معدود بودن ایں حدیث در احادیث صحاح آنست کہ ایں حدیث از جملہ احادیث قطعیة الصدور نیست الی قولہ کی مراد آں جناب یعنی صحت بمعنی قطعی الصدور ست زیرا کہ ازاں مفہوم می شود کہ اگر ایں حدیث از جملہ احادیث صحیحہ می بود اعتقاد کردن بآں از جملہ ضروریات می بود پر ظاہر ست کہ ایں الازم نمی آید مگر بعد صحت قطعیة الصدور.))

''مولوی صاحب کا اس حدیث سے انکار بایں الفاظ کہ یہ حدیث صحاح کی نہیں ہے، ان کے اس مقصد کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ حدیث قطعی الصدور احادیث میں سے نہیں ہے اور صحت و صحیح ہونے کے معنی یہی ہیں کہ اس کا صدور قطعی نہیں ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح حدیثوں میں سے ہوتی تو اس کے مطابق اعتقاد کرنا ضروریات سے ہوتا، اور یہ اس وقت لازم آتا جب کوئی

حدیث قطعی حدیث کا حکم رکھتی ہو۔"

مگر مولوی حامد حسین صاحب اس توجیہ سے قبلہ وکعبہ کے جواب کو صحیح ثابت نہ کر سکے بلکہ ہمارے دعوے کے معین اور مؤید ہو گئے، اس لیے کہ وہ فرماتے ہیں: ((اگر ایں حدیث از جملہ احادیث صحیحہ می بود اعتقاد کردن بآں از جملہ ضروریات می بودو پر ظاہرست کہ ایں لازم نمی آید مگر بعد صحت بمعنی قطعیۃ الصدور)) ہم اس جواب کو تسلیم کرتے ہیں، بشرطیکہ ایسے قاعدے کہ وہ ہمارے یہاں کی حدیثوں کی نسبت بھی خیال رکھیں نہ یہ کہ ہمارے یہاں کی ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں سے استدلال کریں اور انہیں ہمارے مقابلے میں پیش فرمائیں اور اپنے یہاں کی صحیح حدیثوں کو بھی قطعیۃ الصدور یعنی یقینی نہ ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہ سمجھیں۔

مگر ہم اس حدیث کو اور روایتوں سے جن کی صحت اور اعتماد میں کچھ اعتراض نہیں کیا گیا، ثابت کرتے ہیں۔ تفسیر امام حسن عسکری میں بذیل آیت ﴿وَقُلْنَا يَاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ (سورۂ البقرہ: ۳۵) کے لکھا ہے کہ مراد درخت سے علم محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ تھا، کہ حق تعالیٰ نے انہیں کے ساتھ مخصوص کیا تھا اسی کو آدم نے کھایا اور بہشت سے نکالے گئے۔ اس مضمون کو ملا باقر مجلسی کی زبان سے سنیے جس کو وہ حیات القلوب میں فرماتے ہیں:

((در تفسیر امام حسن عسکری مذکورست کہ چوں حق تعالیٰ ابلیس را لعنت کرد باابا کردن اوو گرامی داشت ملائکہ رابہ سجدہ کردن ایشاں آدم علیہ السلام را امر کردکہ آدم و حوارا بہشت برند و فرمود کہ یاآدم ساکن شو تو و جفت تو در بہشت و کلار غداً حیث شئتما و بخوریداز بہشت کشادہ و گوہر جا کہ خواہید بے تعبے **ولا تقربا ھذہ الشجرۃ** ونزدیک مشوید ایں درخت را کہ درخت علم محمد ﷺ و

آل محمد ﷺ ست کـه حلق تعالی ایشان رامنع کرداز آں که
نـزدیك آں درخـت شـونـد کـه مـخصوص محمد ﷺ وآل
محمد ﷺ ست و کسے بامر خدا نمی خوردازاں درخت مگر
ایشـان الـی قـولـه و حق تعالیٰ فرمود که نزدیك ایں درخت
مـرویـد کـه خـواهیـد طـلـب کـنیـد درجـه محمد ﷺ وآل
محمد ﷺ وفـضیلت ایشاں زیرا که خدا ایشاں را مخصوص
گـردانیده است بایں درجه از سائر خلق و ایں در ختیست که
هـر که ازیں در ، ت بخورد باذن خدائے تعالی الهام کرده می
شـود علم اولین و آخرین رابے آنکه از کسی بیا موزدو هر که
بے رخـصـت خـدا بـخـورداز مـراد خـودنا امید می شود و
نـافـرمـانـی پـروردگـار کرده است فتکونا من الظالمین پس
خـواهـد شـویـدا وستم گاراں بنا فرمانی شما و طلب کردن
شما درجه را که اختیار کرده است خدا بآں درجه غیر شماهر
گـاه قـصـد کـنید آں در خت را بغیر حکم خدا الی قوله پس
بـایـں سبب فریب خورد آدم و غلط کردوازاں درخت خورد
پیـش رسـیـد بایشاں آنچه خداوند در قرآن ذکر کرده است
فاز لهما الشیطان عنها فاخر جهما مما کانافیه .))

''تفسیر امام حسن عسکری میں ہے کہ انکار کرنے کی وجہ سے اللہ نے شیطان پر لعنت کی اور آدم کو چونکہ فرشتوں نے سجدہ کیا، اس لیے انہیں معزز بنایا اور آدم وحوا کو جنت دیتے ہوئے کہا کہ اے آدم! تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو اور اس وسیع جنت میں بغیر کسی تکلیف کے جو چاہو کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا جو علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درخت ہے اور اللہ نے اس درخت کے

قریب جانے سے منع کیا کیونکہ وہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور ان آدم وحوا کے سوا کسی اور نے اس درخت سے نہیں کھایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا، یعنی آل محمد ﷺ کے درجہ وفضیلت کی طلب نہ کرنا کیونکہ بہ نسبت دیگر مخلوق کے یہ ان کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس درخت کی حالت یہ ہے کہ جو کوئی اس درخت سے کھالے تو اسے اللہ کے اذن و اجازت سے اولین وآخرین کا علم ہو جاتا ہے اور وہ کسی کے سکھائے بغیر سب کچھ خود ہی سیکھ لیتا ہے اور جو شخص اللہ کی اجازت کے بغیر اس میں سے کھائے وہ نامراد و نااُمید ہو جاتا ہے اور اسی نافرمانی احکام الٰہی کی وجہ سے اللہ نے کہا کہ اپنی نافرمانی اور اس سبب سے کہ تم نے اس درجے کے حصول کا ارادہ کیا جو تمہارے مرتبے سے بلند ہے۔ اور جب کہ آدم علیہ السلام وحوا نے اللہ کے حکم کے بغیر اس درخت کا ارادہ کیا تو قریب خوردہ آدم علیہ السلام نے غلطی کی اور اس درخت میں سے کھایا تو اللہ نے انہیں جنت سے نکال دیا۔''

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ درخت جس کے کھانے سے آدم وحوا منع کیے گئے تھے وہ درخت علم محمد ﷺ اور آل محمد کا تھا جس کے کھانے سے علم اولین وآخرین بغیر سکھائے آجاتا ہے، اور اسی درخت کے کھانے سے آدم وحوا جنت سے نکالے گئے، مگر حدیث سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کے بہکانے سے آدم وحوا نے اسے کھایا تھا اور اس کے سبب سے وہ مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ مگر دوسری حدیث سے جس کو بہ سند معتبر حضرت امام علی نقی سے نقل کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ وہ درخت حسد کا تھا کہ جس کے کھانے سے خدائے تعالیٰ نے منع کیا تھا، مگر انہوں نے عمداً اسے کھایا، یعنی ائمہ پر حسد کیا۔ کما یقول المجلسی فی حیات القلوب کہ:

((بسند معتبر از حضرت امام علی نقی منقول است که در ختیکه آدم وزوجه اش رانهی کرداز خوردن ازاں درخت

حسد بود و حق تعالیٰ عهد کرد بسوئے آدم و حوا که نظر نکنند بسوئی که حق تعالیٰ آنهان را بر ایشان وبر جمیع خلائق فضیلت داده ست بدیده حسد و نیافت حق تعالیٰ از ودریں باب عزم و اهتمام .))

''معتبر اسناد کے ذریعہ امام علی نقی کی زبانی بیان کیا ہے کہ آدم وحوا کو جس درخت کے کھانے سے منع کیا گیا وہ حسد کا درخت تھا اور اللہ نے آدم وحوا سے کہہ دیا تھا کہ اس کی جانب نگاہ تک نہ کریں کیوں کہ آل محمد ﷺ کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے کہ کوئی ان پر حسد نہ کرے اور اللہ نے آدم وحوا میں تعمیل حکم کا عزم واہتمام بھی نہیں دیکھا۔'' (ترجمہ اردو حیات القلوب جلد ۱ صفحہ ۹۲ لکھنؤ)

اس حدیث سے بھی ثابت نہیں ہوا کہ حضرت آدم نے شیطان کی بہکانے سے حسد کے درخت سے کھایا، یعنی ائمہ کو حسد کی نگاہ سے دیکھا اور حکم الٰہی کو نہ مانا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم وحوا نے کچھ حکم ماننے کا ارادہ اور اہتمام بھی نہ کیا۔ یعنی خدا کے حکم کی بھی پروا نہ کی جیسا کہ ان لفظوں سے ثابت ہوتا ہے: ((نیافت حق تعالیٰ از ودرین باب عزم و اهتمام)) ''یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم میں حکم الٰہی کی تعمیل کا اہتمام وارادہ بھی نہ پایا۔''

شاید کسی کے خیال میں یہ آئے کہ حضرت آدم خدا کے حکم کو بھول گئے اور نسیان کی حالت میں خلاف حکم الٰہی کر بیٹھے، جیسا کہ بعض مفسرین امامیہ نے لکھا ہے کہ نسیان کی حالت میں حضرت آدم علیہ السلام اس فعل کے مرتکب ہوئے۔ اس لیے کہ بہ سند معتبر جو حضرت امام محمد باقر سے منقول ہے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم خدا کے حکم کو نہ بھولے تھے اور باوجود حکم خدا کے وہ مرتکب منہی عنہ کے ہوئے۔ کما یقول المجلسی فی حیات القلوب .

((بسند معتبر مروی ست که از امام محمد باقر پر سید نداز تفسیر قول خدا "فنسی و لم نجدله عزما" که جمعے تفسیر کرده اند که حضرت آدم فراموش کردنهی خدا، حضرت

فرمود که فراموش نه کرده بودو حال آنکه دروقت وسوسه کردن شیطان نهی خدارا بیاد ایشان آوردومی گفت که خدا شمارا برائے ایں نهی کرده است که ملك نبا شیده و در بهشت همیشه نبا شید، پس نسیان درینجا بمعنی ترك ست بمعنی ترك کرد امر خدارا.))

''معتبر روایت ہے کہ امام محمد باقر سے لوگوں نے ﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ کی بابت دریافت کیا کہ لوگ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی ممانعت کو آدم فراموش کر گئے؟ اس کے جواب میں امام باقر نے کہا کہ انہوں نے فراموش نہیں کیا اور وہ کیسے بھول سکتے تھے حالانکہ وسوسہ ڈالتے وقت شیطان نے اللہ کی ممانعت انہیں یاد دلائی اور کہا کہ اللہ نے آپ کو اس درخت کے قریب جانے سے اس لیے منع کیا ہے تا کہ آپ کہیں فرشتہ نہ بن جائیں اور ہمیشہ ہمیشہ جنت میں نہ رہیں، اس لیے نسیان کے معنی اس مقام میں چھوڑ دینے کے ہیں، یعنی آدم نے احکام الٰہی کو چھوڑ دیا۔''

(ترجمہ اردو حیات القلوب جلد ا صفحہ ۹۲ طہ پبلشنگ سینٹر لکھنؤ)

اس سے ثابت ہوا کہ دیدہ و دانستہ آدم نے خدا کے حکم کو نہ مانا اور باوجودیکہ شیطان نے خدا کے حکم کی یاد بھی دلائی مگر انہوں نے خیال نہ کیا اور کیوں کر خیال کرتے، اس لیے کہ ائمہ کا مرتبہ دیکھ کر عیاذاً باللہ وہ جوش حسد کا ہوا تھا کہ وہ دین و دنیا سب بھول گئے تھے اور ان کے درجے اور مرتبے کی تمنا اور خواہش نے ان کو نعوذ باللہ ایسا بے اختیار اور بے قابو کر دیا تھا کہ وہ کچھ اس کا عزم اور اس کا اہتمام بھی کرنا نہ چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت جعفر صادق عَلَيْهِ السَّلَام کی ایک حدیث سے اس کا حال سنیے کہ حب جاہ اور آل محمد ﷺ کے درجے کی تمنا نے ان کو حسد کرنے پر مجبور کیا، ملا باقر مجلسی ''حیات القلوب'' میں بہ سند معتبر حضرت امام جعفر صادق عَلَيْهِ السَّلَام کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے پنجتن پاک اور باقی

ائمہ کی روحوں کو سب سے زیادہ بلند درجہ دیا اور ان کو تمام زمین و آسمان پر پیش کیا اور کہا کہ یہ میرے دوست ، ولی اور خلق پر حجت ہیں، جو کوئی ان کے درجے کا دعویٰ کرے اس پر ایسا عذاب کروں گا کہ جو اور کسی خلق پر نہ کیا ہو اور مشرکین کے ساتھ اسے جہنم میں ڈال دوں گا اور جو ان کی ولایت اور امامت کا اقرار کرے اسے بہشت میں جگہ دوں گا، پس ان کی ولایت ایک امانت ہے خلق پر، پس تم میں سے کون اس کو لیتا ہے، تمام آسمان اور زمین اور پہاڑوں نے اس سے انکار کیا اور اپنے پروردگار کی عظمت سے ڈرے، جب خدا نے آدم و حوا کو بہشت میں جگہ دی اور انہوں نے پنجتن پاک اور دیگر ائمہ کے درجے کو دیکھا تو پوچھا کہ خدایا یہ درجہ کس کے لیے ہے؟ خدا نے فرمایا کہ ساق عرق پر نظر کر...... جب آدم و حوا علیہما السلام نے عرش کی طرف دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ کے نام دیکھے تو بہت تعجب سے کہا کہ خدایا یہ تیرے بہت ہی محبوب ہیں اور تیرے نزدیک بڑے ہی بزرگ اور شریف ہیں، خدا نے فرمایا کہ حسد کی آنکھ سے ان کو نہ دیکھنا، اور ان کے اس درجے کی جو میرے نزدیک ہے اس کی آرزو نہ کرنا، اور جو یہ مرتبہ بزرگی اور کرامت کا میں نے انہیں دیا ہے اس کے متمنی نہ ہونا اگر ایسا کیا تو میری نافرمانی کرو گے اور ستم گار اور ظالموں میں داخل ہو گے۔ آدم و حوا نے پوچھا الٰہی کون ہیں ستم گار اور ظالم؟ فرمایا کہ وہ جو ان کی منزلت کا ناحق دعویٰ کریں۔ تب آدم و حوا نے کہا کہ پروردگار ان ظالموں کو جو جگہ تو نے جہنم میں دی ہے وہ بھی ہمیں دکھا، حق تعالیٰ نے دوزخ کو حکم دیا اور جو کچھ انواع و اقسام کے عذاب اور مصیبت ظالموں کے لیے مقرر کیے گئے تھے وہ سب ان پر دوزخ نے ظاہر کیے کہ پائیں ترین درجات جہنم میں ان کی جگہ ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ جہنم سے نکلیں مگر پھر جہنم ان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور ہر چند ان کے پوست پختہ و سوختہ ہو جاتے ہیں، پھر دوسرے پوست بدل دیے جاتے ہیں تا کہ عذاب سے نجات نہ ملے۔ یہ سب دکھا کر اور یہ سب کچھ فرما کر خدا نے کہا کہ اے آدم و حوا! میرے ان نوروں اور حجتوں کو، یعنی پنجتن پاک اور اماموں کو حسد کی نظر سے نہ دیکھنا ورنہ اپنے جوار سے نکال دوں گا اور تم کو خوار کروں گا، پس وسوسہ دلایا ان کو شیطان نے اور ان

کی منزلت کی آرزو کرنے پر آمادہ کیا، چنانچہ آدم وحوا نے ان کو حسد کی آنکھ سے دیکھا اور اس سبب سے خدا نے ان کو ان پر چھوڑ دیا اور اپنی توفیق اور یاری ان سے اٹھالی۔''

(ترجمہ اردو حیات القلوب جلد ا صفحہ ۹۴۔۹۵۔۹۶)

یہی مختصر مضمون اس طویل حدیث کا ہے جو ہم حاشیہ ❶ میں نقل کرتے ہیں۔ کہاں ہے چشم بینا کہ اس حدیث کو دیکھے اور کہاں ہے گوش شنوا جو اس روایت کو سنے، کہاں ہے دل بینا کہ

---

❶ وبسند معتبر دیگراز آنحضرت منقول ست که حق تعالیٰ خلق کردروحها پیش از بد نهابدو هزار سال پس گرانید بلند تر و شریف تر از همه روحها روح محمد ﷺ و علیؑ و فاطمهؑ و حسنؑ و حسینؑ و اماماں بعد ازیں شاں صلوٰۃ اللہ علیهم اجمعین راپس عرض نمودارواح ایشاں رابر آسما نها وزمینهاو کو هها پس نورایشاں همه رافر و گرفت پس حق تعالیٰ فرمود بآسما نهاوزمین و کوهها که ایهاں دوستاں و اولیاو حجتها من اند بر خلق من و پیشوایان خلائق من اند فرید م مخلوقے را که دوست تردارم از ایشاں از برائے ایشاں و هر که ایشاں رادوست دارد آفریده ام بهشت خودرا برائے اووهر که مخالفت و دشمنی کند بایشاں آفریده ام آتش جهنم رابرائے اوپس هر که دعوی کند منزلتے را که ایشاں نزد من دار ندو محلے که ایشاں از عظمت من دارند عذاب کنم او را عذابے که عذاب نکرده باشم بآں احدے از عالمیاں راواو را باآنها که شرك بمن آورده اند پائیں ترین در کهای جهنم جاهم و هر که اقرار بولایت و امامت ایشاں بکند واد عا نکند منزلت ایشاں رانزدمن و مکان ایشاں را از عظمت من جادهم او را باایشاں در باغهای بهشت خودو از برائے ایشاں باشددر بهشت آنچه خواهند نزد من و مباح گردانم از برائے ایشاں کرامت خودرا ودر جوار خود ایشاں راجا دهم و شفیع گردانیم ایشاں رادرگناه گاراں از بند گان و کنیز ان من پس ولایت ایشاں امانتی ست نزد خلق من پس کدام یك از شما برمی دار دایں امانت راسنگینهائے آں و دعوی می کند آں مرتبه را که ازوست و از برگزید هائے خلق من ست پس ابا کرند آسمانها وزمینها و کوهها از اینکه ایں امانت رابردار ند و تر سید نداز عظمت پر وردگار خود که چنیں منزلتے رابنا حق دعوی کنند و چنین محل بزرگی برای خود آرزو کنند پس چون حق تعالیٰ آدم و حوارادر بهشت ساکن گردانید گفت بخوریدازیں بهشت بسیار و گوازهر جا که خواهید و نزدیك ایں درخت مروید یعنی درخت گندم پس خواهید بوداز ستم گاراں پس نظر کردند بسوئے منزلت محمد ﷺ و علیؑ و فاطمهؑ و حسنؑ و حسینؑ و امامان بعد ازایشاں پس منزلتهائے ایشاں رادر بهشت بهترین منزلتها یا فتند پس گفتند پروردگارا ایں منزلت از برائے کیست حق تعالیٰ فرمود که بلند کنید سرهای خودرا بسوئے ساق عرش من پس سربالا کردند و دید ند نام محمد ﷺ و علیؑ وفاطمهؑ وحسنؑ وحسینؑ واماماں بعد ازیں شاں صلوٰت اللہ علیهم ⇦⇦⇦

اس کے مضمون پر غور کریں کہ باوجودیکہ حق تعالیٰ نے آدم وحوا کو پنجتن پاک اور ائمہ اطہار کی منزلت اور درجے کی خواہش کرنے کے برے نتیجوں سے آگاہ کیا اور باوجودیکہ اس مرتبے کے چاہنے والوں اور اسی عزت کی آروز کرنے والوں کے لیے جو عذاب مقرر فرمائے ہیں وہ سب ان کو دکھلا دیے اور کوئی دقیقہ اور کوئی درجہ نصیحت کا باقی نہ رکھا، مگر آدم وحوا علیہما السلام نے کچھ نہ سنا اور حسد کرنے سے باز نہ آئے اور باوجود ایسی روایت کے جس سے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا ایسے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا ثابت ہوتا ہے جس کی سزا مشرکین کے ساتھ پائیں ترین درجات جہنم میں جلنا تھا۔ حضرات شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انبیاء معصوم اور گناہان صغیرہ وکبیرہ سے محفوظ ہیں اور نہ صرف ایسے دعوے پر قناعت کرتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ ((دربــــاب

⇦⇦⇦ راکـه بـرسـاق عـرش نوشته بودبنوری از نوار خداوند جبار پس گفتند پروردگار راچه بسیار گـرامـی انـد اهـل ایں منزلت بر تووچه بسیار محبوبند نزد تووچه بسیار شریف و بزرگ انددردرگاه تو پـس خـدا فـرمود که اگر ایشاں نمی بودند من شماهارا خلق نمی کردم ایشاں خزینه داراں علم منند و امیـنـاں مـنـند بررازهای من زنهار که نظر مکنید بسوی ایشاں بدیده حسد و آرزو مکنید منزلت ایشاں رانـزو مـن و محل ایشاں از کرامت من پس بایں سبب داخل خواهید شددر نهی و نافرمانی من پس از ستـم گـاراں خـواهـیـد بـود گفتند پروردگار راکیستند ستم گاراں و ظالماں فرمود که آنها که ادعائے مـنـزلـت ایشاں می کنند بنا حق گفتند پروردگار اپس بنما منزلهائے ظالماں ایشاں رادر آتش جهنم تا به بیـنـم منزلهائے آنهارا چنانچه منزلهائے آں بزرگواراں رادر بهشت دیدیم پس حق تعالیٰ امر کرد آتش را کـه ظاهر گردانید جمیع آنچه دراں بودازا نواع شد تهاد و عذا بهاد فرمود که جا ی ظالماں ایشاں که ادعـای مـنـزلـت بـنـمـا یندور پائیں درکات ایں جهنم ست هر چند اراده کنند که بیروں آیند از جهنم برگردانند ایشاں رابسوئے آں و هرچه پخته وسوخته شود پوستهای ایشاں بدل کنند ایشاں راپوستهای غیـر آنهـا کـه تابچشند عذاب را اے آدم واے حوا نظر نکنید بسوی نور هنا وحجتهای من بدیده حسد پـس شـمـارا پـائیـں می فرستم از جوارخود و بر شمامی فرستم خواری خودراپس وسوسه کردایشاں راشیـطـاں تا ظاهر گرداند برائے ایشاں آنچه پوشیده بوداز ایشاں از عورتهای ایشاں و گفت نهی نکرده اسـت شـمـارا پروردگار شما از ایں درخت مگر برائے اینکه نخواست که شمادر ملك باشید یا همیشه در بهشـت باشید و سوگند یاد کردکه من از خیر خواها نشمایم پس ایشان را فریب داد و بریں داشت کـه آرزوے مـنـزلـت آنهـا بکنید پس نظر کردند بسوئے ایشاں بدیدئه حسد پس بایں سبب حدا ایشاں رابـخـود گـزاشـت و یاری و توفیق خودرا از ایشاں برداشت۔ (حیات القلوب جلد اول مطبوعه مطبع نول کشور لکهنؤ صفحه ۴۹۔ ۵۰)

عصمت انبیاء آنچه امامیه مبالغه می دارندهیچ یك از فرق اسلام آن قدرندارد .)) اگر عصمت اسی کا نام ہےاوروہ مبالغہ جوان کی عصمت کے باب میں امامیہ کرتے ہیں یہی ہے وہ تو ایسے دعوے میں سچے اوراپنے قول میں صادق ہیں۔خدانہ کرے کہ بچارے سنی انبیاء کی عصمت کے ایسے حامی ہوں اوران کی عصمت کے حمایت کے پردے میں ان کوائمہ کا حاسداور پائیں ترین درجات جہنم کا مستحق ٹھہرائیں۔

ایک اور حدیث سنیے جس سے پوری تصدیق اور تائید آدم وحواعلیہاالسلام کے حسد کرنے کی ہوتی ہے اور جس سے تمام مختلف اقوال کا جوکہ بہ نسبت اس درخت کے ہیں جسے آدم نے کھایا آخری اور قطعی فیصلہ بقول امام ہوتا ہے۔ملاباقرمجلسی حیات القلوب میں فرماتے ہیں:

((بسند معتبر منقول ست که ابو صلت هروی از امام رضا پر سید که یا ابن رسول الله مرا خبرده ازاں درختے که آدم و حوا ازاں درخت خورندچه درخت بود بدر ستیکه مردم اختلاف کردند بعضے روایت کردند که آں گندم بودو بعضے روایت کردند که آں درخت حسد بود، فرمود که همه حق ست ابو صلت گنت چگونه همه حق ست بایں همه اختلاف، فرمود که اے ابو صلت درخت بهشت انواع میوهابرمی دارد پس آں درخت گندم بودوداراں انگور هم بود و آنها مثل درختان دنیا نیستند و بدرستیکه چوں خدا گرامی داشت و ملائکه اور اسجده کردند اور اداخل بهشت گردانیددر خاطر خود گز رانید که ایا خلق کرده ست خدا بشر یکے بهتراز من باشد، چوں خدا دانست که چه در خاطر او گزشت ندا کرداورا که سر بلند کن اے آدم و نظر کن بسوی ساق عرش من چوں آدم سر بلند کرد دید که در ساق عرش نوشته ست

که **لااله الا الله محمد رسول الله علی بن ابی طالب امیر المومنین وزوجة فاطمة سيدة نساء العلمين و الحسن و الحسين سيدا شباب اهل الجنة** آدم گفت پروردگار کیستند آنها حق تعالی فرمود که ایهاں ذریت تو اندوایشاں بهتر انداز تــوواز جمیع آفریدهای من و اگر ایشاں نمی بودند نه تر خلق میکر دم نه بهشت و دوزخ و نه آسما و زمین پس۔ زنهار نظر حسد بسوی ایشاں مکن که ترا از جوار خود بیروں کنم پس نظر کرد بسوی آنها بدیده حسد و آرزوی منزلت ایشاں کرد پس مسلط شد شیطان براوتا خوردازمیوه که اورازاں نهی کرده بودند و مسلط شد برحواتا نظر کرد بسوی فاطمه بدیده حسد تا خوردازاں درخت چنانچه آدم خورد پس خدا ایشاں را از بهشت بیروں کردواز جو ار خود بز میں فرستاد .)) (ترجمہ اردو حیات القلوب جلد اصفحہ ۹۷)

''مستند روایت ہے کہ ابو صلت ہروی نے امام رضا سے پوچھا اے ابن رسول! بتائیے کہ جو درخت آدم وحوا نے کھایا وہ کیا تھا؟ اس میں لوگوں کا باہمی اختلاف ہے بعض اسے گیہوں اور بعض حسد کا درخت کہتے ہیں، جواب دیا یہ سب درست ہے، ابوصلت نے عرض کیا کہ اس اختلاف کے باوجود یہ سب درست کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا اے ابوصلت! جنت کا درخت متفرق پھل لاتا ہے وہ درخت اگرچہ گندم کا تھا لیکن اس میں انگور بھی لگتے تھے اور جنت کے درخت دنیاوی درختوں کی طرح نہیں ہیں، آدم کو اللہ نے معزز بنایا فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا اور وہ جنت میں رہتے تھے انہیں خیال آیا کہ اللہ نے مجھ سے بہتر بھی کسی آدمی کو پیدا کیا ہے؟ اللہ نے ان کے دل کا خیال معلوم کرتے ہوئے حکم دیا کہ اے آدم!

سر اونچا کرو اور ہمارے عرش کے پایہ کو دیکھو، چنانچہ آدم نے سر اٹھا کر دیکھا کہ پایۂ عرش پر یہ لکھا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین، حضرت فاطمہ، سردار خواتین اور حسن و حسین اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ یہ دیکھ کر آدم نے پوچھا: اے اللہ! یہ کون ہیں؟ اللہ نے کہا یہ تمہاری اولاد ہیں اور یہ تم سے اور میری دیگر مخلوق سے بھی بہتر ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو میں تمہیں، جنت، دوزخ، اور زمین و آسمان پیدا نہ کرتا، یہ یاد رکھو بھول کر بھی ان پر حسد نہ کرنا ورنہ تمہیں اپنے پاس سے نکال دوں گا۔ غرض کہ آدم نے ان کی قدر و منزلت کو حسد کی نگاہ سے دیکھا اور شیطان نے مسلط ہو کر آدم کو وہ میوہ کھلایا جسے اللہ نے منع کیا تھا، نیز شیطان نے مسلط ہو کر حوا کو حضرت فاطمہ پر حسد کی آنکھ سے دیکھنے پر ورغلایا اور انہوں نے بھی حسد کا وہی درخت کھایا جو آدم نے کھایا تھا جس کی سزا میں اللہ نے ان کو جنت سے نکالا اور اپنے پاس سے دور کر کے زمین پر بھیج دیا۔"

اس حدیث کے جواب میں جناب قبلہ وکعبہ جو یہ فرماتے ہیں کہ حسد یہاں غبط کے معنی میں ہے اور ایسا حسد مذموم نہیں ہے، مگر خود جناب والا اس پر یقین نہیں فرماتے، اس لیے فرماتے ہیں کہ ((چرا جائز نباشد کہ حسد آدم ازیں قبیل بودہ باشد و چگونہ چنیں نباشد)) "کس طرح جائز نہ ہوگا کہ آدم نے اسی طرح کا حسد کیا اور کیوں ایسا نہ ہو۔" اور اگر حضرت کو یقین بھی ہو کہ یہ تاویل درست ہے تو حدیث کے الفاظ اور اس کا مضمون اس کی تائید نہیں کرتے اور حضرت آدم کا حسد غبطہ نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ وہی حسد ہے جو مذموم ہے، اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ڈرایا تھا اور ائمہ کی منزلت کی آرزو کرنے پر موردِ عتاب بلکہ ستم گاروں اور ظالموں میں شمار ہونے کا خوف دلایا تھا، مگر پھر بھی آدم نے حسد کیا اور اسی کی سزا پائی۔ کیا قبلہ وکعبہ نے اس وعید کا خیال نہیں فرمایا جو حق تعالیٰ کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے ((فایاك ان تنظر الیھم بعین الحسد فاخر جتك عن جواری والقیافتدخلا من ذلك فی نھی و عصیانی فتکونا من

الظالمین)) ''خبرداران کوحسد کی نگاہ سے مت دیکھنا ورنہ میں تم کو اپنے پڑوس سے نکال دوں گا تو میری نافرمانی کے مرتکب ہو کر ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔'' اور کیا قبلہ و کعبہ نے اس کا بھی لحاظ نہیں فرمایا کہ وہ گناہ جس کے کرنے پر ایسی بھاری سزا کا خوف ان کو دلایا گیا تھا، ان سے سرزد ہوا اور اس کی سزا انہوں نے پائی اور جنت سے نکالے گئے جیسا کہ ان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ((فنظر الیھم بعین الحسدو تمنی منزلتھم فسلط علیھم الشیطان فنظر الیھم بعین الحسد فخذ لا لذالك)) ''ان کو حسد کی نگاہ سے دیکھا اور ان کے مرتبے کی آرزو کی تو شیطان ان پر مسلط ہو گیا اور حسد کی نگاہ سے دیکھنے کی وجہ سے وہ ذلیل ہوئے۔'' اگر ان کا حسد مباح اور غبطہ تھا تو خدا کا ظالم ہونا ثابت ہوا (و نعوذ باللہ من ذلك) ...... کہ ایک فعل مباح پر جو آدم سے سرزد ہوا ان کو اپنے قرب و جوار سے جدا کر کے بہشت سے نکال کر اپنی وعید کو پورا کیا۔

اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جس کی صحت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم سے محمد ﷺ اور ائمۂ اطہار کی ولایت کا عہد لینا چاہا، مگر انہوں نے نہ کیا بلکہ ان کا ارادہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ ابن بابویہ ''علل الشرائع'' کے باب ایک سو ایک میں تحریر فرماتے ہیں:

((العلة التی من اجلھا سمی اولوالعزم اولی العزم حدثنا ابی عن سعد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن عیسی بن علی ابن الحکم عن مفضل بن صالح عن جابر بن یزید عن ابی جعفر فی قول اللہ عزوجل ولقد عھدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجدله عزماً قال عھد الیه فی محمد والائمة من بعده فترك ولم یکن له عزم فیھم انه ھکذا وانما سمی اولوالعزم لانھم عھدالیھم محمد واله واوصیا من بعده والمھدی وسیرته فاجمع عزمھم ان ذلك کل والاقراربه))

”اولوالعزم حضرات کو اولوالعزم کہنے کی وجہ امام باقر سے مروی ہے کہ امام نے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ کے بارے میں فرمایا کہ محمد ﷺ اور آپ کے بعد ائمہ کے بارے میں ان (آدم علیہ السلام) سے عہد لیا گیا تھا جس کو انہوں نے چھوڑ دیا ان کا اس سلسلے میں کوئی ارادہ بھی نہ تھا کہ یہ ایسا ہے ان کو ”اولوالعزم“ اس لیے کہتے ہیں کہ ان سے محمد ﷺ اور ان کے بعد اوصیا، مہدی اور ان کی سیرت کا عہد لیا گیا تھا اور ان سب باتوں کا اقرار کرایا گیا تھا۔“ (علل الشرائع صفحہ ۹۲ مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ)

پس جب کہ اس قسم کی حدیثیں انبیاء علیہم السلام کی شان میں حضرات امامیہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں اور اس پر بھی وہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے معتقد ہیں اور ان حدیثوں کو غیر قطعی الصدور فرماتے ہیں یا ان میں تاویل کرتے ہیں تو یہ انصاف نہیں ہے کہ ہمارے یہاں کی ان چند بے سروپا حدیثوں سے استدلال کریں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی فضیلت میں فرق آتا ہو۔ اور کیوں ہمارے جوابات اور تاویلات کو جو بہ نسبت ان کے جوابات و تاویلات کے زیادہ قوی اور زیادہ مدلل ہیں ایسی حدیثوں کے متعلق تسلیم نہ کریں۔ مگر بات یہ کہ حضرات امامیہ کو امامت کے مسئلے کی عظمت بڑھانے کے خیال نے مجبور کیا کہ ایسی حدیثیں بیان کریں جس سے امامت مثل نبوت کے سمجھی جائے، خواہ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافر ٹھہریں، خواہ انبیاء علیہم السلام موردِ طعن و ملامت سمجھے جائیں۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق اور روایتوں کا ذکر کرنا اس موقع پر میں چھوڑتا ہوں اور خاندان اہل بیت پر جو کچھ اس مسئلے امامت کی بدولت الزام لگائے گئے ہیں انہیں بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں۔

یہ بات معتقدات امامیہ میں سے ہے کہ جو کوئی مدعی یا منکر امامت ہے وہ کافر ہے، اگرچہ علوی یا فاطمی ہو، فقط انکار امامت اس کے کفر کے لیے کافی ہے۔ مگر تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بنی فاطمہ میں سے کوئی امام ایسا نہیں ہوا جس

کے زمانے میں ان کے بھائیوں اور رشتہ داروں میں سے کسی نہ کسی نے امامت کا دعویٰ نہ کیا ہو یا امامت کو کسی ایک پر منحصر سمجھا ہو اور باہم امام کے اور مدعیان امامت کے کچھ نہ کچھ جھگڑا نہ ہوا ہو، چنانچہ شروع سے، یعنی حضرت امام زین العابدین کے وقت سے اس بات کو ہم ثابت کرتے ہیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امام زین العابدین امام مانے جاتے ہیں مگر محمد بن حنفیہ نے جو حضرت امام زین العابدین کے چچا تھے خود اپنے آپ کو مستحق امامت قرار دیا اور حضرت امام زین العابدین سے کہا کہ بہ نسبت تمہارے میں زیادہ امامت کا استحقاق رکھتا ہوں تم مجھ سے اس بات میں جھگڑا نہ کرو اور مجھے وصی اور امام سمجھو۔ اس قصے کو جو امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن حنفیہ کے باہم ہوا "کتاب الحجة" اصول کافی میں اس طور پر بیان کیا ہے:

((عن ابی جعفر قال لماقتل الحسین ارسل محمد بن الحنیفة الی علی بن الحسین فخلابه فقال له یا بن اخی قدعلمت ان رسول الله ﷺ دفع الوصیة والا مامة من بعده الی امیر المومنین ثم الی الحسن ثم الی الحسین و قدقتل ابوك وصلی علیه روحه و لم یوص وانی عمك وصنوابیك وو لا دتی من علی فی سنی و قدیمی احق بها منك فی حداثتك فلا تناز عنی فی الوصیة والامامة ولا تحاجنی))

''امام باقر سے مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ جب امام حسین مقتول ہو چکے تو محمد بن حنیفہ نے ایک شخص کو بھیج کر امام زین العابدین کو بلوایا اور ان سے خلوت میں یہ گفتگو کی کہ اے میرے بھتیجے! تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت و امامت کو اپنے بعد امیر المومنین کو دیا تھا اور آپ کے بعد امام حسن کو اور ان کے بعد امام حسین، کو اور اب تمہارے باپ مقتول ہو چکے، خدا ان سے راضی ہو اور

ان کی روح پر رحمت بھیجے اور انہوں نے کسی شخص خاص کو وصیت نہ فرمائی میں تمہارا چچا ہوں اور تمہارے باپ کے برابر ہوں اور میرا پیدا ہونا بھی علی سے ہے، پس بہ سبب میرے سن و سال اور ان امور کے جو مجھ سے پیشتر ہوئے ہیں جیسے جنگ جمل وصفین میں شجاعتیں اور تجربہ کاری کے میں تم سے بوجہ تمہاری نئی عمر ہونے کے امامت کے لیے اولیٰ ہوں تو تم مجھ سے وصی و امام ہونے میں مباحثہ مت کرو۔"

((فقال له علی بن الحسین یا عم اتق الله و لا تدع مالیس لك بحق انی اعظك ان تکون من الجاهلین ان ابی یاعم صلوٰة الله علیه اوصی الی قبل ان یتوجه الی العراق و عهدا لی قبل ان یستشهد بساعة وهذاسلاح رسول الله صلی الله علیه واله عندی فلاتتعرض لهذا فانی اخاف علیك نقص العمرو تشتت الحال ان الله جعل الوصیة والا مامة فی عقب الحسین فاذا ردت ان تعلم ذلك فانطلق بنا الی الحجر الاسودحتی نتحا کموا الیه ونساله عن ذلك قال ابو جعفر و کان الکلام بینهما بمکة))

"یعنی ان سے علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے چچا! خدا کے عذاب سے ڈرو اور اپنے لیے ایسی چیز کو دعویٰ مت کرو جس کا تمہیں حق نہیں ہے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ، اے میرے چچا! میرے باپ صلوٰت اللہ علیہ نے عراق جانے سے پہلے مجھے وصیت کی تھی (یہ اشارہ ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کتب سپرد کرنے اور سفارش کرنے کا، چنانچہ باپ سر سٹھ میں گزر چکا) اور راہ خدا میں مقتول ہونے سے ایک ساعت قبل وصیت کی تھی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار میرے پاس ہیں جو ان کی نشانی ہے، پس تم اس امر کی

طرف توجہ مت کرو، مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں کمی کر دے اور تمہاری حالت کو آخرت میں یا دنیا میں بوجہ مشکل مسائل کے جواب سے عاجز رہنے کے پریشان کر دے، اللہ تعالیٰ نے وصی اور امام ہونا اولاد حسین علیہ السلام میں رکھا ہے (یہ اشارہ آیت اولوالارحام سورۂ احزاب کی طرف ہے جس کا بیان حدیث دوم باب چونسٹھ میں ہو چکا) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم کو اطمینان ہو جائے تو ہمارے ساتھ حجرا سود کے پاس چلو ہم اس کے سامنے اپنا قصہ بیان کریں اور جو کچھ تم نزاع کرتے ہو اس کا سوال اس سے کریں۔امام محمد باقر کہتے ہیں کہ یہ گفتگو ان دونوں میں مکہ میں ہوئی تھی۔"

((فانطلقا حتى اتيا الحجر الاسود فقال على بن الحسين لمحمد بن الحنفية ابدا انت فابتهل الى الله عزوجل فساله ان ينطق لك الحجر فابتهل محمد فى الدعاء وسال الله ثم دعا الحجر فلم يجبه فقال على بن الحسين يا عم لوكنت وصيا واماما لاجابك فقال له محمد فادع الله انت يا بن اخى وساله فدعا الله على بن الحسين لما اراد ثم قال اسالك بالذى جعل فيك ميثاق الانبياء و ميثاق الاوصياء و ميثاق الناس اجمعين لما اخبر تنا من الوصى والامام بعد الحسين بن على قال فتحرك الحجر حتى كادان يزول عن موضعه ثم انطقه الله بلسان عربى مبين يقال اللهم ان الوصية والا ما مة بعد الحسين بن على وفاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وآله لك قال فانصرف محمد بن على وهويتولى على بن الحسين))

" یعنی دونوں صاحب چل کر حجرا سود کے پاس آئے (ظاہر یہ ہے کہ یہ معاملہ

رات کو ہوا ہوگا تا کہ مخالف مطلع نہ ہوں، اور بعض کا محمد بن حنفیہ کی طرف سے یہ عذر کرنا کہ یہ معارضہ حق ظاہر ہونے کے لیے تھا کچھ ٹھیک نہیں، بقرینہ اس کے کہ انہوں نے خلوت میں بھی معارضہ کیا تھا، چنانچہ پہلے بیان ہوا) پس علی بن الحسین نے محمد بن حنفیہ سے کہا کہ تم ابتدا کرو کہ دعویٰ بزرگ تری کرتے ہو، خدا کے سامنے تضرع کرو اور اس سے یہ درخواست کرو کہ تمہارے لیے حجر اسود کو گویا کرے، پھر حجر سے دریافت کرنا۔ محمد بن حنفیہ نے دعا تضرع کر کے خدائے تعالیٰ سے اپنے مطلب کی استدعا کی اس کے بعد حجر کو پکارا تو اس نے کچھ جواب نہ دیا، علی بن حسین نے کہا کہ اے چچا! اگر تم وصی اور امام ہوتے تو تم کو یہ جواب دیتا۔ محمد بن حنفیہ نے ان سے کہا کہ اے بھیجتے! تم بھی خدا سے دعا کرو اور اس سے سوال کرو، پھر علی بن حسین نے جو چاہا خدا سے دعا کی اور حجر سے کہا کہ میں تجھ کو اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس نے تجھ میں رسولوں کے پیمان رکھے ہیں جنھوں نے نبوت کے بعد رسالت کو پایا کہ اگر استطاعت رکھیں گے تو ہر سال تیرے پاس آئیں گے تا کہ لوگ مسائل دین کو ان سے لیں اور پیروی ظن کی نہ کریں، اور بعد انبیاء کے ان کے اوصیاء کے پیمان تجھ میں رکھے ہیں اور اگر استطاعت رکھیں تو ہر سال تیرے پاس آئیں اور تمام لوگوں کے پیمان کو تجھ میں رکھا ہے کہ جب کبھی مدت العمر میں استطاعت ہو تو ایک بار تیرے پاس آئیں اور مسائل دین کو حاصل کریں اور جو لوگ نہ آئے ہوں ان کو خبر کر دیں تا کہ کوئی احکام الٰہی میں ظن کی پیروی نہ کریں۔ تو اور کچھ کام مت کر مگر یہ ہم کو بتلا کہ بعد حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے وصی اور امام کون ہے۔ امام باقر کہتے ہیں کہ حجر نے حرکت کی اور قریب تھا کہ اپنی جگہ سے نکل پڑے بعد اس کے اس کو اللہ تعالیٰ نے فصیح عربی زبان میں اس طرح گویا کیا کہ وصی و امام ہونا بعد حسین بن علی و پسر فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمہارے لیے ہے۔ امام باقر کہتے ہیں کہ پھر محمد

بن علی علیہ السلام چلے آئے اور علی بن حسین علیہ السلام کو اپنا امام سمجھتے رہے۔“

(اصول کافی صفحہ ۲۱۸ مطبوعہ لکھنؤ، شافی جلد ۲ صفحہ ۳۱۴ ترجمہ اردو اصول کافی مطبوعہ کراچی)

اس حدیث سے اور کچھ نہیں تو یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ محمد بن حنفیہؒ نے امامت کا دعویٰ کیا تھا اور مجرد دعویٰ کرنا ان کی تکفیر کے لیے کافی ہے۔اگر بعد اس کے انہوں نے امام زین العابدین کو امام سمجھا تو گویا وہ کفر سے تائب ہوئے مگر تھوڑے دن تک ان کے مرتد رہنے میں تو شک وشبہ نہیں۔

اب زید شہید رضی اللہ عنہ کا حال سنیے۔”کتاب الحجہ اصول کافی مسمی بالصافی“ تصنیف ملا خلیل مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۲ میں ابوجعفر محمد بن نعمان احوال بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور اس وقت حضرت زید چھپے ہوئے تھے، میں ان کے پاس گیا تب حضرت نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی ہم میں سے خروج کرے تو تم اس کے ساتھ خروج کرو گے؟ میں نے کہا کہ اگر تمہارے باپ یعنی حضرت امام زین العابدین یا تمہارے بھائی امام محمد باقر خروج کریں تو میں ان کا ساتھ دوں گا۔تب زید شہید نے فرمایا کہ میں ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنی امیہ پر خروج کرنا چاہتا ہوں تم میرا ساتھ دو۔ میں نے جواب دیا میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا، اور اس کا سبب یہ ہے کہ اگر دنیا میں امام ”مفترض الطاعۃ“ موجود ہے تو جو شخص کہ تمہارے ساتھ نہ دے ناجی ہے اور جو تمہارے ساتھ خروج کرے وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔ ملا خلیل اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:((بنا برایں شق ظاهر ست فسق زید و تابعان اودراں خروج که مبنی ست بر مذهب ظاهر الفساد او که باداطمی بودن اجتهاد و خروج به سیف را شرط امامت می شمرده.)) غرض کہ حضرت زید شہید کا فاسق ہونا اور ان کا ہشام بن عبدالملک پر خروج کرنا حضرات شیعہ کے پیشواؤں کے نزدیک ایسا گناہ تھا کہ وہ خود ہلاک ہونے والوں میں داخل ہیں اور جس کسی نے ان کا ساتھ دیا اور جو لوگ ان کے ساتھ شہید ہوئے وہ ازروئے مذہب اہل تشیع کے اور بہ موجب اس روایت کے

گناہ گار اور ہلاک ہونے والوں میں سمجھے جاتے ہیں۔ اور اس کا سبب صرف یہی ہے کہ حضرت زید نے خروج کیا اور امامت کا دعویٰ فرمایا اور وہ درحقیقت امام معصوم مفترض الطاعۃ نہ تھے اور ان کا مذہب بھی از روئے اہل تشیع کے فاسد تھا کہ وہ صرف فاطمی ہونا امامت کی شرط نہ مانتے تھے بلکہ اس کے ساتھ اجتہاد اور جہاد کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔

غرض کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرات شیعہ حضرت امام زین العابدین کے اس فرزند کو جس نے بنی امیہ پر خروج کیا اور جس نے شہادت کا درجہ پایا کس منہ سے فاسق اور بوجہ دعویٰ امامت کے کافر سمجھتے ہیں اور امامت کے اصول کو بہ نسبت زید شہید کے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر درحقیقت امامت کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ یہ وہ شرائط ہیں جس کو حضرت زید شہید نہیں سمجھے تھے، اور یہ وہ اصول ہیں جو حضرت امام زین العابدین نے اپنے فرزند دل بند زید کو نہیں بتائے تھے اور اسی لیے احوال کا جواب سن کر حضرت زید شہید متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ اے ابوجعفر! میرے باپ کو مجھ سے ایسی محبت تھی کہ میں ان کے ساتھ کھانے پر بیٹھتا تو وہ گرم لقمے کو ٹھنڈا کر کے مجھے کھلاتے تاکہ گرم لقمے سے مجھے تکلیف نہ ہو تو کیا مجھے وہ دوزخ کی آگ سے نہ ڈراتے اور جن چیزوں میں آخرت کی نجات ہے اس کی تجھے خبر کرتے اور مجھ سے نہ کہتے! گویا اس کہنے سے حضرت زید شہید نے احوال کی تکذیب کی اور امامت کے ان اصول کو جسے شیعہ مانتے ہیں باطل ٹھہرایا۔

اب ذرا احوال کا جواب سنئے کہ وہ زید شہید کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس لیے آپ کے باپ نے آپ کو خبر نہیں دی کہ انہوں نے خوف کیا ہوگا کہ اگر تم ان کی بات کو نہ مانو گے تو داخل جہنم ہو گے اور مجھ سے کہا کہ اگر میں اسے نہ مانوں تو انہیں میرے دوزخ میں جانے کی کیا پروا ہے۔ کافی کی اس روایت کو دیکھ کر جو معتبر ترین کتب احادیث شیعہ سے ہے اور جس کی صحت کا درجہ خدا کی کتاب سے کم نہیں ہے دیکھ کر ہر شخص متعجب ہوگا کہ امام نے اپنے ایک بیٹے کو تو امام بنایا اور اپنا وصی کیا اور اس کو معصوم اور مفترض الطاعۃ قرار دیا اور غیروں کو اس کی اطاعت کی ترغیب دی اور امامت کے اصول سمجھائے اور دوسرے بیٹے کو نہ صرف ان چیزوں

سے محروم رکھا اور وراثت سے خارج کیا بلکہ امامت کی حقیقت بھی نہ بتلائی اور نہ جس کو وصی قرار دیا تھا اور جو ان کے بعد امام ہونے والا تھا اس کی کیفیت سے آگاہ کیا بلکہ ان کو غفلت میں رکھا اور گمراہی کی راہ پر چلنے کے لیے کوئی روک نہ رکھی جس کے سبب سے ایک بھائی نے دوسرے بھائی کے حقوق کو نہ پہچانا، اس کے حقوق کا خیال نہ رکھا بلکہ خود اس کا مدعی ہوا اور امامت کا دعویٰ کر کے نہ صرف انکار امامت کی وجہ سے بلکہ امامت کے دعوے کے سبب کافر اور مخلد فی النار ہونے کا مستحق ٹھہرایا، اور باوجود اس کے کہ ایسی روایتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور ان اصولوں کو مانتے ہیں اور ائمہ کے حقیقی بھائیوں کو اصول امامت سے بے خبر سمجھتے ہیں اور امام کو اپنے بیٹوں سے بھی گویا ایک نوع تقیہ باز قرار دیتے ہیں۔ اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم پر صرف خلافت کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں اور ان کو منکر نص امامت کہتے ہیں، جبکہ حضرت امام زین العابدین نے اپنے فرزند دل بند نور نظر پارہ جگر زید شہید کو امامت کی حقیقت نہ بتائی اور اس کے اصول نہ سمجھائے اور ان کے بعد جو امام ہونے والا تھا اس کی اطاعت کے لیے ہدایت نہ فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے امامت کا دعویٰ کیا اور خروج فرمایا اور شہید ہوئے جسے موافق اصول شیعوں کے کہنا چاہیے کہ ہلاک ہوئے یا خودکشی کی۔ تو ایسے فرقے سے کیا تعجب ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو انکار خلافت کی وجہ سے کافر اور مرتد کہیں۔

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ اعتقاد صرف ابوجعفر احوال کا تھا اور اسی کے نزدیک حضرت زید شہید فاسق تھے بلکہ یہی خیال حضرت امام جعفر صادق کا تھا، اس لیے کہ جب احول نے حضرت زید سے ملنے اور اس طور گفتگو کرنے کا ذکر امام جعفر صادق سے کیا تو انہوں نے اس کی بہت تعریف کی اور فرمایا کہ تم نے خوب ہی زید کو پکڑا اور آگے پیچھے اور اوپر نیچے کہیں بھی کوئی راہ ان کے نکلنے کی نہ چھوڑی۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام جعفر صادق کے نزدیک بھی زید شہید کا خروج ناجائز تھا اور ان کے ساتھی ہلاک ہونے والے اور مستحق دوزخ تھے۔ (نعوذ بالله من ذلك) جیسا کہ شرح اصول کافی مسمی بالصافی کی کتاب الحجۃ میں ملا خلیل کافی کی حدیث کے ترجمے میں فرماتے ہیں کہ احول کہتے ہیں:

((پس حج کردم پس حکایت کردم امام جعفر صادق رابسخن زید و آنچه گفته اورا ، پس گفت مرا گرفتی اورا از پیش اوواز پس اوواز جانب دست راست اوواز جانب دست چپ اوواز بالائے سراوواز یر قد مهای اوونگذاشتی برائے اورا هے که بآں راه رود .))

''پھر میں نے حج کیا اور امام جعفر صادق سے زید شہید ابن امام زین العابدین کا ماجرا اور ان کا جواب وسوال کہا، اس پر امام جعفر صادق نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اسے آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے اس طرح جکڑا کہ اس کے نکلنے کی کوئی راہ نہ چھوڑ۔''

یہ گفتگو جو حضرت زید شہید اور احول کے درمیان ہوئی یہ اس زمانے کی ہے جب ان کے والد بزرگوار حضرت امام زین العابدین اور ان کے بھائی حضرت امام محمد باقر وفات پا چکے تھے اور امام جعفر صادق ان کے بھیجتے امامت پر تھے۔اس لیے کہ ملا خلیل کافی میں لکھتے ہیں:

((احول ذکر امام محمد جعفر صادق نکردو بفرض پدرو برادراکتفا کرد برای تقیه و خوف افشاچه بر امام رفته گرفت گیرے نیست و خروج زید در صدر و بست ویك هجری وده و انتقال امام محمد باقر ازدار دنیا در صدو چهارده هجری بوده .))

''ابوجعفر احول نے صرف والد و برادر کے الفاظ ادا کیے ہیں افشائے راز کے خوف اور تقیہ کے بہ سبب امام محمد جعفر صادق کا ذکر نہیں کیا، کیوں کہ گزشتہ امام پر کسی قسم کی گرفت ناجائز ہے۔زید شہید نے ۱۲۱ میں خروج کیا ہے اور امام محمد باقر نے ۱۱۴ء میں انتقال فرمایا ہے۔''

اس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ امام جعفر صادق کی امامت کے منکر تھے لیکن

ایک دوسری روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زید شہید اپنے بھائی امام محمد باقر کی بھی امامت کے منکر تھے اور نہ صرف منکر تھے بلکہ جو شرائط امام میں ان کے نزدیک ہونی چاہئیں وہ ان میں نہ تھیں اور اس امر کو کچھ انہوں نے پوشیدہ نہ رکھا تھا بلکہ خود امام محمد باقر نے خفا ہوکر ان کا امامت کی قابلیت نہ رکھنا ان کے منہ پر کہہ دیا تھا، جیسا کہ کافی میں لکھا ہے کہ حضرت زید شہید اپنے بھائی امام محمد باقر کے پاس آئے اور ان کے پاس چند خطوط کوفیوں کے تھے جس میں لکھا تھا کہ آپ کوفہ کو آیئے، آپ کے لیے لشکر جمع ہے اور بنی امیہ پر خروج کیجیے۔ حضرت امام محمد باقر نے کہا کہ یہ خطوط ابتدا ہیں کوفیوں کی طرف سے ہمارے حق کی پہچان کے، اور ہماری قرابت کی جو رسول اللہ سے ہے اور ہماری دوستی اور اطاعت کے فرض ہونے کی جیسا کہ وہ خدا کی کتاب میں پاتے ہیں۔ پھر یہ بھی امام باقر نے فرمایا کہ پیغمبر کے تمام رشتہ داروں میں سے امام مفترض الطاعۃ ایک ہی ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ صبر و تقیہ کا حکم دیتا ہے ان کو اس زمانے میں جب کہ ظالموں کا تسلط ہو اور امام حسین کے بعد سے تا امام مہدی آخر الزمان تمام امام مامور بہ صبر ہیں اور خدا نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے اور مہدی موعود کے زمانے تک صبر لازم ہے۔

((پس باید کہ سبك عقل نکند البتہ ترا آن جمعے کہ یقین بربوبیت رب العالمین ندارندو بدر ستیکہ ایشان اصلا فائدہ نمی رسانند دردفع از تو عذابے را از جانب اللہ تعالیٰ کہ در قیامت باشند برائے اینکہ اگر امام نبودی چرا خروج کر دی، پس پیش از وقت کارے رامکن و پیش گیری مکن در حکم بچیزے اللہ تعالیٰ رااکہ عاجز کندترا محنت پس بیندازد ترا.))

''تمہاری عقل کو وہ لوگ مار رہے ہیں جو اللہ کی ربوبیت کا یقین نہیں رکھتے اور یہ لوگ روز محشر اللہ کا عذاب تم سے دور نہ کرسکیں گے اور تمہیں مطلق فائدہ نہ پہنچا

سکیں گے اور جب کہ تم امام ہی نہیں ہو تو تم نے خروج کیوں کیا۔قبل از وقت کوئی کام نہ کرو اور اللہ نے جن چیزوں میں عاجز بنایا ہے ان میں پیش قدمی نہ کرو اور محنت وکوشش کر کے خود کو پست نہ بناؤ۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام باقر حضرت زید کے ارادہ کو نہ صرف برا سمجھتے تھے بلکہ اسے عذاب الٰہی جانتے تھے اور امام نہ ہونے کی حالت میں ان کے خروج کو قیامت کے دن مستحق ذلت اور سزا سمجھتے تھے اور نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ انہوں نے صاف صاف اپنے بھائی زیدؒ سے کہہ بھی دیا، یہ سن کر حضرت زید غضب ناک ہوئے اور اپنے بھائی سے کہنے لگے کہ تم امام نہیں ہو بلکہ میں امام ہوں۔ کیونکہ تلوار لے کر خروج کرنا امامت کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے جو مجھ میں ہے نہ کہ تم میں۔ اور امام وہ نہیں ہے جو گھر میں بیٹھا رہے اور اپنے اوپر پردے لٹکائے رکھے اور جہاد سے بچتا رہے، بلکہ امام وہ ہے کہ جو اپنے ملک کو ضرر سے بچائے اور خدا کی راہ میں جہاد کرے، چنانچہ کافی کے الفاظ یہ ہیں ((فغضب زيد عند ذلك ثم قال ليس الامام من جلس فى بيته وارخ سترة و تبطأ عن الجهاد و لكن الامام من منع حوضه و جاهد فى سبيل الله حق جهاده ورفع عن رعيته و ذب عن حريمه .))

اور ملا خلیل جو اس کی شرح میں فرماتے ہیں اس کے یہ الفاظ ہیں:

((پس غضب ناك شدزيد نزد آں اما باينكه تو امام نيستى و من امامم بعد ازاں برائے ايں كه خروج به سيف يكے از شروط امامت است آں در مت ست نه درتو۔ گفت نيست امام از جملهٔ ما اهل بيت رسول كسيكه نشسته خانه خود و آويخت پردهٔ خودرا وكاره شد از جهاد و امر بترك جهاد كرد و ليكن امام ازما كسى ست كه نگهدارى كرداز ضرر مملكت خودر اور جهاد كرددرراه الله تعالىٰ ودفع كرد

ضررا از رعیت خودوراند ضرررا ازنگاه داشتن خود.))

غرضیکہ زید نے امام محمد باقر پر غصہ کرتے ہوئے کہا کہ سنو، تم امام نہیں ہو بلکہ میں امام ہوں کیوں کہ تلوار لے کر خروج کرنا امامت کی ایک شرط ہے جو مجھ میں ہے تم میں نہیں، نیز کہا: وہ شخص ہم اہل بیت میں سے امام نہیں ہوسکتا جو اپنے گھر میں پردے میں بیٹھا رہے اور جہاد ترک کرتے ہوئے دوسروں کو بھی ترک جہاد کا حکم دے، ہم میں سے امام وہ شخص ہے جو اپنے ملک کو نقصانات سے محفوظ رکھے، اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور رعایا سے ضرر دُور کرنے کو پیش نظر رکھے۔''

اس پر امام باقر نے فرمایا کہ اے میرے بھائی! کیا تم اپنے علم یقینی سے اس بات کو جانتے ہو کہ تم میں امامت کے وہ خواص ہیں جس کو تم نے اپنے نفس سے منسوب کیا ہے۔ اگر ہے تو خدا کی کتاب یا سنت پیغمبر سے اس کو پیش کرو، یا پچھلے زمانے میں کوئی امام ایسا گزرا ہو کہ اس کی صفات تمہارے موافق ہوں اور یہ کہ جب تک تلوار لے کر اس نے خروج نہ کیا ہو تو وہ امام نہ ہو اور اس حالت میں زمانہ امام سے خالی رہا ہو اگر خروج بالسیف امام کے لیے ضروری ہے تو لازم آتا ہے کہ امام زین العابدین امام نہ ہوں یا اوائل رسالت میں جب کہ پیغمبر خدا ﷺ مامور بہ جہاد نہ تھے اور غار میں پوشیدہ ہوئے تھے رسول نہ ہوں۔ چنانچہ شرح کافی کی اصل عبارت یہ ہے:

((پس گفت امام محمد باقر ایامی شناسی بعلم یقینی اے برادرمن از خودت چیزے را آنچہ نسبت دادی نفس خودرابوی آنکہ خواص امام باشد پس آوری برای چیز گواھی یقینی را از کتاب اللہ تعالیٰ درایام گزشتہ کسے را امام کردہ باشد کہ صفات او موافق صفات تو باشد مثل آنکہ جھل باحکام الٰھی داشتہ باشندواجتھاد، و مثل آنکہ

مادامیکہ خروج بہ سیف نکردہ باشد امام نبا شدوز مانہ خالی از امام باشد و چون خروج کند امام شود پس لازم آید کہ علی بن الحسین امام نبا نشدو ایضا رسول علیہ السلام دراوائل رسالت ماموبجہاد نبودودر غار پنہا شد امام نبا شد۔ وایضا مملکت کل روی زمین ست و جہاد کل از رسول واقع نشد و امثال اینہاں درانبیای سابق واصیای ایشاں بسیارست چہ بدرستیکہ اللہ تعالیٰ حلال کردہ جنس حلال راو حرام کردہ جنس حرام راودر محکمات کتاب خود لازم کردہ لازمی چند راوزدہ مثلے چند را برائے ائمہ حق وائمہ باطل و طریقت خود کردہ درائمہ حق و باطل طریقتے چند راونگردانیدہ امامے را کہ ایستادہ ست با مارت اللہ تعالیٰ درشبہ در آنچہ نہی از اختلاف و پیروی ظن ہست چہ دراں صریح ست دراینکہ مجتہد امام نیست تا مبادا کہ سبقت گیرد براللہ تعالیٰ بکارے پیش ازاں جائے تاآں کار باجتہاد کندر راہ او پیش از حلول اہل آں جہاد……انتہیٰ)) (شرح اصول کافی صفحہ، ۴۴۹۔۴۵۰)

''پھر امام محمد باقر نے کہا کہ اے بھائی! کیا تم اپنے علم یقینی سے یہ بات جانتے ہو کہ تم میں امامت کی وہ خصوصیات ہیں جو تمہاری ذات میں موجود ہیں بصورت اثبات اپنے اس حق کے ثبوت میں حکم قرآن یا سنت نبوی یا کوئی ایسا واقعہ پیش کرو کہ اللہ نے گزشتہ زمانے میں تمہارے مماثل صفات والے کو امام بنایا ہو، مثلاً: یہ کہ احکام الٰہی سے ناواقف ہونے کے باوجود وہ خود اجتہاد کرتا ہو اور یا یہ کہ جب تک اس نے تلوار لے کر خروج نہ کیا ہو وہ امام نہ مانا گیا ہو اور زمانۂ امامت سے

خالی رہا ہو اور جب یہ شخص کرے تو امام ثابت ہو جائے۔ اس نظریے کے تحت تو یہ لازم آتا ہے کہ علی بن حسین، یعنی امام زین العابدین امام نہ تھے اور رسول خدا ﷺ جو ابتدائی رسالت کے زمانے مامور بہ جہاد نہ تھے بلکہ غار حرا میں چھپے ہوئے تھے امام نہ تھے اور یاد رکھو کہ امام کی ملکیت کل روی زمین ہے اور رسول نے پورا جہاد نہیں کیا، اس قسم کی دوسری مثالیں گزشتہ انبیاء اور اوصیاء کی بہ کثرت موجود ہیں۔ اور اللہ نے جنس حلال کو حلال اور حرام کو حرام کر کے قرآن کریم میں محکم فرمایا اور ائمہ حق و باطل کی مثالیں دی ہیں اور ان کے طریقے بیان کیے ہیں اور اللہ نے اپنی نگرانی میں امام کو اپنی امارت دی ہے، اور یاد رکھو کہ مجتہد اس وقت امام نہیں بن سکتا ہے جبکہ اللہ اس سے پہلے کچھ کام نہ کرا لے اور پھر وہ راہِ الٰہی میں کوشش کرے۔''

پھر اور بہت سی باتوں اور بہت سی نصیحتوں کے بعد امام باقر نے فرمایا کہ کیا تم ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے طریقوں کی تجدید کرنا چاہتے ہو جنہوں نے رسول خدا ﷺ کی مخالفت کی اور اپنی رائے اور اجتہاد کے تابع ہوئے اور خلافت کا دعویٰ کیا بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل خدا کی جانب سے یا کوئی وصیت رسول کی طرف سے ہوتی، اور پھر فرمایا کہ اے میرے بھائی! میں خدا سے تجھے پناہ دلاتا ہوں کہ تو کناسہ میں سولی دیا جائے، چنانچہ اصل عبارت کافی کی یہ ہے: ((اتـريديا اخى ان تحيى ملة قوم قد كفر و ابايات الله و عصوا رسـولـه واتبعوا هوائهم بغير هدى من الله وادعو الخلافة بلا برهان من الله ولاهدى من رسول الله اعيذك بالله يا اخى ان تكون هذالمصلوب بـالـكـنـاسة ثم رفضت عيناه و سالت دموعه ثم قال الله بيننا و بين من هتك ستـرتـنا وجحدنا حقنا وافشى ستر تنا ونسبنا الى غير جدنا و قال فينا مالم نقله فى انفسنا)) اور اس کا ترجمہ ملا خلیل صاحب یہ فرماتے ہیں:

((ایـامـی خواهی کی تجدید کنی طریقت جمعے را که منکر

شـدند آیات محکمات الله تعالیٰ راکه درانهانهی از اختلاف و پیـروی ظن هست مراد ابوبکر و عمر و عثمان و سائر ائمه ضـلالـت سـت که مخالفت رسول اور اوتابع شدند رایهای واجتهادات خودرابے راهنمائی از جانب الله تعالیٰ و دعوی کـردنـد خـلافت رسول رابے برهانے از جانب الله تعالیٰ ونه وصیتے از جـانـب رسـول اوپناه می دهم ترابالله تعالیٰ اے بـرادرم ازاینکه واقع درروزگار امام محمد باقر نمی شودچه درروز گـار امـامـت امام جعفر صادق شد بعدازاں اشك داد چشم امام محمد باقر و جاری شد اشکهای اوبعد ازاں گفت الـلـه تـعـالیٰ قاضی ست میان اوومیان جمے که دریدند پرده مـارا۔ بیـان شـرك ائمه ضلالت و جمعے که براراه ایشان می رونـده باشند و منکر دانسته شدند حق مارا که اطاعت باشند خـواه درامـر به صبر وتقیه و خواه در غیرآں وفاش کردندراز مـارا کـه دعـوی امـامت باشدو نسبت دادند مارا بغیر مرتبه بـزرگـی مـابـایں معنی که باعث ایں شدند که در سال صدو چهـل هـجـری اظهـار دولـت حـق نشود چنانچه می آیددر حـدیـث اول بـاب هشتـاد ویـکم و گفتند در ما چیزے راکه نـگـفتیم در خود اشارت بایں ست که خیال ایشاں این است کـه مـابـاوجـود افشـای سـراراده خـروج داریم وایں باعث آزارمـامـی شود و حال آنکه ما اراده آں نداریم تا وقت ظهور مهدی موعود .))

''کیا تمہاری خواہش یہ ہے کہ تم ان لوگوں کی ملت کی تجدید کرو جو آیات الٰہی کے

منکر ہیں اور اپنے خیال وظن سے آیت الٰہی کو کام میں لاتے ہیں، یعنی ابوبکر، عمر، عثمان اور دیگر ائمہ ضلالت و گمراہ جنہوں نے رسول کی مخالفت کی اور اپنی رایوں کی پیروی کی اور بغیر اجازت الٰہی خود ہی اجتہاد کیا اور اللہ کی دلیل کے بغیر خلافت رسول کے مدعی ہو گئے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلیفہ بنانے کی کوئی وصیت نہیں کی، اے بھائی! اللہ سے پناہ مانگو، جبکہ امام محمد باقر نہ ہوں گے اور امام جعفر صادق امام ہوں گے اس کے بعد امام محمد باقر نے روتے ہوئے کہا ہمارے اور ان کے درمیان اللہ فیصلہ کرے گا جنہوں نے ہماری پردہ دری کی اور ائمہ گمراہی وشرک کے پیشرو ہیں اور ہمارے حقوق کا انکار کرتے ہیں ہر حال میں خواہ صبر ہو یا تقیہ ہو۔ آہ! انہوں نے ہمارا راز فاش کر دیا اور خود امامت کے مدعی بن بیٹھے اور مرتبہ بزرگی حاصل کیے بغیر ہم کو بزرگی سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ سن ۱۴۰ میں حق کی حکومت نہ ہوگی، جیسا کہ حدیث اول کے باب ۸۱ میں ہے اور ہمارے متعلق ایسی باتیں کہیں جو ہم نے نہیں کہی تھیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا خیال ہے کہ افشائے راز کے باوجود ہمارا ارادہ خروج کا ہے جو ہمارے آزار کا سبب بھی ہے، حالانکہ امام مہدی کے ظہور تک ہمارا خروج کا ارادہ نہیں ہے۔‘‘

یہ کہہ کر امام محمد باقر کی آنکھوں سے پانی جاری ہونے لگا اور فرمانے لگے کہ خدا فیصلہ کرنے والا ہے ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے ہماری پردہ دری کی اور ہمارے حق و اطاعت جو ان پر فرض ہیں اس کے منکر ہیں یا صبر و تقیہ جس کا حکم ہے اس کے سبب سے ہم پر انکار کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس بات کا ہوگا کہ حضرت زید شہید مدعی امامت تھے اور امام محمد باقر اپنے بھائی زید کو دعویٰ امامت اور خروج بالسیف کے سبب سے قیامت کے دن مستحق عذاب الٰہی جانتے تھے اور انہیں ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے طریقوں کی تجدید کرنے والا اور منجملہ ائمہ ضلالت سمجھتے تھے۔

اب یہ امر دیکھنا ہے کہ حضرات علمائے امامیہ حضرت زید شہید کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں اور اس دعویٰ امامت کی نسبت جو انہوں نے کیا تھا کیا فرماتے ہیں، اور باوجود اس دعویٰ کے ان کو فسق اور کفر سے کیوں کر بچاتے ہیں۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ عموماً حضرات شیعہ کا اعتقاد حضرت زید شہید کی نسبت اچھا ہے اور ان کو حضرت امام باقر کے بعد افضل اور صاحب ورع وعبادت سمجھتے ہیں اور دعویٰ امامت کی نسبت فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے لیے نہیں کیا بلکہ وہ اپنے بھائی امام محمد باقر ہی کو امام سمجھتے تھے اور ان کا خروج اپنی امامت کے لیے نہ تھا بلکہ اس کا سبب ہی دوسرا تھا۔ جناب مولانا مولوی دلدار علی صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں جس میں زید شہید کے دعویٰ امامت کا ذکر ہے، فرماتے ہیں:

((شیخ مفید در ارشاد خودمی فرماید که زید بن علی بعد امام باقر افضل برادران و صاحب ورع و عبادت و فقاهت بوده و به سخاوت و شجاعت موصوف و خروج به شمشیر نموده وامر به معروف و نهی از منکر کرد و طلب خون جناب سید الشهداء می نمود، وبسیارے از شیعان اعتقاد با مامت او داشتند و نشا ایں اعتقاد آنها ایں بود که چوں دیدند که اوخروج به شمشیرنمود ودعویٰ می کرد بطرف الرضاء من آل محمد گمان کردند که مراداوازیں صرف نفس خودست و چنیں نبودچه عارف بود بایں که منصب امامت حق برادر بزرگوار او جناب امام محمد باقر است واو وصیت کرده بوددر آخر وقت به حضرت صادق و سبب خروج اوایں بود که روزے پیش هشام بن عبدالملك که خلیفه وقت بودرفت، خلیفه امر نمود باهل شام کی در مجلس او حاضر بودند که چناں در مجلس تنگی نمائید که

زید تا پیش خلیفه نرسدزید گفت که هیچ یك از بندگان خدا فوق این نیست که وصیت به تقوی نماید و من تراوصیت می کنم به پرهیز گاری ، هشام گفت که توخودرا از اهل خلافت می پنداری و حالانکه توازام ولدی ، زید گفت مادر جناب حضرت اسمٰعیل ام ولد بودو حال اینکه مرتبه نبوت نزدیك خدا فوق تراز مرتبه خلافت ست ، وچون هشام زیدرا از لشکر خود بیرون کردزید در کوفه آمده خروج نمود و مردمان بسیار باوبیعت کردند و آخر نقض بیعت نمودند و اوشهید شد ، چون خبر شهادت اور بجناب صادق رسید بسیار غمگین وملول گردید و کسانیکه بازید شهید شده بودندلك دینار بورثه آنها حضرت صادق از مال خود تقسیم نمود۔ انتهی۔ وچون عبدالکاذب الغادر میان هشام بن الحکم و هشام بن عبدالملك امتیاز ننموده این مناظره رابر مناظره امامت رجما بالغیب حمل نموده......)) انتهی .

”شیخ مفید کا ارشاد ہے کہ امام محمد باقر کے بعد زید بن علی اپنے بھائیوں کی بہ نسبت صاحب تقویٰ وعبادت تھے، بڑے سخی اور بہادر تھے، شمشیر بہ کف ہوکر خروج کیا امر معروف اور نہی منکر کرتے تھے اور حضرت سید الشہداء کا خون بہا مانگتے تھے، اکثر شیعہ ان کی امامت کے معتقد ہیں اور اس اعتقاد کا منشا و مطلب یہ تھا کہ جب انہوں نے زید شہید کو تلوار لیے خروج کرتے اور آل محمد کی جانب سے امامت کا مدعی دیکھا تو سمجھے کہ اس سے ان کا صرف نفس مراد ہے حالانکہ وہ نفس پرورنہ تھے، بلکہ اس امر کے اقراری تھے کہ امامت کا حق ان کے بڑے بھائی امام محمد باقر کو ہے جو مرتے وقت اپنے بیٹے محمد صادق کی امامت کی وصیت کر گئے تھے،

زید کے خروج کرنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک دن خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک کے پاس گئے اور خلیفہ نے شامیوں کو حکم دیا کہ اس طرح مجلس میں تنگی پیدا کریں اور جمع ہو جائیں کہ زید اس کے پاس نہ پہنچنے پائیں، اس پر زید نے کہا کہ کوئی بندہ خدا ایسا نہیں ہے جو خوف الٰہی کا حکم دے اور اے خلیفہ! میں تمہیں پرہیز گاری کا حکم دیتا ہوں، خلیفہ نے جواباً کہا: اے زید! تم اپنے کو خلافت کا اہل سمجھتے ہو حالانکہ تم لونڈی زادہ ہو۔ اس پر زید نے کہا کہ حضرت اسمٰعیل کی جانب میں تو لونڈی زادہ ہوں اور حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک خلافت کی بہ نسبت نبوت کا درجہ بلند ہے، پھر جب ہشام نے اپنے لشکر سے زید کو باہر نکال دیا تو زید نے کوفہ میں آکر خروج کیا، اکثر لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی مگر آخر میں بیعت توڑ دی اور پھر زید شہید ہو گئے، جب ان کی شہادت کی اطلاع امام جعفر صادق کو ملی تو وہ سخت غمگین اور ملول ہوئے اور جو لوگ زید کے ساتھ شہید ہوئے تھے ان کے ورثا کو ایک لاکھ اشرفیاں امام صادق نے اپنی دولت میں سے تقسیم کیں اور چونکہ عبدالکاذب بے وفا نے ہشام بن حکم اور ہشام بن عبدالملک میں کوئی فرق و امتیاز نہیں برتا، اس لیے مناظرہ کو مناظرہ امامت کی حیثیت سے بغیر علم و واقفیت کے محمول کیا ہے۔''

اگرچہ جناب قبلہ وکعبہ نے حضرت زید شہید کو کفر سے بچانے کے لیے بہت کوشش کی مگر وہ اس بات کو ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہوئے کہ حضرت زید شہیدؒ نے امامت کا دعویٰ نہ کیا تھا اور نہ اس امر کے ثبوت پیش کرنے میں کہ حضرت زید شہیدؒ اور امام محمد باقر کو امام سمجھتے تھے، بلکہ ان روایتوں کے دیکھنے کے بعد جو ہم نے اصول کافی سے اوپر نقل کی ہیں قبلہ کعبہ کی تحریر پر ((الغریق یتشبث بکل حشیش)) ''ڈوبنے والا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔'' صادق آتا ہے اور حضرت کا باوجود فائز ہونے درجہ امامت پر منکر امامت نہ سمجھنا ایک ایسا قول ہے جو ان تاریخی واقعات سے جو پایۂ ثبوت پر پہنچے ہوئے ہیں مطابق نہیں ہوسکتا۔ اور ایک زید شہید

پر کیا منحصر ہے کون سا امام ہے جس کی اولاد نے اپنے لیے امامت کا دعویٰ نہیں کیا۔ چنانچہ زید شہیدؒ کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ نے اور امام موسیٰ کاظم کے بعد ان کے فرزند ابراہیم اور جعفر نے اور حسن بن حسن مثنیٰ اور ان کے بیٹے عبداللہ اور ان کے فرزند محمد ملقب بہ نفس زکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ او زکریا ابن محمد باقر اور محمد بن عبداللہ بن الحسین بن الحسن اور محمد بن القاسم بن الحسن اور یحییٰ بن عمر و وغیرہ نے ائمہ کرامؒ کی اولاد میں سے امامت کا دعویٰ کیا اور اکثر نے خروج فرمایا اور شہید ہوئے۔

کیا ان تاریخی واقعات کی تکذیب ہوسکتی ہے بلکہ وہ اختلاف جو امامت کے مسئلے کی وجہ سے پڑا اور جس کے سبب سے شیعوں کے بہت سے فرقے ہو گئے وہ سب اس بات پر شاہد ہیں کہ ائمہ علیہم السلام کی اولاد نے کبھی امامت کو اصول دین سے نہیں سمجھا اور نہ منکر امامت کو مثل منکر نبوت کے خیال کیا۔ اگر ائمہ کرام کی اولاد کا یہ عقیدہ ہوتا کہ امامت مثل نبوت کے ہے اور ہر امام نے اپنے بعد ایک ہی کو اپنی اولاد میں سے امام بنایا اور اسی کے لیے امامت کی وصیت فرمائی اور ہر ایک امام اپنی اولاد کو اس وصیت سے اطلاع دیتا رہتا اور منکر امامت کو مثل منکر نبوت کے کافر ٹھہراتا تو کیا ممکن تھا کہ ائمہ کرام کی اولاد اطہار اپنے باپ کی وصیت نہ مانتی اور امام برحق کو امام برحق نہ سمجھتی اور خود امامت کا دعویٰ کرتی۔ وہ اختلاف جو امامت کے مسئلے سے شیعوں میں ہوا ہے اور جس سے بہت سے فرقے اس مذہب میں پیدا ہو گئے ہیں نہ ہوتا اور نہ یہ مختلف فرقے پیدا ہوتے؛ حالانکہ اختلاف کی یہ کیفیت ہے کہ ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ حضرت علی عَلَیہِ السّلَام کے بعد ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ امام ہیں اور یہ کیسانیہ فرقہ ہے۔ پھر محمد بن حنفیہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ہی نہیں ہوا اور بعض ان کے انتقال کے قائل ہیں، مگر یہ کہتے ہیں کہ امامت ان کے بیٹے ابو ہاشم کو منتقل ہوئی۔ اور جو دادا نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ساتواں امام قائم ہے اور وہ صاحب توریت کے ہم نام ہوگا۔

غرض کہ اس طرح اس مسئلہ امامت میں صرف اس وجہ سے اختلاف ہے کہ کسی امام

کی اولاد نے بالاتفاق کسی خاص امام کی امامت پر اتفاق اور امامت کے دعوے سے احتراز نہیں کیا۔صرف حضرات اثنا عشری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت امام مہدی علیہ السلام تک بارہ اماموں کے معتقد ہیں اور ان کے عقیدے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ باقی اور امام زادے جنہوں نے امامت کا دعویٰ کیا یا امام برحق کو امام نہیں مانا وہ سب کے سب نعوذ باللہ کافر اور مخلد فی النار ہیں۔

❀❀❀❀

ضمیمہ مسئلہ امامت

(از......شیخ محمد فراست)

گزشتہ صفحات میں مؤلف آیات بینات رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کیا ہے کہ شیعوں کے خودساختہ عقیدہ امامت ((منصوص من اللّٰہ و مفترض الطاعة)) سے خود خاندانِ رسالت کے افراد بھی بے خبر تھے اور انہوں نے ہمیشہ اپنے قول وعمل سے ان نظریوں کو غلط ثابت کیا ہے۔اس کے لیے انہوں نے بطور ثبات اصول کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ کے باب ۷۹ صفحہ ۲۱۸ سے اس مکالمے کو پیش کیا ہے جو واقعہ کربلا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند محمد حنفیہؒ اور ان کے بھتیجے حضرت علی بن حسین (زین العابدینؒ) کے بیچ مسئلہ امامت پر مکہ میں ہوا تھا۔اس مکالمے سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ محمد حنفیہؒ امامت کی حقیقت سے بالکل بے خبر تھے، انہیں یہ تک نہیں معلوم تھا کہ وصیت اور امامت کو اللہ نے اولادِ حسین میں قرار دیا ہے۔

قاضی نور اللہ شوستری نے ''مجالس المومنین'' میں ''کتاب الخرائج'' کے حوالہ سے اس واقعہ کی یہ تاویل کی ہے:

> ''چونکہ چند افراد نے حضرت محمد بن حنفیہؒ کو امام سمجھنا شروع کر دیا تھا، اس لیے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ اس معاملے کا فیصلہ بر سر عام کرا دیا جائے تاکہ کوئی شخص گمراہی میں مبتلا نہ ہو سکے۔''

(ترجمہ اردو مجالس المومنین صفحہ ۴۰۷ ناشر اکبر حسین جیواتی ٹرسٹ، کراچی)

قاضی کی یہ تاویل نہ صرف یہ کہ خلاف واقعہ اور رکیک ہے بلکہ تعجب خیز بھی ہے جو ان جیسے فاضل کو زیب نہیں دیتی۔ ارے جناب! اس روایت میں اس طرح کی کسی تاویل کی

گنجائش ہی کہاں ہے، اس تاویل کا جواب تو خود روایت میں موجود ہے کہ یہ گفتگو چچا اور بھتیجے کے درمیان تنہائی میں ہوئی تھی جہاں بھتیجے صاحب امامت کے مسئلہ میں اپنے چچا کے عقائد کی اصلاح فرما رہے تھے، وہاں دوسرے افراد کہاں موجود تھے؟ دورانِ گفتگو جب چچا نے بھتیجے سے کہا کہ:

((انا عمك وصنو ابيك وولادتی من علی علیه السلام فی سنی و قدیمی احق بهامنك فی حداثتك فلا تنازعنی فی الوصية والامامة ولا تحاجنی فقال له علی بن الحسين علیه السلام يا عم اتق الله ولا تدعی ما ليس لك بحق انی اعظك ان تكون من الجاهلين .)) (الحجة صفحه ٣١٤)

''میں تمہارا چچا ہوں تمہارے باپ کا بھائی ہوں اور علی کا بیٹا، بلحاظ عمر تم سے بڑا ہوں، پس امر وصیت اور امر امامت میں مجھ سے جھگڑا نہ کرو۔ تو حضرت علی بن الحسین نے فرمایا: اے چچا! اللہ سے ڈرو اور اس چیز کا دعویٰ نہ کرو جس کے تم حق دار نہیں ہو، میں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ بنو۔''

روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حجر اسود کی گواہی سے محمد حنفیہؒ عقیدۂ امامت کے قائل ہو گئے تھے، مگر اس ضمیمہ سے کچھ فرق نہیں پڑتا، کیونکہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ محمد حنفیہؒ نہ تو خود کو معصوم مانتے تھے نہ مفترض الطاعۃ اور نہ اولاد حسین رضی اللہ عنہ میں ہونے کے دعوے دار تھے، پھر بھی دعوے دارِ امامت تھے، اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ وہ ان تمام شرائط سے بے خبر تھے جو شیعوں نے امامت کے لیے ضروری قرار دی ہیں۔

بہ فرض محال اس روایت کے برخلاف مان بھی لیا جائے کہ اس گفتگو کی وجہ وہی تھی جو قاضی نور اللہ شوستری نے بیان کی ہے تو اس بات سے یہ بھی تو ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک شیعوں کے ذہن میں عقیدۂ امامت کا کوئی واضح تصور موجود نہیں تھا۔ (اور یہی حقیقت ہے) اسی لیے وہ بہت جلد فتنوں میں مبتلا ہو کر گروہ در گروہ بٹ جاتے تھے۔ جیسے کہ حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو لوگ خفیہ طور پر عقیدۂ امامت کی تبلیغ کرتے تھے ان کے چند فرقے ہو گئے۔ ایک گروہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں کی امامت کا منکر ہو گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر حضرت حسن کی مصالحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ جائز تھی تو یزید بن معاویہ کے مقابلہ میں حضرت حسین کا خروج ناجائز تھا، اور اگر حضرت حسین کا خروج جائز تھا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہم اجمعین کی مصالحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ناجائز تھی۔ تیسری صدی ہجرت کے مشہور شیعہ عالم ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی اپنے رسالہ "فرق الشیعة" میں لکھتے ہیں:

((پس درکار آں دودر گمان شدند، واز امامت آناں باز گشتند و در گفتار باتودۂ مردم داستان گردیدند.))

(فرق الشیعہ صفحہ ۴۷)

"یہ لوگ ان دونوں بزرگوں کے متضاد طرزِ عمل سے بدگمان ہو گئے اور ان دونوں کی امامت سے پھر گئے اور عقیدے میں عام لوگوں کے ساتھ ہم داستاں ہو گئے۔"

دوسرے گروہ نے محمد بن علی (ابن حنفیہؒ) کی امامت کا علم بلند کیا۔ تیسرا گروہ، ان لوگوں کا تھا جو امام زین العابدین کی امامت کا قائل تھا اور یہ چند اشخاص تھے۔ رجال کشی میں امام صادقؒ سے نقل کیا ہے:

((ابی عبدالله قال ارتد الناس بعد قتل الحسین الاثلاثة ابو خالد الکابلی و یحییٰ بن ام الطویل و جبیر بن مطعم، ثم ان الناس لحقوا و کثروا))

"قتل حسین علیہ السلام کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے، یعنی ابو خالد کابلی، یحییٰ بن ام الطّویل اور جبیر بن مطعم' بعد میں لوگ آملے اور زیادہ ہو گئے۔"

چوتھا گروہ: ان لوگوں کا تھا جو اس کے قائل تھے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے بعد امامت ختم ہو گئی،

امام بس یہی تین تھے۔ حضرت علی، حضرت حسن، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین یہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کی امامت کے قائل نہیں تھے۔ (فرق الشیعہ ،صفحہ ۸۴)

پانچواں گروہ: ان لوگوں کا تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ امامت صرف اولاد حسین رضی اللہ عنہ کا حق نہیں بلکہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما دونوں کی اولاد میں جو بھی امامت کے لیے کھڑا ہو جائے اور لوگوں کو اپنی طرف اعلانیہ دعوت دے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح امام واجب الاطاعت ہے، جو شخص اس سے سرتابی کرے یا اس کے مقابلے میں لوگوں کو اپنی امامت کی دعوت دے وہ کافر ہے۔اسی طرح حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد میں جو شخص امامت کا دعویٰ کرے مگر دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے وہ اور اس کے تمام پیروکار مشرک و کافر ہیں۔

(فرق الشیعہ ،صفحہ ۸۵)

ان حالات کا علی بن حسین رضی اللہ عنہ (زین العابدینؒ) نے بہ چشم خود مشاہدہ کیا ہوگا، اس لیے عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ دین کے اتنے اہم اور ضروری عقیدے کی وضاحت عیدین، حج یا کسی اور بڑے مجمع میں فرما دیتے تاکہ عوام الناس ان کے چچا (محمد بن حنیفہؒ) کی طرح اس عقیدے سے بے خبر نہ رہتے۔اور اگر مجمع عام میں اعلان کرنے سے کوئی مصلحت مانع تھی تو بنو ہاشم یا اولادِ حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے ہی اس مسئلہ پر روشنی ڈال دیتے اور ان تمام نصوص کو عام کر دیتے جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اماموں کی نام بہ نام تصریح فرمائی تھی، یا پھر مومنین کرام کو زمرد کی اس تختی کی ہی زیارت کرا دیتے جسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا اور جس میں سارے ائمہ کے نام درج تھے۔اس تختی کا قصہ جو کہ اصول کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۳۰۲ء کے صفحہ ۳۴۳۔۳۴۴ پر درج ہے۔وہ اس طرح ہے:

((عن ابی بصیر عن ابی عبدالله علیه السلام قال: قال الجابر بن عبدالله الانصاری ان لی الیك حاجة فمتی یخف علیك ان اخلوبك فاسئلك عنها ، فقال له جابر: ای الاوقات احببته ، فخلا به فی بعض الایام فقال له: یا جابر اخبر نی عن

الـلوح الذی رأیته فی یدامی فاطمة علیها السلام بنت رسول الله ﷺ ومـا اخبـر تك به امی فی ذالك اللوح مكتوب؟ فقال جـابـر اشهـدبالله انی دخلت علی امك فاطمة علیها السلام فـی حیاة رسول الله ﷺ فهـنیتهـا بولادة الحسین ورایت فی یـدهـا لوحاً اخضر ظننت انه من زمردورأیت فیه كتاباً ابیض شبه لون الشمس فقلت لها با بی وامی یا بنت رسول الله ﷺ مـا هذ اللوح؟ فقالت هذا للوح اهداه الله الی رسول الله ﷺ فیـه اسـم ابـی و اسـم عـلـی واسم ابنی و اسم الاوصیاء من ولدی و اعطانیه ابی لیبشرنی بذلك فقال جابر: فاعطنیه امك فـاطمة علیها السلام فقرأته و استنسخته فقال له ابی فهل لك یـا جـابـر ان تـعـرضه علی قال نعم فمشی معه ابی الی منزل جـابـر فـاخـرج صحیفة من رق فقال یا جابر انظر فی كتابك لاقـرأ (انـا) عـلیك فنظر جابر فی نسخته فقرأ ابی فما خالف حـرف حـرفـا، فـقال یا جابر فاشهد بالله انی هكذارأیته فی اللوح مكتوباً.))

(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد۳ مطبوعہ کراچی صفحہ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷)

’’ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میرے پدر بزرگوار نے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میری ایک ضرورت ہے آپ کب ہم سے تنہائی میں مل سکتے ہیں تا کہ میں وہ بات آپ سے پوچھ لوں؟ جابر نے کہا جو وقت آپ چاہیں، چنانچہ ایک دن ان سے تنہائی میں ملاقات کی۔ آپ نے فرمایا: اے جابر! مجھے اس لوح کے متعلق بتاؤ جسے آپ نے میری جدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے پاس دیکھا تھا، انہوں نے اس

لوح میں کیا لکھا ہوا بتایا تھا، جابر نے کہا: میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں حیات رسول ﷺ میں آپ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کی مبارک باد دینے، میں نے ان کے ہاتھ میں ایک سبز لوح دیکھی، میرے گمان میں وہ زمرد کی تھی اور اس پر سورج کی طرح روشن ایک تحریر تھی، میں نے کہا اے بنت رسول! یہ لوح کیا ہے؟ فرمایا: یہ اللہ نے اپنے رسول کے پاس بھیجی ہے اس میں میرے باپ کا نام ہے علی کا نام ہے، میرے دونوں بیٹے اور ان اوصیاء کے نام ہیں جو میرے فرزند کی نسل سے ہوں گے، آنحضرت ﷺ نے مجھے عطا فرمائی ہے تاکہ میں اسے دیکھ کر خوش ہو جاؤ۔ جابر نے کہا کہ آپ کی ماں فاطمہ نے وہ تختی مجھے دی میں نے اسے پڑھا اور لکھ لیا۔ میرے والد نے فرمایا: اے جابر! کیا تم وہ تحریر مجھے دکھا سکتے ہوں، انہوں نے کہا: جی ہاں، میرے والد جابر کے ساتھ ان کے گھر تک گئے، جابر نے وہ صحیفہ پوست پر لکھا ہوا نکالا، حضرت نے فرمایا میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں تم اپنی تحریر سے مقابلہ کرتے جاؤ، میرے والد نے پڑھا تو کوئی ایک حرف بھی بدلا ہوا نہ تھا، جابر رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں خدا کے سامنے کہ میں نے اس لوح میں یہی لکھا ہوا دیکھا تھا۔"

اس روایت میں آگے زمرد کی اس تختی کی پوری عبارت درج ہے جس میں بارہ اماموں کو نام بنام ان کے اوصاف کے ساتھ نام زد کیا گیا ہے۔ اگر اس مکالمہ سے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما (زین العابدینؒ) کا مقصد دوسرے لوگوں کو گمراہی سے بچانا تھا (جیسا کہ قاضی صاحب نے دعویٰ کیا ہے) تو پھر اس کے لیے مندرجہ بالا طریقے ہی مناسب تھے نہ کہ اپنے چچا سے تنہائی میں گفتگو کرنا۔

شیعوں کو گمراہی اور فرقہ بندی سے بچانے کے لیے اگر حضرت علی بن حسین عقیدۂ امامت کا بہ بانگ دہل اعلان فرما دیتے تو اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ بھی ادا ہو جاتا اور کم از کم شیعوں میں وہ اختلافات تو رونما نہ ہوتے جو کہ عقیدۂ امامت کے متعلق بعد کے زمانوں میں

پیدا ہوتے رہے اور جس کے نتیجہ میں ہر امام کی وفات کے بعد نئے نئے فرقے وجود میں آتے رہے اور امام زادے ایک دوسرے کو گمراہ اور بے دین قرار دیتے رہے۔

صاحب آیات بینات رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری مثال میں اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ کتاب الحجۃ صفحہ ۱۰۰ سے وہ گفتگو نقل کی ہے جو کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے سیدنا حضرت زین العابدینؒ کے بیٹے حضرت زید شہیدؒ اور امام جعفر صادقؒ کے ایک خاص شاگرد ابو جعفر احول محمد بن نعمان کے درمیان عقیدۂ امامت پر اس زمانے میں ہوئی تھی، جب حضرت زید شہیدؒ بن زین العابدینؒ [1] نے اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک بن مروان کے خلاف خروج کیا تھا، ابو جعفر احول نے جب ان کے سامنے عقیدۂ امامت کے کچھ اصول بیان کیے تو انہوں نے ان کو جھٹلاتے ہوئے فرمایا:

((قال فقال لی یا ابا جعفر کنت اجلس مع ابی علی الخوان فیلقمنی الضعة السمینة ویبردلی اللقمة الحارة حتیٰ شفقة علی ولم یشفق علی من حر النار؟ اذا اخبرك بالدین ولم یخبرنی به؟ .)) (الشافی ترجمہ اصولی کافی جلد ۲ مطبوعہ کراچی، کتاب الحجۃ صفحہ ۱۸، ۱۹)

”(احول کہتا ہے) انہوں نے مجھ سے کہا اے ابو جعفر! تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب میں اپنے باپ کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھتا تھا تو وہ لقمے میرے منہ میں دیتے تھے اور عمدہ گوشت کی بوٹیاں مجھے کھلاتے تھے اور گرم لقموں کو پھونک کر ٹھنڈا کرتے تھے تا کہ گرم نہ کھاؤں...... یہ شفقت تھی میرے حال پر، تو جب کھانے کی گرمی میرے لیے برداشت نہ کرتے تھے تو کیا دوزخ میں جانا میرے لیے برداشت کر لیتے؟ بایں طور کی دین کی تجھ کو خبر دی اور مجھ کو خبر نہ دی؟؟“

---

[1] حضرت زید شہیدؒ نے امام محمد باقرؒ اور جعفر صادقؒ کے منع کرنے کے باوجود ۲۲ ہجری میں خلیفہ اموی ہشام بن عبدالملک بن مروان کے خلاف چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ خروج کیا تھا، شیعہ سبیہ میں سے تیس ہزار افراد نے عین موقع پر ان سے اس لیے بے وفائی کی تھی کہ حضرت زید شہیدؒ بن زین العابدینؒ شیخین رضی اللہ عنہما کو محبوب رکھتے تھے۔

مندرجہ بالا سطور میں حضرت زید شہیدؒ نے خود اقرار کیا ہے کہ ان کے والد بزرگوار سید الساجدین حضرت زین العابدینؒ نے انہیں عقیدۂ امامت کی تعلیم نہیں دی تھی۔ اسی بات سے معمولی عقل وفہم والا آدمی بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ عقیدۂ امامت کا دین اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، اگر یہ دین کا کوئی اصول عقیدہ ہوتا تو حضرت زین العابدینؒ اپنے بیٹے کو اس کی تعلیم ضرور دیتے۔ مومنین کرام میں سے کیا کوئی شخص گھڑی بھر کو بھی اس بات کا تصور کر سکتا ہے کہ جو لوگ ہدایت کرنے اور گمراہی سے بچانے پر مامور تھے، وہ کیا اپنے ہی بیٹے کو اتنے اہم اور ضروری عقیدے کی تعلیم نہ دے کر گمراہی میں مبتلا کرنے کا گناہ اپنے سر لے سکتے تھے؟ کیا یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ حضرت زین العابدینؒ اپنے چچا کے عقائد کی تو اصلاح فرما دیں اور اپنے فرزند کو اس عقیدے کی خبر بھی نہ ہونے دیں۔

ناظرین کرام! اب ہم اس سے بھی زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز روایت اصول کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ کے صفحہ ۲۸۸ سے نقل کرتے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سگی چچی علیؓ بن ابی طالب کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا بھی عقیدۂ امامت سے بے خبر تھیں۔

ذیل میں اس روایت کا ضروری حصہ نقل کیا جاتا ہے:

((فلما فرغن من غسلها و كفنها دخل ﷺ فحمل جنازتها على عاتقه فلم يزل تحت جنازتها حتى اوردهاقبر و ضعهاو دخل القبر فاضطجع فيه ثم قام فاخذها على يديه حتى و ضعها فى القبر ثم انكب عليها طويلا يناجيها و يقول لها ابنك ابنك (ابنك) ثم خرج و سوى عليها ثم انكب على قبرها فسمعوه يقول لااله الا الله اللهم انى استودعها اياك ثم انصرف فقال له المسلمون: انارأيناك فعلت اشياء لم تفعلها قبل اليوم فقال اليوم فقدت برابى طالب ان كانت ليكون

عندها الشیی فتوثرنی به علی نفسها و ولدهاوانی ذکر القیامة و ان الـنـاس یـحشرون عراة فقالت واسوأتاه فضمنت لها ان فضمنت لها ان یبعثها الله کاسیة و ذکرت ضغطة القبر فقالت و اضـعفاء فضمنت لما ان یکفیها الله ذالك فکفنتها بقمیصی واضطجعت فی قبرها لذالك وانکببت علیها فلقنتها ما تسئل عـنـه فـانهـا سـئـلـت عـن ربها فقالت وسئلت عن رسولها فـاجابت وسئلت عن ولیها و امامها فارتج علیها فقلت ابنك ابنك (ابنك) . ...))

(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد۳ مطبوعہ کراچی، کتاب الحجۃ صفحہ۳۱۔۳۲)

’’جب وہ غسل سے فارغ ہوئیں تو حضرت آئے اور جنازہ اپنے کندھے پر اٹھایا، آپ برابر جنازہ اٹھائے چلے جارہے تھے یہاں تک کہ قبر کے پاس لائے اور اسے رکھ دیا اور خود قبر میں داخل ہوئے اور اس میں لیٹے، پھر میت کو اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور قبر میں رکھا، پھر اس پر جھک کر دیر تک کچھ کہتے رہے، پھر فرمایا: تمہارا بیٹا، تمہارا بیٹا، تمہارا بیٹا، پھر قبر سے نکل آئے اور قبر بند کردی، پھر قبر پر جھکے اور فرمایا: لاالٰہ الا اللہ، خدا وندا، ان کو میں نے تیرے سپرد کیا، پھر لوٹ آئے، مسلمانوں نے کہا: آج آپ نے وہ کام کیا جو اس سے پہلے نہیں کیا تھا؟ فرمایا: آج میں نے ابوطالب کی نیکی کو گم کردیا ہے اگر ان کے پاس کوئی چیز ہوتی تھی تو مجھے اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر ترجیح دیتی تھیں، میں نے ان سے ذکر کیا کہ قیامت کے دن لوگ برہنہ محشور ہوں گے، انہوں نے کہا: ہائے رسوائی میں ضامن ہوا اس کا کہ خدا ان کو آسیہ کی طرح محشور کرے گا، اور میں نے قبر کی تنگی کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا ہائے ضعیفی، میں ضامن ہوا اس کا کہ اللہ اس سے بچائے گا، پس میں نے ان کو اپنی قمیض کا کفن دیا اور ان کی قبر میں لیٹا اور ان کی قبر پر

جھک کر تلقین کی ان سوالات کے جوابات کی جو ان سے پوچھے گئے، ان سے سوال کیا گیا رب کے متعلق انہوں نے جواب دیا، پھر سوال رسول کے متعلق کیا، انہوں نے جواب دیا، پھر سوال کیا ولی اور امام کے متعلق اس پر وہ خاموش ہوئیں، میں نے کہا وہ آپ کا بیٹا، آپ کا بیٹا ہے۔“

امام جعفر صادق کی اس روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدۂ محترمہ نے اللہ اور رسول سے متعلق سوالوں کے جواب تو دے دیے، لیکن جب ولی اور امام کے متعلق سوال ہوا تو وہ خاموش ہو گئیں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں بتانا پڑا کہ تمہارا بیٹا تمہارا بیٹا۔

ہوسکتا ہے کہ مومنین کرام میں کوئی یہ جواب دے کہ اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدۂ امامت کی تبلیغ نہیں فرمائی تھی، تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ نعوذ باللہ غلطی کس سے ہوگئی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا فرشتوں سے کہ جس عقیدے کی تعلیم ہی نہیں دی گئی تھی اس کے جواب کی انہیں زحمت کیوں دی گئی؟

اب تصویر کا ایک رخ تو وہ ہے جو کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان ہوا ہے جس کے مطابق خود اہل بیت کرام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ تک کو اس عقیدۂ امامت کی معرفت نہیں حاصل تھی۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس عقیدے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ یہ حضرات اس سے ضرور واقف ہوتے۔

دوسرا رخ یہ ہے کہ شیعوں نے اس عقیدہ کو توحید، رسالت و قیامت کی طرح اصول دین میں شامل کر کے نجات اخروی کے لیے اس عہدے پر فائز اماموں کی معرفت کو ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ اصول کافی صفحہ ۱۰۱ ”باب معرفت الامام و الرد الیہ“ میں امام باقرؒ یا جعفر صادقؒ سے روایت ہے:

((الحسین عن معلیٰ عن الحسن بن علی عن احمد بن عائذ عن ابیه عن ابن اذنیه قال حدثنا غیر واحد عن احدهما علیهما السلام انه قال یایکون العبد مومنا حتیٰ یعرف الله ورسوله

والائمة کلهم وامام زمانه و یرد الیه ویسلم له، ثم قال کیف یعرف الاخر و هو یجهل الاول.)) (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد۲صفحہ۳۰)

''ابن اذنیہ سے مروی ہے کہ ایک سے زیادہ لوگوں نے امام محمد باقر علیہ السلام یا امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام ائمہ کو نہ پہچانے اور اپنے امام زمانہ کو بھی، اور اپنے معاملات ان کی طرف رجوع کرے اور اپنے کو ان کے سپرد کرے، پھر فرمایا: جو اوّل سے جاہل ہے وہ آخر کو کیا جانے گا۔''

❀❀❀❀

امامت کیا ہے؟

شیعہ نبوت کی طرح امامت کو بھی آسمانی عہدہ مانتے ہیں اور امامت کے لیے ان تمام خصوصیات کے قائل ہیں جو کہ خاصۂ نبوت ہیں، یعنی امام نبیوں کی طرح معصوم ہوتا ہے، اس کا تقرر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس کی اطاعت بھی نبی کی اطاعت کی طرح غیر مشروط فرض ہوتی ہے، اس پر وحی کا نزول ہوتا ہے، اس کو حلال وحرام کا اختیار ہوتا ہے، اسے ((ما کان و ما یکون)) کا علم حاصل ہوتا ہے، حد یہ کہ امام کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے برابر اور تمام نبیوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اس لیے امامت کا عقیدہ ہی شیعوں کا وہ اصل الاصول ہے جو انہیں سوادِ اعظم سے علیحدہ کرتا ہے۔

ہم ذیل میں چند ایسی روایتیں اور علمائے شیعہ کے اقوال نقل کر رہے ہیں جن سے شیعہ مذہب میں امامت کی اہمیت اور ائمہ کے مقام و مرتبہ پر روشنی پڑتی ہے۔

علامہ مجلسی ''بحارالانوار'' جلد ۲۶ صفحہ ۲۸۱ پر امام جعفر صادق سے روایت نقل کرتے ہیں:

((عن ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال مامن نبی ولا من رسول ارسل الا بولا یتنا وفضیلتنا علی من سوانا .))

''ابوبصیر نے امام جعفر صادقؒ سے روایت کی ہے کہ اس وقت تک کسی نبی کو نہ نبی بنایا گیا نہ کسی رسول کو رسول، جب تک کہ اس نے ہماری ولایت اور سب پر فضیلت کا اقرار نہیں کیا۔''

''بحارالانوار'' کی ''کتاب الامامۃ'' کے ایک باب کا عنوان ہے:

((تفضیلھم علیھم السلام علیہ الانبیاء و علی جمیع الخلق و اخذ میثاقھم عنھم و عن الملئکۃ و عن سائر الخلق و ان

اولوالعزم انما صاروا اولی العزم بحبھم صلوات اللہ علیھم .))

''یعنی ائمہ علیہم السلام تمام انبیاء سے اور تمام مخلوق سے افضل ہیں، ائمہ کے بارے میں انبیاء کرام سے، ملائکہ سے اور ساری مخلوق سے عہد لیا گیا، اولوالعزم انبیاء کرام صرف ائمہ کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے اولوالعزم بنے تھے۔''

علامہ مجلسی اس بات میں روایات کا ڈھیر لگانے کے بعد ''عقائد صدوق'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

((اعلم ان ماذکرہ رحمۃ اللہ من فضل نبینا وائمتنا صلوات اللہ علیھم علی جمیع المخلوقات و کون ائمتناعلیھم السلام افضل من سائر الانبیاء و ھوالذی لایرتاب فیہ من تتبع اخبار ھم علیھم السلام علی وجہ الاذعان والیقین والاخبار فی ذالك اکثر من ان یحصی .))

''معلوم ہو کہ صدوق نے جو ذکر کیا ہے ہمارے نبی اور ائمہ صلواۃ اللہ علیہم تمام مخلوقات پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ کہ ائمہ علیہم السلام تمام انبیاء سے افضل ہیں، یہ ایسا عقیدہ ہے کہ اذعان و یقین کے ساتھ اخبار کا تتبع کرنے والا کوئی بھی شخص اس میں شک وشبہ کا شکار نہیں ہوسکتا اور اس بارے میں روایات شمار سے باہر ہیں۔''

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے ''ان الائمۃ علیھم السلام محدثون مفھومون'' میں امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے:

((عن محمد بن مسلم قال: سمعت ابا عبداللہ علیہ السلام یقول: الائمۃ بمنزلۃ رسول اللہ ﷺ الا انھم لیسوا بانبیاء ولا یحل لھم من النساء ما یحل النبی ﷺ فاما ما خلاذالك فھم

فيه بمنزلة رسول الله ﷺ .))

''محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ائمہ رسول اللہ ﷺ کے ہم مرتبہ ہیں، مگر وہ نبی نہیں، جتنی عورتیں نبی کے لیے حلال تھیں اتنی ان کے لیے حلال نہیں، اس کے سوا باقی تمام باتوں میں وہ آنحضرت ﷺ کے ہم مرتبہ ہیں۔''

ملا باقر مجلسی امام جعفر صادقؒ کے اس قوال کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((بيان: يدل ظاهرا علىٰ اشتراكهم مع النبى صلى الله عليه وآله فى سائر الخصائص سوا ماذكر .)) (بحار الانوار صفحہ ۵۰ جلد ۲۷)

''امام کا یہ قول ظاہراً دلالت کرتا ہے کہ ائمہ، نبی کریم ﷺ کی تمام خصوصیتوں میں آپ ﷺ کے شریک ہیں مگر یہ کہ ان کو چار سے زیادہ بیویاں حلال نہیں۔''

ملا باقر مجلسی بحار الانوار ''كتاب الامامت، باب انهم محدثون مفهومون'' میں ائمہ کی مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد روایات ۴۵ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

((بيان استنباط الفرق بين النبى والامام من تلك الاخبار لايخلو من اشكال وكذا لجمع بينهما مشكل جدا، وبالجملة لا بدلنا من الاذعان بعدم كونهم عليهم السلام انبياء و بانهم اشرف و افضل من غير نبينا ﷺ من الانبياء والاوصياء ولا نعرف جهة اتصافهم بالنبوة الا رعاية جلالة خاتم الانبياء، ولايصل عقولنا الى فرق بيّن بين النبوة والامامة ومادلت عليه الاخبار فقد عرفته .)) (بحار الانوار صفحہ ۸۲ جلد ۲۶)

''ان احادیث میں نبی اور امام کے درمیان فرق کا استنباط کرنا مشکل ہے، اسی طرح ان احادیث کے درمیان جمع کرنا بھی نہایت مشکل ہے...... مختصر یہ کہ یہ یقین لازم ہے کہ امام، نبی نہیں ہوتے اور یہ بھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ

دیگر تمام انبیاء، اوصیاء سے اشرف و افضل ہیں، ہمیں ان کے موصوف بالنبوۃ نہ ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں سوائے اس کے کہ خاتم الانبیاء کی جلالت کی رعایت ہو۔ اور ہماری عقلوں کو نبوت اور امامت کے درمیان واضح فرق تک رسائی حاصل نہیں ہوسکتی، اخبار سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تم جان ہی چکے ہو۔“

تعجب ہے کہ علامہ کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آئی کہ جب شیعوں کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے بڑا منصب (منصب امامت و ولایت) امامت کے نام سے عطا کر دیا تو پھر اب انہیں موصوف بالنبوۃ ہونے کی ضرورت کیا رہی؟ کیا کسی آئی، جی پولیس کو داروغہ کے عہدے اور نام کی ضرورت ہوتی ہے؟

شیعہ مذہب کی ایسی ہی روایات کی روشنی میں جناب ملا باقر مجلسی نے یہ فتویٰ صادر فرمایا:

((امامت بالا تراز رتبہ پیغمبر است .)) (حیات القلوب جلد۳ صفحہ۱۰)

”امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔“

اس مضمون کو بیسویں صدی کے سب سے بڑے شیعہ رہنما آیت اللہ العظمیٰ جناب روح اللہ خمینی نے اپنی کتاب ”الحکومۃ الاسلامیۃ“ میں ان لفظوں میں ادا کیا ہے:

((وان من ضروریات مذهبنا ان لائمتنا مقاماً لا يبلغه ملك مقرب ولا نبي مرسل .)) (الحکومۃ الاسلامیۃ، صفحہ۵۲)

”یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے کہ وہاں تک نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی مرسل۔“

ہم کتب شیعہ سے ایسی بیسیوں روایات نقل کر سکتے تھے (بقول علامہ مجلسی ایسی روایات بے شمار ہیں) جن سے امامت کا مرتبہ نبوت کے مرتبے سے بڑا ثابت ہوتا ہے، لیکن موقع کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے انہی چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ منصب نبوت جو کہ امامت سے چھوٹا آسمانی منصب ہے اب زیادہ ترقی یافتہ شکل میں امامت کے عنوان سے جاری و ساری ہے۔

اس طرح رسالت محمدیؐ کی بذات خود کوئی قدر و قیمت نہیں رہ جاتی اور نہ وہ مقصود بالذات ہے، بلکہ وہ مقدمہ ہے امامت ائمہ کا، اس لیے وہ مقصود بالعرض ہے۔

یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں ہے، امامت کے اس تصور سے غیر مسلم علماء نے بھی یہی مطلب اخذ کیا ہے۔ چنانچہ محقق آئینوف (W Ivonow) نے لکھا ہے کہ ''امامت کی روشنی کا دنیا میں جاری وساری رہنا نبوت کو ذیلی مقام عطا کرتا ہے۔''

H.A.R. GIBBS AND J.H.K RAMER SHORT OR ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM LEIDEN 195 P.248.

امامت کے بارے میں فلپ۔ کے۔ ہٹی رقم طراز ہے کہ ''بانی اسلام نے وحی، یعنی قرآن کو انسان اور خدا کے درمیان واسطہ قرار دیا تھا، لیکن شیعوں نے اس واسطہ کو ایک انسان، یعنی امام کی شکل دے دی، میں اللہ پر ایمان لایا، اور میں قرآن پر ایمان لایا جو غیر مخلوق ہے، کے ساتھ شیعوں نے یہ اضافہ کر دیا کہ ''میں امام پر ایمان لایا جسے خدا نے انتخاب کیا ہے اور جو خدائی صفات میں شریک ہے اور نجات دہندہ ہے۔''

PHILLIP. K.HITTI HISTORY OFTHE ARABS LONDON 1973 P248.

ناظرین کرام! آپ نے عقیدۂ امامت سے پیدا شدہ نتائج سے متعلق غیر مسلم دانشوروں کی رائے ملاحظہ فرمائی، یہ بات صرف ان دو مثالوں پر منحصر نہیں ہے بلکہ جب بھی مذہب اسلام کا کوئی طالب علم غیر جانبداری سے اماموں کے مرتبہ اور ان کے اختیارات کے متعلق شیعی عقائد پر سنجیدگی سے غور کرے گا تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ گو شیعہ لفظاً تو ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں مگر انہوں نے اس سے بھی بڑا آسمانی عہدہ ''امامت'' کے نام سے جاری کر کے ختم نبوت کے عقیدے کو بے معنی بنا دیا ہے۔

❀❀❀❀

امامت اور قرآن

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ شیعہ توحید اور رسالت و قیامت کی طرح امامت کو بھی اصولِ دین میں شمار کرتے ہیں، اس لیے امامت پر اعتقاد کے بغیر نجات اخروی کے لیے توحید، رسالت و قیامت پر ایمان کو نا کافی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اصولی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح توحید و رسالت اور قیامت کے ثبوت کے لیے قرآن کریم میں واضح شہادتیں موجود ہیں اور اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کا بیسیوں آیات قرآنی میں حکم نازل ہوا ہے، نیز یہ کہ جس طرح توحید و رسالت کے لیے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جیسی واضح آیات نازل ہوئی ہیں، جن سے کوئی دوسرا مطلب اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح قرآن کریم میں امامت اور ائمہ کے مرتبہ کا بیان اور ان کی غیر مشروط اطاعت کا حکم بھی صاف وصریح انداز میں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ ان کی شان عالی تو یہ بیان ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو انہی کی وجہ سے پیدا کیا ہے [1] انہی کی محبت کے سبب انبیائے کرام کے درجات بلند ہوئے ہیں اور ان کے مرتبہ میں شک کرنے کی وجہ سے انبیائے کرام پر مصیبتیں نازل ہوئیں [2] انہی کے طفیل انبیاء کرام کی دعائیں قبول ہوئیں [3] اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی ہدایت کی ذمہ داری انہی کے سپرد کر دی۔ نیز یہ کہ پچھلی تمام کتب سماوی میں ان کے مقام و مرتبہ کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ جن ائمہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے اس امت کی ہدایت کے واسطے مامور کیا ہے اور جس کتاب مقدس میں اس امت کی ہدایت کے واسطے احکامات نازل فرمائے ہیں اس میں ائمہ کا ذکر اور عقیدۂ امامت کی تبلیغ و تشہیر زیادہ صاف وصریح اور پر زور طریقہ پر ہونا چاہیے۔

---

[1] بحار الانوار ج ۲۷ صفحہ ۳۳۵۔ [2] بحار الانوار ج ۲۶ صفحہ ۲۹۳۔ [3] بحار الانوار ج ۲۶ صفحہ ۳۱۹۔

قرآن کریم میں ایک دوجگہ نہیں بارہ جگہ لفظ امام کا استعمال ہوا ہے مگر کسی جگہ بھی شیعوں کے مفروضہ معنی نہیں بنتے۔ قرآن مجید میں لفظ امام مطلق پیشوا کے معنی میں ہے، خواہ اچھا ہو یا برا۔ نبیوں پر بھی یہ لفظ بولا گیا ہے اور کافروں بدکاروں پر بھی۔ ہم اپنی تنگ دامانی کا لحاظ کرتے ہوئے صریح پانچ آیات نقل کرتے ہیں:[1]

پہلی آیت:

﴿وَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴾

(سورۂ توبہ: ۱۲)

''اے مسلمانو! کفر کے اماموں سے قتال کرو ان کا معاہدہ اب باقی نہیں ہے تاکہ وہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔''

فائدہ:...... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے سرداروں کو امام فرمایا بوجہ اس کے کہ وہ کافروں کے پیشوا تھے، کافر لوگ ان کا اتباع کرتے تھے۔

دوسری آیت:

﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً﴾ (سورۂ ھود: ۱۷)

''قرآن شریف سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب (یعنی توریت) امام اور رحمت تھی۔''

فائدہ:...... اس آیت میں خدا تعالیٰ نے کتاب کو امام فرمایا، اس لیے کہ وہ لوگوں کی پیشوا ہیں اور لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں۔

تیسری آیت:

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ (سورۂ قصص: ۴۸)

''اور بنادیا ہم نے ان کو امام کہ بلاتے تھے وہ دوزخ کی طرف۔''

فائدہ:...... دیکھئے اس آیت میں امام کو کیسے برے معنی میں استعمال کیا ہے، اس آیت

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر آیات امامت، از امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ۔

میں فرعون والوں کو امام فرمایا۔

چوتھی آیت:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ (سورۂ السجدة : ٢٤)

''اور بنایا ہم نے ان سے امام کہ ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے، جب کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔''

فائدہ:...... اس آیت میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے۔ اس آیت میں امام بہ معنی نبی ہے، اس لیے خدا کے حکم سے ہدایت کرنا نبیوں ہی کا کام ہے، اور آگے چل کر ان پر وحی نازل کرنے کا بھی تذکرہ ہے۔ اس سے بھی امامت کا بمعنی نبوت ہونا ظاہر ہے۔

پانچویں آیت:

﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ٧١)

''جس دن ہم بلائیں گے ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ۔''

فائدہ:...... اس آیت میں امام سے مراد پیغمبر ہیں، کیونکہ قیامت کے دن ہر امت اپنے پیغمبر کے ساتھ بلائی جائے گی، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا:

﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (سورۂ یونس : ٤٧)

''اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے، پھر جب ان کا رسول آجائے گا تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔''

مذکورہ آیت قرآنی میں شیعوں کی مفروضہ امامت کی کوئی واضح تصویر تو درکنار اس کی دھندلی سی جھلک تک نظر نہیں آتی اور جہاں تک ائمہ کی مشروط اطاعت کے واجب ہونے کا سوال ہے تو قرآن کریم میں اللہ و رسول کی اطاعت کے حکم میں بیسیوں آیات میں صرف دو

آیات ہیں جن میں اللہ و رسول کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا مشروط حکم دیا گیا ہے:

پہلی آیت:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا۠﴾

(سورۂ النساء: ٥٩)

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر (یعنی صاحبانِ حکومت) کی جو تم میں سے ہوں، پھر اگر تم (یعنی رعیت اور صاحبانِ حکومت) آپس میں اختلاف کرو کسی بات میں تو اس کو رجوع کرو اللہ کی اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روزِ آخرت پر، یہ بہتر ہے اور بہت خوب ہے باعتبار انجام کے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے اور اس سے کسی بات میں نزاع کرنا حرام ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کی ایک ہی چیز ہے، لفظ تو دو ہیں مگر مصداق ایک ہے، چنانچہ اسی سورت میں آگے چل کر فرمایا ﴿مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ .... ”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔“ ان دونوں اطاعتوں کا متحد ہونا محض اس سبب سے ہے کہ رسول معصوم ہوتے ہیں ان سے خلاف حکم الٰہی کوئی بات صادر ہی نہیں ہوسکتی۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ اولی الامر کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں، اگر ان کا کوئی حکم خلاف قرآن وسنت ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

شیعہ اس آیت میں اُولِی الۡاَمۡرِ (صاحبانِ حکومت) سے اپنے ائمہ مراد لیتے ہیں جو کسی بھی طرح صحیح نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ آیت میں اولی الامر سے اختلاف کی شکل میں مومنین کو

اللہ و رسول کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ظاہر ہے کہ شیعہ ائمہ کو معصوم مانتے ہیں اور ان سے کسی بھی طرح کے اختلاف کو حرام سمجھتے ہیں، اس لیے وہ مراد ہو ہی نہیں سکتے......حقیقت یہ ہے کہ اولی الامر میں مسلمانوں کے وہ تمام لوگ شامل ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے، خلیفہ وقت، سردارانِ فوج، علماء وفقہاء، یہ سب اولی الامر میں داخل ہیں۔ایک اور آیت میں بھی اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے وہ آیت بھی اسی سورت میں زیر بحث آیت کے بعد ہے:

﴿وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (سورة النساء: ۸۳)

”اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں، اور اگر وہ اس کو رسول اور اپنے اولی الامر کی طرف رجوع کرتے، تو جو لوگ ان میں سے قوت استنباط رکھتے ہیں وہ اس کو سمجھ لیتے۔“

اس آیت میں اولی الامر کی طرف کسی شرعی معاملہ میں رجوع کرنے کا حکم نہیں، بلکہ امن یا خوف کی خبر کے متعلق مخصوص حکم دیا گیا ہے۔شرعی معاملات میں خصوصاً بوقت نزاع صرف اللہ اور رسول کی طرف رجوع کا حکم ہے۔اس معاملے میں قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی خفیف اشارہ بھی شیعوں کے موافق نہیں مل سکتا اور ملے بھی تو کیسے! کیونکہ اس میں تو بقول علمائے شیعہ کے تحریف ہوگئی ہے۔ [1] چنانچہ صافی میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے، امام محمد باقر نے فرمایا:

((لولا انه زيد فى القرآن ونقص ما خفى حقنا على ذى حجى))

---

[1] شیعوں نے تحریف قرآن اور بطن قرآن کے سہارے سے عقیدۂ امامت کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جس سے ان کی مجبوری اور لاچاری کا اندازہ ہوتا ہے۔

''اگر قرآن میں بڑھایا نہ گیا ہوتا اور گھٹایا نہ گیا ہوتا تو ہمارا حق کسی عقلمند پر پوشیدہ نہ ہوتا۔''

امام معصوم کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں تحریف ہوگئی ہے، اس لیے مسئلہ امامت وولایت اس سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

❀❀❀❀

امامت قرن اولیٰ میں

قرآن کریم کے بعد اب ہم قرنِ اولیٰ میں سب سے پہلے اس گروہ پر نظر ڈالتے ہیں جسے رسول اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا اور جس کا تزکیہ نفس خود اس ہادی مرسل نے کیا تھا جس کی اس صفت کو قرآن کریم نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (سورۂ آل عمران: ۱٦٤)

''بلاشبہ اللہ نے مومنوں پر بڑا ہی احسان کیا جب کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کی برائی سے پاک کرتا ہے اور کتاب سکھاتا ہے اور کام کی بات سکھاتا ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ گمراہی میں تھے۔''

شاگردانِ رسول کے اس مقدس گروہ میں تقریباً ساڑھے سات ہزار ایسے نفوس قدسیہ ہیں جن سے حدیث کا خزانہ مالا مال ہے، مگر اتنے بڑے جم غفیر میں ایک شخص بھی شیعوں کی مفروضہ امامت کی روایت نہیں کرتا اور نہ ہی ابو الائمہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کبھی خود کو امام معصوم و مفترض الطاعۃ کی حیثیت سے پیش کیا اور نہ ہی کبھی کسی واضح اشارے سے اپنے لیے کسی ایسے مقام و مرتبہ کا دعویٰ کیا جس سے ان کا مرتبہ تمام رسولوں سے بلند اور رسول اکرم ﷺ کے برابر ثابت ہو، بلکہ انہوں نے تو ہر موقع پر رسول اکرم ﷺ کے ایک جاں نثار اور مخلص شاگرد کی حیثیت ہی سے خود کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگتے وقت فرماتے ہیں:

((وان اللّٰہ ھدانی بك و علی یدیك و استنقذنی مما كان علیه آبائی و اعمامی من الحیرة والشرك .))

''اللہ نے مجھے آپ کے ذریعہ، آپ کے ہاتھ پر ہدایت دی اور مجھے گمراہی اور شرک سے چھڑا لیا جس پر میرے باپ اور چچا تھے۔'' (کشف الغمۃ جلد:۱، صفحہ ۴۸۰)

اب باقی رہے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو حضرت زید شہید کا واقعہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ جب ابو جعفر احول نے ان سے امامت پر بحث کی تو انہوں نے اس کو جھٹلاتے ہوئے کس قدر مدلل انداز میں اس عقیدے کی تردید کر دی اس طرح محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ بھی اس عقیدے سے بے خبر تھیں۔ نیز یہ کہ اولاد حسن رضی اللہ عنہ تو ہمیشہ اپنے طرز عمل سے اس عقیدے کو بے بنیاد ثابت ہی کرتی رہی۔

تعجب تو یہ ہے کہ ابو جعفر احول امام زادے سے امامت کے اس قدر باریک مسائل پر تو بحث کر رہا تھا، مگر اسے یہ تک نہیں معلوم تھا کہ امام جعفر صادق کے بعد امام کون ہوگا، چنانچہ اس نے اور ہشام بن سالم وغیرہ نے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد مرجیہ، قدریہ، معتزلہ یا خوارج ہو جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس وقت تک مسئلہ امامت کے موجدین اس کے نوک پلک درست نہیں کر پائے تھے اور زمرد کی تختی والی روایت یا ان روایتوں کی تصنیف نہیں ہوئی تھی جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اماموں کے لیے نام بنام نص فرمانے کا ذکر ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: اصول کافی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۲۰۔۲۲۱ یا الشافی ترجمہ اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ ۳۲۱ جلد۲)

ناظرین کرام! آخر میں ان بزرگانِ اہل بیت کے واقعات میں اس عقیدے کا جائزہ لینا بھی مناسب ہوگا جن کو شیعہ امام (معصوم و مفترض الطاعۃ) مانتے ہیں اور جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ ان کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور تمام نبیوں سے بلند ہے، نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی راہنمائی انہی بزرگوں کے سپرد کر دی ہے۔

ان بزرگوں کے حالات کے متعلق جب ہم کتب شیعہ سے رجوع کرتے ہیں تو معلوم

ہوتا ہے کہ یہ حضرات تمام عمر تقیہ کی چادر اوڑھے رہے اور انہیں کبھی یہ جرأت ہی نہیں ہوئی کہ اعلانیہ اس عقیدے کا اظہار کر سکتے وہ اپنی اس خاص حیثیت کو سوائے چند مخصوص لوگوں کے پوری امت محمدیہ سے چھپائے رہے اور نہ صرف یہ کہ دین کے اتنے ضروری عقیدے کو (جس کی تبلیغ نہایت ضروری تھی) چھپاتے رہے بلکہ اپنے مریدوں کو بھی اس کے چھپانے کی تاکیدیں کرتے رہے اور اگر کبھی کسی نے ان کی امامت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے صاف صاف اپنے امام مفترض الطاعۃ ہونے سے انکار کر دیا۔

چنانچہ اصول کافی مطبوعہ نولکشور، کتاب الحجۃ صفحہ ۱۴۲ پر سعید سے روایت ہے:

((عن سعید السمان قال: کنت عند ابی عبدالله علیه السلام اذ دخل علیه رجلان من الزیدیة فقالا له افیکم امام مفترض الطاعة قال، فقال لا قال، فقالاله: قد اخبر ناعنك الثقات انك تفتی و تقر وتقول به و نسمیهم لك فلان و فلان وهم اصحاب و رع و تشمیر و هم ممن لایکذب فغضب ابو عبدالله علیه السلام فقال ما امرتهم بهذا، فلما رأیا الغضب فی وجهه خرجا فقال لی اتعرف هذین؟ قلت: نعم هما من اهل سوقنا و هما من الزید یة وهما یزعمان ان سیف رسول الله ﷺ عند عبدالله بن الحسن فقال کذبا لعنهما الله والله مار أه عبدالله بن الحسن بعینیه ولا بو احدة من عینیه ولا رآه ابوه.)) (الشافی ترجمہ اصول کافی، ج۲، کتاب الحجۃ، ص:۱۱۵)

''سعید سمان سے روایت ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ زیدیہ فرقہ کے دو آدمی آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا تم میں کوئی امام مفترض الطاعۃ ہے؟ حضرت نے (مصلحت وقت پر نظر رکھ کر) کہا کوئی نہیں، انہوں نے کہا: ہمیں معتبر لوگوں سے خبر ملی ہے کہ آپ فتوے دیتے ہیں

اقرار کرتے ہیں اور قائل ہیں، اگر کہو تو ہم ان گواہوں کے نام بتا دیں، وہ فلاں فلاں ہیں جو جھوٹ بولنے والے نہیں اور صاحب زہد وورع ہیں۔ حضرت کو غصہ آیا اور فرمایا: میں نے ان کو ایسا کہنے کا حکم نہیں دیا۔ جب ان دونوں نے آپ کو غضب ناک دیکھا تو وہاں سے چل دیے۔ حضرت نے مجھ سے کہا کیا تم ان دونوں کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، یہ ہمارے بازار کے رہنے والے ہیں اور زید یہ فرقے کے ہیں، وہ گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار عبداللہ بن حسن (ابن امام حسن) کے پاس تھی، فرمایا: وہ دونوں جھوٹے ہیں خدا کی ان پر لعنت ہو، نہ عبداللہ بن حسن نے اس کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا نہ ایک آنکھ سے (آخر عمر میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی) اور نہ ان کے باپ (حسن مثنیٰ) نے دیکھا تھا۔''

روایت میں آگے جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا حاصل ہی ہے کہ ان لوگوں کے جانے کے بعد امام جعفر صادقؒ نے ان پر لعنت بھیجنے کے ساتھ ساتھ اپنی امامت کا گن گان بھی شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی تلوار، زرہ، خود، مغفر، علم، عصائے موسیٰ اور خاتم سلیمان وغیرہ امامت کی نشانیوں کے اپنے پاس ہونے کا دعویٰ فرمانے لگے۔

اس روایت کے مطابق امام جعفر صادقؒ [1] نے اپنے امام مفترض الطاعۃ ہونے سے

---

[1] امام جعفر صادقؒ (متوفی ۱۵ شوال ۱۴۸ھ) بڑے متقی پرہیز گار اور صاحب علم بزرگ تھے، علماء اہل بیت میں ان کا خصوصی مقام تھا، امام ابو حنیفہؒ کو ان سے اور ان کے والد بزرگوار امام محمد باقرؒ (متوفی ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ) سے استفادہ کا شرف حاصل تھا، یہ حضرات مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور موجدین مذہب امامیہ ان کے نام سے روایتیں ڈھال کر ان سادہ لوح افراد میں بڑی خاموشی سے پھیلا دیتے تھے جنہیں وہ حب آل محمد کے نام پر اپنے دام فریب میں پھنسا لیتے تھے، ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دیتے کہ امام کا حکم ہے یہ عقائد مخالفین کے سامنے ہرگز نہ ظاہر کیے جائیں عنقریب ہمارا قائم ظاہر ہوگا تو ان کا اعلانیہ اظہار ہوگا۔ امام کو جب کبھی ان کی حرکتوں کا علم ہوتا تو وہ ان پر لعنتیں بھیجتے اور اپنی بے تعلقی کا اظہار فرماتے مگر یہ چالاک لوگ اپنے ہم خیال لوگوں سے کہتے یہ امام کا تقیہ ہے ان کی اور ہماری بقا اسی میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت کرام کا احترام، ان سے محبت نیز انہیں علمائے نیکوکار ماننے والے سواد اعظم کی تعداد ہمیشہ لاکھوں کروڑوں میں رہی لیکن زیر زمین سازشی تحریک کے سبب اس مخصوص نظریے کے ماننے والے ⇦⇦

صاف انکار کر دیا اور ان دونوں سائلوں سے یہ بھی فرما دیا کہ میں نے کسی کو یہ حکم نہیں دیا۔ یہ کیسے امام مفترض الطاعۃ تھے جو اعلانیہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ کیا کبھی رسول خدا ﷺ نے بھی اپنی رسالت انکار کیا تھا؟ یا کبھی مشرکین کے خوف سے بتوں کی تعریف کی تھی؟

امام جعفر صادقؒ کے کردار (Character) کی یہ تصویر کسی بھی طرح ان کے نانا جان کے کردار سے میل نہیں کھاتی کہ وہ تو دعوت اسلام کے ابتدائی دنوں میں بھی اپنی جان عزیز کی پروا کیے بغیر مکہ کی گلی کوچوں اور بازاروں میں بہ بانگ دہل اعلان حق کرتے تھے۔ کیا کسی رہبر کے لیے اس سے بڑی گالی ہوسکتی ہے کہ وہ حق کو چھپاتا ہے اور باطل کا اظہار کرتا ہے۔

ناظرین کرم!! حسب روایات شیعہ یہ تو معلوم ہوگیا کہ ائمہ اپنی امامت سے انکار کرتے تھے، اب یہ کہ اپنے مریدین کو بھی اشاعت امامت سے روکتے تھے اس کے واسطے بھی چند روایتیں ملاحظہ ہوں:

((عن سليمان بن خالد قال: قال ابو عبدالله عليه السلام: يا سليمان! انكم على دين من كتمه اعزه الله و من اذاعه اذله الله .))

’’امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے سلیمان! تم اس دین پر ہو کہ جس نے چھپایا خدا نے اسے عزت دی اور جس نے ظاہر کیا اللہ نے اسے ذلیل کیا۔‘‘

(شافی ترجمہ اصول کافی جلد:۴ صفحہ ۱۴۷)

أ

⇦⇦⇦ قرنِ اولیٰ میں بھی انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ چنانچہ اصول کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ کے صفحہ ۴۹۷ پر ہے:
((عن حمران ابن اعين قال قلت لا بى جعفر عليه السلام جعلت فداك ما اقلنا لوا جتمعنا على شاة ماافنيناه؟)) ’’حمران بن اعین کہتا ہے کہ میں نے امام محمد بن باقر سے کہا کہ ہماری جماعت کتنی قلیل ہے کہ اگر دستر خوان پر ایک بکری کھانے بیٹھیں تو اسے تمام نہ کرسکیں۔‘‘ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد:۴ صفحہ: ۱۷۷)...... ((قال والله ياسدير لو كان لى شيعة بعددهذه الجداء ما وسعنى القعود ونزلنا وصلينا، فلما فرغنا من الصلاة عطفت على الجداء فعدد تها فاذاهى سبعة عشر))...... امام جعفر صادق نے فرمایا......اے سدیر خدا کی قسم! اگر میرے شیعہ بقدر ان بکریوں کے ہوتے تو میں خروج کرتا۔ سدیر کہتا ہے ہم وہاں اترے اور نماز پڑھی اس کے بعد میں نے ان بکریوں کا شمار کیا تو ان کی تعداد سترہ تھی۔ (ایضا صفحہ ۱۷۶)

لیس من احتمال امرنا التصدیق له والقبول والقبول فقط ،
((عن عبدالاعلی قال سمعت ابا عبدالله علیه السلام یقولانه
من احتماب امرنا ستره و صیانته من غیر اهله...... فاذاعرفتم
من عبد اذاعة فامشوا الیه وردوه عنها فان قبل منکم والا
فتحملوه علیه بمن یثقل علیه ویسمع منه فان الرجل منکم
یطلب الحاجة فیلطف فیها حتیٰ تقضی له فالطفوا فی حاجتی
کما تلطفون فی حوائجکم فان هو قبل منکم والا فادفنوا
کلامه تحت اقدامکم ولا تقولوا انه یقول ویقوله فان ذلك
یحمل علی وعلیکم یحمل علی و علیکم .))

”عبدالاعلیٰ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ ہمارے امر امامت کو اختیار کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کی تصدیق کی جائے اور فقط قبول کرلیا جائے، بلکہ چاہیے یہ کہ نااہلوں (مخالفوں) سے ہمارے معاملہ کو پوشیدہ رکھا جائے اور ہماری احادیث ان سے بیان نہ کی جائیں...... جب تمہیں ایسا آدمی معلوم ہو جو اشاعت امر امامت کرتا ہے تو اس کے پاس جاؤ اور اسے روکو، اگر وہ مان جائے تو بہتر ہے، ورنہ ایسے شخص کو اس کے پاس لاؤ جس کی بات اس کے لیے وزنی ہو اور وہ اس کی بات کان لگا کر سنے بعض لوگ تم سے طلب حاجت کرتے ہیں تم ان کی ضرورت پوری کرتے رہو تو وہ تم پر مہربان ہوتے ہیں، پس میری ضرورت کے لیے تم ان پر اسی طرح مہربانی کرو جیسے اپنی ضرورتوں کے لیے ان پر مہربانی کرتے ہو، پس اگر تدبیر سے مان جائے تو بہتر ورنہ تم اس کے کلام کو اپنے پیروں سے کچل دو۔ یعنی کسی سے یہ نہ کہو کہ وہ ایسا کہتا ہے اس میں میرے اور تمہارے دونوں کے

لیے آسانی ہے۔" (شافی ترجمہ اصول کافی جلد:۴ صفحہ ۱۴۸)

((عن عبدالله بن سليمان عن ابی عبدالله عليه السلام قال: قال لی مازال سرنا مكتوماً حتى صارفی يد (ی) ولد كيسان فتحدثوابه فی الطريق وقرى السواد))

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا معاملہ پوشیدگی کے ساتھ رہا لیکن اہل مکر وفریب نے شیعیت کو لیا تو گلی کوچوں میں اور گاؤں گاؤں اعلان کر دیا۔ ولد کیسان سے مراد بعض لوگوں نے اولاد مختار علیہ الرحمہ لی ہے، جنہوں نے شیعیت کا ببانگ دہل اعلان کیا۔" (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد۴ صفحہ ۱۴۹)

((قال ابوعبدالله عليه السلام يا معلی اكتم امرنا ولا تذعه فانه من كتم امرنا ولم يذعه اعزه الله به فی الدنيا و جعله نورا بين عينيه فی الآخرة يقوده الى الجنة ، يا معلی من اذاع امرنا يقوده الى الجنة ، يا معلی من اذاع امرنا ولم يكتمه اذله الله به فی الدنيا و نزع النور من بين عينيه فی الدنيا و نزع النور من بين عينيه فی الاخرة و جعله ظلمة تقوده الى النار .))

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے معلیٰ! ہمارے امر (امامت) کو چھپاؤ اور ظاہر نہ کرو، جو ہمارے امر کو چھپائے گا اور ظاہر نہ کرے گا تو اللہ اس کو دنیا میں عزت دے گا اور آخرت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور ہوگا جو اسے جنت کی طرف لے جائے گا اور اے معلیٰ! جو ہمارے امر کو ظاہر کرے گا چھپائے گا نہیں تو خدا اسے دنیا میں ذلیل کرے گا اور آخرت میں اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ سے نور کو کھینچ لے گا، اور تاریکی اسے کھینچ کر دوزخ کی طرف

لے جائے گی۔'' (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد:۴صفحہ۱۵۰)

ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ائمہ کی طرف سے عقیدۂ امامت کو چھپانے کی سخت تاکید ہوتی تھی اور وہ ہمیشہ پوشیدہ بھی رہا مگر جب کیسانیوں نے شیعیت اختیار کی تو انہوں نے مشہور کر دیا اور ان کی یہ حرکت ائمہ کو بہت ناگوار گزری۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو عقیدہ شیعوں کے اصول دین میں شامل ہے جس عقیدے پر نجات اخروی کا دار و مدار ہے، جس پر ایمان لانے والا مومن اور انکار کرنے والا کافر قرار پاتا ہے، جس کے بغیر توحید، رسالت، قیامت پر ایمان کی کوئی وقعت نہیں، اس کو اس قدر چھپانے کی تاکید کیوں؟

کوئی معشوق ہے اس پردۂ نگار میں

اس کا جواب بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ جس عقیدے کا وجود نہ قرآن میں نہ حدیث میں، نہ اصحاب رسول جس سے واقف، نہ اہل بیت کو جس کی خبر اور جن لوگوں کو امام مفترض الطاعۃ ثابت کرنے کے لیے روایات کے ڈھیر لگائے جا رہے ہوں وہ بھی اپنے امام مفترض الطاعۃ ہونے سے انکار کرتے ہوں تو ایسے غیر اسلامی عقیدے کی اشاعت چھپا کر ہی ہوسکتی ہے۔اب یہ دوسری بات ہے کہ دین جناب رسول اللہ ﷺ لائے تھے وہ ہرگز چھپانے کے لیے نہیں تھا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (سورۂ التوبہ : ۳۳) ....اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو دین ایسا ہے کہ اس کو چھپانے کا حکم ہے اس کے ظاہر کرنے والے کو خدا ذلیل کرتا ہے وہ دین جناب محمد رسول ﷺ کا لایا ہوا نہیں ہوسکتا۔

ناظرین کرام! اس مضمون میں امام کی صفات اور ان کے مقام و مرتبہ نیز ان کے اختیارات کے بارے میں مستند ترین شیعہ کتب کی روایت اور ان کے معتبر علماء کے اقوال، نیز

غیر مسلم علماء کے بیانات کی روشنی میں بہت مختصر سا جائزہ لیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موجدین مذہب شیعہ نے نبوت سے بھی بلند آسمانی منصب امامت کے نام سے قیامت تک جاری وساری کر کے رسالت محمدیؐ کو ثانوی درجہ دے دیا ہے، جس کے نتیجہ میں اقراری طور پر نہ سہی، مگر معناً عقیدۂ ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے اور اس عقیدہ کے مضرات کے عملی نمونے شیعوں کی احادیث، تفسیرات، افعال و اعمال، کردار و گفتار، نظم و نثر اور روز مرہ کی مذہبی تقریبات، غرض ہر مقام پر صاف دیکھے جاسکتے ہیں، مگر اس کے لیے غیر متعصب ذہن اور چشم بینا کی ضرورت ہے۔

❀❀❀❀

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ

آیاتِ بیّنات

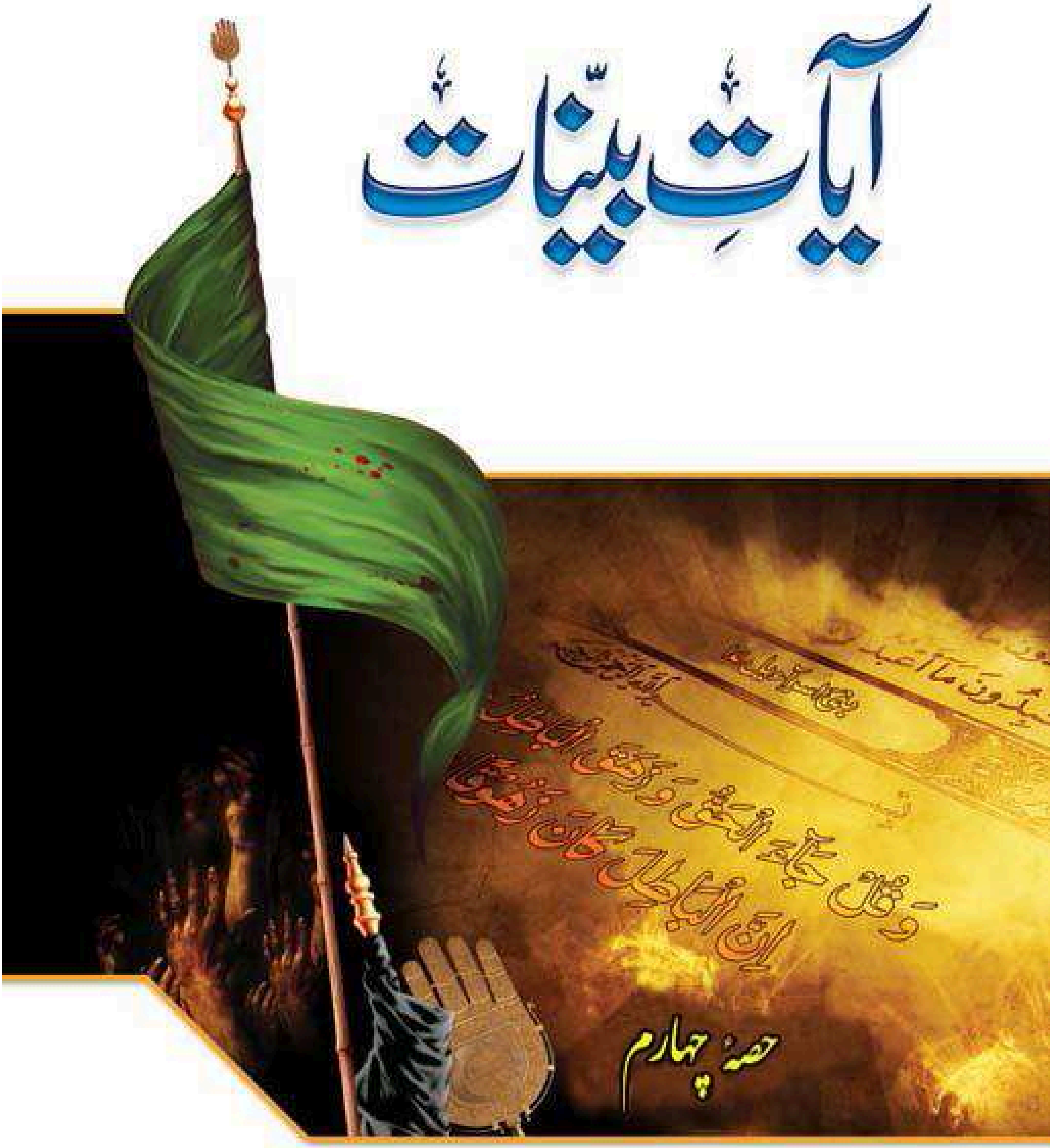

حصہ چہارم

نواب محسن الملک سید محمد مہدی علی خان

بحث فدک

اب ہم فدک کی اصل بحث شروع کرتے ہیں اور اس میں ان باتوں کو بیان کریں گے:

۱۔ فدک کی حقیقت اور اس کے حدود و آمدنی۔

۲۔ فدک کیوں کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا۔

۳۔ فے کے معنی اور اس کا مصرف۔

۴۔ فدک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ فرمایا تھا یا نہیں۔

۵۔ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے فدک کے ہبہ کا دعویٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا تھا یا نہیں۔

۶۔ میراث کے دعوے کی حقیقت۔

❀❀❀❀

فدک کی حقیقت، اس کی حدود اور آمدنی

قاموس میں لکھا ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے خیبر میں۔ اور مصباح اللغات میں لکھا ہے کہ وہ ایک بلدہ (شہر) ہے جو مدینے سے دو روز کی راہ پر ہے اور خیبر سے ایک منزل۔ اور لسان العرب میں ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے حجاز میں۔ اور ازہری کہتے ہیں کہ وہ ایک گاؤں ہے خیبر میں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ حجاز کے ایک طرف میں واقع ہے، اس میں چشمے تھے اور کھجور کے درخت، اور خدا نے پیغمبر ﷺ پر فے کیا تھا۔ اور مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ و البقاع مطبوعہ جرمنی کی جلد دوم صفحہ ۳۴۷ میں ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے حجاز میں مدینے سے دو یا تین دن کے فاصلے پر واقع ہے اور اسے خدا نے اپنے رسول کو فے کیا تھا، اس لیے کہ مصلحاً حاصل ہوا تھا، اس میں چشمے تھے اور کھجور کے درخت۔ اور معجم البلدان یاقوت حموی میں ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے حجاز میں مدینے سے دو دن کی راہ پر، اور بعض روایت میں تین دن کی راہ پر، اور یہ گاؤں ہجرت کے ساتویں سال صلحاً نصف پر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ آیا تھا۔ اور اس میں بہت سے چشمے پانی کے اور خرمے کے درخت تھے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری کی جلد ششم صفحہ ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ فدک ایک قصبے کا نام ہے اس میں اور مدینے میں تین دن کا فاصلہ ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری ''احقاق الحق'' میں فرماتے ہیں کہ صاحب ''ابطال الباطل'' کا یہ کہنا ہے کہ فدک خیبر کے گاؤں میں سے ایک گاؤں تھا، جھوٹ ہے، اس لیے کہ صاحب جامع اصول نے مالک بن اوس سے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جو حجتیں بیان کیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے صفایا بنی نظیر اور خیبر اور فدک کا ثلث تھا۔ اور جناب مولانا سید دلدار علی صاحب ''عماد الاسلام'' کے دسویں باب کی فصل اول میں شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی سے نقل کر کے فدک کی حقیقت وہی

بیان فرماتے ہیں جو قاضی صاحب نے بیان کی ہے۔

فدک کے حدود جو کچھ حضرات شیعہ نے بیان کیے ہیں اور ان کی حد بندی کا قصہ انہوں نے نقل کیا ہے، وہ یہ ہے: ملا باقر مجلسی بحار الانوار کی آٹھویں جلد کتاب الفتن صفحہ ۱۰۱ میں فدک کی حد بندی کی نسبت بہ سند عبداللہ بن سنان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل آئے اور کہا: اے محمد! اٹھو خدائے تبارک و تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے اپنے پروں سے فدک کی حد بندی کر دوں۔ آپ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر میں لوٹ آئے اور حضرت سیدہ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے میرے لیے اپنے پروں سے فدک کی حد بندی کر دی ہے۔''

ہم کو افسوس ہے کہ کوئی روایت حضرات امامیہ نے کسی امام کی طرف سے ایسی بیان نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پروں سے جو حدود فدک مقرر کیے تھے وہ اسی قریے یا بلد کے تھے جو ایک گاؤں مدینے سے دو دن یا تین دن کی راہ پر ہے۔ یا وہ حدود مقرر کیے تھے جن کا ذکر حضرت امام موسیٰ کاظم کی روایت میں ہے جس کی ایک حد عدن، دوسری سمرقند، تیسری افریقہ اور چوتھی سمندر جو آرمینیہ سے ملا ہوا ہے تھی، اور جس کی نسبت ہارون رشید نے کہا تھا کہ یہ تو سب دنیا ہے اور وہ یہ روایت ہے جسے ہم بیان کرتے ہیں:

بحار الانوار صفحہ ۱۰۱ کتاب الفتن مطبوعہ ایران میں مناقب ابن شہر آشوب سے ملا باقر مجلسی نے نقل کیا ہے کہ ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم سے کہا کہ آپ فدک لے لیجیے! حضرت نے انکار کیا، اور جب کبھی ہارون رشید ان سے فدک کے لیے کہتا تو وہ انکار ہی کرتے۔ آخر جب اس نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے نہ لوں گا، جب تک مع اپنے حدود کے نہ دیا جائے۔ ہارون رشید نے کہا اچھا اس کے حدود بتلاؤ۔ امام نے فرمایا کہ اگر میں نے اس کے حدود بتائے تو تم ہرگز نہ دو گے، ہارون رشید نے کہا قسم ہے تمہارے نانا کی! ضرور دوں گا۔ تب امام نے کہا کہ پہلی حد اس کی عدن ہے، یہ سن کر ہارون رشید کا چہرہ

متغیر ہو گیا، پھر امام نے کہا کہ دوسری حد اس کی سمرقند ہے، یہ سن کر ہارون رشید کا چہرہ تمتمانے لگا، پھر امام نے کہا کہ تیسری حد اس کی افریقہ ہے یہ سن کر ہارون رشید کا چہرہ سیاہ ہو گیا، پھر امام نے فرمایا کہ چوتھی حد اس کی سمندر کا کنارہ ہے جو آرمینیہ سے ملا ہوا ہے۔ تب ہارون رشید نے کہا کہ آپ نے ہمارے لیے تو کچھ بھی نہ چھوڑا۔ امام نے کہا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر میں فدک کے حدود بتاؤں گا تو تم کبھی نہ دو گے۔ اسی پر ہارون رشید نے امام کے قتل کا ارادہ کر لیا۔

اس روایت کو لکھ کر پھر ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ ابن اسباط کی روایت میں پہلی حد اس کی عریش مصر، دوسری دومۃ الجندل اور تیسری احد اور چوتھی سمندر بیان کی تھی۔ اس پر ہارون رشید نے کہا کہ یہ سب دنیا ہے۔ اس پر امام نے کہا کہ یہ سب یہودیوں کے قبضے میں ابو ہالہ کے مرنے کے بعد تھی، پس اسے خدا اور رسول نے اپنے لیے فے بغیر جنگ و جدال کے کر لیا اور خدا نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ یہ حضرت فاطمہ کو دے دو۔

ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حد بندیاں جو بیان کی گئیں اس کے خلاف ہیں جو لغت نویسوں نے بیان کی ہیں، اور پھر اس کا جواب ملا صاحب یہ دیتے ہیں کہ شاید مراد امام کی یہ ہے کہ یہ سب فدک کے حکم میں داخل ہیں اور گویا دعویٰ ان سب پر تھا اور فدک کا نام صرف مثلاً اور تغلیباً تھا۔

یہ روایت حدود فدک کے متعلق جو حضرات شیعہ بیان کرتے ہیں اسے ہم نے اس لیے یہاں بیان کیا کہ گویا فدک اور خلافت کو مرادف سمجھتے ہیں، یعنی جہاں تک مسلمانوں کا قبضہ تھا وہ فدک کے حکم میں داخل تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسی کا مطالبہ فرماتی تھیں۔ مگر فدک جیسا کہ ہم اپنی روایتوں سے اوپر بیان کر چکے ایک موضع ہے اور اس کے حدود جس طرح سب گاؤں کے معین اور معلوم ہوتے ہیں سب جانتے تھے، پیغمبر خدا ﷺ نے اس کا انتظام انہی لوگوں کے سپرد کر دیا تھا جن سے صلحاً لیا گیا تھا اور یہ قرار پایا تھا کہ جو کچھ پیدا ہو اس میں سے نصف وہ لوگ لیا کریں اور نصف آنحضرت ﷺ کو دے دیا کریں، چنانچہ اس کے مطابق

ہر سال پیغمبر خدا ﷺ کی طرف سے کچھ لوگ جاتے اور تخمینہ کر کے آنحضرت ﷺ کا نصف حصہ لے آتے، اور جو غلہ وہاں سے آتا اسے حضرت اپنے اہل وعیال کے لیے رکھ کر باقی مسلمانوں کو تقسیم کر دیتے۔

مگر حضرات شیعہ فرماتے ہیں کہ اس کی آمدنی ہر سال چوبیس ہزار دینار تھی، جیسا کہ ملا باقر مجلسی ''حیات القلوب'' میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اہل فدک کے ساتھ معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ ہر سال چوبیس ہزار دینار دیا کریں جو کہ اس زمانے کے حساب سے تقریباً تین ہزار چھ سو تومان (سکہ ایرانی) ہوتے ہیں۔ اور صاحب ''تشئید المطاعن'' کہتے ہیں کہ بہ حساب ہندوستان کے ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ اس کا ہوتا ہے۔ اور صاحب ''تشئید المطاعن'' نے لکھا ہے کہ ابوداؤد اپنی سنن میں لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب خلیفہ ہوئے تو اس وقت فدک کی آمدنی چالیس ہزار دینار تھی۔

❀❀❀❀

فدک آنحضرت ﷺ کے قبضے میں کیسے آیا

فتح الباری کی جلد ششم صفحہ ۱۳۹ میں لکھا ہے کہ تمام اصحاب مغازی نے فدک کے آنحضرت ﷺ کے قبضے میں آنے کا قصہ بیان کیا ہے کہ فدک کے باشندے یہودی تھے۔ جب خیبر فتح ہو گیا تو ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمیں امن دیں ہم شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اور ابوداؤد نے زہری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خیبر کے کچھ باقی لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارا خون معاف کر دیجیے اور ہمیں چلے جانے کی اجازت دے دیجیے، آپ نے ایسا ہی کیا اس کو اہل فدک نے سنا اور انہوں نے بھی ایسا ہی معاملہ کیا۔ اور ابوداؤد نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ بقیہ اہل خیبر کا محاصرہ کر رہے تھے کہ اس اثنا میں فدک والوں سے اور چند معین گاؤں سے صلح ہو گئی۔ تفسیر کبیر صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ مصر میں آیت ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ﴾ (سورۂ حشر: ٦)...... ''جو ہاتھ لگائے اللہ اپنے رسول کو۔'' کی شان نزول میں لکھا ہے کہ یہ آیت فدک کے متعلق ہے، اس لیے کہ فدک کے باشندے جلاوطن کر دیے گئے تھے اور ان کے سب گاؤں اور مال بغیر لڑائی کے رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آ گئے تھے اور فدک ہی کے غلّے میں سے آنحضرت ﷺ اپنا اور اپنے عیال کا خرچ نکال کر باقی کو ہتھیاروں وغیرہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔

امام ابوالعباس احمد بن یحیٰی بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ابن شہاب سے اور انہوں نے مالک بن اوس سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ کے تین صفایا تھے (صفایا اس مال اور چیز کو کہتے ہیں جو امام غنیمت میں سے اپنے لیے علیحدہ کرے) اول بنی نضیر کا مال، دوسرے خیبر اور تیسرے فدک۔ بنونضیر کے مال آنحضرت ﷺ نے اپنی ضرورتوں کے لیے روک لیے تھے۔ اور فدک مسافروں کے لیے تھا اور خیبر کے تین حصے کر کے دو مسلمانوں کو تقسیم کر دیے تھے اور ایک حصہ اپنے لیے اور اپنے اہل کے لیے روک لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اہل کے خرچ سے جو بچ جاتا وہ فقرائے مہاجرین کو دے دیا جاتا تھا۔ (دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۰ مطبوعہ جرمنی)

اسی کتاب میں یہ بھی روایت ہے کہ لوگوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر سے مراجعت فرماتے ہوئے محیصہ بن مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو اہل فدک کے پاس دعوت اسلام کرنے کو بھیجا اور ان کا رئیس ایک شخص یہودی بہ نام یوشع بن نون تھا، یہودیوں نے نصف حصہ زمین پر رسول اللہ ﷺ سے صلح کر لی مسلمانوں نے سواروں سے اس قسم کا حملہ نہیں کیا تھا، اس لیے یہ حصہ خالص رسول اللہ ﷺ کا تھا جو مسافر آپ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ ان کے خرچ میں یہ آمدنی آیا کرتی تھی۔ اس کے باشندے وہیں فدک میں رہا کیے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے حجاز سے یہودیوں کو نکال دیا۔ ابوالہیثم مالک بن تیہان رضی اللہ عنہ، سہیل بن ابی خثیمہ رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاریوں کو فدک میں بھیجا، انہوں نے اس کی نصف زمین کی منصفانہ قیمت مقرر کر کے یہود کو دے دی اور ملک شام کی طرف ان کو نکال دیا۔ (دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۹ مطبوعہ جرمنی)

اس کے قریب قریب تاریخ طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر میں بھی لکھا ہے جس کی اصل عبارتیں ہم حاشیہ پر نقل کرتے ہیں۔ [1]

---

[1] خلاصہ تاریخ طبری یہ ہے: حاضر رسول اللہ ﷺ اهل خيبر فی حصينهم الوطيح والسلالم حتى اذا ايقنوا بالهلكة سالوه ان يسير هم و يحقن لهم دمائهم ففعل و كان رسول الله ﷺ قد حاز الامول كلها الشف ونطاح و الكتيبة و جميع حصونهم الا ما كان من ذينك الحصنين فلما سمع بهم اهل فدك قد صنعوا ما صنعوا بعثوا الى رسول الله ﷺ يسئلونه ان يسير هم ديحقن و مائهم لهم و يخلوا لهم الاموال ففعل و كان فی من مشى بينهم و بين رسول الله ﷺ فی ذلك محيصة بن مسعود ⇦⇦⇦

قاضی نور اللہ شوستری صاحب ''احقاق الحق'' نے بحوالہ معجم البلدان مؤلفہ یاقوت حموی شافعی کے لکھا ہے کہ فدک کو اللہ تعالیٰ نے سن سات ہجرت میں اپنے رسول پر صلح کے طور فے کیا تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب آپ خیبر میں نازل ہوئے اور اس کے قلعوں کو فتح کیا اور اس میں کوئی نہ رہا صرف ایک تہائی لوگ رہ گئے اور ان پر حصار کی سختی ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آدمی بھیج کر پوچھا کہ ان کے جلاوطن ہونے پر ان کو اجازت دے دیں، آپ نے اس کو منظور کر لیا۔ پھر یہ خبر اہل فدک کو پہنچی تو انہوں نے آپ کی خدمت میں قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ ہم سے نصف اموال اور ثمار (پھلوں) پر صلح کر لیں، آپ نے اس کو بھی منظور کر لیا تو یہ ہے وہ صورت جس پر گھوڑوں شتروں کی دوڑ نہیں ہوئی، اس لیے یہ خالص رسول اللہ ﷺ کی ہوئی۔

اور بحار الانوار میں بروایت امام جعفر صادق فدک کے آنحضرت ﷺ کے قبضے میں آنے کی کیفیت اس طرح پر لکھی ہے کہ ایک جہاد میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے، جب آپ اس سے لوٹے اور راستے میں کسی جگہ ٹھہرے اور دوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے کہ آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے اور آپ کے لیے زمین ایسی لپٹ گئی

⇦⇦⇦ و اخوبنی حارثة فلما نزل اهل خيبر على ذلك سالوا رسول الله ان يعاملهم بالاموال على النصف و قالوانحن اعلم بها منكم و اعمر لها فصا لحهم رسول الله ﷺ على النصف اعنى انا اذا شئنا نخر جكم و اخرجناكم و صالحه اهل فدك على مثل ذلك فكانت خيبر فيئا للمسلمين و كانت فدك خالصة لرسول الله ﷺ...... انتهى۔

اور تاریخ کامل ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۰۸ میں ہے: لما انصرف رسول الله ﷺ خيبر بعث محيصة بن مسعود الى اهل فدك يدعو هم الى الاسلام و رئيسهم يومئذ يوشع بن نون اليهود فصا لحوارسول الله ﷺ على نصف الارض فقبل منهم ذلك و كان نصف فدك خالصالرسول الله ﷺ لانه لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب يصرف مایاتيه منها على ابناء السبيل و لم يزل اهلها بها حتى استخلف عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و اجلى يهودالى الحجاز فبعث ابا الهيثم بن تيهان و سهل بن ابى خيثمة و زيد بن ثابت فقوموا النصف تر بتها بقيمة عدل فد فعها الى اليهود و اجلا هم الى الشام و لم يزل رسول الله ﷺ اوابوبكر و عمر و عثمان و على رضی اللہ عنہم يصنعون صنع رسول الله ﷺ بعد و فاته فلما ولى المعاوية الخلافة اقطعها مروان بن الحكم فوهبها مروان ابنه عبدالملك...... انتهى۔

جیسے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں، یہاں تک کہ فدک پر پہنچے، جب اہل فدک نے گھوڑوں کا آنا سنا تو ان کو یہ خیال ہوا کہ ان کا کوئی دشمن چڑھ آیا انہوں نے شہر کے دروازے بند کر دیے، شہر سے باہر ایک گھر میں ایک بڑھیا رہتی تھی اس کو دروازوں کی کنجیاں دے کر خود پہاڑوں پر جا چڑھے، جبرئیل علیہ السلام بڑھیا کے پاس آئے اور اس سے کنجیاں لے کر شہر کے دروازے کھولے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گھر گھر میں دورہ کیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اے محمد! یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خاص کر آپ کو دیا ہے نہ اور لوگوں کو۔ یہی معنی ہیں اس قول خداوندی کے ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ ....الخ﴾ (سورۂ حشر: ۶)...... پھر جبرئیل علیہ السلام نے دروازے بند کر دیے اور کنجیاں آپ کو دے دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سیف کے غلاف میں رکھ لیا اور وہ غلاف آپ کی کجاوے میں متعلق تھا، پھر آپ سوار ہوئے اور زمین آپ کے لیے لپیٹ دی گئی کہ آپ قافلے میں پہنچ گئے اور لوگ اس وقت تک اپنے مقاموں پر بیٹھے ہوئے تھے، متفرق نہ ہوئے تھے، اور نہ کہیں گئے تھے کہ اتنے میں آپ نے فرمایا کہ ہم فدک گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی غنیمت میں اس کو دیا ہے۔ منافقین نے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کنجیاں ہیں فدک کی اور ان کو اپنے غلاف سیف سے نکال کر دکھلا دیں۔ پھر لوگ سوار ہوئے اور جب مدینے میں پہنچے تو آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ اے بیٹی! تیرے باپ کو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں فدک دیا ہے اور وہ تیرے باپ ہی کے لیے خاص ہے نہ اور مسلمانوں کے لیے، میں اس میں جو چاہوں کروں...... الخ۔

(ترجمہ اردو حیات القلوب جلد۲ صفحہ ۳۴۷۔۳۴۸ پر بھی یہ روایت موجود ہے)

ملا باقر مجلسی تفسیر فرات بن ابراہیم سے روایت مذکورہ بالا سے بھی بڑھ کر ایک عجیب و غریب روایت نقل کرتے ہیں جو ان کے مذاق کے بالکل مطابق ہے اور جس میں ان کو گویا اس بات کا دکھانا ہے کہ فدک بمد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اور بعض سرداران فدک کے قتل کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا اور اس سے ضمناً فدک پر جناب امیر کا حق ثابت کرنا منظور ہے، وہ روایت یہ ہے کہ زین بن محمد بن جعفر علوی نے محمد بن مروان سے اور اس

نے عبید بن یحییٰ سے اور اس نے محمد بن علی بن الحسین علیہم السلام سے یہ روایت کی ہے:

”جبرئیل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہتھیار لگائے اور اپنی سواری پر زین کسا اور علی علیہ السلام نے بھی اپنے ہتھیار لگائے اور زین کسا، پھر دونوں آدھی رات کو اس طرف چلے جسے کوئی نہیں جانتا تھا اور جہاں خدا نے ان کو لے جانے کا ارادہ کیا تھا، یہاں تک کہ وہ فدک میں پہنچے اس وقت آپ سے علی علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں آپ کو اٹھا کر لے چلوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں میں تم کو لے چلوں گا۔ پس آپ نے علی علیہ السلام کو اپنے بازو پر اٹھا لیا اور لے چلے یہاں تک کہ قلعہ فدک کی شہر پناہ پر پہنچ گئے اور وہاں سے علی علیہ السلام قلعہ میں داخل ہوئے اور ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار تھی، وہاں جا کر علی علیہ السلام نے اذان دی، اور تکبیر کہی کہ قلعہ والے اس آواز کو سن کر گھبرائے ہوئے دروازے پر نکل آئے اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے، پھر ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے اور علی علیہ السلام بھی ان کی طرف پہنچ گئے، پھر علیؑ نے اٹھارہ آدمی ان کے سرداروں اور بزرگوں میں سے قتل کیے اور باقیوں نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بچوں کو اپنے آگے کر لیا اور جوان میں سے بچے ان کے مال واسباب کو ان کی گردنوں پر رکھ کر مدینے کو لے گئے۔ پس کسی اور کو سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فدک کے لینے میں تکلیف نہیں کرنی پڑی، اس لیے فدک آپ کے اور آپ کی ذریت کے لیے مخصوص ہوا اور مسلمانوں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوا۔

(بحار الانوار، کتاب الفتن صفحہ ۹۰)

غرض کہ یہ امر بین الفریقین مسلم ہے کہ فدک ان اموال میں سے ہے جس کو فے کہتے ہیں، ان لیے ہم فے کے معنی اور اس کا مصرف بیان کرتے ہیں۔

❀❀❀❀

فے کے معنی اور ان کا مصرف

لسان العرب میں ہے کہ [1] فے اس غنیمت اور خراج کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار کے اموال سے بے جنگ و جہاد کے حاصل ہوئی ہو۔ اصل میں فے کے معنی رجوع کے ہیں، گویا اصل میں مسلمانوں ہی کا تھا انہی کی طرف لوٹ آیا۔ اور اسی وجہ سے فے اس سایہ کو کہتے ہیں، جو زوال کے بعد ہوتا ہے کیونکہ وہ مغرب کی جانب سے مشرق کی جانب لوٹ جاتا ہے۔

یہ فے کا لفظ قرآن مجید سے لیا گیا ہے اور یہ کہ وہ کس سے مخصوص ہے اور اس کا مصرف کیا ہے، آیت مفصلہ ذیل میں جو سورۂ حشر میں واقع ہے مذکور ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾

(سورة الحشر: ٦،٧)

”جو ہاتھ لگایا اللہ نے اپنے رسول کو ان سے سو تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے نہ اونٹ مسلط کر دیتا ہے، اپنے رسول کو جس پر چاہے اور اللہ سب چیز کر سکتا ہے جو ہاتھ لگائے اللہ اپنے رسول کو بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے اور ناطے والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے۔“

---

[1] اصل عبارت یہ ہے: الفئ الغنيمة و الخراج و هو ما حصل للمسلمين من اموال الكفار من غير حرب ولا جهاد و اصل الفى الرجوع كا نه كان فى الاصل لهم فرجع اليهم و منه قيل الظل الذى يكون بعد الزوال فى لانه يرجع من جانب الغرب الى جانب الشرق۔ ١٢

تفسیر کبیر کی جلد ششم مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۷۱ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مبرد کا قول ہے کہ فاء یفیء جب بولا جاتا ہے کہ جب کوئی چیز لوٹے ۔اور جب خدا کسی چیز کو لوٹا دے تو اَفَاءَ اللّٰہُ بولتے ہیں۔ازہری کا قول ہے کہ فے ان مالوں کو کہتے ہیں جو بغیر لڑائی کے خدا مخالفین سے مسلمانوں کو دلواتا ہے۔اس کی کئی صورتیں ہیں یا مخالفین اپنے وطنوں سے نکل جائیں اور ان کو مسلمانوں کے لیے چھوڑ جائیں، یا جزیہ پر صلح کرلیں جس کو ہر شخص کی طرف سے ادا کیا کریں، یا علاوہ جزیے کے اور کوئی چیز خونریزی کے فدیہ میں ملے جیسے کہ بنونضیر نے آنحضرت ﷺ سے صلح کے وقت کیا تھا کہ ہر تین آدمی ایک اونٹ کو علاوہ ہتھیاروں کے اور جس چیز سے چاہیں بھرلیں اور باقی ماندہ چھوڑ جائیں، پس یہ باقی ماندہ مال فے ہے۔یہی وہ مال تھا جس کو خدا نے کفار سے مسلمانوں کی طرف پھیر دیا۔اور منہم کی ضمیر یہود اور بنونضیر کی طرف پھرتی ہے۔((فما اوجفتم وجف الفرس البعیر یجف و جفا و وجیفا)) سے ہے۔وجف کے معنی تیز روی کے ہیں۔جب کوئی شخص کسی کو تیز روی پر مادہ کرے تب ''اوجف صاحبہ'' کہا جاتا ہے۔اور علیہ کی ضمیر مآ افآء اللہ کی طرف راجع ہے اور من خیل ولا رکاب، رکاب اونٹ کی سواری کو کہتے ہیں۔عرب کے لوگ اونٹ ہی کے سوار کو راکب کہتے ہیں، اور گھوڑے کے سوار کو فارس۔اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ جیسے آپ نے مال غنیمت کو لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے، ایسے ہی مال فے کو بھی تقسیم کر دیجیے، اس پر خدا تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں میں فرق بیان کر دیا کہ مال غنیمت وہ ہے جس کے حاصل کرنے میں تم نے محنت برداشت کی ہو اور گھوڑوں اور اونٹوں سے اس پر حملہ کیا ہو۔اور فے اس کے خلاف ہے، اس کے حاصل کرنے میں تم کو کچھ تھکان نہیں ہوئی، اس لیے یہ رسول اللہ ﷺ کی سپردگی میں رہے گا، وہ جہاں چاہیں اس کو صرف کریں۔

اسی آیت کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ اگر یہ آیت بنونضیر کے اموال کے متعلق ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اموال لڑائی کے بعد ضبط کیے گئے تھے، اس لیے چاہیے

کہ وہ مال غنیمت ہوں نہ منجملہ مال فے کے۔ اوراس کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ مفسرین نے دو وجہ بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت بنی نضیر کی بستیوں کے متعلق نہیں ہے بلکہ فدک کے متعلق ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگرچہ بنی نضیر کے اموال کے متعلق ہے، مگر جب ان سے لڑائی ہوئی تھی تب مسلمانوں کے پاس گھوڑوں اور اونٹوں کا کچھ سامان نہ تھا اور نہ کچھ ایسی مسافت قطع کرنی پڑی تھی وہ لوگ مدینے سے صرف دو میل پر تھے، مسلمان وہاں سے پیادہ پاؤں وہاں چلے گئے، صرف رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سوار تھے اور لڑائی بھی بہت خفیف سی ہوئی تھی اور گھوڑے اور اونٹ تو بالکل موجود ہی نہ تھے، اس لیے خدا تعالیٰ نے ان چیزوں کے حاصل ہونے کو ویسا ہی قرار دیا جیسے بغیر لڑائی کے حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ مال آنحضرت ﷺ کے لیے خاص کر دیا۔ اس کے بعد ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان مالوں کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا تھا، انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو دیا تھا جو حاجت مند تھے ابودجانہ، اور سہل بن حنیف، اور حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم۔

ان اموال کے متعلق جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں آئے اور آپ کے بعد خلفاء اور ائمہ اس پر متصرف ہوئے ضروری ہے کہ ان کے اقسام اور حقیقت اور مصرف کا بیان ذرا تفصیل سے کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ فے جسے کہتے ہیں اس میں اور دیگر اقسام میں مثل غنیمت وغیرہ کے کیا فرق ہے اور ان اموال پر رسول خدا ﷺ یا خلفاء اور ائمہ کا تصرف مالکانہ تھا یا متولیانہ، چنانچہ اسے ہم بیان کرتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اکثر صدقہ اور صدقات کا لفظ قرآن مجید اور احادیث میں آیا ہے اس کے دو معنی ہیں۔ ایک عام اور ایک خاص۔ کبھی وہ اپنے عام معنی میں ان اموال پر بولا جاتا ہے جو مسلمانوں کے مصالح اور انتظام لشکر اور دیگر کاموں میں صرف کرنے کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں اور ان معنی میں صدقہ، زکوٰۃ اور اموال لاوارث اور خمس غنیمت، خراج اور فے وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اور کبھی مخصوص معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے، اور اس سے مراد صرف زکوٰۃ اور صدقہ اصطلاحی، یعنی خیرات ہوتی ہے، اور وہ صدقہ جو اہل بیتِ رسول اللہ

پر حرام ہے وہ صدقہ مخصوص ہے، یعنی زکوٰۃ اور خیرات۔

جو مال آنحضرت ﷺ کے قبضے میں آتا اس کی تین قسمیں تھیں۔ زکوٰۃ، غنیمت، فے، زکوٰۃ پر صدقہ کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کا ذکر سورۂ توبہ میں ہے، اسی میں زکوٰۃ کا مصرف بیان کیا گیا ہے۔ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو لڑائی میں ہاتھ آئے اور اس کو بعض انفال بھی کہتے ہیں، اور اس کا ذکر سورۂ انفال میں آیا ہے۔

زکوٰۃ کے مصرف کے متعلق خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡهَا وَ الۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِیۡنَ وَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ فَرِیۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۝﴾ (سورة توبه: ٦٠)

”زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا جن کا دل پر چانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستے میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا۔“

یعنی صدقات کے مستحق صرف یہ لوگ ہیں فقیر، یعنی وہ محتاج جو سوال نہ کرتے ہوں، اور مسکین، یعنی وہ محتاج جو بھیک مانگتے ہوں اور وہ لوگ جو تحصیل زکوٰۃ کے لیے مقرر ہوں اور وہ لوگ جن سے جہاد میں مدد مل سکتی ہو، اور ان کی تالیف قلوب منظور ہو، اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرض داروں کے قرض چکانے اور خدا کی راہ میں مثل جہاد وغیرہ کے صرف کیا جائے اور مسافروں کو دیا جائے۔ پیغمبر خدا ﷺ پر صدقات کی تقسیم میں بعض منافقوں نے اعتراض کیا تھا کہ پیغمبر دولت مندوں سے مال لیتے ہیں اور اپنے اقارب اور اہل مودت کو اپنی مرضی کے موافق دیتے ہیں اور عدل کی رعایت نہیں کرتے۔ اس لیے خدا نے اس آیت میں صدقات کا مصرف بیان کر دیا کہ رسول کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے، نہ وہ اپنے لیے اس میں سے کچھ حصہ لیتے ہیں نہ اس میں سے کوئی حصہ آپ کے اقارب اور عزیزوں کے لیے دیا جاتا ہے، پیغمبر صرف اس کے امین اور خازن ہیں اور خدا کے حکم کے بہ موجب اس کی تقسیم کرنے

والے۔ ((فکان علیه الصلوٰة والسلام یقول ما اعطیکم شیئاً ولا امنعکم انما ان خازن اضع حیث امرت)) کہ میں تمہیں نہ کچھ دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، میں صرف خزانچی ہوں جہاں حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتا ہوں۔

غنیمت کے متعلق سورۂ انفال کے شروع میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾

(سورۂ انفال: ۱)

''یعنی پوچھتے ہیں تجھ سے اے محمد! مال غنیمت کی نسبت کہہ دے ان سے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے، سو ڈرو اللہ سے آپس میں جھگڑا نہ کرو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔''

یہ آیت بدر کی لڑائی میں جو غنیمت ہاتھ آئی تھی اس کے متعلق نازل ہوئی۔ چونکہ یہ پہلی لڑائی تھی اور پہلی ہی غنیمت، جو مسلمانوں کو ہاتھ لگی تھی، اس لیے اس کی نسبت کچھ جھگڑا پیدا ہوا۔ اور جیسا کہ ''معالم التنزیل'' وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے جھگڑے کا سبب یہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں غنیمت کے مال کا یہ دستور تھا کہ تقسیم ہونے سے پہلے سردار لشکر جو چاہتا تھا اول اپنے لیے پسند کر لیتا اور اسی پسند کی ہوئی چیز کو صفی کہتے (جس کی نسبت صفایا کا لفظ مستعمل ہے اور جا بجا اس بحث میں آیا ہے) اور تقسیم کے وقت چوتھا، یعنی چہارم حصہ سردار کو دیا جاتا تھا باقی جو رہتا وہ لڑنے والوں اور فتح کرنے والوں میں تقسیم ہوتا۔ اور کوئی چیز خاص کسی شخص کے ہاتھ آتی تو وہ اس کو اپنی ملکیت سمجھتا۔ اور اس طور پر زبردست اور تونگر لوگ غریبوں پر ظلم کرتے اور عمدہ اور اچھا مال خود لے لیتے، مال غنیمت کی نسبت بھی انہیں خیالات سے کچھ جھگڑا پیدا ہوا اور چونکہ اس وقت تک مسلمانوں کے لیے غنیمت کے مال کی نسبت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ چوتھا اور صفی (یعنی جو مال پسند آئے) غنیمت میں سے لے لیں اور باقی چھوڑ دیں تا کہ ہم آپس میں تقسیم کر لیں۔ اس پر خدا

نے یہ حکم بھیجا کہ مال غنیمت کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ خدا اور خدا کے رسول کی ملکیت ہے اس پر کچھ جھگڑا نہ کرو۔

واضح ہو کر اللہ و الرسول سے یہ مدعا نہیں ہے کہ خدا کے لیے نصف حصہ ہو اور نصف حصہ رسول کے لیے، بلکہ اس سے مراد ہے کہ وہ خدا کا مال ہے اور رسول اس کا امین اور تقسیم کرنے والا ہے۔ رسول کا نام لینے سے یہ مدعا نہیں ہے کہ رسول کی ذاتی ملکیت اور خانگی مالیت ہے، بلکہ اس طرح کے کلام سے صرف خدا ہی کی ملکیت مراد ہوتی ہے اور خدا کی ملکیت قرار دینے سے یہ مطلب ہے کہ کوئی خاص شخص اس پر دعویٰ نہیں کر سکتا بلکہ خدا جس طرح پر حکم دے گا اسی طرح پر کیا جائے گا۔ پھر اسی صورت کی بیالیسویں آیت میں یہ حکم ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ (سورۃ الانفال: ۴۱) کہ مال غنیمت میں سے خمس خدا اور خدا کے رسول کے لیے ہے جو قرابت مندوں اور غریبوں اور یتیموں اور مسافروں کی مدد پہنچانے اور ان کی حاجت بر لانے کے لیے رہے گا، اور چار خمس ان لوگوں میں جو لڑتے تھے یا لڑائی کے متعلق کاموں میں مصروف تھے، تقسیم کیا جائے گا۔

الفاظ ﴿وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ سے صاف اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ خمس غنیمت مثل ایام جاہلیت کے بحیثیت لشکر کی سرداری کے آپ کی ذات خاص کے لیے خدا نے مقرر نہیں کیا بلکہ جاہلیت کی رسم کو مٹا کر خمس اس لیے مقرر کیا کہ وہ آپ کی اور آپ کے رشتہ داروں کی ذاتی ضرورت میں خرچ ہو اور جو کچھ بچے وہ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کیا جائے۔ اور اس میں خدا کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور تھا کہ اس نے اپنے رسول کو صرف حفاظت اسلام اور صیانت مسلمین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کفار سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے کا حکم دیا ہے، ورنہ اس کا رسول ملک گیری اور حصول سلطنت اور مال و متاع لینے اور حب جاہ کے لیے خیال سے بری اور پاک ہے، اور اسی لیے مثل ایام جاہلیت یا دنیا کے عام سرداران لشکر کے نہ غنیمت میں اپنی ذات خاص کے لیے وہ کوئی حصہ لیتا

ہے اور نہ اس سے کوئی خانگی جائیداد اور ذاتی ملکیت پیدا کرنی اسے منظور ہے، بلکہ جو حصہ غنیمت میں سے نکالا گیا ہے اس میں یتامیٰ، مساکین، ابن سبیل (مسافر) اور ذوالقربیٰ سب شریک ہیں اور انہیں کی اعانت اور خبر گیری اور رفع ضروریات کے لیے وہ اس کے تصرف میں بطور امین اور خازن کے رکھا گیا ہے۔ اور یہ وہ امر ہے کہ جس کو دیکھ کر دشمن سا دشمن اسلام کا بھی کسی قسم کا نفسانیت یا حب جاہ اور حصول ملکیت کا ذرا سا بھی الزام رسول پر نہیں لگا سکتا اور یقین کرسکتا ہے کہ اسلام خدا کا سچا مذہب ہے اور اس کے احکام کسی کی ذاتی آسائش اور آرام کے لیے نہیں ہیں اگر چہ وہ خدا کا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اور جو کچھ اس کے نام سے مقرر کیا گیا ہے وہ بھی اس لیے کہ اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی معمولی ضرورت پوری کرنے کے بعد وہ یتیموں، غریبوں اور مسافروں کی خبر گیری میں خرچ کرے، اور اپنے واسطے کچھ نہ رکھے۔ اور یہی وہ بات ہے جو آپ کی سیرت، عادت اور عمل سے ظاہر ہے کہ جو کچھ خمس میں آتا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے معمولی مصارف کے بعد سب کو آپ خدا کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے اور کل کے لیے کچھ نہ رکھتے اور اگر کچھ رہ جاتا تو جب تک خدا کی راہ میں وہ خرچ نہ ہو جاتا آپ کو چین نہ آتا۔ ((واللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ.))

تفسیر صافی میں ہے کہ ((قل الانفال للّٰہ والرسول مختصۃ بھما یضعانھا حیث شاء)) کہ یہ مال غنیمت خدا اور خدا کے رسول کے ساتھ مخصوص ہے کہ جہاں وہ چاہیں اسے صرف کریں۔ تہذیب میں امام باقر اور امام جعفر صادق سے بیان کیا گیا ہے کہ فے اور انفال اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر خون ریزی کے صلحاً حاصل ہوا ہو۔ اور فے و انفال ایک ہی چیز ہے۔ فے کے متعلق جو آیتیں ہیں وہ سورۂ حشر میں بیان کی گئیں ہیں۔ پہلی آیت یہ ہے:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝﴾ (سورۂ حشر: ٦)

”جو کچھ خدا اپنے رسول پر فے کرتا ہے، یعنی کفار کا مال اسے دلاتا ہے اس میں تقسیم نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ تم اونٹ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگ کے لیے نہیں گئے اور تم کو لڑائی نہیں کرنی پڑی، اس لیے اس میں مثل غنیمت کے مال کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔“

اس کے بعد دوسری آیت میں فے کی تقسیم کا بیان ہے اور وہ یہ ہے:

﴿مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ (سورۂ حشر: ۷)

”کہ جو فے رسول خدا کو حاصل ہو وہ خدا اور اس کے پیغمبر اور رشتہ داروں اور تیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے کام میں لانے کے لیے ہے۔“

فے کی نسبت بحث طلب امر یہ ہے کہ آیا وہ مال آنحضرت ﷺ کی ملک تھا اور وہ آپ کا ذاتی اور خانگی مال سمجھا جاتا یا وہ آپ کے اختیار میں تھا کہ خدا کے حکم کے مطابق اس کو کام میں لاتے اور جیسی مصلحت ہوتی مسلمانوں کے فائدے اور دیگر ضروریات شرعی میں خرچ کرتے۔ جو بات آپ کی عادت اور خصلت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ تصرف تو کرسکتے تھے، لیکن بالامر، یعنی جہاں خدا کا حکم ہوتا تھا وہیں صرف فرماتے، ملک وخود مختار نہ تھے کہ جسے جی چاہتا دے دیتے اور جسے نہ چاہتا نہ دیتے۔ بلکہ اس میں ایسا تصرف کرتے تھے جس طرح غلام مامور ہوتا ہے کہ جہاں اس کے مولیٰ کا حکم ہو وہاں صرف کرے۔ اور اس کی تشریح خود آپ نے فرما دی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا خدا کی قسم! نہ میں اپنی طرف سے کسی کو دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں میں تو ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم ہوتا ہے دیتا ہوں اور جہاں نہیں ہوتا نہیں دیتا۔ اور جس طرح آپ فے کے مال کو صرف فرماتے اس سے بھی یہی بات نکلتی ہے، اس لیے کہ جو کچھ ان زمینوں سے آتا جو فے تھیں اس میں سے آپ اپنی ذات خاص کے لیے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کے خرچ کے لائق لیتے اور باقی سواریوں اور سامان لشکر کی تیاری میں صرف فرماتے۔ غرض کہ فے پر آپ کا

تصرف متولیانہ تھا نہ کہ مالکانہ۔ اور خدا کا یہ فرمانا کہ یہ رسول کے لیے ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں کسی دوسرے کا ساتھیوں میں سے حصہ نہیں ہوسکتا اور نہ غنیمت کے مال کی طرح اس کی تقسیم ہوسکتی ہے وہ رسول کے قبضے میں رہے گا کہ اس کو اسلام کی ضرورتوں اور لشکر کے کاموں اور اقارب اور یتامیٰ اور مساکین اور محتاجین کے حاجت براری میں صرف کرے، اور چونکہ آپ کو کفار سے لڑنے اور صلح کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی اور اس کے انتظام کے لیے مصارف کی بھی حاجت ہوتی تھی اور غنیمت کے مال میں سے چار خمس لشکریوں پر تقسیم ہو جاتے تھے، اور خمس جو باقی رہتا وہ دیگر حوائج ضروری کے لیے کافی نہ ہوتا، اس لیے وہ مال جو بلا لڑائی دشمنوں سے ہاتھ آتا خاص آپ کے اختیار میں رکھا گیا کہ وہ ملکی ضرورتوں میں کام آئے۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ''انفال اور فے میں وہ مال داخل ہیں جو بغیر لڑائی کے دارالحرب سے حاصل ہوں اور زمین جس کے رہنے والے نکال دیے گئے ہوں اور بغیر جنگ کے ہاتھ آئی ہو اور زمین اور جنگل اور بادشاہوں کی جاگیریں اور لاوارث کا مالیہ سب فے میں داخل ہیں، اور وہ خدا اور اس کے رسول کا ہے اور رسول کے بعد جو اس کا قائم مقام ہو اس کا ہے۔'' اس حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فے ذاتی اور خانگی ملکیت نہیں تھی بلکہ خاص اہتمام میں رسول کے مصالح ملکی کے مصرف کے لیے رکھی گئی تھی۔ اور اسی واسطے وہ بعد آنحضرت ﷺ کے اس کے اختیار میں ہوا جو آپ کا قائم مقام ہوا، ورنہ جو الفاظ ((هِىَ لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُولِ وَ لِمَنْ قَامَ مَقَامَهُ بَعْدَهُ)) کے حضرت امام جعفر صادق نے فرمائے بے معنی ہوئے جاتے ہیں اور اصل حدیث کے الفاظ جو صافی میں منقول ہیں وہ یہ ہیں: ((و فی الجامع عن الصادق الانفال کل ما اخذ من دارالحرب بغير قتال و كل ارض انجلى اهلها عنها بغير قتال و سماها الفقهاء فيئا والارضون الموات والاجام وبطون و الاودية وقطائع الملوك و ميراث من لاوارث له و هى لله وللرسول ولمن قام مقام بعده)) اور پھر دوسری حدیث اس میں کافی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

((الانفال مالم یوجف علیه بخیل و لارکاب اوقوم صولحوا او قوم اعطوا بایدیهم و کل ارض خربة و بطون الاوحیة فهو لرسول الله و هو للامام من بعده یضعه حیث یشاء)) کہ انفال وہ مال ہے جو بغیر لڑائی کے حاصل ہوا ہو یا صلح سے یا لوگوں کے اپنے آپ سے یا زمین غیر آباد اور جنگل سے وہ خدا کے رسول کا ہے اور بعد ان کے امام کا کہ جیسا مناسب جانے خرچ کرے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انفال اور فے صرف متولیانہ پیغمبر کے اور ان کے بعد امام کے اختیار میں ہوتا، ورنہ حضرت امام جعفر صادق جو بقول شیعوں کے پیغمبر خدا ﷺ کے ترکے میں تقسیم میراث کے معتقد ہوں گے، یہ نہ فرماتے کہ انفال اور فے بعد رسول کے امام کا ہوتا ہے کیوں کہ امام کا لفظ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بحیثیت قائم مقامی رسول وہ مال امام تک پہنچتا ہے نہ کہ بحیثیت ترکہ اور میراث کے اور یہ بات تمام دنیا میں جاری ہے کہ شہنشاء سے لے کر ایک چھوٹے رئیس تک جو صاحب ملک و ریاست ہو وہ دو حیثیتیں رکھتا ہے، ایک ذاتی اور خانگی دوسری سلطنتی اور ریاستی۔ پہلی حیثیت کے لحاظ سے جو جائیداد ان کے قبضے میں ہوتی ہے وہ ان کا ذاتی مال ہوتا ہے، اور دوسری حیثیت سے جو جائیداد، خزانہ، خراج اور دیگر قسم کی تمام آمدنی ہوتی ہے وہ سلطنت اور ریاست کے متعلق سمجھی جاتی ہے اور اس کے بیت المال میں داخل کی جاتی ہے، جسے اس زمانے میں اسٹیٹ پراپرٹی اور پبلک ٹریزری کہتے ہیں۔ پہلے مال میں میراث باضابطہ جاری ہوتی ہے اور دوسرے مال پر اس کے قائم مقام کا قبضہ ہوتا ہے اور وہ مطابق اصول معینہ اور قواعد مقررہ اور احکام جاریہ کے تصرف کرتا ہے۔

آیت ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ﴾ میں جہاں خمس کے مصرف کا بیان ہے وہاں صاحب تفسیر صافی یہ لکھتے ہیں: ((و فی الکافی عن الرضا انه سئل عن هذه الایة فقیل له فما کان الله فلمن هو فقال لرسول الله و ما کان لرسول الله فهو للامام)) ...... کہ حضرت امام موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آیت ﴿اَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ﴾ میں جو حصہ خدا کا ہے وہ کس کا ہے، آپ نے فرمایا وہ رسول کے لیے ہے اور جو

رسول کے لیے وہ امام کے واسطے ہے۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مال ذاتی اور خانگی رسول کا نہیں تھا اور نہ بحیثیت وراثت تقسیم ہوسکتا تھا بلکہ وہ امام کو پہنچتا ہے کیونکہ امام رسول کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور تفسیر قمی میں اسی سے بیان کیا گیا ہے کہ ((سهم الله الرسول يرثه الامام)) یعنی خدا اور رسول کے حصے کا وارث امام ہوتا ہے اور امام کے لیے ہونے کا سبب یہ ہے کہ جو باتیں پیغمبر کو کرنی پڑتی تھیں، یعنی مسلمانوں کی مدد اور قضاء دیون اور فراہمی سامان لشکر ومصارف حج و جہاد وہ سب امام کو کرنی پڑتی ہیں: ((كما قال القمى والخمس يقسم على ستة اسهم سهم الله و سهم لرسول الله وسهم للامام فسهم الله وسهم الرسول يرثه الامام فيكون للامام ثلثة اسهم من ستة و ثلثة اسهم لايتام ال الرسول و مساكنهم و ابناء سبيلهم وانما صارت للامام وحده من الخمس ثلاثة اسهم لان الله تعالىٰ قدالزمه بما الزم النبى من موئنة المسلمين وقضاء ديونهم و حلهم فى الحج و الجهاد.))

تفسیر ''منہج الصادقین'' میں ذیل آیت ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ کے لکھا ہے کہ فے اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے بغیر لڑائی کے اور سواروں نے اس پر حملہ نہ کیا ہو، اور یہ مال پیغمبر کے لیے ہوتا ہے ان کی زندگی میں اور بعد ان کے اس آدمی کے اختیار میں جو ائمہ دین سے ان کے قائم مقام ہو اور ان کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں دیں اور جس کام میں مناسب جانیں خرچ کریں، اور یہ قول امیر المومنین کا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

((سوم فے است (یعنی منجمله اموالیکه ائمه وولاة دراں تصرف دارند) وآں مالے ست که که از کفار به مسلمانان منتقل شود بدون قتل و ایجاف خیل ورکاب و آں رسول رابا شددر حیات وی و بعداز وی کسے را که قائم مقام وی باشد

از ائمه دینو ایشاں بهر کس که خواهند دهند و بهرچه صلاح باشد صرف نمایند و ایں قول امیر المومنین است صلوٰة الله وسلامه علیه .))

اور یہ قول جو جناب امیر المومنین کا صاحب تفسیر منہج الصادقین نے نقل کیا ہے یہ بھی صاف صاف اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ فے کے مال پر رسول کا تصرف متولیانہ تھا نہ کہ مالکانہ۔ اور آپ کے بعد اس کی تقسیم میراث کے طور پر نہیں ہو سکتی تھی بلکہ وہ آپ کے قائم مقام اور امام وقت کے اختیار میں رہتا تھا، اور صاحب ''تفسیر منہج الصادقین'' نے اسی کے آگے یہ لکھا ہے:

((ابن عباس و عمر و فقهای ما بر انند که مستحقان فے و خمس بنو هاشم انداز فرزندان ابو طالب و عباس۔))

''ہمارے فقہاء اور ابن عباس و ابن عمر کا متفقہ بیان ہے کہ بنو ہاشم، یعنی فرزندانِ ابو طالب و عباس رضی اللہ عنہما فے اور خمس کے حق دار ہیں۔''

اور اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے امامیہ فے کو رسول کا یا امام کا ذاتی مال نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس کا مستحق تمام بنی ہشام کو سمجھتے ہیں جس سے مراد اولاد ابو طالب اور اولاد عباس ہے نہ کہ صرف بنی فاطمہ علیہا السلام۔ قطع نظر روایتوں اور اقوال اور حدیثوں کے خود قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ فے کا مال کسی کی ذاتی ملکیت اور خانگی جائیداد نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ آیت ﴿مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ میں جو یہ حکم دیا گیا ہے کہ فے خدا، رسول، یتامیٰ، مساکین اور مسافرین کے صرف کے لیے ہے ان میں یتامیٰ اور مساکین اور ابن سبیل کا شریک کرنا اس لیے ہے کہ یہ مال ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی خبر گیری کے لیے ہے۔ اور یہ مثل اس کے ہے کہ بادشاہ اپنے کسی صوبے کے حاکم کو آمدنی پر اختیار دے اور اس کے مصارف بتا دے۔ بلاشبہ اس حاکم کو اختیار ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کی ذات کے لیے مقرر ہے وہ اس میں سے نکال کر باقی آمدنی کو اپنی رائے اور صوابدید کے مطابق ان مصارف میں صرف کرے جو اس کے بادشاہ نے بتا دیے ہیں نہ یہ کہ اس کے

اختیار میں ملک کی آمدنی دینے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی جائیداد سمجھے اور بلا پابندی احکام بادشاہ کے جہاں چاہے خرچ کرے اور اسے بطور میراث کے اپنے وارثوں پر تقسیم ہونے کے لیے چھوڑ جائے۔ اسی طرح فے کو خدا نے پیغمبر ﷺ کے اختیار میں دیا اور اس کے مصارف بتا دیے کہ اپنی ذاتی ضرورتوں میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے کام میں خرچ کریں۔ اگر یہ منظور نہ ہوتا اور مالکانہ قبضہ مراد ہوتا تو صرف لفظ للرسول کا ارشاد ہوتا اور یتامیٰ اور مساکین اور ابن سبیل اس کے شریک نہ کیے جاتے۔ اور اسی امر کو خدا نے آگے چل کر زیادہ صراحت سے بیان کر دیا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ (سورۂ حشر: ٦)

''تا کہ نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے۔''

کہ یہ حکم ہم نے اس لیے دیا ہے کہ مال فے مال داروں ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہو جائے کہ دست بدست ان میں پھرتا رہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ فے کا مال ذاتی ملکیت کسی کا ہو جائے اور ''اَبًا عَنْ جَدٍّ'' ایک دوسرے کو پہنچتا رہے۔ چنانچہ تفسیر ''منہج الصادقین'' میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

((حق سبحان آں را یعنی فے را خاصه پیغمبر گردانید و قسمت آنرابر وجهیکه مذکور شد مقرر ساخت و فرمود که بریں طریق که حکم فے نمودیم کیلا یکون تانبا شد آں فے دولة آں چیزے که متداول باشدست بدست گرداں بین الاغنیاء منکم میان توانگراں از شما که بآں مکاثرت کنید و بقوت و غلبه زیاده از حق خود بردارید و فقراء را اندك دهید یا محروم سازید چنانکه در زمانه جاهلیت بود.))

''اللہ نے مال فے رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص کر کے اس کی تقسیم مذکور مقرر

کر دی اور حکم دیا کہ یہ مال فے دولت کی مانند دوسروں کے ہاتھوں اس طرح گردش نہ کرے کہ دولت مندوں کو زیادہ اس لیے ملے کہ وہ اکثریت تعدادی و قوت کے پیش نظر اپنے حق سے زیادہ لے لیں اور فقیروں کو تھوڑا دیں یا ان کو بالکل محروم کر دیں اور وہی مثال قائم ہو جائے جو زمانۂ جاہلیت میں تھی۔"

اس کے بعد مفسر موصوف لکھتے ہیں:

((خطاب باهل ایمان است غیراز پیغمبر و اهل بیت وے صلوٰة لله علیهم اجمعین .))

"پیغمبر و اہل بیت کے سوا صرف تمام مسلمانوں کو خطاب ہے۔"

لیکن اس قول کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ مال پیغمبر یا اہل بیت میں سے کسی کا ذاتی ہے کہ اس میں ترکہ و میراث جاری ہو سکے، اور ہمارے قول کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے جو علم الہدیٰ کا تفسیر "منہج الصادقین" میں نقل کیا گیا ہے کہ ذوی القربیٰ سے بھی مراد امام ہے نہ کہ عام قرابت دار، اس لیے کہ امام پیغمبر کا قائم مقام ہوتا ہے اور فے اس کے اختیار میں ہونا چاہیے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

((از علم الهدی نقل است که ذوی القربیٰ که بصورت مفرد واقع شده دلالت می کند برآنکه مراد ازاں امام ست که قائم مقام پیغمبر ست چه اگر مراد جمع می بود ذوی القربیٰ واقع می شد .))

"علم الہدیٰ سے منقول ہے کہ ذوی القربیٰ کا لفظ چونکہ مفرد آیا ہے، اس لیے اس سے امام مراد ہے جو رسول اللہ کے قائم مقام ہیں اور اگر امام مراد نہ ہوتے بلکہ دوسرے تمام لوگ مقصود ہوتے تو ذوی القربیٰ کا لفظ جمع ہوتا۔"

اور صاحب "مجمع البیان" اپنی تفسیر میں آیت ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

((الدولة اسم للشی الذی یتدا وله القوم بینهم یکون لهذامرة ای لثلا یکون لافنی متدا ولا بین الروساء منکم یعمل فیه کما کان یعمل فی الجاهلیة، وهذا خطاب للمومنین دون اهل بیته علیهم السلام و فی هذه الایة اشارة الی ان تدبیر الامة مفوض الی النبی والی الائمة القائمین مقامه ولهذا قسم رسول الله اموال خیبر ومن علیهم فی رقابهم واجلی بنی النضیر و بنی قینقاع واعطاهم شیئا من المال و قتل رجال بنی قریظة و سبی ذرا ربهم و نسائهم وقسم اموالهم علی المهاجرین و من علی اهل مکة))

”دولت اس چیز کو کہتے ہیں جسے لوگ آپس میں لیتے دیتے ہوں کبھی ان کی اور کبھی ان کی ہوئے، یعنی فے صرف تمہارے امیروں کے درمیان نہ گھومتی رہے کہ اس میں جاہلیت والا دستور جاری ہو، یہ صرف مسلمانوں کو خطاب ہے نہ کہ اہل بیت کو۔ اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کا کہ امت کی تدبیر نبی اور ائمہ کے جو نبی کے قائم مقام ہیں سپرد ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اموال خیبر کو تقسیم کیا اور ان کی جانوں کے باب میں ان پر احسان کیا اور بنونضیر اور بنوقینقاع کو کچھ مال دے کر جلاوطن کیا اور بنوقریظہ کے لوگوں کو قتل کیا اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کیا اور ان کے اموال کو مہاجرین پر تقسیم کیا اور اہل مکہ پر احسان فرمایا۔“

ان اقوال مذکورہ بالا سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ فے کا مال غنیمت کا مال سے صرف اس بات میں فرق رکھتا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کا حصہ غنیمت کے مال کی طرح نہیں ہوتا، اور وہ رسول خدا ﷺ کے اختیار میں رکھا گیا تھا تا کہ آپ اس پر متولیانہ قابض رہیں اور خدا کی مرضی اور حکم کے مطابق اسے کام میں لائیں۔ آپ کے بعد خلیفہ وقت اور امام

زماں کے قبضے اور اختیار میں دیا گیا تا کہ وہ بھی انہیں مصارف میں اسے صرف کریں، جس میں رسول خدا ﷺ صرف فرمایا کرتے تھے۔ اور اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فے کے مال میں بہ سبب اس کے کہ وہ ذاتی ملکیت آپ کی نہ تھی میراث جاری نہیں ہوسکتی تھی اور چونکہ فدک اموال فے میں سے تھا، اس لیے اگر آنحضرت ﷺ کے متروکہ میں بالفرض میراث بھی جاری ہوتی اور میراث کے حکم عام سے آپ کی ذات مبارک مستثنیٰ بھی نہ ہوتی، تاہم فدک ذاتی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم اور اجراء احکام میراث سے مستثنیٰ رہتا۔

اس سے بعض دور اندیش امامیہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعویٰ فدک کو میراث پر محدود رکھنا مناسب نہ جان کے اس کا ہبہ کیا جانا اور فاطمہ کا دعویٰ ہبہ کرنا پیش کیا حالانکہ آنحضرت ﷺ کا فدک پر فقط متولیانہ قابض ہونا نہ کہ مالکانہ خود ہبہ کو باطل کرتا ہے کیونکہ ہبہ بغیر قبضہ مالکانہ ممکن نہیں ہے، مگر ہم اس سے قطع نظر کر کے دیکھتے ہیں اور اسے ایسی تاریخ سلسلے سے بیان کرنا مناسب جانتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ حضرات امامیہ کے متقدمین اور متاخرین علماء نے اس کی نسبت سنیوں کی روایتوں سے کیا کیا ثبوت پیش کیا ہے۔

❀❀❀❀

بحث متعلق ہبہ فدک

اس کے متعلق جو کچھ شیعوں کے ان بزرگوں نے لکھا ہو جن کا زمانہ ائمہ کرام کے قریب تھا وہ ہماری نظر سے نہیں گزرا مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ زیادہ مفصل نہ ہوگا، ہم کو جہاں تک علم ہے سب سے اوّل کتاب جس میں یہ بحث تفصیلاً بیان کی گئی ہے وہ شافی ہے، جسے جناب سید مرتضیٰ ملقب بہ علم الہدیٰ [1] نے قاضی عبدالجبار کی کتاب مغنی کے جواب میں لکھا ہے۔ یہ کتاب غالباً چوتھی صدی کے اخیر یا پانچویں صدی کے شروع میں تالیف ہوئی ہے، اس لیے کہ اس کے مؤلف ۳۵۵ء میں پیدا ہوئے اور ۴۳۳ء یا ۴۳۶ء میں انتقال فرمایا ۱۳۰۱ء میں یہ کتاب ایران میں چھاپی گئی اور اس کی نسبت یہ لکھا گیا ((وھو کتاب لم یات بمثلہ احد من الانام فی سالف الشھور والاعوام ولا یاتون ابدا ولو کان بعضھم بعض ظھیرا الان اجدادہ الطاھرین کانوالہ فی نصرتہ لھم ھادیا و مویدا ونصیرا)) کہ یہ ایسی بے مثال کتاب ہے جس کے مانند گزشتہ زمانے میں میں کوئی نہ لکھ سکا اور نہ آئندہ لکھ سکے گا، اس لیے کہ اس کی تصنیف میں ائمہ کرام مصنف کے اجدا کی تائید اور مدد تھی۔

---

[1] الشریف المرتضیٰ کا پورا نام علی بن حسین بن موسیٰ الموسوی ہے، اپنے لقب علم الہدیٰ اور سید المرتضیٰ سے زیادہ مشہور ہیں، یہ شریف رضی جامع نہج البلاغہ کے بڑے بھائی تھے۔ ۳۵۵ء میں پیدا ہوئے دونوں بھائی شیخ مفید کے شاگرد تھے۔ خوانساری ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ شریف المرتضیٰ علم وفہم وکلام وشعر کے اعتبار سے اپنے زمانے میں یکتا وجیہ اور عزت والے تھے، جہاں تک ان کی تصانیف کا تعلق ہے وہ سب کی سب اصول وتاسیس کا درجہ رکھتی ہیں، اس سے پہلے ان کی کوئی نظیر نہیں بطور مثال کتاب الشافی امامت میں ایک ایسی کتاب ہے جس کی کوئی نظیر نہیں، میں کہتا ہوں یہ کتاب اپنے نام کی طرح کافی وشافی ہے۔ (روضات الجنات جلد۴ صفحہ ۱۲۹۵ء اور ما بعد کے صفحات) مذہب شیعہ کے ایک رکن اور اس کے بانیوں میں سے ہیں، ۴۳۶ء میں وفات پائی۔) (شیخ محمد فراست)

اسی کتاب شافی کے مضامین کو بہ ترتیب جدید شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی نے لکھا اور اس کا نام تلخیص شافی رکھا۔ یہ کتاب جیسا کہ خود مؤلف نے خاتمہ پر لکھا ہے ۴۳۲ء میں لکھی گئی۔ اس کی تعریف میں یہ بھی لکھا گیا ہے: ((وهو كاصله لم يات مصنف ولا مؤلف بمثله على ردالعلماء العامة العياء)) یہ بھی اپنی اصل کی طرح بے مثل ہے کسی مصنف اور مؤلف نے ایسی کتاب کورچشم علمائے اہل سنت کی رد میں نہیں لکھی۔

اس کے بعد کتاب ''کشف الحق و نہج الصدق'' لکھی گئی جو تصنیف ہے لسان المتکلمین، سلطان الحکماء المتاخرین علامہ جلال الدین ابوالمنصور حسن بن یوسف بن علی مطہر حلی کہ جن کی نسبت قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب ''احقاق الحق'' میں فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے مصنف نے سلطان غیاث الدین اولجاتیوخدا بندہ کے سامنے علماء اہل سنت سے جو مختلف شہروں سے جمع کیے گئے تھے، مناظرہ کیا اور بدلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ ان کے مذہب کا بطلان اور مذہب امامیہ کی حقیقت اس طور پر ثابت کی کہ علماء اہل سنت تمنا کرنے لگے کہ کاش! وہ پتھر یا درخت ہو جاتے۔ اور اس کے بعد علامہ ممدوح نے کتاب ''کشف الحق و نہج الصدق بالصواب'' تصنیف کی۔ اور سلطان مع امراء اور بہت بڑے گروہ علماء اور اکابر کے شیعہ ہو گیا۔ اور باوجودیکہ اس زمانہ میں علماء اہل سنت میں سے بڑے نامی لوگ موجود تھے جیسے کہ قطب الدین شیرازی اور عمر کاتب قزوینی او مولیٰ نظام الدین مگر کسی نے اس کتاب کا جواب لکھنے کی جرأت نہ کی۔ یہ کتاب غالباً ساتویں صدی کے اخیر میں لکھی گئی ہے۔ اس کے مصنف ۶۴۸ء ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۲۴ء ہجری میں وفات پائی۔

ساتویں صدی میں ایک اور کتاب لکھی گئی جس کا نام ''طرائف فی معرفت مذاہب الطّوائف'' ہے۔ جس کے مصنف ثقۃ الاسلام علی بن طاؤس حلی ہیں۔ جناب ممدوح ۵۸۰ء میں پیدا ہوئے اور ۶۶۰ء میں انہوں نے وفات پائی۔ علامہ موصوف نے اس کتاب کو تقیۃً ایک ذمی کے نام سے لکھا ہے اور اس کا نام عبدالمحمود قرار دیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں ایک تمہید اس ذمی کی طرف سے لکھی ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا مذہبوں کا اختلاف سن

کر ارادہ کیا کہ مذہبی عقائد کی حقیقت دریافت کروں۔ سب سے اول میں نے دین محمدی کی تحقیق شروع کی مگران میں اکثر کو مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی مذہب پر پا کر متعجب ہوا کہ یہ لوگ نہ نبی کے زمانے میں تھے نہ ان کے اصحاب اور نہ عقائد میں باہم متفق۔ پھر کیسے وہ اپنے عقائد مذہب کو سب سے اچھا سمجھتے ہیں۔ پھر شیعوں کا ذکر لکھا ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اماموں اور پیغمبروں کی اولاد سے منسوب کرتے ہیں۔ پھر میں نے مذاہب اربعہ کے علماء سے مذہبی عقائد کی تحقیق کی اوران سے سوالات کیے مگر معلوم ہوا کہ حق پر نہیں ہیں اوران کے مذہب کی برائی انہی کی کتابوں سے ثابت کی۔ گویا اس پیرائے میں علامہ ممدوح نے اپنے مذہبی عقائد کی سچائی ظاہر کی ہے۔ اوراس کتاب میں بحث فدک کو بہت تفصیل سے اورنہایت فصیح وبلیغ تقریر میں ادا کیا ہے اس کی خوبی اورقدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جناب مولانا دلدارعلی صاحب نے اپنی مشہور کتاب ''عمادالاسلام'' میں بہت بڑا حصہ ان کی تقریر کا بحث فدک میں نقل کیا ہے۔

اس کے بعد قاضی نوراللہ شوستری نے نہایت مشہور کتابیں اس فن میں تالیف کیں ان میں سے ''احقاق الحق'' نہایت مبسوط اورمشہور کتاب ہے جو جواب میں ابطال الباطل کے جس کو علامہ روز بہان نے ''کشف الحق'' کے جواب میں لکھا تھا۔ قاضی صاحب نے تصنیف فرمایا ہے۔

گیارہویں صدی میں جناب ملا باقر مجلسی نے جن کا خطاب ''محی طبقہ سیدالبشر فی رأس مأة الحادی عشر'' ہے، بہت کتابیں لکھیں جن میں سے ایک بحارالانوار ہے جو روایتوں اور واقعات کا گویا ایک دریا ہے، اس کو آٹھویں جلد کتاب الفتن میں ایک خاص باب فدک کی بحث میں ہے جس کا عنوان ہے ((باب نزول الآیات فی امر فدك و قصة جوامع الاحتجاج فیه)) اوراسی کا خلاصہ بزبان فارسی ''حق الیقین'' اور ''حیات القلوب'' میں جناب ممدوح نے لکھا ہے۔

تیرہویں صدی میں ایک نیا دورشروع ہوا اور ہندوستان میں شیعہ سنی کے باہم مناظرہ کا غلغلہ بلند ہوا ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے شائع ہونے کے بعد علماء شیعہ نے اس فن میں اپنی علمیت اور

قابلیت کے خوب جوہر دکھائے اور دہلی اور لکھنؤ کے علماء و مجتہدین شیعہ نے بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے ''عماد الاسلام'' مولانا مولوی دلدار علی صاحب کی نہایت مبسوط و مشروح کتاب عربی زبان میں ہے اور جس میں جناب ممدوح نے امام رازی کی نہایت المعقول کا جواب دیا ہے، اس میں فدک کی بحث نہایت تفصیل سے لکھی ہے۔ اس کے بعض تحفہ اثنا عشریہ کے جوابات میں "تشئید المطاعن" مولوی پر محمد قلی صاحب کی اور "طعن الرماح" جناب مجتہد سید محمد صاحب کی ان کتابوں میں ہیں جن پر حضرات امامیہ کو بہت ناز ہے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ اس کا جواب ہی نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ منشی سبحان علی خان صاحب اپنے بعض رسائل میں فرماتے ہیں:

((از آنجا کہ مجتهد العصر و الزمان سمی رسول الله الی كافة الانس و الجان اعنی مولانا و مقتدانا السيد محمد مدظله الصمددر کتاب معدوم النظير موسوم بطعن الرماح ایں معضله دل روز مخالفين رابچناں بیان کافی و وافی ایضاح فرموده اند که بالا ترازاں بلکه مماثل آں از حد قدرت بشری بیرون ست ایں فاقد الادراك استيعاب دلائل اثبات غصب حق بضعه رسول الله برهماں کتاب مستطاب حواله نموده برتقریری آخر که خالی از تجددی نیست از ماجری فيها ابطال خلافت اول و ثانی می سازد.))

''منجملہ ان کے مجتہد العصر والزمان، یعنی مولانا مقتدانا سید محمد صاحب مدظلہ نے اپنی بے نظیر کتاب ''طعن الرماح'' میں مخالفین کے اس دل روز گرہ کو ایسے کافی اور شافی بیان ذریعہ وضاحت سے بیان فرما دیا ہے کہ اس سے بہتر بلکہ اس کے مثل بھی انسانی طاقت سے باہر ہے۔ جگر گوشۂ رسول کے حق کے غصب کے سلسلے میں ایسے ثبوت اور دلائل کو بیان فرمایا ہے جو تجدیدی کارنامہ سے خالی نہیں اور

اس سے اول اور ثانی (ابوبکر وعمر کی) خلافت بھی باطل ہو جاتی ہے۔‘‘

اس کے سوا ایران میں بھی چند کتابیں بالفصل ایسی طبع ہوئیں جن میں فدک کی بحث تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ منجملہ ان کے ایک کتاب ’’بحر الجواهر‘‘ ہے جس کے مصنف سید محمد باقر بن سید محمد موسوی ہیں جو فتح علی شاہ قاچار کے زمانے میں تھے۔ دوسری کتاب ’’كفاية الموحدين فی عقائد الدین‘‘ اسماعیل بن احمد علوی طبرسی کی تصنیف ہے جس کی جلد خاص امامت کی بحث میں ہے۔ تیسری کتاب ’’لمعة البيضاء فی شرح خطبة الزهرا‘‘ ہے، جس کے ۴۷۰ صفحے مطبوعہ ہیں اور ان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خطبہ کا جو فدک کے متعلق ہے بیان ہے مع ان روایات اور مباحث کے جو اس مسئلے سے تعلق رکھتی ہیں چوتھی کتاب جلد چہارم از کتاب دوم ’’ناسخ التواریخ‘‘ ہے، جس میں مقرب الخاقان مرزا محمد تقی لسان الملک مصنف ناسخ التواریخ نے خاص حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حال لکھا ہے جس میں فدک کی بحث نہایت تفصیل سے لکھی ہے۔ اس کے سوا، فارسی اور اردو میں رسالے لکھے گئے ہیں ان میں صرف ’’طعن الرماح‘‘ کی خوشہ چینی کی گئی ہے اور اسی کے اقوال اور مضامین الٹ پھیر کے بیان کیے گئے ہیں۔

ان کتابوں میں جن کے نام ہم نے اوپر ذکر کیے ہیں کتاب ’’کشف الحق‘‘ میں میراث کے دعویٰ کا اول ذکر کیا گیا ہے اور ہبہ کا اس کے بعد، اور اس سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس کے مصنف میراث کے دعویٰ کو ہبہ پر غالباً مقدم سمجھتے ہیں۔ اور فدک کی بحث میں پہلا امر تصفیہ طلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اول میراث کا دعویٰ کیا تھا یا ہبہ کا۔ عموماً علماء امامیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدۃ النساء نے فدک کے متعلق دو دعوے کیے تھے، اول یہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک انہیں ہبہ کر دیا تھا اور وہ اس پر متصرف اور قابض تھیں۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تب انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل کو فدک سے نکال دیا اور اپنا قبضہ کر لیا۔ یہ سن کر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور یہ دعویٰ کیا کہ فدک مجھے ہبہ کیا گیا تھا اور میں اس پر قابض تھی تم نے کیوں میرا قبضہ اٹھا دیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے ان سے شہادت طلب کی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسنین اور ام ایمن کو شہادت میں پیش کیا اور ان سب نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعوے کی تائید میں گواہی دی، مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر کہ شہادت کا نصاب پورا نہیں ہے ان کی گواہی کو رد کر دیا اور فدک انہیں واپس نہ کیا اس پر وہ خفا ہو گئیں اور اس کے میراث کا دعویٰ کیا۔ اس لیے سب سے پہلے اس بحث میں یہ امر قابل تصفیہ ہے کہ کون سا دعویٰ مقدم تھا۔ چنانچہ عماد الاسلام کے دسویں باب کے چوتھے فائدے کے چوتھے مسئلے میں جناب مولانا دلدار علی صاحب نے اسی کی نسبت خاص بحث فرمائی ہے:

((کما یقول المسئلة الرابعة ان فاطمة هل ادعت امیراث اولا ثم ادعت النحلة اوبالعکس و یستفاد من کلام اکثر العامة ان دعوی النحلة ظهرت منها بعد دعویٰ المیراث وقالت الامامیة بالعکس .))

”یعنی چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ آیا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے میراث کا دعویٰ کیا، پھر ہبہ کا یا بالعکس اور اہل سنت کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ کا دعویٰ میراث کے بعد پیش کیا گیا اور امامیہ اس کے برعکس کہتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمناً مجتہد صاحب اس بات کو اپنے ناظرین کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ ہبہ کا دعویٰ اہل سنت کے نزدیک بھی صحیح ہے۔ مگر یہ دعویٰ میراث کے دعوے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔ حالانکہ اہل سنت کے نزدیک کسی معتبر اور صحیح روایت سے ہبہ کا دعویٰ ثابت ہی نہیں اور اہل سنت اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا۔ اس لیے جو عمارت اس روایت کی بنیاد پر حضرات امامیہ نے کھڑی کی ہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام سے شہادت طلب کی گئی اور انہوں نے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہما اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کو شہادت میں پیش کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے نہ مانا اور یہ عذر کر کے کہ از روئے احکام شریعت کے شہادت کافی نہیں ہے، فاطمہ کے دعوے کو رد کر دیا۔ اور پھر اس پر

بہت طرح سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ملامت کی ہے اوران کا ظلم وستم ثابت کیا ہے اور سنیوں کے نزدیک فاطمہ، علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کو جھوٹا اور خودغرض اوراپنے جلب منفعت کے واسطے جھوٹا دعویٰ اور جھوٹی شہادت دینے والا قرار دیا ہے، وہ سب منہدم ہو جاتی ہے۔ جب نفس دعویٰ کی نسبت کوئی صحیح روایت سنیوں کے یہاں ہے ہی نہیں تو جو کچھ زور قلم اس باب میں حضرات علماء امامیہ نے دکھایا ہے اس پر ((ثبت الجدار ثم انقش)) کی مثل صادق آتی ہے اور تمام وہ فصیح و بلیغ تقریریں اور وہ پر جوش اور زبردست تحریریں جو اس باب میں کی ہیں هَبَاءً مَّنْثُورًا ہو جاتی ہیں اسی واسطے جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے دعوے میراث کا جواب دینے کے بعد اپنی مشہور کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں فرمایا ہے: وللّٰه دره و علی اللّٰه اجره :

((در ینجا فائده عظیمه باید دانست که شیعه دراول درباب مطاعن ابوبکر منع میراث می نوشتند وچوں از عمل ائمه معصومین واز روی روایات ایں حضرات عدم توریث پیغمبر ثابت شد از دعوی انتقال نموده دعوی دیگر تراشیدنده و طعن دیگر برآور دند که آن طعن سیز دهم ست که ابوبکر رضی اللہ عنہ فدك رابفاطمه نداد حالانکه پیغمبر برائے اوهبه نموده بودو دعوی فاطمه را مسموع ننمو دوازوی گواه و شاهد طلب یدالی قوله جواب ازیں طعن آنکه دعوی هبه از حضرت زهرا رضی اللہ عنہا و شهادت دادن حضرت علی رضی اللہ عنہ و ام ایمنؓ یا حسنین رضی اللہ عنہ علی اختلاف الروایات در کتب اهل سنت اصلاموجود نیست محض از مفتریات شیعه است و در مقام الزام اهل سنت آوردن و جواب آں طلب یدان کمال سفاهت ست .))

''یہاں ایک بڑی بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر طعنہ زنی کے لیے شیعوں نے پہلی بات یہ گڑھی ہے کہ انہوں نے وراثت نبی کی ممانعت لکھی ہے اور جب کہ ائمہ معصومین کے عمل اوران بزرگوں کی روایات سے رسول اللہ کا ورثہ نہ ہونا ثابت ہوا تو شیعوں نے اس کے بجائے دوسرا دعویٰ تراش کر طعن وتنیع دینا شروع کی جسے تیرہواں طعن کہتے ہیں اور وہ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باغ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیا، حالانکہ بقول شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہبہ کر دیا تھا آخر کار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مطالبہ باغ فدک قبول نہیں کیا بلکہ ان سے گواہ طلب کیے، شیعوں کے اس طعنہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و ام ایمنؓ یا حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کا گواہی دینا جس کی شیعوں میں مختلف روایات ہیں یہ سب کچھ اہل سنت کی کتابوں میں سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ یہ سب شیعوں کی افترا پردازی ہے اور سنیوں پر اس قسم کا الزام دینا اور پھر ان سے جواب مانگنا مکمل نادانی ہے۔''

ہم اس بحث کی نسبت زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے بجز اس کے کہ خود علماء شیعہ نے تسلیم کیا ہے کہ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ ارث کا دعویٰ ہبہ پر مقدم تھا، جیسا کہ ''لمعة البیضاء فی شرح خطبة الزهراء'' مطبوعہ ایران کے صفحہ ۱۴۱ میں لکھا ہے:

((ومافی بعض الروایات انما ادعت الارث اولا ثم ادعت النحلة فذلك علی تقدیر الصحة انما هو بلحظ انها فی محل ارثها لا محالة فلما القوا الشبهة بنقل الروایةادعت ماهو الواقع من حقیقة النحلة .))

''یعنی بعض روایات میں جو آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اوّل ارث کا دعویٰ کیا، پھر ہبہ کا پس بشرط صحیح ہونے اس کے وہ اس لحاظ سے ہے کہ بوجہ میراث

کے وہ ہر طرح سے ان کی مستحق تھیں جب اس میں ایک روایت نقل کر کے شبہ ڈال دیا تو جو اصلی بات تھی اور حقیقی واقعہ تھا، یعنی ہبہ اس کا دعویٰ کیا۔‘‘

مگر چونکہ علماء امامیہ نے ہبہ کے دعوے کو اکثر پہلے بیان کیا ہے اور ارث کے دعوے کو اس کے بعد اس لیے ہم بھی ترتیب اختیار کرتے ہیں کیونکہ تقدیم و تاخیر سے نفس مطلب پر زیادہ اثر نہیں ہوتا، خصوصاً اس وقت جبکہ ہبہ کا دعویٰ فی نفسہ ہمارے نزدیک پیش ہی نہ ہوا ہو۔

❀❀❀❀

فدک پیغمبر خدا ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا تھا یا نہیں؟

چونکہ حضرات امامیہ اس بات کے مدعی ہیں کہ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا گیا تھا اور اسی بنا پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جبکہ وہ غصب کر لیا گیا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے دعویٰ کیا، اس لیے بارِ ثبوت ان کے ذمے ہے کہ وہ اہل سنت کی معتبر روایتوں سے ان دونوں دعووں کو ثابت کریں۔ اگر وہ اسے ثابت کر سکیں تو ہمارے ذمے ہے کہ اس بنا پر جو کچھ اعتراضات وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر لگاتے ہیں اور اس کے متعلق جو باتیں پیش آئیں ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو الزام دیتے ہیں، ان کے جوابات دیں۔ لیکن اگر وہ اپنا دعویٰ ثابت ہی نہ کر سکیں تو ہمیں ضروری نہیں کہ بر بنا فرض وتسلیم کے ان لغو و بیہودہ الزامات کا جواب دیں اور تردید شہادت کے متعلق فضول بحث کریں۔ اس لیے ہم ایک تفصیلی نظر ان تمام کتابوں پر کرتے ہیں جن کے نام اوپر بیان کیے گئے اور اپنے ناظرین کو دکھاتے ہیں کہ کیا ثبوت ان کی طرف سے ان دونوں دعووں کے متعلق پیش کیا گیا ہے اور کس قسم کی روایتیں کس قسم کی کتابوں سے اپنے دعویٰ کی تائید میں انہوں نے بیان فرمائی ہیں۔

شافی میں فدک کے ہبہ کیے جانے کے متعلق کوئی حدیث یا روایت سنیوں کی کتابوں سے پیش نہیں کی گئی، بلکہ قاضی عبد الجبار نے اپنی کتاب مغنی میں جو یہ لکھا تھا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ جب آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک ہبہ فرمایا، پھر عمر بن عبد العزیزؒ نے اولاد فاطمہ پر اسے واپس کیا۔ اسی روایت پر کفایت فرمائی ہے اور شیعوں کے اس قول کو نقل کر کے

قاضی عبدالجبار نے لکھا تھا کہ جو شیعہ اس باب میں روایت پیش کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اس کی تردید میں ہبہ فدک کے متعلق کوئی تائیدی روایت پیش نہیں کی۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علم الہدیٰ کے نزدیک سوائے اس روایت کے جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے نام سے شیعوں میں مشہور ہوئی تھی کوئی صحیح روایت سنیوں کو معتبر کتابوں میں انہوں نے نہیں پائی ورنہ اسے پیش فرماتے۔ تخلیص شافی میں بھی کوئی دوسری روایت ہبہ فدک کی تائید میں پیش نہیں کی گئی۔

علامہ مطہر حلی کی کتاب "کشف الحق و نہج الصدق" میں کوئی صحیح سند ہبہ کے متعلق نظر نہیں آئی۔ طرائف میں ایک روایت بشر بن الولید اور واقدی اور بشر بن غیاث سے لکھی ہے:

((روی غیر واحد منهم بشر بن الولید والواقدی و بشر بن غیاث فی احادیث یرفعونها الی محمد نبیهم انه لما فتح خیبر اصطفی لنفسه قری من قری الیهود فنزل جبریل بهذه الآیة وآت ذالقربی حقه فقال محمد ﷺ من ذالقربی وما حقه قال فاطمة فد فعها الیها فدك ثم اعطاها العوالی بعذ ذلك فاستغلتها حتی تو فی ابوها محمد ﷺ .))

(دیکھو طرائف صفحہ ۶۸ مطبوعہ بمبئی)

"کہ ان لوگوں نے یہ حدیث اپنے پیغمبر سے بیان کی ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ نے منجملہ یہود کے دیہات کے ایک گاؤں اپنے لیے علیحدہ کر لیا، پھر جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لائے کہ اپنے ذوی القربیٰ کو ان کا حق دو، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ذوی القربیٰ کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ذوی القربیٰ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، اس پر آپ نے فدک انہیں دے دیا اور پھر عوالی، یعنی چند باغات اور عطا کیے کہ اس کا غلہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا لیا کرتیں اپنے باپ

محمد ﷺ کی وفات تک۔''

اس کے علاوہ اسی کتاب میں ایک اور روایت سید الحفاظ بن مردویہ کی روایت کی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

((ومن طریف منا قضاتهم مارو وهم فی کتبهم الصحیحة عندهم رجالهم عن مشائخهم حتی استنده عن سید الحفاظ ابن مردویه قال اخبر نا محی السنة ابو الفتح عبدوس بن عبدالله الهمدانی اجازة قال حدثنا القاضی ابو نصر شعیب بن علی قال حدثنا موسیٰ بن سعید قال حدثنا الولید بن علی قال حدثنا عباد بن یعقوب قال حدثنا علی بن عباس عن فضیل عن عطیة عن ابی سعید قال لما نزلت ایة و ات ذالقربی حقه دعا رسول الله الفاطمة فاعطا ها فدك .))

کہ سنیوں کے عجیب مناقضات میں سے وہ روایت ہے جس کو انہوں نے اپنی معتبر اور صحیح کتابوں میں اپنے مشائخ سے روایت کی ہے اور اسے سید الحفاظ ابن مردویہ با سناد مذکورہَ بالا یوں لکھتے ہیں کہ ابوسعید سے منقول ہے کہ جب یہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فدک انہیں دے دیا۔''

''بحارالانوار'' کی کتاب ''باب نزول الآیات فی امر فدک'' میں ملا باقر مجلسی آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ کی شان نزول میں فرماتے ہیں ((رواه کثیر من المفسرین ووردت به الاخبار من طرق الخاصة والعامة)) کہ آیت کے شان نزول میں بہت سی روایتیں بہت سے اہل سنت وشیعہ کے مفسرین نے بیان کی ہیں۔ اور اس کے بعد لکھتے ہیں ((قال الشیخ الطبرسی قیل ان المراد قرابة الرسول)) کہ شیخ طبرسی کہتے ہیں کہ اس آیت میں ذالقربی کا لفظ ہے اس سے مراد قرابت رسول ہے، پھر انہی سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

((اخبرنا السید مهدی بن نزار الحسنی باسناد ذکره عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت قوله وات ذالقربی حقه اعطی رسول الله ﷺ فاطمة فدك قال عبدالرحمن بن صالح کتب المامون الی عبید الله بن موسیٰ یسئله عن قصة فدك فکتب الیه عبیدالله بهذا الحدیث رواه عن الفضیل بن مرذوق عن عطیة فرد المامون فدك علی ولد فاطمة .)) انتهی .

''کہ ہم کو خبر دی سید مہدی بن نزار حسنی نے ان اسناد سے جسے انہوں نے بیان کیا ہے ابوسعید خدری سے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ نازل ہوئی تو پیغمبر خدا ﷺ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فدک عطا کر دیا۔ اور عبدالرحمٰن بن صالح کہتے ہیں کہ خلیفہ مامون نے عبیداللہ بن موسیٰ سے لکھ کر فدک کا قصہ دریافت کیا، عبیداللہ نے ان کے جواب میں اس حدیث کو لکھ کر بھیجا اور اسے روایت کیا ہے۔ فضیل بن مرذوق نے عطیہ سے اس پر مامون نے فدک اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔''

اس روایت میں ملا باقر مجلسی نے اسناد کو ترک کر دیا ہے، مگر علامہ طبرسی نے آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ کی تفسیر میں جو سورۂ بنی اسرائیل میں واقع ہے اس اسناد کا اس طرح پر ذکر کیا ہے:

((اخبرنا [1] السید ابو حمید مهدی بن نزار الحسنی قرأة قال حدثنا الحاکم ابو القاسم بن عبدالله الحسکانی قال حدثنا الحاکم الوالد ابو محمد قال حدثنا عمر بن احمد بن عثمان بغداد ء

---

[1] اس روایت کے رایوں میں اور منہج الصادقین کے راویوں میں کچھ نام میں فرق ہے ہم نے جیسا لکھا پایا ویسا ہی لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے کچھ دست اندازی تصحیح میں نہیں کی۔۱۲۔

شفاها قال اخبرنی عمر بن الحسین بن علی بن مالك قال حدثنا جعفر بن محمد الا حمصی قال حدثنا حسن بن حسین قال حدثنا ابو معمر بن سعید جیشم و ابو علی القاسم الکندی و یحییٰ بن یعلی و علی بن مسهر عن فضیل بن مردوق عن عطیة الکوفی عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت قوله وات ذی القربیٰ حقه......الخ))

اوراسی روایت کواسی آیت کی......

((ونیز سعید ابو حمید مهدی بن نزار الحسنی از حاکم ابو القاسم عبدالله الحسکانی نقل می کند که در بغداد حاکم ابو محمد از عمر بن احمد بن عثمان بمن حدیث کرد که عمر بن حسین بن مالك گفت که جعفر بن محمد الاحمصی بمن گفت که حسن بن حسین مرا حدیث کرداز ابو معمر بن سعید و علی بن سعید خدری که گفتند چوں آیت و آت ذی القربیٰ نازل شد حضرت رسالت باغ فدك رابفاطمه عطا فرموده......الخ .))

''سعید ابوحمید مہدی نے حاکم ابوالقاسم عبداللہ کی زبانی بیان کیا کہ بغداد میں حاکم ابومحمد نے عمر بن احمد بن عثمان کے ذریعہ سے مجھ سے کہا جسے ابوالعمر بن سعید وعلی بن سعید خدری نے ظاہر کیا جب ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی﴾ کی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو باغ فدک عنایت فرمادیا۔''

دوسری روایت ملاباقرمجلسی نے یہ لکھی ہے:

((محمد بن العباس عن علی بن العباس المقانعی عن ابی کریب عن معاویة عن فضیل بن مرذوق عن عطیة عن ابی

سعید الخدری قال لما نزلت وات ذی القربی حقه دعا رسول الله ﷺ فاطمة .))

و اعطاها فدك

تیسری روایت سید ابن طاؤس کی کتاب سعد السعود سے نقل کرتے ہیں:

((روی سید ابن طاؤس فی کتاب سعد السعود من تفسیر محمد بن العباس بن علی بن مروان قال روی حدیث فدك فی تفسیر قوله تعالیٰ وات ذی القربی حقه عن عشرین طریقا فمنها ماروا ه عن محمد بن طریقا فمنها ماروا عن محمد بن محمد بن سلیمان الاعبدی و هیثم بن خلف الدوری و عبدالله بن سلیمان بن الاشعث و محمد بن القاسم بن زکریا قالوا حدثنا عباد بن یعقوب قال اخبرنا علی بن عابس و حدثنا جعفر بن محمد الحسینی عن علی بن منذر الطریقی عن علی بن عابس عن فضیل بن مر ذوق عن عطیة العوفی عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت وات ذی القربی حقه دعا رسول الله ﷺ فاطمة و اعطاها فدك .))

"کہا سید ابن طاؤس نے کتاب سعد السعود میں تفسیر محمد بن عباس بن علی بن مروان سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث ہبہ فدک کی آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ کی تفسیر میں بیس طریقوں سے مروی ہے، ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جو محمد بن سلیمان اعبدی نے اور ہیثم بن خلف دوری نے اور عبداللہ بن سلیمان بن اشعث نے اور محمد بن قاسم بن زکریا نے روایت کی ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے روایت کی ہے عباد بن یعقوب نے اور انہوں نے علی بن عابس سے، اور نیز روایت کی ہے جعفر بن محمد حسینی نے علی بن منذر طریقی سے،

انہوں نے علی بن عابس سے انہوں نے فضیل بن مرزوق سے انہوں نے عطیہ عوفی سے اور انہوں نے ابی سعید خدری سے کہ جب آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فدک دے دیا۔''

قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی کتاب ''احقاق الحق'' میں بھی اسی روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے ((روی الواقدی وغیرہ من نقله الاخبار عندهم و ذکروه فی الاخبار الصحیحة عندهم ان النبی لما افتح خیبرا صطفیٰ قری من قری الیهود...... الخ .))

عماد الاسلام میں ایک روایت تو متعلق ہبہ کے وہی نقل کی ہے جو طرائف میں مذکور ہے، یعنی سید الحفاظ ابن مردویہ سے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

((فاقول یدل علی ثبوت ذلك (اعطاها النبی فدك فاطمة) مارواه سید الحفاظ ابن مردویة قال اخبر نا محی السنة ابو الفتح عبدوس بن عبدالله الهمدانی اجازة قال حدثنا القاضی ابو نصر شعیب بن علی قا ل حدثنا موسیٰ بن سعید قال حدثنا الولید بن علی قال حدثنا عباد بن یعقوب قال حدثنا علی بن عابس عن فضیل عن عطیة عن ابی سعید قال لما نزلت وات ذی القربیٰ حقه دعا رسول الله ﷺ فاطمة فاعطاها فدك .))

دوسری روایت کنز العمال شیخ علی متقی سے بیان کی ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں:

((و مافی کنزل العمال للشیخ علی المتقی فی صلة الرحم من کتاب الاخلاق عن ابی سعید قال لما نزلت وات ذی القربیٰ حقه قال النبی یا فاطمة لك فدك ، رواه الحاکم فی تاریخه و قال تفردبه ابراهیم بن محمد بن میمون عن علی

بن عابس بن النجار))

"یعنی کنز العمال میں شیخ علی متقی نے باب صلۃ الرحم میں ابوسعید سے یہ روایت کی ہے کہ جب آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ نازل ہوئی تو پیغمبر خدا ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اے فاطمہ! فدک تمہارے لیے ہے۔ اور اسے روایت کیا ہے حاکم نے اپنی تاریخ میں اور کہا ہے کہ اسے صرف ابراہیم بن محمد بن میمون نے علی بن عابس بن نجار سے روایت کیا ہے۔

اور تیسری روایت اسی کتاب میں تفسیر درمنثور سیوطی سے نقل کی ہے:

((وفی الدر المنثور للسیوطی فی تفسیر قوله تعالیٰ وات ذی القربیٰ حقه دعا رسول الله ﷺ فاطمة فاعطاها فدك.))

اور اسی کتاب میں چوتھی روایت "معارج النبوت" سے بیان کی ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں:

((و مافی معارج النبوة الشهیر بسیر مولانا الهروی فی و قائع السنة السابعة بعد واضع خیبر بهذه العبارة.))

((در مقصد اقصیٰ مذکورست که بعضے گویند که حضرت رسول الله ﷺ بسوی خیبر امیر المومنین علی را فر ستادو مصالحة بردست امیر واقع شدبراں نهج که حضرت امیر قصد خون ایشاں نکند و حوائط خواص ازآں رسول باشد پس جبریل فرود آمد و گفت که حق تعالیٰ می فرماید که حق خویشاں بده، رسول گفت که خویش من کیستندو حق ایشاں چیست، جبریل گفت فاطمه است حوائط فدك رابا و ده و آنچه از خدا و رسول اوست در فدك هم باوبده پیغمبر فاطمة رابخواندو برای وی حجتی نوشت وآں و ثیقه بوده که بعد از وفات رسول پیش ابوبکر آوردو گفت این کتاب

رسول خداست برای من و حسن و حسین .))

"مقصد اقصیٰ میں تحریر ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر کی جانب روانہ کیا اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بات پر مصالحت ہوگئی کہ آپ ان خیبر والوں کا خون نہ بہائیں بلکہ وہاں کے خاص باغ رسول اللہ ﷺ کو نذر کیے جائیں اور اس نوبت پر جبرئیل علیہ السلام نے آ کر کہا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آپ اپنے عزیزوں کے حقوق ادا کریں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا میرے عزیز کون ہیں اور ان کے کیا حقوق ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے جواباً کہا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ باغ فدک دے دیں جو کچھ ان کا حصہ اللہ اور رسول کا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوا کر بطور سند باغ فدک انہیں دے دیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ وقت ابوبکر کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ وثیقہ دکھا کر کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا حکم میرے اور حسین کے لیے ہے۔"

ان چاروں روایتوں کو نقل کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں:

((و قال السيد المرتضىٰ فی الشافی و قدروی من طريقة مختلفة غير طريق ابی سعيد الذی ذكره صاحب الكتاب انه لما نزل قوله تعالىٰ و ات ذی القربی حقه دعا النبی فاطمة فاعطاها فدك و اذا كان ذلك مرويا فلا معنى لدفعه بغير حجة...... انتهى))

"یعنی سید مرتضیٰ شافی میں کہتے ہیں کہ سوائے ابو سعید کے جس کا ذکر صاحب کتاب نے کیا ہے اور بھی کئی مختلف طریقوں سے یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ جب آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى﴾ نازل ہوئی تو پیغمبر خدا ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فدک انہیں دے دیا، اور جب کہ یہ روایت مروی ہے، پھر بغیر دلیل

کے اس کو نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ فقط.

لیکن نہ جناب مولانا دلدار علی صاحب نے اپنی کتاب ''عماد الاسلام'' میں اور نہ جناب سید مرتضٰی نے اپنی کتاب ''شافی'' میں ان روایتوں کو بیان کیا کہ وہ کون سے طریق مختلف غیر طویق ابی سعید کے ہیں جن میں یہ روایت مذکور ہے۔ ایسے موقع پر فقط مجمل کہہ دینا کہ اور بھی بہت سی روایتوں میں یہ منقول ہے کافی اور شافی نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ قاضی عبدالجبار نے اپنی کتاب مغنی میں اس روایت کو شیعوں کی طرف سے بایں الفاظ ذکر کیا تھا ((قالوا قدروی عن ابی سعید الخدری)) کہ شیعہ ایسا کہتے ہیں کہ ابوسعید خدری سے ایسی روایت ہے اور اس کی نسبت اپنے جواب میں یہ لکھا تھا ((الجواب عن ذلك ان اکثر مایردون فی هذالباب غیر صحیح)) کہ شیعوں کے قول کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ وہ اس بات میں روایت کرتے ہیں اکثر غلط ہے۔

آگے چل کر قاضی عبدالجبار نے صاف لکھ دیا تھا وان صح عقد الهبة [1] کہ اگر عقد ہبہ صحیح بھی ہو تو فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضے میں ہونا چاہیے تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی عبدالجبار اس روایت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اسی حالت میں جناب علم الہدیٰ کا بالاجماع یہ کہہ دینا کہ اور بہت سے طریقوں سے بھی یہ روایت ثابت ہے، قابل تسلیم اور ان

---

[1] اصل عبارت یہ ہے: قال صاحب الکتاب شبهة لهم اخریٰ واحد امام طعنوابه وعظموالقول فی امر فدك قالوا قدروی عن ابی سعید الخدری انه قال لما نزلت و ات ذا القربی حقه اعطیٰ رسول الله فاطمة فدك ثم فعل عمر بن عبدالعزیز ذلك ورده علی ولدها قالو اولاشك ان ابابکر غصبها ان لم یصح کل الذی روی فی هذا الباب و قدکان الاجمل ان یمنعهم التکرم مما ارتکبوا فضلا عن الدین ثم ذکر انها استشهد ت امیر المومنین وام ایمن فلم تقبل شهادت هما هذا مع ترکه ازواج النبی فی حجرهن ولم یجعلها صدقة و صدقهن فی ان ذلك لهن و لم یصدقها ثم قال الجواب عن ذلك ان اکثر مایروون فی هذا الباب غیر صحیح و لسناننکر صحة ماروی من ادعائهافدك فامانه کا فی یدهافغیر مسلم بل لو کان فی یدها لکان الظاهرانه لها فاذا کان فی جملة الترکة فالظاهرانه میراث وان صح عقدالهبة وهذا هوا الظاهر لان التسلیم لوکان وقع یظهر ان کان فی یدها فکان ذلك کافیافی الاستحقاق ۱۲ شافی صفحه ۲۳۴ـ ۲۳۵

کے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی تھا۔ ان کو چاہیے تھا کہ ان طرقِ مختلفہ سے جس کا انہوں نے بالاجمال دعویٰ کیا تھا اس روایت کو ثابت کرتے اور ان تمام روایتوں کو بیان کر کے اپنے دعوے کی تائید فرماتے۔

''طعن الرماح'' میں جناب مجتہد سید محمد صاحب درمنثور سیوطی اور کنزالعمال شیخ علی متقی اورسید الحفاظ ابن مردویہ کے علاوہ صاحب تاریخ آل عباس سے فدک کے ہبہ کیے جانے کا ذکرکرتے ہیں: ((کما یقول روی السیوطی فی تفسیر الدر المنثور فی ذیل تفسیر قوله تعالیٰ وات ذا القربی حقه اخرج البزار و ابویعلی و ابن ابی حاتم و ابن مردویة عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت هذه الایة وات ذا القربی حقه دعا رسول الله ﷺ فاطمة فاعطاها فدك .))

((وایں روایت صریح ست در آنکه هر گاه آیة وات ذا القربی حقه یعنی عطا نما صاحب قرابت راحق او نازل گردید آں جناب فاطمه را طلب فرموده فدك رابآں حضرت عطا فرمود۔ شیخ علی متقی در کتاب کنزالعمال درباب صله رحم از ابو سعید روایت کرده **قال لما نزلت وات ذا القربی حقه قال النبی یا فاطمة لك فدك**۔ و سید الحفاظ ابن مردویه در کتاب خود مسند ابو سعید روایت سابقه رانقل کرده و نیز صاحب روضة الصفا و معارج النبوة از مقصد اقصی روایت اعطاء فدك و نوشتن و ثیقه رانقل کرده چنانچه آنفا عبارت آں بمعرض بیان در آمد و عقل هیچ عاقل باورنمی کند که با وصف اعطاء فدك و هبه آں و نوشتن و ثیقه برائے آں از زمان فتح خیبر تا هنگام وفات سرور کائنات اقباض آں بوقوع نه پیوسته باشد بلکه لفظ اعطاء نیز بران

دلالـت دار د کـمـالا یـخـفی۔ و صاحب تاریخ آل عباس که از مـعتـمـدیـن اهـل سنت ست در تاریخ مذکور علی ما نقل عنه نوشته که بعد از آنکه جماعتے از اولاد حسنین نزد مامون دعوی فـدك کـردنـد مامون جمع نمود د و صدکس از علماء حجاز و عـراق وغیـر ایشـاں راو تـاکید کرد که کتمان صواب ننموده از متابـعت حق وراستی سر نه پیچند پس ایشاں روایت و اقدی و بشـر بن الولید وغیره نقل کردند که بعد از فتح خیبر جبریل علیہ السلام بـاآیة وات ذا القربی حقه نازل شد پس رسول خدا گفت کیست ذا القربی و چیست حق اوجبریل گفت فاطمه است و فدك حق اوست پس رسول خدا فدك رابآنحضرت داد .))

’’اور یہ روایت بالکل صاف ظاہر ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ رشتہ دار کو اس کا حق دے دیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو بلا کر باغ فدک انہیں دے دیا۔ شیخ علی متقی نے اپنی کتاب کنزالعمال میں بروایت ابوسعیدؓ لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ! باغ فدک تمہارے لیے ہے۔ ”روضة الصفاد معارج“ کے مصنف نے بھی باغ فدک دینا اور وثیقہ لکھنا نقل کیا ہے۔ کسی عقلمند کی عقل باور نہیں کرتی کہ فتح خیبر کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ کرنے تک باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ فدک دیا ہو اور وثیقہ لکھ دیا ہو اس پر حضرت فاطمہؓ کا قبضہ نہیں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دینے کے وہی معنی ظاہر ہیں جسے ہر ایک جانتا ہے کہ ان کو بھی اسی مال سے کفالت ہوتی رہی۔ صاحب تاریخ آل عباس جو زبردست سنی ہیں، انہوں نے اپنی اس تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی اولاد نے جب مامون رشید خلیفہ وقت سے باغ فدک کا مطالبہ کیا تو مامون نے دوسو علماء حجاز وعراق وغیرہ

کے جمع کر کے تاکید کی کہ آپ لوگ امر حق اور صحیح بات کو پوشیدہ نہ رکھیں اور صداقت و متابعت احکام شریعت سے انحراف نہ کریں۔ چنانچہ ان تمام علماء نے واقدی اور بشر بن ولید وغیرہ کی روایات بیان کیں کہ فتح خیبر کے بعد جبرئیلؑ آیت ذَا الۡقُرۡبٰی لے کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا رشتہ دار کون ہے اور اس کا حق کیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا فاطمہ رشتہ دار ہیں اور فدک ان کا حق ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک انہیں دے دیا۔''

صاحب ''تشئید المطاعن'' جناب مفتی محمد قلی کنتوری نے بھی کوئی نئی روایت روایات مذکورہ بالا کے علاوہ پیش نہیں کی۔

''کفایة موسوم الولایة'' کی جلد دوم میں صفحہ ۳۷۸ سے صفحہ ۳۸۰ بہت تفصیل سے فدک کی بحث لکھی ہے اور یہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ﴾ کی نسبت صفحہ ۳۶۰ میں یہ لکھا ہے:

((از برائے احدے ازا مت شبه نبود درآنکه فدك خالص بوداز برائے رسول خدا ﷺ واحدے رادراں حقے نبودازامت، و اخبار طرفین از خاصه و عامه ناطق بایں امرست و نیز ظاهر آیة وات ذا القربی حقه به تصدیق کثیرے از علماء و مفسرین و روات عامه آنکه رسول خدا ﷺ آنرانحله و عطیه داد بحضرت فاطمه چوں ثعلبی و جوهری و یاقوت حموی صاحب کتاب معجم البلدان و شهرستانی و صاحب تاریخ آل عباس و واقدی و بشر بن الولید و عبدالرحمن بن صالح و عمر بن شبه و ابن حجر در صواعق و ابن ابی الحدید و ابو هلال عسکری در کتاب اخبار الاوائل و حاکم ابو القاسم الحسکانی و حاکم ابو محمد و او احمد بن عثمان بغدادی

و قاضی عبدالله بن موسیٰ انه لما نزلت آية ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ اعطی رسول الله فاطمة فدك فقط .))

''کسی امتی کو شک و شبہ نہیں کہ باغ فدک رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھا، اور اس میں کسی امتی کا کوئی حق نہ تھا اور عام و خاص (شیعہ و سنی) لوگ بھی یہی کہتے ہیں۔ نیز آیت کی ظاہری تفسیر اکثر علماء و مفسرین نے یہی کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بطور عطیہ سرفراز فرمایا تھا۔ جیسے ثعلبی اور قاضی بن عبداللہ موسیٰ وغیرہ۔''

اس میں مؤلف نے روایت ہبہ فدک اور دعویٰ فدک کو مختلط کر دیا ہے اور ان کی روایتوں اور اقوال کو نقل نہیں کیا ہے، مگر سوائے ثعلبی کے کسی جدید راوی کا ذکر جن کا ذکر اوپر ہو چکا نام بھی نہیں لیا اور ثعلبی کی روایت اس کتاب کے صفحہ ۳۵۸ میں بایں الفاظ بیان کی گئی ہے کمافیه:

((و ثعلبی که ازا عاظم مفسرین ایشاں ست بسند خود از سدی و دیلمی روایت کرده ست که حضرت علی ابن الحسین به یکی ازاهل شام فرمود آیا قرآن خوانده گفت بلے، فرمود در سوره بنی اسرائیل ایں آیة خوانده که وات ذا القربی حقه، آں شخص عرض کرد مگر شما آیة ذی القربی که حق سبحان الله تعالیٰ امر فرموده که حق آنهارا برسانند فرمود بلے .))

''ثعلبی سنیوں کا زبردست مفسر ہے اس نے سدی و دیلمی کے ذریعہ سے روایت کی ہے کہ علی بن حسین (امام زین العابدین) نے ایک شامی سے پوچھا کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، اس پر فرمایا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں یہ آیت پڑھی ہے کہ رشتہ داروں کو ان کا حق دے دو؟ اس پر اس

شامی نے کہا مگر آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کے حقوق ادا کر دیں؟ اس پر امام نے جواب دیا: ہاں۔“

ان کتابوں کے علاوہ ایک اور کتاب ایران میں بالفعل چھپی ہے اور اس کا نام ”غـایة الـمـرام وحجة الخصام فی تعیین الامام من طریق الخاص والعام“ ہے، اس کے مصنف سید ہاشم معروف بہ علامہ ہیں اور ان کی نسبت صاحب الحدائق شیخ یوسف بحرانی نے اپنی کتاب مسمی ”بـلـؤ لـوة البحرین“ میں لکھا ہے: ((السید الـمذکور فاضلا محدثا جامعا متتبعا الاخبار بما لم یسبق الیه سابق سوی الشیخ الـمـجلسی و کانت و فاته للسنة السابعة بعدالماة والالف وصنف کتبا عـدیـدة تشهـد بشدة تتبعه و الطلاعة)) یعنی سید موصوف بڑے فاضل، محدث، جامع اور ایسے حاوی احادیث واخبار پر ہیں کہ مثل ان کے اگلے لوگوں میں سے سوائے ملا باقر مجلسی کے کوئی نہیں ہوا اور ان کی بہت تصنیفات ہیں جن سے ان کی علمیت اور واقفیت ثابت ہوتی ہے۔

سید موصوف نے غایۃ المرام امامت کے ثابت کرنے میں لکھی ہے اور اس میں تمام آیت قرآنی کو جمع کر دیا ہے اور ہر آیت کے متعلق جتنی روایتیں اور حدیثیں ہیں، خواہ اہل سنت کی ہوں، خواہ شیعوں کی ان سب کو نقل کیا ہے اور انہوں نے اس کتاب کے دیباچہ میں ان تمام کتابوں کے نام لکھے ہیں جن سے انہوں نے روایتیں نقل کی ہیں۔ اور بلاشبہ یہ کتاب ایسی جامع ہے کہ خود ان کے مؤلف کی غزارت علم اور کمال واقفیت کی شاہد ہے، اس کتاب کے مقصد دوم کے سترہویں اور اٹھارہویں باب میں آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ﴾ کے متعلق جتنی حدیثیں اور روایتیں فریقین کی ہیں وہ نقل کی ہیں مگر باوجود اس جامعیت کے سوائے ایک روایت ثعلبی کے کوئی دوسری روایت انہوں نے سنیوں کی طرف سے بیان نہیں کی۔ البتہ گیارہ حدیثیں شیعوں کو نقل کی ہیں۔ چنانچہ اس کے صفحہ ۳۲۳ میں یہ لکھا ہے:

((الباب السابع عشر قوله تعالیٰ و ات ذالقربی حقه

والـمسـكين الاية من طريق العامة وفيه حديث واحد الثعلبى فـى تفسيره فى هذه الاية قال عنى بذلك قرابة رسول الله ﷺ ثـم قـال الثـعـلبى روى عن السدى عن ابى الديلمى قال قال عـلى بن الحسين لرجل من اهل الشام اقرأت القرآن قال نعم قـال فـمـا قـرأت فى بنى اسرائيل وات ذ القربى حقه و انكم القرابة التى امر الله تعالىٰ ان يوتى حقه قال نعم فقط .))

اس کا ترجمہ جو کفایہ میں بہ زبان فارسی ہے وہ ابھی ہم اوپر لکھ چکے، اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:((الباب الثامن عشر فى قوله تعالىٰ وات ذا القربى حقه والمسكين الاية مـن طريق الخاصة وفيه احد عشر حديثا)) کہ امامیہ کے طریق سے اس آیت کے متعلق گیارہ حدیثیں ہیں۔ اوراس میں عطیہ عوفی کی وہ روایتیں بھی منقول ہیں جن کو بعض سنیوں کی کتابوں سے علماء امامیہ نے نقل کیا ہے، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

((الثـامـن الـعيـاشـى بـاسناده من عطيه العوفى قال لما فتح رسـول الله خيبر وافاء الله عليه فدكاو انزل الله عليه وات ذا الـقـربى حقه قال يا فاطمة لك فدكا۔ التاسع العياشى باسناده عـن عبـدالـرحـمـن بن صالح كتب المامون الى عبدالله بن مـوسـىٰ الـعبسـى يسئله عن قصة فدك فكتب اليه عبدالله بن موسىٰ بهذا الحديث ، العاشر العياشى باسناده عن فضيل بن مرذوق عن عطية ان المومون رد فد كا على ولد فاطمة .))

منشی سبحان علی خاں صاحب نے جوفن ادب میں مشہور ہیں، ایک کتاب امامت میں لکھی ہے اس کے دوسرے حصے کے صفحہ ۴۷ میں فدک کی بحث ہے مگر اس میں خاں صاحب نے صرف ''طعن الرماح'' کی خوشہ چینی کی ہے اور نئی عبارت میں اس کے مضمون کو الٹ پھیر کے

بیان کیا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

((ایں فاقد الادراك استیعاب دلائل اثبات حق بضعه رسول برهمان کتاب مستطاب (طعن الرماح) حواله نموده به تقریرے آخر که خالی از تجددے نیست از ماجری فیها ابطال خلافت خلیفه اول و ثانی که بانی مبانی ایں اعتدا مشارالیه است می ساز دفقط .))

اس میں کوئی نئی روایت منقول نہیں ہے جو قابل نقل ہو۔

ہم نے جو کچھ اوپر بیان کیا اس سے اس کتاب کے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ چوتھی صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک جتنی مشہور کتابیں شیعوں کی اس بحث کے متعلق تھیں، اس سب سے ہم نے ان روایتوں کو جو متعلق ہبہ فدک ہماری کتابوں سے انہوں نے نقل کی تھیں، بلفظہ لکھ دیا اور اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ اور بھی بہت سی کتابیں ہوں گی جو ہمیں نہیں مل سکیں مگر ایسے مشہور اور نامور عالموں نے جیسا کہ جناب علم الہدیٰ اور علامہ حلی اور سید ابن طاؤس اور ملا باقر مجلسی اور قاضی نور اللہ شوستری اور مولانا دلدار علی اور مجتہد سید محمد اور مولانا محمد قلی صاحب تھے۔ غالبًا ان کے مطالعے سے کوئی اور روایت نہ گئی ہوگی خصوصاً مجتہدین لکھنؤ سے۔ اس لیے ہم کو اس یقین کرنے کی وجہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے پیش کیا ہے، اس سے زیادہ ان کے پاس نہ تھا۔ اب ہم اس بات کو دکھاتے ہیں کہ یہ ثبوت نہ عقلاً ونقلاً شہادت میں داخل کرنے کے لائق ہے اور نہ وہ فی نفسہ کوئی ثبوت ہے۔ اس لیے کہ ان تمام روایتوں کا سلسلہ اس راوی پر ختم ہوتا ہے، جو نہ صرف غیر معتبر اور غیر ثقہ تھا، بلکہ کاذب اور شیعی تھا۔ ایک ہی شخص اس تمام پردۂ زنگاری میں چھپا ہوا ہے، جس کے مختلف رنگ دوسروں نے لیے ہیں اور ایک ہی گندلا چشمہ ہے جس سے یہ سب نہریں نکلی ہیں۔ اور ایک ہی کذب کی جڑ ہے جہاں سے ساری شاخیں پھوٹی ہیں۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ علماء شیعہ جن کو ان روایتوں پر بہت کچھ ناز ہے اور جنہوں نے اس کی بنیاد پر ایک بہت بڑی عمارت قائم کی ہے اور جس کی بنا پر بہت بڑے

الزام حضرات شیخین رضی اللہ عنہم پر لگائے ہیں اور بہت دردناک تقریروں میں ان کا ظلم وستم ظاہر کیا ہے اور جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دعوے ہبہ کے رد کرنے پر بہت کچھ دھوکے میں ڈالنے والی باتیں بنائی ہیں، اسے پیش کیے ہوئے ثبوت کی حقیقت فاش ہونے پر جیسا کہ اب ہم اسے فاش کرتے ہیں حیران اور ششدر رہو جائیں گے اور وہ الفاظ جو جناب قاضی نور اللہ شوستری نے ''کشف الحق'' کے شائع ہونے کے بعد سنیوں کی نسبت فرمائے تھے، وہ اپنے اوپر صادق سمجھیں گے ((ان یتمنون ان یکونوا جمادا او شجرا ویبھتون کانھم انقموا حجرا)) یعنی تمنا کریں گے کہ کاش! وہ پتھر یا درخت ہو جائیں اور ایسے مبہوت ہو جائیں گے گویا ان پر پتھر پڑ گئے ہیں۔

علماء امامیہ کی مذکورہ بالا کتابوں میں سے جو حدیثیں اور روایتیں پیش کی گئی ہیں جن کو وہ سنیوں کی روایت کہتے ہیں، ان کی تکرار اور نقل در نقل کو حذف کر کے دو قسم کی مفصلۃ الذیل روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جن میں پوری تفصیل راویوں کی لکھی گئی ہے۔ دوسری وہ جس میں یا صرف منقول عنہ کتاب کا نام ہے، یا بجائے پوری سند بیان کرنے کے صرف کچھ راویوں کے نام لکھ دیے ہیں۔ اول قسم میں چار اور دوسری قسم میں پانچ روایتیں ہیں اول قسم کی روایتیں یہ ہیں:

ایک [1] روایت وہ ہے جو طرائف میں سید الحفاظ ابن مردویہ سے نقل کی گئی ہے جس کو عماد الاسلام اور دوسری کتابوں میں بھی نقل کیا ہے، اس کے بیان کرنے والے راوی حسب ذیل ہیں۔ اول محی السنۃ ابو الفتح عبدوس بن عبداللہ ہمدانی، دوسرے قاضی ابونصر شعیب بن علی تیسرے موسیٰ بن سعید، چوتھے ولید بن علی، پانچویں عباد بن یعقوب، چھٹے علی بن عباس، ساتویں فضیل، آٹھویں عطیہ اور نویں ابو سعید جن پر روایت کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔

ایک [2] روایت وہ جو بحار الانوار میں بحذف اسانید اور تفسیر مجمع البیان طبرسی میں بہ تفصیل اسناد بیان کی گئی ہے اور اس کے راوی یہ ہیں اول سید ابو حمید مہدی بن نزار حسینی

---

[1] یہ روایت صفحہ ۱۷ پر ہے۔۱۲

[2] یہ روایت صفحہ ۱۵، ۱۶ پر ہے۔۱۲

دوسرے حاکم بن ابو القاسم بن عبدالحسکانی، تیسرے حاکم الوالد ابومحمد، چوتھے عمر بن احمد بن عثمان، پانچویں عمر بن حسین ابن علی بن مالک، چھٹے جعفر بن محمد احمصی، ساتویں حسن بن حسین، آٹھویں ابومعمر بن سعید، نویں ابوعلی بن قاسم کندی، دسویں یحییٰ بن یعلی، گیارہویں علی بن مسہر، بارہویں فضل بن مرزوق، تیرہویں عطیہ عوفی اور چودہویں ابوسعید خدری۔

تیسری ❶ وہ روایت جس کو بحارالانوار میں سید ابن طاؤس کی کتاب ''سعد السعود'' سے نقل کیا ہے اور انہوں نے تفسیر محمد بن عباس بن علی بن مروان سے نقل کیا ہے، اس کے راوی اول محمد بن سلیمان اعبدی ہیں، دوسرے ہیثم بن خلف دوری، تیسرے عبداللہ بن سلیمان بن اشعث، چوتھے محمد بن قاسم زکریا، پانچویں عباد بن یعقوب، چھٹے علی بن عابس (یہ حقیقت میں علی بن عباس ہیں) ساتویں جعفر بن محمد حسینی، آٹھویں علی بن منظر طریفی، نویں فضیل بن مرزوق، دسویں عطیہ عوفی اور گیارہویں ابوسعید خدری۔

چوتھی ❷ وہ روایت جو ملا باقر مجلسی نے بحارالانوار میں لکھی ہے۔ اس کے اول راوی محمد بن عباس ہیں، دوسرے علی بن عباس مقالعی، تیسرے ابوکریب، چوتھے معاویہ، پانچویں فضیل بن مرزوق، چھٹے عطیہ اور ساتویں ابوسعید خدری۔

پہلی ❸ وہ روایت جو کنزالعمال سے عماد الاسلام میں نقل کی ہے۔ اسے حاکم کی تاریخ سے لیا ہے اور اس میں اور راویوں کے نام منقول ہیں ایک ابراہیم بن محمد بن میمون، دوسرے علی بن عابس بن النجار۔ ان راویوں نے اپنی سند کا سلسلہ ابوسعید تک پہنچایا ہے۔

دوسری ❹ وہ روایت جو عماد الاسلام وغیرہ میں درمنثور سیوطی سے بلاحوالہ سند نقل کی ہے اور طعن الرماح میں اس پر اتنا اور بڑھایا ہے کہ بزار، ابویعلی، ابن حاتم اور ابن مردویہ نے اپنے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تیسری ❺ جو بحارالانوار وغیرہ میں لکھی ہے کہ عبدالرحمٰن بن صالح کہتے ہیں کہ مامون

❶ دیکھو اس کتاب کا صفحہ ۹۔۱۲ ❷ دیکھو صفحہ ۹ اس کتاب کا۔۱۲۔
❸ ایضاً۔ ❹ دیکھو صفحہ ۹۔۱۲ ❺ دیکھو صفحہ ۱۵۔۱۲

نے عبید اللہ بن موسیٰ سے فدک کا حال تحریراً دریافت کیا تو انہوں نے اسی حدیث کو جسن کا ذکر مہدی بن نزار حسینی نے کیا ہے لکھ بھیجا اور اس کو فضیل بن مرزوق نے عطیہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں دو نام مذکور ہیں ایک فضیل بن مرزوق۔ دوسرے عطیہ۔

چوتھی ❶ وہ روایت ہے جو طرائف میں بشر بن الولید، واقدی اور بشر بن غیاث سے بیان کی ہے جس میں سلسلہ اسناد محذوف ہے۔ اسی کو بحوالہ واقدی قاضی نور اللہ شوستری نے ''احقاق الحق'' میں نقل کیا ہے۔

پانچویں ❷ وہ روایت ہے جو معارج النبوت اور مقصد اقصیٰ سے عماد الاسلام وغیرہ میں نقل کی گئی ہے۔

یہ ہے کل مایہ ناز علمائے امامیہ کا۔ اور یہ ہے مجموعہ ان تمام روایتوں کا جسے وہ بہت بڑے زور وشور سے سنیوں کے مقابلے میں ہبہ فدک کو ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ اور چونکہ روایتیں مختلف طور سے اور مختلف موقع پر بحث فدک میں بیان کی جاتی ہیں اور بے چارے ناواقف سنی انہیں دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں، اور یہ سمجھ کر کہ یہ روایتیں تو ہماری ہی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں۔ اور غالباً صحیح ہوں گی، حیران رہ جاتے ہیں اور اکثر لوگوں کو خلجان اور اپنے عقائد میں شبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ مگر اب کہ ہم نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اس سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو سکے گا کہ ان تمام رایتوں کا سلسلہ ابوسعید پر ختم ہوتا ہے اور ابوسعید سے عطیہ نے اور عطیہ سے فضیل بن مرزوق نے آگے چلایا ہے اور انہی سے اس روایت کا سلسلہ آئندہ بڑھا ہے۔ غرض کہ جو کچھ پھل پھول اس میں لگائے گئے ہیں اس کی جڑ ابوسعید ہیں۔ مگر ابوسعید کے نام میں ایک عجیب دھوکہ دیا گیا ہے۔ جس سے ناظرین کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ ابوسعید، ابوسعید خدری ہیں، جو صحابی تھے۔ حالانکہ یہ ابوسعید خدری نہیں ہیں بلکہ یہ وہ ابوسعید ہے جو کلبی کے خطاب سے مشہور اور صاحب تفسیر ہیں ان کے بہت سے نام اور مختلف کنیتیں ہیں۔ اور اسی سبب سے لوگوں کو اکثر ان کے نام میں دھوکہ ہو جاتا ہے۔ کبھی ان کا نام محمد بن

❶ دیکھو صفحہ ۱۵۔۱۲ ❷ دیکھو صفحہ ۱۷۔۱۲

سائب کلبی سے لیا جاتا ہے۔ اور کبھی حماد بن سائب کلبی کہہ کر پکارے جاتے ہیں۔ اور ان کی تین کنیتیں ہیں، ایک ابو نصر اور دوسری ابو ہشام اور تیسری ابو سعید، اور انہیں سے عطیہ عفی روایت کرتے ہیں، اور چونکہ عطیہ عوفی شیعہ تھے، وہ اسی قسم کی حدیثوں کو اپنے شیخ ابوسعید کلبی سے اس طور پر روایت کرتے ہیں کہ جس سے دھوکہ ہو کہ یہ ابوسعید خدری صحابی سے روایت ہے کیونکہ وہ حدثنا یا قال ابوسعید کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں، کلبی یا اوران کا مشہور نام نہیں لیتے تا کہ لوگوں کو شبہ ہو کہ یہ روایت جس سے یہ روایت کرتے ہیں۔ اور وہ ابوسعید کلبی سے ہے نہ کہ ابوسعید خدری سے نمایاں ہو جائے پہلے ہم عطیہ کا حال اور پھر ابوسعید کلبی کا حال اسماء الرجال کی کتابوں سے بیان کرتے ہیں اور اس پردے کو جو ایک مدت دراز سے ان روایتوں پر پڑا ہوا تھا اٹھاتے ہیں۔

عطیہ: جنہوں نے اس روایت کو ابوسعید سے بیان کیا ہے، ان کی نسبت تقریب میں جو اسماء الرجال کی معتبر کتاب ہے لکھا ہے کہ وہ روایت میں خطا بھی کرتے تھے اور تدلیس بھی فرماتے تھے اور شیعہ بھی تھے۔ ((كما يقول عطية بن سعد الكوفي يخطى كثير او كان شيعيا مدلسا .))

اول تو ان کی روایت بہ سبب اس کے کہ وہ بہت کثیر الخطا تھے، یقین کے قابل نہیں، دوسرے بوجہ تدلیس کے پایہ اعتبار سے ساقط ہے اور تیسرے بلحاظ شیعہ ہونے کے یہ روایت شیعوں کی ہے نہ کہ سنیوں کی۔

روایت میں خطا کرنا اور شیعہ ہونا، یہ دو چیزیں محتاج بیان نہیں ہیں۔ مگر تدلیس کیا چیز ہے اور راوی میں یہ عیب کس درجے کا خیال کیا جاتا ہے، البتہ قابل بیان ہے۔ تا کہ ناظرین اس روایت کی صحت کا صرف ایک تدلیس کے سبب سے اندازہ کر سکیں۔ ابن جوزی تدلیس کو روایت میں اس قدر قبیح اور شنیع سمجھتے تھے کہ وہ تلبیس ابلیس میں لکھتے ہیں:

((ومن تلبيس ابليس على علماء المحدثين رواية الحديث الموضوع من غيران يبنوا انه موضوع و هذا خيانة منهم على

الشـرع و مقصود هم تنفيق احاديثم و كثرة روايا تهم و قدقال النبى من روى عنى حديثا يرى انه كذب فهوا حد الكاذبين و من هذ الفن تدليسهم فى الرواية فتارة يقول احدهم فلان عن فلان او قال فلان عن فلان يوهم انه سمع منه و لم يسمع وهذا قبيح لانه يجعل المنقطع فى مرتبة المتصل......)) انتهى

''یعنی محدثین کو تدلیس حدیث موضوع کو روایت کرنے میں یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ یہ بیان نہیں کرتے کہ یہ حدیث موضوع ہے، حالانکہ یہ بات اس کی شرع میں خیانت ہے اور ان کا اپنی احادیث کا جاری کرنا اور کثرت سے روایات کا ہونا مقصود ہوتا ہے اور پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی حدیث روایت کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ وہ حدیث جھوٹی ہے تو وہ خود بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ اور فن حدیث میں روایت کی تدلیس یہ ہے کہ راوی یہ کہے کہ فلاں نے فلاں سے فلاں نے کہا فلاں سے، جس سے یہ وہم دلاتا ہے کہ فلاں نے فلاں سے سنا ہے حالانکہ نہیں سنا تو یہ بہت بری بات ہے، اس لیے کہ راوی حدیث منقطع کو (جس کا راوی بیچ میں سے چھوٹا ہو) متصل کے (جس کے راوی برابر مسلسل ہوں) برابر کرنا چاہتا ہے...... انتھی''

اور میزان الاعتدال میں ان کی نسبت لکھا ہے:

((عطية بن سعد العوفى الكوفى تابعى شهير ضعيف قال سالم المرادى كان عطية يتشيع و قال احمد ضعيف الحديث و كان هيثم يتكلم فى عطية و روى ابن المدائنى عن يحيىٰ قال عطية و ابو هارون و بشير بن حرب عندى سواء و قال احمد بلغنى ان عطية كان ياتى الكلبى فياخد عنه التفسير كان يكتبه بابى سعيد فيقول قال ابو سعيد قلت يعنى يوهم انه

الخدری و قال النسائی و جماعة ضعیف .))

''یعنی عطیہ بن سعد عوفی کوفی تابعی مشہور ضعیف ہے اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ ان کی حدیث ضعیف ہے، سالم مرادی کہتے ہیں کہ عطیہ شیعہ تھا، امام احمد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث ہے، ہیثم کو عطیہ میں کلام ہے اور ابن مدینی نے یحیٰی سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عطیہ اور ابو ہارون اور بشر بن حرب میرے نزدیک برابر ہیں، امام احمد کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آتے اور ان سے تفسیر لیتے اور اسے ابوسعید کے نام سے لکھ دیتے اور یوں کہتے کہ ابوسعید نے ایسا کہا ہے، ذہبی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا مقصود یہ ہوتا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ ابوسعید خدری ہیں، اور نسائی اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف کہا ہے۔''

اور سخاوی نے رسالہ منظومہ جزری میں جو اصول حدیث میں باب من له اسماء مختلفة و نعوت متعددة میں جہاں کلبی کا ذکر لکھا ہے وہاں یہ بیان کیا ہے ((وھو ابو سعید الذی روی عنه عطیة العوفی موھما انه الخدری)) کہ یہی کلبی ابوسعید کی کنیت سے بھی پکارے جاتے ہیں اور عطیہ عوفی ان سے جو روایت کرتے ہیں وہ اسی کنیت سے، یعنی قال ابو سعید کہہ کر روایت کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو یہ خیال ہو کہ یہ ابو سعید خدری ہیں۔

اس حقیقت سے جو ہم نے عطیہ کی بیان کی مثل آفتاب روز روشن کے یہ بات کھل گئی کہ یہ روایت ابوسعید خدری سے جو صحابی رسول تھے، نہیں ہے بلکہ ابوسعید کلبی سے ہے جو مفسر تھے۔

اب ہم ابوسعید کلبی کا حال ظاہر کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ حضرت جن پر ان تمام روایتوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے جھوٹے، حدیثوں کے بنانے والے اور شیعہ تھے۔ ان کی نسبت امام سخاوی نے شرح رسالہ منظومہ جزری میں اس بات میں جس کا ذکر اوپر ہوا، یہ لکھا

ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کے مختلف نام اور متعدد کنیتیں اور لقب ہیں ایک محمد بن سائب کلبی مفسر ہیں، انہی کی کنیت ابونضر ہے اور اس کنیت سے ابن اسحاق ان سے روایت کرتے ہیں۔ اور انہی کا نام حماد بن سائب ہے اور ابواسامہ اسی نام سے ان سے روایت کرتے ہیں۔ اور انہی کی کنیت ابوسعید ہے اور اسی کنیت سے عطیہ عوفی ان سے روایت کرتے ہیں تا کہ لوگوں کہ شبہ میں ڈالیں کہ یہ ابوسعید خدری ہیں اور انہی کی کنیت ابو ہشام بھی ہے اور اس کنیت سے قاسم بن الولید ان سے روایت کرتے ہیں۔ اصل الفاظ شرح مذکور کے یہ ہیں:

((ان من امثلة (ای من له اسماء مختلفة و نعوت متعددة) محمد بن سائب الكلبى المفسر هو ابو النضر الذى روى عنه ابن اسحاق و هو حماد بن السائب روى عنه ابو اسامه و هو ابو سعيد الذى روى عنه عطيه الكوفى موهما انه الخدرى وهو ابو هشام روى عنه القاسم بن الوليد .))

اور تقریب میں ان کی نسبت یہ لکھا ہے:

((محمد بن السائب بن بشير الكلبى ابوالنضر الكوفى النسابة المفسر منهم بالكذب و رمى بالرفض من السادسة مات سنة ماة وست اربعين .))

''کہ محمد بن سائب کلبی نسبت جاننے والے اور تفسیر لکھنے والے جھوٹ اور رفض سے متہم ہیں۔''

اور میزان الاعتدال میں ان کی نسبت لکھا ہے:

((محمد بن السائب الكلبى ابو النضر الكوفى المفسر النسابة الاخبارى قال الثورى اتقو الكلبى فقيل انك تروى عنه قال انا اعرف صدقه من كذبه قال البخارى ابو النضر الكلبى تركه يحيىٰ و ابن مهدى ثم قال البخارى قال على

حدثنا یحییٰ عن سفیان قال لی الکلبی کلما حدثتك عن ابی صالح فھو کذب و قال یزید بن زریع حدثنا الکلبی و کان سبائیا قال ابو معاویة قال الاعمش اتق ھذہ السبائیة فانی ادرکت الناس وانما یسمونھم الکذابین و قال ابن حبان کان الکلبی سبائیا من اولئك الذین یقولون ان علیا لم یمت و انہ راجع الی الدنیا و یملاء ہ عدلا کما ملئت جور اوان راو اسحابة قالوا امیر المومنین فیھا و عن ابی عونة سمعت الکلبی یقول کان جبریل یملی الوحی النبی ﷺ فلما دخل النبی ﷺ الخلاء جعل یملی علی علی و قال احمد بن زھیر قلت لا حمد بن حنبل یحل النظر فی تفسیر الکلبی قال لا ، و قال الجوز جانی وغیرہ کذاب و قال الدارا لقطنی و جماعة متروك و قال ابن حبان وضوع الکذب فیہ اظھر من ان یحتاج الی الاعراف و فی و صفہ یروی عن ابی صالح عن ابن عباس التفسیر و ابو صالح لم یر ابن عباس ولا سمع الکلبی من ابی صالح فلما احتیج الیہ اخرجت لہ الارض فلاذ کبدھا لا یحل ذکرہ فی الکتب فکیف الاحتجاج بہ .))

”کہ محمد بن سائب کلبی جن کی کنیت ابو النضر ہے وہ کوفی ہیں اور مفسر اور نسب جاننے والے اخباری ہیں۔ امام ثوریؒ ان کی نسبت کہتے ہیں کہ کلبی سے بچنا چاہیے اس پر ان سے کسی نے کہا کہ آپ تو خود ان سے روایت کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کے جھوٹ کو اس کے سچ سے جدا کرنا جانتا ہوں اور بخاری نے کہا ہے کہ یحییٰ اور ابن مہدی نے اس کی روایت قابل ترک بتلائی

ہے اور بخاری نے یہ بھی کہا ہے کہ علی نے یحییٰ سے اور انہوں نے سفیان سے بیان کیا ہے کہ ابو صالح سے جو میں تم سے روایت کروں وہ جھوٹی ہے۔ اور یزید بن زریع نے کلبی سے روایت کی ہے کہ وہ عبداللہ بن سبا کے فرقے کا تھا، اور ابومعاویہ کہتے ہیں کہ اعمش نے کہا ہے کہ اس سبائیہ فرقے سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ کذاب ہوتے ہیں اور ابن حبان نے کہا ہے کہ کلبی سبائی تھا، یعنی ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ نہیں مرے اور پھر وہ دنیا کی طرف رجعت کریں گے اور اسے انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی تھی اور جب کہ وہ بادل کو دیکھتے تو کہتے کہ امیر المومنین اسی میں ہیں۔ اور ابی عوانہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود کلبی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جبرئیل علیہ السلام پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بیان کرتے اور ایسا اتفاق ہوتا کہ آپ رفع حاجت کے لیے بیت الخلاء جاتے تو جبرئیل علیہ السلام علی رضی اللہ عنہ پر اس وحی کو املا کرتے، یعنی ان سے کہتے۔ اور احمد بن زہیر کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ کلبی کی تفسیر کا دیکھنا درست ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، اور جوزجانی وغیرہ نے کہا ہے کہ کلبی بڑا جھوٹا ہے اور دار قطنی اور ایک جماعت نے کہا کہ وہ متروک ہے، یعنی اس کی روایت لینے کے لائق نہیں ہے، اور ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کا جھوٹ ایسا ظاہر ہے کہ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ اور ان حضرت کے صفات میں سے یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ تفسیر کو ابو صالح سے اور ابو صالح کی روایت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں حالانکہ نہ ابو صالح نے ابن عباس کو دیکھا ہے نہ کلبی نے ایک حرف ابو صالح سے سنا مگر جب ان کو تفسیر میں کچھ بیان کرنے کی حاجت ہوتی تو اپنے دل سے نکال لیتے، ایسے کا ذکر کرنا کتاب میں جائز نہیں ہے نہ کہ اس سے سند لینا۔‘‘

اور تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی نے ان کے فرزند ارجمند ہشام بن کلبی کا [1] جہاں بیان لکھا ہے وہاں ان کے پدر بزرگوار، یعنی محمد بن سائب کلبی کو رافضی لکھا ہے اور ان کے فرزند کو اس قسم کے متروکین میں سے کہ جس کو حفاظ حدیث میں داخل بھی نہیں کیا، جیسا کہ وہ کہتے ہیں: ((ھشام بن کلبی الحافظ احد المتروکین لیس بثقة فلھذالم اد خله بین حفاظ الحدیث وھو ابو المنذر ھشام بن محمد السائب الکوفی الرافضی النسابة)) اور یاقوت حموی نے معجم الادبا میں جہاں محمد بن جریر طبری کی کتابوں کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے: ((ولم یتعرض ای الطبری تفسیر غیر موثوق به فانه لم یدخل فی کتابه شیئاعن کتاب محمد بن السائب الکلبی ولا مقاتل بن سلیمان ولا محمد بن عمر الواقدی لانھم عنده اظناه)) کہ طبری نے غیر معتبر

---

[1] اور ان دونوں باپ بیٹوں کی نسبت انساب سمعانی مؤلف ابوسعید عبدالکریم ابن محمد المروزی الشافعی میں یہ لکھا ہے:
وابوالنضر محمد بن السائب ابن بشر بن عمر و ابن الحارث بن عبدالعزیٰ بن امری القیس بن عامر بن النعمان ابن عامر بن عبدود بن کنانه بن عوف بن عذره بن زید اللات بن افیده ابن ثورین کلب صاحب التفسیر من اهل الکوفه یروی عنه الشوری و محمد بن اسحاق و یقولان ثنا ابو النضر حتی لا یعرف و هوالذی عطیه العوفی ابا سعید فکان یقول حدثنی ابو سعید یرید به الکلبی فیتو همون انه اراده به ابا سعید الخدری و کان الکلبی یقول اسبابا من اصحاب عبدالله بن سبا من اولئك الذین یقولون ان علیا لم یمت وانه راجع الی الدنیا قبل قیام الساعة فیملا هاعد الا کما ملئت جور اوان راود اسحابة قالوا امیر المومنین فیها فاحذمنهم و قال: و من قوم اذ اذ کروا علیا۔ یصلون الصلوٰة علی السحاب مات الکلبی ١٠٤٦ء وابنه ابو المنذر هشام بن محمد سائب بن بشیر الکلبی من اهل الکوفة صاحب النسب یروی عن ابیه و معروف مولی سلیمان الغرائب و العجائب والا خبارالتی الاصول لهاروی عنه شباب العصفری وابنه العباس بن هشام و محمد بن سعید کاتب الواقدی و علی بن حرب الموصلی و عبدالله بن الضحاك الهداوی و ابو الا شعث احمد ابن المقدام العجلی وکان غالیا فی التشیع اخباره فی الاغلوطات اشهر من ان یحتاج الی الاعراف فی و صفها و کان هشام بن الکلبی یقول حفظت مالم یحفظ احد و نسیت مالم ینسه احد کان لی عم یعاتبنی علی حفظ القرآن فد خلت بیتا و حلفت ان لااخرج منه حتی احفظ القرآن محفظة فی ثلاثة ایام و نظرت فی المرأة و قبضت علی ئحسیتی لاخذ مادون القبضة فاخذت مافوق القبضة قال عبدالله بن احمد بن حنبل سمعت ابی یقول هشام بن محمد بن السائب الکلبی من یحدث عنه انما هو صاحب سمر و نسب و ظننت ان احدا یحدث عنه مات سنة اربع وست وما تین۔ ٢

تفسیر اپنی تفسیر کی کتاب میں بیان نہیں کی اور اسی لیے کتاب میں کچھ بھی محمد بن سائب کلبی اور مقاتل بن سلیمان اور محمد بن عمر واقدی کی کتابوں سے نہیں لیا۔ کیونکہ یہ لوگ ان کے نزدیک مشکوکین میں سے ہیں۔ اور محمد طاہر گجراتی نے ''تذکرۃ الموضوعات'' میں کلبی کی نسبت لکھا ہے: ((قد قال احمد فی تفسیر الکلبی من اولہ الیٰ آخرہ کذب لایجعل النظر فیہ .))

یہ حالت ہے ابوسعید کلبی کی، جو محققین کے اقوال سے ہم نے بیان کی ہے۔ بلحاظ عقائد کے عبداللہ بن سبا کے فرقے میں سے ہیں اور رجعت کے قائل اور جناب امیر کے بادلوں میں چھپے ہونے کے معتقد اور بلحاظ صدق کے ایسے اعلیٰ درجے پر ہیں کہ جن کو نہ دیکھا اور جن سے نہ کچھ سنا ان سے برابر روایت کرتے ہیں، اور جس موقع پر جو چاہا اسے اپنے دل سے گڑھ کر بیان کر دیتے ہیں۔ اور اعتبار کی یہ کیفیت ہے کہ معتبر اور محقق تفسیر لکھنے والے مثل طبری کے اپنی کتاب میں ان کی کسی روایت کا نقل کرنا بھی جائز نہیں سمجھتے اور یہی ہیں واضع یا ناقل حدیث ہبہ فدک کے جسے عطیہ نے کہ وہ بھی مدلس اور شیعہ تھے، اپنے مذہبی عقائد کی حمایت کے لیے ان سے روایت کیا ہے اور ان کے دیگر نام اور کینتیں چھوڑ کر حدثنا ابو سعید کہہ کر لوگوں کو اس شبہ میں ڈالا کہ یہ ابوسعید خدری ہوں گے۔

اس بات کا ثبوت کہ ابوسعید جن پر روایت کا سلسلہ ان حدیثوں کا ختم ہوتا ہے ابوسعید خدری نہیں ہیں۔ صرف خیالی نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت متقدمین کی تحریروں اور روایتوں سے بھی ملتا ہے۔ مثلاً: کنز العمال میں جو روایت حاکم کی تاریخ سے منقول ہے اور عماد الاسلام وغیرہ میں بیان کیا ہے اور سید الحفاظ ابن مردویہ کی روایت جو طرائف اور عماد الاسلام وغیرہ میں منقول ہے اور در منثور سیوطی، بزار، ابویعلیٰ اور ابن ابی حاتم کی روایتوں میں صرف ابوسعید سے لکھا ہے خدری کا لفظ اس کے آگے نہیں ہے، یہ لفظ اسی وہم کے سبب سے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا پیچھے بڑھایا گیا ہے۔

اگرچہ عطیہ اور کلبی کے حالات بیان کرنے کے بعد ہبہ فدک کی روایت کا غلط اور جھوٹا

ہونا ثابت ہو گیا اور ثابت بھی اس طور پر کہ اس میں کچھ شبہ نہیں رہا اور اس بات کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ اور راویوں سے بحث کی جائے مگر ہم روایت اور راویوں سے بھی بحث کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ یہ سارے سلسلے متروکین، مجہولین، کاذبین اور رافضین سے کم وبیش بھرے ہوئے ہیں اور جن کو دیکھیے اس میں کچھ نہ کچھ تشیع یا تدلیس یا مجہولیت کی بو آتی ہے۔

پہلی روایت جو طرائف کی سید الحفاظ ابن مردویہ سے ہم نے نقل کی اس کے آخری راوی ابوسعید ہیں اور جس نے ان سے روایت کی ہے، یعنی عطیہ ان کا حال تو معلوم ہو گیا اب فضیل کا حال سنیے جنھوں نے عطیہ سے روایت کی ہے، ان کی نسبت تقریب میں لکھا ہے الفضیل بن مرذوق الکوفی رمی بالتشیع کہ فضیل بن مرزوق تشیع کے سبب سے چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے: ((الفضیل بن مرذوق الکوفی قال ابن معین شدید التشیع قال ابو حاتم صادق وهم کثیرا)) کہ فضیل بن مرزوق کوفی کی نسبت ابن معین نے کہا ہے کہ بڑے کٹر شیعہ تھے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ سچے تھے مگر وہم بہت کرتے تھے۔ اور تہذیب میں ان کی نسبت لکھا ہے: بکتب حدیثه و لا یحتج به و قال النسائی ضعیف کہ ان کی حدیث لکھ لی جائے مگر قابل حجت نہیں ہے اور نسائی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ اور میزان الاعتدال میں ہے:

((وقال ابو عبدالله الحاکم فضیل بن مرذوق لیس من شرط الصحیح عیب علی مسلم اخراجه فی الصحیح و قال ابن حبان منکر الحدیث جدا کان ممن یخطی علی الثقات ویروی عن عطیة الموضوعات قلت عطیة اضعف منه قال ابن عدی انه اذا وافق الثقات یحتج به وروی احمد بن ابی خیثمة عن ابی معین ضعیف.))

"یعنی ابوعبداللہ حاکم کہتے ہیں کہ فضیل بن مرزوق میں شرط صحت نہیں ہے اور حاکم نے امام مسلم پر اس امر سے عیب لگایا ہے کہ انہوں نے اسے ثقہ لوگوں میں

شمار کیا ہے۔ اور ابن حبان کہتے ہیں کہ فضیل بہت ہی منکر الحدیث ہے اور ثقات پر خطا لگایا کرتے تھے اور عطیہ سے موضوعات روایت کرتے ہیں۔ ذہبی کہتے ہیں کہ عطیہ تو ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ فضیل جب ثقات کی موافقت کریں تو ان سے احتجاج کیا جائے اور احمد بن خیثمہ نے ابن معین سے ان کا ضعیف ہونا روایت کیا ہے۔''

اور فضیل بن مرذوق سے اس خبر کو علی بن عباس نے روایت کیا ہے۔ ان کا حال سنیے:

''میزان الاعتدال'' میں ہے:

((علی بن عباس الارزق الاسدی الکوفی عن العلاء بن المسیب و ابن ابی سلیم و غیرھماروی ابن عباس عن ابی معین لیس بشیء وقال الجوزجانی و النسائی والازدی ضعیف و قال ابن حبان فحش خطاء فاستحق الترك قال القاسم بن زکریا ثنا عباد بن یعقوب ثنا علی بن عباس عن فضیل بن مرذوق عن عطیة عن ابی سعید قال لمانزلت وآت ذا القربی حقه دعا رسول الله فاطمة فاعطاها فدك قلت هذا باطل ولو کان دفع ذلك لما جاء ت فاطمة تطلب شیئًا هو فی حوزها و ملکها و فیه غیر علی من الضعفاء......))

''کہ علی بن عباس ارزق اسدی کوفی علاء بن مسیّب اور ابن ابی سلیم وغیرہما سے روایت کرتے ہیں، اور ابن عباسؓ نے ابن معین سے بیان کیا ہے کہ یہ کچھ نہیں ہیں اور جوزجانی، نسائی اور ازدی ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ اور ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ایسی خطائیں فاحش کرتے تھے جس سے چھوٹ دینے کے مستحق ہوئے۔ قاسم بن زکریا نے کہا کہ عباد بن یعقوب نے ہم سے بیان کیا اور ان سے علی بن عباس نے اور ان سے فضیل بن مرذوق نے اور اس سے عطیہ نے اور اس سے

ابو سعید نے کہ جب آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فدک دے دیا۔ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث باطل ہے اگر آپ فدک دے دیتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر کچھ طلب نہ فرماتیں، اس لیے کہ فدک آپ کی ملک اور قبضے میں ہوتا، اور اس حدیث میں سوا علی بن عباس کے اور بھی ضعیف راوی ہیں۔‘‘

علی بن عباس سے عباد بن یعقوب روایت کرتے ہیں، ان حضرت کا حال معلوم کیجیے۔ تقریب میں یہ لکھا ہے:((عباد بن يعقوب الرواجنى بتخفيف الواوو بالجيم المسكورة والنون الخفيفة ابو سعيد الكوفى صدوق رافضى حديثه فى البخارى مقرون بالغ ابن حبان فقال يستحق الترك .)) یعنی عباد بن یعقوب رافضی تھے ان کی حدیث بخاری میں ہے جس کی نسبت ابن حبان نے نہایت مبالغہ کر کے کہا ہے کہ وہ چھوڑ دینے کے لائق ہے۔ اور مغنی مؤلفہ صاحب مجمع البحار میں ہے: ((ابن يعقوب الرواجنى صدوق رافضى حديثه فى البخارى مقرون فقيل عليه هو يستحق الترك .)) اور تہذیب التہذیب میں ہے: ((عباد بن يعقوب الاسدى ابو سعيد الرواجنى احد رؤس الشيعة...... قال ابن عدى فيه فلوروى احاديث منكرة فى فضائل اهل بيت و قال صالح بن محمد يشتم عثمان .)) کہ عباد بن یعقوب شیعہ کے بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ان میں تشیع کا غلو تھا، فضائل اہل بیت میں بہت سی منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں، اور صالح بن محمد کہتے ہیں کہ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو برا کہا کرتے تھے۔ اور میزان الاعتدال میں ہے:

((عباد بن يعقوب الاسدى الراوجنى الكوفى من غلاة الشيعة ورؤس البدع لكنه صادق فى الحديث عن شريك والوليد بن ابى ثورو خلق و عنه البخارى حديثا فى الصحيح

قمر و نابا خرو قال ابن خزيمة حدثنا الثقة فى رواية والمتهم فـى ديـنـه عبـاد وروى عبدان الاهوازى عن الثقة ان عباد بن يـعقوب كان يشتم السلف و قال ابن عدى يروى احاديث فى الـفـضـائـل انـكـرت عـلـيـه و قال صالح جزره كان عباد بن يـعـقـوب يشتم عثمان و سمعته يقول الله اعدل من ان يدخل طـلحة والزبير الجنة قاتلا عليا بعد ان بايعاه و كان داعية الى الـرفـض و مـع ذلك يـروى الـمناكير عن المشاهير فاستحق الترك و قال الدار قطنى عباد بن يعقوب شيعى صدوق .))

''یعنی عباد بن یعقوب اسدی رواجنی کوفی غالیان شیعہ اور بدعتیوں کے رئیسوں میں سے ہیں لیکن حدیث میں صادق ہیں، شریک اور ولید بن ابی ثور اور بہت سی خلق سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے بخاری نے ایک حدیث جو دوسرے راوی سے مقرون ہے روایت کی ہے، اور ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص جو روایت میں ثقہ اور دین میں متہم ہو کر ہم سے حدیث بیان کرتا ہے وہ عباد ہے اور عبدان اہوازی نے ثقہ سے روایت کی ہے کہ یہ سلف کو گالیاں دیا کرتے تھے اور ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ فضائل میں منکر احادیث روایت کرتے ہیں اور صالح جزرہ کہتے ہیں کہ عباد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا تھا اور میں نے اس کو یہ بھی کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس امر سے زیادہ عادل ہے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو جنت میں داخل کرے کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کے بعد قتال کیا اور یہ رفض کی طرف لوگوں کو بلایا کرتا تھا، اور باوجود اس کے مشاہیر سے منکر احادیث روایت کرتا ہے، اس لیے مستحق ترک ہوا۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ عباد پکا شیعہ ہے۔''

اس روایت کے سلسلے میں جن لوگوں کے نام اسماء الرجال کی ان کتابوں میں ہم کو ملے

جو ہمارے پاس ہیں ان میں پانچ نام پائے گئے ہیں اور خدا کے فضل سے پانچوں شیعہ نکلے، یعنی (۱) عباد بن یعقوب (۲) علی بن عباس (۳) فضیل (۴) عطیہ (۵) ابوسعید۔ اور ان سب کے بزرگ جو اس روایت کے بانی ہیں وہ ابوسعید کلبی ہیں جن کا درجہ تشیع سے بھی بالاتر ہے، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موت کے بھی قائل نہیں بلکہ ان کی رجعت کے معتقد ہیں۔

دوسری روایت جو بحارالانوار میں بحذف اسانید اور تفسیر مجمع البیان طبرسی میں بہ تفصیل اسناد سید ابوحمید مہدی ابن نزار حسینی سے شروع اور ابوسعید خدری پر منتہی ہوتی ہے، اس کے اخیر تین راوی فضیل بن مرزوق، عطیہ عوفی اور ابوسعید کلبی ہیں، جن کو غلطی سے یا دھوکے سے ابو سعید خدری سمجھا ہے، باقی اس سلسلے میں ایک یحیٰی بن علی ہیں ان کی نسبت تقریب میں ہے: ((یحییٰ بن یعلی الاسلمی کوفی شیعی ضعیف من التاسعة .)) اور تہذیب التہذیب میں ہے: ((یحییٰ بن یعلی الاسلمی ابو زکریا الکوفی القطرا فی عن یونس بن خباب والا عمش وعنه جندل ابن والق و قتیبة قال ابن معین لیس بشیء و قال ابو حاتم ضعیف الحدیث .)) کہ یحیٰی بن یعلیٰ شیعی ضعیف ہیں اور ابن معین کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ ضعیف الحدیث ہیں۔ باقی راویوں کی حقیقت نہ موجودہ کتابوں میں نکلی اور نہ ان کے تحقیق کی ضرورت ہے، اس لیے کہ بالفرض اگر وہ صدوق اور سنی ثقہ بھی ہوں، تاہم سلسلہ روایت ان تین پر ختم ہوتا ہے جو شیعی اور مدلس ہیں اور اخیر کے راوی جو بانی حدیث ہیں اور جن کو ابوسعید خدری غلطی یا دھوکہ سے لکھا ہے، وہ کاذب، واضع حدیث اور شیعی غالی ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ سوائے اس کے یہ روایت جو بحارالانوار میں لکھی ہے اس میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں کہ جس کی طرف رجوع کیا جائے، کیا تعجب ہے بلکہ گمان غالب ہے کہ یہ روایت شیعوں کی ہی ہو اور ملا باقر مجلسی نے یا صاحب مجمع البیان نے اپنے یہاں کی کتابوں سے نقل کیا ہو۔

تیسری روایت جسے بحارالانوار میں سید ابن طاؤس کی کتاب سعد السعود سے نقل کیا ہے

اور انہوں نے تفسیر محمد بن عباس بن علی بن مروان سے اس روایت کو لیا ہے۔ اس کی نسبت اول تو یہ دیکھنا ہے کہ محمد بن عباس بن علی بن مروان کون بزرگ ہیں۔ "منتهى المقال فى اسماء الرجال" ❶ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ علماء اور مفسرین شیعہ میں سے ہیں جیسا کہ ان کے ترجمہ کتاب مذکور میں لکھا ہے: ((محمد بن عباس بن علی بن مروان بن الماهيار ابو عبدالله البزازا لمعروف بابن الحجام ثقة فى اصحابنا عين سديد كثير الحديث له كتاب المقنع فى الفقه كتاب الدوا جن كتاب مانزل من القرآن فى اهل البيت و قال جماعة من اصحابنا انه كتاب لم يصنف فى معناه مثله و قيل انه الف ورق جش صه الاذكر الكتابين الاولين و فى ست اجبرنا بكتبه وروایاته جماعة من اصحابنا عن ابى محمد بن هارون بن موسىٰ التلعكبرى عنه اقول فى مشكا ابن عباس بن على بن مروان الثقة عنه التعلكبرى .)) " کہ محمد بن عباس ثقہ ہیں اور ہمارے اصحاب میں سے ہیں، نہایت کثرت سے حدیثیں روایت کرتے ہیں اور بہت سی کتابیں ان کی تصنیفاف میں سے ہیں، ان میں سے ایک تفسیر میں ان آیات قرآنی کے ہے جو اہل بیت کی شان میں نازل ہوئیں اور جس کی نسبت ہمارے بہت سے عالموں نے کہا ہے کہ اس قسم کی کتاب اس باب میں کبھی تصنیف نہیں ہوئی اور اس کے ہزار ورق ہیں۔" اس لیے اس کتاب میں لکھا ہونا تو صرف شیعوں کو مقبول ہو گا نہ کہ سنیوں کو۔ اور ان حضرات نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا نہیں کہ اس روایت کو سنیوں کی کتاب سے لیا ہے یا شیعوں کی۔ مگر یہ بھی وہی روایت ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے، اس لیے کہ اس میں دو طریقوں سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ ایک تو محمد بن محمد اور ہیثم بن خلف اور عبداللہ بن سلیمان اور محمد بن قاسم سے، کہ یہ چاروں کہتے ہیں حدثنا عباد بن یعقوب کہ یہ حدیث ان کو عباد بن یعقوب سے پہنچی اور

❶ یہ کتاب اسماء الرجال میں شیعوں کے یہاں نہایت معتمد ہے اور اس درجے کی ہے جیسے کہ میزان الاعتدال سنیوں کے یہاں۔ ۱۲ منہ۔

عباد بن یعقوب کو علی بن عباس سے، (جس کو غلطی سے عابس لکھا ہے) اور دوسرا سلسلہ یہ ہے کہ جعفر بن محمد حسینی روایت کرتے ہیں علی بن منذر طریقی سے اور وہ روایت کرتے ہیں علی بن عباس سے۔ پس یہ دونوں سلسلے علی بن عباس پر ختم ہوتے ہیں اور علی بن عباس کا سلسلہ ختم ہوتا ہے فضیل پر، اوران کا عطیہ پر، اوران کا ابوسعید پر۔ اوران تینوں کا حال بخوبی معلوم ہو چکا ہے۔

ان سے ایک سلسلہ جو علی بن منذر طریقی سے چلا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ علی بن منذر اگرچہ صدوق ہیں مگر شیعہ ہیں جیسا کہ تقریب میں لکھا ہے: ((علی بن منذر الطریقی بفتح المهملة و کسر الراء بعدها تختانية ساکنة ثم قاف الکوفی صدوق یتشیع)) اور میزان الاعتدال میں ذہبی ان کی نسبت لکھتے ہیں: ((قال النسائی شیعی محض ثقة.)) اور جب کہ علی بن منذر شیعہ تھے تو ان کی ایسی روایت پر جو ان کے عقائد کی تائید کرنے والی ہو، جو کچھ اعتبار ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اور علی بن منذر طریقی سے اس روایت کو جعفر بن محمد حسینی نے روایت کیا ہے اور یہ نہ صرف معمولی شیعہ ہیں بلکہ نہایت صدوق اور ثقہ من مشائخ الاجازۃ شیعوں کے ہیں، جیسا کہ منتہی المقال میں جو اسماء الرجال میں شیعوں کی نہایت معتبر کتاب ہے، ان کی نسبت لکھا ہے: ((جعفر بن محمد بن ابراهيم الحسينى الموسوى المصرى يروى عنه التلعكبرى وكان سماعه عنه سنة اربعين و ثلاث ماة بمصر وله منه اجازة وزاد فى بعض النسخ ابو القاسم فى الاول فانظر انه يكنى به وكناه به الشيخ ايضا فى محمد بن ابى عمير و عبر عنه ابن شريف الصالح و فى عبدالله احمد بن نهيك ايضا كو نه من مشائخ الاجازة و ذلك مارة الوثاقة.)) یعنی جعفر بن محمد بن ابراہیم حسینی موسوی مصری، ان سے تلعکبری روایت کرتے ہیں اور تلعکبری نے ان سے مصر میں سن ۳۴۰ء میں حدیث کی سماعت کی ہے اور ان کو ان سے اجازت بھی حاصل ہے۔ اور یہ مشائخ اجازہ میں سے ہیں اور یہ ثقہ ہونے کی علامت ہے، اور عبداللہ بن احمد بن نہیک کے بارے میں لکھا ہے: ((الشيخ الصدوق ثقة)) اور انہیں کے تذکرے میں لکھا ہے: ((اخبرنا

القاضی ابو الحسن محمد بن عثمان بن الحسن قال اشتملت اجازة ابی القاسم جعفر بن محمد بن ابراهیم الموسوی)) انتهی .))

دوسرے سلسلے میں ایک راوی محمد بن قاسم زکریا ہیں، ان کی نسبت تقریب میں لکھا ہے: ((محمد بن القاسم الاسدی الکوفی شامی الاصل لقبه کاذب .)) یعنی یہ حضرت جھوٹوں میں داخل ہیں۔ اور رجعت پر ایمان لانے والے ہیں، اس سے بڑھ کر ان کے تشیع کی اور کیا دلیل ہوگی: ((کما قال فی میزان الاعتدال محمد بن القاسم بن زکریا المجازی الکوفی عن علی بن منذر الطریقی وجماعة تکلم فیه و قیل کان یومن بالرجعة و قعد حدث بکتاب النهی عن حسین بن نصر بن مزاحم ولم یکن له فیه سماع و مات سنة ست و عشرین و ثلاث ماة .)) یعنی میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ میں بن قاسم بن زکریا مجازی کوفی ہیں جو علی بن منذر طریقی سے روایت کرتے ہیں اور ایک جماعت نے ان کے سلسلے میں کلام کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ رجعت پر ایمان رکھتے تھے اور کتاب النہی میں حسین بن نصر بن مزاحم سے انہوں نے روایت کی ہے حالانکہ ان سے سنا بھی نہیں۔ سن ۳۲۶ء میں انتقال ہوا۔

اور ایک راوی اس میں محمد بن سلیمان ہیں یہ وضع حدیث میں متہم ہیں اور میزان الاعتدال میں ان کی نسبت لکھا ہے: ((محمد بن محمد بن سلیمان عن الطبرانی مخبر موضوع الهم به .)) اور ایک راوی عبداللہ بن سلیمان بن اشعث ہیں ان کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ اول میں منسوب بہ ناصبیت تھے، اس لیے یہ بغداد سے نکال دیے گئے مگر پھر علی بن عیسیٰ کے زمانے میں واپس آئے اور اس داغ کے مٹانے کے لیے اپنے خیال سے بنا بنا کر فضائل کی حدیثیں بیان کیں اور ان میں سے ایک شیخ بن گئے۔ الفاظ میزان کے یہ ہیں:

((عبدالله بن سلیمان بن اشعت السجستانی ابوبکر الحافظ الثقة صاحب التصانیف وثقه الدار قطنی فقال ثقة الا انه کثیر الخطاء فی الکلام علی الحدیث و ذکره ابن عدی و قال لولا

ماشر طنا والا لماذکرته الی قوله سمعت ابا داؤ دیقول ابنی عبدالله کذاب قال ابن سعد کفانا ما قال ابوه فیه ثم قال ابن عدی سمعت موسیٰ بن القاسم یقول حدثنی ابوبکر سمعت ابراهیم الاصبهانی یقول ابوبکر بن ابی داؤد کذاب قال ابن عدی کان فی الابتداء نسب الی شیئی من النصب فنفاء ابن الفراط من بغداد فرده علی بن عیسیٰ فحدث و اظهر فضائل من تخئیل فصار شیخا منهم .))

''عبداللہ بن سلیمان بن اشعث سجستانی ابوبکر حافظ ثقہ اور صاحب تصانیف ہیں دارقطنی نے ان کو ثقہ بتایا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ کلام میں غلطی بھی کرتے تھے، ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد سے سنا وہ کہتے تھے کہ میرا لڑکا عبداللہ جھوٹا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کے باپ کی بات ہمارے لیے کافی ہے، پھر ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے موسیٰ بن قاسم کو کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے ابوبکر نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم اصبہانی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ ابوداؤ جھوٹا ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ ابتدا میں ناصبیت کی طرف مائل تھے۔ ابن فراط نے ان کو بغداد سے نکال دیا لیکن علی بن عیسیٰ نے ان کو واپس بلا لیا اور یہ اپنی طرف سے فضائل کی حدیثیں بیان کرنے لگے اور ان کے شیخ بن گئے۔''

یہ حال تو ہے ان دو طریقوں کا جو سید ابن طاؤس نے تفسیر محمد بن عباس سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ بیس طریقوں سے یہ حدیث منقول ہے، غالبًا یہی کیفیت باقی سلسلوں کی بھی ہوگی، بشرطیکہ کوئی اور سلسلے نام کے لیے بھی بیان کیے گئے ہوں، ہم کو تو ملا باقر مجلسی کی عادت سے یقین نہیں آتا کہ کوئی اور سلسلہ بھی بیان کیا ہوگا۔ کیونکہ اگر بیان کیا گیا ہوتا تو وہ اپنی کتاب بحارالانوار میں جو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے، لکھنے سے دریغ نہ فرماتے، بلکہ ضرور لکھتے تاکہ دیکھنے والوں کو روایت کی عظمت معلوم ہو۔

چوتھی روایت جو ملا باقر مجلسی نے بحارالانوار میں لکھی ہے اس کے اول راوی محمد بن عباس ہیں، دوسرے علی بن عباس مقانعی، تیسرے ابوکریب، چوتھے معاویہ بن ہشام، پانچویں فضیل بن مرزوق، چھٹے عطیہ اور ساتویں ابوسعید خدری ہیں۔

یہ سلسلہ بھی فضیل بن مرزوق، عطیہ اور ابوسعید پر منتہی ہوتا ہے۔ اس لیے ہم اس روایت کو بھی اگرچہ اس کے درمیانی راوی دوسرے ہیں، دوسری روایت نہیں خیال کرتے اور کیوں کر خیال کریں جب کہ آخری راوی تو وہی فضیل، عطیہ اور ابوسعید ہیں۔ ان میں سے ایک درمیانی راوی ابوکریب ہیں وہ بھی مجاہیل سے ہیں، جیسا کہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے: ((ابو کریب الاسدی قال ابو حاتم مجھول .))

قسم اول: جس میں چار روایتیں تھیں ان کا حال ہم بیان کر چکے، اور یہ بات ہم نے صاف صاف دکھا دی کہ یہ ایک ہی روایت ہے جس کے آخری راوی شیعہ ہیں، دوسری قسم کی روایتوں کا بھی یہی حال ہے۔

کنزالعمال سے جو روایت عمادالاسلام میں نقل کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ عن ابی سعید، نہ لفظ خدری کا ابوسعید کے آگے ہے اور نہ اسناد کا سلسلہ اس میں مذکور ہے، اور صاحب کنزالعمال نے اس کو حاکم کی تاریخ سے لیا ہے۔ اور حاکم نے اس کی نسبت کہا ہے کہ اس روایت کو صرف ابراہیم بن محمد بن میمون نے علی بن عابس سے بیان کیا ہے۔ یہ روایت بھی مثل دوسری روایتوں کے تعجب خیز اور نفرت انگیز ہے، اس لیے کہ اول تو حاکم خود مائل بہ تشیع تھے بلکہ اس سے بھی کسی قدر بڑھے ہوئے اور ان کی کتابوں میں موضوع حدیثیں منقول ہیں۔ اور رافضی خبیث کے الفاظ بھی ان کی نسبت استعمال کیے گئے ہیں جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں لکھا ہے:

((قال الخطیب ابوبکر ابو عبداللہ الحاکم کان ثقة یمیل الی التشیع فحدثنی ابراهیم بن محمد المودی و کان صالحا عالما قال جمع الحاکم احادیث و زعم انها صحاح علی شرط البخاری و مسلم منها حدیث الطیر و من کنت مولاہ

فعلى مولاه فانكرها عليه اصحاب الحديث ولم يلتفتوا الى قوله ولا ريب ان فى المستدرك احاديث كثيرة ليست على شرط الصحة بل فيه احاديث موضوعة شان المستدرك باخراجها فيه قال ابن طاهر سالت ابا اسمعيل الانصارى عن الحاكم فقال ثقة فى الحديث رافضى خبيث ثم قال ابن طاهر كان شديد التعصب للشيعة فى الباطن .))

”خطیب کہتے ہیں کہ ابوبکر عبداللہ حاکم ثقہ تھے لیکن شیعیت کی طرف مائل تھے۔ ابراہیم بن محمد مودی کہتے ہیں کہ وہ ایک صالح عالم تھے انہوں نے کہا کہ حاکم نے کچھ حدیثیں جمع کیں اور یہ خیال کیا کہ یہ بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہیں ان میں سے حدیث طیر اور من كنت مولاه فعلى مولاه بھی ہے، لیکن اصحاب حدیث اس کا انکار کرتے ہیں اور اس کی طرف دھیان نہیں دیتے، اس میں کوئی شک نہیں کہ مستدرک میں بہت سی حدیثیں ہیں جو صحیح نہیں بلکہ موضوع ہیں۔ ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے ابواسمٰعیل انصاری سے حاکم کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ حدیث میں ثقہ ہیں لیکن خبیث رافضی ہیں، آگے کہا کہ بہت متعصب شیعہ ہیں۔“

اور انہوں نے جو ابراہیم بن محمد بن میمون سے روایت کی ہے وہ خود ان کے تشیع کو ثابت کرتی ہے۔ اس لیے کہ ان کی نسبت ”منتهى المقال فى اسماء الرجال“ میں جو کہ شیعوں کی معتمد کتاب ہے لکھا ہے کہ ابراہیم بن محمد بن میمون کو میزان الاعتدال میں اجلاء شیعہ سے لکھا ہے: ((كما قال و من كتاب ميزان الاعتدال انه من اجلاء الشيعة روى عن على بن عابس انتهى، ولعله ابن ميمون الانى .)) اور پھر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ((ابراهيم بن ميمون الكوفى صدوق و ياتى فى ترجمة عبدالله بن مسكان ان ابراهيم هذا حمل جواب مسائل عبدالله عن ابى عبدالله فيظهر ان الامام كان يعتمد فهو معتمد عليه وفاقا

للجمع .)) " یعنی ابراہیم بن میمون کوفی سچے ہیں یہ ائمہ کے پاس آمدورفت رکھتے تھے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ان پر اعتماد کرتے تھے اور یہ امام کے معتمد تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معمولی شیعہ نہ تھے بلکہ امام جعفر صادق کے معتمد علیہ تھے۔ ان حضرت نے روایت کی ہے علی بن عابس سے جو حقیقت میں علی بن عباس ہیں اور علی بن عباس کا حال ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ((انہ کان من الضعفاء المتروکین .)) کہ یہ ضعیف اور متروک لوگوں میں سے ہیں اور ان حضرات کا سلسلہ ابوسعید تک پہنچتا ہے اور خیریت سے اس میں ابو سعید کا لفظ بھی نہیں ہے جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ ابوسعید، ابوسعید خدری نہیں ہیں، بلکہ وہی ابوسعید کلبی ہیں۔

دوسری وہ روایت ہے جو عماد الاسلام میں تفسیر درمنثور سیوطی سے اور طعن الرماح میں تفسیر مذکور اور نیز بزار، ابویعلی، ابن حاتم اور ابن مردویہ سے بحوالہ سند نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ابو سعید خدری سے یہ روایت منقول ہے۔ اس روایت کا سلسلہ اگرچہ منقول نہیں ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہی روایت ہے جو سید الحفاظ ابن مردویہ سے اوپر نقل ہو چکی۔ اور مولوی حیدر علی صاحب مرحوم نے اپنی ایک تالیف میں اس کی اسناد بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں: ((حدثنا عباد بن یعقوب حدثنا ابو یحییٰ التیمی حدثنا فضیل بن مرذوق عن عطیة عن ابی سعید .)) اس میں بھی ابی سعید کے آگے لفظ خدری نہیں ہے۔ اور جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جو اوپر ہم لکھ چکے کہ یہ ابوسعید کلبی ہیں اور عطیہ انہیں سے روایت کرتے ہیں اور سوائے ابویحییٰ تیمی سب راوی اس کے شیعی ہیں، جن کی تفصیلی کیفیت اوپر بیان ہو چکی۔ اور ابویحییٰ تیمی کی نسبت تہذیب میں لکھا ہے: ((ضعفه ابو حاتم .)) کہ یہ بھی ضعفاء میں سے ہیں۔ غرض کہ یہ روایت بھی کوئی نئی روایت نہیں ہے بلکہ وہی ابوسعید کلبی کی روایت ہے۔

تیسری روایت وہ ہے جو بحار الانوار وغیرہ میں لکھی ہے کہ عبدالرحمٰن بن صالح کہتے ہیں کہ مامون کے پوچھنے پر ہبہ فدک کے متعلق عبیداللہ بن موسیٰ نے وہ حدیث لکھ کر بھیجی جس کو فضیل بن مرذوق نے عطیہ سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت سرتاپا شیعوں کی روایت ہے، ابتدا

بھی اس کی شیعی سے اور انتہا بھی اس کی شیعہ پر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ روایت عبدالرحمٰن بن صالح سے بیان کی گئی ہے، اس کی نسبت میزان الاعتدال ذہبی میں لکھا ہے:((عبدالرحمن بن صالح الازدی ابو محمد الکوفی کان شیعیا وقال ابوداؤد الف کتاب فی مثالب الصحابة رجل سوء وقال ابن عدی احترق بالتشیع مات سنة خمس و ثلاث ومأتین .)) اور تقریب میں ان کی نسبت لکھا ہے: ((عبدالرحمن بن صالح الازدی الکوفی نزیل بغداد صدوق یتشیع وقال ابوداؤد وضع مثالب فی الصحابة .)) کہ یہ حضرات شیعہ تھے اور نہ صرف معمول شیعہ بلکہ تشیع میں غرق تھے یہاں تک کہ صحابہ کے معائب اور مطاعن میں ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ پھر ان سے کیا تعجب ہے کہ وہ ایسی روایت نقل کریں۔ اور بالفرض اگر یہ سنی بھی ہوتے تو چونکہ جس قصے کو یہ بیان کرتے ہیں بشرط صحت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون کو جو جواب عبیداللہ بن موسیٰ نے لکھا اس میں وہی روایت بیان کی جو فضیل بن مرزوق اور عطیہ سے منقول ہے اور ان حضرت کا حال ہم اوپر تفصیل سے بیان کر چکے، اس لیے وہ روایت قابل سند نہیں ہے۔

چوتھی وہ روایت ہے جو طرائف اور احقاق الحق میں واقدی اور بشر بن الولید اور بشر بن غیاث سے سلسلہ اسناد کے بغیر منقول ہے۔ غالباً یہ بھی وہی ابوسعید، عطیہ اور فضیل کی روایت ہوگی۔ اور چونکہ اسے واقدی اور بشر بن غیاث سے طرائف اور احقاق الحق میں بیان کیا ہے، اس لیے اس کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ واقدی ان بزرگوار مصنفوں میں سے ہیں کہ ان کی کتابیں نہ صرف ضعیف روایتوں بلکہ موضوع ، غلط اور جھوٹی خبروں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور ان کے غیر معتبر ہونے پر اکثر محققین اور علماء کا اتفاق ہے۔ اور بشر بن غیاث کی شان واقدی سے بھی بڑھی ہوئی ہے، یہاں تک کہ ان کو محققین نے زندیق تک کا خطاب دیا ہے۔

اوّل واقدی کا حال سنیے۔ ان کی نسبت تقریب میں لکھا ہے:((عمر بن واقدی

المدنی القاضی نزیل البغداد متروك مع سعة علمه)) کہ وہ باوجود بہت بڑے عالم ہونے کے متروک ہیں۔ اور تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی ان کی نسبت لکھتے ہیں: ((محمد بن عمر الواقدی الا سلمی الحافظ البحر لم اسق ترجمته ههنا لا تفاقهم علی ترك حدیثه وهو من اوعیة العلم لكنه لا یتقن الحدیث و هورأس فی المغازی والسیر ویروی من كل ضرب .)) یعنی واقدی بڑے حافظ ہیں میں ان کے ترجمے کو یہاں اس لیے نہیں لکھتا کہ محدثین نے ان کے متروک الحدیث ہونے پر اتفاق کیا ہے، اگرچہ یہ زبردست عالم ہیں لیکن حدیث میں احتیاط نہیں کرتے، مغازی اور سیر خوب جانتے ہیں، مگر ہر طرح کی سچی اور جھوٹی روایت کرتے ہیں۔اور تہذیب التہذیب میں بھی ان کی یہی صفت لکھی ہے اور پھر لکھا ہے((قال البخاری متروك)) اور تہذیب میں ہے:((وقال احمد هو كذاب و قال ابن معین هو ضعیف .))اور میزن الاعتدال میں ان کی نسبت لکھا ہے:

((محمد بن عمر الواقدی الاسلمی صاحب التصانیف واحد اوعیة العلم علی ضعفه وحسبك ان ابن ماجة لا یجسر ان یسمیه قال احمد بن حنبل هو كذاب یقلب الاحادیث یلقی حدیث ابن اخی الزهری علی معمر و نحوذا وقال ابن معین لیس بثقة و قال مرة یكتب حدیثه و قال البخاری و ابو حاتم متروك و قال ابو حاتم ایضا و النسائی یضع الحدیث و قال ابن عدی احادیثه غیر محفوظة والبلاء منه و قال ابو غالب بن بنت معاویة بن عمر و سمعت ابن المدینی یقول الواقدی یضع الحدیث قال ابوداؤد بلغنی ان علی بن المدینی قال كان الواقدی یروی ثلاثین الف حدیث غریب قال المغیرة بن محمد المهلبی سمعت ابن المدینی یقول الهیثم ابن عدی

اوثق عندی من الواقدی لا ارضاه فی الحدیث ولا فی الانساب ولا فی شیئی قلت و قد سبق جملة من اخبار الواقدی وجوده وغیره ذلك فی تاریخی الکبیر و مات وهو علی القضاء سنة سبع و مأتین فی ذی الحجة و استقر الاجماع علی ومن الواقدی .))

’’محمد بن عمر واقدی صاحب تصانیف اور بڑے علم والے ہیں لیکن ضعیف ہیں، اور یہ بات ان کے ضعف کے لیے کافی ہے کہ ابن ماجہ ان کو قابل ذکر ہی نہیں سمجھتے احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ یہ کذاب ہے، حدیثوں کو الٹ پلٹ کیا کرتا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں یہ ثقہ نہیں ہیں لیکن ان کی حدیث لکھی جا سکتی ہے، بخاری اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے، نیز ابو حاتم اور نسائی کہتے ہیں کہ واقدی حدیث گھڑا کرتا تھا، اور ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ ابو غالب کہتے ہیں کہ میں نے ابن مدینی کو کہتے ہوئے سنا کہ واقدی حدیثیں گھڑا کرتے تھے، ابوداؤد کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی کہ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ واقدی تین ہزار غریب حدیثیں روایت کرتے ہیں، مغیرہ بن محمد مہلبی کہتے ہیں کہ میں نے سنا ابن مدینی کہتے تھے کہ ہیثم بن عدی میرے نزدیک واقدی سے زیادہ بھروسے مند ہے، میں نہ تو اس کی حدیثیں پسند کرتا ہوں نہ نسب کی خبروں کو نہ ہی اس کی کسی چیز کو۔ منصب قضا پر رہتے ہوئے ذی الحجہ ۲۰۷ میں انتقال ہوا۔ واقدی کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہے۔‘‘

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گو وہ بہت بڑے عالم تھے اور بڑے صاحب تصنیف، مگر بالکل نا معتبر یہاں تک کہ ان کے ضعیف اور متروک الحدیث ہونے پر سب متفق ہیں اور اس سے زیادہ اور کیا عیب ہوسکتا ہے کہ حدیث بنایا کرتے تھے اور تیس ہزار غریب حدیثیں ان سے منقول ہیں۔ ان کی روایت کا اندازہ اس سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ معتبر مفسرین ان کی

روایت کے نقل کرنے سے بھی پرہیز کیا کرتے تھے جیسا کہ تفسیر طبری کی نسبت ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اس کے مفسر نے کلبی اور واقدی سے کچھ بھی اپنی تفسیر میں نہیں لیا ہے، اس لیے کہ یہ لوگ ضعیف اور غیر معتبر تھے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ واقدی کی نسبت بعض نے بیان کیا ہے کہ اس کے نام سے جو کتابیں مشہور ہیں وہ دراصل ابراہیم بن محمد بن ابی یحی ابواسحٰق مدنی کی ہیں جو کہ شیعہ مصنفین میں سے ہیں، ان کی کتابوں کو واقدی نے نقل کیا اور اپنے نام سے مشہور کیا۔ اس لیے ان کی کتابوں کو درحقیقت شیعوں کی کتابیں سمجھنا چاہیے، جیسا کہ منتہی المقال فی اسماء الرجال میں جو شیعوں کی معتبر کتابوں میں سے ہے ابراہیم بن محمد کے ترجمے کے ذیل میں لکھا ہے:

((کما یقول ابرھیم بن محمد بن ابی یحیٰ ابو اسحاق مولیٰ اسلم مدنی روی عن ابی جعفر و ابی عبدالله و کان خصیصا والعامة لهذه العلة تضعفه وحکی بعض اصحابنا عن بعض المخالفین ان کتب الواقدی سائرھا انما ھی کتب ابراھیم بن محمد بن ابی یحیٰ نقلها الواقدی و ادعاھاو فی فھرست الشیخ و ابن محمد بن یحیٰ ابو اسحاق مولی اسلم مدنی روی عن ابی جعفر و ابی عبدالله و کان خاصا بحدیثنا و العامة تضعفه لذلك ذکر یعقوب بن سفیان فی تاریخه فی اسباب تضعیفه عن بعض الناس انه سمعه ینال من الاولین ذکر بعض ثقال العامة ان کتب الواقدی سائرھا انما ھی کتب ابراھیم بن محمد بن یحیٰ نقلها الواقدی وادعا ھاوذکر بعض اصحابنا ان له کتابا مبوبافی الحلال و الحرام عن ابی عبدالله الحسین بن محمد الازدی الی قوله وما مر من ان العامة تضعفه لذلك و یشهد له مامن صاحب میزان الاعتدال

وھو کذاب رافضی.)) (دیکھو منتہی المقال صفحہ ۲۵ مطبوعہ ایران)

''جیسا کہ ابراہیم بن محمد بن ابی یحی ابواسحاق مولیٰ اسلم مدنی کہتے ہیں کہ اس نے ابوجعفر اور ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے اور یہ شیعہ تھا اور سنی اسی وجہ سے اس کو ضعیف کہتے ہیں ہمارے بعض اصحاب بعض سنیوں سے نقل کرتے ہیں کہ واقدی کی ساری کتابیں ابراہیم بن محمد بن ابی یحی کی ہیں، واقدی نے ان کو نقل کیا اور اپنی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور فہرست شیخ میں ہے اور ابن محمد بن یحی ابواسحاق مولیٰ اسلم مدنی کہتے ہیں کہ اس نے ابوجعفر اور ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے اور یہ شیعہ تھا۔ سنی اسی وجہ سے اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ یعقوب بن سفیان اپنی تاریخ میں اس کے ضعیف ہونے کے اسباب بعض ثقہ سنیوں سے بیان کیے ہیں کہ واقدی کی ساری کتابیں دراصل ابراہیم بن محمد بن یحی کی ہیں جن کو واقدی نے نقل کیا اور اپنی طرف منسوب کرلیا۔ بعض ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ واقدی کی ایک مبوب کتاب حلال حرام کے سلسلے میں ہے جسے ابوعبداللہ حسین بن محمد ازدی سے روایت کیا ہے اور یہ بات گزر چکی کہ سنی ان کو ضعیف کہتے ہیں اور اس کی شہادت یہ ہے کہ میزان الاعتدال والے کہتے ہیں کہ یہ رافضی اور جھوٹا ہے۔''

ایسے وضاع کی روایت ثبوت میں پیش کرنا اور اس سے ایسے معرکۃ الآراء بحثوں میں استدلال کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی صحیح روایت اس باب میں حضرات امامیہ کو نہیں ملی اور ملے کیوں جب کہ اس کا وجود ہی نہ تھا اور نہ ہے۔ اور جب کہ واقدی کی کتابوں کی نسبت یہ مانا جائے کہ اس نے ابراہیم بن محمد بن ابی یحی کی کتابوں کو نقل کر کے اپنے نام مشہور کیا تو پھر کیا شبہ باقی رہتا ہے کہ یہ کتابیں اصل میں شیعوں کی ہیں۔

بشر بن غیاث کا بھی حال سن لیجیے میزان الاعتدال میں ان کی نسبت لکھا ہے:

((بشر بن غیاث المریسی مبتدع ضال لاینبغی ان یروی عنه و قال ابونضر هاشم بن القاسم کان والد بشر المریسی

یھودیًا قصابا سباغا فی سریقة نصر بن مالك و قال المرموزی سمعت ابا عبدالله ذکر بشرا فقال کان ابوہ یھودیا وکان بشر یستغیث فی مجلس ابی یوسف فقال له ابو یوسف لاتنتھی او تفدسد خشبة یعنی تصلب و قال قتیبة بن سعید بشر المریسی کافر و قال الخطیب حکی عنه اقوال شنیعة اساء اھل العلم قولھم فیه و کفرہ اکثرھم لا جلھا قال ابوزرعة الرازی بشر المریسی زندیق .))

''بشر بن غیاث مریسی بدعتی گمراہ ہے، اس لائق نہیں کہ اس سے روایت کی جائے۔ ابونضر ہاشم بن قاسم کہتے ہیں کہ اس کا باپ یہودی قصاب رنگریز تھا، نضر بن مالک کے بازار میں رہتا تھا، اور مرموزی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ سے سنا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ بشر قاضی ابو یوسف کی مجلس میں استغاثہ کر رہا تھا کہ قاضی صاحب نے کہا تو باز نہ آئے گا کیا سولی کو خراب کیا چاہتا ہے، یعنی سولی دے دیں گے اگر تو باز نہ آئے گا۔ اور قتیبہ بن سعید کا قول ہے کہ یہ کافر تھا، خطیب کہتے ہیں کہ اس سے برے اقوال منقول ہیں جن کی وجہ سے علماء نے اس کو کافر کہا ہے اور ابوزرعہ رازی کہتے ہیں کہ یہ زندیق تھا۔''

پانچویں روایت معارج النبوت کی ہے جو عماد الاسلام میں نقل کی گئی ہے۔ اس روایت سے استدلال کرنے پر ہم کو تعجب ہے کہ جناب مجتہد امام مولانا سید دلدار علی صاحب جیسے محقق اور متبحر عالم اسے سند میں پیش کرتے ہیں۔ معارج النبوت کا حال فارسی پڑھنے والے طالب علم جانتے ہیں کہ مولود کے رسولوں سے بڑھ کر علماء کے نزدیک اس کی قدر و قیمت نہیں ہے، وہ ایک شاعرانہ منشیانہ تحریر کے لیے عمدہ نمونہ ہے، لیکن بلحاظ صحت کے کچھ بھی اس کی وقعت نہیں ہے۔ یہ اس قسم کے مؤرخین میں سے ہیں کہ اپنے تنور گرم کرنے کے لیے جو خشک و تر ایندھن ان کو ملا اس کو کام میں لائے اور سامعین کے متعجب، مسرور اور محظوظ کرنے کے لیے

اسے عمدہ الفاظ میں بیان کیا، مگر اس کو آج تک کسی نے اس قابل نہیں سمجھا ہے کہ اس سے کوئی سند پیش کی جائے۔ نہ ہی سوائے مولود کے رسولوں کے کسی بحث میں آج تک اس سے کوئی سند پیش کی گئی، لہٰذا اس میں مرقوم ہونے پر اس روایت سے یا اور کسی روایت سے استدلال کرنا علماء کی شان سے نہایت ہی بعید ہے۔ اور بالفرض اگر وہ اور اس کا مصنف معتبر و معتمد ہوتے تو اس روایت سے استدلال کرنا اور بھی بعید تھا کیونکہ خود اس میں اس روایت کے غیر صحیح اور نا قابل اعتبار ہونے کی طرف کئی وجوہ سے اشارہ موجود ہے۔

وجہ اول:

صاحب معارج نے واقعات کا التزام رکھنے کے باوجود اس روایت ہبہ کو واقعہ نہیں قرار دیا، بلکہ اس روایت کے قبل کی روایت کو جو اس روایت کے منافی ہے، واقعہ قرار دیا ہے۔

وجہ دوم:

صاحب معارج نے اس روایت کو وضعاً مؤخر اور اس کے منافی روایت کو وضعاً مقدم کیا ہے۔

وجہ سوم:

اس روایت کو بغیر حوالہ نقل کیا ہے اور اس کے منافی روایت کو بحوالہ مقصد اقصیٰ لکھا ہے۔

وجہ چہارم:

اس روایت کو بغیر عنوان واقعہ و بدون حوالہ بعضے گویند کے لفظ سے نقل کیا ہے۔ جو مجروح یا مجہول سے منقول ہونے پر دال ہے اور اس کے منافی روایت کو بعنوان واقعہ و بحوالہ لکھا ہے، جو صحیح و قابل اعتبار ہونے پر دال ہے۔ پس بخوبی واضح ہو گیا کہ صاحب معارج نے اس روایت ہبہ کے غیر صحیح و نا قابل اعتبار ہونے کی طرف بوجوہ اشارہ کر دیا ہے۔ لہٰذا معارج مع اپنے مصنف کے معتبر و معتمد ہونے کی تقدیر پر بھی اس میں موجود ہونے پر اس روایت سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ ہم اس کی نسبت کچھ بھی لکھیں بجز اس کے کہ اس کو علماء کی شان سے بعید سمجھیں۔

ہم نے تمام روایتوں کی حقیقت بیان کر دی اور سب راویوں کا حال لکھ دیا اور شافی کے

تصنیف ہونے کے زمانے سے اب تک جس کو نو سو برس ہوئے جتنی روایتیں ہبہ کی تائید میں پیش کی گئی تھی ان سب کو دکھا دیا اور یہ مثل کہ ہرگاہ دم برداشتم مادہ برآمدن (جب بھی دم اٹھائی مادہ نظر آیا) روایتوں پر ثابت کر دی، اس لیے کہ ان تمام روایتوں کا سلسلہ ابوسعید کلبی تک پہنچتا ہے، اور اس کی روایت ان عیبوں کے سبب سے جو اس میں تھے ہرگز قابل لحاظ نہیں۔ اور باوجود اس کے کہ یہ ایک ہی ماخذ سے لی گئی ہے ہم کو تعجب ہوتا ہے کہ کیونکہ سید مرتضی علم الہدیٰ اور جناب مولانا دلدار علی صاحب جیسے محققین اور کاملین نے یہ کہنے کی جرأت کی:

((قد روی من طریق مختلفة غیر طریق ابی سعید الذی ذکره صاحب الکتاب انه لما نزل قوله تعالیٰ وات ذا القربی حقه دعا النبی فاطمة فاعطاها فدك و اذا کان ذلك مرویا فلا معنی لدفعه بغیر حجة.))

"یعنی ابوسعید کے واسطے کے علاوہ اور بھی مختلف واسطوں سے یہ روایت ہے کہ جب آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فاطمہ کو بلایا اور فدک ان کے حولہ کر دیا، جب یہ بات منقول ہے تو بغیر دلیل کے اسے دینے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔"

کیا یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے۔ سید مرتضی ایک طریقے سے بھی اس روایت کو بیان نہ فرمائیں اور صرف اس روایت کو جو ابًا عَنْ جَدٍّ شیعوں میں مشہور تھی اور جس کا ذکر قاضی عبدالجبار نے اپنی کتاب مغنی میں کیا تھا کہ شیعہ ایسا کہتے ہیں، کافی سمجھ کر اپنی طرف سے صرف یہ لکھ دیں کہ اور مختلف طریقوں سے بھی یہ روایت منقول ہے۔ اور پھر کیا اس سے کم یہ بات تعجب کرنے والی ہے کہ علم الہدی کے زمانے سے لے کر اب تک باوجودیکہ ہزاروں عالم اس مدت میں گزرے اور سیکڑوں کتابیں اس بحث میں لکھی گئیں اور بڑے بڑے دعوے کیے گئے اور نہایت فصیح و بلیغ اور درد انگیز تقریروں میں یہ دعویٰ بیان کیا گیا اور علمائے شیعہ نے سنیوں کی ساری کتابیں چھان ڈالیں، نہ متن چھوڑا، نہ حاشیہ، نہ حدیث کی کتابیں باقی رکھیں

نہ تاریخ کی، مگر ایک صحیح روایت بھی اس دعوے کے ثبوت میں اہل سنت کی کتابوں سے پیش نہ کر سکے اور یہ تمنا اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ اور اگر یہ نامور علماء اور یہ مشہور متکلمین جن کے علم و فضل کا غلغلہ آسمان تک پہنچا اور جنہوں نے اپنے گروہ میں سنیوں پر فتح وظفر حاصل کرنے کی خوب شہرت پائی، بجائے فصیح و بلیغ تقریریں کرنے اور زور قلم دکھانے کے ایک صحیح روایت پیش کر دیتے تو غلط بنیاد پر ایک مبسوط کتاب لکھنے سے اور ہزار قوت بیانیہ ظاہر کرنے سے زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب اور زیادہ موزوں ہوتا۔ مگر ایسا نہ کرنے سے خود انہوں نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ کوئی روایت ایسی موجود ہی نہیں ہے جسے وہ اہل سنت کے مقابلے میں صحیح اور قابل اعتبار قرار دے کر پیش کر سکتے۔ شافی، کشف الحق، طرائف، بحارالانوار، عماد الاسلام، طعن الرماح اور تشئید المطاعن کے مشہور اور نامور مصنفین سوا اس کے اور کچھ نہ کر سکے کہ فضیل بن مرزوق اور عطیہ نے جو وضعی اور جھوٹی روایت کلبی سے پائی تھی اور آئندہ مشہور کی تھی اسی کو پیش کرتے اور اسی سے استدلال کرتے۔ اور ہم نہ صرف پچھلے لوگوں پر کسی حدیث صحیح کے پیش نہ کرنے کا الزام دیتے ہیں بلکہ اب بھی ہم تحدی کرتے ہیں اور ہندوستان، ایران، لکھنؤ اور طہران بلکہ تمام دنیا کے شیعوں کو مقابلے پر بلاتے اور کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اب بھی کوئی ایک صحیح روایت جس کے بانی اور راوی شیعہ نہ ہوں اہل سنت کی کتاب سے پیش کرو:

﴿فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ﴾ (سورۂ البقرہ: ۲۴)

''پھر اگر نہ کرو اور البتہ نہ کرو گے تو بچو آگ سے جس کا ایندھن ہیں آدمی اور پتھر تیار ہے منکروں کے واسطے۔''

چونکہ اب ہم اچھی طرح ان روایتوں کی تکذیب اور تردید کر چکے جو ہماری کتابوں سے شیعوں نے پیش کی تھیں، اب ہم اس تناقض اور اختلاف کو دکھاتے ہیں جو خود شیعوں کی روایتوں میں ہے اور جس سے ان کا دعویٰ خود ان کے یہاں کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتا۔

❁❁❁❁

تناقض اور اختلاف شیعوں کی ان احادیث اور اخبار میں جو اس باب میں بیان کی گئی ہیں کہ

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا

ہبہ فدک کے متعلق اول ہم امامیہ کی ان حدیثوں کو بیان کرتے ہیں جس میں فدک کے دیے جانے کا ذکر ہے، اس کے بعد اس کا تناقض اور اختلاف بیان کریں گے۔ بحار الانوار میں روایت ہے:

((فیما احتج الرضاء فی فضل العترة الطاهرة قال والآیة الخامسة قال الله عزوجل وات ذا القربی حقه، خصوصیة خصهم العزیز الجبار بها واصطفاهم علی الامة فلما نزلت هذه الایة علی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ادعو الی فاطمه رضی اللہ عنہا فدعیت له فقال یا فاطمة! قالت لبیك یارسول الله! فقال فدك هی ممالم یوجف علیه بخیل ولار کاب وهی لی خاصة دون المسلمین وقد جعلتها لك لما امرنی الله به فخذبها ولولدك.))

(بحار الانوار کتاب الفتن باب نزول الایات فی امر فدك صفحہ ۸۹ مطبوعہ ایران، از عیون الاخبار)

”عترت طاہرہ کی فضیلت میں امام رضا نے آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ کو دلیل بنایا ہے کہ یہ ان کی خصوصیت ہے اللہ تعالیٰ نے امت میں اس کے لیے ان کا انتخاب فرمایا: جب یہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ نازل

ہوئی تو پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ کو بلاؤ وہ بلائی گئیں، آپ نے کہا کہ اے فاطمہ! فدک ان میں سے ہے جن پر لشکر نے چڑھائی نہیں کی اور وہ خاص میرا ہے۔ مسلمانوں کا اس میں کچھ نہیں ہے اور میں وہ تمہیں دیتا ہوں، اس لیے کہ مجھے خدا نے یہ حکم دیا ہے، پس اسے تم اپنے اور اپنی اولاد کے لیے لے لو۔"

دوسری روایت جو تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے یہ ہے:

((روی عن ابی عبدالله ان رسول الله خرج فی بعض الطریق فبینا رسول الله ﷺ یطعم و الناس معه اذا اتاه جبریل علیہ السلام فقال یا محمد قم فارکب فقام النبی فرکب جبریل معه فطویت له الارض کطی الثوب حتی التهی الی فدك فلما سمع اهل فدك...... وقع الخیل فظنوا ان عدوهم قد جاء وهم تغلقوا ابواب المدینة و دفعوا المفاتیح الی عجوز لهم خارج من المدینة ابرؤس الجبال فاتی جبریل العجوز حتی اخذ المفاتیح ثم فتح ابواب المدینة ودار النبی فی بیوتها وقراتها فقال جبریل علیہ السلام یا محمد! هذا ما خصك الله به و اعطا که دون الناس وهو قوله تعالیٰ ما آفاء الله علی رسول من اهل القریٰ فلله والرسول ولذی القربیٰ وذلك قوله فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط علی من یشاء و لم یعرف المسلمون ولم یطووها ولکن الله آفائها علی رسوله وطرف به جبریل علیہ السلام فی دورها وحیطانها و فلق الباب ودفع المفاتیع الیه فجعلها رسول الله فی غلاف سیفه و هو معلق بالرحل ثم رکب و طویت به الارض کطی الثوب فاتاهم رسول الله وهم علی مجالسهم ولم یتفرقوا ولم یبرحوا

فقال رسول الله ﷺ قدانتهيت الى فدك و انى قد افائها الله على فغمز المنافقون بعضهم بعضا فقال رسول الله هذه مفاتيح فدك ثم اخرج من غلاف سيفه ثم ركب رسول وركب معه الناس فلماد خل المدينة دخل على فاطمة رضی اللہ عنہا فقال يابنية ان الله فدآفائها على ابيك بفدك و اختصه بها فهى لى خاصة دون المؤمنين افعل بها ماشاء وانه قدكان لا مك خديجة على ابيك مهروان اباك قدجعلها بذلك وانحلتكهالك ولولدك بعدك فدعا باديم و دعا على بن طالب فقال اكتب لفاطمة فدك نحلة من رسول الله فشهد على ذلك على بن ابى طالب و مولى لرسول الله وام ايمن فقال رسول الله ان ام ايمن امرأة من اهل الجنة و جاء اهل فدك الى النبى فقاطعهم على اربعة وعشرين الف دينار فى كل سنة .))

''امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ جب ایک غزوے سے لوٹے اور راہ میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد! اٹھو اور سوار ہو، حضرت سوار ہوئے جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے۔ زمین آپ کے واسطے ایسی لپیٹ دی گئی جس طرح کپڑا لپیٹا جاتا ہے جس سے فوراً آنحضرت ﷺ فدک میں پہنچ گئے اہل فدک نے ڈر کر دروازے بند کر لیے اور کنجیاں ایک بڑھیا کو دے دیں، جبرئیل علیہ السلام نے اس سے کنجیاں لے کر شہر کے دروازے کھولے اور آنحضرت ﷺ نے اندر داخل ہو کر گھر اور امکانات وغیرہ دیکھے اس وقت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ((يا محمد هذاما خصك الله به و اعطا كه دون الناس .)) یہ وہ ہے جسے خدا

نے آپ کے لیے مخصوص کیا اور آپ کو عطا فرمایا ہے اور کوئی مسلمان اس میں آپ کا شریک نہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام نے شہر کے دروازے بند کر دیے اور کنجیاں آپ کے حوالے کیں، جب آپ مدینے میں داخل ہوئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا کہ اے میری بیٹی! خدا نے فدک مجھے دیا ہے اور میں اختیار رکھتا ہوں کہ جو چاہوں کروں، دیکھو یہ تمہاری ماں خدیجہ کا مہر تمہارے باپ پر واجب الادا ہے، اس لیے میں تمہیں اور بعد تمہارے تمہاری اولاد کو فدک دیتا ہوں۔ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر کہا کہ یہ ہبہ نامہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے لکھ دو۔ چنانچہ یہ ہبہ نامہ علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لکھا اور اس پر حضرت علیؓ اور ام ایمنؓ کو گواہی لکھی گئی۔ پھر اہل فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کو چوبیس ہزار دینار سالانہ پر اس کا اجارہ دے دیا گیا۔'' (بحار الانوار مطبوعہ ایران صفحہ ۹۰)

تیسری روایت میں اس امر کے بیان کرنے بعد کہ فدک کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا لکھا ہے:

((فنزل وآت ذا القربیٰ حقه قال وما هو قال اعط فاطمة فدكا وهی من میر اثها من امها خديجة فحمل اليها النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اخذ منه واخبرها بالاية فقالت لست احدث فيها حد ثا وانت حي انت اولی بی من نفسی و مالی لك فقال اكره ان يجعلوها عليك سبة فيمنعوك اياها من بعدی فقالت الفذ فيها امرك فجمع الناس الى منزلها و اخبر هم ان هذا المال لفاطمة كذلك و يا حذ منه قوتها فلماد نا وفاته دفعه اليها...... .)) (بحار الانوا......از مناقب ابن شہر آشوب)

''آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ نازل ہوئی تو آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس وقت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک دے دیجیے کہ وہ ان کی

ماں خدیجہ اور ان کی بہن ہالہ بنت ابی ہالہ کی میراث میں سے ہے، پھر آپ نے جو کچھ اس میں سے مال لیا تھا اس کو لے کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور اس آیت کی خبر کی، فاطمہ نے جواب دیا کہ میں آپ کی زندگی میں کوئی نئی کارروائی نہیں کروں گی، بلکہ آپ کو میری جان و مال کا اختیار ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھے اس امر کا خوف ہے کہ لوگ تم پر عار رکھ کر اس کو میرے بعد تم سے چھین لیں اور تم کو نہ دیں، فاطمہؓ نے کہا تو آپ اپنا حکم جو کرنا چاہیں کریں، آپ نے لوگوں کو ان کے گھر میں بلا کر سب سے کہہ دیا کہ یہ مال فاطمہ کا ہے اور پھر اس کی اس میں تفریق کر دی اور ہر سال ایسا ہی کرتے کہ فاطمہ کی روزی کے بہ قدر لے لیتے، اور جب آپ کی وفات قریب پہنچی تو آپ نے فدک بالکل ان کو دے دیا۔‘‘

(ترجمہ اردو حیات القلوب صفحہ ۶۶۶، ۶۶۷، طبع لکھنؤ)

اور چوتھی روایت یہ ہے:

((لما نزل الله تعالیٰ وآت ذا القربی حقه والمسکین قال رسول الله ﷺ یا جبریل علیہ السلام قد عرفت المسکین فمن ذوی القربی قال هم اقاربك فدعا حسنا و حسینا و فاطمة علیهم السلام فقال صلى الله عليه وسلم ان ربی امرنی ان اعطیکم ما افاء الله علی قال اعطیتکم فدك.))

’’جب آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ مساکین تو میں جانتا ہوں ذوی القربیٰ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا وہ آپ کے رشتہ دار ہیں تب آپ نے حسن و حسین علیہما السلام اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر کہا کہ خدا مجھے حکم دیتا ہے کہ جو خدا نے مجھے فے عطا کیا ہے اور جو میرے ساتھ مخصوص ہے وہ تمہیں دوں، اس لیے میں تمہیں فدک دیتا ہوں۔‘‘

(بحار الانوار از تفسیر عیاشی صفحہ ۱۹)

عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادق سے ایک بڑی لمبی روایت کی ہے جس کو ہم مفصل دعویٰ فدک میں نقل کریں گے اس میں جہاں حضرت ام ایمنؓ کی شہادت بیان کی گئی ہے، اس میں یہ لکھا ہے کہ جب آپ کو جبرئیل علیہ السلام فدک کے حدود بتانے کے لیے لے گئے اور واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے فدک کے حدود بتانے کے لیے گئے تھے۔ اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ((یا ابی انی اخاف العیلة و الحاجة من بعدك فصدق بها علی فقال هی صدقة علیك فقبضتها .)) کہا: ''اے میرے باپ! میں آپ کے بعد افلاس اور محتاجی سے ڈرتی ہوں، فدک مجھے دے دیجیے۔'' آپ نے فرمایا اچھا یہ تمہارے اوپر صدقہ ہے، یعنی تمہارے لیے عطیہ ہے۔ پس فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اور علی سے کہا کہ تم اس پر گواہ رہو۔

(بحار الانوار کتاب الاختصاص صفحہ ۱۰۱)

یہ روایتیں جو اوپر ہم نے بیان کیں، کچھ جزئی اور غیر ضروری باتوں ہی میں باہم مختلف نہیں ہیں بلکہ ان کا تخالف ان اہم امور میں جو نفس واقعہ پر مؤثر ہیں اور ان کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واضعین روایت نے ہر موقع اور ہر محل کے واسطے اور ہر اعتراض کے دفع کرنے کے خیال سے یہ روایتیں بنائی ہیں مگر ان کی کثرت ہی نے تناقض پیدا کر دیا کہ اس کا دفع کرنا مشکل ہے۔

چنانچہ پہلی روایت میں جو کہ بحوالہ عیون الاخبار بحار الانوار سے ہم نے نقل کیا ہے، یہ بیان کیا گیا ہے کہ آیت نازل ہونے پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلاؤ اور وہ بلائی گئیں۔ اور دوسری روایت میں جو بحوالہ تفسیر قمی بحار الانوار سے ہم نے نقل کی ہے یہ ہے کہ جب آپ فدک کی کنجیاں لے کر مدینہ میں داخل ہوئے تو خود فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا کہ تمہاری ماں کے مہر میں جو مجھ پر واجب الادا ہے تمہیں اور تمہاری اولاد کو فدک دیتا ہوں۔

نیز پہلی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ تم کو فدک دے دوں۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ فدک خدا نے مجھے دیا ہے اور

میرے لیے مخصوص کر دیا ہے اور میں اختیار رکھتا ہوں کہ جو چاہوں کروں اور اختیار کی وجہ سے آپ نے کہا کہ تمہاری ماں کے مہر میں اسے دیتا ہوں۔

تیسری روایت میں جو بحوالہ مناقب ابن شہر آشوب ہم نے بحارالانوار سے نقل کی ہے یہ ہے کہ آیت مذکورہ کے نازل ہونے پر آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ حق ذوی القربیٰ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک دے دیجیے کہ وہ ان کی ماں خدیجہ اوران کی بہن ہند بنت ابی ہالہ کی میراث میں سے ہے۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی میراث میں فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیا گیا۔اور دوسری روایت میں لکھا ہے کہ ماں کے مہر میں دیا گیا۔غالباً جبرئیل علیہ السلام نے میراث اور مہر کو ایک تصور کیا ہوگا، یا ان سے سہو ہو گیا ہوگا۔اس کے سوا یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ فدک کی آمدنی چوبیس ہزار دینار سالانہ بتائی گئی ہے اور حضرت خدیجہؓ کے مہر کی تعداد کا یہاں کچھ ذکر نہیں۔شاید چوبیس ہزار دینار سالانہ کی آمدنی کی جاگیر ہی مہر میں قرار پائی ہوگی؟

پھر اسی تیسری روایت میں یہ ہے کہ جب آپ نے فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دینا چاہا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کی زندگی میں کوئی نئی کارروائی نہیں کرنا چاہتی، آپ کو میری جان و مال کا اختیار ہے۔اس پر آپ نے فرمایا کہ شاید میرے بعد لوگ تم کو نہ دیں، تب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ بہت اچھا، جو آپ کرنا چاہتے ہیں کیجیے، اس پر آپ نے لوگوں کو ان کے گھر میں بلا کر سب سے کہہ دیا کہ یہ مال فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کر کے فدک کے دینے کا اعلان فرمایا تھا۔مگر تعجب ہے کہ حضرات شیعہ ان روایتوں میں جن میں یہ ذکر ہے کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شہادت طلب کی گئی، یہ لکھتے ہیں کہ آپ نے ام ایمن، علی مرتضیٰ اور حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو شہادت میں پیش کیا اور کسی دوسرے مرد کو شہادت میں پیش نہ کیا۔اگر واقعی یہ واقعہ بہت سے لوگوں کے سامنے ہوا تھا تو بہت سے گواہ اس وقت زندہ اور موجود ہوں گے، پھر طلب کرنے کے وقت ان میں سے دو چار کے نام اگر لیے جاتے اور وہ آکر شہادت دیتے تو یا فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مل جاتا یا ان کی حجت

ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تمام ہو جاتی۔ کیونکہ وہ تو جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے نصاب شہادت کی تکمیل چاہتے تھے، پھر وہ تکمیل کیوں نہ کر دی گئی۔ اس تیسری روایت سے ایک اور بات ثابت ہوتی ہے جو اس معاملے میں نہایت اہم ہے، وہ یہ کہ فدک ہبہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں رہا اس کا کل انتظام آپ ہی فرماتے تھے اور اس کی آمدنی آپ ہی جس مصرف میں چاہتے تھے صرف کرتے تھے اور حضرت سیدہ کو اس کی آمدنی سے فقط بقدر قوت آپ ہی دیتے تھے۔ پس ہبہ بغیر قبضہ ہوا، لہٰذا اس ہبہ سے فدک حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ملک نہیں ہوسکتا۔ اور جس روایت میں بعد ہبہ فدک پر حضرت سیدہ کا قبضہ ہونا اور انہی کا وکیل اس پر مامور ہونا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس وکیل کو نکال دینا مذکور ہے، وہ روایت اس روایت سے باطل ہوگئی۔ اور اسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر بلا کر کہہ دیا کہ یہ مال فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہے، اور دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہبہ نامہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام لکھا تھا اور اس پر شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کی کرائی تھی۔

تعجب ہے کہ اس خیال سے کہ آئندہ لوگوں کو موقع فاطمہ رضی اللہ عنہا کے محروم کرنے کا باقی نہ رہے، یہاں تک تو آپ نے دور اندیشی فرمائی کہ لوگوں کو بلایا اور ان کو جتایا کہ یہ مال فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیا جاتا ہے مگر ہبہ نامہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لکھوایا اور صرف ام ایمنؓ کی گواہی کرائی ان لوگوں میں سے جو بلائے گئے تھے کسی کی گواہی نہ لکھوائی، حالانکہ ان میں سے دو چار کی گواہی کرانا زیادہ مناسب اور زیادہ ضروری تھا تاکہ شہادت پر بقول شیعوں کے جو اعتراض ہوا وہ نہ ہوتا اور غیروں کی گواہی سن کر شیخین رضی اللہ عنہم کو بھی دعویٰ تسلیم ہی کرنا پڑتا۔

گو اس تیسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا، مگر پھر اس کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی گئی کہ کس طرح واپس کیا اور کیونکر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قبضہ کرایا۔ اب اس امر کا ثبوت پیش کرنا شیعوں پر ہے کہ فدک پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضہ کرانے کی کارروائی کس وقت، کیسے اور کن کے سامنے ہوئی۔

چوتھی حدیث دیگر احادیث کے بالکل متناقض ہے، اس لیے کہ اور حدیثوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب ذوی القربیٰ کے معنی آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھے تو جبرئیل علیہ السلام نے خدا کی طرف سے بالتخصیص حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا نام ہی نہیں لیا بلکہ اس قدر تخصیص ظاہر کر دی کہ مراد اس سے آپ ہی کے رشتہ دار ہیں، یعنی امت کے اقارب مراد نہیں۔ اور یہ امر کہ وہ اقارب کون ہیں اور کن کو ان کا حق دینا چاہیے؟ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا گیا اور آپ کے عدل نے یہی تقاضا کیا کہ جو کچھ ہے اور سب اقارب کو چھوڑ کر حسنین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم ہی کو دے دیں۔ اور حدیثوں میں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص کا یہ جواب ہوسکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تخصیص نہیں کی بلکہ خدا ہی نے ایسا حکم دیا اور آپ صرف اس کی تعمیل کرنے والے تھے۔ مگر اس حدیث میں تو تخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اس کا جواب کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس واسطے کہ آپ کی شان سے بعید ہے کہ عدل نہ فرمائیں اور تمام اقارب میں سے صرف اپنے نواسوں اور ایک بیٹی کو منتخب کر لیں اور معاذ اللہ اس طور پر دوسرے کے حقوق تلف کیے جائیں۔ معلوم نہیں کہ حضرات امامیہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس داغ کو جو ان کے اس قول اور خیال سے لگتا ہے کیوں کر دور کر سکیں گے۔ اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل اور انصاف اور بے طرف داری اور بے غرضی کی یہی شان تھی کہ وہ اوروں کو چھوڑ کر تین رشتہ داروں کو صرف اس لیے کہ انہیں زیادہ چاہتے تھے چن لیں اور جو کچھ اس وقت ان کو ملا وہ سب کا سب انہی کو دے دیں۔ معلوم نہیں حضرات امامیہ اس کا کیا جواب دیں گے، ہمارے تو رونگٹے اس سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اسے نہایت بے ادبی اور گستاخی بلکہ ان پر ایک قسم کا اعتراض سمجھتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من هذا) اس کے سوا اکثر روایتوں میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شہادت طلب کرنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حسنین رضی اللہ عنہما کو بھی پیش کیا اور انہوں نے بھی گواہی دی، اس کا بھی بطلان ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ اس حدیث کی رو سے تو فقط فاطمہ رضی اللہ عنہا دعویٰ کرنے والی نہیں ہوسکتی تھیں بلکہ حسنین رضی اللہ عنہما کو بھی مدعیوں میں شریک

ہونا چاہیے تھا پھر وہ کیوں کر مدعی ہو کر گواہوں میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

پانچویں روایت سے تو سارا بنا بنایا گھر ہی شیعوں کا گر جاتا ہے اور سارا تانا بانا ان کا ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ جو شہادت ام ایمنؓ کی اس میں بیان کی گئی ہے، اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے میرے باپ میں آپ کے بعد افلاس اور احتیاج سے ڈرتی ہوں، فدک مجھے عطا کر دیجیے؟ آپ نے فرمایا: اچھا یہ تم پر صدقہ، یعنی عطا ہے۔ اس پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اے ام ایمن! اور اے علی! تم اس پر گواہ رہنا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود فدک کی درخواست کی اور آپ کے بعد مفلسی کا خوف بتا کر آپ سے فدک مانگا اور ان کے مانگنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک ان کو دے دیا۔ اس روایت سے آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ کا فدک کے بارے میں نازل ہونا اور جبرئیل علیہ السلام سے ذوی القربیٰ کے معنی پوچھ کر بحکم آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک ہبہ کر دینا باطل ہو گیا۔ اور وہ روایتیں بھی جن میں یہ بیان ہے کہ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی ماں کے مہر یا میراث میں دیا گیا تھا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایتوں کے ہوتے ہوئے حضرات امامیہ کس طرح فدک کے ہبہ کو ثابت کر سکتے ہیں اور کس منہ سے باوجود ان متناقض روایتوں کے ہبہ فدک کا نام زبان پر لاتے ہیں۔

ان متناقض اور مختلف روایتوں کے علاوہ ایک اور روایت کافی میں جعفر صادق سے منقول ہے جس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ سے مراد علی رضی اللہ عنہ تھے اور حق ان کا وہ وصیت تھی جو ان کو کی گئی۔ اور نیز اسم اکبر اور میراث علم اور آثار علم نبوت جو ان کو دیے گئے تھے۔ یہ حدیث کافی باب شصت و چہارم کتاب الحجۃ میں منقول ہے۔ یہ حدیث بہت بڑی ہے جس میں اس بات کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فضائل اہل بیت اطہار فرماتے تھے اور جو کچھ قرآن میں ان کی نسبت بیان ہوا ہے اسے ظاہر کرتے تھے۔

آپ نے آیت ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾ (سورۂ احزاب: ۳۳) ”اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے گھر

والو! اور ستھرا کرے تم کو ایک ستھرائی سے۔" کا بیان کیا اور پھر فرمایا کہ خدا کہتا ہے:

﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی﴾ (سورۂ انفال: ۴۱)

"اور جان رکھو کہ جو غنیمت لاؤ کچھ چیز ہو اللہ کے واسطے اس میں سے پانچواں حصہ ہے اور رسول وقرابت والے کے لیے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا جس کو بالفاظ ذیل کافی میں بیان کیا ہے: ((ثم قال جل ذکرہ وات ذا القربی حقه فکان علی و کان حقه الوصية التی جلعت له والاسم الاکبر ومیراث العلم واثار علم النبوة .)) اور اس کا ترجمہ صافی شرح اصول کافی میں ان لفظوں سے کیا ہے:

((بعد ازاں گفت جل ذکرہ در سورہ بنی اسرائیل بدہ صاحب نزدیك تر راحق اوپس حاضر شد علی رضی اللہ عنہ برائے اخذ حق خود و بود حق اووصیتی از رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گردانیدہ شد برائے او بمعنی انکه آں حق باور سانیدہ شد و اسم اکبر و میراث علم و آثار علم نبوت .))

"اس کے بعد اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل میں کہا ہے کہ پاس والے دوست کو اس کا حق دیجیے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا حق لینے آئے اور ان کا حق وہ وصیت تھی جس سے انہیں موسوم کیا گیا تھا، یعنی ان کا حق جو اسم اکبر اور میراث علم اور آثار علم نبوت تھا وہ ان کو دے دیا گیا۔"

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق ادا کرنے کے لیے نازل ہوئی، اور ذوی القربیٰ سے بھی وہی مراد ہیں اور اس صورت میں وہ روایتیں باطل ہوتی ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ یہ آیت فدک کے دینے کے لیے نازل ہوئی۔ شاید حضرات شیعہ یہ فرمائیں کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور ذوی القربیٰ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی

مراد ہیں اور ان کا حق فدک ہے، اور جناب امیر المومنین بھی مقصود ہیں اور ان کا حق وصیت اور میراث علم اور اسم اکبر تھا، مگر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اور روایتوں سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ ذوی القربیٰ اور حق ذوی القربیٰ کی حقیقت سے ناواقف تھے اور اس لیے آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا اور جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خدا بتایا کہ اس سے مراد فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حق سے مراد فدک ہے۔ دونوں روایتیں کسی طرح سے مطابق نہیں ہو سکتیں۔ اس حدیث کو تفسیر صافی میں ذیل آیت سورۂ بنی اسرائیل میں بھی نقل کیا ہے اور چونکہ صاحب تفسیر کو خیال گزرا کہ یہ روایتیں متناقض ہیں، اس لیے بطور دفعِ دخل مقدر یہ فرمایا کہ ((اقول تنافی بین هذ الحدیث و بین الاحادیث السابقة و لا بینهما و بین تفسیر العامة کما یظهر للمتدبر العارف بمخاطبات القرآن و معنی الحقوق و من الذی له الحق و من الذی لا حق له والحمدلله.)) کہ کچھ اختلاف اس حدیث میں اور پچھلی حدیثوں میں نہیں ہے اور نہ ان حدیثوں میں اور سنیوں کی تفسیر میں اختلاف ہے، جیسا کہ غور کرنے والے اور مخاطبات قرآن اور معنی حقوق اور مستحق اور غیر مستحق کے جاننے والے پر ظاہر ہے۔ مگر وجہ عدم اختلاف کچھ بیان نہ کی، الحمد اللہ کہہ کر ساکت ہو گئے اور متدبر اور عارف بالقرآن کے رائے پر رفع تناقض کو چھوڑ دیا، مگر متدبر اور عارف بمعنی القرآن کے نزدیک جو کچھ ظاہر ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ساری روایتیں غلط اور یہ تمام باتیں بنائی ہوئی ہیں اور خلاف سوق فرمان کے ہیں۔

چونکہ ہم شیعوں کی روایتیں بیان کر کے اس بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ ان روایتوں میں باہم ایسا اور اتنا تناقض ہے کہ ایک پر بھی یقین کرنا ناممکن ہے، اس لیے اب ہم اس بات کو دکھاتے ہیں کہ جو شخص سوق اور مخاطبات قرآنی پر غور کرے گا اور جس کو یہ علم ہوگا کہ یہ آیت مکی ہے نہ کہ مدنی، وہ ان بیانات کو جو حضرات امامیہ نے اس آیت کے متعلق کیے ہیں ایک طرح کی تحریف معنوی سمجھے گا۔

❁❁❁❁

آیت ﴿وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ﴾ کا موقع نزول اور طرز بیان پر غور کرنے سے ہبہ فدک کا ثابت نہ ہونا

جو روایتیں ہبہ فدک کے متعلق حضرات امامیہ کے یہاں منقول تھیں ان کو نقل کر کے ہم نے ثابت کر دیا کہ ان میں ایسا اور اتنا تناقض ہے کہ از روئے اصول شہادت کے وہ قابل اعتبار نہیں ہیں، اب ہم اس بات کو دکھاتے ہیں کہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ﴾ مندرجہ ذیل وجہوں سے شیعوں کے دعوے کے مفید یا اس سے متعلق نہیں ہے۔

وجہ اول:

یہ آیت دو جگہ قرآن مجید میں آئی ہے، ایک سورۂ بنی اسرائیل میں اور دوسرے سورۂ روم میں۔ اور یہ دونوں سورتیں مکی ہیں اور مکے میں فدک کہاں تھا۔ فدک تو ہجرت کے ساتویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا۔

تحفہ اثنا عشریہ کے باب دوم میں کیدسی و دوم کے ذکر میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے لکھا ہے:

((جمع کثیر از علماء ایشاں سعی بلیغ نمودہ اندو در کتب احادیث کہ شہرت ندارندو نسخ آں کتب متعدد بدست نمی آید اکاذیب موضوعہ کہ مؤید مذہب شیعہ مبطل مذہب سنیاں باشد الحاق نمایند۔ چنانچہ قصہ فدك در بعض تفاسیر داخل نمودہ اند و سیاق حدیث چنیں روایت کردہ اند کہ ((**ولما نزلت وات ذا القربی حقہ دعا رسول اللہ فاطمۃ واعطاھا فدك**)) امام بحکم آنکہ دروغ گورا حافظہ نمی

باشد بیاد شان نماند که این آیة مکی است و در مکه فدك کجا بود .))

''ان کے اکثر و بیشتر علماء نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ غیر مشہور احادیث کی کتابوں میں اور ان کتابوں میں جو نایاب ہیں وہ جھوٹی اور من گھڑت احادیث شامل کر دیں جو سنیوں کے مذہب کو باطل ٹھہرائیں اور مذہب شیعہ کی تائید کریں، جیسا کہ باغ فدک کا قصہ جسے بعض تفاسیر میں داخل وشامل کر دیا ہے اور پھر احادیث کا سیاق وسلسلہ یوں روایت کرتے ہیں کہ جب رشتہ داروں کو حق ادا کرنے کی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر باغ فدک انہیں دے دیا اور چونکہ جھوٹے کو یاد نہیں رہتا ہے، اس لیے شیعوں کو یاد نہیں رہا کہ یہ آیت مکے میں نازل ہوئی اور باغ فدک مکے میں نہیں تھا، اور وہ اس آیت کے نازل ہوتے ہی باغ فدک کا دینا لکھ گئے۔''

اور اس کے حاشیہ پر تفسیر مجمع البیان سے نقل کیا ہے:

((السورة الروم مكية الاقوله تعالى فسبحن الله حين تمسون و حين تصبحون .))

''یعنی سورۂ روم مکی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے قول فسبحن الخ کے۔''

اس کے جواب میں ''تقليب المكائد'' کے اندر مولانا محمد قلی صاحب فرماتے ہیں کہ مجمع البیان میں بہت سے قول اہل سنت کے بھی بطریق نقل و حکایت کے مسطور (لکھے) ہیں اور یہ بھی کہ مکی کا اطلاق اس سورت پر باعتبار اکثر آیات کے ہے اور اس کی نظیر قرآن میں بہت ہے۔ اور نیز یہ ممکن ہے کہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ پہلی مرتبہ مکے میں اور دوسری مرتبہ مدینے میں، جیسا کہ فخر الدین رازی نے سورۂ فاتحہ کے شان نزول میں کہا ہے۔ اور یہ بھی کہ مکی اسے کہتے ہیں جو مکے میں نازل ہوئی ہو، عام اس سے کہ قبل ہجرت کے ہو یا بعد ہجرت کے۔ فتح مکہ کے سال میں یا حجۃ الوداع کے سال میں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم ان سب

باتوں سے درگزر کریں تو ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ اگرچہ فدک مکے میں نہ تھا لیکن چونکہ خدائے تعالیٰ کو اپنے علم ازلی سے معلوم تھا کہ پیغمبر خدا ﷺ کو ہجرت کے بعد مدینے میں اور فتح خیبر کے بعد جو امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے ہاتھ سے ہو گی فدک ملے گا، اس کا حکم پہلے ہی نازل کر دیا اور نزول حکم میں کسی ایسی چیز کا ذکر کرنا جو آئندہ زمانے میں آئے گی اس کے وقوع سے قبل کچھ حرج نہیں ہے۔ اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جیسا کہ تفسیر کبیر ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ٦٠) ''اور وہ خواب جو تجھ کو دکھایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے۔'' کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے بنوامیہ کو خواب میں اس طور پر دیکھا تھا کہ بندر آپ کے منبر پر اچھلتے کودتے ہیں۔ اور پھر فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس کا ہے مگر مشکل اس میں یہ ہے کہ یہ آیت تو مکی ہے اور مکے میں منبر نہ تھا۔ اور پھر اس کا جواب اس طور پر دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ مکے میں ان کو دکھایا جائے کہ مدینے میں منبر قائم ہو گا۔

چونکہ ضروری بات بحث کے قابل صاحب ''تقلیب المکائد'' کا آخری جواب ہے، اسی لیے اسی کے الفاظ ہم یہاں نقل کرتے ہیں باقی کل تقریر جسے دیکھنی ہو وہ صفحہ ۲۳۷ کید سی و دوم ''تقلیب المکائد'' مطبوعہ مطبع اردو اخبار دہلی کو ملاحظہ کرے۔

((واگر ازیں ہمہ مراتب تنزل کنیم پس ممکن است کہ جواب دادہ شود کہ اگرچہ فدک در مکہ نبود لیکن چون حق تعالیٰ شانہ بعلم ازلی می دانست کہ رسول خدا را بعد از ہجرت بہ مدینہ و فتح جنگ خیبر از دست حق پرست امیر المومنین علی بن ابی طالب فدک بدست خواہد آمد حکم آن از پیشتر نازل کردہ و در نزول حکم امرے کہ در استقبال خواہد آمد از وقوع آن مما نعتے نیست و امثال آن بسیار

ست و فخر الدین رازی در تفسیر کبیر در تفسیر **قوله تعالیٰ**[1] **﴿وما جعلنا الرؤیا التی ارینك الافتنة للناس﴾** گفته القول الثالث فی الرؤیا قال سعید ابن المسیب رأی رسول الله بنی امیة ینزلون علی منبره تعداد القردة فسائه ذلك وهذا قول ابن عباس رضی اللہ عنہ فی روایة والاشكال فیه ان هذه الایة مكیة وماكان لرسول الله به مكة منبر قال و یمكن ان یجاب عنه بانه لا یبعدان یری بمكة ان له بالمدینة منبر یتدا ولولنه بنی امیة .))

''اگر ان تمام واقعات سے ہم تھوڑی دیر کے لیے پہلو تہی کریں تو ممکن ہے شیعہ یہی جواب دیں کہ باغ فدک تو مکہ میں نہ تھا لیکن اللہ کو معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں ہجرت کے (ساتویں سال) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جنگ خیبر میں فتح ہوگی اور باغ فدک رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ آئے گا تو ان تمام واقعات کے رونما ہونے سے پہلے ہی آیت مذکورہ نازل فرما دی اور نزول حکم میں اس امر کا ذکر جو زمانہ مابعد میں ہوگا بیان کر دینا ممنوع نہیں ہے اور اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں فخر الدین رازی نے بھی لکھا ہے کہ سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو امیہ کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھا تو آپ کو یہ برا لگا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ یہ آیت تو مکی ہے اور مکے میں رسول اللہ ﷺ کا منبر تھا ہی نہیں، اس کا یہ جواب دینا ممکن ہے کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ مکے میں ان کو یہ دکھایا جائے کہ مدینے میں منبر قائم ہوگا۔''

یہ کہنا کہ مجمع البیان میں بہت سے اقوال اہل سنت کے بھی بطریق نقل و حکایت کے لکھے ہوئے ہیں، کافی جواب نہیں ہے۔ کم سے کم اپنے ہی یہاں کی روایتوں سے اس کو ثابت

کرنا تھا کہ یہ سورت مکی نہیں، بلکہ مدنی ہے۔ نہ یہ جواب کافی ہے کہ مکی کا اطلاق اس سورت پر باعتبار اکثر آیات کے ہے تاوقتیکہ اس کا ثبوت نہ دیا جائے کہ کون سی آیتیں اس میں مکی ہیں اور کون سی مدنی۔

یہ فرمانا کہ ممکن ہے کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو، مرتبہ اول مکے میں اور مرتبہ دوم مدینے میں، تعجب انگیز ہے، اس لیے کہ دو مرتبہ تو یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ایک سورۂ روم میں اور دوسری سورۂ بنی اسرائیل میں، اور خیر سے دونوں مکی ہیں۔ اس لیے یہ فرمانا تھا کہ ممکن ہے یہ آیت تین مرتبہ نازل ہوئی ہو۔

اور یہ فرمانا کہ مکی اسے کہتے ہیں جو مکے میں نازل ہوئی ہو، عام اس سے قبل کہ ہجرت کے ہو یا بعد ہجرت کے فتح مکہ کے سال میں ہو یا حجۃ الوداع میں، کچھ مفید مطلب نہیں ہے۔ اس لیے کہ مکے میں فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیا گیا، بلکہ مدینے میں اور فدک کے فوراً قبضے میں آنے کے بعد۔ اس لیے کہ ان سب جوابوں سے بہتر بظاہر صاحب ''تقلیب المکائد'' کو یہی جواب معلوم ہوا جو اخیر میں فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ اگرچہ فدک مکے میں نہ تھا لیکن موافق علم ازلی کے واقع ہونے سے پہلے خدا نے حکم دے دیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جب فدک تمہارے قبضے میں آئے تو اسے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دینا۔ مگر اس سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جو روایتیں حضرات شیعہ نے فدک دینے کی بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اسی وقت آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ذوی القربیٰ کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے؟ بلکہ احادیث صاف اس بات پر دال ہیں کہ یہ آیت فتح خیبر اور فدک قبضے میں آنے کے بعد نازل ہوئی ہے نہ کہ اس سے پہلے، جیسا کہ تفسیر صافی میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

((وفی الکافی عن الکاظم فی حدیث له مع المهدی ان الله تعالیٰ لمافتح علی نبیه فدك و ماوالاها لم یرجف علیه بخیل ورکاب فانزل الله علی نبیه وات ذا القربی حقه ولم یدر

رسول الله ﷺ من هم فراجع فی ذلك جبرئیل علیہ السلام وراجع جبرائیل ربه فاوحی الله الیه ان ادفع فدك الی فاطمة رضی اللہ عنہا))

"یعنی امام موسیٰ کاظم سے یہ روایت منقول ہے کہ جب فدک فتح ہوا بغیر لڑائی کے تو خدا نے پیغمبر پر یہ آیت نازل کی کہ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ اور پیغمبر خدا ﷺ نہیں جانتے تھے کہ وہ اقارب کون ہیں؟ تب آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا اور جبرئیل علیہ السلام نے خدا سے تو اللہ نے وحی بھیجی کہ فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دو۔"

اس حدیث سے اور دیگر حدیثیں جو عیون اخبار رضا وغیرہ میں منقول ہیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ فدک کے قبضے میں آنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے صاف "تقلیب المکائد" کا فرمانا کہ فدک کے قبضے میں آنے سے پہلے بطور پیش بندی کے یہ آیت مکے میں نازل ہوئی ہوگی، احادیث ائمہ کی تکذیب کرتا ہے۔

غرضیکہ کسی طرح بات بنائے نہیں بنتی اور یہ مصنوعی روایت کسی پہلو سے صحیح نہیں ہوسکتی، اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا یہ فرمانا کہ ((بحکم آنکه دروغ را حافظ نمی باشد)) صادق آتا ہے۔

وجه دوم:

یہ کہ خطاب ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ اگرچہ آنحضرت ﷺ کی طرف ہے مگر سیاق قرآنی صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ خطاب عام ہے تمام امت سے۔ صرف آپ کی ذات مبارک پر مخصوص نہیں۔ اس لیے کہ یہ آیت جو سورۃ بنی اسرئیل میں ہے اس میں توحید، احسان، صلہ رحمی اور مکارم اخلاق کا بیان ہے اور آیات ماقبل و مابعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تخصیص نہیں ہے بلکہ تعمیم ہے۔ چنانچہ آیات ماقبل و مابعد یہ ہیں:

﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ

لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ○ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ
رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ○ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ اِنْ
تَكُونُوا صٰلِحِينَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِينَ غَفُورًا○ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ
الْمِسْكِينَ وَ ابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا○ اِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓا
اِخْوَانَ الشَّيٰطِينِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُورًا○ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ
عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ○ وَ
لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ
مَلُومًا مَّحْسُورًا ○ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ
بِعِبَادِهٖ خَبِيرًا بَصِيرًا○﴾ (الاسراء: ۲۳ تا ۳۰)

اب ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

”تیرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے سامنے ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو نہ کہہ ان سے ہوں، اور نہ ان کو جھڑک اور کہہ ان سے ادب کی بات، اور جھکا ان کے سامنے بازو عاجزانہ اور نیاز مندانہ اور یہ دعا مانگ کہ اے رب! ان پر رحم کر جس طرح کہ انہوں نے مجھے بچپنے میں پرورش کیا۔ تمہارا رب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کو بخشتا ہے۔ اور دے قرابت والے کا اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا فضول خرچی میں، فضول خرچ بھائی ہیں شیطان کے، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے، اور اگر کبھی تو ان سے تغافل کرے بوجہ چاہنے اپنے رب کی رحمت کے جس کی تجھے امید ہے تو ان سے بات نرمی ہی کی کہہ دے اور مت باندھ لے اپنے ہاتھ گردن میں (یہ کنایہ ہے بالکل خرچ نہ کرنے سے) اور نہ بالکل فراخ دستی کر کہ بیٹھ رہے ملامت زدہ اور پشیمان۔ تیرا رب تو جسے چاہتا ہے رزق خوب سا دیتا ہے اور جس

کو چاہتا ہے کم دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حال سے خبردار ہے۔''

ان آیتوں سے پہلے بھی وہ آیتیں ہیں جن میں شرک اور معاصی سے ممانعت اور توحید اور عبادت کا حکم کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾ کہ خداوند تعالیٰ کے ساتھ کسی خدا کو مت ملاؤ کہ ملامت زدہ اور پشیمان ہو کر بیٹھ رہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول خداوند تعالیٰ نے شرک اور معاصی کی برائیاں بیان کیں اور اس کے بعد توحید اور عبادت ارشاد کیا اور اس کے بعد احسان، تبرع، صلۂ رحم اور مکارم اخلاق کا ذکر فرمایا۔ پس گویا اس صورت میں جو یہ آیتیں ہیں وہ توحید، عبادت، صلہ رحمی، مکارم اخلاق، سلوک، احسان اور ادائے حقوق کے بیان میں ہیں اور یہ وہ چیزیں ہیں کہ دراصل امت کی ہدایت اور عمل کے لیے بیان کی گئی ہیں اور گویا وہ ایک قانون ہے جس میں انسانی اخلاقی صفات کا بیان اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ سب آیتیں تو عام ہوں اور ان کا خطاب امت کی طرف ہو اور ایک آیت یعنی ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى﴾ صرف آنحضرت ﷺ سے مخصوص ہو اور پھر وجہ خصوصیت بھی کوئی موجود نہ ہو۔ مجمع البیان طبرسی میں بھی ان آیتوں کے معنی میں علامہ طبرسی فرماتے ہیں: ((کما تقدم النھی عن الشرك و المعاصی عقبه سبحانه بالامر بالتوحیدو الطاعات فقال سبحانه وقضی ربك الا تعبدوا الا ایاه)) اور پھر ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى﴾ کی آیت سے لے کر تا آیت ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ جو پانچ آیتیں ہیں ان کی تفسیر میں علامہ موصوف فرماتے ہیں:

((ثم حث سبحانه نبیه علی ایتاه الحقوق لمن یستحقھا وعلی کیفیة الانفاق فقال و ات ذا القربی حقه معناه و ات القربات حقوقھم التی اوجبھا اللہ لھم فی اموالکم))

''یعنی خدا تعالیٰ نے اول شرک و معاصی سے ممانعت کی اس کے بعد توحید و عبادت کا حکم بیان فرمایا، پھر اپنے پیغمبر کو ان لوگوں کے حقوق کو جو اس کے مستحق

ہیں دینے اور خرچ کرنے کے طریقوں پر آگاہ کیا اور فرمایا کہ ذوی القربیٰ کو ان کا حق عطا کر، یعنی رشتہ داروں کو ان کے حقوق جو خدا نے ان کے لیے تمہارے مالوں میں مقرر کیے ہیں عطا کر۔“

پس ان سب آیتوں کے دیکھنے اور سیاق قرآنی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی موقع کسی خاص بات میں پیغمبر ﷺ کی تخصیص کا نہیں ہے۔ اور اگر خاص آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى﴾ کی پیغمبر کے ساتھ تخصیص کی جائے تو سارا کلام مہمل اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ حضرات امامیہ کو آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ میں صرف ایک بات سے اس کو موقع ملا کہ اس آیت کے حکم کو آنحضرت ﷺ سے مخصوص خیال کریں اور وہ یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب بصیغۂ واحد ہے لیکن علم معانی و بیان کے جاننے والے بیک طرف، معمولی سمجھ کے آدمی اور قرآن کے ترجمہ جاننے والے بھی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کا طرز بیان ایسا واقع ہوا ہے کہ اکثر خطاب خاص آنحضرت ﷺ کی طرف ہوتا ہے مگر درحقیقت مراد اس سے امت ہوتی ہے، بہت دور جانے اور قرآن کے دوسرے مقامات دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، اسی رکوع میں جو طرز بیان خدا کا ہے اس سے اس کا ثبوت ہوتا ہے، جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے: ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾ ”کہ خدا کے ساتھ دوسرے کو معبود نہ بنا نہیں تو ذلیل اور عاجز ہو جائے گا۔“ کیا ایک لحظ کے لیے بھی کوئی مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ یہ خطاب خاص آنحضرت ﷺ کی طرف ہے اور اسی لیے مفسرین شیعہ نے بھی اس خطاب کو عام مانا ہے، جیسا کہ علامہ طبرسی فرماتے ہیں، ((ان الخطاب للنبی والمراد امته)) کہ یہ خطاب پیغمبر خدا ﷺ سے ہے اور مراد امت ہے اس آیت کے سوا یہ آیت بھی اسی رکوع میں ہے: ﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾.... ”کہ اگر پہنچ جائیں تیرے سامنے بڑھاپے کو ماں باپ میں سے ایک یا دونوں تو ان سے اُف کر کے بات نہ کر، اور نہ ہی ان کو جھڑکی دے اور ان سے ادب کی بات کر۔“ کیا کوئی نادان اس خطاب کو

آنحضرت ﷺ کی طرف سمجھے گا جبکہ آنحضرت ﷺ کی شان اس سے اعلیٰ وارفع تھی کہ آپ کو ایسی برائی سے بچانے کی نصیحت کی جاتی۔ آپ کے والدین چھٹ پن ہی میں گزر گئے تھے اور ان کے مرنے کے چالیس برس بعد خدا کا کلام نازل ہوا تھا، تو صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب بھی امت کی طرف ہے۔ اور اس کے سوا اور روایتیں جو بیان کی گئی ہیں، مثلاً ((لا تبذر تبذیرا ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط)) ''کہ اسراف نہ کرو اور اپنے ہاتھوں کو باندھ نہ لو، یعنی بخل نہ کرو اور نہ زیادہ فضول خرچی ہو۔'' ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو آنحضرتؐ سے مخصوص ہو۔ باوجودیکہ یہ سب خطاب بصیغۂ واحد آنحضرت ﷺ کی طرف کیے گئے ہیں اور ان میں کوئی موقع اور محل شیعوں کو بھی انکار کا نہیں ہے۔

پس ان تمام آیتوں سے صرف ایک آیت کو مخصوص کرنا آنحضرت ﷺ سے بغیر کسی مرجح اور مخصص وجہ کے قابل مضحکہ ہے، خصوصاً جبکہ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى﴾ کہ پہلی آیت کو دیکھا جائے جس میں والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مسلسل بیان اس کا ہے جو ہدایت انسان کو اخلاق، احسان، صلہ رحم اور ادائے حقوق اور متعلق کی گئی ہے، اس میں اول بیان کیا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہیے، اس کے بعد بتایا کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا لازم ہے، اس کے بعد فرمایا کہ قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حق ادا کرنے چاہییں اور پھر اسی کے ساتھ اعتدال کی بھی ہدایت فرمائی کہ نہ ایسی بخشش ہو کہ اسراف کے درجے پر پہنچ جائے اور نہ ایسا بخل کہ آدمی اپنے ہاتھ باندھ لے۔ اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی کہ اگر اتنی استطاعت نہ ہو کہ ان کے ساتھ کچھ سلوک کیا جا سکے تو ان سے اخلاق اور نرمی سے بات چیت کرنی چاہیے، جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾ اگر آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى﴾ میں خدا کی مراد یہ ہوتی کہ فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا جائے تو معلوم نہیں کہ ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ کیوں کہا جاتا اور پھر تبذیر کی برائی اور اس کا خوف بھی نہایت سخت لفظوں میں کہ ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ کیوں دلایا جاتا اور یہ کیوں کہا جاتا کہ اگر تمہارے پاس دینے کو نہ ہو تو

ان سے وعدہ ہی کرلو کہ جب خدا تم کو دے گا تو تم ان سے سلوک کرو گے۔ اگر کوئی اس آیت کو ہبہ فدک کے متعلق سمجھے تو آیت ﴿وَ اِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا﴾ اس موقع پر مہمل ہوئی جاتی ہے۔ مفسرین شیعہ نے بھی اس آیت کے وہی معنی لکھے ہیں جس سے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ صاحب مجمع البیان طبرسی فرماتے ہیں:

((واما تعرضن عنهم اى وان تعرض عن هولاء الذين امرتك باداء حقوقهم عن مسألتهم اياك لانك لاتجد ذلك حباء منهم ابتغاء رحمة من ربك ترجوها اى لتبتغى الفضل من الله والسعة التى يمكنك معها البذل باامل تلك السعة و ذلك الفضل ﴿فقل لهم قولا ميسورا﴾ اى عدهم عدة حسنة و قل لهم قولا سهلا لينا يتيسر عليك وروى ان النبى ﷺ كان لما نزلت هذه الاية اذاسئل ولم يكن عنده ما يعطى قال يرزقنا الله واياكم من فضله))

”یعنی اگر ان لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے دینے سے تم مجبور ہو اور ان کے سوال پورا کرنے کے لیے تمہارے پاس کچھ نہ ہو اور شرم کے مارے ان سے اعراض کرو تو تمہیں چاہیے کہ خدا کے فضل پر امید رکھ کر وعدہ کرو اور اچھے لفظوں میں ان سے کہہ دو کہ جب خدا تمہیں دے گا تو تم ان کے ساتھ سلوک کرو گے۔ اور پیغمبر خدا ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہی کیا کرتے کہ جب آپ سے سوال کیا جاتا اور آپ کے پاس کچھ دینے کو نہ ہوتا تو یہ فرماتے کہ اللہ اپنے فضل سے ہم کو اور تم کو رزق دے۔“

یہ بیان تو سورۂ بنی اسرائیل کا کیا گیا۔ اب سورۂ روم پر غور کرنا چاہیے کہ وہاں یہ آیت کس موقع پر آئی ہے۔ آیات ماقبل و مابعد یہ ہیں:

﴿وَ اِذَآ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً فَرِحُوۡا بِهَا وَ اِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ

اَيۡدِيۡهِمۡ اِذَاهُمۡ يَقۡنَطُوۡنَ ۝ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يَقۡدِرُ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَ الۡمِسۡكِيۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِيۡلِ ذٰلِكَ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝﴾ (الروم: ۳۶ تا ۳۸)

''یعنی جب لوگوں کو ہم رحمت پہنچاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان کے اعمال کے سبب ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو وہ نا امید ہو جاتے ہیں، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے۔ پس دے رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین و مسافر کو۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا مندی چاہتے ہیں اور یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔''

اس میں بھی تخصیص باطل ہوتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسے اس طرح پر شروع کیا ہے کہ اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے روزی فراخ دے اور جس پر چاہے تنگ کر دے۔ یہ مضمون عام ہے اسی پر آگے چل کر تفریع کی ہے اور فرمایا ہے کہ اے پیغمبر! تو قرابتیوں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتا رہ۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں تعمیم مراد ہے، خصوصاً اس آیت کے اخیر لفظوں سے تو تعمیم میں کوئی شک ہی نہیں رہتا اور وہ الفاظ یہ ہیں:

﴿ذٰلِكَ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝﴾

''کہ یہ بات بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا کی رضا مندی چاہتے ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

یہ ارشاد اسی وقت یا موقع اور برمحل صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حکم عام ہو اور خطاب مومنین سے ہو۔ ورنہ قرآن جو ایک فصیح و بلیغ کلام ہے مہمل سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کی نسبت تو یہ گمان ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ان حقوق کے دینے میں تامل فرماتے یا ان کو اس حکم پر عمل کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب کی ضرورت ہوتی اور ﴿ذٰلِكَ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ

وَجۡهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ o﴾ کہنے کی خدا کو کیا ضرورت پڑتی۔ یہ اسی وقت با موقع سمجھا جا سکتا ہے جبکہ خطاب عام مومنین کی طرف سمجھا جائے کہ امت ہی کے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو پورے طور پر حقوق ادا کرنے کے لیے ترغیب وترہیب کی ضرورت ہوتی ہے اور ذاتی اغراض اور شخصی محبت کو دخل نہ دینے کے لیے اس قسم کے بیان سے ان کو نصیحت کی جاتی ہے۔ پس جو شخص ذرا بھی قرآن کو غور سے دیکھے گا اور اس آیت کے ما تقدم اور ما تاخر (آگے پیچھے) اور طرز بیان اور سیاق عبارت پر نظر کرے گا وہ ذرا شبہ نہیں کرسکتا کہ قربیٰ سے عام رشتہ دار مراد ہیں۔ کما قیل انه خطاب له و لغیره والمراد بالقربی قرابة الرجل وهو امر بصلة الرحم بالمال.

وجه سوم:

یہ کہ اگر شیعوں کے خیال کے موافق تسلیم کیا جائے کہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی﴾ میں ذَاالۡقُرۡبٰی سے مراد فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حقہ سے مراد فدک ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کے حکم کی پوری تعمیل یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ خود نہیں کی یا خدا نے نہیں کرائی، اس لیے کہ اس آیت میں تین لوگوں کے حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، (۱) ذوی القربیٰ (۲) مسکین، (۳) مسافر۔ ذوی القربیٰ کی نسبت تو شیعوں نے یہ بات بنائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے معنی نہیں سمجھے اور جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ ذوی القربیٰ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کا حق بھی دریافت کر لیا اور ادا بھی کر دیا گیا، مگر باقی اشخاص ویسے ہی محروم چھوڑ دیے گئے۔ پھر ذوی القربیٰ کا لفظ تو عام ہے اور سب رشتہ داروں کو مشتمل ہے اور تخصیص کر دی گئی صرف ایک کی؟

سوائے اس کے ذوی القربیٰ کا لفظ قرآن مجید میں اسی آیت میں نہیں آیا بلکہ تیرہ جگہ متعدد آیتوں اور مختلف سورتوں میں آیا ہے اور ایسے موقع پر آیا ہے جہاں ادائے حقوق کی ہدایت اور اس کی ترغیب ہے، اور اکثر اس کے ساتھ دیگر اشخاص مساکین اور ابن السبیل وغیرہ شریک ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں ایسے موقع پر یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد ان سب کے ساتھ نیکی کرنا...... اور ان کی خبر لینا اور ان کی مدد کرنا ہے۔ مثلاً: سورۂ بقرہ

میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰہَ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ قُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ۝﴾ (سورۃ البقرہ: ۸۳)

''یعنی جب کہ عہد لیا ہم نے بنی اسرائیل سے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور غریبوں کے ساتھ سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا، پھرتم پھر گئے اس عہد سے مگر تم میں سے چند لوگ، اور اب بھی تم اعراض کرتے ہو۔''

اس آیت میں بیان ہے کہ بنی اسرائیل سے ہم نے ان باتوں کا عہد لیا تھا کہ خدا کے سوا عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ نیکی، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھلائی، اور سب سے اچھی بات کرنا۔ مگر انہوں نے اس عہد کو توڑ ڈالا۔ چونکہ بنی اسرائیل نے اس عہد کو توڑ دیا تھا، اس لیے خداوند تعالیٰ نے اس موقع پر اس کا ذکر اس لیے کیا کہ آنحضرت ﷺ کی امت کو تنبیہ ہو کہ وہ ایسا نہ کرے۔ اور پھر اسی کی تشریح اور تصریح سورۂ بنی اسرائیل میں کر دی، یعنی بتا دیا کہ جن باتوں کا بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا وہ انہی کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ حسن اخلاق اور حسن معاشرت اور حسن معاملے کے لیے یہ باتیں ہر انسان پر لازم ہیں اور ان کا کرنا ضروری ہے اور انہی باتوں کو آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے آپ کی امت کو بتایا اور ان لفظوں سے ﴿وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا.....الخ﴾ فرمایا کہ خدا نے تمہارے اوپر لازم اور واجب کر دیا ہے کہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان اور ذَوِی الۡقُرۡبٰی اور مسکین اور ابۡنِ السَّبِیۡلِ (مسافر) کا حق ادا کرو۔'' گویا یہ آیتیں انہیں آیتوں کا صاف صاف بیان ہیں جو سورۂ بقرہ میں بنی سرائیل پر واجب کی گئی تھیں، وہاں ﴿وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡ

اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ فرمایا اور یہاں وَقَضٰی رَبُّكَ جس کے معنی قریب قریب ایک ہوتے ہیں، یعنی ان باتوں کا کرنا واجب کر دیا گیا، پھر وہاں فرمایا ﴿لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اور یہاں ارشاد کیا ﴿اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ﴾ پھر وہاں تو فرمایا تھا ﴿وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا﴾ یہاں بھی وہی فرمایا ﴿وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا﴾ اور اس کی اور بھی زیادہ تشریح کر دی اور احسان کا ادنیٰ درجہ تک بھی بیان کر دیا کہ ان سے اف تک نہ کہو۔ پھر وہاں بیان فرمایا: ﴿ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ﴾ یہاں فرمایا ﴿وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ﴾ اور پھر اعتدال کی بھی یہاں نصیحت فرمائی کہ ﴿وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا....الخ﴾ اور پھر وہاں فرمایا ﴿وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا﴾ اور یہاں فرمایا ﴿فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّیۡسُوۡرًا﴾ پس دیکھو کیسا مسلسل اور مرتب بیان ان دونوں آیتوں کا ہے۔ اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیتیں کیسی تشریح انہیں احکام کی ہیں جو بنی اسرائیل کو دیے گئے تھے۔

ذَوِی الۡقُرۡبٰی کا لفظ سورۂ بقرہ میں ایک اور آیت میں آیا ہے اور وہ یہ ہے:

﴿لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِکَةِ وَ الۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَ اٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ وَ السَّآئِلِیۡنَ وَ فِی الرِّقَابِ﴾

”یعنی یہ نیکی نہیں ہے کہ تم مشرق ومغرب کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ اور آخرت پر اور فرشتوں اور کتاب اللہ اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور خدا کی محبت میں مال رشتہ داروں، یتیموں، غریبوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور غلاموں کے آزاد کرنے میں دے۔“

اس میں بھی بِرۡ اور اِحۡسَان کا اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے اور گویا یہ بھی دوسرے لفظوں میں انہیں احکام کا تذکرہ ہے جو سورۂ بنی اسرائیل میں بیان کیے گئے ہیں کہ نیکی یہی نہیں ہے اپنے منہ پورب اور پچھّم کی طرف کرو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ خدا اور قیامت، فرشتوں، کتاب اور

پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور خدا کی محبت میں اپنا مال ذوی القربیٰ، یتیموں اور مساکین اور ابن سبیل اور سائلین کے دینے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں صرف کرو۔

سورۂ نساء میں بھی ذوی القربیٰ کا لفظ اسی موقع پر آیا ہے: کما قال تعالیٰ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ.....الخ﴾ کہ جو کچھ غنیمت میں تمہارے ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول اور ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین کے لیے ہے۔ اس آیت پر اگر حضرات امامیہ غور فرمائیں تو ان کو اس کہنے میں کہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى﴾ مدینے میں خیبر کے فتح ہونے کے بعد نازل ہوئی بہت مشکل پیش آئے گی بلکہ ان کا سارا عنکبوتی گھر برباد ہو جائے گا۔ اس لیے کہ کوئی اس باب میں شبہ نہیں کر سکتا کہ آیت ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ فتح خیبر سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس لیے کہ غنیمت کا مال خیبر کے فتح ہونے سے پہلے آیا کرتا تھا اور اس کی تقسیم ہوا کرتی تھی اور اس آیت ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ میں اس کی تفصیل یہی ہے۔ پس جنگ بدر سے لے کر خیبر کے فتح ہونے تک پیغمبر خدا ﷺ آیت ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ کے مطابق غنیمت کے حصے میں سے اقارب، مساکین اور مسافرین کو ان کے حقوق دیا کرتے تھے اور دینا ہو نہیں سکتا جب تک معلوم نہ ہو کہ اقارب اور مساکین وغیرہ کون ہیں۔ معلوم نہیں تو خیبر فتح ہونے اور فدک ملنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام سے ذوی القربیٰ اور حقہ کے معنی دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہوئی؟ اگر ضرورت ہوتی تو اس آیت ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ کے نازل ہونے کے وقت ہو سکتی تھی تا کہ غنیمت کی تقسیم میں غلطی نہ ہو۔ اور اگر تسلیم کیا جائے کہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى﴾ میں مراد ذوی القربیٰ سے صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں تو آیت ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ میں بھی جو لفظ ذی القربی کا آیا ہے اس سے بھی مراد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوں گی، اور خمس بھی صرف انہیں کا حق ہوگا، اور بجز ان کی اولاد کے تمام بنی ہاشم خمس سے محروم ہوں گے ((ولم یقل بہ احد)) یہ خود مذہب شیعہ کے خلاف ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں خمس میں سے

نصف امام وقت کا اور باقی نصف یتیموں، مسکینوں اور ابن سبیل کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں مجمع البیان طبرسی میں لکھا ہے:

((اختلف العلماء فی کیفیة قسمة الخمس و من یستحقه علی اقوال احدها ما ذهب الیه اصحابنا و هو ان الخمس یقسم علی ستة اسهم فسهم لله وسهم للرسول وهذان السهمان مع سهم ذی القربیٰ للامام القائم مقام الرسول وسهم لیتامی آل محمد و سهم عساکینهم وسهم لابناء سبیلهم لایشرکهم فی ذلك غیر هم لان الله سبحانه حرم علیهم الصدقات لکونها اوساخ الناس و عوضهم من ذلك الخمس روی ذلك الطبری عن علی بن الحسین زین العابدین و محمد بن علی الباقر، و اختلف فی ذوی القربیٰ فقیل هم بنی هاشم خاصة من ولد عبد المطلب لان هاشم لم یعقب الامنه عن ابن عباس و مجاهد و الیه ذهب اصحابنا .))

''یعنی تقسیم خمس کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے اور ان لوگوں میں کہ کون کون مستحق ہیں۔ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ خمس کے چھ حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ اللہ کا اور ایک حصہ رسول کا اور یہ دونوں حصے مع ایک حصہ ذوی القربیٰ کے امام کا ہے جو رسول کے قائم مقام ہے اور ایک حصہ آل محمدؐ کے یتیموں کا اور ایک انہی کے مساکین کا اور ایک انہی کے مسافرین کا، آل محمد کا کوئی شریک اس میں نہیں ہوتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کو بوجہ لوگوں کے میل ہونے کے آل محمد پر حرام کر دیا ہے اور اس کے عوض میں ان کو خمس دیا ہے۔ طبریؒ نے امام زین العابدین اور امام باقر سے یہ روایت کی دوسرا اختلاف ذوی القربیٰ میں ہے کہ ان سے کون مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد خاص بنی ہاشم اور اولاد

عبدالمطلب ہیں کیونکہ ہاشم کی نسل عبدالمطلب ہی سے چلی ہے۔ یہ مروی ہے ابن عباس اور مجاہد سے، اور یہی مذہب ہے ہمارے علماء کا۔"

اور تفسیر قمی میں ہے:

((فمن الغنمية يخرج الخمس و يقسم على ستة اسهم سهم لله وسهم لرسول الله وسهم للامام فسهم الله و سهم الرسول يرثه الامام فيكون للامام ثلاثة اسهم من ستة و ثلاثة اسهم لايتام اٰل الرسول ومساكينهم وابناء سبيلهم .))

"غنیمت میں سے خمس نکلے گا اور چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا ایک حصہ اللہ کا اور ایک حصہ اللہ کے رسول کا اور ایک حصہ امام کا۔ اللہ اور اس کے حصہ کا امام ہی وارث ہوگا تو امام کے چھ میں سے تین حصے ہوں گے اور تین حصے آل رسول کے یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوں گے۔"

غرض کسی پہلو یہ بات ٹھیک نہیں بیٹھتی کہ ذوی القربیٰ کے معنی پیغمبر نہ جانتے ہوں، اور ان اقارب کو جن کا حق دینا چاہیے آپ نہ پہچانتے ہوں اور باوجود نازل ہونے متعدد آیات کے جو ذوی القربیٰ کے احسان کے متعلق ہیں پیغمبر خدا ﷺ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى﴾ کے نازل ہونے پر جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھنے پر مجبور ہوئے ہوں اور خدا نے فرمایا ہو کہ ذوی القربیٰ سے مراد فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور فدک جس کی آمدنی سالانہ چالیس یا ستر ہزار دینار تھی، ان کو دے کر پیغمبر خدا ﷺ ادائے حقوق سے سبکدوش ہو گئے ہوں، اور باقی تمام رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں کو محروم چھوڑ دیا ہو۔

((و كيف يجوز لا حد من المسلمين ان يتكلم بمثل هذا ويبدل كلام الله من تلقاء نفسه و يحرفه عن موضعه سبحانك هذا بهتان عظيم .))

❁❁❁❁

کیا یہ بات قیاس میں آسکتی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فدک'' جس کی آمدنی چوبیس ہزار دینار کہی جاتی ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا ہو؟

روایتوں اور حکایتوں کو ایک طرف رکھ کر اور ان کے تناقض و باہمی اختلاف سے بھی قطع نظر کر کے اس بحث کو عقل کی آنکھ سے دیکھنا اور ایک منصف غیر متعصب آدمی کی طرح اس پر غور کرنا چاہیے تا کہ معلوم ہو کہ آیا اسی زمانے میں جب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا غنیمت یا فے یا خراج یا اور کسی قسم کی آمدنی ایسی کافی و وافی تھی کہ جس سے اخراجات جو اس وقت اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی حفاظت اور کفار کے حملوں سے بچانے اور ان پر جہاد کرنے اور وفود، یعنی ایلچیوں اور مہمانوں کے ٹھہرانے اور تحفے و ہدایا دینے کے لیے ضروری تھے، بغیر کسی وقت کے ادا ہو سکتے۔ اور موجودہ حالت اس زمانے کی ایسی تھی کہ پیغمبر خداؐ چوبیس ہزار یا ستر ہزار دینار کی سالانہ آمدنی کی جاگیر اپنی بیٹی کو بخش دیتے۔ اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور عادت ایسی تھی کہ مہاجرین، انصار اور عامہ مسلمین کا خیال نہ کر کے اور ان کو تنگی اور افلاس میں چھوڑ کر جو کچھ آپ کے حصے میں آیا تھا (بشرطیکہ ہم اس کو آپ کا ذاتی حصہ سمجھیں) وہ اپنے رشتہ داروں میں سے کسی ایک چہیتے رشتہ دار کو دے دیتے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ان باتوں پر خیال کرنے سے ایک لحظہ کے لیے بھی کوئی آدمی ہبہ کی روایت کو صحیح نہ سمجھے گا اور نہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان، خصلت، سیرت کے مطابق پائے گا۔ اس لیے کہ فدک ہجرت کے ساتویں برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا اور وہ زمانہ

نہایت عسرت اور تنگی کا تھا، حضرت کی خود یہ حالت تھی کہ فاقے پر فاقے کرتے اور بھوک کی تکلیف سے دو دو دن تک شکم مبارک پر پتھر باندھ کے اور اہل بیت کا یہ حال تھا کہ نان جویں کو محتاج تھے اور ضروری حاجتوں کے پورا کرنے کے لیے بھی کچھ سرمایہ نہ رکھتے تھے، مہاجرین گھر بار چھوڑے ہوئے مدینے میں دوسروں کے یہاں پڑے ہوئے تھے اور وہ اپنے اوپر تنگی اٹھا کر اور ایثار علی النفس کر کے ان کی مدد کرتے تھے، اور حالت اسلام کی یہ تھی کہ چاروں طرف سے دشمنوں کا ہجوم تھا اور ہر جانب سے حملہ اور لڑائی کا اندیشہ، ہر روز جہاد کی ضرورت پیش آتی اور ہر وقت دشمنوں کا کھٹکا لگا رہتا۔ اسلام کے لشکر کی تیاری اور ان کے لیے آلات حرب وضرب تیار کرنے کے لیے پیغمبر خدا ﷺ کو ہر دم فکر لگی رہتی، وفود، ایلچی اور قاصد چاروں طرف سے چلے آتے اور ان کی مہمان داری ان کی حالت کے مطابق کرنی پڑتی اور نیز تحفے و ہدایا جو وہ لاتے اس کے موافق انہیں آپ کو بھی دینا پڑتے اور ان اخراجات کے لیے مسلمانوں سے مدد لینے کی ضرورت ہوتی اور اسی کام میں اعانت کرنے کے لیے خدا کی طرف سے رغبت دلانے والی آیتیں نازل ہوتی رہتیں، اور مسلمان جو کچھ استطاعت رکھتے تھے وہ اپنے حوصلے اور استطاعت کے موافق مال سے اثاث البیت سے کپڑے سے غلے سے غرض کہ ہر طرح سے مدد کرتے یہاں تک کہ جو مفلس اور فقیر تھے وہ بھی بوقت ضرورت اپنے اوپر فاقہ کرتے اور جو کچھ ان کے پاس کھانے کو ہوتا وہ فی سبیل اللہ آنحضرت ﷺ کے سامنے لا کر رکھ دیتے۔

تو کیا ایسی تنگی کے زمانے میں کسی معمولی آدمی سے بھی جو کسی گروہ کی سرداری کا دعویٰ کرتا ہو، یا کسی قسم کی اولوالعزمی کے خیال رکھتا ہو اور اپنے گروہ کی حفاظت کا ذمہ دار ہو یہ توقع ہوسکتی ہے کہ جو کچھ اسے ملے وہ بجائے اس کے کہ ان اغراض و مقاصد میں کام میں لائے جو اس کے پیش نظر ہوں اپنے رشتہ داروں کو دے دے، اور پھر رشتہ داروں میں بھی سب کے ساتھ انصاف نہ کرے بلکہ سب کے حقوق تلف اور ضائع کر کے صرف اپنے ایک چہیتے فرزند کو دے دے؟ تو کیا ایسے شخص کو دنیاوی لحاظ سے بھی کوئی سرداری کے قابل سمجھے گا یا اس کے لشکری اسے سردار مانیں گے؟ یا کچھ بھی ایسے شخص کی عزت ان کے دل میں ہوگی۔ یا سوائے

خودغرضی اور نفس پروری کے کوئی دوسرا خیال اس کی نسبت کیا جائے گا۔ چہ جائے اس کے کہ ایسی ذات پاک کی نسبت یہ امر منسوب کیا جائے جو دین کا پیشوا اور تمام دنیا کا سردار اور سارے خلق میں برگزیدہ اور خدا کا پیارا ہو اور جس کو خدا نے اخلاقی مکارم کی تکمیل کے لیے بھیجا ہو۔ اور جس نے خودغرضی اور نفس پروری کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ہو، اور جس نے ہمیشہ ایثار علی النفس پر خود عمل کیا ہو اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو ہر حالت اور ہر موقع پر اسی بات کی نصیحت کی ہو، اور ان سے ہمیشہ اس کی تکمیل کرائی ہو، اور جس کے عزیز اور رشتہ دار بھی ایسے ہوں جن کے زہد اور پرہیزگاری اور ترک دنیا پر خداوند تعالیٰ نے خوشنودی اور رضامندی فرمائی ہو اور جو فیض و سخاوت اور دوسروں کے آرام دینے کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہوں۔ اور جو دنیا کے تعلقات سے نفرت رکھنے اور دنیا سے بے تعلق رہنے میں زمین پر انسانوں میں ضرب المثل اور آسمانوں میں خدا کے فرشتوں کے سامنے ممدوح اور بے غرضی اور نفس کشی میں ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ ہوں۔ کیا ایسے شخص کی نسبت کوئی یہ خیال کرسکتا ہے کہ وہ سب کا خیال چھوڑ کر جو کچھ ملے وہ اپنے ایک عزیز کو دے دے۔ اور کیا اس کے عزیزوں سے یہ امید ہوسکتی ہے کہ وہ سب کو عسرت و تنگی کی حالت میں چھوڑ کر جو کچھ اس کے باپ کا حصہ ہوا سے تنہا اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے لینا پسند کرے۔ ہرگز ہرگز نہیں!

درحقیقت اگر ہبہ فدک کی روایت صحیح مانی جائے اور فدک کا خراج چوبیس یا ستر ہزار دینار تسلیم کیا جائے تو منکرین نبوت کو آپ کی نبوت میں شکوک پیدا کرنے کا اچھا موقع ملے گا اور دشمنوں کے ہاتھ میں گویا یہ ایک عمدہ ہتھیار دینا ہوگا، حضرات امامیہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت میں گو ایسے مستغرق ہوں کہ ان کو اس قسم کی باتوں کے برے نتائج سمجھ میں نہ آئیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اوپر الزام لگانے کے لیے جیسی روایتیں چاہیں بنا کر پیش کریں، مگر ہمارے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ہم تو اس قسم کے خیال سے جس سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ذرا بھی داغ آئے لاکھوں کوس بھاگتے ہیں۔

اب ہم اس کو ثابت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تنگی اور افلاس کا تھا اور جہاد

کے لیے کافی سامان مہیا نہ تھا اور نہایت تکلیف اور تنگی سے جہاد کا سامان جمع کیا جاتا تھا۔ چنانچہ خود شیعوں [1] کے یہاں سے اس کا ثبوت ہوتا ہے اور ان کی تواریخ میں لکھا ہے کہ آخری غزوہ پیغمبر خدا ﷺ کے غزوات کا تبوک ہے، جو سن ۹ھ میں ہوا۔ اس وقت ایسی تنگی اور مصیبت مسلمانوں پر تھی کہ اس غزوہ کا نام جیش العسرہ ہوگیا۔ اور خدا کی طرف سے آیات ترغیب وترہیب نازل ہونے لگیں اور مسلمان جو ایمان میں صادق تھے مدد کرنے لگے، چنانچہ جب یہ آیت ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (سورۂ توبہ ۴۱)...... ’’نکلو ہلکے اور بوجھل، اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے، یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم کو سمجھ ہے۔‘‘ نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے جہاد کی تحریص کی اور جان و مال سے مدد دینے کی ترغیب شروع کی تو مدینے میں ایک ہلچل مچ گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسو اونٹ اور دوسو اوقیہ چاندی کے شام کی تجارت کے لیے جمع کیے تھے وہ سب آنحضرت ﷺ کے سامنے تجہیز

---

[1] یہ مضمون اگرچہ اکثر کتابوں میں ہے مگر ہم نے اس کو ناسخ التواریخ سے جو ابھی حال میں ایران میں چھپی ہے اور جس کا مصنف شیعوں کا بڑا عالم ہے لیا ہے، چنانچہ اصل عبارت اس کی منتخباً یہ ہے ذکر غزوۂ تبوک۔ وایں لشکررا جیس العسر و گفتند چه در تخطی و سختی زحمت فراواں دیدند بالجمله ایں غزوه واپسین غزوات رسول خدا ﷺ ست، مع القصة رسول خدا ﷺ فرمودهاں اے مردم دنیا بآخرت آں مقدار ندارد که سر انگشت خویش راباآب زنے وآلائش آں ربا تمامت اور یابمیزان بری لا جرم دولتے بزرگ رابهر چیزے اندك از دست مگزارید ودر کار جهاد سبك خیز و استوار باشید چنانچه خدا فرماید ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا .... الاٰية﴾ مع القصه چوں پغیمبر لختے بتحریص جهاد سخن کردور مردم مدینه جنبش پدید گشت لاجرم عثمان بن عفان که ایں وقت دو صد شتر و دو صد اوقیه سیم از بهر تجارت شام ساز کرده بود بتمامت بحضرت رسول آور دو برائے تجهیز لشکر پیش داشت پیغمبر فرمودلا یضر عثمان ما عمل بعد هذا و بروایتی سی صد شتر با سازوبرگ و هزار مثقال زر سرخ حاضر کرد پیغمبر فرمود اللهم ارض عن عثمان فانی منه راض، و نیز گفته اند که ازسی هزار تن لشکر که سفر تبوك کرده دوبهره را عثمان تجهیز داد...... عمر بن خطاب گوئد که من باخود اند یشدم که امروزاز ابوبکر سبق گیرم ویك نیمه مال خودرا بحضرت رسول ﷺ بردم تا کار لشکر بسازد فرمود یا ابن الخطاب از بهر اهل خودچه ذخیره نهادۂ عرض کردم هم بدیں مقدار برائے اهل خویش گزاشته ام، ایں هنگامه ابوبکر برسید و اندوخته خویش رابتمامت پیش واشت۔

لشکر کے لیے حاضر کر دیے جس پر پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد عثمان جو بھی کام کریں گے انہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تین سو اونٹ مع سامان کے اور ہزار مثقال زر سرخ پیش کیا اس پر پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ((اللھم ارض عن عثمان فانی عنه راض)) کہ اے اللہ! تو عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں عثمان سے راضی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال اپنا آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم نے اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اتنا ہی ان کے لیے چھوڑ دیا ہے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور کل مال و متاع اپنا پیغمبر خدا ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کیا رکھا ہے؟ [1] جواب میں عرض کیا: ((اذ دخرت اللہ و رسولہ.)) یعنی خدا اور رسول کو ان کے

---

[1] پیغمبر فرمود برائے اهل خود چه نهادۂ عرض کر داذ دخرت الله و رسوله یعنی خدا و رسول را از بهر ایشاں ذخیره نهادم، عمر گفت اے ابوبکر هیچ گاه بر تو بیشی نتوائم گرفت...... عبدالرحمن بن عوف چهل اوقیه زرو بروایتے چهار هزار درهم آور دو گفت مراهشت هزار درهم بود یك نیمه رابقرض پروردگار خویش دادم و نیم دیگر را از بهر عیال خود گزاشتم...... بالجملة عباس بن عبدالمطلب و طلحه بن عبیدالله و سعد بن عباده و محمد بن سلمه هر یکے مبلغے حاضر کردند و عاصم بن عدی انصاری صدوسق خرما از بهر تجهیز لشکر بذل کرد، ابوعقیل انصاری نیم صاع خرمایا ساعے آور دو گفت دوش تابامد ادبار یسماں آب کشیدم ودو روز مزدور مردم بوده ام دوصاع خرمامرا اجرت داده اند یکے رابرائے عیال نهادم وآں کشیدم ودوروز مزدورمردم بوده ام دو صاع خرمامرا اجرت داده اند یکے را برائے عیال نهادم وآں دیگر را از بهر ساز ابطال آوردم پیغمبر فرمودتا آں صاع رابر فراز دیگر صدقات نثر کرده اند منافقاں بر قلت صدقه اوعیب گرفتند واخذ آں رانا ستوده شمردند و گفتند ایں صدقه از بهر آں آورد که از اموال صدقات چیزے بستاند خدا ایں آیت فرستاد **الذین یلمزون المطوعین**...... الخ۔ ایں هنگام سالم بن عمیر و عتبه بن زید الحارثی و ابو لیلی، و عبدالرحمن بن کعب مازنی و عمر بن غعمه اسلمی و سلمه بن صخر از نبی زریق و عرباض بن ساریه اسلمی و عبدالله و بروایتے مغفل بن یسار یا مهدی بن عبدالرحمن و نیز گفته اند عمر و بن الحمام بن الجموع و بروایتے صخر بن خنسا گفتند یارسول الله ﷺ لیس بنا قوة ان نخرج معك مار ابضاعتے وعدتے نیست که باتو تو انیم کوچ داد از هر قوتے وثروتے دست ماتهی است۔ (ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم صفحہ ۴۲۱ مطبوعہ ایران ۱۳۰۰ء)

لیے چھوڑا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس اوقیہ، اور ایک روایت میں چار ہزار درہم پیش کیے اور عرض کیا کہ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے۔ آدھا خدا کو قرض دیا اور آدھا اپنے اہل و عیال کے لیے چھوڑا۔ اسی طرح حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما اور محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق رقم پیش کی اور چونکہ ضرورت شدید تھی اور جہاد کے سامان جمع کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت فکر تھی، اس لیے جن مسلمانوں کے پاس روپیہ تھا نہ مال و متاع، انہوں نے کھانے کا سامان جو کچھ مل سکا وہی پیش کر دیا۔ چنانچہ عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے سو وسق خرمے لشکر کے سامان کے لیے پیش کیے۔ اور ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ نے آدھا صاع، یعنی سوا سیر یا ایک صاع، یعنی ڈھائی سیر چھوہارے حاضر کیے۔ اور کہا کہ کل صبح تک میں نے پانی بھرا اور دو دن مزدوری کی اس میں مجھے دو صاع [1] خرما، یعنی پانچ سیر چھوہارے ملے ہیں ایک اپنے عیال کے لیے رکھا ہے اور دوسرا آپ کے سامنے حاضر کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے پیش کیے ہوئے خرمے کو سب کے مال کے اوپر رکھیں اس پر منافقوں نے بہ نظر حقارت اس کے صدقے کو دیکھا اور اس کی کمی پر عیب لگایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ (سورۃ التوبہ: ۷۹)......

''کہ وہ جو طعن کرتے ہیں دل کھول کر خیرات کرنے والے مسلمانوں کو اور ان پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا، پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کو دکھ کی مار ہے۔'' اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچی کہ عورتوں نے اپنا زیور اُتار اُتار کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور بعض لوگ ایسے بھی رہ گئے جن کے پاس نہ مال تھا نہ اثاث البیت، اور لشکر کے ساتھ جانے کے لیے سواری تک نہ تھی، چنانچہ ان میں سے سالم بن عمیر و عتبہ بن زید و ابولیلیٰ و عمر بن عنمہ اسلمی اور عبداللہ بن مغفل وغیرہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

---

[1] الصاع اربعة امداد و مدبالضم پیمانه و هو رطل و ثلث۔

حاضر ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ! ((لیس بناقوة ان نخرج معك)) کہ نہ ہمارے پاس کچھ سرمایہ ہے نہ کچھ سامان کہ آپ کے ساتھ ہم چل سکیں، ہر طرح کی قوت وثروت سے ہمارا ہاتھ خالی ہے، ہمیں کچھ سواری عنایت فرمایئے تا کہ ہم ہمراہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ یعنی بوجہ تنگی اور کمی سامان کے کوئی زائد سواری نہیں تھی جو آپ ان کو دیتے۔ چنانچہ یہ لوگ یہ جواب سن کر روتے ہوئے باہر نکلے اور بکائین کی جماعت سے ملقب ہوئے۔ اور یہ آیت:

---

1 کنون مار امر کبے بذل فرما که پیاده گائیم فرمود آنچه شما طلب می کنید بدست نیست ایشاں از نزد پیغمبر بیرون شدند و گریاں بودندازیں ره به جماعت بکائین ملقب گشتند وایں آیت مبارکه در صفت ایشاں آمد و لا علی الذی اذا ما اتوك لتحملهم الخ بالجمله ایں یا مین بن عمر و کعب نضری ابو لیلی و ابو معقل رادیدار کرد و شترے بدیشاں دادتا بنو بت برنشیند وازبهر زاد صاعے خرما عطا کرد مع القصه رسول خدا طریق تبوك پیش داشت و لشکر کوچ دادندودر هیچ سفر چندیں سختی و صعوبت بر مسلمانان نرفت چه پیشتر لشکریاں هر وه تن یك شتر برزیادت ند اشتند و آن رابنوبت برمی نشستند وچنداں از زاد و توشه تهی وست بودند که هر روز دو کس یك خرما قوت می ساختند یك لختی می مکید و یك نیمه را از بهر صاحب خود می گزاشت واز قلت بضاعت بدیں قد ر قناعت می کردند و طے مسافت می نمودند مقرر ست که ده تن از مسلمین از قفای رسول خدا ﷺ بیرون شدند وایشاں رایك شتر بود که هر ساعت یك تن برمی نشست و کان زاد هم الشعیر المسوس والتمر الزئید و الاهالة السخنة وزا دایشاں جو کرم زده و تمر خوشیده و چربش بدبوئے شده بود و چند تن ازیشاں راتمر نیز نبود و دفع جوع رابدین گونه میداد ند **فاذا بلغ الجوع من احد هم اخذ التمرة فلاكها حتى يجد طعمها ثم يعطيها صاحبه فيمصها ثم يشرب عليها جرعة من ماء كذلك حتى ياتى على آخر هم فلايبقى من التمرة الا النواة** یعنی چوں بشدت گر سنه وجوعاں می شدند یك تن از ایشاں تمره برمی گرفت و اندك می مکید بداں اندازه که ادراك طعم آں می کرد پس بریق خویش می گزاشت تا اونیز اند کے می مکید و جرعه آب درمی کشید، بد ینگونه هر یك ازاں تمرهی می گرفتند چند انکه خسنوی آں بجا بماند دیگر آنکه باحدت هواد سورت گرما آب ور منازل ایشاں نایاب بود چند انکه باایں همه قلت راحله شتر خویش می کشتند و رطوبات احشاوا معان آں رابجائے آب می نوشید ندازیں روایں لشکر را جیش العسره می نا میدند که ملاقات سه عسرت شگرف همی کردند خداوند یزداں می فرماید ﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

﴿وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَ هُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○﴾

(سورہ توبہ: ۹۲، ۹۳)

''اور نہ ان پر کہ جب تیرے پاس آئے تا کہ ان کو سواری دے تو نے کہا کہ میرے پاس سواری نہیں جو تم کو دوں وہ الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے بہتے ہیں آنسو اس غم سے کہ ان کے پاس نہیں جو خرچ کریں راہ الزام کی ان پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں تجھ سے اور مال دار ہیں خوش لگا کر رہ جائیں ساتھ پچھلی عورتوں کے اور مہر کی اللہ نے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں جانتے۔''

آخر ابن یامین نے ابولیلیٰ اور ابومغفل کو ایک اونٹ دیا تا کہ باری باری وہ اس پر بیٹھیں اور ان کو زادراہ کے لیے ایک صاع یعنی ڈھائی سیر خرمے بھی دیے۔ غرض کہ اس طرح پر سامان جمع کیا گیا اور لوگوں نے مدد کی۔ اس پر بھی منجملہ تیس ہزار آدمی کے صرف ایک ہزار آدمیوں کے پاس سواری تھی باقی سب پیادہ۔ غرض اس بیان سے یہ ہے کہ آخری غزوہ آنحضرت ﷺ کا ایسی تکلیف کا تھا اور اخیر زمانے میں آپ پر اور آپ کے لشکر پر ایسی تنگی اور تکلیف تھی کہ لوگ سیر سیر بھر خرمے تجہیز لشکر کے لیے پیش کرتے اور وہ قبول کیا جاتا اور باوجود ہر طرح مدد اور اعانت کے کافی سامان مہیا نہ ہو سکتا وہ لوگ بوجہ سواری نہ ملنے کے لشکر کے ساتھ نہ جا سکتے اور بے استطاعتی سے مایوس ہو کر روتے رہ جاتے اور آنحضرت ﷺ بھی کسی قسم کی مدد سواری وغیرہ سے نہ کر سکتے۔

پھر پیغمبر خداؐ کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی اس کوٹھڑی کو دیکھا جس میں آپ کا سامان رہتا تھا تو سوائے ڈھائی سیر جو

[1] دیکھو ناسخ التواریخ صفحہ ۴۲۰ جلد اول از کتاب دوم مطبوعہ ایران۔۱۲۔

کے اور چند دباغت کی ہوئی کھالوں کے کچھ نہ دیکھا۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! تم کیا دیکھتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ خدا کے رسول ہیں اور یہ کل خزانہ آپ کا ہے حالانکہ قیصر و کسریٰ اور روم فارس کے لوگ کیسی زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (سورۂ عنکبوت: ٦٤)

''کہ دنیا کا جینا تو یہی ہے جی بہلانا اور کھیلنا اور پچھلا گھر جو ہے سو یہی ہے جینا اگر یہ سمجھ رکھتے ہوں۔''

یہ نہ خیال کیا جائے کہ آپ پر مصارف کی تنگی ابتدائے زمانے میں تھی اور اخیر میں غنائم اور فے وغیرہ کی آمدنی سے کچھ تکلیف کم ہوگئی ہوگی بلکہ اخیر وقت تک عسرت کا وہی حال رہا اور اگرچہ کسی قدر غنائم اور فے آنے لگے تھے لیکن اخراجات اس قدر بڑھ گئے تھے کہ کسی طرح پورے نہ ہوتے تھے اور شب و روز آنحضرت ﷺ کو تکلیف اٹھانا پڑتی تھی، چنانچہ اس کے ثبوت میں ہم ایک روایت کافی کی پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ حجۃ الوداع کے بعد جو آپ کی زندگی کا آخری سال ہے، آپ کی مالی حالت کیسی تھی۔ کتاب مذکور کے جز سوم کتاب الحجہ کے باب شصت و چہارم میں جس کا عنوان ((ما نص اللہ و رسولہ علی الائمۃ واحدا واحدا)) ہے ایک طویل حدیث امام جعفر صادق سے درج ہے [1] جس میں یہ لکھا ہے کہ جب رسول خدا ﷺ حجۃ الوداع سے لوٹے اور مدینے میں داخل ہوئے تو انصار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! خداوند تعالیٰ نے ہم کو یہ عزت بخشی کہ آپ ہمارے یہاں تشریف لائے اور آپ نے آنے سے ہم کو مشرف کیا اور آپ کی بدولت خدا

[1] اصل عبارت یہ ہے: فلما رجع رسول الله من حجة الوداع الى قوله فلما قدم المدينة اتته الانصار فقالوا يارسول الله ان الله شرفنا بك و بنزولك فقد فرج الله صديقنا و كبت عدونا و قد تاتيك وفود فلاتجد ما تعطيهم فيشمت بك العدو فتحب ان تاخذ ثلث اموالنا حتى اذا اقدم اليك وفد فوجدت ما تعطيهم فلم يرد رسول الله شيئا و كان ينتظر مايا تيه من ربه فنزل عليه جبرئيل و قال قل لاسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربى الخ كافى كتاب الحجة۔

نے ہمارے دوستوں کو خوش اور ہمارے دشمنوں کو ذلیل کیا۔ آپ کے پاس باہر سے ایلچی آتے ہیں اور آپ کے پاس اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آپ ان کو کچھ عطا فرمائیں، اس پر آپ کے دشمن ہنستے ہیں اور شماتت کرتے ہیں، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ایک تہائی مال ہمارا قبول فرمائیے تاکہ آپ اسے ایلچیوں کی مدارات اور دعوت اور تحفہ و ہدایا میں خرچ کریں۔ آپ نے یہ سن کر انتظار فرمایا اور جبرئیل امین علیہ السلام یہ آیت لائے ﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ (سورة الشورى: ٢٣) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریب زمانہ وفات تک آپ کو استطاعت معمولی مصارف کے ادا کرنے کی بھی نہ تھی۔ تو کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایسی تنگی کے زمانے میں اور ایسی تکلیف کے وقت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کے مال میں سے ایک بڑی جاگیر جس کی آمدنی ستر ہزار دینار کی ہو وہ اپنی بیٹی کو بخش دیں، اور ان تکلیف کا کچھ لحاظ نہ کریں۔

اگر حضرات شیعہ یہ کہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے خیال سے یہ جاگیر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی تھی، مگر آمدنی آپ ہی صرف فرماتے تھے اور خود حضرت سیدہ قوت مالا یموت کے بقدر لے کر سب فی سبیل اللہ خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ مگر یہ جواب قابل اطمینان نہ ہوگا، اس لیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر منظور نہ تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس سے متمتع ہوں یا فراغ حاصل کریں تو ضرورت ہی کیا تھی کہ نام کے لیے جاگیر ان کے نام کر دیتے اور آئندہ کے خیال سے اپنے اس عمل سے ایک ایسا نمونہ قائم کرتے جو بظاہر نبوت کی شان کے خلاف تھا اور نیز آئندہ کے خیال سے ستر ہزار دینار کی جاگیر دینے کا آپ کو خیال کیوں ہوتا جب کہ خداوند تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہو، جیسا کہ خود شیعوں کی روایت سے ظاہر ہے:

((یا أحمد ان احببت ان تکون اورع الناس فازهد فی الدنیا وارغب فی الاخرة وخذ من الدنیا خفا من الطعام والشراب واللباس ولا تدخر لغد و اجعل نومك صلوة وطعامك الجوع و قال الله یا أحمد ان المحبة للفقراء والتقرب الیهم

قال یا رب و من الفقراء قال رضوا بالقلیل و صبروا علی الجوع و شکرو اعلی الرخاء و لم یشکوا جوعهم و لا ظمائهم .))

''اے احمد! اگر تم چاہتے ہو کہ لوگوں میں سے زیادہ متقی ہو تو دنیا کو چھوڑ و اور آخرت کی رغبت کرو اور طعام، پانی و لباس دنیا کی اشیاء سے کم حاصل کرو اور کل کے لیے نہ جمع کرو، اپنی نیند کو نماز کرو اور بھوک کو اپنا طعام۔ اور کہا اللہ تعالیٰ نے کہ اے احمد! فقراء سے محبت اور ان سے قربت حاصل کرو، آپ نے عرض کیا کہ فقراء کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ ہیں جو تھوڑی شے پر راضی ہوں اور بھوک پر صبر کریں اور فراخی میں شکر کریں اور اپنی بھوک پیاس کی شکایت نہ کریں۔''

(ناسخ التواریخ کتاب اول از کتاب دو صفحہ ۴۴۷)

اور نیز ''من لا یحضره الفقیه'' میں منجملہ ان وصایا کے جو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کی تھیں، ایک یہ بھی وصیت لکھی ہے:

((یا علی ثلاث من حقائق الایمان الاتفاق من الاقتتار وانصافك الناس من نفسك و بذل العلم من المتعلم .))

''اے علی! ایمان کی حقیقتیں تین ہیں محتاجی میں بھی خرچ کرنا، لوگوں کے ساتھ انصاف کرنا اور علم سیکھانا۔''

اور نیز یہ بھی حدیث کہ آپ نے فرمایا:

((تکون امتی فی الدنیا علی ثلاثة اطباق اما اطباق امام الطبق الاول فلایحبون جمع المال و ادکاره و لا یسعون فی افتناء ه واحتکاره و انما رضوا من الدنیا سد جرمة وستر عورة وغناهم فیها مابلغ بهم الاٰخرة فاولئك الاٰمنون الذین لا خوف علیهم و لا هم یحزنون .))

''یعنی میری امت دنیا میں تین قسم کی ہوگی اول وہ کہ جمع مال اور ثروت کو پسند نہ کریں گے اور دنیا کی اشیاء سے صرف بھوک روکنے اور عورت چھپانے کے بقدر کفایت کریں گے، اور دولت عقبیٰ کو شرط غنا جانیں گے، یہی لوگ ایمان والے ہیں، جن پر نہ کچھ خوف اور نہ غم ہوگا۔''

اگر بالفرض ہم ان باتوں میں سے کسی بات کو خیال میں نہ لائیں اور یہ سمجھ کر کہ رسول خدا ﷺ نے آئندہ کا خیال فرما کر اور خلفاء کے ظلم وستم سے جس کا علم ان کو شیعوں کے قول کے موافق تھا، اندیشہ کر کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک دے دیا ہو اور اس سے گو یہ مقصود نہ ہو کہ وہ خود اپنی ذات میں اسے صرف کریں بلکہ آپ کو اطمینان تھا کہ وہ سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا کریں گی، مگر عزت اور حرمت قائم رکھنے کے لیے فدک کا دینا مصلحتاً مناسب جانا ہو۔ مگر سیرت نبوی اس خیال کو ہمارے دل میں آنے نہیں دیتی۔ اس لیے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے برتاؤ اپنے عزیزوں کے ساتھ کیا تھا اور ان کے لیے کچھ آئندہ کی فکر نہیں فرماتے تھے، اور کسی خیال سے بھی زہد، توکل اور ایثار علی النفس کے سوائے کچھ ان کے واسطے جمع نہ کرتے تھے تو ہمارے خیال میں کسی طرح نہیں آتا کہ آپ نے کسی لحاظ سے بھی ایسی بڑی جاگیر اپنی بیٹی کو عطا کر دی ہو۔ جب ہم آپ کی سیرت پر غور کرتے ہیں تو آپ کی ساری زندگی میں ہم یہی دیکھتے ہیں کہ آپ نے توکل اور ایثار علی النفس کو خود اپنی ذات سے ایک عمدہ نمونہ قائم کیا اور اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو بھی اس کا عمدہ سبق سکھلایا، اگر خمس ملا تو اس میں سے صرف بقدر قوت لایموت کے اپنے اور اپنے عزیزوں کے لیے لے کر باقی سب خدا کی راہ میں صرف کر دیا اور ملکی مصالح اور جہاد کی ضرورتوں میں صرف فرمایا، اگر فے میں سے بڑی آمدنی کی جائیداد ہاتھ آئی تو وہ بھی اپنے ہی پیاروں کو دے دی اور ایسے وقت میں جب کہ مصیبت اور تنگی چاروں طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے تھی اور ہر جانب سے الجوع الجوع (بھوک بھوک) کی صدا آرہی تھی۔ ایک طرف تو مسلمان بنا سواری کے پیادہ پا جہاد کو چلے جارہے تھے، دوسری جانب سے اصحاب صفہ، فقرا اور مساکین پر دو دو روز کے فاقے

ہو رہے تھے۔ ان کے بدن پر کپڑا تھا کہ ستر عورت کرتے، اور نہ ان کے پاس ہتھیار تھے کہ جہاد میں شریک ہوتے۔ ایسی حالت میں پیغمبر خدا ﷺ اور پیغمبر بھی ایسے پیغمبر جو دنیا کو ترک دنیا کی تعلیم دے رہے ہوں، اور ایثار علی النفس کا سبق خلق خدا کو سکھا رہے ہوں، اس فکر میں کہ ان کے رشتہ داروں کو آئندہ تکلیف نہ ہو اور ان کے لیے بچے ان کے بعد تکلیف نہ اٹھائیں اور اس خیال سے ستر ہزار دینار کی جاگیر ان کے لیے علیحدہ کریں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ باتیں آپ کی سیرت مبارکہ سے کیوں کر مطابق ہوں گی اور نبوت کی شان اس سے کیوں کر ظاہر ہوگی اور دنیا آپ کی نبوت کا عمدہ اثر کیوں کر پڑے گا۔

اب رہا یہ امر کہ آیا سیرت نبوی وہی تھی جس کا ہم نے نقشہ کھینچا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ شیعوں اور سنیوں کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں، اور کوئی بات اس کے خلاف معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ اور باتوں کو جانے دو وہ معاملہ جو خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پیش آیا اسی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ اس کی تصدیق میں ہم چند روایتیں لکھتے ہیں۔

۱۔ کتاب قرب الاسناد میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جناب امیر المومنین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ گھر کی خدمت باہم ان میں تقسیم کر دی جائے۔ آپ نے گھر کے اندر کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اور باہر کا جناب امیر کے متعلق کیا فقط۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گھر اور باہر کا کام خود دونوں حضرات کرتے تھے، کوئی خادم یا خادمہ بہت دنوں تک مدد دینے کے لیے بھی نہ تھے۔

۲۔ راوی کہتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے علی بن محمد بن حسن قزوینی المعروف بابن مقبرہ نے کہ انہوں نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے محمد بن عبداللہ حضرمی نے انہوں نے جندل بن والق سے انہوں نے عمر بن عمر مازنی سے انہوں نے عبادہ کلینی سے انہوں نے حضرت جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے انہوں نے فاطمہ صغریٰ سے انہوں نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے بھائی

حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے، آپ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی والدہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ ہر شب جمعہ محراب عبادت میں کھڑی ہو جاتیں اور مسلسل رکوع وسجود میں مشغول رہتیں یہاں تک کہ سپیدۂ سحر نمودار ہو جاتا اور میں نے سنا وہ نام بنام مومنین ومومنات کے لیے دعا فرماتیں اور ان کے لیے بہت بہت دعا کرتیں، مگر اپنے لیے کوئی دعا نہ کرتیں، ایک مرتبہ میں نے عرض کیا مادرِ گرامی جس طرح آپ دوسروں کے لیے دعا فرماتی ہیں اپنے لیے کیوں نہیں کرتیں؟ تو انہوں نے فرمایا: پہلے پڑوسی پھر اپنا گھر۔

(ترجمہ علل الشرائع صفحہ ۱۳۷ مترجم مولوی حسین امداد صاحب ناشر نظامی پریس لکھنؤ ۲۰۰۳ء)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو ایثار علی النفس کا درجہ یہاں تک حاصل تھا کہ اپنے کام پر ہمسایہ کے کام کو مقدم سمجھتی تھیں اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتی تھیں۔

۳۔ راوی کہتے ہیں کہ بیان لیا مجھ سے احمد بن حسن قطان نے انہوں نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے ابوسعید حسن بن علی سکری نے انہوں نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے حکم بن اسلم نے انہوں نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے ابن علبہ نے روایت کرتے ہوئے حریری سے انہوں نے ابی ورد بن تمامہ سے اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے بنی سعد کے ایک شخص سے فرمایا میں تمہیں اپنا اور فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ میرے گھر میں تھیں، وہ گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں، آپ نے پانی کے گھڑے اتنے اٹھائے کہ سینہ مبارک پر اس کے نشان پڑ گئے، یہاں تک چکی پیسی کہ آپ کے دست ہائے مبارک کی کھال سخت ہوگئی، اور یہاں تک گھر میں جھاڑو دی کہ آپ کے کپڑے غبار آلود ہو جاتے اور کھانا پکانے کے لیے اس قدر آگ پھونک کر روشن کی کہ دھویں سے کپڑے کالے پڑ گئے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے ان کی صحت کو شدید ضرر پہنچا تو میں نے کہا کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کے پاس جائیں اور ایک خادمہ کی درخواست کریں تا کہ ان کاموں کی تکلیف سے

نجات مل جائے۔ چنانچہ میرے کہنے پر وہ نبی ﷺ کے پاس گئیں تو دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں، فاطمہ کو ان لوگوں کے سامنے کچھ کہتے ہوئے شرم آئی اور واپس آ گئیں۔ نبی ﷺ سمجھ گئے کہ یہ ضرور کسی کام سے آئی تھیں۔ دوسرے دن آپ ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا: اے فاطمہ! تم کل محمد کے پاس کسی کام سے آئی تھیں؟ میں نے عرض کیا میں بتاؤں یہ کیوں گئی تھیں۔ مشکیں بھرتے بھرتے ان کے سینے پر داغ اور چکی چلاتے چلاتے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، پھر اتنی جھاڑو دی کہ کپڑے غبار آلود ہو گئے اور ہانڈی کے نیچے اتنی مرتبہ پھونک کر آگ جلائی کہ ان کے کپڑے کالے ہو گئے، تو میں نے کہا تھا کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کے پاس جائیں اور ان سے ایک خادمہ کی درخواست کریں تاکہ تمہیں ان زحمتوں سے نجات مل جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر میں تم کو ایسی چیز کیوں نہ بتا دوں جو تمہارے لیے خادمہ سے بھی بہتر ہو، ایسا کرو کہ جب تم لوگ سونے لگو تو تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد اللہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میں اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر راضی وخوش ہوں، میں اللہ اور اس کے فرمان پر راضی وخوش ہوں، میں اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر راضی وخوش ہوں۔

(اردو ترجمہ علل الشرائع صفحہ ۲۸۸۔۲۸۹ از شیخ صدوق ناشر نظامی پریس لکھنوٗ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ باوجود اس محبت کے جو انہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھی اور باوجود دیکھنے اس تکلیف اور محنت کے جو انہیں گھر کے کام کاج کرنے میں ہوتی تھی، نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان غریبوں اور مسکینوں کو چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کے لیے آسائش کا سامان مہیا کریں اور ایسے وقت میں جب کہ اور بہت سے ضروری کام در پیش تھے اور مسلمان مفلس ومحتاج۔ تو آپ اپنی بیٹی کو ایک خادم دیتے شان نبوت یہی تھی، اور رسالت کی تصدیق اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی عظمت اور آل رسول کے مکارم اخلاق کا

ثبوت انہیں باتوں سے ہوتا ہے۔

۴۔ کتاب عیون الاخبار میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اوران کی گردن میں ایک گلو بند سونے کا دیکھا جسے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فے میں سے ان کے لیے خریدا تھا۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے فاطمہ! کیا لوگ نہ کہیں گے کہ فاطمہ محمد کی بیٹی جبابرہ یعنی مغرور امیروں کا سازیور پہنتی ہے؟ یہ سنتے ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت اسے توڑ دیا اور بیچ ڈالا، اوراس سے ایک غلام خرید کراسے آزاد کر دیا۔اس بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے۔

۵۔ کافی میں زرارہ امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے ہر ایک گھر والے سے رخصت ہوتے مگر سب سے آخر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو الوداع کہتے اور انہیں کے گھر سے سفر کو تشریف لے جاتے اور جب سفر سے واپس آتے تو پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھنے کو تشریف لاتے۔ ایک وقت ایسا ہوا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر پر گئے اور جناب امیر نے فے سے کچھ حصہ پایا اوراسے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا اور پھر خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ جناب امیر کی غیبت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دو کنگن چاندی کے بنائے اور ایک پردہ اپنے دروازے پر لٹکایا۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پھر مدینے میں واپس تشریف لائے اور مسجد سے اپنی عادت کے موافق سیدھے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آئے، فاطمہ رضی اللہ عنہا خوش خوش آپ کی طرف دوڑیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جوں ہی آپ کے ہاتھ میں وہ کنگن دیکھے اور دروازے کے پردے پر نظر کی ویسے ہی بغیر اس کے کہ بیٹھیں واپس تشریف لے گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسے دیکھ کر رونے لگیں اور سوچا کہ ان چیزوں سے پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت نہ تھی، اس لیے فوراً پردے کو دروازے سے اتار لیا اور دونوں کنگن ہاتھ سے نکال لیے اور حسنین رضی اللہ عنہما کو بلا کر ایک کے ہاتھ میں کنگن اور

دوسرے کے ہاتھ میں پردہ دیا اور فرمایا کہ اسے پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور بعد سلام کے میری طرف سے عرض کرو کہ آپ کے پیچھے ان چیزوں کے سوا ہم نے کچھ نہیں بنایا ہے، اب یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں جو چاہیں کیجیے۔ جب حسنین رضی اللہ عنہما ان چیزوں کو لے کر پہنچے اور اپنی ماں کا پیغام ادا کیا تو آپ ﷺ نے دونوں کے منہ چومے اور زانوئے مبارک پر بٹھا لیا اور حکم دیا کہ دونوں کنگن چاندی کے توڑ دیے جائیں اور پھر اہل صفہ کو جو منجملہ مہاجرین کے تھے اور مسجد نبوی کے حجرے میں مسکینیت اور گھر نہ ہونے کی وجہ سے پڑے رہتے تھے بلایا اور ان پر وہ چاندی کے ٹکڑے تقسیم کر دیے۔ پھر انہیں اصحاب صفہ میں سے ایک آدمی کو کہ ننگا تھا جس کے پاس کوئی کپڑا بدن چھپانے کے لیے بھی نہ تھا، آگے بلایا اور اس دروازے کے پردے میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اسے دے دیا اور اسی طرح ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا کمر اور ستر عورت کے اندازہ سے ایک ایک پارچہ اس پردے کا عنایت کیا، اور پھر آپ نے فرمایا کہ خدا رحمت بھیجے فاطمہ رضی اللہ عنہا پر اور ان کو حلہائے جنت عطا کرے بعوض اس بخشش کے جو انہوں نے کی اور بعوض اس پردے کے جس سے چند مسلمانوں کی ستر پوشی ہوئی اور جنت کا زیور پہنائے بعوض ان کنگنوں کے جو انہوں نے غرباء میں تقسیم کیے۔

جس طرح پر پیغمبر خدا ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادمہ کے مانگنے کے بدلے تسبیح سکھائی اور اسے دنیاوی آرام کا نعم البدل بتایا، یہی معاملہ آپ نے اپنے دوسرے عزیز جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کیا اور اس کا قصہ یہ ہے کہ جس دن خیبر فتح ہوا حضرت جعفر بن ابی طالب جو مکے سے حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے آئے اور یہ ایک عمدہ اتفاق تھا کہ ان کا آنا اور خیبر کا فتح ہونا ایک ہی دن ہوا۔ جب پیغمبر خدا ﷺ کو خیبر کی فتح اور اسی کے ساتھ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے آنے کا مژدہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان دونوں خوشیوں میں سے کس کو ترجیح دوں۔ جعفر کے آنے کو یا خیبر کے فتح ہونے کو۔ جب جعفر آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے اٹھ کر ان کو گلے لگا لیا اور ان کی آنکھوں کو چوما اور فرمایا کہ اے جعفر!

کیا تمہیں کچھ نہ دوں اور کیا میں تمہیں کچھ عطا نہ کروں؟ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ضرور، یارسول اللہ! اس پر لوگوں نے گمان کیا کہ آپ ان کو سونا چاندی دیں گے اور لوگ مشتاق ہوئے کہ دیکھیں کہ آپ کیا عطا فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اے جعفر! میں تم کو ایسی نماز نہ سکھلاؤں کہ اگر تم اسے پڑھ لو اور گو تم جہاد سے بھی بھاگ گئے ہو اور مثل سمندر کے جھاگ کے گناہ ہوں، تب بھی وہ اس کے پڑھنے سے بخش دیے جائیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ہاں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ نماز سکھائی جو جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی نماز سے مشہور ہے۔ اس میں چار رکعتیں ہیں دو دو سلاموں سے، جس کی پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ زلزال اور دوسری میں الحمد کے بعد والعادیات تیسری میں سورۂ نصر اور چوتھی میں قُلْ هُوَ اللّٰه ......اور بعد قراءت کے ہر رکعت میں پندرہ مرتبہ سبحان اللّٰه، الحمد للّٰه، لااله الا اللّٰه اور اللّٰه اکبر۔ اور ہر رکوع میں اور سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد اسی کو دس مرتبہ پڑھنے کا ارشاد ہے۔

پس کیا کوئی انصاف پسند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برتاؤ کو جو آپ کا اپنے عزیزوں کے ساتھ تھا دیکھ کر ایک لحظہ کے لیے بھی یہ خیال کر سکے گا کہ وہ پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو دو چاندی کے کنگن اپنی بیٹی کے ہاتھ میں دیکھ کر ان کے پاس سے چلے آئیں اور اس کا دیکھنا گوارا نہ کریں۔ اور وہ دنیا سے نفرت کرنے والا پیغمبر جو اپنے جگر گوشہ کے دروازے پر ایک پردے کا پڑا ہونا دیکھ نہ سکے اور اسے ناپسند کرے اور وہ زہد و توکل اور ایثار علی النفس کی تعلیم دینے والا باپ جو اپنی بیٹی کے پانی بھرنے کے داغ سینہ پر دیکھ کر اور اس کے مبارک اور پیارے ہاتھ چکی کے پیسنے سے خستہ دیکھنے پر بھی ایک خادمہ سے مدد نہ کرے اور اپنے بھائی جعفر رضی اللہ عنہ کے حبشہ سے واپس آنے پر خیبر کی فتح سے کم خوش نہ ہو اور اس خوشی میں بجائے درہم و دینار دینے کے انہیں خاص نماز کی تعلیم دیں اور اسی کو وہ تمام دنیا کی دولت سے بڑھ کر سمجھے۔ اور وہ نبی اپنی اولاد کی بزرگی، عزت اور فضیلت کے سامان اسی بات میں دیکھے اور ان کو دنیاوی تکالیف سے روحانی آسائش اور وجدانی اطمینان حاصل کرنے کے لیے عبادت اور تسبیح سکھائے اور اسی کو تمام رنجوں اور مصیبتوں کا نعم البدل سمجھے، اور جو کچھ اسے ملے وہ فقراء

اور مساکین اور خدا کی راہ اور اعلاء کلمۃ اللہ اور ادائے فرائض جہاد وغیرہ میں صرف کرے۔ اس کی نسبت کوئی یہ گمان کر سکے گا یا اس کی ایسی پاک ذات سے اس بات کی امید ہوگی کہ وہ ایک ایسی بڑی جاگیر جس کی آمدنی ستر ہزار دینار کی ہو وہ اپنی بیٹی کو بخش دے اور سب کو ان کے حقوق سے محروم کردے لا واللہ ، لا واللہ لا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ان ھذا الا افک مبین .

چونکہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ کے متعلق ہم پوری بحث کر چکے، اس لیے اب ہم اس سے بحث کرتے ہیں کہ آیا فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے قبضے میں تھا اور بعد وفات آنحضرت ؐ کے وہ غصب کرلیا گیا اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس کا دعویٰ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا اور ان سے شہادت مانگی گئی اور وہ رد کی گئی اور فدک ان کو واپس نہ دیا گیا۔اس کے متعلق حضرات امامیہ کیا ثبوت ہمارے یہاں کی روایتوں سے پیش کرتے ہیں اور خود ان کے یہاں اس کے متعلق کیا روایتیں بیان کی گئی ہیں۔

❁❁❁❁

کیا فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضے میں تھا؟

علمائے امامیہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا تو اس کا ہبہ نامہ بھی لکھ دیا اور قبضہ بھی کرا دیا۔کوئی روایت جس سے ثابت ہو کہ درحقیقت فدک پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قبضہ تھا، سنیوں کی کتابوں سے پیش نہیں کی گئی، مجرد دعویٰ ہی کیا گیا ہے۔ جناب علم الہدیٰ سید مرتضیٰ شافی میں فرماتے ہیں کہ صاحب کتاب، یعنی قاضی عبدالجبار جو اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ فدک حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے قبضے میں تھا ہم اس کے انکار پر کوئی حجت نہیں دیکھتے۔اور گو جیسا وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ اگر فدک آپ کے قبضے میں ہوتا تو وہ انہیں کا سمجھا جاتا۔لیکن یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ وہ ان کے قبضے سے نہیں نکال لیا گیا اور جب کہ یہ بات طرق مختلفہ سے ثابت ہے کہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ کے نازل ہونے پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فدک دے دیا تو بغیر حجت کے اس کے آپ کے قبضے میں ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا۔مگر کوئی ثبوت اس بات کا کہ درحقیقت فدک پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قبضہ تھا اور ان کی طرف سے کوئی وکیل انتظام کے لیے مامور تھا اور اس کی آمدنی آپ کے پاس آتی تھی ہمارے یہاں کی کتابوں سے پیش نہیں کیا۔

جناب مولانا دلدار علی صاحب نے بھی سوائے قیاسی دلیل کے کوئی روایت عماد الاسلام میں بیان نہیں فرمائی، جو کچھ انہوں نے ارشاد فرمایا وہ یہ ہے:

((المسئلة الثانية ان فدك كانت فی يد فاطمة يدل عليه اطباق الامامية ورواياتهم كما مرت وايضا يدل عليه انك قد عرفت

ان روایات العامة والامامية تدل ان النبی كان مامورا باعطاء فاطمة فدك و كان واجبا عليه ان يرفع يده عنها و يجعلها تحت يد فاطمة و عقد الهبة بدون تسليم فدك لها لا يصح ولا يخرج رسول الله عما فی ذمته من اداء امر الله تعالىٰ لان الهبة وايضا يدل عليه ما مر من عبارة علمائهم المسطور فی الطرائف وايضا يدل على كون فدك فی يد فاطمة انه استشهد ابوبكر فاطمة على ما ادعته من النحلة فلولم يكن فی يدها لكان الاستشهاد عبثا لانه معلوم ان الهبة بدون القبض كلاهبة فح كان كافيا لابی بكر ان يقول انك و ان كنت صادقة فی ذلك لكنك تعلمين ان الهبة بدون القبض لاتفيد بل كان هذا اولىٰ لان فی الاستشهاد من بنت رسول الله ورد شهادة امرأتين من اهل الجنة قباحة لايقدر احد على اخفائها .))

''دوسرا مسئلہ اس بیان میں ہے کہ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضے میں تھا اور اس پر تمام امامیہ متفق اوران کی روایتیں اس پر شاہد ہیں اور نیز یہ بات بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ سنیوں اور شیعوں کی روایت سے یہ معلوم ہو چکا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مامور تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کوفدک عطا کریں اوران پر واجب تھا کہ اپنا قبضہ اٹھا کر اسے فاطمہ کے قبضے میں دے دیں کیونکہ عقد ہبہ بغیر اس کے کہ فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا جائے پورا نہیں ہوسکتا تھا اور نہ پیغمبر خداؐ تعمیل حکم الٰہی سے بغیر اس کے سبکدوش ہو سکتے تھے۔ اس لیے کہ ہبہ بغیر قبض و تسلیم کے مثل ہبہ نہ کرنے کے ہے۔ اورسوا اس کے اس بات کے ثبوت میں وہ بھی ہے جو سنیوں کے علماء کی عبارت سے طرائف میں بیان کیا گیا ہے۔ اور نیز قبضہ فدک کی یہ بھی دلیل ہے کہ ابوبکر نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شہادت مانگی، اگر

فدک آپ کے قبضے میں نہ ہوتا تو شہادت کا طلب کرنا عبث ہوتا، اس لیے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ہبہ بغیر قبضہ کالعدم ہے اور ایسی حالت میں ابوبکر کا یہ کہہ دینا کافی تھا کہ آپ اپنے دعوے میں سچی ہیں، مگر اتنا تو آپ بھی جانتی ہیں کہ ہبہ بغیر قبضہ کے مفید نہیں، اور یہ کہنا بہ نسبت طلب اور رد کرنے شہادت کے بہتر تھا، فقط۔''

اس میں جناب مجتہد صاحب نے کچھ اشارہ طرائف کی طرف کیا ہے مگر وہ کتاب بھی اس وقت ہمارے سامنے ہے اس میں کوئی روایت بھی ہمارے یہاں کی منقول نہیں ہے جس سے فدک پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضہ ہونے کا ثبوت ہوتا ہو۔ اگر کوئی روایت اس میں ہوتی تو ہم ضرور جہاں طرائف کی روایتوں کا ذکر ہے، وہاں اسے بیان کرتے۔ اگر کسی کو شک ہو تو طرائف دیکھے اور کوئی ایک روایت بھی اس میں سے اس کے متعلق پیش کرے۔

حضرت مجتہد صاحب قبلہ کا کسی روایت کا نقل نہ کرنا خود ظاہر کرتا ہے کہ کوئی روایت قبضہ فدک کے متعلق انہوں نے نہیں پائی، اگر جھوٹی سچی قوی یا ضعیف اصلی یا وضعی کوئی بھی روایت وہ پاتے تو اسے نقل کرنے سے نہ چھوڑتے۔ رہا یہ قیاس آپ کا کہ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قبضہ نہ کرا دیا ہوتا تو عقد ہبہ کیوں کر پورا ہوتا، کیونکہ بغیر قبضے کے ہبہ کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، اس بنیاد پر تھا آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ کے نازل ہونے پر فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا گیا، مگر جب ہم نے اس بنیاد ہی کا باطل ہونا ثابت کر دیا تو جو کچھ آپ نے یہ قیاس لگایا تھا وہ بھی باطل ہو گیا اور قبضہ کا نہ ہونا اس وجہ سے ہمارے بیان کا مؤید ہوا، اس لیے کہ اگر حقیقت میں آپ نے فدک ہبہ کر دیا ہوتا تو ضرور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس پر قابض ہوتیں اور قبضہ ایک ایسی جاگیر پر جس کی آمدنی چالیس یا ستر ہزار دینار کی ہو اور تین چار برس تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس پر قابض رہی ہوں اور ان کے کارندے اس پر مامور ہوں اور جاگیر کی آمدنی اور غلہ ان کے پاس آتا رہا ہو ایسا معاملہ نہ تھا کہ وہ پوشیدہ رہتا یا کسی کے چھپائے چھپ سکتا۔ بلکہ شہادت وغیرہ پیش کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی، اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شہادت طلب فرمائی ہوتی تو اس کا یہ جواب کافی تھا کہ القبض دلیل

الــمــلــك (قبضہ ملکیت کی دلیل ہے) اور اسی کو آپ مہاجرین وانصار کے سامنے نہایت مدلل طور پر بیان فرما سکتی تھیں کہ خلیفہ وقت کا ظلم وستم میرے اوپر دیکھو کہ کل تک جس جاگیر پر میرا قبضہ تھا اور جس کا محاصل میرے پاس آتا تھا اسے انہوں نے غصب کر لیا اور میرا قبضہ اٹھا دیا اور مجھ سے شہادت مانگتے ہیں، کیا قبضے سے بڑھ کر کوئی شہادت ہوسکتی ہے، اور کیا میرا قبضہ کوئی پوشیدہ امر تھا۔ کیا آپ کے اس ارشاد سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر کوئی اثر نہ ہوتا اور وہ خلیفہ وقت کے حکم کو ظالمانہ اور جابرانہ نہ سمجھتے۔ اور بالفرض ان سب نے ستانے پر ہی کمر باندھی تھی اور سب یہ ظلم کرنے پر آمادہ اور شریک تھے تو آپ کی حجت تو ختم ہو جاتی، جب کہ ایسی بڑی شہادت کے ہوتے ہوئے آپ نے پیش نہیں فرمائی اور قبضے پر زور نہیں دیا اور اپنے تصرف کا اظہار نہیں فرمایا تو یہ امر خود اس بات کے لیے کافی ہے کہ حقیقت میں فدک پر آپ کا قبضہ ہوا ہی نہیں تھا اور جب قبضہ نہ تھا تو ہبہ کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

❀❀❀❀

آیا فدک کے ہبہ کا دعویٰ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا یا نہیں؟

جتنی کتابیں امامیہ کی ہم نے اوپر بیان کی ہیں ان سب پر ہم ایک نظر ڈالتے ہیں کہ ان میں اس دعوے کے متعلق حضرات امامیہ نے کیا ثبوت پیش کیا ہے۔

شافی میں بجواب مغنی کے جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مضمون زیادہ تر یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فدک کے دعوے میں حق پر تھیں اور ان کا مانع اور شہادت کا طلب کرنے والا خطا پر۔ کیونکہ بوجہ معصومہ ہونے کے آپ شہادت کی محتاج نہ تھیں، محض آپ کا دعویٰ ہی کافی تھا۔ اور پھر آپ کی عصمت پر قرآنی شہادت آیت ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ اسے پیش کی ہے اور خزیمہ ذوالشہادتین کا قصہ نقل کر کے بہت پرزور تقریر میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے بھی کم تھیں اور کیا سوائے حق کہنے کے دوسرا شبہ ان کی طرف ہوسکتا تھا مگر کوئی صحیح روایت جس سے ثابت ہوتا کہ آپ نے فدک کے ہبہ کا دعویٰ کیا اور اس پر شہادت طلب کی گئی پیش نہیں فرمائی۔ البتہ دو بے سروپا روایتیں پیش کی ہیں مگر ان کی نسبت بھی یہ نہیں لکھا کہ وہ کس کتاب سے انہوں نے لی ہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایتیں خود شیعوں کی ہیں۔

چنانچہ پہلی روایت جو صفحہ ۲۳۵ شافی مطبوعہ ایران میں درج ہے، یہ ہے:

((وقدروی ان ابابکر لما شهد لها امیر المومنین کتب بتسلیم فدك الیها فاعترض عمر قضیته فخرق ما کتبه روی ابراهیم ابن محمد الثقفی عن ابراهیم بن میمون قال حدثنا عیسیٰ بن

عبداللّٰہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب عن ابیه عن جده علی قال جاء ت فاطمة الی ابی بکر و قال ان ابی اعطانی فدك و علی یشهد وام ایمن قال ما کنت لتقولی الا الحق نعم قد اعطیتك آباها و دعا بصحیفة من ادیم فکتب لها فیها فخرجت فلقیت عمر قال من این جئت یا فاطمة قالت من عند ابی بکر اخبرته ان رسول الله اعطانی فدکا و علی بشهد و ام ایمن فاعطانیها و کتبها لی فاخذ عمر منها الکتاب ثم رجع الی ابی بکر فقال اعطیت فاطمة فدکا وکتب بها لها قال نعم قال عمر علی یجر الی نفعه و ام ایمن امرأة و بصق فی الصحیفة و محاها ، وقدروی هذا المعنی من وجوه مختلفة من اراد الوقوف علیها و استقصائها اخذها من مواضعها و لیس لهم ان یقولوا انها اخبار احاد ان کانت کذلك فاقل احوالها ان یوجب الظن ویمنع من القطع علی خلاف معناها ١٢ شافی))

”مروی ہے کہ جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گواہی دی تو ابوبکرؓ نے ان کو فدک دینے کو لکھ دیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے حکم پر اعتراض کر کے اسے پھاڑ ڈالا۔ چنانچہ ابراہیم بن محمد ثقفی نے روایت کی ہے ابراہیم بن میمون سے اور اس نے عیسیٰ بن عبداللہ بن عمر بن علی بن ابی طالب اور عیسیٰ نے اپنے باپ عبداللہ سے اور عبداللہ نے اپنے باپ محمد سے اور محمد نے اپنے دادا علی بن ابی طالب سے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر کے پاس آئیں اور فرمایا کہ میرے باپ نے مجھے فدک دیا تھا اور اس کے گواہ علی اور ام ایمن ہیں۔ ابوبکر نے کہا کہ آپ بھی تو سچ ہی فرماتی ہیں اچھا اس کو میں آپ کو دیتا ہوں، اور پھر ایک چمڑے کا کاغذ منگا

کر اس پر لکھ دیا، وہاں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا نکلیں تو عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کہاں سے آرہی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے، میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فدک دے دیا تھا، علی اور ام ایمن اس کے گواہ ہیں تو ابوبکر نے فدک مجھے دے دیا اور وثیقہ لکھ دیا، عمر اس وثیقہ کو لے کر ابوبکر کے پاس لوٹ آئے اور کہا کہ تم نے فاطمہ کو فدک دے کر وثیقہ بھی لکھ دیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: علی رضی اللہ عنہ تو اپنے ہی لیے چاہتے ہیں اور ام یمن صرف ایک عورت ہے اور وثیقہ پر تھوک کر اسے مٹا دیا...... یہ روایت مختلف طور پر مروی ہے جو شخص معلوم کرنا چاہے وہ کتابوں میں دیکھے۔ اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اخبار احاد ہے، اور اگر ہو بھی تو کم سے کم اس کا حال یہ تو ہوگا کہ ظن کی موجب ہوگی اور اپنے خلاف مضمون کے یقینی ہونے کی مانع ہوگی......۔'' انتہی

دوسری روایت عمر بن عبدالعزیزؒ کی رد فدک کے متعلق ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں:

((وقدروی محمد بن زکریا الغلابی عن شیوخه عن ابی المقدام هشام بن زیاد مولیٰ آل عثمان قال لما ولی عمر بن عبدالعزیز فرد فدك علی ولد فاطمة وکتب الی والیه علی المدینة ابی بکر و عمر بن حزم یامره بذلك فکتب الیه ان فاطمة قدولدت فی آل عثمان وآل فلان وآل فلان فکتب الیه اما بعد فانی لو کنت کتبت الیك امرك ان تذبح شاة لسالتنی جماء اوقرناء اوکتبت الیك ان تذبح بقرة لسالتنی مالونها فاذا و رد علیك کتابی هذا فاقسمها بین ولد فاطمة من علی، قال ابو المقدام فنقمت بنو امیة ذلك علی عمر بن عبدالعزیز و عاتبوه فیه و قالوا له هجنت فعل الشیخین و خرج الیه عمر

بــن عبــس فــی جماعة من اهل الکوفة فلما عاتبوه علی فعله قــال انکم جهلتم و علمت و نسیتم و ذکرت ان ابابکر محمد بن عمر و بن حزم حدثنی عن ابیه عن جده ان رسول اللّٰه ﷺ قــال فــاطــمة بـضـعة منی لیسخطنی ما مایستخطها ویرضنی مایرضیها وان فدك کانت صافیة علی عهد ابی بکر و عمر ثم صــار امـرهــا الــی مـروان فوهبها لابی عبدالعزیز فورثتها انا واخـوتی فسألتهم ان یبیعونی حصتهم منها فمنهم من باعنی و منهم من وهب لی حتی استحقها فرأیت ان اردها علی ولد فــاطـمة فـقــالوا ان ابیت الاهذا فامسك الاصل واقسم الغلة ففعل۔ ١٢ .)) (شافی صفحه ٢٣٦)

’’محمد بن زکریا غلابی اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے شیوخ ابوالمقدام ہشام بن زیاد مولیٰ آل عثمان سے، کہ ہشام کہتے ہیں: جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے آل فاطمہؓ پر فدک واپس کر دیا اور ابوبکر عمرو بن حزم والی مدینہ کو یہ لکھ بھیجا کہ اگر میں تجھ کو یہ لکھوں کہ ایک بکری ذبح کرنا تو تو پوچھے گا کہ منڈی ہو یا سینگ دار، یا یہ لکھوں کہ ایک گائے ذبح کرنا تو تو اس کا رنگ دریافت کرے گا۔ جب یہ میرا پروانہ تیرے پاس پہنچے تو فدک کو اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا وعلی رضی اللہ عنہ پر تقسیم کر دے۔ ابوالمقدام کہتے ہیں کہ بنوامیہ نے اس امر سے عمر بن عبدالعزیز پر نہایت شور مچایا اور کہا کہ تم نے شیخین رضی اللہ عنہم کے فعل کی حقارت کی اور عمر بن عبس ایک لشکر کوفہ کا لے کر ان پر چڑھ آیا، جب لوگوں نے بہت غوغا کیا تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ تم لوگ کچھ نہیں جانتے اور میں جانتا ہوں، تم کو یاد نہیں مجھے یاد ہے، مجھ سے ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم نے اپنے باپ سے اوران کے باپ نے ان کے دادا سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جگر پارہ ہے جس سے اس کو رنج پہنچے اس سے مجھ کو پہنچتا ہے اور جس شے سے وہ خوش ہوں اس سے میں خوش ہوتا ہوں اور فدک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی کا نہ تھا، پھر مروان اس کا مالک ہوا اور اس نے اس کو میرے باپ عبدالعزیزؒ کو ہبہ کر دیا، پھر اس کے وارث میں اور میرے بھائی ہوئے، میں نے ان سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنا حصہ میرے ہاتھ فروخت کر دیں، ان میں سے بعض نے میرے ہاتھ فروخت کر دیا اور بعض نے مجھے ہبہ کر دیا یہاں تک کہ میں سب کا مالک ہوگیا۔ اب میں نے بہتری یہ دیکھی کہ میں اس کو اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا پر واپس کر دوں، اس پر لوگوں نے کہا کہ اگر تم نے یہ کیا ہے تو اس کی اصل اپنے قبضے میں رہنے دو اور غلے کو تقسیم کرا دو، تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے یوں ہی کرا دیا۔''

صاحب تخلیص شافی نے بھی انہی دونوں روایتوں کو بیان کیا ہے، مگر انہوں نے بھی منقول عنہ کتاب کا حوالہ نہیں دیا، جس سے معلوم ہو کہ انہوں نے سنیوں کی کسی کتاب سے نقل کیا ہے۔ اور ان دونوں روایتوں کے نقل کرنے کے بعد بلا حوالہ سند مامون کا قصہ کہ انہوں نے فدک آل فاطمہ کو واپس کیا لکھا ہے:

((کما قال و مما یدل علی صحة دعویها النحل و ان ذلك کان معرو فاشائعا ما کان من عمر بن عبدالعزیز من رد فدك علی و لدها لما تبین ان الحق کان معها و کذلك فعل المامون فانه نصیب لها وکیلا وکیلا لابی بکر و جس للقضاء وحکم لها بذلك ولولم یکن الامر معروفا معلوما کما فعلوا ذلك مع موضعهم من الخلافة وسلطانهم الذی ارادوا حفظ قلوب الرعیة وان لایفعلوها یوی الی تنفیرهم ولیس لاحدهم ان ینکر ذلك یدفعه لان الامر فی ذلك اظهر

من ان یخفی .))

''کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعویٰ ہبہ کی صحت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک عمر بن عبدالعزیزؒ کا قصہ ہے کہ انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو فدک واپس کر دیا جب کہ ان پر یہ ثابت ہو گیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حق پر تھیں۔ اور اسی طرح مامون نے کیا کہ انہوں نے ایک مجلس قائم کی اور اس میں ابوبکر و فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں کی طرف سے وکیل مقرر کیے اور خود فیصلہ کیا اور فدک آل فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا، اگر یہ بات کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک کا دعویٰ کیا ہے مشہور اور معلوم نہ ہوتی تو باوجود خلیفہ ہونے اور صاحب سلطنت ہونے کے وہ کبھی ایسا نہ کرتے، کیونکہ خیال رعایا کے دلوں کا ان کو کرنا ضروری تھا اور ایسی بات جس سے وہ شور مچائیں کبھی نہ کرتے، اگر ان کے نزدیک وہ بات حق نہ ہوتی، اور اس بات کا تو کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ چھپائے چھپ نہیں سکتی۔''

(دیکھو صفحہ ۴۰۹ مطبوعہ ایران)

علامہ حلی نے کتاب ''کشف الحق'' میں ایک روایت واقدی کی لکھی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

((وروی الواقدی وغیرہ من نقلة الاخبار عندھم و ذکروہ فی الاخبار الصحیحة ان النبی لما افتتح خیبر اصطفی قری من قری الیھود فنزل جبرئیل بھذہ الآیة وات ذا القربی حقه فقال محمد و من ذوی القربی وما حقه قال فاطمة فدفع الیھا فدك والعوالی فاستغلتھا حتیٰ توفی ابوھا علیه الصلوٰة والسلام فلما بویع ابوبکر منعھا و کلمته فی ردھا الیھا و قالت انھما لی فابی و دفعھا الیھا فقال ابوبکر فلا امنعك مادفع الیك ابوك فارادان یکتب لھا کتابا فاستوقفه عمر بن الخطاب و

قال انها امرأة قطا لبها بالبينة على ما ادعت فامرها ابوبكر فجاء ت بام ايمن و اسماء بنت عميس مع على فشهد و ابذلك فكتب لها ابوبكر فبلغ ذلك عمر فاخذ الصحيفة فمحاها فحلفت ان لاتكلمها و ماتت وهى ساخطة عليهما .))

''واقدی اور دوسرے ناقلین اخبار اہل سنت نے روایت اور اخبار صحیحہ میں ذکر کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کو فتح کیا تو ایک گاؤں یہود کے دیہات سے اپنے لیے خاص کر لیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بحکم خدا دے دیا۔ (جتنا حصہ فدک کے متعلق تھا وہ اوپر ہم نقل کر چکے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فدک سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو روکا، اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کی واپسی کا دعویٰ کیا اور کہا کہ یہ میرا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی واپسی سے انکار کیا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا جو آپ کے باپ نے آپ کو دیا ہے اسے میں نہیں روک سکتا اور ارادہ کیا کہ ان کو اس کے متعلق سند لکھ دیں مگر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو اس سے روکا اور کہا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک عورت ہیں جس بات کا وہ دعویٰ کرتی ہیں، اس کے لیے ان سے شہادت مانگنی چاہیے اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شہادت پیش کرنے کا حکم دیا تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو مع علی رضی اللہ عنہ کے لائیں اور ان سب نے شہادت دی، تب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سند لکھ دی مگر جب یہ خبر عمر کو پہنچی تو انہوں نے اس کاغذ کو لے کر مٹا دیا، اس پر جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھائی کہ ان دونوں سے بات نہ کریں گیں اور ہمیشہ ان سے ناراض رہیں۔'' (احقاق الحق صفحہ ۱۴۸)

دوسری روایت مامون کی لکھی ہے جس میں کتاب یا سند کا حوالہ نہیں، اور وہ یہ ہے:

((جمع المامون الف نفس من الفقهاء وتناظروا وادى بحثهم الى رد فدك على العلويين من ولدها فرد عليهم .))

''کہ مامون نے ہزار فقیہوں کو جمع کیا اور فدک کے متعلق مباحثہ کرایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ثابت ہوا اور مامون نے اسے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو واپس کر دیا۔''

تیسری روایت متعلق قصہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے ابو ہلال عسکری کی کتاب اخبار الاوائل سے بیان کی ہے اور وہ یہ ہے: [1] ابو ہلال عسکری نے کتاب ''اخبار الاوائل'' میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اوّل ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وارثوں کو واپس کیا۔

علامہ فضل بن روز بہان نے اپنی کتاب ''ابطال الباطل'' میں جو ''کشف الحق'' کے جواب میں لکھی ہے ان بے بنیاد قصوں کی نسبت یہ جواب دیا ہے: ((واما دعویٰ فاطمة رضی اللہ عنہا فلم يصح فی الصحاح ويذكر ونها نقلة الاخبار من ارباب التواريخ و مجرد نقلهم لايصير سببا للقدح فی الخلفاء.)) ''کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ کرنا صحاح میں ثابت نہیں ہے اور جو کچھ اہل تواریخ اور ناقلان اخبار ذکر کرتے ہیں فقط ان کے غلط سلط نقل کر دینے سے خلفاء پر الزام عائد نہیں ہوسکتا۔ اس کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری نے ''احقاق الحق'' میں کوئی مستند روایت پیش نہیں کی اور دو بے پروپا قول نقل کیے ہیں، ایک معجم البلدان سے کہ اس میں فدک کے ذکر میں یہ لکھا ہے: ((وهی التی قالت فاطمه رضی اللہ عنہا ان رسول الله نحلتها فقال ابوبكر اريد بذلك شهود او لها قصة)) کہ فدک وہی ہے جس کے لیے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دعویٰ کیا تھا

[1] وذكر ابوهلال العسكری فی كتاب اخبار الاوائل ان اول من رد فدك علی ورثة فاطمة عمر بن عبدالعزيز وكان معاويه قطعها لمروان بن الحكم و عمر بن عثمان و يزيد ابنه ثلاثا ثم غصبت فردها عليهم المهدی ثم غصبت فرد ها عليهم المامون ثم قال عن ابی هلال ثم غصبت فردها عليهم الواثق ثم غصبت فردها عليهم المستنصر المعتمد ثم غصبت فردها المعتضد ثم غصبت فردها الراضی مع ان ابابكر اعطی جابر بن عبدالله عطية ادعاها علی رسول اله من غير بينة و حضر جابر بن عبدالله و ذكر ان النبی ﷺ وعده ان بحثواله ثلاث حيثات من مال البحرين فاعطاها ذلك و لم يطالبه البيّنة مع ان العدة لايجب الوفاء بها والهبة للولد مع التصرف توجب التمليك فاقل المراتب انه كان تجری فاطمة مجراهما۔ ۱۲. (احقاق الحق صفحه ۱۴۸).

کہ پیغمبر خدا ﷺ نے انہیں ہبہ کر دیا ہے اور جس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اس کے لیے شہادت چاہیے اور اس کا ایک قصہ ہے۔ دوسرے عمر بن عبدالعزیزؒ اور مامون کے رد فدک کا قصہ۔ مگر اس میں بھی کسی منقول عنہ کتاب یا سند کا ذکر نہیں کیا، مجملاً یوں لکھا ہے کہ [1] جب عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عامل مدینہ کو فدک کے واپس کرنے کو اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا پر لکھ بھیجا۔ پھر فدک عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے زمانے میں اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہی قبضے میں رہا، جب یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے پھر لے لیا اور پھر بنو امیہ ہی کے قبضے میں رہا یہاں تک کہ ابوالعباس سفاح خلیفہ ہوا کہ اس نے حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کو دے دیا اور وہی اس کے منتظم رہے اور علویوں میں اس کو تقسیم کرتے رہے۔ جب منصور خلیفہ ہوا اور اس پر اولاد حسن نے خروج کیا تو اس نے ان سے پھر لے لیا۔ پھر جب مہدی بن منصور خلیفہ ہوا تو اس نے اس کو ان پر واپس کر دیا، پھر اس کو موسیٰ ہادی نے لے لیا اور جو اس کے بعد خلیفہ ہوئے زمانہ مامون تک اسی طرح رہا۔ پھر مامون کے پاس اولاد علیؓ نے آ کر اس کا مطالبہ کیا تو اس نے حکم دیا کہ یہ ایک وثیقہ پر لکھ دیا جائے اور وہ لکھ کر مامون کو سنا دیا گیا۔ وعبل شاعر کھڑا ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھا: ((اصبح وجه الزمان الخ)) یعنی آج زمانہ بہت خوش ہے کہ مامون نے بنی ہاشم کو فدک دے دیا۔ اور فدک کے باب میں بہت سا اختلاف پیغمبر خدا ﷺ کی وفات کے بعد راویوں کی وجہ سے ہوا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی خواہش

---

[1] لماولی عمر بن عبدالعزیز الخلافة کتب الی عامه بالمدینة یامر برد فدك الی ولد فاطمة رضی اللہ عنہا فکانت فی ایدیهم ایام عمر بن عبدالعزیز فلما ولی یزید بن عبدالملك قبضها فلم یزل فی ایدی بنی امیة حتی ولی ابوالعباس السفاح الخلافة فدفعها الی الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب فکان هو القیم علیها یفرقها فی بنی علی بن ابی طالب فلماولی منصور و خرج علیه بنو الحسن قبضها عنهم فلما ولی المهدی بن المنصور الخلافة اعاده علیهم ثم قبضها موسیٰ الهادی و من بعده الی ایام المامون فجاء بنو علی فطالبها فامر ان یسجل لهم بها فکتب السجل و قرأ علی المامون فقام و عبل وانشد شعراً: صبح وجه الزمان قد ضحکا بردمامون هاشما فدکا۔ وفی فدك اختلاف کثیر فی امرها بعد النبی ﷺ من رواة اخبروها بحسب الاهواء وشدة ۔ انتهی.

(کلام المعجم ۱۱۲ احقاق الحق صفحه ۱۱۲)

کے موافق روایت کرتا ہے۔ معجم البلدان کی روایات یہاں تک تھی۔

اور ایک روایت شیخ جلال الدین سیوطی کی ''تاریخ الخلفاء'' سے لکھی ہے، جس میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے رد فدک کا مختصراً بیان ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ❶ یہ امر خلاف ہے اس روایت کے بھی جو شیخ جلال الدین سیوطی شافعی نے تاریخ الخلفاء میں لکھی ہے کہ ابوبکر وعمر کے زمانہ میں فدک ویسا ہی رہا، پھر اس میں مروان نے قطع و برید کی۔ اور عمر بن عبدالعزیز نے فدک بنی ہاشم کو لوٹا دیا اور یہ بھی مروی ہے کہ اولاد فاطمہ کو لوٹا دیا۔ ❷

اور سوائے اس روایت کے اگرچہ اور کوئی سند جناب قاضی نور اللہ نے پیش نہیں کی مگر اجمالاً ایک مقام پر لکھا ہے کہ اور بھی بہت سے طریقوں سے ہبہ کے دعوے کے روایتیں بیان کی گئی ہیں ((کما قال و امادعوی النحلة فقد مر نقلا عن کتاب المعجم و قدروی من عدة طرق من طریق غیرھا ایضا .)) (احقاق الحق صفحہ ۱۱۲)

اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ ❸ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ فدک کا ایسا مشہور ہے کہ کتب صحاح میں اس کی صحت کے طلب کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس کی خبر تمام علماء، جہلاء اور عوام خواص سب کو معلوم ہے اور اب سے پانچ سو برس پہلے بعض حکماء شعراء نے بھی اس کو مثل میں بیان کیا ہے:

---

❶ کما قال وایضا ینا قض ذلك ماروا ه الشیخ جلال الدین السیوطی الشافعی فی تاریخ الخلفاء من ان فدکا کان بعد ذلك حیوة ابی بکر ثم عمر اقتطعها مروان عمر بن عبدالعزیز قد رد وفدکا الی بنی هاشم، وروی ایضا انه ردها الی اولاد فاطمة۔ انتهی۔(احقاق الحق صفحه ۱۱۲.)

❷ قاضی نور اللہ شوستری نے اوپر کی روایت غلط بیان کی ہے بلکہ تاریخ الخلفاء میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا بیان درج ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد باغ فدک حضرات شیخین کی نگرانی میں رہا اور لوگو گواہ رہنا کہ جس طرح اس باغ کی ملکیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھی اب بھی اسی طرح جمہور مسلمانوں کی ملکیت رہے گی۔ مترجم تاریخ الخلفاء......(اقبال احمد)

❸ واما دعوی فاطمة فدکا اشهر من ان یطلب صحتها فی کتب الصحاح اذ قدعم خبرها العلماء و الجهال والسادة والا تباع والرؤس والا ذناب و قد مثل به مثل ذلك بخمس مأة سنة بعض حکماء الشعراء بقوله: **ملك بخشا ینده درحرماں میمون خدمتت چوں خلافت بے علی بوده ست و بے زهرا فدك۔** واماما ذکره من ان مجرد نقل اهل التواریخ لایصیر حجة و سببا للقدح فی الخلفاء ⇦⇦⇦

ملک بخشاینده درحرمان میمون خدمتت
چوں خلافت بے علی بودست بے زہرا فدک

مجیب نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ صرف ارباب تواریخ کا نقل کر دینا قدح خلفاء کے لیے کافی نہیں، تو اس میں یہ بات ہے کہ اگر کتب تواریخ میں وہ امور نقلی ہیں جو اور کتابوں سے بھی ثابت ہوتے ہیں تو وہ ضرور صحیح ثابت ہوں گے اور اصول میں یہ مقرر ہو چکا ہے کہ نقلیات میں ایک شخص عادل کی خبر کافی ہوتی ہے اور اگر شہرت اور تواتر معنوی کی حد کو پہنچ جائے تو تعدیل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ مصنف حلی نے یہاں صرف واقدی ہی کی روایت سے تمسک نہیں کیا بلکہ اور راویوں کی بھی تصریح کی ہے اور ان اخبار کا بھی اشارہ کیا ہے جو خصم کے نزدیک صحیح مانے گئے ہیں اور اس کی تائید اس مناظرے سے کی ہے جو ایام مامون میں اس بارہ میں ہزار فقہاء کے سامنے ہوا تھا اور ان دو حدیثوں سے جو سید الحفاظ اور صدر الائمہ اہل سنت سے مروی ہیں اس کی تکمیل کی ہے، مصنف حلی کے ذمے اسی قدر ہے کہ نقل کی تصحیح کر دیں اگر خصم انکار کرے، ورنہ خصم کو چاہیے کہ اپنے انکار سے باز آئے......'' انتہی

⇦⇦⇦ ففيه ان ما اشتمل عليه كتب التواريخ من جملة العلوم النقلية فيثبت بما ثبت به غيره من الامور النقلية وقد تقرر فى الاصول ان خبر العدل الواحد فى النقليات فيثبت به واذا بلغ الى حد الشهرة والتواتر المعنوى استغنى عن التعديل والمصنف لم يتمسك ههنا بمجرد رواية الواقدى بل صرح بغيره اشار لى كثرة الاخبار المحكوم عليها الصتحة عندالخصم وايده بما روى من مناظرة الف نفس من الفقهاء ايام المومن فى ذلك واكمله بالحديثين المرويين عن سيد الحفاظ اهل السنة و صدرائمتهم وليس عليه الاتصحيح النقلان انكرالناصب وجوده والا فليترك شغبه وحجوده۔ انتهى۔ **کلام سید الحفاظ کی روایت کا جو احقاق الحق میں ذکر کیا ہے وہ متعلق دعویٰ فدک کے نہیں ہے، بلکہ ہبہ فدک کے ہے جسے ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور صدر الائمہ کی روایت بھی دعویٰ ہبہ سے غیر متعلق ہے، چنانچہ یہ دونوں روایتیں جو کشف الحق میں بیان کی گئیں ہیں یہ ہیں:** و قدروى سيد الحفاظ ابن مردويه باسناده الى ابى سعيد قال لما نزلت وات ذا القربى حقه دعا رسول الله فاطمة ﷺ فاعطا ها فدك، وقدروى صدرالائمة اخطب خوارزم الموفق بن احمد المكى قال و مما سمعت فى معاويه باسنا دى عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ يا على ان الله زوجك فاطمة و جعل صدا قها الارض فمن مشىٰ عليها مبغضا لهامشىٰ حراما۔ احقاق الحق صفحه ١٤٨ منه۔

اگرچہ اس میں قاضی نور اللہ شوستری صاحب فرماتے ہیں کہ مصنف نے اور روایتوں کا بھی حوالہ دیا ہے، مگر ہمیں تو کوئی روایت کتاب ''کشف الحق'' میں نہیں ملی، سوائے ان کے جن کو ہم نے نقل کیا ہے۔ اور نہ قاضی صاحب نے اپنی ''احقاق الحق'' میں سوائے مجرد دعوے شہرت کے کوئی روایت یا کوئی سند پیش فرمائی ہے۔ دونوں کتابیں ایران کے چھاپے کی موجود ہیں جو کوئی چاہے دیکھ لے۔

طرائف میں بھی اگرچہ جناب ثقۃ الاسلام علی بن طاؤس حلی نے بہت کچھ قلم کا زور دکھایا اور بہت کچھ زبان درازی فرمائی ہے مگر کوئی صحیح روایت اور کوئی معتبر سند آپ نے بھی دعویٰ ہبہ فدک کے متعلق پیش نہیں فرمائی ہے ان کی طرائف مطبوعہ بمبئی میں صفحہ ٦٧ سے تا صفحہ ٨٠ فدک کا بیان ہے، مگر اس میں متعلق اس دعویٰ کے ماسوائے قصہ مامون اور عمر بن عبدالعزیز کی حکایت کے ایک روایت بھی درج نہیں ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ حضرت سیدہ نے فدک کا دعویٰ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا اور انہوں نے شہادت طلب کی اور اسے رد کیا، صرف معمولی سب وشتم پر کفایت کی ہے اور عوام کے دلوں میں شبہ پیدا کرنے کے لیے قوت بیانیہ کا زور دکھایا ہے کہ باوجودیکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا معصوم تھیں اور باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت دی اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی تصدیق کی مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو جھوٹا قرار دیا اور ان کے دعویٰ کی نسبت یہ خیال کیا کہ وہ اپنے نفع حاصل کرنے کے لیے حقوق مسلمین کا غصب کرنا چاہتی ہیں تاکہ ان باتوں کو سن کر لوگ پریشان ہوں اور ان کے دلوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شبہ پیدا ہو۔ مگر جب کہ نہ دعویٰ ہبہ کا پیش ہوا، نہ شہادت مانگی گئی نہ اس کی تردید ہوئی۔ بلکہ یہ سب جھوٹی باتیں اور بنائی ہوئی کہانیاں ہیں اور جن علماء اہل سنت نے اس کا جواب دیا ہے وہ محض علی سبیل التسلیم و الفرض ہے۔ تو یہ ساری خوش تقریریں لغو اور فضول ہیں۔ ان کا کام تھا کہ اول بنیاد ثابت کرتے اور کوئی ایک بھی صحیح روایت متعلق اس دعوے کے ہمارے یہاں سے پیش فرماتے، پھر جو دل چاہتا وہ لکھتے اور جو کچھ قلم کا زور دکھانا تھا وہ دکھاتے...... بے بنیاد بات اور جھوٹے قصے یہ ساری لن ترانیاں ہننے

کے قابل ہیں۔

ان کی کتاب طرائف میں جو روایت متعلق قصہ مامون کے ہے، اسے وہ یوں لکھتے ہیں کہ عجیب وغریب ماجرا یہ ہے کہ باوجودیکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور جلالت وطہارت کا اقبال کرتے بھی تھے مگران پر طرح طرح کے ظلم وستم کیے اوران کی اوران کے باپ کی حرمت کو پامال کیا۔ اور باوجودیکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا زنان اہل جنت کی سیدہ ہونے کی تصدیق کرتے تھے، مگران کو ایذادی اور طرح طرح سے ستایا۔ چنانچہ اہل تواریخ نے ایک طویل رسالہ میں جو مامون خلیفہ عباسی کے حکم سے موسم حج میں لکھا اور پڑھا گیا تھا، اس کا بیان کیا ہے۔ صاحب تاریخ عباسی نے اسے لکھا ہے۔ اور رومی فقیہ صاحب تاریخ نے بھی ان حوادث میں جو ۲۱۲ء میں ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس کا قصہ یہ ہے کہ اولاد حسنین رضی اللہ عنہما نے اپنے قبضے کا مرافعہ خلیفہ مامون کے سامنے اس دعوے سے پیش کیا کہ فدک اورعوالی ان کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے قبضے سے ان کو ناحق لے لیا۔ اب ہم اپنا انصاف اور ظلم کا انکشاف چاہتے ہیں۔ اسی پر مامون نے علماء حجاز وعراق کے دوسو علماء کو جمع کیا اور نہایت تاکید کی کہ ادائے امانت اور اتباع صدق کریں اور ورثہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو قضیہ پیش کیا تھا ان سے بیان کی اور پوچھا کہ تمہارے نزدیک اس باب میں کوئی حدیث صحیح ہے۔ اور اسی باب میں بہت سے لوگوں نے بشر بن الولید اور واقدی اور بشر بن غیاث سے حدیثیں روایت کی ہیں کہ یہ سب ان احادیث کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوگیا تو آپ نے یہود کے گاؤں میں سے ایک گاؤں اپنے لیے خاص کرلیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیت لائے ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ آپ نے پوچھا کہ ذی القربیٰ کون لوگ ہیں اوران کا حق کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا کہ فاطمہ ہیں، پھر آپ نے فدک ان کو دے دیا، اس کے بعد پھر عوالی ان کو دیا، اور یہ مستقل طور پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ ان کے والد بزرگوار محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں اس شے کو جسے تمہارے باپ نے تم کو دی ہے روک

نہیں سکتا۔ اور یہ چاہا کہ ان کو ایک وثیقہ لکھ دیں کہ ابوبکر کو عمر بن خطاب نے ہوشیار کیا اور کہا کہ یہ ایک عورت ہیں ان سے گواہ طلب کرو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ گواہ لاؤ۔ تو فاطمہ رضی اللہ عنہا ام ایمن اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو مع علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گواہ لائیں۔ پھر یہ خبر عمر کو پہنچی تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس ماجرے کو ان سے کہا کہ ان سب نے گواہی ان کے دعوے کی دی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک وثیقہ لکھ دیا۔ عمر نے وہ وثیقہ لے لیا اور کہا کہ فاطمہ ایک عورت ہیں اور علی اس کے شوہر ہیں اپنا نفع چاہتے ہیں اور شہادت دو عورتوں کی بے مرد کی درست نہیں ہوتی۔ ابوبکر نے اس خبر کو فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا۔ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ خدا وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ ان لوگوں نے شہادت حق کی ادا کی تھی۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شاید آپ سچی ہوں لیکن اور گواہ لے آؤ جو اپنا نفع نہ چاہتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ تم نے میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ فرماتے تھے کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور ام یمن رضی اللہ عنہا اہل جنت سے ہیں، دونوں نے کہا کہ ہاں، آپ نے کہا کہ جو عورتیں اہل جنت سے ہوں وہ باطل گواہی دے سکتی ہیں۔ پھر آپ خفا ہوتی ہوئی گھر لوٹ آئیں۔ اور اپنے باپ سے پکار کر کہتی تھیں کہ میرے باپ نے مجھ کو یہ خبر دی ہے کہ سب سے اول میں ان سے ملوں گی۔ قسم ہے خدا کی کہ میں اس کی شکایت ان سے کروں گی۔ پھر وہ مریض ہوگئیں اور علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ ابوبکر اور عمر ان کی نماز نہ پڑھیں۔ اور آپ نے ان دونوں کو چھوڑ دیا اور ان سے بات نہ کرتی تھیں، حتیٰ کہ آپ کا انتقال ہوگیا اور علی و عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو رات میں دفن کیا۔ پس مامون نے اسی مجلس میں اسی دن اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک دے دیا۔ پھر دوسرے دن ایک ہزار علماء و فقہاء کو بلایا اور ان سے صورت حال بیان کی اور ان کو اللہ کا خوف دلایا اور ان سب نے آپس میں مناظرہ کیا۔ پھر ان کے دو فریق ہوئے۔ ایک فریق ان میں یہ کہتا تھا کہ ہمارے نزدیک شوہر اپنا نفع چاہتا ہے تو اس کی شہادت قبول نہیں ہو سکتی، لیکن ہم خیال کرتے ہیں کہ حلف فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کے دعویٰ کو ثابت کر دیا تھا مع دو عورتوں کی شہادت کے...... اور ایک فریق یہ کہتا تھا کہ ہم یمین و شہادت پر حکم لازم نہیں سمجھتے

لیکن زوج کی شہادت جائز ہے۔ اور ہم اس کو اپنا نفع چاہنے والا نہیں خیال کرتے اور ان کی شہادت دو عورتوں کی شہادت پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعوے کو ثابت کرتی ہے۔ غرض ان دونوں فریق کا باوجود اختلاف کے اس امر پر اتفاق تھا کہ فدک وعوالی کا استحقاق فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ اس کے بعد مامون نے ان سے فضائل علی رضی اللہ عنہ کو دریافت کیا۔ تو انہوں نے یہاں طرفہ جلیل بیان کیا ہے جو رسالہ مامون میں مذکور ہے۔ اور پھر ان سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حال دریافت کیا تو انہوں نے ان کے باپ سے ان کے بہت سے فضائل بیان کیے، پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا حال دریافت کیا تو انہوں نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ یہ دونوں اہل جنت سے ہیں۔ مامون نے کہا: کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ کہا جائے یا اعتقاد کیا جائے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ باوجود ورع وزہد کے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے جھوٹی گواہی دیں، حالانکہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ یا یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے علم وفضل کا اعتقاد رکھ کر یہ کہا جائے کہ وہ ایسی شہادت دینے کو تیار ہو جائیں جس کا خود حکم نہ جانتے ہوں اور کیا یہ جائز ہوسکتا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا باوجود عصمت وعبادت اور نساء عالمین ونساء اہل جنت کے سیدہ ہونے کے جس کی تم روایت کرتے ہو ایسی شے طلب کریں جو ان کی نہ ہو اور تمام مسلمانوں پر ظلم پسند کریں اور اس پر لا الٰـــہ الا ھـــو کی قسم کھائیں۔ یا یہ جائز ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جھوٹی گواہی دیں، حالانکہ وہ اہل جنت سے ہوں۔

بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرنا کتاب اللہ پر طعن کرنا ہے اور دین میں الحاد ہے، کبھی ہو نہیں سکتا کہ یہ بات اس طرح ہوئی ہو۔ پھر مامون نے ان سے معارضہ اس حدیث سے کیا جسے انہوں نے روایت کیا ہے کہ علی بن ابی طالب نے بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کرائی کہ جس کسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرضہ ہو یا کوئی وعدہ تو وہ میرے پاس آئے تو بہت سے لوگ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے جو بیان کیا آپ نے بے گواہ طلب کیے ان کو دے دیا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس قسم کی منادی کرائی تو جریر بن عبداللہ نے آکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وعدہ کا دعویٰ کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بے گواہی کے اس کو دے دیا۔ اور پھر جابر بن عبداللہ

نے آ کر دعویٰ کیا کہ ان سے پیغمبر ﷺ نے وعدہ کیا تھا کہ ان کو مال بحرین میں سے ایک تہائی دیں گے جب بحرین کا مال آپ کی وفات کے بعد آیا تو ان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی مال دے دیا۔ ان دونوں نے دعویٰ بے گواہ کے کیا تھا۔ عبدالمحمود کہتے ہیں...... کہ اس حدیث کو حمیدی نے الجمع بین الصحیحین افراد مسلم کی نویں حدیث مسند جابر میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ کہ جابر نے کہا کہ میں نے جو ان کا شمار کیا تو پانچ سو تھے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جابر سے کہا کہ اتنے ہی اور لے لو۔ عبدالمحمود کہتے ہیں کہ رسالہ مامون میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے مامون نے نہایت تعجب کیا اور کہا کہ کیا فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گواہ جریر اور جابر پسر ان عبداللہ کے برابر بھی نہ تھے؟ پھر مامون نے اس رسالہ کے لکھے جانے کی نہایت تاکید کی اور یہ کہ موسم حج میں سارے لوگوں کے سامنے پڑھا جائے۔ اور فدک وعوالی کو محمد بن یحییٰ الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن الحسن بن علی بن الحسن بن علی بن ابی طالب کے قبضے میں کر دیا کہ اس میں وہ کاروبار کرتے اور ورثہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر تقسیم کر دیتے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا قصہ ردفدک کا ابو ہلال عسکری کی کتاب ''اخبار الاوائل'' سے اسی طرح پر لکھا ہے، جیسا کہ ''کشف الحق'' میں لکھا ہے۔

بحارالانوار میں بھی کوئی معتبر روایت دعویٰ ہبہ فدک کے متعلق ہمارے یہاں کی کتابوں سے پیش نہیں کی گئی۔

عماد الاسلام میں جناب مولانا دلدار علی صاحب نے بھی کوئی روایت باسناد صحیح اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش نہیں فرمائی۔ آپ نے جو کچھ عماد الاسلام میں ارشاد فرمایا ہے اس میں ایک روایت تو وہ ہے جس میں مامون کے مباحثہ اور فدک کے رد کا قصہ ہے، اور اسے آپ نے طرائف سے بعینہ نقل فرمایا ہے، جیسا کہ خود چوتھے فائدے کے پہلے مسئلے میں لکھتے ہیں:

((وقال السید علی بن طاؤس فی اطرائف و من الطرائف العجیبة .))

اور پھر آگے چل کر صواعق محرقہ اور جواہر العقدین سے ایک روایت حافظ ابن شبہ کی نقل کرتے اور فرماتے ہیں کہ تیسرا مسئلہ اس بیان میں ہے کہ آیا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے [1] ہبہ کا دعویٰ کیا یا نہیں۔ اور اس دعوے کی صحت اس سے ہوتی ہے کہ صواعق محرقہ کے دوسرا باب اور اسی کتاب کے دوسرے حصے کے ساتویں ادب اور پندرہویں ذکر میں اور نیز سید سہمودی کی جواہر العقدین میں یہ روایت لکھی ہے کہ حافظ ابن شبہ نمیر بن حسان سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زید بن علی سے جو امام باقر کے بھائی تھے بارادۂ تہجین وتذلیل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوچھا کہ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فدک چھین لیا تھا، تو حضرت نے جواب دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک نرم دل آدمی تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی چیز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تغیر وتبدل کریں۔ ان کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک مجھے دے دیا ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ کیا اس پر تمہاری پاس کوئی گواہ ہے؟ وہ علی رضی اللہ عنہ کو لائیں، انہوں نے شہادت دی، پھر ام ایمن کو انہوں نے پیش کیا، انہوں نے اول تو یہ کہا کہ کیا تم اس بات کی

---

[1] اصل عبارت یہ ہے: المسئلة الثالثة هل فاطمة ادعت الخلة ام لا، يدل على صحة وقوع تلك الدعوىٰ ما فى الباب الثانى من الصواعق المحرقة و فى الادب السابع من الذكر الخامس عشرمن القسم الثانى و من جواهر العقدين للسيد سهمودى اخرج الحافظ ابن شبه عن النمير بن الحسان قال قلت لزيد بن على هو اخوالبا قر و انا اريد ان اهجن امر ابى بكران ابا بكر انتزع من فاطمة رضی اللہ عنہا فدك فقال ان ابا بكر كان رجلا رحيما و كان يكره ان يغير شيئا تركه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فاتته فاطمة فقالت ان رسول الله اعطانى فدك فقال هل لك على هذا بينة فجاء ت بعلى فشهد لها ثم جاء ت بام ايمن فقالت اليس تشهدانى من اهل الجنة قال بلى قالت فاشهد ان النبى اعطاها فدك فقال ابوبكر لرجل و امرأة تستحقينها الى آخر القصة۔ و فى الفصل الخامس من الباب الاول من كتاب الصواعق المحرقة و دعواها انه نحلها قد كالم يات بينة الا بعلى وام ايمن فلم يكمل نصاب البينة على ان فى قبول شهادة الزوج لزوجته خلافابين العلماء و عدم حكمه بشاهد و يمين اما لعله لكونه ممن لا يراه كالكثيرين من العلماء اوانها لم تطلب الحلف مع من شهد لهما وزعمهم ان الحسن و الحسين وام كلثوم شهدوا لها باطل على ان شهادة الفرع و الصغيرة غير مقبولة۔ و فى المقصد الرابع من المرصد الرابع من المواقف السادس من شرح الواقف فان۔ قيل ادعت فاطمة انه علیہ السلام نحلها فدكا وشهد على و الحسن والحسين وام كلثوم والصحيح ام ايمن فرد ابوبكر شهادتهم، قلنا اما الحسن و الحسين وام كلثوم فلقصورهما نصاب البينة۔ ١٢ اعماد الاسلام

گواہی نہیں دیتے کہ میں اہل جنت سے ہوں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک۔ تب انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ فدک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا کیا تھا۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا ایک مرد اور عورت کی گواہی سے دعویٰ ثابت ہوسکتا ہے...... الیٰ آخر القصۃ.

اس کے آگے کا پورا قصہ بیان نہیں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ زید بن علی نے کہا کہ قسم ہے خدا کی کہ اگر یہ معاملہ میرے سامنے پیش ہوتا تو میں بھی اس میں وہی حکم دیتا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ اور صواعق محرقہ کے باب کی پانچویں فصل میں یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک ان کو بخش دیا تھا، ثابت نہیں ہوا اس لیے کہ سوائے علی رضی اللہ عنہ اور ام ایمن کے وہ اس پر اور کوئی گواہ نہیں لائیں اور نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ سوا اس کے علماء میں اختلاف ہے کہ زوج کی شہادت زوجہ کے لیے قبول ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اور یہ گمان ان کا کہ حسنین اور ام کلثوم نے شہادت دی باطل ہے۔ سوا اس کے فرع کی شہادت اور نابالغ کی گواہی غیر مقبول ہے۔ اور شرح مواقف کے چوتھے مقصد میں یہ لکھا ہے کہ اگر یہ بات کہی جائے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہبہ فدک کا دعویٰ کیا اور علی وحسنین اور ام کلثوم رضی اللہ عنہم نے اور صحیح یہ ہے ام ایمن رضی اللہ عنہا نے شہادت دی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے رد کیا تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ شہادت کا نصاب پورا نہیں ہوا...... انتہی

جناب مولانا دلدار علی صاحب نے اس کے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔ اور چونکہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دلیل بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی تھی کہ فدک میرے قبضے میں تھا۔ امید ہوتی تھی کہ اس کے متعلق جناب ممدوح عماد الاسلام جیسی مبسوط اور مشہور کتاب میں کوئی سند ہمارے یہاں سے پیش کریں گے مگر جو کچھ انہوں نے بیان فرمایا اس سے ثابت ہوگیا کہ اس باب میں کوئی ضعیف حدیث اور غیر معتبر روایت نام کے واسطے بھی انہوں نے نہیں پائی۔

عماد الاسلام کے بعد طعن الرماح جناب سید محمد صاحب قبلہ کی ایک ایسی کتاب ہے جس

کی نسبت خیال گزر سکتا ہے کہ اس میں ضرور دعویٰ ہبہ فدک کے ثبوت میں کوئی صحیح روایت درج ہو گی۔ مگر افسوس ہے کہ متوقعین کی یہ توقع بھی اس کے دیکھنے سے ناامیدی میں بدل گئی۔ جناب ممدوح نے سوائے اعادہ ان تاریخی اخبار کے جو ان کے متقدمین اور والد ماجد نے لکھے ہیں یا حوالہ دینے بعض اس قسم کی روایتوں اور اقوال کے کوئی ایک خبر یا ایک روایت بھی بہ اسناد صحیح ایسی پیش نہیں فرمائی جس سے اس دعوے کا ثبوت ہوتا۔ اور جس کی وجہ سے یہ کتاب بقول ان کے ہم مشربوں کے لاجواب سمجھی جاتی۔ بحر حال جناب ممدوح نے طعن الرماح میں جن اقوال اور روایات کو اپنے متقدمین کی کتابوں سے نقل کیا ہے اور جو تازہ اقوال خود پیش کیے ہیں، ان میں سے ایک روایت تو نمیر بن حسان کی ہے، جس میں حضرت زید سے فدک کے متعلق سوال کرنے کا ذکر ہے، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

((ابن حجر درباب ثانی صواعق محرقه و سید سهمودی در جواهر العقدین از حافظ ابن شبه روایت کرده **واللفظ للاخیر عن النمیر بن حسان قال قلت لزید بن علی و انا ارید ان اهجن ابا بکر ......الخ .))**

”ابن حجر نے صواعق محرقہ کے دوسرے باب میں اور سید سہمودی نے جواہر العقدین میں حافظ ابن شبہ سے نمیر بن حسان کی زبانی یہ روایت کی ہے کہ میں نے زید بن علی سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ ابوبکر کو میں معتوب بناؤں۔“

اور ان الفاظ کے لکھنے کے بعد جو عماد الاسلام میں مذکور ہیں، آپ فرماتے ہیں:

((ایں روایت صریح ست دریں که جناب سیده نزدابی بکر آمده دعویٰ هبه فرموده واوگواه و شاهد طلب نمود و جناب باب مدینة العلم و نفس رسول وام ایمن که بنا بر حدیث متفق علیه نبوی مبشر بهشت وبد و ابوبکر نیز بآن اقرار نمود ادائے شهادت کردند پس او قبول نه کردو گفت از گواهی یك

مردو یك زن ثبوت حق نمی شود......)) انتهی

''یہ روایت بالکل صریح ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکرؓ کے پاس موہوبہ باغ فدک کا دعویٰ کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گواہ و شہادت طلب کیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو بنا بر حدیث نبوی جنتی تھے، انہوں نے شہادت دی مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ شہادت قبول نہیں کی اور فرمایا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے حق ثابت نہیں ہوتا۔''

دوسری روایت ابوبکر جوہری کی جناب مجتہد صاحب نے ''شرح نهج البلاغة ابن ابی الحدید'' سے نقل کی ہے اور فرمایا ہے:

((وایضا ابوبكر جوهری كه كنیت شریفش شاهد عدل نصب و تسنن اوست روایت كرده قالت فاطمة رضی اللہ عنہا ان ام ایمن تشهد ان رسول الله اعطانی فدك فقال لها یابنت رسول الله والله ماخلق الله خلقا احب الی من رسول الله ابیك ولوددت ان السماء تقع علی الارض یوما مات ابوك الی ان قال ان هذا لما لم یكن للنبی انما كان مال من اموال المسلمین یحمل به الرجال و ینفقه فی سبیل الله فلما تو فی رسول الله ولیته كما كان یولیه قالت والله لا كلمتك ابدا قال لا هجرتك ابدا قالت والله لادعون الله علیك قال والله لا دعوت الله لك فلما حضرتها الوفاة اوصت ان لا یصلی علیها فدفنت لیلا .)) انتهیٰ علی ممانقله ابن ابی الحدید .

''نیز ابوبکر جوہری نے جن کی کنیت ان کے سنی اور ناصبی ہونے کی دلیل ہے، روایت کیا ہے کہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ام ایمن گواہی دیتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک مجھے دیا تھا تو ابوبکر نے ان سے کہا کہ اے بنت

رسول اللہ! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ کی کوئی مخلوق میرے نزدیک تمہارے باپ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور میں چاہتا ہوں کہ جس روز تمہارے باپ نے انتقال فرمایا کہ آسمان زمین پر گر پڑے۔ یہاں تک کہ ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ مال خاص پیغمبر ﷺ کا نہ تھا بلکہ مسلمانوں کا ہے، آپ اس مال سے لوگوں کو جہاد کا سامان دیتے اور راہ خدا میں صرف فرماتے، اب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو میں بھی اس میں اسی طرح کروں گا جس طرح آپ کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: قسم ہے اللہ کی! میں تم سے کبھی بات نہ کروں گی، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کبھی تم کو نہ چھوڑوں گا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اللہ سے تمہارے لیے بددعا کروں گی، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قسم ہے خدا کی! میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات قریب پہنچی تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ ابوبکر ان کی نماز نہ پڑھیں اس لیے وہ شب میں دفن کردی گئیں......" انتہی

تیسرے مجتہد صاحب نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے ردِ فدک کا ذکر ابو ہلال عسکری کی کتاب "اخبار الاوائل" اور یاقوت حموی کی کتاب "معجم البلدان" اور ابن ابی الحدید کی "شرح نہج البلاغۃ" سے کیا ہے اور اس میں انہی باتوں کو نقل فرمایا ہے جن کو ان کے والد ماجد نے عماد الاسلام میں اور قاضی نوراللہ شوستری نے بیان فرمایا ہے۔

چوتھے خلیفہ مامون کی مجلس قائم کرنے اور فدک واپس دینے کی روایت جو طرائف میں منقول ہے اور طرائف سے عماد الاسلام میں نقل کی گئی، پھر نقل در نقل کی ہے، صرف یہ تصرف کیا ہے کہ بجائے عربی عبارت کے اس کا ترجمہ فارسی میں کردیا ہے۔

پانچویں وہ روایت "معارج النبوت" کی جناب مجتہد صاحب نے نقل کی ہے جو عماد الاسلام میں بیان کی گئی ہے جس میں ذکر ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فدک کی سند حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لکھ دی تھی اور یہ وہی وثیقہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا اور اسے یوں لکھا ہے:((وایضا در روضة الصفا وهم در کتاب "معارج النبوت" كه مشهور بسير ملا معين هروى است از مقصد اقصىٰ نقل کرده که بعضے می گوید...... الخ)) باقی عبارت وہی ہے جو عماد الاسلام سے آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّه﴾ کی بحث میں ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

چھٹے الملل والنحل شہرستانی کا بھی حوالہ ہے کہ شهرستانی در ملل و نحل گفته ((الخلاف الثالث فى امر فدك والتوارث عن النبى و دعوىٰ فاطمة رضی اللہ عنہا على نبينا و عليها السلام وراثه تارة و تمليكا اخرى حتى دفعت عن ذلك بالرواية المشهورة عن النبى نحن سائر الانبياء لانورث ماتر كناه صدقة)) کہ تیسرا اخلاف فدک کے معاملے میں ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعویٰ کی نسبت کہ کبھی وراثتاً کیا اور کبھی ملکیت کا، اور اس سے وہ محروم کر دی گئیں اس حدیث کی بنیاد پر کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم گروہ پیغمبروں کے ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔"

ساتویں مواقف اور شرح مواقف کا اس دعوے کی تائید میں حوالے دیا ہے اور جو کچھ "عماد الاسلام" میں لکھا تھا اسے نقل کر دیا ہے۔

آٹھویں امام رازی کی "نہایت العقول" کی سند پیش کی ہے اور "عماد الاسلام" سے جو کہ "نہایت العقول" کے جواب میں لکھی گئی ہے عبارت نقل کی ہے، وهو هذه:

((الفائدة الرابعة فيما يتعلق بنحلة النبى قال الرازى مجيبا عما ذكر من قبل الامامية ثانيا منعها فدكا بانه لو وجب عليه تصديقها فى هذه الدعوىٰ لكان ذلك المال ما يذكرونه من وجوب عصمتها و قد سبق الكلام عليه اوللبينة لكن البينة الرعية ما كانت حاصلة لايقال فيلزم ان تكون طالبة عن ذلك

مـن غیـر بینة و ذلك لایلیق بها لانا نقول لعلها کانت تذهب الـی ان الـحکم بالشاهد الواحد والیمین جائز کماذهب الیه بعضهم وان ابا بکر ما کان یذهب الی ذلك .))

''چوتھا فائدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہبہ کرنے بیان میں ہے۔ امام رازی اس سوال کے جواب میں جو امامیہ کی طرف سے بیان کیا جاتا تھا کہتے ہیں کہ دوسری یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک سے روکا گیا اور یہ اس طرح ہے کہ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس دعوے میں تصدیق ابوبکر رضی اللہ عنہ پر واجب ہوتی تو یا اس خیال سے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ آپ معصومہ تھیں اور عصمت کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں، یا اس خیال سے کہ شہادت گزاری لیکن شرعی شہادت حاصل نہ ہوئی۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ بغیر شاہد کے طلب کرتی تھیں، کیونکہ یہ آپ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس لیے کہ شاید آپ کی رائے یہ ہو کہ ایک گواہ اور قسم پر حکم دینا کافی ہے، جیسا کہ بعضوں کی رائے ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے نہ تھی۔''

''تشئید المطاعن'' میں جناب مولانا سید محمد قلی کنتوری صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں پچیس کتابوں سے اس سند کے پیش کرنے کا دعویٰ کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

((اما آنچه گفته جواب ازیں طعن آنکه دعویٰ هبه از حضرت زهرا و شهادت دادن حضرت علی و ام ایمن یا حسنین علی اختلاف الروایات در کتب اهل سنت اصلا موجود نیست از مفتریات شیعه است در مقام الزام اهل سنت آوردن و جواب آن طـلب یدن کمال سفاهست ست ، پس مردود ست بانکه انـکـار وجود ایں دعویٰ و شهادت در کتب اهل سنت ناشی

از کمال عناد و عصبیت ست زیرا که ایں دعویٰ در کتب کثیره از کتب معتمده واسفار معتبر ایشاں مذکورست مثل تصانیف عمر بن شبه۔ و مجد مؤرخ و ابوبکر جوهری۔ ومغنی قاضی القضاۃ، و ملل و نحل شهرستانی۔ و کتاب الموافقة ابن سمان۔ و معجم البلدان یا قوت حموی۔ و محلی ابن حزم۔ ونهایة العقول۔ واتفسیر کبیر مسمی بمفاتیح الغیب۔ و ریاض النضرة۔ و کتاب الاکتفا۔ و فصل الخطاب۔ و مواقف۔ و شرح مواقف و جواهر العقدین۔ ووفاء الوفا۔ و خلاصة الوفاهرسه از سید سهمودی۔ و حاشیة صلاح الدین رومی برشرح عقائد نسفی از تفتازانی۔ و صواعق محرقة۔ و براهین قاطعة۔ و مقصد اقصی۔ و معارج النبوة۔ و حبیب السیر۔ ورضة الصفا۔ و در بسیارے ازیں کتب وقوع ایں شهادت هم بریں دعویٰ مذکورست .))

’’صاحب تحفہ اثنا عشریہ نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ باغ فدک اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و ام ایمن یا حسنین رضی اللہ عنہم کا گواہی دینا کہ یہ باغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبہ فرمایا تھا، یہ دعویٰ سنیوں کی کتابوں میں بالکل موجود نہیں اور یہ سب شیعوں کی من گھڑت ہے اور اسے اہل سنت کے خلاف لانا اور ان پر الزام قائم کر کے ان سے جواب طلب کرنا یہ شیعوں کی مکمل بے وقوفی و نادانی ہے۔ مشارالیہ محدث دہلوی شاہ عبدالعزیزؒ کا یہ قول نا قابل قبول ہے اور سنیوں کی کتابوں میں اس دعویٰ وشہادت کا انکار صرف دشمنی وتعصب کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ یہ دعویٰ اہل سنت کی اکثر معتبر کتابوں اور تاریخوں میں موجود ہے۔ جیسے مذکورہ کتابوں میں، اوران بیشتر کتابوں میں یہ دعویٰ اوراس کی شہادت تحریر ہے۔‘‘

یہ لکھ کر پھر اپنے دعوے کے ثبوت میں ہر ایک کتاب کی عبارت لکھی ہے۔ اگرچہ صاحب ”تشئید المطاعن“ نے پچیس کتابوں کے نام لکھ دیے ہیں مگر حقیقت میں ان میں سے کسی ایک کتاب میں بھی ایک روایت ایسی نہیں ہے جو صحیح ہو اور بسلسلہ اسناد بیان کی گئی ہو۔ اس میں اکثر کتابیں تو وہی ہیں جن کا ذکر ”عماد الاسلام“ اور ”طعن الرماح“ میں ہے۔ اور وہی عبارتیں ہیں جو ان میں نقل کی گئی ہیں اور بعض کتابیں جن کا ذکر ان میں نہیں ہے۔ ان میں نہ کسی روایت کا بیان ہے نہ سوائے نام گنانے کے اس سے کچھ حاصل ہے۔ چنانچہ عمر بن شبہ میں سے خود ان کی کسی تصنیف کا نام نہیں لکھا ہے، نہ اس میں سے کوئی عبارت نقل کی ہے۔ بلکہ ”جواھر العقدین“ میں جو روایت حافظ عمر بن شبہ سے منقول ہے اسی کو آپ نے لکھا ہے۔ اور سید نورالدین سہمودی کی کتاب ”وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ“ سے اسے نقل کیا ہے جیسا کہ ”تشئید المطاعن“ صفحہ ۱۳۰ اور ۲۳۱ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ وہ روایت ہے جس میں حضرت زید شہید سے فدک کے متعلق سوال کرنے کا ذکر ہے۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں ابوبکر جوہری سے بھی وہی روایت زید بن علی کی منقول ہے۔ اور مجد مؤرخ کی تصنیف کا جو ذکر ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ ان کی کسی خاص کتاب کا نہ آپ نے نام لکھا ہے نہ اس سے عبارت نقل کی ہے۔ بلکہ کتاب ”وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ“ میں جو سید نورالدین سہمودی کی تصنیف ہے، اس سے یہ نقل کیا ہے۔

((ذكر المجد فی ترجمة فدك ما تقتضی ان الذی دفعه عمر الی علی و عباس ووقعت الخومة فيه هو فدك فانه قال فيها وهی التی كانت فاطمة رضی اللہ عنہا ادعت ان رسول الله ﷺ اعطاها فقال ابوبكر اريد بذلك شهودا شهد لها علی فطلب لها شاهد آخر فشهدت لها ام ايمن فقال علمت يا بضعة رسول الله انه لا يجوز الا بشهادة رجل و امرأتين فانصرفت ثم ادی اجتهاد عمر الی ردها لما ولی وفتحت الفتوح وكان

علـى يـقـول ان الـنبى جعلها فى حياته لـفاطمة ﵂ و كان الـعبـاس يابى ذلك فكانا يختصمان الى عمر فيابى ان يحكم بينهما يقول انتها عرف بشانكما .))

''یعنی مجد نے ترجمہ فدک میں بیان کیا ہے کہ مراد فدک سے وہی ہے جس کو حضرت عمر ﷛ نے حضرت علی وعباس ﷠ کو دیا اور جس میں ان دونوں کا جھگڑا ہوا تھا, اس لیے کہ مجد نے فدک کا حال یہ بیان کیا ہے کہ فدک وہ ہے جس کا دعویٰ فاطمہ ﵂ نے کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیا تھا اور ابوبکر ﷛ نے کہا تھا کہ میرے سامنے اس کے گواہ پیش کرو۔ اول حضرت علی ﷛ نے گواہی دی، پھر ابوبکر صدیق ﷛ نے دوسرا گواہ طلب کیا تو ام ایمن ﵂ نے گواہی دی۔ ابوبکر صدیق ﷛ نے کہا کہ اے جگر پارۂ رسول ﷺ تم جانتی ہو کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے حق ثابت نہیں ہوتا اس کے لیے ایک مرد اور دو عورتیں ہونا چاہیے حضرت فاطمہ ﵂ یہ سن کر چلی گئیں۔ جب حضرت عمر ﷛ کا زمانہ آیا اور فتوحات بہت ہونے لگیں تو ان کی رائے اس کے لوٹا دینے کے لیے قرار پائی۔ حضرت علی ﷛ تو یہ کہتے تھے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے اس کو اپنی حیات میں فاطمہ ﵂ کو دے دیا تھا اور حضرت عباس ؓ اس سے انکار کرتے تھے، پھر دونوں حضرات نے اس جھگڑے کو حضرت عمر ﷛ کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے ان میں کچھ حکم کرنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ تم دونوں اپنے معاملات آپ ہی خود جانتے ہو۔''

اور کتاب ''الـمـوافقه ابن سمان'' کا اگرچہ نام لکھا ہے، مگر اس کی عبارت خواجہ محمد پارسا کی فصل الخطاب سے نقل کی ہے اور وہ یہ ہے:

((وقـال اى ابن سمان فى كتاب الموافقة فى ذكر فاطمة ﵂ و ابى بكر جاء ت فاطمة ﵂ الى ابى بكر فقال اعطنى فدك

فان رسول الله ﷺ و هبها لی فقال صدقت یابنت رسول الله ولکنی رأیت رسول الله یقسمها فیعطی الفقراء و المساکین و ابن السبیل بعدان یعطیکم منها قوتکم فما تصنعین بها قالت افعل فیها کما کان یفعل ابی رسول الله ﷺ .))

”یعنی ابن سمان نے کتاب الموافقہ میں جہاں فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے یہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر یہ کہا کہ مجھے فدک دے دو کہ وہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ہبہ کر دیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے دختر رسول! تم سچ کہتی ہو لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس میں سے تقسیم کرتے ہوئے اور فقراء، مساکین اور مسافر کو دیتے ہوئے دیکھا ہے اور پہلے اس میں سے تمہاری قوت (روزینہ) دے دیا کرتے تھے، تو تم اس کو کیا کرو گی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں بھی اس میں وہی کام کروں گی جو میرے باپ رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔“

اور حاشیہ صلاح الدین رومی سے جو شرح عقائد پر ہے یہ عبارت نقل کی ہے: ((ومن منع الارث و فدك بالنحلة وقع بين فاطمة رضی اللہ عنہا و ابی بکر بغض و تشاجر ولم تتکلم مع مدة حیاتها .)) اور تفسیر کبیر سے یہ پیش کیا ہے کہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

((فلمامات ﷺ ادعت فاطمة رضی اللہ عنہا انه ﷺ کان نحلها فدك فقال ابوبکر انت اعز الناس علی فقراء و احبهم الی غنی لکنی الاعرف صحة قولك ولا یجوز ان احکم بذلك فشهد لها ایمن و مولی رسول الله فطلب منها ابوبکر الشاهد الذی یجوز قبول شهادته فی الشرع فلم یکن فاجری ابوبکر ذلك علی ما کان یجریه رسول الله ﷺ وینفق منه علی ماکان ینفق

علیہ رسول اللہ ویجعل ما یبقی فی السلاح و الکراع .))

''یعنی جب آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دعویٰ کیا کہ آپ نے فدک مجھے دے دیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فقر و مسکنت کو تمہارے لیے میں سب سے زیادہ ناپسند کرتا ہوں اور غنا و تونگری کو تمہارے لیے سب سے زیادہ چاہتا ہوں لیکن آپ کے قول کی صحت کو میں نہیں جانتا اور نہ مجھے یہ جائز ہے کہ میں اس طرح پر کوئی حکم دے سکوں، پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا اور ایک غلام رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعوے کی گواہی دی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے اور گواہ طلب کیے جس کی شہادت شرع میں قبول ہو سکے تو اور گواہ نہ ملا، تو انہوں نے فدک کے باب میں وہی حکم جاری رکھا جو رسول اللہ ﷺ اس میں رکھا کرتے تھے اور انہی لوگوں پر خرچ کرتے جن پر رسول اللہ ﷺ خرچ کیا کرتے تھے اور جو کچھ بچتا اس کو سلاح وہتھیار وغیرہ میں خرچ کرتے۔''

اور ابراہیم بن عبداللہ یمنی شافعی کی ''کتاب الاکتفاء'' سے وہی روایت زید بن علی کی نقل کی ہے جو ابن شبہ سے دوسری کتابوں میں نقل کی گئی ہے۔

اور ابن حزم اندلسی کی کتاب محلّٰی سے یہ روایت نقل کی ہے: ((روی ان علی بن ابی طالب شھد لفاطمة عند ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ و معه ام ایمن فقال ابوبکر لو شھد معك رجل او امرأة اخری لقضیت بھا بذلك)) اور ریاض النضرہ سے محبّ طبری کی یہ روایت نقل کی ہے:((وعن عبدالله بن ابی بکر بن عمر ابن حزم عن ابیه قال جاء ت فاطمة رضی اللہ عنہا الی ابی بکر فقالت اعطنی فدك فان رسول الله وھبھا لی قال صدقت یابنت رسول الله ولکنی رأیت رسول الله یقسمھا فیعطی الفقراء والمساکین وابن السبیل بعد ان یعطیکم منھا قوتکم فما تصنعین بھا...... الخ .)) اور اس کے بعد اسی کتاب سے زید بن علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول نقل کیا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ اور طبقات کبریٰ سے بھی ایک

روایت نقل کی ہے اور وہ یہ ہے:

((اخبرنا محمد بن عمر ثنا هشام بن سعد عن زيد بن اسلم عن ابيه قالت (فاطمة) جائتني ام ايمن فاخبر تني انه اعطاني فدكا))

''کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ام ایمن میرے پاس آئیں اور انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فدک عطا کیا ہے۔''

ان کی کتابوں کے سوا ''لمعة البيضاء'' اور ''بحر الجواهر'' اور ''ناسخ التواريخ'' اور ''كفاية الموحدين'' میں کوئی اور روایت منقول نہیں ہے جسے ہم بیان کریں حالانکہ ان کتابوں میں فدک کی بحث نہایت تفصیل سے لکھی ہے۔

الحاصل! جو روایتیں اور اقوال ہم نے اوپر بیان کیے اور جن کے سوا ہم نے کوئی اور قول اس دعوے کے ثبوت میں نہیں پایا اگرچہ تجزیہ کی جائیں تو وہ تین قسم کی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن میں راویوں کے نام منقول ہیں، جیسا کہ روایت اور خبر کا قاعدہ ہے۔ دوسرے وہ کہ جن میں تاریخی واقعات کے طور پر بلا سند اس دعویٰ کا ذکر ہے، جیسا کہ مؤرخین کا قاعدہ ہے۔ تیسرے وہ کہ ضمناً کسی اعتراض کے جواب میں یا کسی بیان کے ذیل میں اس دعویٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم اس کتاب کے چوتھے مقدمے میں بیان کر چکے ہیں ایسے معاملات کی شہادت میں وہی روایت پیش کی جاسکتی ہے جو بقاعدہ احادیث اور اخبار کے بیان کی گئی ہو اور جس کی صحت بعد تنقیح اور رعایت ان اصول کے جو اخبار کی صحت کے لیے فریقین میں قرار دیے گئے ہیں پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہو۔ مگر وہ اقوال اور قصے جو بغیر سند کسی روایت کے تاریخ کی کتابوں یا دوسری تصنیفات میں لکھے گئے ہوں جن کا نہ ماخذ معلوم ہو نہ جس کی سند بیان کی گئی ہو، اس قابل نہیں ہوتے کہ ایسے مباحث میں ان پر کچھ بھی توجہ کی جائے گو وہ کتابیں کیسے ہی نامور اور مشہور شخص کی تصنیفات سے ہوں۔ اس لیے کہ جو واقعہ تیرہ سو برس پہلے گزرا ہو اس کی صحت قیاس سے تو ہو نہیں سکتی نہ کسی کا مجرد قول اس پر یقین کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہ تو از

قسم اخبار ہے اور خبر میں جھوٹ اور سچ دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے سچ ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بیان کرنے والوں کا سلسلہ بیان کرے اور وہ سلسلہ اس حد تک پہنچ جائے جس پر وہ سلسلہ ختم ہوتا ہے اور جس سے روایت یا سماعت اپنی بیان کی ہو۔ اور پھر یہ بھی شرط ہے کہ راوی بھی ایسے ہوں جن پر بھروسا ہو اور جن کی سچائی اور دیانت داری پر اطمینان۔ اگر ایسا سلسلہ موجود بھی ہو مگر راوی ایسے ہوں کہ جن کے حالات سے کچھ اچھی طرح آگاہی نہ ہو یا ایسے ہوں کہ جو مسائل مذہبی میں مختلف تھے اور جن پر یہ شبہ ہو کہ اپنے مذہب کی حمایت میں انہوں نے کوئی روایت پیش کر دی ہو گی یا ایسے راوی ہوں جن کی طبیعت شکی اور وہمی تھی یا حافظہ کے ضعیف یا مجہول ہوں تو ان کی روایتیں پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اور اگر ان میں کوئی راوی ایسا ہو جو جھوٹا یا حدیثوں کا بنانے والا بیان کیا گیا ہو تو اس کی روایت تو جھوٹی ہی سمجھی جائے گی۔ اور جس خبر میں روایت کا سلسلہ متصل نہ ہو بلکہ منقطع ہو تو وہ روایت شہادت سے خارج کرنے کے لائق ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ مشہور اور نامور علمائے امامیہ نے جو روایتیں اور اقوال دعویٰ ہبہ کے ثبوت میں پیش کیے ہیں اور جن سے اپنی تصنیفات کا حجم بڑھایا ہے اس میں ایک روایت بھی قسم اول کی نہیں پیش کرنے کے لائق ہے اور نہ سماعت اور قبول کے قابل۔

❀❀❀❀

اب ہم ان اقوال اور روایات سے بحث کرتے ہیں جو اوپر بیان کیے گئے ہیں

ان روایات اور اقوال میں سے وہ روایتیں جن میں کچھ بھی راویوں کے نام بیان کیے گئے ہیں اور جن کو ہم نے قسم اول میں داخل کیا ہے، چھ میں:

ایک وہ روایت ہے ❶ جو شافی میں بیان کی گئی ہے اور جس کو ابراہیم بن محمد ثقفی نے ابراہیم بن میمون سے اور انہوں نے عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب سے اور انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے اور انہوں نے اپنے پردادا سے نقل کی ہے جس میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہبہ کا دعویٰ کیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں سند بھی لکھ دی، مگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے چاک کر دیا۔

دوسری ❷ جو شافی میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے رد فدک کے متعلق بیان کی ہے جسے محمد بن زکریا غلابی نے اپنے شیوخ سے اور انہوں نے ابوالمقدام ہشام بن زیاد سے روایت کیا ہے۔

تیسری ❸ وہ روایت ہے جو طرائف میں واقدی، بشر بن غیاث اور بشر بن ولید سے بیان کی گئی ہے جس میں خلیفہ مامون کے مجلس قائم کرنے اور فدک آل فاطمہ پر واپس کرنے کا بیان ہے۔

چوتھی ❹ وہ روایت جو ''جواہر العقدین سید سمہودی'' اور ''صواعق محرقہ'' کے باب دوم

---

❶ یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔

❷ ملاحظہ ہو سابقاً

❸ یہ روایت اسی کتاب میں پہلے گزر چکی ہے۔

❹ پہلی روایت ملاحظہ ہو جو گزر چکی ہے۔

اور کتاب "وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ" اور کتاب "خلاصة الوفا" اور کتاب "ریاض النضرة" محبّ طبری اور شرح "نهج البلاغة" ابن ابی الحدید سے بیان کی گئی ہے اور جس کو حافظ ابن شبہ نے روایت کیا ہے اور جس میں زید بن علی سے فدک کے متعلق سوال کرنے اور ان کے جواب کا ذکر ہے۔

پانچویں ❶ وہ روایت "ریاض النضرة" کی ہے جو عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور جس کو صاحب ''تشئید المطاعن'' نے نقل کیا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ حضرت سیدہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فدک عطا کیا تھا۔

چھٹی ❷ وہ روایت ہے جو "تشئید المطاعن" میں طبقات کبریٰ سے نقل کی ہے اور جسے محمد بن عمرو ہشام بن سعد سے، انہوں نے زید بن اسلم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے بیان کی ہے، جس میں یہ بیان ہے کہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا مع امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور اول اپنے میراث کا اور آخر میں ہبہ کا دعویٰ کیا اور فرمایا کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے مجھ سے کہا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک مجھے عطا فرمایا ہے۔

یہ چھ روایتیں ہیں جو بعد حذف وتکرار اور نقل در نقل کے شیعوں کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں اور جن میں مسلسل یا منقطع سلسلہ راویوں کا بیان کیا گیا ہے۔ اب ہم ہر ایک روایت کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ وہ کہاں تک اعتبار کے لائق ہے، اور اس بات کو دکھاتے ہیں کہ ان میں سے ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے جو ذرا بھی توجہ کے لائق ہو یا جس کے جھوٹ ہونے میں کچھ بھی شبہ ہو۔

پہلی روایت کی نسبت اول تو یہی معلوم نہیں کہ شافی میں کس کتاب سے نقل کیا ہے اور یہ روایت سنیوں کی ہے یا شیعوں کی۔ لیکن اگر فرض کیا جائے کہ یہ سنیوں کی کسی کتاب سے لی گئی

---

❶ یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔
❷ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہے، تب بھی بلحاظ راویوں کے اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ شیعوں کی روایت ہے۔اس لیے کہ ابراہیم بن محمد ثقفی مجہولین سے ہیں اور ان کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ میزان الاعتدال میں ان کی نسبت لکھا ہے:((ابراھیم بن محمد الثقفی قال ابن ابی حاتم ھو مجھول و قال البخاری لم یصح حدیثه.))

انہوں نے ابراہیم بن میمون سے روایت کی ہے اور ابراہیم بن میمون کا حال ہم ذکر ہبہ فدک اور شان نزول آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّه﴾ میں جہاں ''کنز العمال'' کی روایت سے جو''عماد الاسلام'' میں ہے بحث کی ہے لکھ چکے ہیں کہ وہ اجلائے شیعہ سے ہیں اور ''منتھی المقال فی اسماء الرجال'' میں جو شیعوں کی معتبر کتاب ہے ان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ امام جعفر صادق کے معتمد علیہ تھے اور سب متفق ہیں کہ وہ قابل اعتماد ہیں۔

ابراہیم بن میمون نے عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمرو بن علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے۔عیسیٰ بن عبداللہ کی نسبت میزان الاعتدال میں ہے:((قال الدار قطنی متروك الحدیث و قال ابن حبان یروی عن آباء ہ اشیاء موضوعة.))'' دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ اپنے باپ دادا سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔'' پس کیا اس میں شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ روایت شیعوں کی نہیں ہے یا کوئی بھی اسے سنیوں کی روایت کہہ سکتا ہے جس کے راوی باقرار علماء امامیہ اجلائے شیعہ سے ہوں اور جن کی نسبت ان کی اسماء الرجال کی کتاب میں لکھا ہے:((وھو معتمد علیه وفاقا للجمع.))

دوسری روایت جو شافی میں منقول ہے اس کے اول راوی محمد بن زکریا غلابی ہیں اور یہ ضعیف اور حدیث کے وضع کرنے والوں میں سے ہیں، جیسا کہ ''میزان الاعتدال'' میں ان کی نسبت لکھا ہے:((وھو ضعیف و قال الدارقطنی یضع الحدیث.))

اور انہوں نے ابوالمقدام ہشام بن زیاد سے روایت کی ہے جن کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے:((ھشام بن زیاد ابو المقدام الصری ضعفه احمد

وغیرہ قال النسائی متروك و قال ابن حبان یروی الموضوعات عن الثقات و قال ابوداؤد کان غیر ثقة و قال البخاری یتکلمون فیه .)) ''امام احمد وغیرہ نے ان کو ضعیفوں میں لکھا ہے اور نسائی نے کہا یہ متروک الحدیث ہیں اور ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ موضوع حدیثیں ثقات کے نام سے روایت کرتے ہیں اور ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں ہیں اور بخاری نے کہا کہ لوگ ان پر کلام کرتے ہیں۔'' انتھی .

جب ایسے ضیف اور متروک الحدیث بلکہ حدیث بنا کے ثقات کی طرف منسوب کرنے والے راوی ہوں تو اس حدیث کے جھوٹ اور غیر صحیح ہونے کی بالفرض اگر کوئی تصریح نہ کرے، تاہم اس کی صحت کیوں کر مانی جاسکتی ہے اور ان کی خبر کسی طرح شہادت میں پیش ہوسکتی ہے۔ اور اگر یہ روایت ثابت بھی ہوتی اور صحیح بھی تب بھی اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہبہ فدک کا دعویٰ کیا تھا۔ البتہ یہ ضمناً نکلتا ہے کہ جو کچھ شیخین رضی اللہ عنہما نے کیا وہ ٹھیک نہ تھا۔ اور اسی وجہ سے شافی نے اس روایت کو کچھ بہت قوی دلیلوں میں سے ثبوت میں دعویٰ ہبہ فدک کے خیال نہیں کیا ہے۔ اس لیے قاضی عبدالجبار نے مغنی میں لکھا تھا کہ [1] عمر بن عبدالعزیز کا فعل، یعنی فدک آل فاطمہ رضی اللہ عنہا پر رد کرنا ہبہ فدک کے دعوے کو ثابت نہیں کرتا، یعنی ہبہ کے طور پر رد کیا ہو بلکہ انہوں نے وہی عمل کیا جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا کہ حضرت امیر المومنین کے ہاتھ میں دے دیا تھا تاکہ وہ اس کے غلے کو اسی موقع پر صرف کریں جہاں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ایک مدت تک جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے اخیر سال

---

[1] اصل عبارت یہ ہے: فاما فعل عمر بن عبدالعزیز فلم یثبت انه رده علی سبیل الخل بل عمل فی ذلك ما فعله عمر بن الخطاب بان اقره فی یدا امیر المومنین لیصرف غلاتها فی الموضوع الذی کان یجعلها رسول الله صلی الله علیه وسلم فیه فقام بذلك مدة ثم ردها الی عمر فی آخر سنیة و کذلك فعل عمر بن عبدالعزیز ولوثبت انه فعل بخلاف ما فعله السلف لکان هوالمحجوع بقولهم و فعلهم واحد مایقوی ماذ کرناه ان الامر لما انتهی الی امیر المومنین ترك فدك علی ما کانت ولم یجعلها میراثا لفاطمة۔ ۱۲
(شافی صفحه ۲۳٤)

میں واپس لے لیا۔ اسی طرح سے عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی کیا۔ اور اگر ثابت بھی ہو کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلاف سلف کے کیا تو ان کا فعل قابل سند نہ ہوگا۔ اس کے جواب میں جناب علم الہدیٰ شافی میں لکھتے ہیں کہ ❶ اول تو ہم عمر بن عبدالعزیزؒ کے فعل پر کسی طرح سے بھی حجت نہیں کرتے، کیونکہ ان کا فعل کچھ حجت نہیں ہے...... اور اگر ہم اس قسم کی باتوں سے احتجاج کریں اور اس طرح کی حجتیں اور دلیلیں لائیں تو ہم مامون کے فعل کو بھی پیش کر سکتے ہیں کیونکہ خلیفہ مامون نے بھی ایک مجلس قائم کر کے اور مباحثہ کرا کے فدک کو واپس کیا تھا۔ سوائے اس کے صاحب مغنی عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس فعل کا انکار کرتے ہیں جو کہ اہل نقل میں بلا اختلاف معروف و مشہور ہے، فقط۔ اور اس پر انہوں نے روایت محمد بن زکریا غلابی کی پیش کی ہے جس سے ہم بحث کر رہے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے اسی قصے کو ابو ہلال عسکری کی کتاب ''اخبار الاوائل'' اور یاقوت حموی کی "معجم البلدان" اور ابن ابی الحدید کی "شرح نهج البلاغة" سے "طعن الرماح" اور "تشئید المطاعن" میں بھی نقل کیا ہے۔ اور ان تمام روایتوں کا ماحصل صرف یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے فدک آل فاطمہ کو واپس کر دیا، اس سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فدک کے ہبہ کا دعویٰ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا تھا۔ اس لیے یہ جتنی روایتیں پیش کی گئی ہیں وہ کچھ بھی مطلب کے لیے مفید نہیں ہیں بلکہ بر خلاف اس کے جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے مشکوٰۃ سے بروایت ابوداؤد لکھا ہے۔

---

❶ فاما انکاره ان یکون عمر بن عبدالعزیز رد فد کا علی وجه النحل ثم ادعاه انه فعل فی ذلك بمثل ما فعله عمر بن الخطاب من اقرار هافی ید امیر المومنین لیصرف غلاتها فی جها تها فاو ل ما فیه انا لا نحتج علیه بفعل عمر بن عبدالعزیزعلی وجه وقع لانه فعله لیس بحجة و لواردنا الاحتجاج بهذا الجنس من الحجج لذکرنا فعل المامون فانه رد فدك بعد ان جلس مجلساً مشهوراً حکم فیه بین خصمین نصیبهما احدهما لفاطمة والآخر لابی بکر ورد ها بعد قیام الحجة و وضوح الامرومع ذلك انه انکر من فعل عمر بن عبدالعزیز ماهو معروف مشهور بلا خلاف بین اهل انقل فیه و قدروی محمد بن زکریا یا الغلابی عن شیوخه عن المقدام هشام بن زیاد۔ ۱۲ (شافی صفحه ۲۳۶)

عمر بن عبدالعزیز کا آل مروان کو جمع کر کے یہ کہنا ثابت ہوتا ہے کہ جس امر سے رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو منع کیا تھا میں کب اس کا مستحق ہوسکتا ہوں، اس لیے میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اس کو اسی حال پر لوٹاتا ہوں جس حال پر کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں تھا۔ چنانچہ اصل روایت اس کے متعلق تحفہ میں منقول ہے۔ من شاء فلیرجع الیہ .

تیسری روایت جو طرائف میں واقدی اور بشر بن غیاث اور بشر بن الولید سے نقل کی گئی ہے اور جس میں خلیفہ مامون کے مجلس قائم کرنے اور فدک کے مقدمے میں بحث کرنے اور آخر کار ایک رسالہ لکھ کر موسم حج میں شائع کرنے کا ذکر ہے، وہ بھی سراپا جھوٹی اور شیعوں کی بنائی ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس کے راوی واقدی اور بشر بن غیاث ہیں جن میں سے ہر ایک کا حال ہم اوپر آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ﴾ کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ واقدی کذابین اور واضعین حدیث میں سے ہیں اور بشر بن غیاث زنادقہ میں سے۔

اور اسی روایت کو ''عماد الاسلام'' میں مولانا دلدار علی صاحب نے طرائف سے نقل کیا ہے اور مجتہد سید محمد صاحب نے ''طعن الرماح'' میں اس کا ترجمہ لکھا ہے۔ اور ان دونوں مجتہدوں پر افسوس ہے کہ ایسے کاذبین اور واضعین حدیث اور زندیقین کی روایتیں پیش کر کے اپنے دعوے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور ان کی روایتوں کو اہل سنت کی اخبار صحاح میں بیان کرتے ہیں۔ اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ کوئی صحیح روایت تو دعویٰ ہبہ کے متعلق ہے نہیں، اس لیے اس قسم کی جھوٹی اور بنائی ہوئی باتوں کو جو جھوٹوں اور حدیث کے بنانے والوں کو زندیقوں نے اسلام میں رخنہ ڈالنے کے لیے مشہور کر رکھی تھیں طرح طرح سے پیش کرتے ہیں۔ کبھی کچھ سند کا حوالہ دے کر، کبھی کسی کتاب کا نام لے کر اور کبھی کسی تاریخ سے نقل فرما کر۔ مگر ان کا جھوٹ کسی طرح چھپ نہیں سکتا اور جس رنگ میں وہ اسے دکھائیں اصلی جلوہ نظر آجاتا ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من آں جلوۂ قدمی شناسم

چوتھی روایت وہ ہے جو ''جواہر العقدین'' سید سمہودی وغیرہ سے نقل کی گئی ہے۔ اور جسے حافظ عمر بن شبہ نے نمیر بن حسان سے روایت کیا ہے، یہ روایت پوری ''عماد الاسلام'' سے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ اس میں دو راویوں کے نام لکھے ہیں، ایک عمر بن شبہ دوسرے نمیر بن حسان۔ باقی راویوں کے نام مذکور نہیں ہیں۔ دیگر راویوں کے نام یا سید سمہودی نے چھوڑ دیے ہوں یا حضرات مجتہدین نے نقل کرنے میں تخفیف فرمائی ہو۔ مگر پتہ چلانے سے معلوم ہوا کہ اس روایت کا اصلی ماخذ ابن ابی الحدید کی شرح ''نہج البلاغہ'' ہے اور ابن ابی الحدید نے اسے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سقیفہ وفدک سے نقل کیا ہے اور وہ اصلی روایت یہ ہے: ((قال ابوبكر اخبرنا ابوزيد قال ثنا محمد بن عبدالله بن الزبير قال ثنا فضيل بن مرذوق قال ثنا البختری (غالباً نمیر ہوگا) بن حسان قال قلت لزيد بن علی وانا اريد ان اهجن امر ابی بكر ان ابا بكر انتزع فدك من فاطمة رضی اللہ عنہا فقال ان ابابكر ...... الخ)) باقی عبارت وہ ہے جو عماد الاسلام میں نقل کی گئی ہے اور جس کے آخری الفاظ جو انہوں نے چھوڑ دیے تھے اسے ہم نے اس کے بعد نقل کر دیے ہیں۔ اس روایت میں اتنی باتیں غور طلب ہیں۔

اول تو ابن ابی الحدید اس کے ناقل ہیں اور وہ خود معتزلی اور شیعی ہیں، گو شیعوں نے ان کو علمائے اہل سنت سے بیان کیا ہے اور غرض اس سے یہ ہے کہ لوگوں کو دھوکہ ہو اور انہیں علمائے اہل سنت سے سمجھ کر ان کی بیان کی ہوئی روایتوں سے لوگ شبہ میں پڑیں، مگر ان کا معتزلی ہونا تو ایسا کھلا ہوا ہے کہ اس سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا اور ان کے شیعہ ہونے یا کم سے کم شیعوں کے سے عقائد رکھنے پر ان کی کتاب شرح ''نہج البلاغہ'' شاہد ہے۔

دوسرے اس روایت کو ابن ابی الحدید نے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سقیفہ وفدک سے نقل کیا ہے۔ اور یہ کتاب کہ آیا ابوبکر جوہری کی ہے یا نہیں، یا کوئی کتاب اس نام

کی ہے بھی یا نہیں، خود معرض بحث میں ہے اور سوائے ابن ابی الحدید کے کسی اور مشہور عالم نے نہ اس کا ذکر کیا ہے نہ کسی مشہور کتاب میں اس سے کچھ لیا گیا ہے۔ اس لیے ایسی گم نام کتاب کی روایت کب قابل اعتنا اور لائق توجہ ہوسکتی ہے۔ ہم کو اس روایت کے پیش کرنے پر نہایت تعجب آتا ہے، کیونکہ مولانا دلدار علی صاحب نے "محجاج السالکین" کی روایت پیش کرنے سے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم پر نہایت غصہ ظاہر فرمایا تھا اور لکھا تھا:

((تا حال نام ایں کتاب بگوش کسے از شیعیان نرسیده و بکتاب مجهول که مصنف آن نیز مجهول است احتجاج و استدلال نتوان نمودچه مستبعد است که نام کتاب راخودش بدروغ ساخته باشد پس در مقابهل آن اگر کسے بگوید که در اعوجاج الهالکین شخصے از مردم بخارا نوشه که ابوبکر اعتراف بکفر خود کردمی توان گفت و بالفرض اگر کتابے مسمی بایں اسم از کتب شیعه بوده باشد وایں روایت دراں مندرج پس از کجا معلوم شد که نقل از کتب اهل سنت نکرده باشد وایں ناصب خواجه اونادیده یادیده و دانسته عذر و فریب تاسیا باامامیه الغادرین ننموده باشند......)) انتهی

(صوارم صفحه ۵۲)

''اب تک اس کتاب کے نام سے کسی شیعہ کے کان واقف نہیں اور ایک مجہول کتاب سے جس کا مصنف بھی غیر معروف ہے کسی قسم کا استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اور عین ممکن ہے کہ جھوٹ موٹ ایک کتاب کا نام گھڑ لیا ہو۔ اس دروغ ساختہ کے مقابلہ میں اگر کوئی کہے کہ "اعوجاج الهالکین" میں ایک بخاری نے لکھا ہے کہ ابوبکر نے اپنے کافر ہونے کا خود اقرار کیا ہے، تو ایسا کہا جاسکتا ہے۔ اور اگر بفرض محال "محجاج السالکین" نامی کوئی کتاب شیعوں کی ہو

اور اس میں یہ روایت بھی موجود ہو تب بھی یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ اسے سنیوں کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے، اور ان کے سردار نے نادیدہ یا دانستہ شیعوں پر فریب کا الزام نہ لگایا ہو۔''

اور سید محمد صاحب نے ''طعن الرماح'' میں خطبہ بنت ابی جہل کی روایت کی نسبت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے کلام کو نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ((**هذه الخبر باطل موضوع غير معروف ولاثابت عند اهل النقل وانماذكره الكريسى طاعنابه على امير المومنين و معارضابذ كره لبعض شيعة من الاخبار فى اعدائه وهيهات ان يشبه الحق بالباطل .** و بعد ازاں كلامے كه فرموده است محصل آن اين ست كه امرى ديگر دريں روايت نبوده باشد پس هميں راوى آن كرابيسى است واومعلن بعد اوت اهل بيت و ناصبى شيعى بوده كافى ست در توهين و تكذيب آں .)) (طعن الرماح صفحه ۳۹)

ہم امید کرتے ہیں کہ حضرات شیعہ جو کچھ ان دو مجتہدوں نے فرمایا اسی کو ہماری طرف سے سمجھیں گے اور بہ تبدیل الفاظ ہمارے اس کہنے کو گوش دل سے سن کر اسے تسلیم کریں گے اور ایسی روایتوں کے جھوٹے ہونے میں شبہ نہ فرمائیں۔

تیسرے ابوبکر جوہری نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے یہ روایت ابوزید سے لی ہے اور ابو زید کنیت ہے عمر بن شبہ کی، جیسا کہ تقریب میں بیان کیا گیا ہے: ((عمر بن شبه بن عبيده بن زيد النميرى ابو زيد .)) اور وہ عمر بن شبہ معتبرین سے ہیں، مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ حقیقت میں ابوبکر جوہری نے جو روایت ان سے بیان کی ہے اور ابوبکر جوہری کے نام سے جو کچھ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے وہ جعل سے خالی ہے۔ ذہبیؒ کی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں جہاں عمر بن شبہ بن عبیدہ سے روایت سننے والوں کا نام ہے وہاں ابوبکر جوہری کا نام ہم ان مشاہیر میں سے نہیں پاتے جنہوں نے عمر بن شبہ سے سنا تھا، جیسا کہ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ذہبی لکھتے ہیں: ((عمر بن شبه بن عبيده الحافظ العلامة الاخبارى ابوزيد

النميرى البصرى صاحب التصانيف عن يوسف بن عطية الى قوله وعند ابن ماجة و ابن صاعد والمحاملى و محمد بن احمد الاثرم و محمد بن مخلدو خلق.)) اوراس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر جوہری نے گو حافظ عمر بن شبہ سے سنا ہو مگر وہ مشاہیر میں سے نہیں ہیں اور اسی لیے ابوبکر جوہری کا مستقل ترجمہ اور ان کا حال ہم نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ البتہ ابوالفرج اصفہانی مصنف کتاب ''الاغانی'' نے جوہری سے روایتیں کی ہیں، اور اس میں جوہری کی روایتیں عمر بن شبہ بلکہ صرف انہیں سے پائی جاتی ہیں، مگر ان کو مشاہیر محدثین اور ائمہ میں سے کہنا سراسر غلط ہے۔ ابوالفرج اصفہانی شیعہ تھا اور علمائے شیعہ نے باوجود زید یہ ہونے کے اسے علماء شیعہ میں شمار کیا ہے، جیسا کہ مرزا محمد باقر قرین حاجی زین العابدین موسوی نے جن کو ''زبدۃ المجتہدین'' اور ''حجۃ الاسلام والمسلمین'' کہا گیا ہے اپنی کتاب ''روضات الجنات فی احوال العلماء و السادات'' کے صفحہ ۴۷۸ مطبوعہ ایران ۱۳۰۷ء میں اس طور پر لکھا ہے:

((على بن الحسين ابو الفرج اصفهانى صاحب كتاب الاغانى ذكره مولانا العلامة الحلى فى خلاصة فى القسم الثانى فقال انه شيعى زيدى واورده صاحب الامائل ايضا فى اعد علماء الشيعة وكان عالما روى عن كثير من العلماء و كان شيعيا خبير ابا لاغانى والآثار والاحاديث المشهورة و المغازى انتهى وكان اشتهار تشيعه بين جماعة من اصحابنا من جهته مدناة مذهب الشيعة مع الزيديه و مشاركتهما فى القول بان الامامة غير خارجة عن الفاطمية.))

''صاحب کتاب الاغانی ابوالفرج اصفہانی کے بارے میں علامہ حلی نے خلاصہ کی قسم ثانی میں ذکر کیا ہے کہ وہ زیدی شیعہ ہیں اور صاحب ''الامائل'' نے بھی ان کو علمائے شیعہ میں شمار کیا ہے۔ یہ عالم تھے اور بہت سے علماء سے روایت کی ہے

اور یہ شیعہ تھے غنا، آثار، احادیث مشہورہ اور مغازی کی اچھی معلومات رکھتے تھے، شیعوں میں زید یہ ہونے کے باوجود مذہب شیعہ سے قربت کے لیے مشہور تھے اور اس سلسلہ میں ان کے ہم عقیدہ تھے کہ امامت فاطمیوں سے باہر نہیں ہے۔"

چوتھے ابوزید نے اسے محمد بن عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے اور یہ حضرت شیعہ تھے۔ جیسا کہ میزان الاعتدال میں لکھا ہے:((محمد بن عبدالله بن الزبير قال العجلى كوفى ثقة يتشيع وقال ابو حاتم له اوهام .)) اورانہوں نے فضیل بن مرزوق سے روایت کی ہے، اور فضیل بن مرزوق کا حال ہم بحث آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ میں مفصل لکھ چکے ہیں کہ وہ پکے شیعہ تھے، اور انہوں نے نمیر بن حسان سے روایت کی ہے مگر اس میں غلطی معلوم ہوتی ہے، خواہ وہ چھاپے کی ہو یا نقل کی۔ اس لیے کہ "عماد الاسلام" اور "طعن الرماح" میں ان کا نام نمیر بن حسان لکھا ہے اور شرح "نہج البلاغہ" ابن ابی الحدید میں البختری بن حسان۔ مگر ہم کو ان دونوں ناموں میں سے کوئی نام تقریب اور تہذیب اور تہذیب اور تذہیب اور میزان الاعتدال میں نہیں ملا۔ بہر حال اگر اور تمام راوی ثقہ اور صدوق بھی ہوتے مگر جب کہ اس روایت میں فضیل بن مرزوق داخل ہیں تو یہ روایت بجز اس کے کہ شیعوں کی سمجھی جائے اور کچھ خیال نہیں کی جا سکتی۔ اگر سارے سلسلہ میں ایک راوی بھی جھوٹا اور متہم اور مخالف العقیدہ ہو تو ساری روایت باطل اور جھوٹی سمجھی جاتی ہے اور علاوہ اس کے اخیر راوی اس کے خواہ نمیر بن حسان ہوں یا بختری بن حسان، خود ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب بڑے کٹر شیعہ اور دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، اس لیے وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے زید بن علی سے پوچھا کہ میری خواہش یہ تھی کہ اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فعل پر عیب لگاؤں اور اس کی برائی کروں۔ اس لیے کہ اس نے اہجن کا الفظ استعمال کیا ہے اور تہجین کے معنی منتھی الارب میں ہیں((زشت و عيب ناك گردانيدن .))اور قاموس میں ہے:

((الهجنة من الكلام مايعيبه والهجين اللئيم والتهجين التقبيح .))

پانچویں روایت جو "تشئید المطاعن" میں "ریاض النضرۃ" سے نقل کی ہے۔ اس کے راوی عبداللہ بن ابوبکر بن عمرو بن حزم ہیں۔ اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اس میں اس روایت کا نہ سر ہے نہ دم۔ اس لیے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن ابی بکر کے باپ نے کس سے اس روایت کو سنا ہے، جب تک کہ پوری روایت اور تمام راوی بیان نہ کیے جائیں اور اس قسم کی روایتوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

چھٹی وہ روایت ہے جو "تشئید المطاعن" میں طبقات کبریٰ سے نقل کی ہے۔ اس کے راوی محمد بن عمر ہیں اور انہوں نے ہشام بن سعد سے اور ہشام بن سعد نے زید بن اسلم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ اس میں راوی اول محمد بن عمر ہیں اور یہ وہ ہیں جو واقدی کے نام سے مشہور ہیں، اس لیے کہ یہی ہشام بن سعد ہیں اور ہشام بن سعد زین بن اسلم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ "میزان الاعتدال" میں لکھا ہے اور واقدی کا حال اور ان کے تمام صفات ہم اوپر آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ کی بحث میں مفصل لکھ چکے ہیں کہ وہ حدیثوں کے بنانے والوں میں سے ہیں اور کسی بات میں ان کی کوئی روایت حدیث یا انساب یا کسی چیز میں بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ اور ایسے متروک الحدیث ہیں کہ تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی نے ان کی نسبت ((لم اسق ترجمته هنا لا تفاقهم علی ترك حديث)) کہہ کر ان کا ترجمہ نہیں لکھا ہے۔ دوسرے راوی ہشام بن سعد ہیں ان کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے: ((كان يحی بن القطان لا يحدث عنه و قال النسائی ضعيف.)) اور تقریب میں لکھا ہے: ((له اوهام ورمی بالتشيع.)) اور تہذیب میں ہے: ((قال ابوحاتم يكتب حديثه ولا يحتج به.))

قسم اول کی روایتوں کا حال اب ہم بیان کر چکے اور ان کے راویوں کا غیر معتبر اور جھوٹا ہونا ثابت کر دیا۔ اور اس لیے ان روایتوں پر وہ مقولہ صادق آتا ہے جو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا ہے کہ ((خبر غير صحيح چوں گوز شتر است.)) اب باقی

رہیں اور اقسام کی روایتیں ان کی نسبت اگرچہ ہم کو زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہم بہ تفصیل اس کتاب کے چوتھے مقدمے میں بیان کر چکے ہیں کہ ایسے واقعات کے متعلق کسی کی رائے یا کسی کا قیاس یا کسی کا بیان اس واقعہ کی صحت اور تصدیق کے لیے کافی نہیں ہے گو اس کا بیان کرنے والا کسی فن کا امام ہو اور گو وہ بڑا مشہور عالم اور کسی خاص علم میں بڑا ماہر اور نامی ہو۔ ان واقعات کی تصدیق کے لیے روایت متصل السند اور صحیح السند ہونی چاہیے۔ اگر ہزار عالم غلطی یا بے خبری یا ناواقفیت یا بے خیال سے کسی واقعہ کا اس طور پر ذکر کریں کہ اس واقعہ کی تصدیق بظاہر پائی جاتی ہو تو واقعہ کی تصدیق کے لیے کچھ مفید نہیں ہے۔ اس سے زیادہ نہیں کہ یہ خیال کیا جائے کہ اس عالم نے اس خبر کی تحقیق اور تنقیح نہیں کی اور بغیر غور و تحقیق کے اسے لکھ دیا۔ خصوصاً متکلمین کہ جو اعتراضوں کا جواب دینے میں بہت کچھ رائے اور قیاس کو دخل دیتے ہیں اور جواب دینے کے خیال میں پڑ جاتے ہیں اور علی سبیل التسلیم والفرض جواب دینے لگتے ہیں جس سے مخالفین کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ روایت صحیح ہے اور ایسے شبہ کو دھوکہ دینے کے لیے پرزور تقریروں میں ظاہر کرتے ہیں۔ یہی حال ان اقوال کا ہے جو علمائے امامیہ نے اس باب میں نقل کیے ہیں۔ اور نہ ہونا مسلسل روایت کا اس کے عدم صحت کے ثبوت میں کافی ہے۔ مگر ہم اپنی کتاب کے ناظرین کے اطمینان کے لیے ان اقوال سے بھی بحث کرتے ہیں تا کہ یہ ناقلین کی بے اعتباری یا ان کی عدم واقفیت یا ان کا فن حدیث سے ماہر نہ ہونا معلوم ہو جائے کہ یہی وجوہ ہیں جن سے اس قسم کی روایتیں کتابوں میں درج ہو گئیں اور علمائے امامیہ کو عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کا موقع ملا۔

اس قسم کی روایتیں شافی سے لے کر ''طعن الرماح'' کے زمانے تک جو کچھ بیان کی گئی ہیں وہ اوپر ہم نقل کر چکے۔ اب ہم ان کا مختصر حال لکھتے ہیں، وہ روایتیں یہ ہیں:

۱۔ واقدی کی روایت جو علامہ حلی نے کتاب ''کشف الحق'' میں نقل کی ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعوے پر انہیں سند لکھ دینے کا ارادہ کیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مانع ہوئے۔

۲۔ معجم البلدان کی روایت جس کو ''احقاق الحق'' میں بیان کیا ہے اور جس میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اور مامون کے ردفدک کا حال ہے۔

۳۔ روایت جلال الدین سیوطی کی ''تاریخ الخلفاء'' کی ہے جو ''احقاق الحق'' میں نقل کی گئی ہے اور جس میں عمر بن عبدالعزیز کے ردفدک کا ذکر ہے۔

۴۔ ابوبکر جوہری کی روایت شرح ''نہج البلاغہ'' سے جس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا گواہی دیتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فدک عطا کیا تھا۔

۵۔ صواعق محرقہ کی متعلق دعویٰ ہبہ کے ہے جس کو ''عماد الاسلام'' اور ''طعن الرماح'' اور ''تشئید المطاعن'' میں نقل کیا ہے۔

٦۔ ملل ونحل شہرستانی، مواقف، شرح مواقف، نہایت العقول اور تفسیر کبیر کی روایت ہے جس میں دعویٰ ہبہ کا بیان ہے۔

۷۔ "معارج النبوت" ......"در مقصد اقصیٰ"...... "حبیب السیر" اور "روضة الصفا" کی روایت ہے۔

اب ان روایتوں کا حال سنیے کہ واقدی کی روایت محتاج بیان نہیں، واقدی کا حال اس تفصیل سے ہم لکھ چکے ہیں کہ ہر شخص اس کی روایت کو جھوٹی سمجھے گا اور اس روایت کے پیش کرنے والے پر تعجب کرے گا۔

معجم البلدان کی روایت جس میں عمر بن عبدالعزیز اور مامون کے ردفدک کا ذکر ہے اس کی پوری بحث ہم طرائف کی روایت میں کر چکے ہیں اور مامون کے ردفدک کی حقیقت ہم نے تفصیل سے اس طرح پر بیان کر دی ہے کہ اس کے غلط ہونے میں یقیناً کسی کو شبہ نہ رہے گا۔

شیخ جلال الدین سیوطی کی تاریخ الخلفاء میں متعلق فدک صرف ایک روایت ہے، احوال عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میں حاصل اس کا یہ ہے کہ مغیرہ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے بنی مروان سے کہا کہ فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اس سے بنی ہاشم کے بچوں کی اور بیواؤں کی اعانت

کرتے تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک مانگا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا۔ اسی طرح ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں رہا، مروان نے اس کو جاگیر بنالیا، پس تم لوگ گواہ رہو کہ میں فدک کو اس طرح کرتا ہوں، جیسا کہ زمانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ انتھی ملخصا۔ [1]

چونکہ تاریخ الخلفاء میں سوائے اس ایک روایت کے اور کوئی روایت فدک کے متعلق نہیں ہے، اور یہ روایت صریح بتارہی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک مانگا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا۔ فدک کی آمدنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس مصرف میں صرف فرماتے تھے شیخین رضی اللہ عنہما بھی اسی مصرف میں اسے خرچ کرتے تھے جس سے ہبہ فدک و دعویٰ ہبہ فدک بیخ و بن سے منہدم ہو گیا۔ لہٰذا ہبہ فدک یا دعویٰ ہبہ فدک پر تاریخ الخلفاء سے سند پیش کرنے کی نسبت سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ ارباب علم بلکہ اصحاب حیا کی شان سے بعید ہے۔ علاوہ اس کے تاریخ الخلفاء میں بیان حال یا غیر صحیح روایت نہ لکھنے کا التزام نہیں ہے، لہٰذا بجز ناقد بصیر اہل حق کے دوسرا کوئی اس سے استدلال نہیں کرسکتا ہے۔

ابوبکر جوہری کی روایت جو شرح ''نہج البلاغہ'' سے ''طعن الرماح'' میں نقل کی ہے، اس میں جناب مجتہد صاحب نے راوی کا نام چھوڑ دیا ہے تاکہ دیکھنے والے کو کوئی موقع روایت کی اصلیت دریافت کرنے کا نہ ملے۔ مگر اصل کتاب یعنی شرح ''نہج البلاغہ'' پر رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کے راوی ہشام بن محمد کلبی ہیں اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، جیسا کہ شرح ''نہج البلاغہ'' جلد دوم مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۹۵ میں اصل روایت یوں لکھی ہے:

((قال ابوبکر وروی هشام بن محمد عن ابیه قال قالت فاطمة لابی بکر

---

[1] **اصل الفاظ روایت یہ ہیں:** وعن مغيرة قال جمع عمر حين استخلف بنى مروان فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت له فدك ينفق منها ويعول منها على صغيرة بنى هاشم ويزوج منها ايمهم و ان فاطمة سالته ان يجعلها لها فابى فكانت كذلك حيوة ابى بكرثم عمر ثم قطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبدالعزيز فرأيت امرا منعه رسول الله ﷺ فاطمة فليس لى بحق و انى اشهد كم انى قد ردتها على ما كانت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ ۱۲۔
(تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۷ مطبوعہ مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۴ء ہجری)

ان ام ایمن تشھد...... الخ)) (باقی عبارت وہ ہے جو طعن الرماح سے اوپر ہم نقل کر چکے ہیں) اور ہشام بن محمد کلبی کے خطاب سے مشہور ہیں اور ان کے باپ بھی اس لقب سے معروف۔ اور یہ باپ بیٹے نہایت کٹر شیعہ اور جھوٹے اور غیر مستند تھے، چنانچہ ان کے باپ کا حال جو ابو ہشام کلبی کے نام سے بھی مشہور ہیں بحث آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ میں اوپر ہم لکھ چکے ہیں، ان کی روایتوں کا پیش کرنا۔ اگر زرارہ احول کی روایتیں سنیوں پر حجت ہو سکتی ہیں تو ہشام بن محمد کلبی اور ابو ہشام محمد بن السائب کلبی، یعنی ان باپ بیٹوں کی روایتیں بھی ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

''صواعق محرقہ'' کی ایک روایت تو وہ بیان کی گئی ہے جس میں زید بن علیؒ سے سوال کرنے اور ان کے جواب دینے کا ذکر ہے، اس کی حقیقت ہم اوپر بیان کر چکے۔ دوسرے ایک مقام پر انہوں نے ہبہ کے دعویٰ کا یہ جواب دیا ہے کہ نصاب شہادت نہیں تھا۔ اس میں صاحب صواعق محرقہ نے ہبہ کے دعوے کی روایت سے بحث نہیں کی، صرف علی التسلیم و الفرض اس کا جواب دیا ہے اور یہ عادت متکلمین کی ہے۔ اس میں انہوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ یہ روایت صحیح ہے جس طرح پر کہ انہوں نے اس کی تکذیب بھی نہیں کی۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ انہوں نے اس روایت کی اصلیت نہیں تحقیق کی اور اس طور پر جواب دیا ہے جس سے ضمناً اس دعوے کے پیش کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور یہ امر اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ وہ روایت فی نفسہ صحیح ہو۔ روایت کی تصحیح تو روایت کے بیان اور راویوں کی تنقیح پر منحصر ہے اور ہم اوپر نہایت مدلل طور پر اصل روایت کی تکذیب ثابت کر چکے۔

ملل و نحل شہرستانی اور مواقف کے قولوں کو نقل کرنے سے سوائے کتاب کے حجم بڑھانے کے اور کچھ فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ ملل و نحل شہرستانی نے کسی روایت کا بیان نہیں کیا، صرف یہ دو لفظ لکھے ہیں کہ تیسرا خلاف امر فدک میں ہے اور پیغمبر خدا ﷺ کے ارث میں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعویٰ کی نسبت کہ کبھی وراثتاً کیا اور کبھی ملکیت کا۔ پس یہ دو لفظ کہ ((تارۃ وراثۃ و تملیکا اخریٰ.)) کچھ اصل روایت کو ثابت نہیں کرتے۔ بلکہ غور کرنے سے

تملیکا اخری کے الفاظ بھی مشتبہ معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر خلاف تھا تو توریث میں، یعنی اس مسئلہ میں کہ آیا پیغمبر خدا ﷺ کے متروکہ میں میراث جاری ہوسکتی ہے یا نہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہ نہیں تھا کہ کوئی شخص اپنی ملکیت پر قابض رہ سکتا ہے یا نہیں، اس لیے اس موقع پر یہ الفاظ دعوے فاطمہ رضی اللہ عنہا وراثتا و تملیکا اخری مہمل اور بے معنی ہیں۔ سوائے اس کے جو دلیل بیان کی ہے: ((حتی دفعت عن ذلك بالرواية المشهورة)) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ کے نہ سنے جانے کی حدیث نحن معاشر الانبياء ہے اور یہ متعلق بمیراث ہے نہ کہ متعلق بهبة و تمليك۔ تملیکا اخری کے دعوے کے ثابت کرنے کے لیے یہ بھی لکھنا ضروری تھا کہ اس وجہ سے یہ دعویٰ نہ سنا گیا کہ شہادت پوری نہیں ہوئی۔

بہر حال ہر ایک غور کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ یہ الفاظ ہی مہمل اور بے معنی ہیں۔ بنا بریں ملل ونحل کے لکھنے والے شہرستانی بزرگوں میں سے ہیں جو خود عقائد میں متہم ہیں، جیسا کہ ابن تیمیہ نے ''منہاج السنۃ'' میں لکھا ہے:

((بل يميل الشهرستانى كثيرا الى اشياء من امور هم بل يذكر احيانا اشياء من كلام الاسما علية منهم بوجه ولهذا التهمة بعض الناس بانه من الاسماعلية و قديقل هو مع الشيعة بوجه و مع اصحاب الاشعرى بوجه وبالجملة فالشهرستانى يظهر الميل الى الشيعة ولايحتج به الامن هو جاهل و ان هذا الرجل الشهرستانى كان له بالشيعة المام واتصال وانه دخل فى اهوائهم بما ذكره فى هذا الكتاب يعنى الملل والنحل))

''یعنی شہرستانی اکثر شیعوں کی باتوں کی طرف میل کیا کرتا ہے بلکہ کبھی شیعوں کے فرقہ اسماعیلیہ باطنیہ کا کلام ذکر کرتا ہے، پھر اسی کی توجیہ بیان کرتا ہے اس سے بعض لوگوں نے اس کو اسماعیلیوں میں متہم کیا ہے۔ اور کبھی لوگ یہ بھی کہتے ہیں

کہ وہ ایک طرح شیعوں کے ساتھ ہے اور ایک طرح سے اہل سنت کے ہم خیال ہے۔ غرض کہ شہرستانی کا میل شیعوں کی طرف ظاہر ہوتا ہے اور اس سے جاہل شخص ہی احتجاج کر سکتا ہے۔ اس شہرستانی کو شیعوں کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور ان کے خیالات فاسدہ میں سرشار۔''

مواقف اور شرح مواقف کے قول جو نقل کیے گئے ہیں وہ خود اس قول کی تضعیف کرتے ہیں، اس لیے کہ اس نے فان قیل کے لفظوں سے شروع کیا ہے اور طالب علم تک اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ لفظ قول ضعیف کے ذکر میں استعمال کیا جاتا ہے اور بالفرض والتقدیر اور علی سبیل التسلیم جواب دینے کے مقام میں۔ علاوہ بریں صاحب مواقف اور اس کے شارح بلاشبہ علمائے متکلمین اہل سنت سے ہیں مگر حدیث وخبر میں صرف ان کا قول قابل سند نہیں ہے۔ غایت مافی الباب ان عالموں کا درجہ سنیوں میں ایسا سمجھ لینا چاہیے، جیسا کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کا شیعوں میں ہے۔ صرف خواجہ نصیر الدین طوسی کی روایتوں اور حدیثوں کو کوئی عالم علمائے شیعہ میں سے مستند اور قابل استدلال نہیں مانے گا جب تک کہ وہ حدیث نقل نہ کرے یا کسی حدیث صحیح پر ان کا قول مبنی نہ ہو۔ گو وہ کیسے ہی فلسفی، معقولی اور متکلم تھے۔ اور شارح مواقف کا کہنا کہ والصحیح ام ایمن اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس حدیث کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ اس بات پر دال ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس جھوٹی روایت کے بنانے والے کا لفظ ام کلثوم نہیں ہے بلکہ اس ذات والا صفات کا لفظ بجائے ام کلثوم کے ام یمن رضی اللہ عنہا ہے نہ کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، اس لیے کہ انہوں نے ام کلثوم کے بعد یہ کہا کہ والصحیح ام ایمن رضی اللہ عنہا۔ اور اس سے ایک بات اور معلوم ہوتی ہے جس سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ صاحب مواقف کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ علماء نے ام ایمن کا نام لکھا ہے، یا ام کلثوم کا اور غلطی سے وہ ام کلثوم لکھ گئے۔ اور چونکہ شارح مواقف اول شیعہ تھے اور بعد اسی کے سنی ہوئے اس لیے ان کو ان روایات پر خوب اطلاع تھی ان کو یہ غلطی بادی النظر میں معلوم ہوگئی اور اس کی اصلاح کر دی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے کل روایت کی صحت ثابت

کی اور اگر وہ اپنے نزدیک اس روایت کو صحیح سمجھ کر بھی بیان کرتے اور تسلیم کیا جائے کہ انہوں نے اسی لیے بیان کیا ہے تو وہ ان کا خیال ہے اور اس کا جواب صاف ہے کہ وہ خیال ان کا غلط تھا، اس لیے کہ یہ چیزیں قیاسی نہیں ہیں بلکہ خبر سے متعلق ہیں اور خبر کے لیے اس کی تصدیق ضروری ہے۔ واذ لیس فلیس.

امام رازی کی نہایت العقول اور تفسیر کبیر سے بھی روایت کی صحت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس میں بھی امام رازی نے جواب اعتراض کا دیا ہے اور تنقیح اصل دعوے کی نہیں کی اور نہ تصحیح اس بات کی کہ روایت جس میں ذکر ہبہ کا ہے شیعوں کی ہے یا سنیوں کی۔ اور اس طرح کے جواب دینے سے کسی عالم کے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ روایت فی نفسہ صحیح اور ثابت ہو اور یہی سبب ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں بھی جس کا حوالہ ''طعن الرماح'' اور ''تشئید المطاعن'' میں دیا ہے، بحث روایت سے نہیں کی اور اس کی تنقیح و تصحیح کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اس کا سبب یہ کہ وہ معقولی اور فلسفی تھے اور ایسے مباحث میں معقولی متکلمین کسی طرح نفس مطلب پر رجوع کرتے اور اعتراض کو مانا ہوا تسلیم کر کے اس کا جواب دیتے ہیں، وہ ان محدثین اور محققین میں سے نہیں ہیں جن کا قوال اخبار اور احادیث میں سند ہو اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ضمناً ان کے جواب دینے سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کی تکذیب پر متوجہ نہیں ہوئے۔ اور ہم از روئے اصول مقررہ فریقین کے یہ بات اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اخبار و احادیث میں کسی کا قول معتبر نہیں ہے گو وہ کیسا ہی مشہور عالم اور مصنف اور محدث ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اصل خبر اور نفس روایت دیکھنے کے لائق ہوتی ہے اور جن راویوں سے وہ بیان کی گئی ہے ان کے حالات کی تنقیح لازم ہے۔ اگر راوی ثقہ و معتبر ہوں اور ان پر کوئی الزام نہ لگایا گیا ہو وہ البتہ لائق لحاظ کے ہیں۔ اور پھر اس میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ خبر آحاد میں سے ہے یا مشہور، اور دوسرے صحیح اخبار اور مستند روایتوں کے متناقض ہے کہ نہیں، اور یہ کام محققین اور اہل فن کا ہے، اس لیے چند عالموں کی کتابوں میں سے چند عبارتیں نقل کر دینے سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

اگر کوئی حضرات امامیہ سے یہ کہے کہ ایسے مشہور عالموں کی روایتوں کے نہ ماننے سے جو کہ ائمہ اہل سنت سمجھے جاتے ہیں باب مناظرہ ہی بند ہو جاتا ہے اور صرف یہ جواب کہ وہ حدیث میں ماہر اور نقاد نہ تھے یا باوجود محدث ہونے کے ان سے خطا ہوگئی یا انہوں نے غلط اور ضعیف روایات کو تسلیم کر لیا، اسے چاہیے کہ اس کتاب کا چوتھا مقدمہ غور سے پڑھے کہ اس سے اس کو اس قسم کے خیالات کا کافی اور تسلی بخش جواب ملے گا۔

جو شہادت ہمارے یہاں کتابوں سے حضرات امامیہ نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے فدک کے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا پیش کی تھی اس کی حقیقت کہ وہ کہاں تک قابل ماننے کے ہے بہ تفصیل ہم نے بیان کر دی۔ اب ہم اس بات کو دکھاتے ہیں کہ خود شیعوں کی روایتیں اس دعوے کے متعلق ایسی متناقض اور مختلف ہیں کہ ان کا باہمی تناقض اور اختلاف ان کے دعوے کو باطل کرتا ہے۔

❀❀❀❀

تناقض اور اختلاف جو شیعوں کی ان روایتوں میں ہے جس میں ہبہ فدک کے دعویٰ کا ذکر کیا گیا ہے

تناقض ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اول ہم شیعوں کی روایتیں جو دعوۓ ہبہ فدک کے متعلق ہیں، بیان کریں، پھر ان کا تناقض دکھائیں۔ مفصلہ ذیل روایتیں شیعوں نے اس کے متعلق بیان کی ہیں۔

ا:......احتجاج طبرسی (1) قدیم مطبوعہ ایران صفحہ ۵۲ ذیل عنوان احتجــاج امیــر

(1) **اصل عبارت یہ ہے:** عن حماد بن عثمان عن ابی عبدالله قال لما بویع ابوبکر و استقام له الامر علی جمیع المهاجرین و الانصار بعث الی فدك من اخرج وکیل فاطمة بنت رسول الله ﷺ منها فجاء ت فاطمة الی ابی بکر ثم قالت لم تمنعنی میراثی من ابی رسول الله ﷺ و اخرجت وکیلی من فدك و قد جعلها لی رسو ل الله ﷺ بامر الله تعالیٰ فقال هاتی علی ذلك به شهود فجاء ت بام ایمن فقالت لااشهدیا ابا بکر حتی احتج علیك بما قال رسول الله ﷺ انشدك بالله الست تعلم ان رسول الله ﷺ قال ام ایمن امرأة من اهل الجنة فقال بلی قالت فاشهد ان الله عزوجل اوحلی الی رسول الله ﷺ فآت ذا القربی حقه فجعل فدك لفاطمة بامر الله فجاء علی فشهد بمثل ذلك فکتب لها کتابا فدفعه الیها فدخل عمر الکتاب من فاطمة رضی اللہ عنہا فتفل فیه ففرقه فخر جت فاطمة رضی اللہ عنہا تبکی فلما کان بعد ذلك جاء علی الی ابی بکر و هو فی المسجد و حوله المهاجرین والانصار فقال یا ابا بکر لما منعت فاطمة رضی اللہ عنہا میرا ثها من رسول الله و قد ملکته فی حیوة رسول الله ﷺ فقال ابوبکر هذا فئی للمسلمین فان اقامت شهودا ان رسول الله ﷺ جعله لها والا فلا حق لها فیه فقال امیر المومنین یا ابابکر تحکم فینا بخلاف حکم الله فی المسلمین فقال لا قال فان کان فی یدالمسلمین شئی یملکونه ثم ادعیت انافیه من تسئل البینة قال ایاك اسئل البینة قال فما بال فاطمة سلتها البینة علی مافی یدها وقد ملکته فی حیوة رسول الله ﷺ وبعد و لم تسئل المسلمین البینة علی ما ادعوها مشهودا کما سئلتنی علی مادعیت علیهم فسکت ابوبکر فقال عمر یا علی و عنا من کلامك فانا لا نقوی علی حجتك فان اتیت بشهود عدول والا فئی للمسلمین لا حق لك ولا لفاطمة رضی اللہ عنہا فیه قال فدمدم الناس و انکر بعضهم بعضا وقالوا صدق والله علی و رجع علی الی منزلة قال دخلت فاطمة رضی اللہ عنہا المسجد و طاقت بقرا بیها وهی تقول: قد کان بعد ابناء بنثبة الخ ۱۲۔
(احتجاج طبرسی جلد ۱ صفحه ۲۳۵۔ ۲۳۴ مطبوعه ایران ۱۴۲۴ء)

المومنین علی ، ابی بکر و عمر لما منع فاطمة الزهرا فدك بالكتاب والسنة میں بسند حماد بن عثمان امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے اور تمام مہاجرین وانصار پر پورے طور پر ان کی حکومت قائم ہوگئی تو انہوں نے فدک اپنا آدمی بھیجا اور اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل کو نکال دیا تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر کے پاس آئیں اور فرمایا کیوں تم مجھے باپ کی میراث سے محروم کرتے ہو اور کیوں میرے وکیل کو فدک سے نکال دیا؟ اس پر انہوں نے ان سے گواہ مانگے۔ اور اسی روایت میں بعد بیان شہادت کے لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سند لکھ دی اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چاک کر دیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئی چلی گئیں ((فلما كان بعد ذلك جاء علی الی ابی بكر و هو فی المسجدو حوله المهاجرون والانصار .)) اس کے بعد حضرت علی، ابوبکر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور ان کے...... پاس مسجد میں مہاجرین وانصار جمع تھے اور علی رضی اللہ عنہ نے آکر کہا کہ کیوں تم فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغمبر کی میراث سے منع کرتے ہو حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی مالک تھیں، ابوبکر نے کہا: یہ مال مسلمانوں کا ہے، اگر وہ گواہ پیش کریں تو ان کو ملے گا ورنہ ان کا حق نہیں، اس پر امیر المومنین نے فرمایا کہ اے ابوبکر! کیا تم ہمارے حق میں خدا کے حکم کے خلاف فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں تو آپ نے کہا کہ اگر کوئی چیز مسلمانوں کے قبضے میں ہو اور وہ اس کے مالک ہوں اور میں اس پر دعویٰ کروں تو تم کس سے گواہ مانگو گے؟ انہوں نے کہا تم سے، کہا یہ کیا سبب ہے کہ تم فاطمہ سے گواہ مانگتے ہو اس چیز کے متعلق جو ان کے قبضے میں ہے، اور جس کو وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور اس کے بعد مالک تھیں، اور مسلمانوں سے تم گواہ نہیں مانگتے کہ وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ سن کر ابوبکر چپ ہو رہے۔ تب عمر نے کہا کہ اے علی! یہ باتیں جانے دو کہ ہم تمہاری حجتوں پر غالب نہیں آسکتے۔ اگر تم گواہ عادل پیش کرو گے تو خیر، ورنہ یہ مال مسلمانوں کا ہے، نہ تمہارا حق ہے نہ فاطمہ کا۔ پھر آخر اسی قسم کی چند اور باتوں کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ حالت دیکھ کر لوگ غصے میں آئے اور بعض نے اس بات کو بہت برا جانا اور کہا: واللہ! علی سچ کہتے

ہیں۔علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر چلے آئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا مسجد نبوی میں تشریف لے گئیں اور اپنے آپ کو باپ کی قبر پر گرا دیا اور یہ اشعار پڑھنے لگیں: ((قد کان بعدك انباء هنبثة ......الخ)) اس کے بعد اس روایت میں یہ بیان ہے کہ ابوبکر وعمر نے یہ حالت دیکھ کر اور آئندہ کا خوف کر کے ارادہ کیا کہ علی کو قتل کرا دیں۔ اور اس کے لیے خالد کو تجویز کیا، اس کا بیان ہم اپنے موقع پر کریں گے۔

۲:......"علل الشرائع والاحکام" [1] تالیف شیخ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسنی بن موسیٰ بن بابویہ قمی کی بات صدو پنجاہ و یکم مطبوعہ ایران صفحہ ۸۶ میں ایک حدیث علی بن ابراہیم نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابن عمیر سے اور انہوں نے ایک اور راوی سے امام جعفر صادق کی یہ بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب ابوبکر نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک سے روکا اور ان کے وکیل کو نکال دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور ابوبکر وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے گرد مہاجرین وانصار جمع تھے تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم نے کیوں فاطمہ رضی اللہ عنہا کو روکا اس چیز سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دی تھی اور ان کا وکیل اس پر برسوں سے قابض تھا۔ ابوبکر نے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کے لیے فے ہے، اگر وہ شاہد عادل لائیں تو خیر ورنہ فاطمہ کا اس میں کچھ حق نہیں ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا ہمارے لیے برخلاف اس کے حکم دو گے جو اور مسلمانوں کے لیے تم حکم دیتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں، تب آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور میں دعویٰ کروں تو تم کس سے گواہ مانگو گے،

[1] قال حدثنا علی بن ابراهيم عن ابيه عن ابن ابی عمير عمن ذكره عن ابی عبدالله قال لما منع ابوبكر فاطمة فدكا واخرج وكيلها جاء امير المومنين الی المسجد و ابوبكر جالس و حوله الهماجرون والانصار فقال يا ابابكر كم منعت فاطمة ماجعله رسول الله لها و وكيلها فيه منذ سنين فقال ابوبكر هذا فئی للمسلمين فان اتت بشهود عدول والا فلا حق لها فيه قال يا ابا بكرا تحكم فينا بخلاف ما تحكم فی المسلمين قال لا قال اخبرنی لو كان فی يدالمسلمين شئی فادعيت انا فيه فممن كنت تسئل البينة قال ياك كنت اسئل، قال فاذا كان فی يدی شئی فادعی فيه المسلمون تسئلنی فيه البينة قال فسكت ابوبكر وقال عمر هذا فئی للمسلمين و لسنافی خصومتك فی شئی قال فبكی الناس وتفرقوا و مدموا ۱۲۔ (علل الشرائع)

ابوبکر نے کہا تم سے۔علی نے کہا کہ جو چیز میرے ہاتھ میں ہو اور مسلمان اس پر دعویٰ کریں تو تم مجھ سے گواہ مانگو گے! ابوبکر یہ سن کر چپ ہو رہے، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مال مسلمانوں کا ہے اور ہم تمہارے جھگڑے کی باتیں نہیں سنتے، پھر اس پر اور باتیں ان کے آپس میں ہوئیں جسے سن کر لوگ رونے لگے اور بصلاح عمر کے ابوبکر نے علی کے قتل کا ارادہ کیا جس کی تفصیل اس روایت میں ہے اور اس کو ہم اپنے موقع پر بیان کریں گے۔

(یہ روایت ترجمہ اردو علل الشرائع صفحہ ۱۴۵۔۱۴۶ مطبوعہ لکھنؤ پر بھی موجود ہے)

۳:......روایت یہ کہ [1] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور ان سے فدک کا مطالبہ کیا اور بہت سی بحثوں کے بعد ابوبکر قائل ہوئے اور فدک کی سند فاطمہ کے لیے لکھ دی، حضرت علی اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کی اس پر گواہی ہوئی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس سند کو لے کر باہر نکلیں عمر ان کو ملے اور پوچھا کہ آپ کہاں سے آئی ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ابوبکر کے پاس سے اور سند لکھ دینے کا بھی ذکر کیا، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ذرا مجھے دکھایئے۔آپ نے وہ کاغذ عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا، عمر نے اس پر تھوک دیا اور اس کو مٹا دیا۔ پھر علی فاطمہ کو ملے اور پوچھا کہ اے بنت رسول اللہ! کیوں تم غصے میں ہو؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جو کچھ عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((ماركبوا منى و من ابيك اعظم من هذا.)) کہ ان لوگوں نے میرے حق میں اور تمہارے باپ کے حق میں اس سے بڑھ کر دوسری بات نہیں کی...... الیٰ اخر القصه۔ (بحار الانوار صفحہ ۹۶ از مصباح الانوار)

۴:...... بحار الانوار کتاب الفتن مطبوعہ ایران صفحہ ۱۰۱ میں کتاب الاختصاص سے بسند

---

[1] اصل عبارت یہ ہے: عن ابی جعفر قال دخلت فاطمة بنت محمد ﷺ على ابى بكر فسأله فدكا قال النبى ﷺ لايورث فقالت قال الله تعالىٰ و ورث سليمان داؤد فلما حاجته امر ان يكتب لها وشهد على بن ابى طالب و ام ايمن فخرجت فاطمة رضی اللہ عنہا فاستقبلها عمر فقال من اين جئت يا بنت رسول الله ﷺ قالت من عند ابى بكر من شان فدك قد كتب لى بها فقال عمر هاتى الكتاب فاعطه فبصق فيه و محاه عجل الله جزاء فاستقبلها على فقال مالك يا بنت رسول الله ﷺ فذكرت لماصنع عمر فقال ماركبوا منى و من ابيك اعظم من هذا۔ ۱۲ (بحارالانوار)

عبداللہ بن سنان ❶ کے امام کے امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب پیغمبر خدا ﷺ نے وفات

❶ عن عبدالله بن سنان عن ابی عبدالله قال لما قبض رسول الله ﷺ و جلس ابوبکر مجلسه بعث الی وکیل فاطمة فاخرجه من فدك فاتته فاطمة فقالت یا ابا بکر ادعیت انك خلیفة ابی و جلست مجلسه دانت بعثت الی وکیلی فاخرجته من فدك و قد تعلم ان رسول الله ﷺ صدق بها علی و ان لی بذلك شهودا فقال ان النبی ﷺ لایورث فرجعت الی علی فاخبرته فقال ارجعی الیه قولی زعمت ان النبی لایورث وورث سلیمان داؤد وورث یحییٰ زکریا و کیف لا ارث انا ابی فقال عمر انت معملة قالت و ان کنت معملة فانما علمنی ابن عمی فقال ابوبکر فان عائشة تشهد و عمر انهما سمعا رسول الله ﷺ و هو یقول ان النبی لایورث فقالت هذا اول شهادة زور شهد به فی الاسلام ثم قالت فان فدك انما هی صدق بها علی رسول الله ﷺ ولی بذلك بینة فقال لها هلمی ببینتك قال فجاء ت بام ایمن و علی فقال ابوبکر یا ام ایمن انك سمعت من رسول الله ﷺ یقول فی فاطمة فقالت سمعته رسول الله ﷺ یقول ان فاطمة سیدة نساء اهل الجنة ثم قالت ام ایمن فمن کانت سیدة نساء اهل الجنة تدعی مالیس لها وانا امرأة من اهل الجنة ماکنت لاشهد بما لم اکن سمعت من رسول الله ﷺ فقال عمر دعینا یا ام ایمن من هذه القصص بای شئی تشهدین فقالت کنت جالسة فی بیت فاطمة و رسول الله ﷺ جالس حتیٰ نزل علیه جبرئیل فقال یا محمد قم فان الله تبارك و تعالیٰ امرنی ان اخط لك فدکا بجناحی فقام رسول الله ﷺ مع جبرئیل فمالبث ان رجیع فقالت فاطمة یا ابی این ذهبت فقال خط جبرئیل لی فدکا بجناحیه وحدلی حدودها فقالت یا ابت انی اخاف العیلة والحاجة من بعدك فصدق بها علی فقال هی صدقة علیك فقهضتها قالت نعم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا ام ایمن اشهدی ویا علی اشهد ثم خرجت و حملها علی اتان علیه کساء حمل فداء بها اربعین صباحا فی بیوت المهاجرین ولا انصار والحسن و الحسین معها وهی تقول یا معشر المهاجرین والانصار نصروا الله ابنة نبیکم وقد بایعتم رسول الله ﷺ یوم بایعتموه ان تمنعوه وذریة مماتمنعون منه انفسکم وذراریکم ففوا الرسول ﷺ بیعتکم قال فما اعاننا احد ولا اجابها والا نصرها قالت فانتهیت الی معاذ بن جبل فقالت یا معاذ بن جبل انی قد جئتك مستنصرة وقد بایعت رسول الله ﷺ علی ان تنصر وه وذریة و تمنعه مماتمنع ذریتك و ان ابا بکر قد غصبنی علی فدك و اخرج و کیلیی منها قال فمعی غیری قالت لا ما اجابنی احد قال فاین ابلغ من نصرك قال فخرجت من عندنا ودخل ابنه فقال ماجاء ابنة محمد الیك قال جاء ت تطلب نصرتی علی ابی بکر فانه اخذ منها فدکا قال فما اجبتهابه قال قلت وما یبلغ من نصرتی انا وحدی قال فابیت ان تنصرها قال نعم قال فای شئی قالت لك قال قالت لی والله لا نازعنك الفصیح من راسی حتی ارد علی رسول الله ﷺ اذا لم تجب ابنة محمد ﷺ قال و خرجت فاطمة وهی تقوی والله لا اکلمك کلمة حتی اجتمع انا وانت عند رسول الله ﷺ ثم انصرفت، فقال علی رضی اللہ عنہ لها ایتها ابا بکر وحده فانه ارق من الاخر وقولی ادعیت مجلس ابی وانك خلیفة وجلست مجلسه ولوکانت فدك ثم استوهبتها منك لوجب ردها علی فلما اتته وقالت له ذلك قال⇦⇦

پائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل کو فدک سے نکال دیا۔ تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئی اور کہا کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ میرے باپ کے خلیفہ ہو، اور ان کے مقام پر بیٹھے ہو، تم نے اس بات کے جاننے کے باوجود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے فدک دے گئے تھے میرے وکیل کو نکال دیا حالانکہ اس کے میرے پاس گواہ موجود ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ علی کے پاس گئیں اور ان سے یہ سب حال کہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو صلاح دی کہ تم پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوتا، حالانکہ سلیمان داؤد کے اور یحییٰ زکریا کے وارث ہوئے، تو میں اپنے باپ کی وارث کیوں نہیں ہوسکتی؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم سکھلائی گئی ہو؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: گو میں سکھلائی گئی ہوں مگر کس نے مجھے سکھلایا ہے؟ میرے ابن عم علی نے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عائشہ اور عمر دونوں گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ النبی لا یورث ، فاطمہ نے کہا کہ یہ پہلی جھوٹی شہادت ہے جو اسلام میں دی گئی۔ تب حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ فدک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا ہے اور میں اس پر گواہ بھی رکھتی ہوں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اچھا گواہی پیش کرو تو وہ ام ایمن رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ کو لائیں۔ ابوبکر نے کہا کہ اے ام ایمن! کیا تم نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو فاطمہ کہتی ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے سنا ہے اور کیا تم نے نہیں سنا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیّدہ زنان جنت ہیں تو کیا جو سیدہ نساء اہل جنت ہو وہ اس چیز کا دعویٰ کرے گی جو اس کی نہ ہو؟ اور میں ایک عورت اہل جنت سے ہوں، کیا میں وہ گواہی دوں گی جو میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ باتیں چھوڑ اور کہو کہ کیا تم

⇦⇦ صدقت قال فدعا بکتاب فکتبه لها برد فدك فخرجت والکتاب معها فلقیها عمر فقال یا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ماهذا الکتاب الذی معك؟ فقالت کتاب لی ابوبکر و فدك فقال هلمیه الی فابت ان تدفعه الیه فرسها برجله و کانت حاملة بابن اسمه المحسن فاسقطت المحسن من بطنها ثم لطمها فکانی انظر الی قرط کان فی اذنها حین نقضها ثم اخذ الکتاب فخرقه فمضت و مکثت خمسة و سبعین یوما مریضة مماضربها عمر ثم قبضت۔ ۱۲ (بحارالانوار)

گواہی دیتی ہو، تو ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد! اٹھو! تا کہ بموجب حکم خدا کے میں فدک کی حد بندی اپنے پروں سے کر دوں۔ آپ اُٹھے اور جبرئیل علیہ السلام آپ کے ہمراہ ہوئے، کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ آپ واپس تشریف لائے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے فدک کے حدود بتائے اور اس پر خط کھینچ دیا، تب حضرت فاطمہ نے فرمایا: ((یـا ابـت انی اخاف العیلة والحاجة من بعدك فصدق بها علی فقال هی صدقة علیك فقبضتها .)) کہ اے میرے باپ میں افلاس اور محتاجی سے آپ کے بعد ڈرتی ہوں، یہ فدک مجھے دے دیجیے۔ آپ نے فرمایا: اچھا یہ تمہارے لیے عطیہ ہے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اس پر گواہ رہو۔ اسی روایت میں پھر یہ ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فاطمہ کو سوار کرا کے چالیس دن رات مہاجرین وانصار کے گھر پھرے اور کسی نے ہمدردی نہ کی اور پھر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے مدد چاہی، انہوں نے بھی انکار کیا اور کہا کہ میں تنہا ہوں، پس فاطمہ ان سے خفا ہو کر چلی آئیں ......الی آخر القصة .

۵:......ملا باقر مجلسی نے کتاب بحار الانوار میں ایک روایت بحوالہ کشکول علامہ کے مفضل بن عمر [1] سے نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میرے آقا امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب

---

[1] روی العلامه فی کشکولها لمنسوب الیه عن المفضل بن عمر قال قال مولای جعفر صادق لما ولی ابوبکر ابن ابی قحافة قال له عمر ان الناس عبید هذه الدنیا لایریدون غیرها فامنع عن علی واهل بیته الخمس والفئی و فدکان شیعته اذا علموا ذلك ترکو اعلیا علیه السلام واقبلوا الیك رغبة فی الدنیا وایثار اما ومحاماة علیها ففعل ابوبکر ذلك و صرف عنهم جمیع ذلك فلما قال ابوبکر بن ابی قحافة منادیا من کان له عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم دین اوعدة فلیا تنی حتی اقضیه والجزلجابرین عبدالله والجریر بن عبدالله البجلی قال علی لفاطمة صیری الی ابی بکر واذ کربه فدکا فصارت فاطمة الیه و ذکرت له فدکا مع الخمس والفی فقال هاتی بینة یا بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقالت اما فدك فان الله عزوجل انزل علی نبیه قرآنا یامر فیه بان یوتینی وولدی حقی قال الله تعالیٰ وات ذا القربی حقه فکنت انا ⇦⇦⇦

ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آدمی دنیا کے دلدادہ ہیں، اس لیے علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے خمس اور فے اور فدک کو روک دو کیونکہ ان کے یار یہ امر جان جائیں گے تو علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا لینے کی غرض سے ہماری طرف رجوع کریں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ منادی کرائی کہ جس کسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض ہو یا کوئی وعدہ ہو تو وہ میرے پاس آئے کہ میں اس کو ادا کروں گا۔ اور جابر اور جریر بجلی کا وعدہ پورا

⇦⇦ و ولدی اقرب الخائق الی رسول الله ﷺ فنحلنی و ولدی فدکا فلما تلا علیه جبرئیل المسکین و ابن السبیل قال رسول الله ﷺ ما حق المسکین و ابن السبیل فانزل الله تعالیٰ واعلموا انما غنمتم من شئی الخ فقسم الخمس علی خمسة اقسام فقال ما افاء الله علی رسوله من اهل اقری فلله والرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین و ابن السبیل کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم فما لله فهو لرسوله وما لرسول الله فهو لذی القربی ونحن ذوی القربی قال الله تعالیٰ قل لا اسئلکم علیه اجر الا المودة فی القربی فنظر ابوبکر بن ابی قحافة الی عمر ابن الخطاب و قال ما تقول فقال عمر و من الیتامی و المساکین وابناء السبیل فقالت فاطمة الیتامی الذین یاتمون بالله ورسوله و بذی القربی والمساکین الذین اسکنوا معهم فی الدنیا والا خرة و ابن السبیل الذی یسلك مسلکهم قال عمر فاذا الخمس والفئی کله لکم ولمو الیکم ولا شیاعکم فقالت فاطمة اما فدك فاوجبها الله لی ولولدی دون موالینا و شیعتنا واما الخمس فقسمه الله لنا ولموا لینا و اشیا عنا کما فقرأ فی کتاب الله قال عمر فما السائر المهاجرین والانصار التابعین باحسان قالت فاطمة ان کا نوا موالینا و من اشیا عنا فلهم الصدقات التی قسمها الله واوجبها فی کتابه فقال عزوجل انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم و فی الرقاب الی آخر القصة قال عمر فدك خاصة والفئی لکم ولا ولیائکم ما احسب اصحاب محمد یرضون بهذا قالت فاطمة فان الله عزوجل رضی بذلك ورسوله رضی به قسم علی الموالات و المتبعة لا علی المعاداة والمخالفة ومن عادانا فقد عاد الله و من خالفنا فقد خالف الله و من خالف الله فقد استوجب من الله العذاب الالیم والعقاب الشدید فی الدنیا والاخرة فقال عمرهاتی ببینة یا بنت محمد ﷺ علی ما تدعین فقالت فاطمة قدصد قتم جابر بن عبدالله و جریر بن عبدالله ولم تسئلو هما البینة و بینتی فی کتاب الله فقال عمران جابرا وجریرا ذکرا امرا هینا وانت تدعین امرا عظیما یقع به الردة من المهاجرین والا نصار فقالت ان المهاجرین برسول الله واهل بیت رسول الله هاجروا الی دینه والا نصار بالایمان بالله ورسوله وبذی القربی احسانا فلاهجرة الا الینا ولانصرة الامناولا اتباع باحسان الابنا و من ارتد عنافالی الجاهلیة فقال لها عمر وعینا من ابا طیلك واحضرینا من یشهد لك بما تقولین فبعث الی علی والحسن والحسین وام ایمن و اسماء بنت عمیس و کانت تحت ابی بکر بن ابی قحافه فاقبلوا الی ابی بکر و شهد والها بجمیع ما قالت وادعته فقال اما علی فزوجها و اما الحسن و الحسین ابناها وام ایمن فمولاتها واما اسماء بنت ⇦⇦

بھی کیا۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر فدک کا ذکر کرو، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فدک اور فے اور خمس کا ذکر کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ گواہ لاؤ۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ فدک کو تو خداوند تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ اس کو مجھے اور میری اولاد کو دے دو، یعنی یہ آیت ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ میں اور میری اولاد رسول اللہ کی سب سے زیادہ اقرب تھے تو آپ نے مجھے اور میری اولاد کو فدک عطا کر دیا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے پھر اس کے بعد مسکین اور ابن سبیل کو پڑھا تو آپ نے پوچھا کہ مسکین اور ابن سبیل کا کیا حق ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ نازل کی، پھر خمس کے پانچ حصے لیے اور فرمایا کہ ﴿مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی.... الخ﴾ جو اللہ کے لیے ہے وہ اس کے رسول کا ہے اور جو رسول کے لیے ہے وہ ہم قرابت داروں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُلْ لَّآ اَسْاَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ ابوبکر نے عمر رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم کیا کہتے ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یتیم اور مسکین اور ابن سبیل کون لوگ ہیں؟ فاطمہ نے کہا یتیم وہ لوگ ہیں جو اللہ اور رسول اور ذوی القربیٰ سے یتیم ہوں اور

⇦⇦⇦ عمیس فقد كانت تحت جعفر بن ابی طالب فهی تشهد لبنی هاشم و قد كانت تخدم فاطمه و كل هولاء بجزون الی انفسهم فقال علی اما فاطمة فبضعة من رسول الله ﷺ و من اذاها فقداذی رسول الله ﷺ و من كذبها فقد كذب رسول الله و اما الحسن والحسين فابنا رسول الله و سيدا شباب اهل الجنة من كذب فقد كذب رسول الله اذ كان اهل الجنة صادقين و امام انا فقد قال رسول الله ﷺ انت منی و انا منك وانت اخی فی الدنيا ولآخرة الراد عليك هوالراد علی من اطاعك فقد اطاعنی و من عصاك فقد عصانی و اما ام ايمن فقد شهد لها رسول الله ﷺ بالجنة و دعا لاسماء بنت عميس و ذريتها فقال عمر انتم كما وصفتم به لانفسكم ولكن شهادة الجارالی نفسه لاتقبل فقال علی اذاكنا نحن كما تعرفون ولاتنكرون و شهادتنا لا نفسنا لاتقبل و شهادة رسول الله لاتقبل فانا لله وانا اليه راجعون اذا اوعينا لانفسنا تسأ لنا البينة فما من معين يعيين و قد وثبتم علی سلطان علی سلطان الله و سلطان رسوله فاخر جتموه من بيته الی بيت غيره من غير بينة الاحجة وسيعلم الذين ظلموا ای منقلب ينقلبون۔ ثم قال لفاطمة انصر فی حتی يحكم الله بيننا و هو خير الحاكمين۔ ۱۲

(بحارالانوار صفحه ۱۰۲)

مسکین وہ ہیں جو ان کے ساتھ دنیا اور آخرت میں رہے ہوں، اور ابن سبیل وہ ہے جو ان کا طریق چلتا ہو۔ عمر نے کہا تو خمس اور فے سب تمہارا اور تمہارے احباب اور شیعوں کا ہوا، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ فدک تو اللہ نے میرے اور میرے بچوں کے لیے کر دیا ہے، اس میں احباب اور شیعوں کا کچھ نہیں، اور خمس کو ہم میں اور ہمارے احباب میں تقسیم کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اور تمام مہاجرین اور انصار و تابعین باحسان کے لیے کیا ہوگا؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر وہ ہمارے احباب میں سے ہیں تو ان کے لیے وہ صدقات ہیں جن کی خدا نے تقسیم کی ہے، یعنی اس آیت میں ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَ الۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَ فِي الرِّقَابِ﴾ عمر نے کہا کہ فدک تو تمہارا خاص ہوا اور فے تمہارا اور تمہارے احباب کا ہوا، میں نہیں سمجھتا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی ہو جائیں گے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ اور رسول تو اس پر راضی ہو چکے اور محبت اور متابعت ہی پر اس کی تقسیم کی ہے نہ عداوت اور مخالفت پر۔ وہ ہم سے عداوت کرتا ہے جو ہمارا مخالف ہے، وہ خدا کا مخالف ہے اور جو خدا کا مخالف ہے تو وہ خدا کی طرف سے عذاب الیم کا دنیا اور آخرت میں مستحق ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم جس کا دعویٰ کرتی ہو اس کے گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے کہا کہ تم نے جابر اور جریر کی تصدیق کی اور ان سے گواہ نہ طلب کیے اور میرا گواہ کتاب اللہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جابر اور جریر نے تھوڑی سی شے کا ذکر کیا تھا اور تم تو بہت بڑا دعویٰ پیش کرتی ہو جس سے مہاجرین اور انصار مرتد ہو جائیں گے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جو مہاجر رسول اللہ اور آپ کے اہل بیت کے ساتھ ہیں تو انہوں نے تو ان کے دین کی طرف ہجرت کی ہے، اور انصار وہ ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور ذوی القربیٰ کے ساتھ احسان کریں تو ہجرت بھی ہمارے لیے ہوئی اور نصرت بھی، اور اتباع باحسان بھی ہمارے نہیں ہوسکتا۔ اور جو ہم سے مرتد ہو جائے تو وہ جاہلیت میں جا ملے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ فضول باتیں چھوڑو اور گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے علی و حسنین و ام ایمن و اسماء کو بلوا بھیجا، ان سب نے آپ کے دعوے کی پوری پوری گواہی دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زوج ہیں اور حسنین بیٹے ہیں اور ام ایمن ان کی

محبّ اور اسماء پہلے جعفر بن ابی طالب کی بیوی تھیں تو وہ تو بنی ہاشم ہی کی گواہی دیں گی اور اب فاطمہ کی خدمت کرتی ہیں، اور یہ سب اپنا نفع چاہتے ہیں، علی نے کہا کہ فاطمہ تو ایک جزء رسول اللہ ﷺ ہیں جوان کو ایذا دے گا وہ رسول اللہ کو ایذا دیتا ہے اور جو ان کی تکذیب کرتا ہے وہ رسول اللہ کی تکذیب کرتا ہے۔ اور حسنین رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں اور جوانانِ جنت کے سردار ہیں جو ان کی تکذیب کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتا ہے، کیونکہ اہل جنت صادق ہوتے ہیں اور میری شان میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں اور تو میرا دنیا و آخرت میں بھائی ہے، جو تجھ پر رد کرتا ہے وہ مجھ پر رد کرتا ہے اور جو تیری اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے، اور جو تیری نافرمانی کرتا ہے، وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جنت کی گواہی دی ہے اور اسماء رضی اللہ عنہا اور اس کی اولاد کے لیے آپ نے دعا دی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو تعریف تم کرتے ہو تم ویسے ہی ہو لیکن جار کی شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ علی نے کہا کہ جب ہم ایسے ہیں جیسا تم جانتے ہو اور انکار نہیں کرتے اور پھر ہماری شہادت ہمارے لیے مقبول نہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت مقبول ہے تو ((انا للہ و انا الیہ راجعون)) ہم نے اپنے لیے دعویٰ کیا تو تم ہم سے گواہ مانگتے ہو اور ہمارا کوئی معین نہیں کہ وہ گواہی دے اور تم لوگوں نے اللہ کے سلطان پر جسارت کی اور اس کو اس کے گھر سے غیر کے گھر کی طرف بے گواہ و حجت کے نکالا: ﴿وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون﴾ پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ چلو خدا ہی ہمارا فیصلہ کرے گا۔ ((وھو خیر الحاکمین)) (بحار الانوار صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲)

۶:...... احتجاج طبرسی اور شیعوں کی دوسری کتابوں میں ایک خطبہ لکھا ہے جو خطبہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نام سے مشہور ہے اور جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ کو جب خبر ہوئی کہ ابوبکر نے فدک سے محروم کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تو وہ مسجد نبوی میں ابوبکر کے پاس آئیں اور بہت بڑا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد کیا، جس میں ان کے ظلموں کی شکایت کی اور آیات قرآنی اور دیگر حجتوں سے ابوبکر کی ملامت کی اور اپنے حق ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ سعی کا اٹھا نہ رکھا۔

اس خطبہ کو چونکہ بہت بڑا ہے ہم آئندہ موقع پر بیان کریں گے، مگر اس میں کچھ ذکر ہبہ فدک کا یا اپنے قبضہ کا اس پر نہیں فرمایا، جو کچھ فرمایا وہ میراث کے متعلق ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ اس تقریر میں آپ نے فرمایا: ((انتم الآن تزعمون ان الارث لنا افحکم الجاهلية تبغون يا ابن ابی قحافة فی کتاب الله ترث اباك ولا ارث ابی لقد جئت شيئا فريا افعلی عمد ترکتم کتاب الله و نبذتموه وراء ظهرکم اذ يقول وورث سليمان داؤد...... الخ)) کہ تم گمان کرتے ہو کہ ہم کو میراث نہیں مل سکتی کیا جاہلیت کا حکم چلاتے ہو؟ اے ابوبکر! کیا خدا کی کتاب میں یہ ہے کہ تم اپنے باپ کے وارث ہو اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ ملے؟ کیا جان بوجھ کر تم نے خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا اور اسے پس پشت پھینک دیا، خدا تو صاف فرماتا ہے کہ سلیمان عَلَیہِ السَّلام وارث ہوئے اپنے باپ داؤد عَلَیہِ السَّلام کے، اور زکریا نے خدا سے دعا کی کہ الٰہی مجھے اولاد دے جو میری اور آل یعقوب عَلَیہِ السَّلام کی وارث ہو، باوجود اس کے تم سمجھتے ہو کہ نہ میرا کچھ حق ہے نہ مجھے باپ کی میراث مل سکتی ہے، خیر خدا تم سے سمجھے اور قیامت کے دن تم کو معلوم ہو جائے گا۔

۷:......بحارالانوار کے صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے کہ روایت کی گئی ہے کہ [1] فاطمہ، ابوبکر رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں اور پوچھا کہ تمہارا وارث کون ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ میری اہل اور اولاد۔ آپ نے فرمایا کہ پھر میں کیوں اپنے باپ کی وارث نہ ہوں؟ تب انہوں نے جواب دیا کہ پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا، لیکن میں اسی کام میں صرف کروں گا جس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کرتے تھے اور انہیں دوں گا جن کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دیا کرتے تھے۔ تب آپ نے فرمایا کہ قسم ہے خدا کی جب تک میں زندہ رہوں گی ایک بات بھی تم سے نہ کروں گی، اور پھر جب تک زندہ رہیں انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات چیت نہ کی۔

---

[1] وروی ان فاطمة جاءت الی ابی بکر بعد وفاة رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت یا ابا بکر من یرثك اذا مت قال اهلی وولدی قالت فما لی لاارث رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ان النبی لایورث ولکن انفق علی من کان ینفق علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم واعطی ما کان یعطیه، قالت والله لاکلمك بکلمة ما حییت فما کلمته حتی ماتت ۱۲۔(بحارالانوار صفحه ۱۰۴)

۸:...... بحارالانوار میں لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ [1] فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور میراث کا مطالبہ کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ تو آپ علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس تشریف لائیں، علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر واپس لوٹ کر جاؤ اور کہو کہ پھر سلیمان داؤد کے کیوں وارث ہوئے، زکریا نے کیوں کہا کہ خدایا مجھے ایک ولی دے کہ جو میرا اور آلِ یعقوب علیہ السلام کا وارث ہو، مگر انہوں نے نہ سنا۔

۹:...... بحارالانوار میں جابر بن عبداللہ انصاری نے امام باقر سے روایت کی ہے کہ [2] علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ جاؤ اور اپنے باپ کی میراث کا مطالبہ کرو، اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ میرے باپ کی میراث مجھے دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ تب آپ نے فرمایا: کیا سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کے وارث نہیں ہوئے اس پر ابوبکر خفا ہوئے اور کہا کہ پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ تب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا زکریا علیہ السلام نے یہ نہیں کہا ﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ○ يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ اس پر بھی انہوں نے یہی جواب دیا کہ ((ان النبی لا یورث)) پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا خدا نے نہیں کہا ہے کہ ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ اس پر بھی انہوں نے یہی کہا کہ: النبی لا یورث۔

---

[1] وقیل جاء ت فاطمة الی ابی بکر فقالت اعطنی میراثی من رسول الله ﷺ قال ان الانبیاء لاتورث ما ترکوه فهو صدقة فرجعت الی علی رضی الله عنه فقال راجعی فقولی ما شان سلیمان ورث داؤد و قال زکریا فهب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب فابوا ابی ۱۲ بحارالانوار صفحه ۱۰٤۔

[2] وعن جابر بن عبدالله الانصاری عن ابی جعفر ان ابا بکر قال فاطمة النبی لایورث قالت قدورث سلیمان داؤد قال زکریا فهب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب فنحن اقرب الی النبی ﷺ من زکریا الی یعقوب و عن جعفر قال قال علی فاطمة انطلقی فاطلبی میراثك من ابیك رسول الله ﷺ فجاء ت الی ابی بکر فقالت اعطنی میراثی من ابی رسول الله ﷺ قال النبی لا یورث فقالت الم یرث سلیمان داؤد فغضب و قال النبی لا یورث یقالت الم یقل زکریا فهب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب فقال النبی لایورث فقالت الم یقل یوصیکم الله فی اولاد کم فللذکر مثل حظ الاتثیین فقال النبی لایورث۔ ۱۲ (بحارالانوار صفحه ۱۰٤)

۱۰:...... بحار الانوار میں لکھا ہے کہا ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ [1] پیغمبر کی وفات کے بعد فاطمہ فدک مانگنے کے لیے آئیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم سوائے سچ کے کچھ نہ کہو گی، لیکن گواہ لاؤ اس پر وہ علی رضی اللہ عنہ کو لے گئیں اور انہوں نے گواہی دی، پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا کو لے گئیں، انہوں نے بھی شہادت دی، اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک مرد عورت اور لاؤ تو میں فدک کی سند لکھ دوں۔

۱۱:...... احتجاج طبرسی صفحہ ۵۳ مطبوعہ تہران قدیم اور احتجاج طبرسی جلد ۱ صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ ایران ۱۴۲۴ء میں لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک سے محروم کر دیا تب آپ نے ان کو یہ خط لکھا:

((شقوا متلاطمات امواج الفتن بحيازيم سفن النجاة وحطوا تيجان اهل الفخر بجمع اهل الغدرو استضاؤ بنور الانوار، اقتسمو امواريث الطاهرات الابرار، واحتقبوا ثقل الاوزار، بغصبهم نحلة النبى المختار، فكانى بكم تتردد ونفى العمى، كما يترد د البعير فى الطاحونة، اما والله لواذن لى بما ليس لكم به علم لحصدت رؤسكم عن اجسادكم كحب الحصيد بقواضب من حديد، ولقلعب من جماجم شجعانكم ما اقرح به آماقكم وأو هش به محالكم، فانى منذ عرفت مردى العساكر، ومفنى الجحافل ومبيد خضر ائكم، ومخمد ضوضائكم، وجزار الدوا ين اذ انتم فى بيوتكم معتكفون وانى لصاحبكم بالا مسس لعمرابى لعن تحبوا ان

[1] وعن ابى سعيد الخدرى قال لما قبض رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم جاء ت فاطمة عليها السلام تطلب فدكا فقال ابوبكر انى لا علم ان شاء الله انك لن تقولى الا حقا ولكن هاتى ببينتك فجاء ت بعلى تشهد ثم جاء ت بام ايمن فشهدت فقال امرأة اخرىٰ او ر جلا فكتبت لك بها ١٢.

(بحارالانوار صفحه ١٤)

تكون فينا الخلافة والنبوة، وانتم تذكرون احقاد بدر و ثارات احد، اما والله لوقلت ما سبق من الله فيكم لتداخلت اضلاعكم فى اجوافكم كتداخل اسنان دوارة الرحى فان نطقت تقولون حسد، وان سكت فيقال ان ابن ابى طالب جزع من الموت، هيهات هيهات، الساعة يقال لى هذا؟ وانا لمميت المائت وخواض المنايا فى جوف ليل حالك، حامل سيفين الثقيلين، والرمحين الطويلين، ومنكّس الروايات فى غطمط الغمرات، مفرج الكربات عن وجه خير البريات، ايهنوافوالله، لا بن ابى طالب آنس بالموت من الطفل الى محالب امه هبلتكم الهوابل لوبحت بما انزل الله سبحانه فى كتابه فيكم لاضطربتم اضطراب الارشية فى الطوى البعيدة، ولخرجتم من بيوتكم هاربين وعلى وجوهكم مائمين، ولكنى اهون وجدى حتىٰ القيى ربى بيدجذاء صفراء من لذاتكم خلوا من طحناتكم، فما مثل دنياكم عندى الا كمثل غيم علا فاستعلىٰ ثم استغلظ فاستوى، ثم تمزق فانجلى، رويداً فعن قليل ينجلى لكم القسطل وتجنون ثمر فعلكم مرا، و تحصدون غرس ايديكم ذعافا ممقراً وسما قاتلا و كفى بالله حكيما، وبرسول الله خصيما، وبالقيامة موقفا، فلا بعد الله فيها سوا كم، ولا اتعس فيها غير كم، والسلام على من اتبع الهدىٰ.))

”یعنی پہلے تو تم فتنوں سے بچے اور فخر وغرور کو چھوڑ دیا اور نور نبوت کی روشنی میں آئے لیکن بالآخر تم نے اہل بیت پاک کی میراث لوٹ لی اور رسول اللہ ﷺ کا

عطیہ چھین کر بار گناہ سر پر لیا، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم گمراہی میں اس طرح ٹکراتے پھر رہے ہو جس طرح اونٹ چکی میں پھرتا ہے، خدا کی قسم! اگر مجھ کو اجازت ہوتی تو میں تلوار سے تمہارے سر اس طرح اڑا دیتا جس طرح کھیتی کاٹ کر ڈھیر کر دیتے ہیں، اور تمہارے بہادروں کو اس طرح قتل کرتا کہ تمہاری آنکھیں پھوٹ جاتیں اور تمہارے گھر وحشت ناک ہو جاتے، تم ابتدا سے مجھ کو جانتے ہو کہ میں نے فوجیں غارت کر دی ہیں، لشکروں کو تباہ کر دیا ہے، تمہاری سرسبز زمینیں تباہ کر دی ہیں، تمہارے ہنگاموں کو دبا دیا ہے، تمہارے بہادروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس وقت تم اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے تھے، کل تم نے مجھ کو اپنا سردار مان لیا تھا، لیکن قسم ہے کہ تم نے دل سے کبھی نہیں چاہا کہ ہمارے گھر میں خلافت اور نبوت دونوں رہنے پائیں، کیونکہ تم کو بدر کے کینے اور احد کے خون بہا کبھی نہیں بھولے، بخدا اگر میں خدا کے فیصلے کو جو تمہارے متعلق وہ کر چکا ہے ظاہر کر دوں تو تمہاری ہڈیاں پسلیاں اس طرح آپس میں ٹکرا جائیں جس طرح چکی کے دونوں پاٹوں کے دندانے مل جاتے ہیں، میں کچھ کہتا ہوں تو تم کہتے ہو کہ حسد سے کہتا ہوں اور چپ رہتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا موت سے ڈر گیا۔ افسوس صد افسوس! میں خود موت ہوں اور میری نسبت یہ کہا جاتا ہے، میں مرگ گمشدہ ہوں، میں اندھیری راتوں میں معرکوں میں گھس جانے والا ہوں، میں تیغ و سنان کا حامل ہوں، میں لڑائی کے ہنگاموں میں نیزوں کو ٹکرا کر توڑ دیتا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے مشکلیں ہٹا دی ہیں، ذرا ٹھہرو! خدا کی قسم! ابو طالب کا بیٹا موت سے اس قدر مانوس ہے جتنا بچہ ماں کی چھاتی سے۔ تم پر موت آئے خدا نے جو کچھ تمہاری شان میں کہا ہے اگر میں ظاہر کر دوں تو تم رسی کی طرح بل کھاؤ اور گھر چھوڑ کر بھاگو، ادھر اُدھر ٹکراتے پھرو، لیکن میں اپنے جوش کو دباتا ہوں اس وقت تک کہ اپنے خدا سے اسے حال میں ملوں کہ میرے

ہاتھ دنیا کی لذتوں سے (جس کو تم محبوب رکھتے ہو) خالی ہوں، کیونکہ تمہاری دنیا میرے نزدیک گویا ایک ابر ہے جو بلند ہوا پھر دلدار ہو کر ہر طرف چھا گیا، پھر پھٹ کر نکل گیا۔ ذرا ٹھہر جاؤ تھوڑی دیر میں غبار صاف ہو جائے گا اور تم اپنے کیے کا پھل پاؤ گے جو تلخ ہوگا، یا اپنے ہاتھوں کی بوئی ہوئی کھیتی کاٹو گے جو سم قاتل ہوگی۔ اور کافی ہے اللہ کا حاکم ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا مدعی ہونا اور میدان قیامت کا عدالت گاہ ہونا، خدا اس دن کسی کو تمہارے سوا اپنی رحمت سے دور نہ رکھے، اور تمہارے سوا کسی کو ہلاک نہ کرے، اور جو ہدایت کے پیچھے چلے اس پر سلام ہو......انتہی“

۱۲:......بحرالجواہر مصنفہ سید محمد باقر بن سید محمد مطبوعہ ایران صفحہ ۳۲۳ میں جعفر جعفی سے یہ روایت ہے کہ (1) ابوبکر نے اشجع بن مزاحم کو جو ایک شجاع آدمی تھا اور اس کا بھائی علی رضی اللہ عنہ کے

---

(1) اصل عبارت یہ ہے: ازجابر جعفی مروی است که ابوبکر صدقات دهات مدینه و فدك راغصب نموده بوو و سائرا طراف نواحی مدینه رادر عهدهٔ اشجع بن مزاحم ثقفی نموده واومردے بود دلیر و با علی رضی اللہ عنہ دشمن بعلت آنکه برادر او در جنگ هوازن بدست آنحضرت کشته شده بود وچون بیرون آمد اول، محلے راکه دست تعدی براو کشود مزرعه بوداز اهل بیت مسمیٰ بانقیا اهل مزرعه رسولے نزد آنحضرت فرستادند کیفیت را اعلام نمودند، آنحضرت ﷺ عمامه سیاه هے برسربست و دو شمشیر برمیان بست و براسپ صحاب سوار شدواسپ دیگر رابیدك کشیدو حسنین رضی اللہ عنہ وعمار و فضل بن عباس و عبدالله جعفر و عبدالله بن عباس رضی اللہ عنہم رابهمراه بردوچون مآں مزرعه رسید در مسجد فضا فرود آمد و امام حسین رابطلب اشجع فرستادوچون نزد او رفت فرمودا جب امیر المومنین ابن ملعون گفت کیست امیر المومنین فرمود علی گفت بلکه ابوبکر است که در مدینه و اگزاردهٔ اورا، باز حضرت فرمودا جب علیا، گفت من سلطانم واورعیت و احتیاج بمن دار دائو بیاید، حضرت امام حسین برگشت و کیفیت را عرض کرد فرمود بعمار تو برووااور ابرفق و مدارا بیار، پس عمار رفت و گفت مرحبایا اخاثقیف چه چیز ترابران داشته که با امیر المومنین بد سلوکی کنی و چیزیکه در تصرف اوست بگیری حال بیاوغدر خود بگوفحش بسیار بعمار داد و عمار هم شدید الغضب بوددست به شمشیر برد کسے آمد بنزد آنحضرت که در باب عمار را که الحال اور اپاره پاره می کنند پس آنحضرت اهل بیتی که بهمراه آورده بودند فرستادوفرمود متر سید واور اکشان کشان بنزد من آرید پس ایشان آمدندواور اکشان کشان آوردند آنحضرت فرمود و اگزارید اور او تعجیل مکنید ⇦⇦⇦

ہاتھ سے قتل ہوا تھا فدک اور مدینہ کی دیگر املاک پر اپنی طرف سے متولی کیا۔ اس نے اہل بیت کی املاک کو ضبط کر لیا اور ان کی رعایا پر ظلم شروع کیا۔ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر دی اور اس کے ظلم و ستم کا استغاثہ کیا۔ یہ سنتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ بعجلت سوار ہوئے اور عمامہ سیاہ سر

⇦⇦⇦ کہ بتیز مغزی حجت خدا تمام نشود بعد ازاں فرمود وای بر تو بچہ متمسک اموال اهل بیت را حلال دانسته و چه حجت ترا بجرأت انداخته براین که گردهٔ آں ملعون گفت تو نیز بچه حجت قتل مردم رابر خود حلال کرده، و من رضاء صاحب خود را دوست تر دارم از موافقت باتو۔ حضرت فرمود بلے تقصیرے برخود سراغ ندارم مگر کشتن برادرت وآں بگفته رسول خدا بود چیزے نبود که تلافی خواهد خدا ترا هلاك کند وصورت راقبیح گرداند۔ اشجع گفت بلکه خدا ترا هلاك کندو عمرت راقطع نماید که پیوسته با خلفاء حسدمی ورزی وآں ترا بهلاکت می کشاند و بمراد خود آخر نخواهی رسید پس فضل بغضب در آمد و شمشیر خودرا براورا حواله نمود ودر اور ابادست راست اوانداخت پس اصحاب او که سی نفربودند و همه از شجاعان بر فضل هجوم آوردندو امیر المومنین دست بذوالفقار برده چوں برق ذوالفقار برق چشم آنحضرت دید ندزهرهٔ ایشاں آب شده و براق خودرار یختند و گفتند الطاعة الطاعة فرمودوای بر شما سیرایں صاحب کو چك خود رابربرید نزدآں صاحب بزرگ خود که مثل شما کسی نیستند که کشتن شما خواهی نخواهی داشته باشد پس رفتند بمدینه و سر رفیق خودرا پیش ابوبکر اندا ختند پس اومردم راطلبید و ترغیب نمود که بروند بسر آنحضرت و خون اشجع رابخواهند مردم سکوت کردند گفت شما چرا گنك شده ایایا پیرو خذف گردیده اید حجاج بن صخر گفت بسم الله تو پیشوائے مائی پیش بروتا ما از عقب تو بیائیم و اگر بیائی مجموع قشوں راذبح کند و نحر نماید مثل نحر کردن شتراں ، دیگرے گفت می خواهی که باستراحت در خانه بنشینی و مارا بفرستی نزد جراراعظم که مردم را شمشیر خودمی رباید بخدا ملاقات عزرائیل برما آسان تراست از ملاقات او، پس ابوبکر نفریں کرد برایشاں راوبعمر شوری نمود اوگفت خالد رابفرست پس خالد راگفت تو سیف الله هستی جمعیت خوبے بردار و بروعلی که شیر درنده ماراکشته و می خواهد که تفرقه درمیان امت بیندازداولا اور ابطریق خوش مستمال نموده تابیاید و بخانه خود بنشیند که ما از تقصیر او گذاشتیم والا اور ابا سیری بیار پس خالد باپا نصد سوار از شجاعان مکمل و مسلح روانه شد فضل بن عباس چوں گرد لشکر رادید عرض کرد، یا امیر المومنین لشکر آمد حضرت فرمودتشویش مکن و آساں بگیراینهارا که اگر همه بزرگان قریش قبائل هوازن جمع شوند و حشتے از برائے من حاصل نشودا نگاه برخاست و جلواسپ را گرفته خوابید برپشت خود بر روئے زمیں بقصداهانت و بے التفاتی و بر نخاست تا پواز سم اسپاں بلند شد و ایشاں رسیدند انگاه بر خاست چوں خالد راوید فرمود یا ابا سلیمان چه چیز ترا پورده است بایں سمت گفت کسی مرا فرستاده که تو بهتر از من میدانی فرمود حال بگو گفت عالمی و محتاج بتعلیم نیستی گفت ایں چه عمل است که از تو صادر شده وایں چه عداوتے است که از تو ظاهر گردیدا ⇦⇦⇦

پر رکھا اور دو تلواریں باندھیں، امام حسین رضی اللہ عنہ، عمار اور عبداللہ پسران حضرت عباس اور عبداللہ بن جعفر کو ہمراہ لیا اور اس گاؤں کے پاس جو مسجد تھی وہاں ٹھہرے، اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ابوبکر کے متولی کو بلا لاؤ۔ آپ گئے اور اس سے کہا کہ امیر المومنین تجھے بلاتے ہیں، اس نے کہا کہ کون امیر المومنین؟ آپ نے فرمایا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، اس نے جواب دیا

⇦⇦⇦ گر تو این مرد یعنی ابوبکر را خوش نداری ابا تو چنیں نیست وترا دوست می دار دوولایت اور نگین نباشد برخواطر تو که بعد از اسلام و هجرت دیگر نزاعے باقی نمانده بگذار مردم رابحال خودمی خواهند گمراه نشوند یارستگار نو عبث باعث تفرقه میان امت مشو آتش خاموش شده رامیفر وزکه اگر چنیں کردی عاقبت خوشی نخواهد داشت آنحضرت فرمود تهدیدی کنی مرابخود و پسر ابوقحافه مگر نمی دانی که از سخنان تو داد با مثال من تهدیدے واقع نمی شود وا گزارایں لاف و گزاف رامطلبے که داری بگو گفت بمن گفته اند که اگر برگشتی ازیں اطویق در پیش ما عزیز و مکرم خواهی بودوا گربرنه گشتی ترابا سیری ببرم نزدا و حضرت فرمودای کنیز زاده تومی توانی حق و باطل را ازیك دیگر فرق کنی و می توانی مثل منی را اسیر وار ببری اے پسر مرتد از اسلام وائے برتو مراهمگماں مالك بن نویره کرده که رفتی واور اکشتی وزن اور امتصرف شدی اے خالد بایں عقل سبك ورای خالی از شهرم آمده بامن معارضه کنی بخدا قسم اگر شمشیر خودرا بکشم برتو واینان که همراه تو اندسیر می کنم از گوشت بدن شما هرچه در صحرا از کفتا رو گرگ باشدوائے بتومن آں عیستم که تو درقیقت مرا تو انید کشیدو من قاتل خودرامی شناسم وازخدا آرزومی کنم صبح و شام که مرگ مرا ازین زحمت روز گار نجات و هدوا گر بخوا هم حالادرزیرد یوار همیں مسجد ترا خواهم کشت خالد بغضب در آمدو گفت تهدید وعید تو مثل غریدن شیرمی ماندودرسوراخ خود حزیدن و گریختن مثل روباه چه بسیاربزبان تعدی می کنی و فعلت مطابق قولت نیست، حضرت گفت هر گاه عقیده توایں ست پس بایست تابفعل هم برسی و شمشیر ذوالفقارا از غلاف کشیده براو حواله نمود خالد همیں که برق چشم آنحضرت و برق ذوالفقار را مشاهده نمود مرگ معائنه دید گفت یا ابا الحسن برائے ایں نیا مده بودم پس آنحضرت پشت ذوالفقار ابروفرود آور دواز اسپ در غلطید و قاعده آنحضرت نبود که شمشیررا فروآوردی دوباره دوباره برگرداند مبادا که اور ابترس و جبن حمل نمایند، اصحاب خالد ازیں کار آنحضرت هول غریبی و ترس عجیے بهم رسانیدند، پس آنحضرت بایشاں خطاب نمود که چرا حمایت سید و بزرگ خود نمی کنید والله اگر من سردار شمابودم حال سرهائے شمارامی کندم و برمن آسان تربوداز آنکه دانه گندم را از خوشه بچیتد و باین رشادت مال خدا و رسول و مسلماناں رامی بلید۔ پس مثنی بن الصباح که عاقل کاملے بوداز اصحاب خالد گفت والله مابعداوت و دشمنی نیا مده ایم یاآں نبود که ترانشناسیم بلکه کو چك و بزرگ مامی دانیم که توئی شیر خدا در زمین و شمشیر انتقام اوبر معاندین لیکن ماما موریم و بجبر ⇦⇦⇦

کہ امیر المومنین تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جو خلیفہ ہیں، اس پر امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا علی بن ابی طالب رض بلاتے ہیں ان کے پاس چلو، اس پر اشجع نے کہا کہ میں سلطان ہوں اور علی رضی اللہ عنہ عوام میں سے ہیں اور ان کو مجھ سے کام ہے تو خود ان کو میرے پاس آنا چاہیے۔ اس پر امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ افسوس ہو تجھ پر کیا میرے والد جیسا عوام میں سے ہو اور تو سلطان، اس نے کہا کہ ہاں بے شک۔ تمہارے باپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی، مگر بجبر واکراہ۔ اور ہم نے ان کی بیعت خوشی سے کی ہے۔ یہ سن کر امام حسین رضی اللہ عنہ واپس آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی، تب آپ عمار رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم مثل خانہ کعبہ کے ہیں کہ اس کے پاس لوگ آتے ہیں نہ یہ کہ وہ لوگوں کے پاس جائے۔ عمار رضی اللہ عنہ اشجع کے پاس گئے اور اس سے سخت گفتگو کی، یہاں تک کہ نوبت اس کی پہنچی کہ عمار رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ تلوار کی طرف بڑھایا۔ اس کی خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

⇦⇦ مارا فرستاده اندو مامور معذوراست خدا تلف کند اورا که مارا فرستاد، پس آنحضرت شرم کردا از سخن آن مردور ورا از ایشان گردانید و با خالد شوخی و مزاح می نمود بعلت صدمه والے که باو رسیده از ضرب پشت شمشیر واوهیچ جواب نمی دادانگاه فرمود وای برتو اے خالد چه بسیار مطیع و فرمانبردار گناهگاران و عهد شکناں گردیده مگر نقل روز غدیر کیایت نکردترا بحق آں کسی که دانه راشگافته اگر آنچه بخیال تو پسرابوقحافه و پسر خطاب رسیده چیزے را اظهار می گردید واز شماشمه ازاں بظهور می رسید اول کسیکه بایں شمشیر کشته می شدتو وایشاں می بودیدو آنچه مقدر الهی بود بعمل می آید و مشیت آں بدبخت ترا فاسد ملی کندو تو هم دانسته چشم از حق می پوشی و حال آمده که با ایں کثافت مرا اسیر وار ببری بعد از آنچه بچشم خود دیدی و تجربها کر دی چناں می دانی که آنچه رفیقت در وقتیکه ترامی فرستاد بتو گفت و باهم شوریٰ و صلاح گردید بر من مخفی و پوشیده است چنان و چناں گفتند و تومی گفتی که ایں هماں ابو الحسن است که عمر بن عبدؤدراکشت و مرحب رباد ونیم کرد ودر خیبر را، او جواب بتو گفت تو همیں نقلهائے گزشته اورامی کنی آنها از برکت دعائے پیغمبر بود و حال پیغمبر از دنیا رفته و آنهارا نمی تو اند کرد پس بترس اے خالد از خدا و رفیق خیانت کاراں مباش، خالد گفت یا ابا الحسن والله می دانم که چی می گوئی و طائفه عرب و عامه مردم از تورو گردان نشده اند مگر بمحبت دین آباء واجداد خود از قدیم واز عداوت اینکه سرهائے ایشاں را انداخته بودی و میل با ابوبکر بهم نرسانید ند مگر بعلت اطمینان پاس و سطوت او ونرمی طبیعت اووزیاده بر حق ایشاں ایشاں دادن۔۱۲۔

پہنچی، آپ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ اشجع کو جا کر پکڑ لاؤ، اس پر آپ کے اہل بیت جو آپ کے ہمراہ تھے گئے اور اشجع سے کہا کہ آج تو علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے اور اسے پکڑ لائے، اسے دیکھ کر آپؑ نے فرمایا کہ کیا سبب ہے کہ تو نے اہل بیت کا مال لے لیا اور اس پر اپنا قبضہ کیا۔ اس نے جواب دیا کہ کیا سبب ہے کہ تم نے آدمیوں کا خون بہایا۔ اور میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمان و مرضی کو تمہاری موافقت اور اتباع سے بہتر جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کوئی اپنا گناہ نہیں سمجھتا سوائے اس کے کہ میں نے تیرے بھائی کو مارا ہے، اور وہ باعث انتقام نہیں ہوسکتا، خدا تجھے ذلیل کرے۔ اس نے بھی ایسا ہی سخت جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور کہا کہ خلفاء کے حسد میں تم ہلاک ہو گے۔ اس پر فضل کو غصہ آیا اور اس کا سر اڑا دیا، اس پر اشجع کے ہمراہیوں نے فضل پر حملہ کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذوالفقار میان سے نکال لی۔ جب اشجع کے ہمراہیوں نے علی رضی اللہ عنہ کی چمکتی ہوئی آنکھیں اور ذوالفقار کی چمک دیکھی تو اپنے ہتھیار پھینک دیے اور کہا کہ ہم اطاعت کرتے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اس اپنے چھوٹے صاحب کا سر اپنے بڑے صاحب کے پاس لے جاؤ، چنانچہ اس کے ہمراہی اشجع کا سر لے گئے اور اس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈال دیا۔ یہ حالت دیکھ کر تمام مہاجرین وانصار جمع ہوئے، اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے بھائی ثقفی نے خدا اور اس کے رسول کے خلیفہ کی اطاعت کی اور میں نے اسے صدقات مدینہ پر متولی کیا اور اب علی رضی اللہ عنہ نے اسے اس بری طرح سے مارا اور مثلہ کیا، اب چاہیے کہ جو تم میں سے شجاع ہیں وہ جائیں اور اس کا تدارک کریں۔ سب اسے سن کر سکتہ میں رہ گئے اور نقش بر دیوار ہو گئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم لوگ زبان نہیں رکھتے اور کچھ بولتے نہیں؟ اس پر ایک اعرابی نے کہا کہ اگر تم چلتے ہو تو ہم بھی چلتے ہیں، اور دوسرے نے کہا کہ ملک الموت کا دیکھنا بہتر ہے علی کے دیکھنے سے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم علی رضی اللہ عنہ سے ڈرتے ہو اور مجھے ایسا جواب دیتے ہو۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور کہا کہ یہ کام سوائے خالد کے کسی سے نہیں ہوسکتا۔ تب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد سے کہا کہ یا ابا سلیمان تم سیف اللہ ہو خدا کی تلوار، تم ایک فوج لے کر جاؤ کہ علی نے

ہماری رفقا میں سے ایک ایسے شخص کو جو شجاعت میں بے نظیر ہے قتل کیا ہے، علی کو لے آؤ۔ اور کہو کہ اگر تم چلتے ہو تو تمہاری خطا معاف ہو گی اور اگر وہ لڑائی پر آمادہ ہوں تو ان کو زندہ پکڑ کر لے آؤ، یہ سن کر خالد پانچ سو مردان کارزار لے کر روانہ ہوئے۔ فضل نے ان کو آتا دیکھ کر علی رضی اللہ عنہ کو خبر کی۔ آپ نے فرمایا کہ تمام صنادید قریش اور سوران ہوازن جمع ہوں تب بھی میں ان سے نہیں ڈرتا، خالد وہاں پہنچے اور علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کیا سخت حرکت تھی جو تم نے کی اور کیوں بجھی ہوئی آگ کو مشتعل کیا؟ آپ نے فرمایا کہ تم مجھے اپنی شجاعت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ڈراتے ہو اور مجھے مالک نویرہ جانتے ہو کہ جس کو تم نے مارا اور اس کی بی بی کو اپنے نکاح میں لائے۔ میں اپنے قاتل کو خود جانتا ہوں اور شہادت کی امید رکھتا ہوں، اگر میں چاہوں تو تمہیں ابھی اس مسجد کے صحن میں مار کر گرا دوں۔ اس پر خالد غصہ میں آئے، اور آپ نے ذوالفقار نکالی جب خالد نے آپ کی آنکھ اور ذوالفقار کی چمک دیکھی تو گڑگڑانے لگے، حضرت نے تلوار کا قبضہ خالد کی پشت پر مارا کہ وہ زمین پر گر گئے۔ یہ حالت دیکھ کر ابن صباح نے کہ ایک عاقل مرد تھا کہا کہ بخدا اے علی! ہم براہ عداوت نہیں آئے، تم شیر خدا اور شمشیر غضب الٰہی ہو ہم سب آپ کے خادم ہیں، اس پر حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نرم پڑے اور خالد سے مزاح کرنے لگے، خالد درد کمر سے بے خود تھے، آپ نے فرمایا: اے خالد! تعجب ہے کہ غدیر خم کا معاملہ تمہاری یاد سے جاتا رہا اور بہت جلد تم نے ناکثین اور خائنین کی بیعت کر لی اور اب چاہتے ہو کہ مجھے قید کر کے لے جاؤ، کیا تم حالت عمر بن عبدود اور مرحب اور جنگ خیبر کی بھول گئے؟ اس پر خالد نے کہا کہ جو آپ فرماتے ہیں وہ میں جانتا ہوں لیکن عرب نے آپ کو آپ کی تلوار کے خوف سے چھوڑ دیا ہے اور ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت صرف ان کی نرمی اور زائد از استحقاق مال ملنے کی امید پر کی ہے۔

ان روایتوں میں جو تناقض اور اختلاف ہے وہ ایسا صریح اور صاف ہے کہ اس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہیں ہے، اور یہ ناممکن ہے کہ کل روایات متناقضہ کی صحت تسلیم کی جائے اور تسلیم صحت کے بعد دعویٰ ہبہ کا زبان پر لایا جائے۔ ہم ان اختلافات میں سے بعض ضروری

اور ظاہری اختلاف اب بیان کرتے ہیں۔

پہلی روایت جو احتجاج طبرسی سے ہم نے نقل کی ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وکیل فدک سے نکال دیا گیا تو وہ خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے سوال کیا کہ کیوں میرے باپ کی میراث سے مجھے محروم کرتے ہو؟ اور دوسری روایت میں جو علل الشرائع سے ہم نے لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل کو فدک سے نکال دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیوں تم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل کو فدک سے نکال دیا؟ علل الشرائع کی روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے وکیل فدک کے نکالے جانے کے بعد حضرت علی، ابوبکر رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، اور احتجاج طبرسی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں۔

شاید حضرات امامیہ اس کا یہ جواب دیں کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہا آئے اور دوسری مرتبہ خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ مگر چھٹی روایت سے جو احتجاج طبرسی کی ہم نے نقل کی ہے جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مشہور خطبہ کا ذکر ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے لوٹیں اور گھر پہنچیں تو وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ان کا انتظار کر رہے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پہنچتے ہی ان پر غصہ کرنا شروع کیا اور نہایت دردانگیز اور غضب آمیز الفاظ میں فرمایا:

((یا ابن ابی طالب، اشتملت شملة الجنین، وقعدت حجرة الضنین، نقضت قادمة الاجدل، فکانك ریش الاعزل، هذا ابن ابی قحافة یتزنی نحلة ابی وبلغة ابنی...... افترست الذئاب وافترشت التراب...... الخ.))

''اے ابوطالب کے بیٹے! پیٹ کے بچے کی طرح تم پردہ نشیں ہو گئے ہو، اور مایوس اور ڈرپوکوں کے مانند گھر میں بھاگ آئے ہو۔ باوجودیکہ دنیا کے

بہادروں کو تم خاک پر سلا چکے ہو اور اب نامردوں کے پیچھے بیٹھ گئے ہو، ابوقحافہ کے فرزند نے میرے باپ کا دیا ہوا (فدک) مجھ سے چھین لیا ہے اور میرے بچوں کا ارزوقہ روکے ہوئے ہے اور تم اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

(احتجاج طبرسی جلد ا صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ ایران: ۲۴-۱۴۲۴ھ۔احتجاج طبرسی صفحہ ۶۵)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گھر میں سے قدم بھی باہر نہ نکالا تھا اور اس معاملہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جانا اور ان سے مطالبہ کرنا اور ان کو ملامت کرنا بیک طرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کچھ بھی مدد نہ کی تھی۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے ہوتے اور مہاجرین و انصار کے سامنے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا ہوتا اور فدک سے وکیل سے نکال دینے پر انہیں قائل معقول کیا ہوتا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باوجود عصمت و طہارت کے اپنے خاوند سے اور خاوند بھی کیسے جو سید الاولیا سند الاصفیاء، قاتل الکفرۃ، دافع الفجرۃ تھے، کیوں ایسے درشت اور سخت کلمے فرماتیں اور ان کے گھر میں چھپ رہنے اور باہر نہ نکلنے پر ملامت کرتیں؟

چوتھی روایت جو بحوالہ ''کتاب الاختصاص بحارالانوار'' سے ہم نے نقل کی ہے اس میں ایک ایسی بات لکھی ہے جو دونوں روایات بالا کی تردید کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعوے کی نسبت یہ کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو اسے سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور ان سے یہ سب حال کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ صلاح دی کہ تم پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تم یہ سمجھے ہو کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوتا حالانکہ سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے اور یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام کے وارث ہوئے، پھر میں کیوں اپنے باپ کی وارث نہ ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ سکھلائی ہوئی بات ہے، اس پر آپ نے جواب دیا کہ گو میں سکھلائی گئی ہوں مگر کس نے مجھے سکھلایا میرے ابن عم علی رضی اللہ عنہ نے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود اس معاملے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ اور مقابلہ کرنے کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔ اور نہ حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خیال میں یہ حجت آئی تھی کہ سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے اور یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام کے وارث ہوئے، اور نہ اپنی طرف سے یہ دلیل انہوں نے پیش کی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے اور بتانے اور سکھلانے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دوبارہ دعویٰ کرنے کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئی تھیں۔اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لے گئے ہوتے یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی طرف سے یہ حجت پیش کی ہوتی جیسا کہ آپ کے خطبہ سے پایا جاتا ہے جس کو ہم نے چوتھی روایت میں احتجاج طبرسی سے نقل کیا ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بھیجنے اوراس حجت کے سکھلانے کی کیا ضرورت تھی۔کیا اس اختلاف کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جانا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اوران کا اس باب میں بحث کرنا کوئی مان سکتا ہے؟

گیارہویں روایت جو ہم نے احتجاج طبرسی سے نقل کی ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک سے محروم کر دیا تو آپ بہت غصہ میں آئے اور ایک بہت سخت خط ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھا جس کا آغاز ان الفاظ سے ہے((شقوا متلا طمات امواج الفتن)) اور جس میں کوئی دقیقہ اپنی مردانگی اور شجاعت کے اظہار اور مہاجرین وانصار کی گمراہی وضلال کا باقی نہیں رکھا اور اس عذاب سے جو ان کے لیے خدا نے مقرر کیا ہے بیان کرنے سے بھی تامل نہیں فرمایا۔اگر در حقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بذات خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے ہوتے اور جو کہنا تھا وہ ان سے کہہ آئے ہوتے تو پھر اس خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں شاید یہ کہا جائے کہ آپ نے اول بالمشافہ (آمنے سامنے) گفتگو کی ، پھر یہ خط لکھا تا کہ رکارڈ یعنی دفتر میں ایک تحریری سند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ملامت کی موجود رہے۔یا اول یہ خط لکھا ہو اور بعد اس کے جا کر بالمشافہ گفتگو فرمائی ہو۔مگر پہلی بات تو اس روایت سے ثابت نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس روایت میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک سے محروم کر دیا تب آپ نے یہ خط لکھا۔اور دوسری بات کہ اس خط کے لکھنے کے بعد تشریف لے گئے ہوں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس غصہ سے جو آپ کے گھر میں بیٹھ رہنے اور

مدد نہ کرنے پر فرمایا صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس لیے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ، ایسا سخت خط لکھ چکے تھے اور غاصبین فدک کو ظالم اور مفسد ٹھہرا چکے تھے اور جو سزا خدا نے ان کے لیے رکھی ہے اسے بھی ایک طرح سے بیان کر دیا تھا، اور اگر وصیت پیغمبر مانع نہ ہوتی تو ان کے سر اڑا دینے کی دھمکی بھی دے دی تھی، تو کیوں کر ممکن تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی مدد نہ کرنے اور مثل جنین کے خانہ نشین ہو جانے پر غصہ فرمائیں اور ایسے کلمات سخت سے آپ کو خطاب کریں۔

پھر چوتھی روایت کے دیکھنے سے ایک اور تناقض اور تخالف پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس روایت میں یہ لکھا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آیت ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ سے حجت کرنے کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور اس پر بھی جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شہادت طلب کی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا ام ایمن رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ کو لے گئیں اور گو کہ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا، کہ کیا انہوں نے دی، کچھ ذکر نہیں ہے، مگر ام ایمن رضی اللہ عنہا کی شہادت روکی گئی۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے یہ کہا کہ تم ایک عورت ہو اور ایک عورت کی گواہی کافی نہیں اور علی رضی اللہ عنہ اپنا فائدہ چاہتے ہیں، اس پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو گئیں اور خفا ہو کر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے سامنے شہادت دینے کے لیے آئے تھے۔ اگر یہ سچ ہے تو اس کا سبب نہیں معلوم ہوتا کہ اسی وقت جو نہایت موقع اور وقت بحث و گفتگو کا تھا علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو کہنا تھا کیوں نہ کہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خفا دیکھ کر بھی کچھ ہاشمی جلال نہ دکھایا۔ اور گھر جا کر خط لکھا، یا دوسرے وقت آ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بحث کی۔

اتنا تو بہر حال اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت پیش کرنے کے وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا تھا اور نہایت صبر و تحمل سے واقعات کے دیکھنے اور سکوت کرنے کو اختیار کیا تھا۔ مگر اسی روایت میں پھر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چالیس دن تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سوار کرا کے مہاجرین و انصار کے گھر گھر لیے پھرے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ایک سے فریاد اور استغاثہ کرتی رہیں، یہاں تک کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے دو بدو گفتگو ہوئی اور ان سے خفا ہو کر فاطمہ رضی اللہ عنہا چلی آئیں۔ اس واقعہ کے بعد جس میں اس

روایت کے موافق کم سے کم چالیس دن گزرے ہوں گے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم تنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ نرم دل ہیں اور یوں کہو کہ اگر فدک تمہارا ہی ہوتا تب بھی اس کا دینا میرے مانگنے پر تم پر واجب ہے۔ چنانچہ اس کے موافق فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور یہی بات کہی، اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ سچ فرماتی ہیں کاغذ منگا کر رد فدک کی سند لکھ دی جسے راہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے چھین کر چاک کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیم سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں گئی تھیں بلکہ دو مرتبہ، پہلے ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ کی حجت پیش کرنے کے لیے، دوسرے فدک کو بہ نرمی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مانگنے کے لیے۔ اور دوسری مرتبہ جہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تعلق تھا اس روایت کے موافق وہ کامیاب بھی ہوئیں۔ پس یہ روایت صاف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے اور ان سے بحث کرنے یا ان کو ملامت فرمانے کا ارادہ نہیں کیا، بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سکھا کر بھیج دینے ہی پر کفایت فرمائی، اور اگر وہ شہادت کے لیے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تشریف لے بھی گئے تھے تو اس وقت کچھ ارشاد نہیں فرمایا اور سکوت ہی اختیار کیا۔

پھر اسی چوتھی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے رد ہونے کے بعد چالیس دن تک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مہاجرین وانصار کے یہاں لیے لیے پھرے، اس زمانے میں کوئی اور دوسری کارروائی آپ نے نہیں فرمائی اور جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے گفتگو کر کے اور ان سے خفا ہو کر فاطمہ رضی اللہ عنہا چلی آئیں تب پھر آپ نے انہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور وہاں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حالت ہوئی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی لکھی ہوئی سند چاک کر دی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک پر (نعوذ باللہ) منہ لات ماری، جس سے محسن سقط ہو گئے اور اس کے بعد پچھتر دن تک فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار رہیں اور اس کے بعد وفات فرما گئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو گفتگو کے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دوبارہ تعلیم پا کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا کوئی موقع باقی نہ رہا تھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل کو فدک سے نکالے جانے کی خبر

سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر کے پاس جاتے اور ان سے سوال و جواب کرتے، کیونکہ اس وقت تو حالت پہلے سے بدتر ہوگئی تھی اور ایک تازہ مصیبت پیش آ گئی تھی جس کے سامنے فدک کا غصب کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر عمر رضی اللہ عنہ کے وہ ظلم و ستم ہونا کہ جسے دیکھ کر کسی آدمی کی غیرت وحمیت گوارہ نہیں کرسکتی کہ اسے برداشت کرے، اور ایسے دردناک اور نفرت انگیز و ذلیل کن ظلم کو دیکھتا رہے اور اس کا بدلہ نہ لے۔ یہ وقت دردناک اور نفرت انگیز اور ذلیل کن ظلم کو دیکھتا رہے اور اس کا بدلہ نہ لے۔ یہ وقت وہ تھا کہ شیر خدا جوش میں آتے اور ذوالفقار علی نیام سے نکال لیتے اور بنت رسول پر جو ظلم و ستم ہوا تھا اس کا بدلہ عمر رضی اللہ عنہ سے لیتے۔ تعجب ہے کہ ایسے سخت واقعہ پر شیر خدا صبر فرمائیں اور بنت رسولؐ کی یہ ذلت اپنی آنکھ سے دیکھیں اور کوئی بات تک زبان سے نہ نکالیں۔ تو ان کے صبر و استقلال سے جس کا ثبوت شیعوں کے خیال کے مطابق اس سے زیادہ نہ ہوگا، کون امید اور خیال کرسکتا ہے کہ وہ ایک وکیل کے نکال دینے پر غصہ میں آتے اور سوال و جواب کرنے کے لیے مہاجرین و انصار کے مجمع میں جاتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرتے یا ان کو ایسا سخت خط لکھتے اور ان کو ظالم و غاصب بتاتے۔

اس روایت کو بارہویں روایت سے ملا کر دیکھنے سے غالباً ہر شخص کو ایک حیرت ہوگی اور سوائے اس کے کہ اماموں کے اسرار اور ان کے بھید ہم لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں کوئی بات زبان سے نہ نکل سکے گی، نہ کوئی وجہ سمجھ میں آئے گی کہ کبھی تو شیر خدا ذرا سی بات پر ایسے غضب ناک ہو جائیں کہ سر اڑانے میں بھی دریغ نہ کریں اور کبھی ایسا سکوت اختیار کریں کہ بڑے سے بڑے صدمہ پر بھی جس کا بدلہ لینا شرعاً و عقلاً جائز بلکہ واجب ہو زبان تک نہ ہلائیں، شاید مظہر العجائب والغرائب کی شان یہی ہے کہ ایسی عجیب باتیں سرزد ہوں جو انسانی فہم سے باہر اور طاقت بشری سے خارج ہوں۔

اس چوتھی روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سند لے کر عمر رضی اللہ عنہ نے چاک کر دی اور طمانچے لگائے اور لاتیں ماریں یہاں تک کہ حمل ساقط ہو گیا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے اف تک نہ کی۔ اور بارہویں روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی کہ اشجع بن مزاحم نے جسے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدک کے انتظام کے لیے مقرر کیا تھا رعایا پر ظلم شروع کیا ہے تو آپ کو تاب نہ رہی، اس خبر کو سنتے ہی عزیز و اقارب و خدام و ملازمین کو لے کر موقع پر پہنچے اور اشجع کو پکڑ بلوایا اور گھرکیاں سنائیں اور اسی پر کفایت نہ کی بلکہ اس کا سر اڑا دیا اور اس وقت ایسے جوش میں تھے کہ آپ کی آنکھیں ایسی چمکتی اور آپ کی ذوالفقار ایسی دمکتی تھی کہ سب تھرتھرانے لگے اور اشجع کے قتل کے بعد خالد ان کے پاس آئے تو آپ نے ان سے غصہ میں فرمایا کہ کیا تم مجھے بھی مالک بن نویرہ جانتے ہو اور اس پر جب خالد غصہ میں آئے تو آپ نے ذوالفقار نکالی جس کی چمک دیکھ کر وہ گڑگڑانے لگے اور آپ نے تلوار کے قبضہ کو خالد کی پشت پر مارا کہ وہ زمین پر گر گئے۔ اس روایت سے شان حیدری ثابت ہوتی ہے اور اسد اللٰہی کا جلوہ نظر آتا ہے اور زمین و آسمان سے آپ کی شجاعت وحمیت پر مرحبا اور تحسین کی آوازیں آتی ہیں اور ((لافتی الا علی لا سیف الاذوالفقار .)) کا غلغلہ ہر شجر وحجر کی زبان سے سنائی پڑتا ہے۔ مگر یہ تمام حالت حیرت وتعجب سے بدل جاتی ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اسد اللٰہی شان اس وقت کیوں نہ دکھائی گئی جب کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جو بقول شیعوں کے ایک نامرد اور ذلیل اور کم رتبہ آدمی تھے بنت رسول کو صدمہ پہنچایا، ان کو طمانچے لگائے، ان کو لاتیں ماریں اور ان کا حمل گرایا۔ اس موقع پر کیوں ذوالفقارِ علی نیام میں رکھ لی گئی اور کیوں حیدری صولت اور غضنفری ہیبت پر صبر وشکیبائی غالب آ گئی۔ حالانکہ شرعاً و عقلاً یہ موقع نہ صبر کا تھا نہ تحمل کا تھا بلکہ ﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ کے موافق کم سے کم اس کا بدلہ عمر رضی اللہ عنہ کو دینا تھا تاکہ بنت رسول کی ذلت کا مزہ وہ چکھتے اور اس ظلم وستم کی سزا خدا کے شیر کے ہاتھ سے پاتے۔

افسوس ہے کہ ان روایتوں سے حضرات شیعہ کا یہ مطلب تو حاصل نہ ہوا کہ جو الزام اپنے غلط خیال اور فساد عقیدت کے موافق صحابہ رضی اللہ عنہم پر اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر لگانا چاہتے تھے وہ ثابت ہو بلکہ ان جھوٹی اور وضعی روایتوں سے اہل بیت کرام اور خاندان نبوت پر ایسے جھوٹے

داغ لگا دیے گئے اور وہ باتیں جن سے ان کی شان ارفع و اعلیٰ تھی بلکہ جن کے خدام اور نام لیوا بھی اس سے مبرا اور منزہ تھے ان کی طرف منسوب کر دی گئیں، اور مخالفین اسلام کے لیے ایک ایسا مجموعہ تیار کر دیا گیا کہ جس کے دیکھنے سے نہ صرف ان کو تعجب اور حیرت ہو بلکہ نفس اسلام پر وہ شک اور بانی اسلام اور اس کے خاندان کے چلن پر شبہ کرنے لگیں۔ افسوس ایسی محبت پر!

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾

چوتھی روایت میں جو کتاب ''الاختصاص'' سے بیان کی گئی ہے یہ لکھا ہے کہ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چالیس دن تک مہاجرین و انصار کے گھر گھر لیے پھرے لیکن کسی نے مدد نہ کی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دوبدو گفتگو ہوئی اور وہ ان سے خفا ہو کر چلی آئیں تو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل ہیں ان سے جا کر فدک مانگو کہ وہ اپنا ہی سمجھ کر دے دیں۔ چنانچہ وہ گئیں اور ان کے اس طرح پر مانگنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدک کی سند لکھ دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر کچھ سوال و جواب نہ ہوا تھا بلکہ ہنسی خوشی سے صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مانگنے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں سند لکھ دی تھی، لیکن تیسری روایت میں جو بحوالہ مصباح الانوار بحارالانوار سے نقل کی گئی ہے اس میں فدک کے سند لکھ دینے کا بیان دوسرا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ کی حجت پیش ہونے پر قائل ہوئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دلائل سن کر مجبوراً تب فدک کی سند فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لکھ دی اور اس پر علیؓ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کی گواہی بھی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سند لکھنے کا سبب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حجتوں سے قائل ہو جانا تھا۔ اور نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تنہا تشریف نہ لے گئی تھیں بلکہ علیؓ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھے، ورنہ ان کی گواہی اس سند پر جو ابوبکرؓ نے لکھی کیوں کر ہوتی اور پھر اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راہ میں عمرؓ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملے اور ان سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آتی ہیں انہوں نے کہا کہ ابوبکرؓ کے پاس سے آتی ہوں اور انہوں نے مجھے سند بھی فدک کی لکھ دی ہے۔ عمرؓ نے کہا کہ اسے ذرا مجھے دکھائیے، آپ نے دے دی، عمر رضی اللہ عنہ

نے پوچھا کہ آپ اس وقت اتنی خفا کیوں ہیں؟ تب انہوں نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کیا کیا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((مارکبوا منی و من ابیك اعظم من هذا فمرضت.)) کہ ان لوگوں نے اس سے بڑھ کر میرے اور تمہارے باپ کے حق میں اور دوسری بات نہیں کی اور پھر بیمار ہو گئیں۔

اس میں ایک تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ سند لکھنے کے وقت تو علی رضی اللہ عنہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا موجود تھے، پھر وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گھر تک کیوں نہیں آئے۔ کیا وہ وہاں رہ گئے یا اور کہیں چلے گئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تنہا روانہ کر دیا۔ دوسری اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو طمانچے مارے اور لاتیں لگائیں اور محسن سقط ہو گئے۔ کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے صرف ان کو غصہ میں پایا اور مارکبوا منی و من ابیك اعظم من هذا کہہ کر چپ ہو گئے۔ اس سے تکذیب اس ظلم وستم کی ہوتی ہے جو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔

چھٹی روایت جو احتجاج طبرسی سے ہم نے نقل کی ہے وہ سب سے زیادہ اہم اور قابل غور ہے اور اس سے ہبہ فدک کے دعوے کی تکذیب ایسی ثابت ہوتی ہے کہ بغیر اس کے کہ خود اس روایت کو جھوٹا کہا جائے اور یہ خطبہ وضعی قرار دیا جائے دوسرا کوئی جواب بن نہیں پڑتا، اور اسی واسطے علماء امامیہ کو اس میں بہت دقت پیش آئی ہے اور نہایت حیران و ششدر ہو کر اس کے متعلق ایسی باتیں بنائی ہیں کہ جن کو کوئی شخص مان نہیں سکتا۔ اس روایت کی تکذیب تو علمائے امامیہ کو نہیں سکتے، اس لیے اول تو وہ نہایت صحیح روایتوں میں سے ہے، دوسرے اس روایت کی بنیاد پر بہت بڑی عمارت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ظلم وستم کی کھڑی ہے، وہ اس روایت کے غیر معتبر کہنے سے سب ڈھ جاتی ہے۔

خطبہ کی صحت اور عظمت جو شیعوں کے نزدیک ہے وہ اس سے ثابت ہوتی ہے کہ علمائے امامیہ نے اس کی صحت کی نسبت بہت سے دعوے کیے ہیں اور نہ صرف اپنی روایتوں سے اسے بیان کیا ہے بلکہ سنیوں کی کتابوں سے بھی اس کے ثابت کرنے کی بہت کوشش کی ہے۔ ملا باقر

مجلسی اس کی نسبت فرماتے ہیں:((اعلم ان هذه الخطبة من الخطب المشهورة التی روتها الخاصة والعامة باسانید متظافرة .)) کہ اسے سمجھ لو یہ خطبہ مشہور ترین خطبوں میں سے ہے جسے شیعہ اور سنی دونوں نے معتبر اسناد سے بیان کیا ہے۔ اور کتاب "لمعة البیضاء فی شرح خطبة الزهرا" میں جو خاص اسی خطبہ کی شرح کے لیے لکھی گئی ہے اور ایران میں چھپی ہے اس کے صفحہ ۱۴۸ میں لکھا ہے:

((والاحتجاج المشهور کالنور علی السطور المسطور فی کتاب مسطور فی رق منشور المعروف بخطبة تظلم الزهراء التی مقصودنا من هذا الکتاب شرحها وکل ما ذکر الی هنا کان مقدمة بالنسبة الیها و نحن نشرع الان فی ایراد تلك الخطبة الشریفة المشتملة علی الایات و البینات والبراهین الساطعات و الحجج الواضحات والدلائل القاطعات الی قوله وبالجملة لااشکال ولا شبهة فی کون الخطبة من فاطمة الزهراء وان مشائخ ال ابی طالب کانوا یروونهم عن ابائهم ویعلمونها ابنائهم ومشائخ الشیعة کانوا یتدارسونها بینهم ویتداولونها بایدیهم والسنتهم .))

"منجملہ ان حجتوں کے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیں ایک وہ مشہور حجت ہے کہ گویا وہ طور کی روشنی ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہے، یعنی وہ خطبہ جو ظلم زہراء کے نام سے مشہور ہے اور جس کی شرح ہم اس کتاب میں لکھنا چاہتے ہیں۔ اور وہ خطبہ مشتمل ہے کھلی نشانیوں، روشن دلیلوں، واضح حجتوں اور قطعی برہانوں پر۔ اور جس کی صحت میں کچھ بھی شبہ نہیں ہے اور بزرگان آل ابی طالب ہمیشہ اسے اپنے آباء اجداد سے روایت کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو سکھاتے چلے آئے ہیں اور مشائخ شیعہ کے درس میں وہ رہا ہے اور ہمیشہ وہ اسے اپنے

ہاتھوں اور زبانوں میں رکھتے چلے آئے ہیں۔''

جب کہ یہ خطبہ شیعوں کے نزدیک ایسا صحیح ہے اور ((کالنور علی السطور)) سمجھا جاتا ہے تو جو کچھ اس سے ثابت ہو کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس میں یہ بیان کیا اور فلاں چیز کا دعویٰ فرمایا اسی کو شیعوں کے عقیدے کے موافق سمجھنا اور جس کا اس میں ذکر نہ ہو اس کو غلط جاننا چاہیے۔ اس لیے ہم اس کتاب کے ناظرین سے خصوصاً علمائے امامیہ سے امید کرتے ہیں کہ اس پر غور فرمائیں کہ سارے خطبہ میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہو کہ تم نے فدک مجھ سے چھین لیا، یا میرے باپ نے مجھے وہ ہبہ کیا تھا، یا وہ میرے قبضہ میں تھا۔ نہ صراحتاً نہ اشارتاً ہبہ کا نام اس میں آیا ہے۔ جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے وہ صرف میراث کے متعلق ہے اور جو کچھ جو ظلم و ستم کا استغاثہ کیا ہے وہ اسی بات پر ہے کہ ترکہ نبوی نہیں دیا گیا اور جو دلیلیں اور حجتیں اس میں حضرت سیدۃ النساء نے بیان کی ہیں مثل ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ وغیرہ کے وہ سب متعلق میراث کے ہیں، اگر فدک درحقیقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہبہ کیا ہوتا اور وہ آپ کے قبضہ میں ہوتا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا قبضہ اٹھا کر اس پر اپنا قبضہ کر لیا ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ اس میں اس کا کچھ بھی ذکر نہ کیا جاتا اور ایسی بڑی بات جو صراحتاً شرع اور عقل اور قانون اور عام برتاؤ کے خلاف تھی، یعنی کسی چیز کو کسی کے قبضہ سے لے لینا خلیفہ وقت سے واقع ہوتی اس کا اظہار مہاجرین و انصار اور اصحاب نبوی کے سامنے نہ کیا جاتا۔

یہ خطبہ جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا طول میں دو جز سے کم نہیں ہے اور فصاحت اور بلاغت میں ہم پلہ قرآن سمجھا گیا ہے۔ اور اصحاب ظلم و ستم کا گویا وہ پورا نقشہ ہے اور اس وقت یہ فرمایا گیا ہے جب کہ تمام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اور اصحاب نبوی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، اور ایسے درد انگیز لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ سننے والے رونے اور چیخنے لگے تھے، تو کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے موقع اور محل پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسی چیز کو بیان نہ فرمائیں جو سب سے زیادہ ضروری اور سب سے بڑھ کر ان کی مظلومیت اور خلیفۂ وقت کے ظلم

کو ثابت کرنے والی تھی۔

چونکہ یہ ایک بہت بڑی بات تھی کہ ایسے موقع پر اس خطبہ میں ہبہ کا ذکر نہ کیا گیا، اس لیے علمائے امامیہ کی توجہ اس طرف مائل ہوئی اور انہوں نے بھی اس امر کو ضروری سمجھ کر اس کے جواب کی فکر کی اور بفحوائے "الغریق یتثبت بکل حشیش" جو کچھ اس کے جواب میں کیا وہ سراسر لغو اور بالکل بیہودہ ہے جسے کوئی بھی نہیں مان سکتا۔ ملا باقر مجلسی بحار الانوار میں اسی خطبہ کی شرح میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

((اعلم انه قد وردت الروایات المتظافرة کما ستعرف فی انها ادعت فدکا کانت نحلة لها من رسول الله ﷺ فلعل عدم تعرضها فی هذه الخطبة لتسلك الدعوىٰ لیاسها عن قبولهم ایاها اذا کانت الخطبة بعد ما رد ابوبکر شهادة امیر المومنین و من شهد معه وقد کانت المنافقون الحاضرون معتقدین بصدقه فتمسك بحدیث المیراث لکونه من ضروریات الدین .))

"یعنی روایت مستندہ جیسا کہ تم کو عنقریب معلوم ہوگا اس باب میں وارد ہوئی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک کے ہبہ ہونے کا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دعویٰ کیا تھا، پس آپ کا اس خطبہ میں دعویٰ ہبہ فدک سے تعرض نہ کرنا شاید اس خیال سے ہوگا کہ آپ دعوے کے قبول ہونے سے مایوس ہوگئی ہوں گی، اس لیے کہ یہ خطبہ بعد رد کر دینے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شہادت امیر المومنین کو مع اور شاہدوں کے ہوا تھا اور جو منافق اس وقت موجود تھے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدق کے معتقد تھے، اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حدیث میراث سے تمسک کیا کیونکہ یہ ضروریات دین سے ہے۔"

یہ جواب جیسا کہ اس کے لفظوں سے ظاہر ہے ایسا ہے کہ خود جواب لکھنے والے اور ان کے ہم مذہب اسے دل سے قبول نہ کرتے ہوں گے اور جو روایتیں ہم اوپر نقل کر چکے اکثر ان

میں سے اس جواب کی غلطی ظاہر کرتے ہیں۔اس جواب میں جو یہ لکھا ہے کہ یہ خطبہ حضرت سیدہ نے اس وقت بیان کیا جب امیر المومنین اور دیگر گواہوں کی شہادت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رد کر دی تھی، یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس خطبہ کی روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بعد تردید شہادت کے یہ خطبہ بیان کیا گیا ہو بلکہ جو روایت احتجاج طبرسی سے ہم نے بیان کی اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

((روی عبداللّٰہ الحسن باسناده عن آبائه انه لما اجتمع ابوبکر رضی اللہ عنہ علی منع فاطمة فدك و بلغهار ذلك لاتت خمارها...... الخ))

''کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کرلیا کہ فدک سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو محروم کریں اور یہ خبر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے اوڑھنی اوڑھی، چادر لپیٹی اور اپنے نوکروں اور قوم کی عورتوں کو ساتھ لے کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ تشریف لانا اول ہی مرتبہ ہوا تھا اور اس کا باعث صرف اس خبر کا پہنچنا تھا جو ان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارادے کی پہنچی کہ وہ فدک نہیں دینا چاہتے، یا اس پر تصرف رکھنے سے مانع آتے ہیں۔اور چونکہ اس روایت میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ یہ خبر کیوں کر پہنچی، اس لیے ظاہر ہے کہ جواب میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ بعد تردید شہادت کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لے گئیں صرف قیاسی ہے۔مگر یہ قیاس صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ الفاظ بلغها ذلك یعنی ''جب یہ خبر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی'' اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ خبر نہ تھی اور یہ ظاہر ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا وغیرہ کی شہادت بغیر ان کی اطلاع کے بلکہ بغیر ان کی طلب کے نہیں ہوئی۔جیسا کہ دوسری روایت میں ہم نے احتجاج طبرسی سے نقل کی ہے بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا فدک مانگنے کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں انہوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم سوائے سچ کے کچھ نہ کہو گی،

لیکن گواہ لاؤ۔ اس پر وہ علی کو لے گئیں اور پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا کو۔ اور چوتھی روایت سے جو ہم نے کتاب الاختصاص سے بحوالہ بحارالانوار نقل کی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکرؓ کے پاس آئیں اور میراث کا مطالبہ کیا اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو آپ علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس تشریف لائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر لوٹ جاؤ اور کہو کہ سلیمان داؤد کے کیوں وارث ہوئے؟ اور اسی کتاب ''الاختصاص'' کی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی کہ ان کے وکیل کو فدک سے نکال دیا تب وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ تم نے میرے وکیل کو نکال دیا حالانکہ اس پر میرے گواہ موجود ہیں۔ پس یہ سب روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جانا ایک مرتبہ بلکہ دو مرتبہ اس کے پہلے ہوا ہوگا۔ اور اس میں تو کچھ شبہ ہی نہیں کہ شہادت خود انہوں نے پیش کی اور ان کے سامنے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے رد کیا اور اس پر وہ خفا بھی ہوئیں، یہی وقت تھا کہ جو کچھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمانا تھا فرماتیں اور جو کچھ ملامت کرنی تھی وہ شیخین رضی اللہ عنہما اور اصحاب پر کرتیں۔ اس واقعہ کی نسبت جو ان کے سامنے ہوا ہو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی خبر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی اور وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور یہ خطبہ بیان فرمایا۔ یہ تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ شہادت بغیر ان کی اطلاع کے یا ان کے پیچھے ہوئی ہوتی اور ان کی غیبت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے رد کیا ہوتا، اور پھر اس کی خبر کسی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دی ہوتی اور اسے سن کر انہیں جوش آیا ہوتا اور وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئی ہوتیں اور یہ خطبہ بیان کیا ہوتا۔ و اذ لیس فلیس.

علاوہ اس کے تیسری روایت جو مصباح الانوار سے ہم نے بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور ان سے فدک کا مطالبہ کیا اور بہت سی حجتوں کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قائل ہو کر فدک کی سند لکھ دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کی اس پر گواہی بھی ہوئی مگر جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باہر تشریف لائیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چاک کر دیا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا کہ جہاں تک معاملہ کا تعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

سے تھا وہ حسب مرضی جناب سیدہ کے طے ہو گیا تھا اور انہوں نے سند بھی لکھ کر آپ کے حوالہ کر دی تھی جو کچھ ظلم ہوا وہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا۔ ایسی حالت میں قیاس کا تقاضا ہے کہ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شکایت ہوتی تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لاتیں اور فرماتیں کہ تم نے میری حجتیں سن کر میرے دعوے کو تسلیم کیا اور مجھے سند بھی لکھ دی مگر تمہارے رفیق نے اسے چاک کر دیا۔ غرض کہ جو کچھ شکایت وہ کرتیں عمر رضی اللہ عنہ کی کرتیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ سنتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے شکایت کرتیں اور ان سے فرماتیں کہ دیکھو جن کو تم نے خلیفہ کیا ہے اور جو مسلمانوں کے سردار بنے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ ابھی مجھے فدک کی سند لکھ دی اور ان کے رفیق نے اسے پھاڑ ڈالا اور اب یہ اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کے کیے کو تسلیم کر لیا، یہ کیسا ظلم ہے اور یہ کیسے خلیفہ ہیں۔ اگر ایسا فرماتیں تو ضرور اصحاب نبی کو جوش آتا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے اور عمر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے۔ اور اگر ایسا سب نہ کرتے تو کم سے کم وہ لوگ جو رفقائے علی رضی اللہ عنہ سے تھے اور ظاہراً یا باطناً اہل بیت کے طرف دار، ان کو موقع ملتا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تائید میں بہت کچھ کہتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ پر ملامت کرتے۔ یہ باتیں جو قرین قیاس ہیں وہ تو چھوڑ دی گئیں اور ہوا تو یہ ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور ان سے حجت کی تو صرف میراث کی، اور دلیل پیش کی تو صرف ترکہ کے متعلق۔ ان واقعات میں سے کسی واقعہ کا ذکر نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جانا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بعد تردید شہادت یا بعد تحریر سند یا بعد کسی قسم کی اطلاع کے جو ان کو اول سے ملی ہو نہ تھا۔ بلکہ پہلی ہی خبر جب ان کو ملی تو وہ غصہ میں آئیں اور نہایت غیظ و غضب کی حالت میں مع خدام اور زنان بنی ہاشم کے تشریف لے گئیں اور صرف میراث کے نہ دینے پر جو کچھ فرمانا تھا فرمایا۔

علاوہ اس کے پانچویں روایت جو مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق سے بیان کی ہے اور جسے ہم بحار الانوار سے نقل کر چکے ہیں، ملا باقر مجلسی کے جواب کو بالکل باطل کرتی ہے۔ اس لیے کہ اس میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جانا اپنی مرضی سے بیان نہیں کیا گیا بلکہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے تھا۔ کیونکہ اس روایت میں لکھا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ منادی کرائی کہ جس کسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض ہو یا کوئی وعدہ، تو وہ میرے پاس آئے کہ میں اس کو ادا کروں گا اور جابر رضی اللہ عنہ اور جریر بجلی رضی اللہ عنہ کا وعدہ پورا بھی کیا۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر فدک کا ذکر کرو، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فدک، خمس اور فے کا ذکر کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ گواہ لاؤ اس پر، اوّل تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بہت سی دلیلیں پیش کیں اور قرآن کی آیتیں اپنے دعوے کی تصدیق میں بیان فرمائیں مگر جب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ فضول باتیں چھوڑو اور گواہ لاؤ۔ اس پر آپ نے علیؓ اور حسنین رضی اللہ عنہما، ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اسماء کو بلوا بھیجا اور ان سب نے آپ کے دعوے کی پوری پوری گواہی دی۔ جب وہ شہادتیں رد کی گئیں تو اس وقت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک جز رسول ہیں جو ان کو ایذا دے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے اور جو ان کی تکذیب کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتا ہے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو تم اپنی تعریف کرتے ہو تم ویسے ہی ہو لیکن ان لوگوں کی شہادت جس میں ان کا فائدہ ہو مقبول نہیں، تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم ایسے ہیں جیسا تم جانتے ہو اور انکار نہیں کرتے اور پھر ہماری شہادت ہمارے لیے مقبول نہیں تو ((انا للّٰہ و انا الیہ راجعون)) اور پھر اسی پر قناعت نہیں فرمائی بلکہ جناب امیر نے ان کو برا بھلا بھی کہا اور یہ فرمایا کہ تم پر قناعت نہیں، خدا اور اس کے رسول کی سلطنت پر جست کی اور اسے اس کے گھر سے غیر کے گھر کی طرف بے گواہ و حجت کے نکال دیا، قریب ہے کہ ظالموں کو اپنے ظلم کا بدلہ معلوم ہو جائے گا اور یہ آیت پڑھی ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ چلو خدا ہی ہمارا فیصلہ کرے گا۔ ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ واقعہ گزرا وہ جناب امیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے سامنے گزرا، دونوں سے حجتیں ہوئیں، دونوں نے قرآنی دلائل پیش کیے اور دونوں نے جو کچھ کہنا تھا کہا، جب ان کا دعویٰ نہ سنا گیا اور ان کی دلیلیں رد کر دی گئیں اور ان

کی شہادتیں جھٹلائی گئیں تو خود جناب امیر رضی اللہ عنہ نے جناب سیدہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ چلو خدا ہی ہمارا فیصلہ کرے گا، وہو خیر الحاکمین۔ تو اس کے بعد کون سا موقع باقی رہا تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دوبارہ یا سہ بارہ تشریف لاتیں اور میراث کے دعوے پر دلائل پیش فرماتیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتیں۔ اور کیوں کر یہ بات سچ ہوسکتی ہے کہ جب ان کو خبر ہوئی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدک سے ان کو محروم کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ تب وہ تشریف لائیں اور خطبہ میں بیان کیا جو کچھ بیان کرنا تھا وہ روایت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جناب سیدہ کے مواجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کر چکے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو ظالم اور خدا ورسول کی سلطنت کا غصب کرنے والا علی رؤس الاشہاد کر چکے تھے، اس جلسہ میں کون سی بات تھی جو اٹھا رکھی گئی تھی جس کے لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف فرمانے اور ایسے طویل اور فصیح و بلیغ خطبہ کے بیان کرنے کی ضرورت باقی رہ گئی تھی۔

پانچویں روایت ''کتاب الاختصاص'' سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تین مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں، اول مرتبہ تو یہ خبر پا کر کہ ان کا وکیل فدک سے نکال دیا گیا۔ دوسری مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے آیت ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ کی حجت پیش کرنے کے لیے اور تیسری مرتبہ پھر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ تنہا ہوں تب جاؤ کہ وہ دوسرے کی نسبت زیادہ نرم دل ہیں۔ پس جو کچھ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو فرمانا تھا وہ انہیں تین موقعوں میں سے کسی موقع پر فرمانا چاہیے تھا، مگر پہلی مرتبہ تو اس خطبہ کا ارشاد فرمانا ثابت ہی نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوتا سن کر خود حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے خیال میں نہیں آیا کہ اس کا کیا جواب دیں بلکہ وہ سیدھی جناب امیر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی آئیں اور ان سے سارا حال کہا اور انہوں نے فرمایا کہ تم جاؤ اور ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ کی دلیل پیش کرو۔ تو یہ دلیل جس کا خطبہ میں ذکر ہے ابتدائی تقریر میں بیان کیا جانا اس کا ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ یہ دلیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خیال مبارک میں نہ آئی تھی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سکھائی تھی اور ان کی تعلیم کے موافق

آپ دوبارہ تشریف لے گئی تھیں۔ دوسری دفعہ بھی اس خطبہ کا بیان فرمانا بعید از قیاس ہے، اس لیے کہ اس وقت اور اسی جلسہ میں ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ﴾ کے پیش کرنے کے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شہادت مانگی اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے علی اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کو بلا کر شہادت دلائی اور جو کچھ اس کے بعد ہوا وہ سب مقابلہ میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کے ہوا۔ اور اخیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا عمر رضی اللہ عنہ کے اس کہنے پر کہ ایک عورت کی گواہی مقبول نہیں ہوسکتی اور وہ شہادت سے اپنا نفع چاہتے ہیں غصہ میں آکر اٹھ کھڑی ہوئیں اور یہ کہہ کر ((اللھم انھما ظلما ابنة نبیك صلی الله علیه وآله حقھما فاشدد و طأتك علیھما ثم خرجت)) کہ الٰہی ان دونوں تیرے نبی کی بیٹی پر ظلم کیا اور اس کا حق چھین لیا تو ان پر اپنا سخت عذاب نازل کر اور پھر چلی گئیں۔ اگر خطبہ بیان فرمانے کے لیے اس کے بعد تشریف لانا بیان کیا جائے تو وہ ہو نہیں سکتا، اس لیے کہ اسی روایت میں یہ لکھا ہے کہ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چالیس روز تک مہاجرین و انصار کے گھر گھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لیے پھرے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے گفتگو بھی ہوئی اور جب کسی نے مدد نہ کی، تب علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ جب کہ وہ تنہا ہوں، اور یہ گویا تیسرا موقع تھا جب کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں۔ اس میں اس فصیح و بلیغ خطبہ کے بیان کرنے کا کوئی محل ہی نہ تھا، اس لیے اس موقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مرضی کے موافق سند لکھ دی تھی اور اس کے بعد چوتھا موقع جانے اور اس فصیح و بلیغ خطبہ کے پڑھنے کا باقی ہی نہ رہا تھا۔ اس لیے کہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا اس ضرب شدید کی وجہ سے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ماری تھی اور جس سے حمل ساقط ہوگیا ایسی بیمار ہوگئیں کہ اس میں انتقال فرمایا۔

غرض کہ جو شخص ذرا بھی غور سے ان روایتوں کو دیکھے اور ایک کو دوسرے سے ملائے اسے اس بات کے تصفیہ کرنے میں کچھ بھی شبہ نہیں رہ سکتا کہ ہبہ کا دعویٰ چونکہ اسی خطبہ میں بیان نہیں کیا گیا، اس لیے وہ دعویٰ جھوٹا ہے، اس لیے کہ حضرات امامیہ اس خطبہ کے جھوٹا ہونے کا اقرار نہ کریں گے۔ اور جب اس خطبہ کو جھوٹا نہ مانیں تو ہبہ کے دعوے کے غلط ہونے

میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

ملا باقر مجلسی اس اشکال کے جواب میں کہ ہبہ کا ذکر اس خطبہ میں کیوں نہیں ہوا یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو منافق حاضر تھے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدق کے معتقد تھے، اس لیے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حدیث میراث سے تمسک کیا، کیوں کہ یہ ضروریات دین سے تھا۔ یہ جواب بھی حیرت انگیز ہے، اس لیے کہ اگر حدیث میراث سے تمسک کرنا صرف اس لیے تھا کہ وہ ضروریات دین سے تھا اور سامعین پر اس کا اثر ہوتا تو ہبہ کا دعویٰ اس سے زیادہ اہم اور "القبض دلیل الملك" کی دلیل حدیث میراث سے کچھ کم ضروریات دین سے نہ تھی بلکہ میراث کے دعوے پر تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو موقع بھی ملا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی سند پر میراث کے عام حکم سے ترکہ نبوی کو مستثنیٰ کر دیا اور جو منافق حاضر تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدق کے معتقد، انہوں نے اس روایت میں انہیں سچا جان کر ان کی کارروائی کو جائز قرار دیا، لیکن اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہبہ کا دعویٰ فرماتیں اور "القبض دلیل الملك" کے موافق اپنے قبضہ سے فدک کی ملکیت پر دلیل پیش کرتیں تو اس کا کوئی جواب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس نہ تھا اور نہ ہوسکتا تھا اور سامعین ان کے ظلم وستم کے قائل ہو جاتے، اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے دعوے کی تصدیق کرتے اور سب چلا اٹھتے اور پکارنے لگتے کہ "القبض دلیل الملك" ضروریات دین سے ہے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قبضہ اٹھا دینا اور ان کے وکیل کو نکال دینا صریح ظلم ہے اور اگر وہ اپنے نفاق اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے بظاہر ایسا نہ کرتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ظلم وستم کی حجت تو پوری ہو جاتی۔

وہ واقعہ جو اس خطبے کے ارشاد فرمانے اور گھر میں واپس جانے کے بعد واقع ہوا وہ ایسا عجیب اور حیرت انگیز ہے جس کا اثر نہ صرف فدک کے دعوے پر پڑتا ہے بلکہ اصل اصول شیعوں کے مذہب کا درہم برہم ہو جاتا ہے، یعنی جناب امیر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عصمت کے دعوے پر بہت کچھ مؤثر ہوتا ہے۔ اور اسی سبب سے حضرات شیعہ اس میں ایسے حیران ہیں کہ نہ کچھ اس کا جواب بن سکتا ہے نہ کوئی بات اپنے اصول کے قائم رکھنے کے لیے

ان کے خیال میں آتی ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ خطبہ ارشاد فرما کر مایوس ہوئیں تو ان پر ایسا رنج وغم طاری ہوا کہ وہ سیدھی اپنے باپ کی قبر پر تشریف لے گئیں اور وہاں جا کر بہت کچھ بیان کیا، درد انگیز اشعار پڑھے اور بہت روئیں۔ اور پھر وہاں سے گھر کو لوٹیں، حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ ان کے انتظار میں بیٹھے تھے، آتے ہی آپ نے جناب امیر سے یہ خطاب کیا کہ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ میں پوشیدہ ہوتا ہے اسی طرح تم پردہ نشیں ہو گئے اور مثل ڈرے ہوئے تہمت زدوں کے گھر میں چھپ رہے ہو اور بعد اس کے کہ زمانہ کے شجاعوں کو ہلاک کیا، ان کی کثرت کی پروانہ کی اور ان کی شوکت کو خاک میں ملایا اب ان نامردوں اور ذلیلوں سے مغلوب ہو گئے ہو۔ ابوقحافہ کا بیٹا ظلم و جبر سے میرے باپ کی بخشی ہوئی چیز اور میرے بیٹوں کی معاش مجھ سے چھینے لیتا ہے، اور باآواز بلند مجھ سے جھگڑا کرتا ہے، انصار میری مدد نہیں کرتے اور مہاجرین نے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا ہے اور تمام آدمیوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں نہ ان کا کوئی دفع کرنے والا ہے، نہ میرا مددگار خشم ناک میں باہر آگئی اور غم ناک واپس آئی تم نے اپنے کو ذلیل کیا، بھیڑیے پھاڑتے ہیں اور تم اپنی جگہ سے ہلتے نہیں، کاش! اس ذلت خواری سے پہلے میں مرگئی ہوتی۔ افسوس میرے حال پر جس پر مجھے بھروسا تھا، وہ دنیا سے چل بسا، اور میرا مددگار رستہ ہو گیا، اس کا شکوا اپنے آپ سے کرتی ہوں اور میری فریاد سے ہے۔ فقط!

آپ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے کچھ بھی آپ کی مدد نہیں فرمائی اور اس تمام مصیبت کے وقت میں آپ گھر میں چھپے بیٹھے رہے جو کچھ کیا وہ حضرت سیّدہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی کیا، وہی دعویٰ کرنے کے لیے تشریف لے گئیں، انہی نے سوال و جواب کیے، اپنی نے جو کچھ سنانا تھا سنایا، اور جو کچھ کہنا تھا کہا۔ اور جیسا کہ فرماتی ہیں خشم ناک باہر گئیں اور غمگین واپس آئیں اور جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو مثل جنین پردہ نشین کر لیا اور اپنے آپ کو ذلیل بنا لیا، بھیڑیوں نے پچھاڑا اور شیر خدا اپنی جگہ سے نہ ہلے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس طرح پر علیحدہ رہنے سے جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کو وہ صدمہ پہنچا کہ جس پر

فرمانے لگیں کہ کاش! اس ذلت وخواری سے پہلے میں مرگئی ہوتی۔ اوراس حالت پر اپنے باپ کو یاد کرنے لگیں اور اپنا رنج اس طور پر ظاہر کیا کہ جس پر بھروسا تھا وہ دنیا سے چل بسا، اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے مدد نہ کرنے اوراس کارروائی میں کچھ حصہ نہ لینے پر یہ صدمہ ہوا کہ آخر ان سے رہا نہ گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ کلمہ زبان سے نکل ہی گیا کہ میرا مددگار سست ہو گیا، میں اس کا شکوہ اپنے باپ سے کرتی ہوں۔

جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی اس درد انگیز تقریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ روایتیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ جناب امیر فدک کے معاملہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اوران سے مباحثہ کیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل کے نکال دینے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور نہایت قوی دلیلوں سے ان کا ظلم وستم ثابت کیا، وہ سب جھوٹی ہیں۔ خصوصاً وہ روایتیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مواجہہ میں جناب امیر رضی اللہ عنہ اور شیخین رضی اللہ عنہم سے مباحثہ کیا اور ملامت کی اور جب انہوں نے کچھ نہ سنا تو یہ کہہ کر خدا تمہیں اس کا بدلہ دے گا اور آیت ﴿سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ سنا کر رنج وغصہ میں اٹھ کر چلے آئے، جھوٹی اور بے بنیاد ہیں۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا ہوتا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے حجتیں کی ہوتیں تو کیوں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مجلس سے واپس آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اپنا رنج وغصہ ظاہر کرتیں اور باوجود عصمت وطہارت کے وہ کلمات ارشاد فرماتیں جن کا معمولی آدمیوں کی زبان سے نکلنا بھی متانت، ادب اور صبر کے خلاف ہے۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان کوششوں کا جو انہوں نے فدک کے معاملہ میں کیں اور ان تقریروں کا اور ان لاجواب مباحثوں کا جو انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے کیے، اگر سچ مانے جائیں یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا گھر میں آ کر ایسے وقت میں جب کہ کوئی سوائے علی رضی اللہ عنہ کے سننے والا نہ ہو، ان سے یہ فرماتیں:

((مانند جنین دررحم پرده نشین شدهٔ مثل خائبان در خانه گریخته و بعد ازاں که شجاعان دهررا برخاك هلاك افگندی

مـغلوب ایں نامرداں گردیدۂ اینك پسر ابو قحافه بظلم و جبر بـخشیـدۂ پـدر مـراد مـعیشت فرزند انم را از من می گیرد و انـصـار مـرایـاری نمی کنندو مهاجران خود رابه پناه کشیده اند، نه دافعے دارم و نه یاوری و نه شافعے، خشم ناك بیرون رفتـم و غـم نـاك گـرگشتـم خودر اذلیل کر دی، گرگاں می درنـدو می برندو تواز جائے خود حرکت نه کنی، کاش پیش ازیں مذلت و خواری مرده بودم.))

’’پیٹ میں بچہ کی طرح تم پردہ نشین ہو گئے اور مایوسوں کی مانند گھر میں بھاگ آئے ہو، حالانکہ تم نے زمانے کے بہادروں کو برسر خاک ہلاک کیا، اور اب ان نامردوں سے ڈر گئے ہو، ابوقحافہ کا چھٹکوا ظلم وستم کے ذریعہ میرے باپ کی بخشی ہوئی روزی میرے بچوں سے چھین رہا ہے، کوئی انصاری میری امداد نہیں کر رہا ہے اور مہاجرین خود ہی پناہ مانگ رہے ہیں، اس وقت کوئی نہیں جو مدافعت کرے یا میری مدد و سفارش کرے، میں غصہ سے باہر گئی تھی اور وہاں سے مغموم لوٹی، تم نے خود کو ذلیل کیا۔ بھیڑیے پھاڑ کھائیں اور تمہاری حالت یہ ہے کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں کرتے، کاش! اس ذلت وخواری سے پہلے میں مرگئی ہوتی۔‘‘

اگر چہ درصورت اس کے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ فدک کے معاملہ میں سوال و جواب کرنے کے لیے تشریف لے گئے ہوتے، یہ خطاب اور یہ ارشاد حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا تعجب انگیز ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا آپ نے غصہ اور رنج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہ فرمایا جو صحیح نہیں تھا یا جناب امیر رضی اللہ عنہ کی کوششیں آپ کے نزدیک کافی نہ تھیں۔ مگر جناب امیر رضی اللہ عنہ کا جواب اس سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے، اس لیے کہ درصورت صحیح ہونے ان روایتوں کے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانے کا ذکر ہے، آپ کو اس طرح سے جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دینی تھی

کہ تم اس وقت غصہ اور رنج میں واقعات کا خیال نہیں کرتیں اور میری کوشش کی کافی قدر نہیں کرتیں، میں نے کون سا دقیقہ اٹھا رکھا ہے اور کون سی کوشش جو مجھے کرنی تھی وہ باقی ہے۔ تمہارے وکیل کے لیے نکال دینے کی خبر سنتے ہیں، میں ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور بین المہاجرین والانصار ان سے لڑا اور تمام حجتیں ان کے سامنے پیش کیں اور ہر طرح سے انہیں قائل کیا۔ اور پھر کیا یہ بات تم بھول گئیں کہ آپ کے سامنے شہادت دینے کے بعد میں نے ان سے کیسی مدلل گفتگو کی اور جب انہوں نے نہ سنا تو میں نے برملا انہیں ظالم اور گناہ گار ٹھہرایا، اور خدا کے عذاب سے بھی انہیں ڈرایا اور تمہیں اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر چلا آیا۔ اس سے زیادہ اور میں کیا کرسکتا تھا۔ مگر بجائے اس کے کہ ان واقعات کو یاد دلاتے فرمایا تو یہ فرمایا کہ صبر کرو، تمہارا اور تمہاری روزی کا خدا ضامن ہے، اور خداوند تعالیٰ نے تمہارے لیے جو آخرت میں مہیا کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو ان بدبختوں نے تم سے چھین لیا ہے۔

اب سنیے کہ اس کا جواب حضرات شیعہ کیا دیتے ہیں اور اس مشکل سے نکلنے میں کیسے کچھ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ ملا باقر مجلسی بحار الانوار کتاب الفتن صفحہ ۱۲۳ میں فرماتے ہیں: [1] اب ہم اس مشکل کو دفع کرتے ہیں جو غالباً لوگوں کے دلوں میں اس سوال و جواب کے سننے

---

[1] **اصل عبارت یہ ہے:** ولندفع الاشکال الذی قلما یحظر بالبال عند سماع هذا الجواب والسوال وهوان اعتراض فاطمة رضی اللہ عنہا علی امیر المومنین فی ترك التعرض للخلافة و عدم نصرتهاو تخطئته فیهما مع علمها بامامته و وجوب اتباعه وعصمته وانه لم یقل شیئا الا بامره تعالیٰ و وصیة الرسول الله علیه وآله وسلم مما ینافی عصمتها و جلاتها۔ فاقول یمن الجواب عنه بان هذه الكلمات صدرت منه لبعض المصالح ولم تكن واقعاً منكرة لما فعله بل كانت راضیة وانما كانت غرضها ان یتبین للناس قبح اعمالهم و شناعة العالهم وان سكوته لیس لرضاء بما اتوا به و مثل هذا كثیرا ما یقع فی العادات والمحاورات كما ان ملكا یعاتب بعض خواصه فی امر بعض الرعایا مع علمه ببرأته من جنا یتهم لیظهر لهم علم جرمهم وانه مما استوجب به اخص الناس بالملك عنه المعاتبة و نظیر ذالك مافعله موسیٰ علیہ السلام لما رجع الی قومه غضبان اسفا من القائه الالواح واخذه برأس اخیه یجره الیه ولم یكن غرضها انكار علی هارون بل اراد بذلك ان یعرف القوم عظم جفایتهم وشدة جرمهم كما مرالكلام فیه و امام حمله علی ان شدة الغضب والانف والغیظ مملتها علی ذلك مع علمها بحقیقة ما ارتكبه فلا ینفع فی دفع الفساد وینافی عصمتها و جلالتها التی عجزت عن ادرا كها احلام العباد۔ ۱۲ (بحار الانوار صفحہ ۱۲۳)

سے پیدا ہوتی ہوگی اور وہ یہ ہے کہ اعتراض فرمانا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جناب امیر رضی اللہ عنہ پر کہ انہوں نے ان کی مدد نہ کی اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہ کا جناب امیر رضی اللہ عنہ کو خطاوار ٹھہرانا باوجود اس بات کے جاننے کے کہ وہ امام ہیں اور واجب الاتباع، معصوم اور باوجود اس بات کے سمجھنے کے کہ انہوں نے کوئی کام نہیں کیا الا بحکم خدا اور مطابق وصیت رسول کے جو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عصمت و بزرگی کے خلاف ہے۔ یہ فرما کر ملا صاحب یہ جواب دیتے ہیں ((یمکن ان یجاب عنه)) کہ ممکن ہے کہ اس کا یوں جواب دیا جائے۔ جواب کے آغاز سے پہلے ہی جو الفاظ ملا صاحب نے بیان فرمائے ہیں وہ خود اس بات کو بتاتے ہیں کہ خود ملا صاحب اس جواب کو قابل تسلی و تشفی نہیں سمجھتے، پھر اس جواب کی تشریح فرماتے ہیں: ((بان هذه الکلمات صدرت منها لبعض المصالح...... الخ)) یعنی یہ باتیں جو آپ نے بیان فرمائیں وہ صرف بعض مصلحتوں کی وجہ سے تھیں، ورنہ حقیقت میں کچھ آپ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے کاموں سے خفا نہ تھیں بلکہ راضی تھیں اور اس کہنے سے غرض آپ کی صرف یہ تھی کہ لوگوں کو صحابہ کے اعمال کی قباحت اور ان کے افعال کی شناخت معلوم ہو جائے اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کا سکوت اس لیے نہ تھا کہ آپ لوگوں کی باتوں کو پسند کرتے ہوں یا اس سے راضی ہوں۔ اور اس طرح کی باتیں مصلحتاً کہنا عادات اور محاورات میں درست ہیں، جیسا کہ کوئی بادشاہ کسی اپنے بعض خواص پر کسی معاملہ میں جو رعیت سے سرزد ہوا ہو عتاب کرے گو وہ جانتا ہو کہ وہ خواص اس گناہ سے بری ہے، مگر اس عتاب سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ گناہ گار رعیت کے جرم کی عظمت لوگوں کو معلوم ہو جائے اور اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فعل ہے کہ جب وہ اپنی قوم کی طرف غصہ میں لوٹے اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کی داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچی اس سے کچھ غرض ان کی ہارون علیہ السلام پر عتاب ظاہر کرنا نہیں تھا بلکہ لوگوں کو بتانا کہ وہ سمجھ جائیں کہ ان کی خطا کیسی عظیم ہے اور ان کا جرم کیسا شدید ہے۔ آپ کا غصہ اور رنج کی شدت میں جناب امیر علیہ السلام کی کارروائی کی حقیقت سے خوب واقف تھیں، کچھ آپ کی عصمت اور عظمت کے خلاف نہیں ہے جس کے ادراک سے بندوں کے ذہن عاجز ہیں۔

اسی جواب کو ''حق الیقین'' میں ان لفظوں سے بیان کیا ہے:

((مؤلف گوید کہ دریں مقام تحقیق بعضی از امور ضروراست، اول دفع شبہ چند کہ ممکن است در خاطر خطورکند۔ اگر کسی گوید کہ اعتراض فاطمہ رضی اللہ عنہا بر حضرت امیر رضی اللہ عنہ باوجود عصمت ہر دوچہ صورت دارد، جواب گوئیم کہ ایں معارضہ محمول بر مصلحت ست از برائے آنکہ مردم دانند کہ حضرت امیر علیہ السلام ترک خلافت بر ضائے خود نہ کردہ بغصب فدك راضی نبودہ ودر قرآن بسیارے از معاملات با حضرت رسول شدہ و غرض تہدید و تادیب دیگر ان ست و ازیں قبیل است آنچہ از حضرت موسیٰ علیہ السلام صادر شددر وقتیکہ بسوئے قوم برگشت وایشاں عبادت گوسالہ کردہ بودنداز انداختن الواح و سروریش ہارون را گرفتہ بہ پیش کشیدندبا آنکہ می آنکہ می دانست کہ ہارون تقصیر اندارد تا آنکہ برقوم ظاہر شودشناعت عمل ایشاں، و مانند عتابے کہ حق تعالیٰ بہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خواھد کرد کہ ایا تو گفتی بمردم کہ مراومادر مرا خدا بدانند باآنکہ میداند کہ اونگفتہ است و مثل ایں بسیارست.))

''مؤلف کا بیان ہے کہ یہاں چند باتوں کی تحقیق ضروری ہے، اول یہ کہ ان شکوک وشبہات کو دور کیا جائے جن کا دلوں میں آنا ممکن ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جناب علی رضی اللہ عنہ کی عصمت کی پردہ دری کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد دراصل مصلحت کی وجہ سے تھا

تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی رضا سے منصب خلافت ترک نہیں کیا اور باغ فدک کے غصب کرنے پر راضی نہ تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں اکثر معاملات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ہیں جن کی غرض دوسرے لوگوں کی تہدید و تنبیہ ہے، اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب وہ اپنی قوم کے پاس لوٹے تو قوم کو ایک بچھڑے کو پوجتے دیکھا اور جو تختیاں ان کے پاس تھیں وہ پھینک دیں اور ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹا، حالانکہ حضرت ہارون علیہ السلام پیغمبر بابت خود انہیں علم تھا کہ اس میں ہارون کی کوئی غلطی نہیں ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کام صرف اس لیے تھا تا کہ قوم کو ان کی بدعملی کی برائیاں معلوم ہو جائیں، اور اللہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عتاب کرتے ہوئے یہ کہنا کہ کیا تم نے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا کہا جائے، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کو یا والدہ کو خدا نہیں کہلوایا اور اس قسم کی اکثر مثالیں ہیں۔"

اور صاحب "لمعة البیضاء" بھی قریب قریب اسی کی تاویل کرتے ہیں:

((كما يقول وما فعلت بالنسبة الى و على تلك الجرأة والجسارة مع علمها بانه امام مفترض الطاعة ولا يليق بمثله هذه المخاطبة من مثلها الا لا بداء شناعة مافعله ابوبكر من تلك الفعلة الفظيعة على الامة اثبات كفر العمرين كما فعل موسىٰ عليه السلام باخيه من الاخذ بلحيته وضرب على راسه حتى يعلم القوم شناعة عبادة العجل . (صفحه ۳۹۳)

اور صاحب "ناسخ التواریخ" اس سوال و جواب کے متعلق یہ فرماتے ہیں:

((مكشوف بادكه اسرار اهل بيت مستورست از مدركات امثال مامردم، بلكه مقداد رضی اللہ عنہ و ابوذر رضی اللہ عنہ وسلمان رضی اللہ عنہ

بـامـنـزلت بیرون‌ادب گام نزنند ودر سعید اے خاطر تمنائے ابـن طـلـب نه کنند۔ وقتی نمی دانم کجادیده ام که سلماندر خـدمت امیر المومنین از غصب خلافت و تقاعد آنحضرت ضـجـبـرتـے کرد علی رضی اللہ عنہ فـرمـودهاں اسے سلمان رضی اللہ عنہ می خواهی از اسرار هل بیت آگاهی بدست کنی بدیهی است که بیـرون اهل بیت کنی بد یهی است که بیرون اهل بیت آفریده را تـوانـائـے حـمل ایں بارگراں نیست هماناں فاطمه رضی اللہ عنہا کو مـحدثه بود و بحکم احادیث صحیحه بعلم ماکان وما یکون عالم بود لا جرم ازاں پیش که رسول خدا وداع جهاں گوید و حـوادث هـائـله نازل گردداز مخالف امت در امر خلافت و ضبـط فـدك و دعـوای آگـاهـی دشت و بحکم عصمت کی تشـریف مـوهـوبـه یـزدانـی اسـت جزبحکم خدا و رضائے علی رضی اللہ عنہ مـرتـضـیٰ سـخن نمی فرمود سخن اوسخن عمل عمران بود و کلمه اوودیعه خدا وند رحمن ، و مناعت محل اواز مـلـکوت و ملك رفیع تربودتا بعوالی وفدك چه رسد و چـه بسیـار وقـت حسنین را گرسنه می خوابا نید و بلغه یك شبه ایشاں رابسائلے می رسانید مملکت دنیادر چشم اوباپزد بـابـی بمیزان نمی رفت فدك دعوالی چیست و حاصل کدام اسـت اگر کوئی ایں خطاب و خطبه چه بودوایں همه فزع و شکوه چه واجب می نمود پس در حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ اظهـار جسـارت کر د و معذرت جس تن باجلباب عصمت بینونت داشت ، پاسخ ایں سخن رابدین گونه ساختگی کنیم

کـه اسـرار اهـل بیـت مستورست یه سرحی که مسطور افتاد والا آنـکـه گـوئیم بـحـکـم مـدرکات عقول ناقصه خود آنـحـضـرت هـمـی خواست که ظالم را از عادل و حق را از بـاطـل باز نماید تاآنکه خمیر مایه فطرت ایشان از تر شحات زلال ولایـت بهـره یـافتـه از طـریـق ضـلالت و غوایت باز شوندو به شاهره شریعت و هدایت روند.)) انتهی

''واضح ہو کہ اہل بیت کے اسرار ہم جیسے لوگوں کی سمجھ سے پوشیدہ ہیں اور مقداد اور ابوذر اور سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حد ادب سے باہر قدم نہیں رکھا، حالانکہ سلمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کہا ہے اور ان میں سے کسی نے اہل بیت کے برابر ہونے کی تمنا نہیں کی۔ میں نے کہیں دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ سلمان فارسیؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر غصب خلافت اور آپ کے پیچھے رہ جانے پر کدورت کا اظہار کیا، جس پر حضرت علیؓ نے کہا کہ اے سلمان! کیا تم اہل بیت کے اسرار سے واقفیت پیدا کرنا چاہتے ہو؟ اور واقعہ یہ ہے کہ اہل بیت کے سوائے کسی دوسرے کو اس بوجھ کے اٹھانے کی قوت نہیں ہے۔ اور احادیث کے بموجب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کیفیت یہ ہے کہ جو کچھ عالم میں ہوا یا آئندہ ہوگا وہ سب سے واقف تھیں، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے پردہ پوشی اور مصائب کا نزول، خلافت کے بارے میں لوگوں کا اختلاف اور باغ فدک کے سوائے حضرت علیؓ سے کوئی بات نہ کہتی تھیں، ان کی بات عمل کے مانند تھی کہ فدک کے معاملہ میں کیا ہوگا۔ انہوں نے اکثر اوقات حسنین رضی اللہ عنہما کو بھوکا رکھ کر سلایا اور فقیروں کے سوال پورے کیے دنیاوی مملکت ان کی نظر میں مکھی کے پر کے برابر بھی نہ تھی، فدک اور اس کے ملحقات اور مالیہ وغیرہ ان کی نظروں میں وقیع نہ تھا۔ اور اگر کہو کہ یہ گفتگو وغیرہ اور گلہ شکوہ کیوں کیا اور حضرت علیؓ سے ایسی

جسارت اور ان کی معذرت خواہی کیوں ہوئی تو اس بات کو اس طرح ختم کرتا ہوں کہ اہل بیت کے اسرار پس پردہ ہیں، جن میں سے بعض لکھے گئے ہیں ورنہ ہم تو یہی کہتے ہیں اور ہماری ناقص عقل میں یہی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا منشا ہی یہ تھا کہ ظالم کو منصف سے اور حق کو باطل سے اس طرح جدا کریں کہ لوگوں کی فطرت زلال اور ولایت سے بہرہ ور ہو اور گمراہی وکجی سے نکل کر شاہراہ شریعت و ہدایت پر گامزن ہو۔'' (ناسخ التواریخ، صفحہ ۹۱)

ہم اگرچہ ان جوابات کی نسبت کچھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں دیکھتے، اس لیے کہ ہر ایک سمجھ دار آدمی خود ان جوابات سے اس کی وقعت کا اندازہ کر سکے گا اور اسے یقین ہو جائے گا کہ بجز اس کے کہ یہ معاملات اسرار امامت سے سمجھے جائیں انسانی فہم سے خارج ہیں، مگر مختصراً کچھ کہنا مناسب سمجھتے ہیں۔

بحارالانوار میں جو جواب ملا باقر مجلسی نے دیا ہے کہ مصلحتاً حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے ایسی باتیں فرمائیں اور غرض آپ کی صرف یہ تھی کہ لوگوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال کی قباحت اور ان کے افعال کی شناعت ظاہر ہو جائے۔ غالباً ہر شخص اس جواب کو تعجب اور تاسف کی نگاہ سے دیکھے اور سمجھ لے گا کہ جب کچھ جواب نہ بنا تو بہ مجبوری بہ فحوائے ((الغریق یتشبث بکل حشیش)) یہ سمجھ کر کہ کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی چاہیے ملا صاحب نے جو دل میں آیا وہ لکھ دیا مگر اتنا خیال نہ فرمایا کہ یہ باتیں جو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے جناب امیر رضی اللہ عنہ سے فرمائیں وہ گھر میں کہی تھیں، جہاں سوائے آپ کے یا گھر کے لوگوں کے کوئی غیر نہ تھا جن کو سنانا منظور ہو اور غیروں کے سنانے کے لیے کوئی موقع بھی باقی نہ تھا۔ اس لیے کہ نہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کوئی دقیقہ ملامت اور الزام کا صحابہ رضی اللہ عنہم پر اٹھا رکھا تھا اور نہ بین المہاجرین والانصار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ظلم وستم کی کوئی بات باقی رکھی تھی اور نہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے فصیح و بلیغ خطبہ میں ان کی نسبت جو کچھ کہنا تھا، اس میں سے کچھ اٹھا رکھا تھا، کافر، مرتد اور جہنمی ہونا تک تو ان کا علی رؤس الاشہاد بیان فرما دیا تھا۔ وہ کون

سی بات باقی رہ گئی تھی جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رکھ کر سناتیں۔

ہاں ملا صاحب اگر یہ فرماتے تو ممکن تھا کہ آسمان کے فرشتے ہمدردی کرنے اور تسلی دینے کے لیے آپ کی دولت سرائے میں آئے تھے، ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا کفر و نفاق اور ان کے جور وتعدی سنانی منظور ہوگی۔ ان کے سنانے کے لیے غالباً حضرت معصومہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے یہ خطاب فرمایا ہوگا اور حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال جو ملا صاحب نے دی ہے وہ بھی اپنے دل کے خوش کرنے کے لیے بیان فرمائی ہے ورنہ اس کو اس سے کیا نسبت۔ اول تو یہ بات تسلیم نہیں کی گئی کہ حضرت ہارون علیہ السلام پر عتاب لوگوں کے دکھانے کے لیے کیا گیا تھا۔ سوائے اس کے جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا وہ علی رؤس الاشہاد تھا نہ کہ گھر میں بیٹھ کر اور تنہائی میں، جہاں کوئی دیکھنے والا سوائے فرشتوں کے کوئی نہ ہو۔ علاوہ بریں جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اس خطاب کو جو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے کیا اپنے ہی نسبت خیال کیا تھا نہ جیسا کہ ملا صاحب سمجھتے ہیں اسی مصلحت پر مبنی خیال فرمایا تھا، اس لیے کہ اس کے جواب میں جو آپ نے فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں: ((فقال لها امير المومنين لاويل لك بل الويل لشانك ثم نهنهنى عن وجدك يابنت الصفوة وبقية النبوة فما غنيت عن دينى والا اخطات مقدورى فان كنت تريدين البلغة فرزقك مضمون و كفيلك مامون وما اعدلك افضل مماقطع عنك فاحتسبى الله فقالت حسبى الله و امسكت .)) اس کا ترجمہ فارسی میں فاضل مجلسی ''حق الیقین'' میں اس طرح سے کرتے ہیں:

((جناب امیر در جواب ارشاد فرمودند که صبر کن و آتش ودر افرونشاں اے دختر برگزیدۂ عالمیاں واے باقی ماندۂ ذریت پیغمبر، من سستی در امر دین خود نه کردم و آنچه جانب خداماموربودم بعمل آوردم و آنچه مقدور بوداز طلب حق خوددراں تقصیر نه کردم وروزی تراواولاد ترا

خدا ضامن است۔))

’’حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی جواب دیا کہ صبر کرو اور غصہ کی آگ فرو کرو، اے دو جہاں کے برگزیدہ نبی کی بیٹی اور اے اولاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی رکھنے والی ماں! سنو، میں نے مذہبی امور میں خود سستی نہیں کی بلکہ خدا کے حکم کے موافق عمل پیرا ہوں اور میں نے حتی المقدور اپنے حق کی طلب میں کوئی کوتاہی نہیں کی تمہاری اور تمہاری اولاد کی معیشت و روزی کا اللہ ضامن و کفیل ہے۔‘‘

اس جواب سے کون شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس خطاب کو اپنی ذات پر محمول نہیں فرمایا تھا اور ان کے غصہ کو اپنی نسبت خیال نہیں کیا تھا! ورنہ آپ کیوں یہ فرماتے کہ میں نے کچھ کوتاہی نہیں کی اور جہاں تک مجھ سے ہوسکتا تھا اس میں دریغ نہیں کیا۔ بلکہ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمناً حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو ان کی غلطی پر آگاہ کرنا منظور تھا اور یہ کہنا کہ آپ غلطی پر ہیں کیوں آپ مجھ پر خفا ہوتی ہیں اور کیوں مجھے ایسی سخت وسست باتیں کہتی ہیں اور کیوں مجھے مثل جنین کے پردہ نشین ٹھہراتی ہیں، میں نے آپ کی مدد میں کوتاہی نہیں کی، میں نے آپ کے دعوے کی تائید کی، آپ کے سامنے صحابہ سے جھگڑا کیا، اور جہاں تک ممکن تھا ان کو ملامت کی، ان کا ظلم وستم ثابت کیا۔ اور چونکہ یہ سب باتیں میں نے آپ کے سامنے کیں، پھر بھی آپ مجھ پر خفا ہوتی ہیں اور مجھے بزدل اور خائف ٹھہراتی ہیں، یہ آپ کی شان سے بعید ہے۔ اور چونکہ یہ وہ باتیں ہیں جو شیعوں کی روایتوں میں بہ تفصیل منقول ہیں اس سے وہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عصمت میں خلل پیدا کرتے ہیں اور بہ مقتضائے بشریت آپ کو بے جا غصہ کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ حضرات شیعہ مجبور ہیں اور بے بنیاد اور غلط بات کے ثابت کرنے میں رقص الجمل فرماتے ہیں۔ ہر موقع کے لیے انہوں نے ایک روایت بنائی ہے اور ہر اعتراض کے لیے ان حضرات نے اپنے نزدیک ایک جواب گھڑا اور جھوٹ کو سچ کرنا چاہا۔

کاش! وہ ایک ہی بات اور ایک ہی روایت پر قائم رہتے تو اتنی دقت پیش نہ آتی اور ایسی فضیحت نہ ہوتی، مگر کثرت روایات اور اختلاف اقوال نے ہم کو جواب دینے کی محنت سے بچا لیا، اور اس تناقض اور اختلاف نے جو ان روایتوں اور بیانوں میں ہے ان کے دعوے کو ایسا باطل کر دیا کہ نہ کسی عدالت میں ان کے دعوے کی ڈگری ہوسکتی ہے، نہ غلط بیانی اور جھوٹی شہادت پیش کرنے سے وہ الزام سے بچ سکتے ہیں۔

تمت بالخیر

❀❀❀❀

یادداشت